تذکرۂ ہزار داستان

معروف بہ

۱۳۲۵

خمخانۂ جاوید

جلد دوم

مولفہ لالہ سری رام ایم۔ اے منصف دہلوی خلف الصدق
عالیجناب آنریبل رائے بہادر لالہ مدن گوپال صاحب گیلاشی

سنہ ۱۹۱۱ء

سرورق امپیریل بک ڈپو پریس دہلی میں باہتمام لالہ جیون لال چھپا



LALA SIRI RAM, M. A.

Engraved by Mehta Dial Dass Roorkee.



بحضورِ اقدس اعلیحضرت قدر قدرت بندگانِ عالی متعالی مظفر الممالک نظام الملک نظام الدولہ میر محبوب علیخاں بہادر

فتح جنگ آصفجاہ سادس جی سی ایس آئی جی سی بی شاہِ دکن خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ

ہندوستان میں زبانِ اُردو کی تصنیف یا تالیف کیلئے اس سے بڑی کوئی عزت نہیں ہوسکتی

کہ شاہِ دکن اعلیٰحضرت میر محبوب علیخاں جی سی ایس۔ آئی جی سی بی اپنے نام پر اسکا ڈیڈیکیشن منظور

فرمادیں یہ امتیاز جو آج توجہاتِ شاہانہ سے میری تالیف کو حاصل ہوتا ہی کہ اُردو کے سب سے بڑے سرپرست نے

جو علاوہ سریر آرائے سلطنت ہونیکے خود اقلیمِ سخن کا بھی تاجدار ہی۔ اس ناچیز نذر کو خلعتِ قبول عطا فرمایا ہی میرے

لیے ہمیشہ سرمایۂ ناز رہیگا برسوں کی محنت کا صلہ بندگانِ عالی کی اس ذرہ نوازی سے ملگیا ؎



غبارِ راہ گشتم سُرمہ گشتم تُوتیا گشتم
بہ چندیں رنگ گشتم تا بچشمت آشنا گشتم

میں نہایت ادب کے ساتھ تذکرۂ خمخانۂ جاوید کو حضور کے نامِ نامی سے معنون کرتا ہوں۔

اور اُمید کرتا ہوں کہ اس مبارک نام کی بدولت یہ تذکرہ بھی حیاتِ جاوید پائے گا ✦

گزرانیدۂ خادمِ انام سری رام

کھا کر خودکشی کرلی۔ اس حادثۂ روح فرسا سے تمام لکھنؤ میں حشر برپا ہوگیا۔ بادشاہ کو انکی وفات سے کمال صدمہ ہوا۔ اور یہ داغ مدت العمر لوحِ دل سے نہ مٹا۔ بادشاہ کے حکم سے قدسیہ محل کے غم میں تمام شہر سوگوار بنا۔ اور عجیب کہرام برپا ہوا۔

امام باڑہ ملحق عمارات چھتر منزل لکھنؤ۔ کربلا گومتی پار و تخت گاہ بنام نہاد بارہ امام محاذی حسین آباد آپ ہی کی عہد سلطنت کی یادگار ہیں۔ تخت گاہ میں قوم سادات کی دختران کمسن بہ لقب اچھوتی یعنی ازواج ائمہ معصومین تلاش کرکے جمع کیگئیں تھیں جہاں حضرت بادشاہ کی طرف سے اُنکی ہر طرح کی خدمت کیجاتی تھی اور لکھوکھا روپیہ کے نقد و جنس کے علاوہ زیورات مرصع و ملبوس فاخرہ انھیں بطور نذر دیے جاتے تھے۔ صرف یہی نہیں بلکہ کاروبار سلطنت میں اُنکا اور اُنکے اعزا و اقربا کا بڑا دخل تھا۔ کوئی امر اُنکی مرضی کے خلاف نہونے پاتا تھا۔ الغرض شاہی اخراجات حدانداز وقیاس سے افزوں تھے اور اسی طرح سے اسلاف کا خزانہ بالکل خالی ہوگیا۔

بادشاہ کے مزاج میں لاأبالی پن اور لہو ولعب کا شوق ازحد تھا۔ تلوّن مزاجی اور غصہ کا یہ عالم تھا کہ وزرا اور ہم جلیسوں کی جان ہتیلی پر رہتی تھی۔ اراذل کا ہر وقت گرد ہجوم رہتا تھا۔ انگریزی طرز معاشرت کے دلدادہ تھے۔ چنانچہ اکثر انگریزی لباس زیب بدن ہوتا تھا حتی کہ ٹوپی بھی انگریزی پہنتے تھے۔ مے نوشی حدِ اعتدال سے متجاوز ہو کر بلائے جان ہوگئی تھی۔ رفتہ رفتہ توائے جسمانی کمزور اور قوت اشتہا زائل ہونے لگی۔ اسی اثنا میں ۳ ربیع الآخر ۱۲۵۳ھ مطابق ۱۸۳۷ء دھنیا مہری نے جو معتمر خاص و ہمراز تھی طمع دنیوی سے بادشاہ کو زہر دیکر کام تمام کردیا۔ ۳۵ سال کی عمر پائی اور ۱۰ برس ۵ روز سلطنت کی۔ اپنی کربلا میں جو گومتی کے اُس پار بنائی تھی دفن کئے گئے۔ اور خلد منزل خطاب پایا۔ اس قلیل مدت سلطنت میں محاصل ملک کے علاوہ ۲۰ کرور روپیہ منجملہ اندوختہ متروکہ جد امجد نواب سعادت علیخان مرحوم صرف میں آیا۔ تاریخ رحلت ؎

رفت شاہِ جہاں سلیماں جاہ	سوئے جنت ز بارگاہِ اودھ
ہاتفے گفت از سرِ افسوس	بارم رفت بادشاہِ اودھ

آپ کے حقیقی چچا نواب نصیر الدولہ محمد علی شاہ کے لقب سے تخت نشین ہوئے۔ اگرچہ حضرت کی والدہ نواب بادشاہ محل صاحب نے فریدون بخت مناجان کو تخت نشین کر دیا تھا لیکن چونکہ بادشاہ اُنکی تہنیت سے انکار کر چکے تھے رزیڈنٹ نے انہیں تخت سے اُتار کر نواب نصیر الدولہ کو اورنگ نشین کر دیا۔ اور بیگم صاحبہ اور مناجان کو بجرم بغاوت چنار گڈھ میں نظر بند کر دیا۔

حاصل کلام یہ کہ طبیعت موزوں رکھتے تھے۔ اور کبھی کبھی اُردو اور فارسی میں بھی شعر گوئی کا اتفاق ہو جاتا تھا۔ اُن کی اُردو کی یہ غزل بہت مشہور ہے۔ فارسی کے بھی چند اشعار تذکرۂ آفتاب عالمتاب اور روز روشن میں نظر سے گذرے۔

یہ کس مست کے آنے کی آرزو ہے کہ ساقی لئے ساغرِ مشکبو ہے
سمایا ہے جب سے تو نظروں میں میری جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تو ہے
جتاؤں میں کیا اپنا حالِ پریشاں عیاں زلفِ دلدار سے مو بمو ہے
چلو قبرِ فرہاد پر فاتحہ کو مگر آبِ شیریں سے لازم وضو ہے
نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے
گلستاں میں جا کر ہر اک گُل کو دیکھا نہ تیری سی رنگت نہ تیری سی بو ہے
ستایا ہے ناحق ہمیں تُو نے ظالم یہ انصاف اللہ کے روبرو ہے
کیا چاک وحشت نے ایسا گریباں نہ بخیہ کے قابل نہ جائے رفو ہے
شفق سب سمجھے ہوتا ہے گردوں پہ ظاہر یہ کس کشتۂ بیگنہ کا لہو ہے
عبث مجھکو ہنس ہنس کے دیتے ہو گالی زباں کو سنبھالو یہ کیا گفتگو ہے
اگر آب سے بولا شبِ وصلِ جاناں چھری اور مرغِ سحر کا گلو ہے
رہے سایۂ پنجتن بادشاہ پر خداوندِ عالم نگہبان تو ہے

پارسا۔ منشی فیض پارسا شیخ احمد سرہندی کی اولاد میں تھے۔ غدر سے ۲۰-۲۵ سال پیشتر دہلی کے مدرسہ میں مدرس حساب تھے۔ گاہ گاہ شعر ریختہ بھی کہتے تھے۔ انہیں بزرگ کی تحریک سے

غازی الدین خان کے مدرسے میں جو اجمیری دروازہ کے باہر واقعہ ہے مجلس مشاعرہ کی بنا پڑی مدت تک یہ مشاعرہ نہایت رونق سے جاری رہا مشاہیر شعرائے پایۂ تخت مثل شاہ نصیر۔ مومن ذوق۔ آزردہ۔ غالب۔ شیفتہ۔ صہبائی اور اُنکے تلامذہ رشید جمع ہوکر داد سخنوری دیتے تھے۔ شاہ نصیر نے لکھنؤ میں بعض شعرائے نامی کی تحریک سے دو غزلیں کہیں تھیں جنکی ردیف اور قافیہ یہ تھا۔ نفس کی تیلیاں۔ دہن تپھر کے جب اکثر شعرائے دہلی نے اِن زمینوں میں غزلیں کہیں۔ تو شاہ نصیر کو یہ امر بہت ناگوار ہوا۔ چنانچہ اُنہوں نے اس زمین میں پچاس غزلوں کے قریب کہکر اپنے تلامیذ کو دیدیں۔ اور اس جلسہ کے بعد یہ التزام ہوا کہ ہر مشاعرہ میں طرح کی غزل کے علاوہ یہ طرح بھی برابر جاری رہی۔ الحاصل کئی ماہ تک تیلیوں کی ردیف پر غزلیں ہوتی رہیں۔ یہانتک کہ صدہا غزلیں اس زمین میں لکھی گئیں۔ شاہ نصیر مرحوم کی تلاش قابل صاد اور لایق داد ہے۔ کہ وہ ہر بار ستر اسّی شعر کا دو غزلہ پڑھتے تھے۔ ان کے علاوہ شاگردوں کی بھی غزلیں ہوتی تھیں۔ خاقانی ہند ذوق نے بھی اسی زمین میں ایک بڑا قصیدہ مرزا ابوظفر ولیعہد (جو بادشاہ ہوکر بہادر شاہ ہوئے) کی تعریف میں کہکر سر مشاعرہ پڑھا۔ انجام کار باہمی نزاع کیوجہ سے بزم مشاعرہ درہم و برہم ہوگئی اور اسکے بعد دہلی میں اس رتبے کا دوسرا مشاعرہ نہوا۔ جناب پارسا کے یہ دو شعر دستیاب ہوئے۔

ہے فریاد و فغاں گریہ و زاری سے مُدام کوئے الفت کے خاکسار اسے دل	کاش انساں نہ ہمیں حق نے بنایا ہوتا مثل آئینہ صاف طینت ہیں ہو

پارسا۔ منشی محرم علی پارسا۔ رندانہ مشرب بیباک وضع آدمی تھے۔ شعر گوئی میں مرزا صابر سے اصلاح لیتے تھے۔ یہ اُنکا کلام ہے سہ

جو دیوانے ہیں اُس پریرو کے نام کو پارسا ہوں میں لیکن	اُن کو کیا کام ہوشیاری سے مست ہوں نرگس خماری سے

پاکباز۔ میر صلاح الدین عرف پیر گھن خلف شاہ کمال نبیرۂ شاہ جمال شاگرد مصطفٰی خان یکرنگ شاہ مبارک آبرو کے بڑے عزیز دوست تھے۔ چنانچہ بعض اشعار میں بطور کنایہ اسطرف اشارہ کیا

ہے - اور یہ سجع بھی آبرو نے اُنکے نام کا کیا خوب کہا ہے۔ "عالم ہمہ دروغ است و محمد مکھن"۔ ان سے تین ہزار بیت کا دیوان یادگار ہے۔ آدمی یارباش خوش وضع اور شکیل تھے۔ اکثر وقت ظرافت و لطائف اور ریاضت میں صرف کرتے تھے۔ یہ آپ کے کلام کا نمونہ ہے۔

سبب مجھے درد و الم رہتا ہے نت گھیرے میاں صاحب
چھوڑو سے گھر سے نکلنا ورنہ او بانکی ادا
تلوار ڈھال کیونکہ کریں ایک دم جُدا
جلوے تمہارے حسن کے نت ہیں یہ ہم کہاں

خبر لیتے نہیں کیسے ہو تم میرے میاں صاحب
آجکل تلوار چلتی ہے تری رفتار پر
اس عاشقی میں رکھتے ہیں بہتو سے لاگ ہم
تو تو سجن ہمیشہ ہوا افسوس ہم نہیں

پذیر - منشی محمد عشرت خاں دہلوی - ان کے والد نوازش حسین خاں تنویر اچھے شاعر تھے - یہ خود دہلی کی عدالت میں سررشتہ دار رہے - اپنے والد کے ہمراہ نیپال بھی گئے تھے - سنہ ۱۲۶۶ ہجری سال ولادت ہے - مندرجہ ذیل کلام آپ سے منسوب ہے۔

سیماب کی طرح کسی کروٹ نہیں قرار
آنکھوں کو شوقِ دید نے نرگس بنا دیا
جب نہ ہو یار تو اُس جینے سے مرنا بہتر
دل ہے بیتاب وہ آتا کسی صورت سے نہیں
کیا کیا ہیں بشر جینے پہ نازاں کوئی دن کے
حال اُس سے کہوں یا ملک الموت کو دم دوں

خانہ خراب ہو دلِ پر اضطراب کا
جب سے بندھا خیال ہے اُس مستِ خواب کا
تو بھی کہہ کیا ہے تری اے دلِ بیمار صلاح
کچھ تو دے آج تو او ناصحِ غمخوار صلاح
سامان تو برسوں کے ہیں مہمان کوئی دن کے
دم لب پہ جب آیا تو وہ لینے خبر آئے

پروانہ - راجہ جسونت سنگھ مرحوم معروف بہ کاکاجی ابن مہاراجہ بینی بہادر نائب نواب شجاع الدولہ شاگرد لالہ سروپ سنگھ دیوانہ - ظاہری وجاہت اور حسن اخلاق کے باعث اپنے ہمعصر امراء میں ممتاز تھے ایک تذکرہ میں تو انکی خوبصورتی کی یہانتک تعریف لکھی ہے - کہ جوان یوسف مثال تھے - اور ایک زمانہ زلیخاوار انکا دیوانہ اور فریفتہ تھا - استعداد علمی بہت معقول تھی کچھ غزلیں میر مرحوم اور مصحفی کو بھی دکھائیں تھیں سنہ ۱۷۸۹ء میں لکھنؤ میں شان و شوکت سے زندگی بسر کرتے تھے - صاحبِ دیوان تھے

کلام بہت پاکیزہ اور عمدہ ہے خوش فکر اور طباع امیر تھے۔ ہندی کبت خوب کہتے تھے اور ارباب کمال کے بڑے قدردان تھے حضرتِ جرأت کا انتقال اُنکے زمانہ میں ہوا چنانچہ اُنہوں نے تاریخ وفات کہی ع کہو جنت نصیب جرأت ہے۔ ڈاکٹر اسپرنگر صاحب کے کتب خانے میں ان کا دیوان موجود تھا یہ ۱۸۵۱ء میں انتقال کیا کلام بہم رسیدہ کا انتخاب ملاحظہ ہو۔

کیا کیجئے ہمدم کہ اُسے دیکھ کے ہم تو
ہر چند سنبھالے رہے پر دل کو غش آیا

کرتے تو کیا قتل پہ خوں بہتے جو دیکھا
ٹھہرا نہ گیا سامنے قاتل کو غش آیا

آئینہ دلوں سے ہے صاحبِ جوہر کو زخم غم
اس دور میں تو عیب و ہنر دونوں ایک ہیں

جو کثرت میں وحدت سدا دیکھتے ہیں
بتوں میں وہ نورِ خدا دیکھتے ہیں

جو وہ تیغ ابرو ہیں خونریز ایسے
تو اک دن یہ گردن جدا دیکھتے ہیں

پھسلتا ہے پائے نگہ اسپہ ہر دم
ترے رخ کی جب ہم صفا دیکھتے ہیں

مقرر یہاں غیر آتا ہے شب کو
ترے گھر میں ہم نقشِ پا دیکھتے ہیں

جدا ہے جو پروانہ اُس شمع رو سے
نہایت دل اُسکا بجھا دیکھتے ہیں

چشمِ بد دور پری ہے کہ کوئی حور ہے تو
سر سے پا تک جو تجھے دیکھ کے اک نور ہے تو

لاکھ تدبیر کریں ہاتھ کوئی آتا ہے
اپنے نزدیک تو اے جان بہت دور ہے تو

بحرِ ہستی میں ترا جسم ہے مانند حباب
تو پا کدم کی ہوا کھانے پہ مسرور ہے تو

اُسکی مخشی انہیں تکھوتے ہیں بس نرگس
تجھ کو بینائی سے بہرہ نہیں معذور ہے تو

تن بدن میں جو لگی آگ تو اے پروانہ
کیا کرے اپنے جلا دینے میں مجبور ہے تو

ضعف سے خوش ہے ناتوانی ہے
بن ترے موت زندگانی ہے

کون مدفون ہے چمن میں صبا
جسکی تربت پہ گل فشانی ہے

پوچھتے کیا ہو مرغِ دل کا حال
کب سے وہ جنت آشیانی ہے

آبِ حسرت چھڑکتے ہیں سب خراب
رنگ چہرے کا زعفرانی ہے

آہ پروانہ شمع ہے لیکن | زور اس میں شرر فشانی ہے

اے دل تو نہ ڈر حلقۂ گیسو سے کسی کے | یہ سانپ ہیں کیلے ہوئے جادو کسی کے

دل یار سے اور درد مرے دل سے کبھی ہو | جانے کا نہیں اب تو میں پہلو سے کسی کے

تڑپتے جو دیکھی ہیں لاشیں تو دل اب | ترے کوچے کو کربلا جانتا ہے

کہتی ہے عندلیب چمن میں پکار کے | اپنے بھی دن پھریں جو پھریں دن بہار کے

جس نے دیکھا اُسے کیا سجدہ | غرض اُس بت نے بھی خدائی کی

قطعہ

دیکھ تو ہم سے راست بازوں سے | تو نے آخر یہ کج ادائی کی

ہم سے رکھ کر غبار خاطر میں | جا کر اغیار سے صفائی کی

اے دل آزار تو ہی کر انصاف | ہے یہی طرز دلربائی کی

عہد کیا کیا تھے اور قول و قرار | آہ تس پر بھی بے وفائی کی

سد لب ہے جام مے شرمندہ چشم مست سے تیری | صراحی بھی خجل ہے اس تری تصویر گردن سے

ایک دن دیکھا نہ تو عاشق کی غمخواری کرے | بیوفا تجھ سے کوئی کب تک وفاداری کرے

کوچۂ گیسو میں دل کو ڈھونڈیئے | کیا ہوا گر راہ کا کچھ پھیر ہے

نسیمِ آہ نے شاید کسی کے کی تاثیر | شگفتگی سی ترے غنچۂ دہاں پر ہے

پروانہ - منشی پروانہ علی مرادآبادی - رند مشرب - آزاد منش جوان اور اوائل میں منشی مراد علی حیرت کے شاگرد تھے پھر قیام الدین قائم سے تلمذ اختیار کیا - اکثر کلام باواز بلند کوچہ و بازار میں شعر پڑھتے پھرا کرتے تھے - آخر کار دیوانے ہو گئے - آخر اٹھارویں صدی میں حیات تھے۔

ہمت حضرت قائم سے اگر ہو امداد | چند ایام میں کر لیجئے دیوان درست

کیوں میاں پروانہ ہوئے جل کے ڈھیر | پھر بھی کسی شعلہ رو کو چاہیے

کیونکہ پیغام مجھے اسکا زبانی آوے | نام سنتے ہی مرا جسکو گرانی آوے

جھوٹ کہتا ہے تو قاصد یہ زبانی پیغام | مجکو باور نہیں جب تک نہ نشانی آوے

پرویز

پرویز۔ منشی مرتضیٰ خاں صاحب پرویز لکھنوی شاگرد حکیم سید علی ضامن صاحب شوق ابن جناب میر علی اوسط صاحب رشک لکھنوی آپ ۱۲۸۲ھ میں حیات تھے اس سے زیادہ حال معلوم نہ ہو سکا۔ یہ چند اشعار آپ کے نتائج افکار سے ہیں۔

ترا احسان ہو دور فلک میں زندگی بھر کا	ہمیں ساقی جو دے ساغر شراب روح پرور کا
کسی صورت نہیں ہٹتی نہیں کھلتے رخ و عارض	نقاب یار پردہ کا ہوا سد سکندر کا
سرائے دہر حیرت زا مسافر سب ہیں دو دن کے	بنا ہے شکل عبرت دیکھو آئینہ سکندر کا
نہ کیوں عشاق ٹھنڈی سانسیں بھر بھر تے مر جائیں	چراغوں کو بجھا دیتا ہے جھونکا باد صرصر کا
دم تزئین وہ خود بیں دیکھ کر صورت کو کہتا ہے	خدا کی شان میرے آگے آئینہ سکندر کا
ترس کھایا تڑپنے پر نہ کچھ پرویز کے اے بت	بتا بہر خدا تیرا کلیجہ کیا ہے پتھر کا

پرویز

پرویز۔ منشی سید یوسف حسین صاحب شاگرد مولانا بیدل آجکل حیدرآباد دکن میں مقیم ہیں۔ اور وہاں کے خوشفکر شعرا میں گنے جاتے ہیں یہ کلام کا رنگ ہے۔

ہوتی کیونکر دلنشیں تیری نصیحت ناصحا	دل میں تھے رخنے ہزاروں اور سینہ چاک تھا
سوزن تدبیر سے کیونکر رفو ہو چارہ گر	دامن تقدیر جب ہاتھوں نے اُنکے چاک تھا
کوئی واعظ سے یہ پوچھے آپ کو کیا	جسے چاہا اُسے ہم نے دیا دل

پرویں

پرویں۔ لالہ انگ رائے نائب محافظ دفتر کچہری فرخ آباد۔ غالباً نواب کلب حسین خاں صاحب نادر سے تلمذ تھا عرصہ ہوا انتقال کیا۔ کلام حاضر ہے۔

تیرے وصال کی نہ کبھی آرزو کریں	کیوں داغدار دل کو ہم اے لالہ رو کریں
دل کیوں جلائیں جان کو کیوں کھو بیٹھیں سب	تجھ کو کبھی نہ پیار ہم اے لالہ رو کریں
مانگا جو میں نے بوسۂ شیریں تو ناز سے	بولے وہ ہنس کے آپ نہ یہ آرزو کریں

پریشان

پریشان۔ پنڈت منولال صاحب دہلوی شاہ نصیر کے فیض تلمذ سے بہرہ ور اور اپنے ہمعصروں میں نامور تھے یہ اُنکے اشعار ہیں۔

خوباں کی ادا کوئی کب ناز سے خالی ہے	ہر بات پہ جھڑکی ہے ہر حرف پہ گالی ہے
ہم آئیں تو اُٹھ جاؤ غیر آئے تو آ بیٹھو	یہ وضع نئی جاناں کیا تم نے نکالی ہے

پریشان

پریشان۔ مولوی رشید محمد واجد خلف شاہ تراب الحق۔ آپ دانا پور پٹنہ کے پیرزادوں میں تھے اور مولوی ذاکر علی ذاکر بنارسی کے تلمذ سے بہرہ ور۔ عرصہ ہوا انتقال کیا۔ چند شعر ملے جنکا انتخاب درج ذیل ہے

دل بنا ہے سنگِ مقناطیس مجھ ناشاد کا	تا نہ طرفِ غیر جائے تیر اُس صیاد کا
خوب اے شیخ ریا کار بنا ہی توبہ	دل میں وہ بت ہے زباں پر ہے الٰہی توبہ

پریشان

پریشان۔ شیخ محمد نیاز علی پریشان بن شیخ رجب علی ساکن قدیم سندیلہ مقیم آگرہ۔ مرزا حاتم علی بیگ مہر کے شاگرد و صاحب تذکرہ شعرا و سخن و مثنوی سرمایۂ عشق ہیں۔ ۱۸۶۶ء میں اڑتیس سال کی عمر تھی۔ اور آگرہ میں مشاعرہ کیا کرتے تھے یہ اُنکا کلام ہے۔

نگاہیں پھیر کر صاحب تو بندے سے خفا ٹھیرے	تمہارے تیر چوکیں اور نشانے کی خطا ٹھیرے
بہاؤ چار آنسو بھی جو ہمکو قتل کرتے ہو	ملالِ خاطرِ نازک ہمارا خوں بہا ٹھیرے
کچھ ایسے پاؤں بہکے رہروانِ دشتِ الفت کے	بھٹک کر بتکدہ کی راہ سے کعبہ میں آ ٹھیرے

پنڈت

پنڈت۔ پنڈت دیارام کشمیری خلف پنڈت روپ چند۔ نواب عماد الملک غازی الدین خان وزیر کی رفاقت میں با عزاز و آبرو زندگی بسر کرتے تھے۔ اسی وجہ سے اُنکی جاگیر کی دار الریاست فرخ آباد میں زیادہ تر قیام رہتا تھا۔ فارسی کلام میں حافظ غلام محمد آزاد سے مشورہ لیتے تھے۔ شاہ عالم ثانی کے زمانے میں فروغ پایا آپ کے کچھ شعر مولوی قدرت اللہ شوق کے تذکرہ سے انتخاب ہو کر درج کئے گئے

اُس نے ابتک ادھر گذر نہ کیا	آہ نے آہ کچھ اثر نہ کیا
کیا تو نے خراب خانۂ دل	اے صنم کچھ خدا کا ڈر نہ کیا
جان سے ہم گذر گئے لیکن	کبھی تو نے ادھر گذر نہ کیا
آیا جو وہ گل تو گل چمن میں	پھولے نہ سمائے سیر چمن میں
اے جان اگر چلا تو یہ جان	تجھ بن نہ رہے گی جان تن میں

پہنچی ہیں جو لب کی تیری باتیں
لایا جو وہ جوئے شیر تو کیا
آنکھوں سے بہاتا خوں کا دریا
اب تم بھی تو کچھ سلیقہ پنڈت
کیونکر دل اُس پر شیدا نہ ہووے
اک عمر سے ہے زلفوں کا لٹکا
سُن سُن کے ہمارے آہ و نالے
دیکھا ہے وہ جب سے لالہ رخسار
ہوتی ہیں مژہ کی برچھیاں پار
بالا ہی بتا دے سرو بالا
ہم پر بھی نگاہ ڈالے پنڈت

بیت قدر عقیق ہے یمن میں
اُستاد تھا تیشہ کے وہ فن میں
طاقت یہ کہاں تھی کوہکن میں
پیدا کرو شعر او رسخن میں
جس کا کہ ثانی پیدا نہ ہووے
ڈرتا ہوں دل کو سودا نہ ہووے
نالاں ہیں پاس رہنے والے
جینے کے پڑے ہیں ہم کو لالے
وہ شوخ او نہر جو دیکھے بھالے
ہیں کان میں جب سے پہنے بالے
اُس بُت کے خدا یہ دل میں ڈالے

پورن - منشی پورن سنگھ کایستھ ساکن شاہجہان آباد - نواب سعادت یار خان رنگین کے تلامذہ میں مشہور اور شہر کے نامور اطبا میں انکا شمار تھا۔ سنسکرت سے بخوبی ماہر اور بالخصوص فن ویدک (طب) میں اپنے زمانے میں بے مثل تھے۔ گاہے گاہے تفنن طبع کے طور پر شعر بھی کہہ لیا کرتے تھے۔ غدر ۱۸۵۷ء سے دس بارہ برس پیشتر انتقال فرمایا۔ یہ ان کے اشعار ہیں۔

ہم نام رہائی سے بیزار ہیں اے ہمدم
شمشیر تو وا بر وا اس دل پہ چلا بیٹھے
اس رہ میں روا رو ہی لازم ہے سدا پورن
پیچ و خم کاکل میں مت جا نیو دل شب کو

دل چاہِ زنخداں میں ہے جب سے اسیر اپنا
چھوڑا ہے نگہِ ظالم تو بھی کبھی تیر اپنا
سامانِ سفر رکھے طیار فقیر اپنا
اس راہ میں تو چلکر ہووے نہ خجل شب کو

پہنچا - ان بزرگ کا نام معلوم نہیں ہوا۔ مسٹر ایف فیلن اپنے تذکرہ میں ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ حضرت فردوس آرامگاہ کے عہد میں دہلی میں رہتے تھے۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ ہندو تھے

بعض کہتے ہیں کہ مسلمان تھے۔ یہ تین شعر اُنکے ہیں۔

ہر چند کہا دل کو اُسنے نہ کہا مانا	پھر دیکھا تو بیجا ہے دیوانے کا سمجھانا
چمن میں نکتہ کہا جب صبا نے تجھ لب کا	دہن جو گل کا کھلا تھا مُندا نہیں تب کا
زلف کو کہنا پریشاں عقل کی دُوری ہے یہ	ہر گرہ میں اُسکے دل ہے گانٹھ کی پوری ہے یہ

پیام

پیام - شرف الدین علیخان پیام سراج الدین علیخان آرزو کے شاگرد اور اکبرآباد کے رہنے والے تھے تذکرہ نویسوں نے انہیں طبقۂ دوم کے شعرا میں مانا ہے۔ محمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں فروغ پایا۔ تاباں کے دیوان میں انکی تاریخ وفات موجود ہے۔ فارسی میں بھی صاحبِ دیوان تھے۔ اور ضروریاتِ فن سے باخبر۔ فکرِ صائب و طبع رسا رکھتے تھے۔

دلی کے کج کلاہ لڑکوں نے ہو	قطعہ	کام عشاق کا تمام کیا
ایک عاشق نظر نہیں آتا		ٹوپی والوں نے قتل عام کیا
تم ہو بوس و کنار کی صورت		ہم ہیں امیدوار کی صورت
بے نوا ہوں زکاۃ حسن کی دے		او میاں مالدار کی صورت ہو
بات منصور کی فضولی ہے		ورنہ عاشق کو آہ سُولی ہے

پیام

پیام - مرزا حیدر بیگ مغل پورہ من مضاف دہلی کے باشندے - اور اوائل میں وہیں رہتے تھے۔ دہلی میں شادی ہو جانے کے باعث یہاں آ رہے تھے۔ غدر سے چند سال پیشتر کے مشاعروں میں شریک ہوتے رہے اوائل مشق کا کلام حاضر ہے۔

اس آہِ بے اثر نے کیا کچھ نہ کچھ اثر	کل پوچھتا تھا میری گلی کا نشاں وہ شوخ
دیکھا تو کیا جوابِ نزاکت کہ کل پیام	بیتاب ہو گیا ترا سنکر فغاں وہ شوخ
مر جائے بھی کوئی تو تاسف نہ ہو اُسے	پالا پڑا ہے آن کے کس سنگدل کے ساتھ
میرے نالوں سے ہوا سینۂ گردوں افگار	کہ پڑا شام و سحر خون شفق ٹپکے ہے

پیر

پیر - منشی مہاراج سنگھ ساکن متھرا - ذات کے چوبے اور جا لئے تعجب ہے کہ بہت کم خوراک تھے خط شکستہ

کی تحریر میں اچھی مہارت حاصل تھی۔ اوائل میں جوان تخلص کرتے تھے۔ پھر پیر تخلص اختیار کیا۔ دہلی قبل از غدر اکثر آیا کرتے تھے۔

رات دن کا ہے ترا مشغلہ آرائشِ زلف	اِس سے کیا تجکو کہ ہے حال پریشاں میرا
میں وہ خاکستر افسردہ ہوں جوں صبح کہ پیر	داغ خورشید ہے اِک اخگرِ سوزاں میرا
قبر پر فریادیوں کے اپنے تو ہرگز نہ جا	تیرا پیچھا کب چھٹا اِس خاکِ دامن گیر سے

پیرجی

پیرجی۔ پیرجی قمرالدین صاحب دہلوی۔ شاگرد نواب اسد اللہ خانِ غالب و سالک مرحوم۔ کتب فروشی اور معلمی سے بسر اوقات کرتے تھے۔ ۱۲۹۸ھ میں فوت ہوئے۔

رہ و رسم و محبت سے خبر تمکو نہیں اصلا	ٹھکانا زاہدوں کیا ہے تمہارے دین وایماں کا
پیرجی عشق میں گھلے ایسے	اُڑ گیا گوشت رہگیا چھلکا
پوچھتا کیا ہے شب مجھکو ہوئی کیونکر بسر	رات بھر چھاتی پہ رکھا ہے تری تصویر کو
وہ کیا غیر سے رشتۂ مہر توڑیں	کہ یہ بھی نزاکت کے شایاں نہیں ہے
مرے دل کو کس طرح سے ہو مسرت	کہ اِس بزم میں ہائے رضواں نہیں ہے
ہر اِک شعر اس کا ہے گنج معانی	مقرر یہ غالب سے شاداں نہیں ہے



ت

تاب

تاب - پنڈت مہتاب رائے دہلوی - آپ کا اصلی وطن کشمیر تھا مگر کئی پشت سے دہلی میں خاندان کی سکونت تھی - استعداد علمی معقول اور شعر نہایت اچھا کہتے تھے - اُنیسویں صدی کے شروع میں حیات تھے - لِ نکے یہ دو شعر فرط شہرت سے انکی طباعی اور نکتہ سنجی کے کافی گواہ ہیں -

خوہوتی ہمیشہ سے تمہاری اگر ایسی	تو کاہکو بجھتی مری اے فتنہ گر ایسی
یا تنگ نکر ناصحِ ناداں سبب مجھے اتنا	یا پ چلکے دکھا دے دہن ایسا کمر ایسی

تاب

تاب - میر حیدر قوال ولد میر محبت علی ساکن پانی پت - غدر سے دس بارہ برس پیشتر دہلی میں رہتے تھے - فن موسیقی کو عالم شباب میں ایک درویش کامل وہرم داس نامی سے جو اس فن میں عدیم النظیر تھے حاصل کیا تھا - نکاتِ فن سے کامل واقفیت کے علاوہ نہایت خوش گلو اور خوش لہجہ تھے - آواز میں غضب کا درد تھا - شعر گوئی کیطرف بھی کبھی توجہ ہو جاتی تھی - یہ دو شعر مرزا صابر کے تذکرے سے منتخب ہو کر درج ہوئے -

میں تو تھا غافل زمانے کا پہ الفت کے طفیل	کوئی سودائی کہے ہے کوئی دیوانہ سب مجھے
کثرتِ دل ہر شکن میں دیکھ غیرت سے مُوا	آفتِ جاں ہوگیا زلفوں کا سلجھانا اب مجھے

تاب

تاب - مرزا الطاف حسین شرف تاب گورگانی - خلفِ مرزا امداد اشرف - غدر کے چھ مہینے بعد انھوں نے ظاہر ہو کر حکام سرکار انگریزی سے مدد معاش چاہی بعد تحقیقات پچاس روپیہ ماہوار پنشن مقرر ہوئی اور اور جزیرۂ موروسی سوگن کو بھیجے گئے - یہ ایک شعر انکا ہے -

دیا ہے ہمنے دل اے تاب کس بہیر کو دیکھو	کہ پروا ہو نہ اُسکو اور اُس پر اپنا دم نکلے

تابان

تابان - میر عبدالحی دہلوی ، سلسلۂ نسب انکا حضرت علی موسیٰ رضا علیہ السلام تک پہنچتا ہے - یہ دلی میں پیدا ہوئے - ایسے حسین و جمیل تھے کہ لوگ انکو یوسف ثانی کہتے تھے - دلی میں ان کی خوبصورتی کی یہ شہرت ہوئی کہ ایک بار خود شاہ عالم بادشاہ انکے دیکھنے کے مشتاق ہوئے - حشمت خاں

کے پھاٹک کے پاس مکان تھا اور وہ بڑا دروازہ جو کوچہ مذکور سے لاہوری دروازے کے بازار میں نکلتا ہے اُس کے بالاخانے پر انکی نشست تھی (یہ مکان ابتک موجود ہے)۔ ایک روز بادشاہ سوار ہوکر اِس راہ سے نکلے۔ انہیں بھی اِسکی پہلے سے اطلاع مل چکی تھی۔ بازار کی طرف مونڈھا بچھا کر آبیٹھے۔ بادشاہ جب اِس مقام پر پہنچے تو اسلئے کہ سواری ٹھیر اسنے کو ایک بہانہ ہو آبِ خاصہ مانگا اور اُسے نوش فرما کر دیکھتے ہوئے چلے گئے۔ میر تاباں حُسن یوسفی کے ساتھ عاشق مزاج بھی تھے۔ قاسم نے انہیں تیسرے طبقے کے شعرا میں لکھا ہے۔ یہ اپنے زمانے میں ہر دلعزیزی کے باعث امرا و رؤسا کے جلسوں کی جان سمجھے جاتے تھے۔ اور معمولی حیثیت میں بھی امیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ رنگین مزاج ایسے تھے کہ کوئی میلا تماشا بغیر جائے نرہتا تھا۔ شوق بھی اپنے تذکرے میں انکی حسن وخوبی اور خندہ جبینی کی تعریف کرتے ہیں۔ مشہور ہے کہ ابتدائے جوانی میں انکو اسقدر میگساری کا شوق ہوا کہ شب و روز مست و مخمور رہنے لگے۔ اس وجہ سے سخت بیمار ہوئے اور افسوس کہ عرصے قلیل میں وہ آفتاب تاباں افق ظلمت سے ہمکنار ہوا اور اپنی رحلت سے جہان کو تیرہ و تار کردیا۔ میر تاباں حضرت میرزا مظہر جانجاناں علیہ الرحمۃ کے مرید تھے۔ فن سخن میں کئی استادوں سے فیض پایا تھا۔ شاہ حاتم نے اپنے دیوان کے دیباچے میں جہاں اپنے تلامذہ کا ذکر کیا ہے اِس زمرے میں انکا نام بھی لکھا ہے اور خود انکے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے میر محمد علی حشمت سے بھی اصلاح لی تھی۔ شیفتہ کا قول ہے کہ تاباں مرزا رفیع سودا کو اپنا کلام دکھاتے اور اُنکی شاگردی پر فخر کیا کرتے تھے۔ انکا لباس اکثر سیاہ رنگ کا ہوتا تھا۔ جو اُنکی دلکش شکل اور جامہ زیب بدن پر نہایت بھلا معلوم ہوتا تھا۔ قدیم تذکروں میں اِنکے حسن وجمال اور طرزِ معاشرت کی خوب خوب حالات لکھے ہیں۔ فیلن صاحب کہتے ہیں کہ میر تاباں ۱۷۹۰ء میں بقید حیات تھے۔ بہر حال انہوں نے عالمِ شباب میں دہلی میں انتقال کیا۔ فن سخن میں بھی نامور ہوئے۔ صاحب دیوان تھے۔ اور زبان خوب سمجھتے تھے۔ خصوصاً معاملے کے اشعار نہایت صاف ہوتے تھے۔ دیوان انکا میرے کتب خانے میں موجود ہے۔ اسمیں سے اشعار ذیل منتخب ہوئے ؎

اے مرد خدا ہو تو پرستار بتاں کا
مذہب ہی میں مرے کفر ہے انکار بتاں کا

مجھے آتا ہے رونا ایسی تنہائی پہ اے تاباں
نہ یار اپنا نہ دل اپنا نہ تن اپنا نہ جاں اپنا

آشنا ہو چکا ہوں میں سب کا
جسکو دیکھا سو اپنے مطلب کا

بلبلو کیا کرو گے اب چھپ کر
گلستاں تو اُجڑ چکا کب کا

یاں پلک بھی نہ ہم سکیں جھپکا
ایسا قاصد تو جا یہ تو لپکا

جفا پہ اپنی پشیماں نہ ہو ہوا سو ہوا
تری بلا سے مری جی پہ جو ہوا سو ہوا

بنائی خاک بھی تاباں کی ستمنے پھر ظالم
وہ ایک دم ہے ترے روبرو ہوا سو ہوا

رخسار و زلف میں ہے اُس گلبدن کے مجھکو
مانند شمع و شبنم لیل و نہار رونا

تبسم دیکھ اُس غنچہ دہن کا
جگر ٹکڑے ہوا ہے ہر کلی کا

تاباں تو رشتۂ غم و اندوہ توڑ اب
تارِ نگہ میں اشک کے موتی پرو چکا

میں خواب میں دیکھا ہے اُسے مہندی لگائے
کیا جانئے کس کس کا لہو آج بہے گا

تاباں فلک سے کیونکہ بھرے ساغر مراد
رہتا ہے واژگوں یہ پیالہ حباب کا

کس کس طرح کی دلمیں گذرتی ہیں حسرتیں
ہے وصل سے زیادہ مزا انتظار کا

اُڑا دے صبا خاک میری اگر تو
تو کوچہ میں اُس بیوفا کے ہی لیجا

حرم کو چھوڑ رہوں کیوں نہ تیکدے میں شیخ
کہ یاں ہر ایک کو ہے مرتبہ خدائی کا

اخگر کو تہ خاک چھپا رکھیں ہیں دیکھ کر سمجھا
تاباں تو تہ خاک بھی جلتا ہی رہیگا

خزاں تک تو رہنے دے صیاد ہمکو
کہاں یہ چمن پھر کہاں آشیانا

ترے غم سے نسیاں ہے یاں تک کہ مجکو
ادھر بات کہنی اُدھر بھول جانا

کمی کیا مے کی ہو جاویگی مینا میں اے ساقی
اگر ہمکو پلا دے گا کبھی اک جام کیا ہو گا

اسباب جہاں کی تو ولا فکر نہ کر تو
حاصل نہیں کچھ اسمیں بجز رنج و مشقت

یہ وہ بت ہیں جنہوں نے رام عالم کو کیا اپنا
کوئی انسے لگا کر دل چھڑا سکتا ہے کیا قدرت

ہنستا ہے گل چمن میں تو نالاں ہے عندلیب	وہ دل خوشی نہ دیکھے کبھی اس جہاں کی بیچ
دیکھا اسکو خواب میں جب آنکھ کھل جاتی ہے صبح	کیا کہوں میں کیا قیامت مجھپہ تب لاتی ہے صبح
آگے تو آپ تے حسن پہ مغرور تھا ہنی تو	اب چاہنے سے میرے ہے دونا ترا گھمنڈ
ہجر میں ساقی کے یارو جب کبھی آتا ہے ابر	تب ہمارے سر پہ کیا روز سیہ لاتا ہے ابر
جو عاشق مرے عشق کی راہ میں	کرو کوچۂ یار میں اسکی قبر
لے میری خبر چشم مرے یار کی کیونکر	بیمار عیادت کرے بیمار کی کیونکر
منصور کو ہوتی نہ اگر دار سے سیڑھی	تو راہ وہ پاتا ترے دیدار کی کیونکر
گل زمیں سے جو نکلتے ہیں برنگ شعلہ	کوئی جاں سوختہ جلتا ہے تہ خاک ہنوز
دیکھ قاصد کو مرے یار نے پوچھا تاباں	کیا مرے ہجر میں جیتا ہے وہ غمناک ہنوز
دل مرا لبیک ہے لبیک حرم سے بیزار	جا کے بتخانہ میں سنتا ہے صدائے ناقوس
پالکی بھی سب مجھے خدا نے دی	تو بھی تاباں رہا میں خانہ بدوش
کسی سے اسلئے کرتے نہیں ہیں ہم اخلاص	کہ بے نفاق زمانہ میں اب ہے کم اخلاص
ان بتوں کو تو مرے ساتھ محبت ہوتی	کاش بنتا میں برہمن ہی مسلماں کے عوض
ماہ پہونچے ہے کہاں منہ کی جھلک کو تیرے	وہ بھی ہر چند کہ روشن ہے پہ یہ نور نہیں
کوئی دن دیکھنے دے موسم گل	ارے صیاد پھر بہار کہاں
گلشن میں بیٹھنے کو تمہارے دہن کے ساتھ	کھولا تھا منہ کو کلیوں نے پر کچھ نہ بولیاں
سودے میں گذرتی ہے کیا خوب طرح تاباں	دو چار گھڑی رونا دو چار گھڑی باتیں
سن فصل گل خوشی ہو گلشن میں آئیاں ہیں	کیا بلبلوں نے دیکھو دھومیں مچائیاں ہیں
انجان ہو تو اس سے کوئی درد دل کہے	جو جانتا ہو میں اسے آگاہ کیا کروں
ذرا اسے گل نہ آیا رحم اس صیاد کے دل میں	رہی حسرت چمن کی بلبل ناشاد کے دل میں
اسی کا کام تھا جو بات کہکر جی دیا اپنا	نہ آیا کچھ بھی دھڑکا جان کا فرہاد کے دل میں

مرے نزدیک شادی اور غم دونو برابر ہیں
کہ اصلاً غم نہیں ہوتا کبھی آزاد کے دلمیں

کوئی عاشق ہوا اُسپر تو اسکو قتل کرتا ہے
ترحم کچھ نہیں تاباں مرے جلاد کے دلمیں

یہانتک تپش ہے عشق کی مجھ میں کہ بعد مرگ
گل بھی مرے مزار پہ گل کر گلاب ہو

مرتے ہیں آرزو میں اس وقت آن پہونچو
ٹک تاکہ دیکھ لیں ہم جلدی سے جان پہونچو

تیرے کمند زلف کے ملک بہ ملک ہیں اسیر
بسمل خنجر نگاہ خانہ بخانہ کو بہ کو

گر اُٹھے شعلۂ سوز جگر پروانہ
آپ سے آپ جلیں بال و پر پروانہ

جو پختہ مغز ہیں سو سوز دل نہیں رکھتے
کسی نے شمع سے جلتے ہیں کچھ سنا بھی ہے

عاشق کے واقعہ کو کہا سُن کے یار نے
مرنے نہ دیتا اسکو جو ہوتی خبر مجھے

اے باغباں اب تو جلتے ہیں ہم قفس میں
چھوٹے تو پھر ملیں گے گر بال و پر رہینگے

جاتی ہے عمر ہر دم ہمکو خبر نہیں ہے
کیا جانیے کہ کبتک ہم بے خبر رہینگے

نہ تجھے شرم بے وفائی ہے
نہ مجھے طاقت جدائی ہے

ظالم میری وفا کا جو لیتا ہے تو حساب
اپنی جفا و ظلم کا بھی کچھ شمار ہے

بیاں کیا کروں ناتوانی میں اپنی
مجھے بات کرنے کی طاقت کہاں ہے

کروں دعوئے خوں میں قاتل سو اپنے
کب آئے گی یارب قیامت کہاں ہے

میں شکوہ کروں جور ظالم کا لیکن
مجھے آہ و نالے سے فرصت کہاں ہے

اسیری سے یانتک ہوئی ابتو الفت
کہ شام قفس ہمکو صبح چمن ہے

مقرر نہیں کوئی تاباں کا مذہب
کہیں ہے مسلماں کہیں برہمن ہے

علاج دلفگاراں ہے تری آنکھوں کی مخموری
کہ حد نافع ہے زخمی کے تئیں صہبائے انگوری

تجھے اے ماہرو میں شمع سے تشبیہ دوں کیونکر
کہ کچھ نسبت نہیں ہے اسکو وہ ناری ہے تو نوری

کس سے فریاد کروں میں کہ وہ ہرجائی ہے
آہ اس بات میں میری بھی تو رسوائی ہے

محفل کے بیچ سُنکے مرے سوز دل کا حال
بے اختیار شمع کے آنسو ڈھلک پڑے

کاٹیں ہیں بتاں تاباں جوں شمع زباں میری		یاں بات کے کہنے کی ہوتی ہے گنہ گاری
تو مے پی اسقدر ظالم کہ تجکو کیف کم ہووے		ترا بیہوش ہوجانا ہمارا ہوش کھوتا ہے
قیامت مجھپہ کل کی رات اسکے ہجر میں لائی		نہ آیا یار میرا آج بھی وہ رات پھر آئی
ہوتا ہوں ترا جو اشتیاقی ساقی	رباعی	بیخود ہو پکارتا ہوں ساقی ساقی
ہے مجکو خمار شب کا۔ لا صبح ہوئی		شیشہ میں جو کچھ کہ مے ہے باقی ساقی
آتش عشق کی کب ہے دل بیتاب کو تاب		قایم النار بھی سیماب کہیں ہوتا ہے
بجھے فعلوں سے کیا تاباں کے ناصح		وہ جانے اور اسکا کام جانے

تضمین

میں تیرے عشق سے ازبسکہ کفر میں آیا	طریق مسجد و بتخانہ ایک سا سوجھا
تمام خلق نے مشہور ملحد و بیدیں کیا	دیا ہے قتل کا قاضی نے بھی مرے فتوی

بجرم عشق توام میکشند غوغائیست
تو نیز بر سرِ بام آ کہ خوش تماشائیست

مری حیرت کی صورت دیکھ آئینہ ہوا حیراں	مری فریاد سن سنکر حرم بھی ہے سدا نالاں
مرے افسردہ دلکو دیکھکر کمھلا گئیں کلیاں	مری واسوختگی کو سن کے ہر شب شمع ہے گریاں

مری بیتابیوں کو دیکھکر جلتا ہے پروانہ

تاباں

تاباں - مرزا شجاع الدین احمد خاں تاباں خلف الرشید نواب شہاب الدین احمد خاں ثاقب مرحوم خلف اکبر نواب ضیاء الدین احمد خاں بہادر مغفور رئیس لوہارو - ١٨٦٠ء میں پیدا ہوئے - علوم مشرقی میں معقول دستگاہ رکھتے ہیں - فن سخن میں پہلے نواب حسین علیخان شاداں مرحوم سے تلمذ اختیار کیا پھر حضرتِ داغ سے مستفید ہوئے - آپکے دو دیوان مرتب ہو چکے ہیں - کچھ عرصے سے ریاست حیدرآباد میں بھی وظیفہ خوار رہے ہیں - اب دہلی میں خانہ نشین ہیں - میرزا باقر علیخان کامل خلف متبنی حضرتِ غالب کی بیٹی انکے نکاح میں ہیں - آپ کا منتخب کلام اچھا ہوتا ہے - مشّاق اور

زود گو ہیں اور کم و بیش جملہ اصناف سخن میں دخل رکھتے ہیں۔ شطرنج کا شوق ہے اور اچھا کھیلتے ہیں راقم تذکرہ کے ولی عنایت فرما ہیں زبان صاف بندش درست ہے۔ طبیعت میں آمد غضب کی ہے۔ اور کیوں نہو شبانہ روز یہی مشغلہ ہے۔ اپنی نازک خیالی اور شاعری پر فریفتہ ہیں۔ کلام کا جو اُنہیں کا عطیہ ہے انتخاب درج ذیل ہے۔

لیا ہے پہلے دل اب جان پہلے	کریگا اور الفت آزما کیا
ہوا تا باں کو جینا مرنے سے بدتر جو یاد آیا	طلب کا جاں بحق ہونا دہر مغفور مائل کا
ارمان رہے نکل کے شب وصل یار میں	بیچلے نرہ سکے دل اُمیدوار میں
آئینہ سے بھی رشک رقابت ہے کسلیے	وہ بھی تو دیکھتا ہے بناؤ سنگار میں
نا استواریاں تیرے وعدہ کی بیوفا	ہیں استوار وعدۂ نا استوار میں
پریشاں کر چکی ہیں میری آہیں	یہ ممکن ہے کہ وہ غیروں کو چاہیں
تلوّن انکا شیوہ ہو گیا ہے	محبت ایک سے کیونکر نباہیں
کیا زخمی میرے دل کو جگر کو	چلیں ہیں تیر بن بنکر نگاہیں
نہ آیا راہ پر وہ شوخ سہمتے	نکالیں سینکڑوں ملنے کی راہیں
وہ اکیا ہے بجز اُسکے تن زار محبت میں	کہ ہے تار نفس اُلجھا ہوا تار محبت میں
کسی پر مر مٹے ناصح تو اُسکو حال کھل جائے	کہ کیونکر رات دن کٹتی ہے انکار محبت میں
ہوا ہے سب سے بیگانہ زمانہ میں یگانہ ہے	عجب وارفتگی پاتا ہوں سرشار محبت میں
کہتے ہو تم کہ مجھسا جہاں میں حسیں نہیں	آئینہ دیکھکر بھی کہو گے کہیں نہیں
تری شوخیاں اور مری حسرتیں	سر بزم سب کچھ بیاں کر چکیں
نگاہیں تری اُس پہ پڑنے لگیں	نگہبانیاں پاسباں کر چکیں
وعدہ وہ وعدہ ہے جو وقت پہ ایفا ہو جائے	یوں تو ہر ایک سے وہ وعدہ کیا کرتے ہیں
نظر آگیا جو وہ جلوہ نہیں ہے	اُسے دیکھنا کچھ تماشا نہیں ہے

جو اُس بت کی چوکھٹ کو چوما تو بولا
یہ کعبہ نہیں ہے کلیسا نہیں ہے

ہاتھ سے وضع و دید سے ہی بنی
غیر سے آشتی کیے ہی بنی

وہ جو روٹھے شراب بھی چھوٹی
من گئے جب کبھی پیے ہی بنی

دل کے لیتے ہی دین بھی مانگا
جو کہا اُس نے وہ کیے ہی بنی

آج تاباں سے متقی کو بھی
دُردِ آلودہ مے پیے ہی بنی

ابرو کی تیغ سے سرِ مقتل لٹا مجھے
مرجاؤں میں تو بن کے مسیحا جلا مجھے

خیالات زاہد کو ہیں دور کے
مزے چل کے جنت میں لو حور کے

یہ ہونا ہے اک دن کہ تجھے چھوڑ کے بیٹھیں
کب تک ترا کہنا دلِ ناشاد کرینگے

یہ دعا میں مانگتا ہوں کہ مر دل میں آ تو ہی
آپ کا تیرِ نظر خنجر بنے اور ٹوٹ جائے

جفا پر وفا مجھ وفادار کی
زبانوں پہ بن کر کہانی رہے

تو ہی بتا دے ناصحِ ناداں میں کیا کروں
دل اختیار میں ہے نہ وہ اختیار کے

تاباں

تاباں - منشی احمد خاں خلف منشی عباد اللہ خان متوطن خورجہ ضلع بلند شہر۔ آغا شاعر دہلوی سے اپنے کلام میں مشورہ کرتے ہیں۔ طرزِ جدید میں بھی فکر کرتے ہیں۔ اگرچہ ابھی نومشقی کا عالم ہے مگر طبیعت تیز اور ذہین ہے اگر کہے گئے تو اچھی ترقی کر جائیں گے۔ زبان کی صفائی کی طرف توجہ زیادہ ہے۔ صاف شعر کہتے ہیں۔ ۱۰ برس کی عمر سے فکر کرتے ہیں ۲۶ برس کی (۱۹۰۸ء) عمر ہے اور گوالیار امپریل سروس انفنٹری میں کپتان ہیں۔ یہ آپ کا کلام ہے۔

گھر کر گئی ہے دل میں یہ کچھ لذتِ ستم
ڈرتا ہوں ہو نہ جائے وہ بت مہرباں کہیں

یہ مقتضائے طرزِ تمدن ہے ورنہ شیخ
دوزخ کہیں ہے اور نہ باغِ جناں کہیں

یاروں کی ایک چال تھی یہ بھی ڈرو نہیں
دنیا میں حشر کرتی ہیں آہ و فغاں کہیں

کیا پوچھتے ہو جیتے ہیں مرنے کی آس پر
وہ دن خدا دکھائے کہ آئے قضا کبھی

بیچیں ہم آپ شوق سے سر کاٹ لیجیے
پھیریں گے منہ نہ تیغ سے اہلِ وفا کبھی

آج وہ برگشتہ مژگاں غیر کی محفل میں ہے	ہائے کیا چبھتا ہوا کانٹا ہمارے دل میں ہے
سنا منصور کا قصہ تو مجھ سے ہنسکے فرمایا	گنہ گار محبت کے لئے یہ بھی سزا کم تھی

تابش

تابش۔ محمد جعفر نام۔ انکا اصلی وطن الہ آباد تھا مگر غدر سے بیس پچیس برس پیشتر دہلی میں آن رہے تھے جوانی میں معقول عہدوں پر ممتاز رہے۔ موزوں طبع تھے اور اسطرح کہتے تھے۔

کبھی بن بادہ رہ نہیں سکتے	توبہ کچھ ہمکو سازگار نہیں
دل میں خوش ہیں عدو پرائے تابش	وہ ستمگر کسیکا یار نہیں

تابش

تابش۔ محمد عبدالباری نام، خلف منشی سید محمد قاسم مرحوم، مولد و مسکن صاحب گنج گیا ہے عمر ۱۹ سال کی ہے۔ فارسی بقدر مناسب جانتے ہیں اور ہنوز زیر تعلیم ہیں۔ حافظ محمد عبدالرحمن بسمل سُہناروی کے حلقۂ درس میں داخل ہیں۔ منشی سید مہدی حسن سازش جونپوری خلف اوسط مولوی حکیم سید اولاد علی کاہش جونپوری کے نواسے ہیں۔ انکے والد بھی شاعر تھے اور قمر تخلص کرتے تھے۔ وہ مولوی فصیح احمد حشر بتھیوی سے اصلاح لیتے تھے۔ تابش کو عرصہ قلیل سے شعرگوئی شوق ہوا ہے۔ خواجہ محمد عبدالرؤف عشرت لکھنوی شاگرد شیخ محمد جان شاد پیرو میر سے تلمذ ہے۔ ایک غزل انکی ہمیں ملی، اسمیں سے یہ شعر منتخب ہوئے۔

صاف انکار سے وعدہ تو نہ ٹالا ہوتا	معذرت کا کوئی پہلو بھی نکالا ہوتا
اور کیا تھا جو میں دیتا عوض اک بوسے کے	نقد دل پیشکش خدمت والا ہوتا
عشق کرنا تھا حسینوں سے اگر تم تابش	پہلے اپنے دل نالاں کو سنبھالا ہوتا

تاثیر

تاثیر۔ خواجہ محمد جان صاحب لکھنوی شاگرد نسیم دہلوی۔ عرصہ ہوا انتقال کیا۔ کچھ غزلیں نظر سے گزریں انکا انتخاب حاضر ہے۔

بال کھولے ہوئے زلفوں کی پریزاد آیا	دام بردوش چمن میں مرا صیاد آیا
بتکدے سے طرف کعبہ چلے ہم آخر	ایسا اس بت نے ستایا کہ خدا یاد آیا
ہے وہ تیزی کہ تصور نے بنایا بسمل	آپ کا خنجر ابرو جو مجھے یاد آیا

خوب ہشیار کیا اسکے تغافل نے مجھے	بھولا وہ بت مجھے ایسا کہ خدا یاد آیا
ستاتے ہیں لحد سٹی مری برباد کرتے ہیں	ستم ایجاد ابتک یہ ستم ایجاد کرتے ہیں
وہ بلبل ہیں ہمیں صیاد جب آزاد کرتے ہیں	عوض شور مبارکباد کے فریاد کرتے ہیں
نشان جسم تک باقی نہیں ہے ناتوانی سے	عبث تدبیر محبوسی مرے صیاد کرتے ہیں
واقف ہے درد دل سے مرے خوب وہ حسین	کیوں پوچھتا ہے پھر سبب انتشار دل

تاثیر

تاثیر۔ لالہ کنہیالال ولد لالہ کیول کشن باشندہ فرخ آباد۔ منشی سید اسمٰعیل حسین صاحب منیر کے تلامذۂ خوش فکر سے تھے۔ ایام غدر میں حیات تھے۔ زیادہ حال معلوم نہو سکا۔ یہ انکے اشعار ہیں۔

خنجر سے دل کے سینکڑوں ٹکڑے جو کر دیئے	میرا کلیجہ بڑھ گیا اسے گل ہزار ہا تھ
ہاتھوں کو ناچ میں جو تکرار اٹھا دیئے	وریلے حسن آپ کا طرح بچا چار ہا تھ
تاثیر کیسے دامن قاتل نہ چھو سکا	دوڑائے بسملوں نے عبث بار بار ہا تھ

تاثیر

تاثیر۔ حافظ محمد حسین دہلوی۔ غدر سے پیشتر دہلی میں موجود اور خدابخش خاں تنویر کے شاگرد تھے۔ زیادہ حال معلوم نہیں۔ یہ کلام ہے۔

وہ ہوا پاس تو تابو میں دل اپنا نہوا	ہائے مطلب تو ہوا حب لطف نہوا
بیمار کیا اور بھی اس کم نظری نے	ظالم ہمیں مارا تری بیدادگری نے
بتخانے کے خیال نے کعبہ جھکا دیا	الفت بتو نکی لائی کہاں سے کہاں مجھے

تاثیر

تاثیر۔ حکیم محمد محسن خاں۔ سنام ریاست پٹیالے کے رہنے والے اور موجودہ کے شعرا میں ہیں۔ آپکو غالباً مولانا شوکت سے تلمذ رہا ہے۔ کلام ملاحظہ ہو۔

وصال یار سے بڑھکر ہے لذت سوز فرقت میں	مزہ پاتا ہوں دوزخ میں مرا جاتا ہوں جنت میں
چراغ مہر لیکر ڈھونڈھنے کو مہر نکلا ہے	مری گم گشتہ قسمت کو غبار شام غربت میں
آبلہ پا ہوں مجھے چھوڑا ہے کیوں گلزار میں	لیچلو مسکن ہے میرا وادی پر خار میں
کیوں نہ آجائے قیامت کھیلتی بازار میں	خود ابھی الجھتے آرہے ہیں اپنی ہی رفتار میں

تاج

تاج ۔ منشی محمد تاج مقیم انبالہ ۔ آپ کو مولانا شوکت میرٹھی سے تلمذ ہے ۔ زیادہ حال معلوم نہو سکا ۔ اب کلام ملاحظہ ہو ۔

پہلو میں رشکِ ماہ تھا دورِ شراب تھا	اک بُرج میں قرانِ مہ و آفتاب تھا
پل پل جب انگلیوں پہ گنے ہمنے روزِ ہجر	اپنے حساب تو وہی روزِ حساب تھا
سینے پہ بحرِ حسن کے ابھرا ہوا تھا کچھ	یہ قلزمِ شباب کا شاید حباب تھا
آئینے یہاں کر کرتے ہو ایجاں جاں نہیں	اسی میری جان جانئیں اب میری جاں نہیں
کیوں پست حوصلہ ہوں مقدر کے سامنے	ہے یہ تو شکوہ عدل کا داور کے سامنے
خورشید یوں ہے عارضِ انور کے سامنے	جیسے چراغ مہرِ منور کے سامنے
اس چاہ نے خدا سے مجھے سرنگوں کیا	کرتا ہوں سجدہ اک بتِ کافر کے سامنے
آنکھوں میں کس غضب کی ہے تسخیرِ سامری	افسوں چلے نہ چشمِ فسوں گر کے سامنے

تاج

تاج ۔ سید عظمت شاہ صاحب رامپوری شاگرد منشی عابد حسین اوج رامپوری زمانۂ حال کے نوشق لوگوں میں ہیں ۔ یہ کلام کا انتخاب ہے ۔

میکشی سے خاک اب توبہ کریں	ایک وو دم زندگانی اور ہے
توبہ بھی کر لینگے ناصح پی تو لیں	کوئی دن کی یہ جوانی اور ہے
کیا ہوا گر حشر تک زندہ رہے	خضر عمرِ جاودانی اور ہے
فائدہ کیا جبر و دستار سے	دین کی زاہد نشانی اور ہے

تاسف

تاسف ۔ سید محمد حسن صاحب حضرت پوری تلمیذ حضرت عشق لکھنوی آپکا مطبوعہ دیوان موجود ہے ۔ جسکا انتخاب حاضر کیا جاتا ہے ۔ باوجود تلاش حالات دستیاب نہو سکے ۔ کلام سے یہ بات ظاہر ہے کہ شعر گوئی میں خاصی قدرت رکھتے تھے ۔ مضمون کی طرف بھی طبیعت دوڑتی ہے نشستِ الفاظ و اندازِ بیان بھی خاصہ ہے ۔ اب کلام ملاحظہ ہو ۔

کیا ترحم آگیا کچھ دل کو تیرے وقتِ ذبح	ہاتھ کیوں چلتا ہے قاتل حلق پر رکتا ہوا

شعلۂ عشق سربلند رہا
اس پہ دل صورت سپند رہا

سوختہ قسمت ہوں ایسا مزرع امید پر
برق گرتی ہیں اگر باران رحمت مانگتا

آب رحمت سے بجھاتا گر نہ خالق روز حشر
شعلۂ دل سے امان مہر قیامت مانگتا

وہ آگ دل میں لگی تھی تمہاری فرقت سے
کہ ابر دیدۂ گریاں جسے بجھا نہ سکا

رخ محبوب جب پیش نظر تھا
چراغ طور گویا جلوہ گر تھا

پس مرگ بھی حشر برپا رہا
ہماری محبت کا چرچا رہا

مسیحا کی صورت نہ آئی نظر
مریض غم ہجر مرتا رہا

ہم تھے قریب مرگ کہ وہ مہرباں ہوا
پیری جب آئی بخت ہمارا جواں ہوا

ہوا ممنون میں تیر نظر کا
نشاں بھی اب نہیں درد جگر کا

شہرہ ہمارے قتل سے انکا سوا ہوا
ناحق کا خون غازۂ تیغ جفا ہوا

ہوا سے اڑ گئیں زلفیں جو انکے روئے روشن پر
ہوا مستو نہیں غل کالی گھٹا چھائی ہر گلشن پر

اے فلک جاؤں کدھر میں کوئے جاناں چھوڑ کر
بلبل نالاں کہاں جائے گلستاں چھوڑ کر

رخسار سے بہم ہیں جو گیسو الگ الگ
بل کھا رہے ہیں کیا یہ سیہ رو الگ الگ

باندھا گلا کسی نے تو کاٹا کسی نے سر
کرتے ہیں ظلم گیسو و ابرو الگ الگ

ہو کے ابرو نگہ سے تری بسمل قاتل
لذت قند مکرر ہوئی حاصل قاتل

تیز بھوں سے بھی خنجر کو نہیں کرتا ہے
حق نے پتھر کا بنایا ہے ترا دل قاتل

ہزاروں عاشقوں کا خون ہو گا وہ نکھرتے ہیں
دھر لے ہے سامنے آئینہ کو گیسو سنورتے ہیں

ہر جا ہے اسکا جلوۂ رخ وہ کدھر نہیں
پر جس سے دیکھ لیں وہ ہماری نظر نہیں

مضمون درد قابل شرح و بیاں نہیں
تم جسکو سن سکو وہ مری داستاں نہیں

پہ چرخ کو چکر زمیں کو زلزلہ لرزاں ہیں کہ وہ
خوف میری آہ سوزاں سے تمہیں لیکن نہیں

کیونکر نہ زندگی ہو بسر اضطراب میں
دل پھنس گیا ہے کاکل پُر پیچ و تاب میں

تمہارے گیسو و خالِ جبیں کا وصف ہو کیونکر	نہ ایسا دام دیکھا ہے نہ اس انداز کا دانہ
محبِ اندوہ سے بہتر نہ پایا کوئی دنیا میں	نچھوڑا ساتھ مرنے پر اسے کہتے ہیں یارانہ
زلفِ سنبل اور ہے گیسوئے جاناں اور ہے	زلفِ پیچاں اور ہے زلفِ پریشاں اور ہے
بجائے اشک اب خونِ جگر آنکھوں سے بہتا ہے	الٰہی کس طرح کا درد ہے جو دل میں رہتا ہے
خلوت ہے کنج باغ ہے فصلِ بہار ہے	ساقی شتاب آ کہ ترا انتظار ہے
یاد تیرے زلف و ابرو کی ہیں بھولوں کس طرح	پاؤں میں زنجیر ہے اور حلق پر شمشیر ہے
گلے سے لگانیکے قابل نہیں ہے	ولا ماہِ نو تیغِ قاتل نہیں ہے
تاسف وہ گل کیا ترے بس میں ہوگا	کہ قابو میں تیرے ترا دل نہیں ہے
کہتے ہیں وہ نظر مری تجھپر رہا تو کی	لایق اگر وفا کے نہ تھا تو جفا تو کی
شکوہ کیا نہ آنے کا اُسنے تو یہ کہا	دل میں تمہارے یاد ہماری رہا تو کی
آہ ابتک کوئی نکلی نہ شرر سے خالی	اشک ٹپکا نہ کوئی لختِ جگر سے خالی

جدا ہی کر دیا تیغِ جفا سے	بہت اچھی دوا لے دردِ سر کی
تعلق دستِ وحشت کو ہوا اپنے گریباں سے	بہار آتے ہی جنگل کو چلے اوٹھکر گلستاں سے

تاسف

تاسف - جناب ناصر الدین حیدر صاحب خورجوی ضلع بلند شہر۔

ناکام آرزوئے محبت کا کام کر	ابرو سے کام لے کوئی خنجر اگر نہو
ہم اور ترکِ عشقِ بتاں واہ ناصحا	یہ تو کبھی نہ ہم سے ہوا عمر بھر نہو

تائب

تائب - مولوی محمد حسین تائب برادر زادۂ حقیقی مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی۔ فخر الشعرا میر نظام الدین ممنون کے تلمذ سے فیضیاب تھے۔ شعر بہت کم کہتے تھے مگر سخن فہم اعلےٰ درجے کے تھے۔ دورِ موجودہ کے مشہور شاعر قاضی غیاث الدین خورشید آپ ہی کے شاگرد ہیں وش بارہ[۱۲] سال ہوئے انتقال فرمایا۔ یہ آپکا کلام ہے۔

مجھکو جب عہدِ وفا یاد آیا	اُسکو بھی شغلِ جفا یاد آیا

کہیے اُس بت کو مشابہ کس سے	دیکھ کر جس کو خدا یاد آیا
عہد پیری میں جوانی کی اُمنگ	آہ کس وقت میں کیا یاد آیا
پھر کتاں وار جگر چاک ہوا	پھر کوئی ماہ لقا یاد آیا

تابؔ

تابؔ - اِن کا اور حال معلوم نہوا - صرف اِسقدر واقفیت ہے کہ سنہ ۱۲۷۶ھ کے گلدستۂ شعرا میں اِن کی غزلیں دیکھی گئیں انہیں کا انتخاب درج تذکرہ ہے - کلام کے ملاحظہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی مشاق اور طبیعت دار تھے -

غضب ہے یار ترے پھول سے بدن کی بہار	بنائے گی ہمیں دیوانہ اِس چمن کی بہار
جو دیکھ پائیں عنادل ترے بدن کی بہار	نظر میں اُنکے ابھی خار ہو چمن کی بہار
دکھا رہا ہے عجب رنگ کوہ پر لالہ	پس فنا ہے عیاں خونِ کوہکن کی بہار
ضرور عارضِ گلرنگ تیرے دیکھے ہیں	نہیں سفید ہے بیوجہ نسترن کی بہار
کسی روش نہ ریاضِ جہاں پہ ہو راغب	کہ پنج روزہ ہے تابؔ بس اس چمن کی بہار

وہ لڑکپن کی چال چلتے ہیں	بوسہ دینے پہ بھی مچلتے ہیں
ہم اِدھر ہو رہے ہیں سینہ سپر	تیر مژگاں اُدھر سے چلتے ہیں
باغ دنیا میں وہ شجر ہیں ہم	پھولتے ہیں کبھی نہ پھلتے ہیں
ٹکڑے ہیں دامن و گریباں کے	خوب وحشت کے ہاتھ چلتے ہیں
ڈھونڈھتا ہوں اُنھیں جو اے تابؔ	خانۂ دل میں وہ نکلتے ہیں

تابؔ

تابؔ - مولانا حافظ شاہ احمد خان شاہجہانپوری عرف بدھن خان خلف رن باز خاں عربی فارسی کے جید عالم اور سن رسیدہ آدمی ہیں - شاہجہانپور روہیلکھنڈ کے متوطن اور قوم کے پٹھان ہیں - سنہ ۱۲۵۳ھ سال پیدایش ہے اس حساب سے اب ۷۵ سال کی عمر ہے - بچپنے ہی میں عارضہ چیچک کی بدولت آنکھوں سے معذور ہو گئے - لیکن چونکہ حافظہ بہت درست پایا تھا اُستاد کی اندک توجہ سے حافظِ قرآن ہو گئے - اِسی طرح کتب درسیہ اکثر حفظ کر لیں - نواب غلام حسین خاں

رئیس سے فارسی پڑھی اور انھیں کے فیضان صحبت سے شاعری کیطرف توجہ ہوئی بعد فراغ تحصیل علوم درس دینا شروع کیا۔ اکثر منتہی طالب علم اسے درس پا چکے ہیں سنہ ۱۳۰۰ھ میں مدرسہ اسلامی بمبئی کے مدرسی کے واسطے طلب ہوئے مگر چند ماہ بعد ملازمت ترک کر کے اپنے ہموطن دوست معشوق علیخان صاحب جوہر کے پاس بھوپال چلے گئے۔ اُنکی وساطت سے نواب عالمگیر محمد خاں کی سرکار سے تیس ۳۰ روپیہ ماہوار اور خاصہ مقرر ہوگیا۔ ۶ ماہ وہاں قیام کیا اور طلبار کو درس دیتے رہے۔ ریاست میں باضابطہ ملازمت کا سلسلہ درپیش تھا کہ ناموافقت آب وہوا کے باعث علیل ہو کر وطن چلے آئے۔ اور پھر ۱۶ برس تک مدرسہ عربی کے ہیڈ مولوی رہے۔ اب بطور خود منتہی طلبار کو گھر پر درس دیتے ہیں۔ شعر کا بہت شوق ہے۔ شاہجہانپور کے شاعروں کی رکن رکین سمجھے جاتے ہیں۔ تصانیف میں دیوان اُردو کے علاوہ انشا مشہد عشرت نام بڑی ضخیم کتاب ہے جسمیں متعدد اقسام نثر کے نمونے دکھائے ہیں۔ آپ کے شاگرد بکثرت ہیں جن میں تحمل جلالپوری صاحب دیوان ہیں۔ انتخاب کلام ملاحظہ ہو۔

داغ بیچارہ کے دلمیں نہو کیونکر ساقی
نہیں چلتا کوئی فقرہ نہیں بنتا کوئی حیلہ
تنگ وجود مجھسا جہانمیں کہیں نہیں
کھینچے ہوئے ہیں چلہ گماں کی کمان کا
سر پر نہیں یہ چرخ ہے اُمڈا ہوا دھواں
بلبل کے سوز دل نے بھڑک کر جلا دیا
بد تر کسیکی موت سے یوں زندگی نہو
برسیں ہوئیں سسکتے نکلتی نہیں ہے جان
دفتر مرے گناہ گئے جو دے کر تک گئے
غم نہیں تلخی دشنام نے گر زہر دیا

ساغر مے ہوا لالۂ گلشن اُن کا
بسان کوشش بیجا ہر رنگ سعی باطل ہوں
آنسو کے پونچھنے کیلئے آستیں نہیں
چٹکی سے چھوٹنے کا خدنگ یقیں نہیں
چھالا پڑا ہے پاؤں کے نیچے زمیں نہیں
کلیاں قبای گل میں نہیں آستیں نہیں
جیسا میں بد نصیب ہوں یارب کوئی نہو
مرجانا عاشقو تکا ترے دل لگی نہو
تیوری جو مغفرت نے چڑھائی ٹھٹک گئے
لب قاتل میں ہے اعجاز مسیحائی بھی

شہیدِ ناز کا مٹھی میں کیسدن خوں بہا لائی / شہادت کا مسک شوخیِ رنگِ حنا لائی
گلا ہم سخت جانوں کا اجل سے کٹ نہیں سکتا / پھر الٹا کر سان پر سو بار شمشیرِ قضا لائی
خدا کے سامنے ہوگا مرا ہاتھ اور ترا دامن / جو اس کوچے سے میری خاک اے بادِ صبا لائی

تھے کدھر اے مری آنکھو نئے گذرنے والے / شیشۂ دل میں پری بن کے اترنے والے
دے اگر اللہ دل انسان کو رکھدے اسمیں داغ / عشق کا سودا عطا کردے جو سر پیدا کرے
واہ ری قسمت کہ ہم پیدا ہوئے اس عہد میں / عیب سے بدتر ہے گر کوئی ہنر پیدا کرے
رند کہتے ہیں خدا انساں سے پوشیدہ نہیں / دیکھنے کے واسطے زاہد نظر پیدا کرے
بے خبر ہیں نہیں کچھ ہمکو خبر ہوتی ہے / صبح ہوتی ہے کہاں شام کدھر ہوتی ہے
ضعف کا بعدِ فنا بھی یہ اثر ہے باقی / میرے مرنیکی جو برسوں میں خبر ہوتی ہے
بیقراری سے دلِ مضطر کی کیا حاصل مجھے / کر چکا تیرِ نگاہِ جانستاں بسمل مجھے
کچھ نہیں معلوم کس آفت کی ہے تاثیرِ حسن / بھول جاتا ہے تجھے پاتے ہی میرا دل مجھے
ابر کے پردہ سے باہر آفتاب آنے کو ہے / توڑ کر جوبن کی دیواریں شباب آنیکو ہے
رخصت اے وسوسۂ توبہ کہ ہے فصلِ بہار / خیر مقدم ہوسِ بادہ کہ بادل آئے
شمع فانوس ہوئے بزم میں اندھیر ہوا / تم جو آنکھوں میں لگائے ہوئے کاجل آئے
خوبرو یونہیں جلا کرتا ہوں تائب مثلِ شمع / ہیں پری پیکر سمجھتے مشعلِ محفل مجھے

تائب

تائب۔ مولوی عبد القادر۔ مولانا شوکت میرٹھی کے شاگرد ہیں۔ قصبہ بوڑیہ ضلع انبالا انکا وطن تھا اور ۱۸۸۴ء میں شملے میں آرمی پریس کے مالک تھے۔ یہ چند شعر انکے نتائجِ افکار سے ہیں۔

کیا فائدہ سر لاکھ زمیں پر کوئی رگڑے / پیشانی کا لکھا کبھی زائل نہیں ہوتا
طے ہو نہیں سکتے کبھی عرفاں کی منازل / رہبر جو کوئی مرشدِ کامل نہیں ہوتا
تیغِ ابرو سے شہادت ہے مری قسمت میں / مجکو دم دیتا ہے ہر دم دمِ شمشیر عبث
کب کسی کے یہ ہوئے ہیں بتِ بے پیر کہو / جان پر کھیلتے ہیں عاشقِ دلگیر عبث

سیم و زر خاک کا ہے ڈھیر جو قسمت میں نہو	سنگِ پارس ہے عبث نسخۂ اکسیر عبث

تائب

تائب - منشی کھنو لال صاحب خلف منشی جھاؤ لال صاحب تلمیذ و نبیرۂ جناب واجب لکھنوی ملازم کوٹھی خزانہ میرٹھ بنک - آپ قوم کے کائستھ ہیں اور ریاست حیدر آباد سے بھی کچھ وظیفہ پاتے ہیں - عرصہ تک وہاں رہے بھی ہیں - دو تین چھوٹے چھوٹے رسالے جنمیں گانے کی چیزیں جمع کی ہیں تالیف کر کے شائع کرا چکے ہیں -

اب کس طرح سے کہیے جئے گا وہ غمزدہ	تائب کو تمنے دل سے بھلایا یہ کیا کیا
کھول کر بال جو وہ گیسوؤں والا نکلا	کوئی مجنوں کوئی مفتوں کوئی شیدا نکلا
قیس نے دشت میں دیکھا جو بگولہ اُٹھتے	دوڑ کر کہنے لگا ناقۂ لیلیٰ نکلا
چاہت میں جوانی ہوئی برباد ہماری	سنتا نہیں اب بھی دلِ ناشاد ہماری
بیکار چبھوتا ہے مرے جسم میں نشتر	خالی ہیں رگیں خون سے فصاد ہماری
صحرا میں مجھے دیکھ کے مجنوں یہ پکارا	اِس وقت مدد کیجئے اُستاد ہماری
دیکھئے کس کسکے ماتھے جائے کس کسکا ہو خوں	نیمچہ زیبِ کمر ہے ہاتھ میں شمشیر ہے
دل کھنچا آتا ہے میرا خود بخود آنکھوں کی راہ	ہائے کس کافر کی یہ جادو بھری تصویر ہے
کہتے ہیں جسکو تیرگیِ شامِ ہجر لوگ	سایہ ہیں وہ فقط مرے بختِ سیاہ کے
مرے آپکے حسن و الفت کا قصہ	جہاں دیکھئے اب وہاں ہو رہا ہے
یہ کیونکر عاشقِ جانباز تیرا دل سے بندہ ہو	عجب اللہ نے اے بت تری صورت بنائی ہے
نہیں طاقت ہے مجھ میں دو قدم بھی راہ چلنے کی	کشش تیری محبت کی یہانتک کھینچ لائی ہے

تبارک

تبارک - ابو البرکات سید محمد تبارک حسین صاحب سہسرامی مقیم شہر کلکتہ تلمیذ حضرتِ داغ دہلوی - زیادہ حال معلوم نہیں یہ چند شعر انکے ہیں -

اثر تجھ میں بھی گر اے نالہ ہائے بے اثر ہوتے	وہ مجھپر نام ہی کو مہرباں ہوتے مگر ہوتے
زمیں پاؤں کے نیچے سے سرک جاتی ہے ہجر انمیں	کسیکو بھی نہ دیکھا ہے ہمنے حامیِ وقت پر ہوتے

فلک کو درد کیوں ہوا سے دلِ درد آشنا میرا	کسی کے دل میں کیوں پیدا ہو یہ میرا جگر ہوتے

تبسم

تبسم - شیخ الٰہی بخش لکھنوی ملازم حضرت واجد علیشاہ بخشی گری کی خدمت پر ممتاز اور منشی مظفر علی ہنر کے شاگرد تھے - عرصۂ دراز تک مٹیا برج کلکتے میں رہے ۱۸۹۴ء میں زندہ و سلامت موجود تھے یہ ان کا کلام ہے

جس کا دل ہو نہ گرفتار اُسے قید کرو	مجکو دکھلاتے ہو تم زلف گرہ گیر عبث
باغباں اُنکے لئے پھولوں کا زیور لیچلا	غنچہ مٹھی میں نچھاور سکے لئے زر لیچلا
رل چکے مٹی میں ہم بھی ہو چکے برباد بھی	اب کہاں یہ خاک اے چرخ ستمگر لیچلا
بیکار نہیں ناخن تدبیر کسی وقت	کھلتا نہیں پر عقدۂ تقدیر کسی وقت
اسقدر ہے اُسکے بسمل کو تڑپنے کی ہوس	خود بخود جھکتا ہے قاتل کے نمکداں کیطرف
انقلابات زمانے کے یہ دیکھے ہمنے	کل جو آباد تھی ہے آج وہ صحبت برباد
عشق کے ہاتوں سے گھر در پہ لٹے بیٹھے ہیں	کر چکے صبر و شکیبائی و طاقت برباد
آرزو یہ ہے کہ وہ خوش رہیں آباد رہیں	اے تبسم ہوئے ہم جن کی بدولت برباد
قانع وہ ہوں کہ میری قناعت یہ کہتی ہے	دستِ طلب ہو قطع بریدہ ہو پائے حرص
درد کیوں رکھے نہ حسن و عشق کا افسانہ شمع	شمع کا پروانہ کشتہ یار کی پروانہ شمع
رخ سے اُٹھا دیا ہے جو اُسنے نقاب کو	دن کر دیا ہے آج شب ماہتاب کو
لازم ہے راہِ عشق میں ثابت قدم رہے	رحمت خدا کی سمجھے بتوں کے عتاب کو

تبسم

تبسم - نواب سید علی محمد تبسم رئیس تحصیل مراد آباد - فن شعر کا بھی شوق ہے یہ چند اشعار انکے ہیں -

کب تک رکھو گے منہ کو چھپائے نقاب میں	کب تک رہے گا چاند سا مکھڑا حجاب میں
کہتے ہو پھر کہ ہمسے تعلق کسیکو کیا	لیتے ہو چٹکیاں دلِ خانہ خراب میں
کہتے تھے ہم بتوں سے لگاؤ نہ اپنا دل	آخر کو پھنس گئے نہ تبسم عذاب میں

تبسم - خواجہ مرتضیٰ حسین شاگرد حضرت داغ - پیام یار سے کلام نقل ہوا -

ہجر صنم میں مجکو عجب اضطرار ہے
عاشق کی زندگی ہو کہ معشوق کی وفا

کچھ یاس ہے کچھ اُمید ہے کچھ انتظار ہے
دنیا میں کب کسیکو ثبات و قرار ہے

تپاں

تپاں - منشی سید ابرار حسین تپاں شاگرد منشی بشیر حسین نسیم بھرتپوری - طبیعت شوخ پائی ہے شعر فکر کیا کرتے ہیں اور زبان اور بندش کا بھی خیال رکھتے ہیں فتحپور سیکری ضلع اگرہ کے رہنے والے ہیں - ان کے اشعار آمد سے خالی نہیں ہیں - ولی کا رنگ ان کے کلام میں پایا جاتا ہے - ترتیب تذکرہ کے وقت کچھ کلام موصول ہوا اُسمیں سے کچھ اشعار منتخب ہوکر درج ہوئے۔

عرض مطلب پہ وہ کہتے ہیں ابھی صبر کرو
چرخ سے ہے ہمیں شکوہ نہ رقیبوں سے گلا
ایک تم ہو کہ وفا پر بھی جفا کرتے ہو
بھولے بھالے ہیں حسین جور و جفا کیا جانیں

ہائے کیا سہل سی تدبیر بتا دیتے ہیں
ہم تو بیٹھے ہوئے قسمت کو دعا دیتے ہیں
ایک ہم ہیں کہ ستم سہکے دعا دیتے ہیں
چاہنے والے ہی کمبخت سکھا دیتے ہیں

خلوت گزیں وہ رات سے دشمن کے گھر میں ہے
آساں نہیں ہے اُس بت بدخو کا سامنا
دونوں کی فکر رہتی ہے ہر حال میں مجھے
داغوں کی سیر دیکھئے پہلو میں بیٹھکر
سر مارتا ہے بادہ پرستوں سے رات دن
کہتا نہ تھا کہ غیر کی بت پہ یوں نظر رو
اسی سے کرتے ہو اقرار وصل کا مجھ سے
تم اپنے وصل کے ارماں بھی ساتھ لیجاؤ
ترے خیال سے واعظ یہاں تو پی نہ سکے
رنگے ہیں میرے لہو میں کسی نے اپنے ہات
دلمیں دل دشمن کے ڈالا دوستی کے واسطے

بیتاب میری آہ تلاش اثر میں ہے
قاصد کا سر ہتیلی پہ ہے خط کمر میں ہے
تم ہو جو میرے دلمیں تو دشمن نظر میں ہے
اک باغ سا کھلا ہوا میرے جگر میں ہے
شوریدگی کمال کی واعظ کے سر میں ہے
اب درد میرے سر میں ہے یا تیرے سر میں ہے
یہی زبان عدو کے دہن میں وہی ہوگی
پرائے مال کی ہمسے نہ چوکسی ہوگی
خدا نے چاہا تو کوثر پہ ڈٹ کے پی ہوگی
حنا بھی دیکھ کے دل میں بہت پسی ہوگی
جو نہ کرنا تھا کیا اُن کی خوشی کے واسطے

کاہشیں سی کاہشیں ہیں حسرتیں سی حسرتیں
ہم سے اچھا ہے عدو؟ دیکھو خدا لگتی کہو

گواہ خونِ عاشق اور کوئی تھا تمہیں کہدو
شبِ غم تو بھی گھر جاتے ہوئے غیروں کے ڈرتی ہے
تپاں آنے میں آنا کیا جو وہ آئے دمِ آخر

لوگ کیوں مرتے ہیں ایسی زندگی کے واسطے
اپنا کیوں ایمان کھوتے ہو کسی کے واسطے

تمہاری آستیں محشر میں یارا آستیں نکلی
تجھے کمبخت ہم نے جب کبھی دیکھا نہیں نکلی
تمنا میں بلنا کیا جو وقتِ واپسیں نکلی

تپش

تپش ۔ مرزا محمد اسمٰعیل معروف بہ مرزا جان ۔ ان کے والد مرزا یوسف بیگ دراصل بخارا کے رہنے والے تھے ۔ مگر تپش کی ولادت خاص شاہجہاں آباد دہلی میں ہوئی ۔ نسبی سلسلہ سید جلال الدین جلال بخاری سے ملتا ہے ۔ آپ طبقۂ دوم کے مشاہیر شعرا میں گذرے ہیں ۔ بقول فیلن ۱۱۷۰ھ آپ کا سال ولادت ہے ۔ آپ کو فن سخن میں خواجہ میر درد سے تلمذ حاصل تھا ۔ اور زبان سنسکرت میں بھی فی الجملہ مہارت حاصل تھی ۔ ایک کتاب شمس البیان ۔ مثنوی بہار دانش اور ہندی میں ضرب الامثال کی کتاب ان کی تصنیف سے مشہور ہیں ۔ سپاہی پیشہ مرد اور مرزا جہاندار شاہ جواں بخت ولیعہد کی سرکار میں افسر ہو کر انکے ہمراہ بنارس بھی گئے تھے ۔ شعر سے دلی عشق تھا ۔ چنانچہ زبان میں صفائی ۔ فصاحت اور مضمون کی تازگی کلام کا لطف بڑھاتی ہیں ۱۸۱۲ء میں کلکتے میں موجود تھے ۔ انکی مثنوی بہار دانش کا انگریزی میں ترجمہ ہوا ہے ۔ کلام میں درد ہے اور چونکہ

اُٹھ گیا پہلو سے پہلو منفعل دُکھتا رہا
ہماری شمع نے دیکھی جو اشکباری رات

سرک سرک کے پلنگ پر مچل مچل جانا
ترا وہ نامہ جو تھا ہمنے کر رکھا تعویذ
نہ تیغ چل سکی مجھ پر تو منفعل ہو کر
آئے تو ہو کہیں سے آخر ملے دلے تم
آوازہ میری سنکر غرفے سے جھک کے بولا

رکھ دیا دُکھنے سے جب پہلو تو دل دُکھتا رہا
کٹی بچاری کو روتے ہی روتے ساری رات
یہی ادا تو ہمیں بھا گئی تمہاری رات
سو بعد مرگ ہوا وہ ہی قبر کا تعویذ
لگا یہ کہنے کوئی اسکے ہے بندھا تعویذ
کیا ہو چھپ مرے بھی لگتے ہو اب گلے تم
کس واسطے کھڑے ہو دیوار کے تلے تم

جیوں کہا میں دیکھ میرا تجھ سوا کوئی نہیں
سُنتے ہی بولا کہ ہاں سچ ہے ترا کوئی نہیں

تم تو سے کہتے ہو کہ دم کے بعد آجاتا ہوں میں
پر خدا جانے ہمیں دم کا بھروسا کچھ نہیں

دشنام کا نہیں کبھی انعام کا نہیں
خود کام وہ مرا تو کسی کام کا نہیں

ساقی سے ہے دورِ مے ہے شبِ ماہتاب ہے
لیکن یہی غضب ہے کہ تو مستِ خواب ہے

رشک سے تیرے لعل گلگوں کے
غنچے پیاسے ہیں اپنے ہی خوں کے

کِسکی طرف سے آج تپش تجکو یاس ہے
سچ کہہ ہمارے سر کی قسم کیوں اداس ہے

میں نے کہا کہ رکھتا ہوں کچھ تم سے التماس
کہنے لگا کہ سمجھے ہیں جو التماس ہے

[illegible]

ناز ہے انداز ہے ہر دم نئی اک آن ہے
دلربائی کا غرض تیار سب سامان ہے

شاعر اکثر آئینہ رو کہتے ہیں معشوق کو
لیکن آئینہ کو بھی دیکھا تو یاں حیران ہے

کبھی تو پانوں کی ٹھوکر سے تیرے آشنا ہوتے
اگر خوابیدہ کوچے میں ترے جیوں نقشِ پا ہوتے

ہمیں تو اشک کے قطرے کا بھی ہے تھامنا مشکل
بھلے وہ لوگ ہیں جنکے تئیں دل تھام آتا ہے

قطعہ

ہر طرف آج ہے بسنت کی دھوم
سیر ہیں سے ہر اک تماشائی

کتنے گل رو جو ہیں بسنتی پوش
جی میں کھٹکے ہے جنکی رعنائی

کہتے ہیں آن کے مجھے ہنس ہنس
دیکھکر میری ناشکیبائی

ہو مبارک تمہیں جنون تپش
پھر نئی رُت نئی بہار آئی

تپش

تپش - دہلوی - منشی یوسف علی تپش دہلوی - شاگرد مرزا قادر بخش صابر - خوش مزاج خندہ پیشانی شخص تھے - مرزا صابر کے تذکرے کی ترتیب کیوقت (۱۸۵۲ء) دہلی میں موجود تھے یہ انکا کلام ہے

غصہ اُٹھا اٹھا کے یوں ہی بار بار کا
اے دل مزاج تو نے بگاڑا ہے یار کا

اک روز اے تپش کوئی آفت اُٹھائیگا
حسرت سے دیکھنا یہ اُدھر بار بار کا

اضطرابِ دل سے کہتے ہیں تپش ز جانِ ہی
روز کے جھگڑوں سے چھوٹا مر گیا اچھا ہوا

بے طرح پھنس گیا ہے مصیبت میں ہجر کی
آتا ہے رحم اِس دلِ ناکردہ کار پر

دل کھینچتی ہیں اور کسی کو خبر نہیں کوئی مرجائے یا کوئی تڑپے	کرتی ہیں کام تیری نگاہیں نقاب میں وہ تو خنجر کو آزما بیٹھے

تپش

تپش - منشی غلام محمد خاں تپش سابق اڈیٹر اودھ اخبار و مالک مشیر قیصر کئی برس تک نواب اکبر علی خان - والیِ پاٹودی کی مصاحبت میں رہے - پھر پندرہ بیس برس تک مختلف مقامات میں اقامت گزیں رہے - اردو فارسی میں ملکۂ راسخہ حاصل تھا - اخبار نویسی میں اچھا نام پایا تھا - شعر بھی خاصہ کہتے تھے - زبان شستہ بندش درست ہے - لکھنؤ میں عرصے تک اودھ اخبار اور مشیر قیصر کے اڈیٹر رہے - دہلی کی زبان کی حمایت میں اکثر مضامین لکھا کرتے تھے ۱۹۰۸ء کے قریب انتقال کیا - یہ چند شعر انکے نتائجِ افکار سے ہیں -

زاہدو ذکرِ خدا ہم کیا کریں اپنے غم میں مر رہے ہیں آپ ہم میرے مرنے کی خبر سُنکر تپش شکوہ جور و ستم سُنکے زباں سے میری بھولکر مجلسِ رنداں میں نجانا واعظ ہمیں آبِ خنجر سے دیں گے وہ تسکین ہوئے ایک جلوہ میں بیہوش موسیٰ	ہے بتوں کی یاد ہر دم کیا کریں غیر کے مرنے کا ماتم کیا کریں بولے وہ بیساختہ ہم کیا کریں بولے وہ عشق میں جتنی ہو مصیبت اچھی صحبتِ بد نہیں اکدم کی بھی حضرت اچھی اگر شکوۂ تشنہ کامی کریں گے تو کیا دعوئے ہمکلامی کریں گے

تپش

تپش - مولوی سید مددعلی خلف مولوی میر نجف علی جعفری سبزواری ۱۸۱۹ء سال ولادت تھا اور ۱۸۶۹ء میں آگرہ میں بود و باش تھی - فن شعر میں پہلے حضرت نظیر کے صاحبزادے خلیفہ گلزار علی کو چند غزلیں دکھائیں پھر مرزا غالب کی خدمت میں حاضر ہوئے - فارسی اور اردو دونو میں فکر کرتے تھے - شعرگوئی کا ملکہ اچھا تھا - اور صاحبِ استعداد تھے - خزینۃ القواعد - مجاربات ہند جغرافیہ منظوم - کئی رسالے ان سے یادگار ہیں - ۱۸۶۹ء کے مشاعرے کی غزل کے چند شعر حاضر ہیں -

کبھی ناداں سے بنے ہم گاہ فخر الاذکیا ٹھیرے
کبھی رندِ شرابی اور کبھی ہم پارسا ٹھیرے

گدا تیرے کرم سے خسرو حاجت روا ٹھیرے
تری دیوار کے سایہ تلے اکر ہما ٹھیرے

بسانِ دانہ تسبیح جس کو ہو سدا گردش
قضا کے ہاتھ پھر کیونکر نہ اسکا فیصلا ٹھیرے

غم و درد و الم رنج و مصیبت ساتھ ہیں میرے
خدا جانے یہ کس منزل پہ جاکر قافلہ ٹھیرے

رہوں چپکا تو کہتے ہیں زباں کیا کٹ گئی تیری
کبھی کچھ بولتا ہوں تو وہ شکوہ اور گلہ ٹھیرے

تجلی

تجلی - دہلوی - میر حسین عرف میر حاجی دہلوی - پسر میر حسن کلیم - شاگرد و خواہر زادۂ حقیقی ملک الشعراء میر تقی مرحوم - لیلی مجنوں کا قصہ اردو میں نظم کیا تھا - طبیعت ظریف اور نکتہ سنجی کیطرف مائل تھی اپنے زمانہ کے مشہور شعراء میں تھے زبان بھی شیریں ہے اور کلام میں مزا ہے اور کہیں کہیں حضرت میر کا پرتو آشکارا ہے - دہلی میں بیگم کے باغ واقعہ چاندنی چوک میں رہتے تھے - یہ انکا کلام ہے

مری وفا پہ تجھے روز شک تھا اے ظالم
یہ سر یہ تیغ ہے اب تو اعتبار آیا

یہ شوق دیکھو پسِ مرگ بھی تجلی نے
کفن میں کھولدیں آنکھیں سنا جو یار آیا

حال ہووے گا بھلا یا کہ برا ہووے گا
دل تو ہم دے چکے اب دیکھئے کیا ہوویگا

کر گلہ شکوہ کو موقوف میاں بس چپ رہ
میں بھی بولونگا تو ناحق تو خفا ہوویگا

عشق میں تیرے تجلی نے کیا ترک لباس
بے نوا وار سرِ راہ کھڑا ہووے گا

آنکھیں خدا نے دیکھنے کو دی ہیں میر جاں
دیکھا تری طرف کو کسی نے تو کیا ہوا

عشق میں کرتے ہیں بدنام تجلی کو عبث
وہ بیچارا کبھی اس کوچے میں آیا نہ گیا

یہاں تک گریہ میں روئے سحر تک
گلی کوچے میں پانی ہے کمر تک

تر دامن آگیا جو ہیں روزِ حساب میں
کہنے لگے بٹھاؤ اسے آفتاب میں

جب رات تھی دراز ملاقات کم ہوئی
ملنے کے دن جو آئے تو اب رات کم ہوئی

ہم زیرِ خاک لیکے جو یہ چشم تر گئے
اندھے کنوئیں بھی جتنے تھے پانی سے بھر گئے

لوگ اسکی تو جفاؤں کی خبر رکھتے نہیں
بیوفا مجکو ہی کم ملنے سے ٹھیرانے لگے

حال تیرا اُسنے کیا کہتا تجلی میں بھلا — وہ تو تیرے نام ہی کو سُنکے شرمانے لگے
وہ اب تو ہمیں بھول گئے ہیں یہ تجلی — جب ہم نہیں ہونگے بہت یاد کرینگے

تجلی

تجلی - تجلی علی شاہ ساکن حیدرآباد، نہایت نیک خصلت پاک طینت درویش مشرب تھے ٥

دامن کا کس کے عکس پڑا ہے کہ آجتک — پھیلا رہے ہیں سرو لب جو ئبار ہات

تجلی

تجلی - منشی محمد افضل خلف مولوی رجب علی - قوم کے شیخ صدیقی اور سندیلہ ضلع ہردوئی کے قدیم متوطن تھے - لیکن اِنکے دادا مولوی محمد مکین ۱۸۵۰ء(?) میں بہ تقریب ملازمت آگرہ آئے اور پھر یہیں سکونت اختیار کرلی - ان کے بھائی ڈپٹی مولوی سید محمد حسن فیروزآباد کے تحصیلدار تھے - فن شعر میں مرزا عنایت علی بیگ ماہ سے استفادہ کرتے تھے آپ خود ۱۸۶۹ء(?) میں آگرہ کی منصفی میں سررشتہ دار تھے ۱۸۴۵ء(?) سال ولادت اور یہ کلام کا انتخاب ہے -

مریجاں آپ رُتبے میں مسیحا سے سوا ٹھیرے — تن بیجاں میں جان آئی سرِبالیں جو آٹھیرے
خریدے نقد جاں دیکر زلیخا حسن کا سودا — جو شہر مصر میں جا کر مرا یوسف لقا ٹھیرے
پری تمثال ہو خورشید وش ہو ماہِ کامل ہو — میں کیا تمکو بتاؤں تم مری نظروں میں کیا ٹھیرے

تجلی

تجلی - للّے جی متخلص تجلی شاگرد منشی مینڈو لال زار لکھنوی - واجد علیشاہ کے زمانہ کے شعرائے لکھنو میں سے تھے ۱۸۷۴ء(?) تک حیات تھے - یہ اُنکا کلام ہے ٥

مختار ہے چاہے وہ مجھے دیکھے نہ دیکھے — آنکھ اپنی تو اُس رونقِ محفل سے لگی ہے
مرجائیے کچھ کھا کے یہی دل سے لگی ہے — کیوں آنکھ مری اُس بتِ غافل سے لگی ہے
صورت اُسے دکھلا دے ذرا سُنتی ہے لیلی — مجنوں کی نظر پردۂ محمل سے لگی ہے
لے آئے گی اک روز اُسے میری طرف کو — شمشیرِ قضا قبضۂ قاتل سے لگی ہے
موسیٰ کو نظر آیا تھا جس دشت میں جلوہ — لو اپنی تجلی اُسی منزل سے لگی ہے

تجلی

تجلی - کنور شنکر دت صاحب دوبے بہادر تجلی - برادر راجہ جونپور - و نسیم خیرآبادی سے اصلاح سخن لیتے ہیں - ۳۶ برس کی عمر اور یہ کلام ہے -

مصحفِ رخ پہ لٹکتا ہے وہ گیسوئے سیاہ
بوسے قرآن کے لیتا ہے یہ ہندو ہو کر

کھیلتی ہیں تری آنکھیں دلِ عاشق کا شکار
صیدِ شیروں کو یہ کرلیتی ہیں آہو ہو کر

لبِ ہر زخم سے نکلی یہ صدا بسم اللہ
دل میں بیٹھا جو ترا تیر ترازو ہو کر

کبھی آتا تو ہے تو اُسکی عیادت کیلئے
یہ بُرا بھی ترے بیمار کا حال اچھا ہے

تصویر ہے گھٹا مری چشمِ پر آب کی
بجلی ہے ایک موج مرے اضطراب کی

وہ مستِ ناز ہاتھ سے اپنے جو مے پلائے
پھر کس کو سوجھتی ہے عذاب و ثواب کی

تجلّی

تجلی - منشی سید منتخب الدین - شاگرد مرزا ضیا گورگانی و حضرت داغ پہلے خمار تخلص کرتے تھے ۳۴ ۳۵ برس کی عمر ہے - اور کلام صاف ہے - زبان اور بندش بھی قابلِ ستایش ہے - معاملہ گوئی کا شوق ہے - طبیعت اس فن سے مناسبت رکھتی ہے مشق جاری رہی تو امید ہے کہ اچھا کہنے لگیں گے کلام ملاحظہ ہو -

سُرخ ہو جائیں دشت کے کانٹے
جب مزا ہے برہنہ پائی کا

دیر سے زاہد میں کیوں جاتا وہاں
کیا حرم میں ہی خدا کا نور تھا

تارِ نظر سے دل کا ہوا ہے چارہ گر رفو
ہے زخم میرے دل پہ کسی کی نگاہ کا

خواہاں ہیں آپ دل کے تو حاضر ہی لیجیے
اس شرط پر کہ قول ہو پہلے نباہ کا

کیا بد حواس آئے ہو تم دلکو تھام کر
دیکھا اثر ستائے ہوئے دل کی آہ کا

شیخ کل میکدہ میں بیٹھا تھا
آدمی کیا تھا اک تماشا تھا

جو تمہاری جفائیں سہتا تھا
وہ مرا دل مرا کلیجا تھا

دیکھکر اسکو کیوں تڑپتا تھا
اے دل مبتلا بتا کیا تھا

میں تو دل اپنا مفت دیتا تھا
کیوں نہ تمنے لیا بُرا کیا تھا

چھوٹنے پائے زلف کہ دل کی طلب ہوئی
پہلے قصور کرنے سے جرمانہ کر دیا

دشمن بنا ہے جان کا میری وہ ہائے ہائے
اپنوں کو جس کے واسطے بیگانہ کر دیا

حضرتِ دل زلف میں پھنسکر نکلنے کا خیال
توبہ توبہ ہے بہت مشکل رہائی آپ کی

تذکرۂ ہزار داستان

معروف بہ

خمخانۂ جاوید

پابند — پابند۔ طالب علی نام، رسالۂ رہنمائے تعلیم لاہور کے اڈیٹر ہیں۔ کلام جو انہوں نے ارسال کیا اُس کا انتخاب درج ذیل ہے ؎

بہت مشہور کوئے عشق میں فرہاد و مجنوں ہیں	تو اِس کوچے میں اپنی بھی انوکھی شان پیدا کر
نہ خواہش ہمیں جنت میں ہرگز مر کے جانے کی	اجازت ہو اگر کوچے میں اُس دلبر کے جانیکی
نہ ہرگز وصل کی شب کو اُٹھاؤ زلف تم رُخ سے	کہ جُوں جُوں ہٹتی جاتی ہے سحر کو لاتی جاتی ہے

پادشاہ — پادشاہ۔ ابوالنصر سلیمان جاہ نصیر الدین حیدر روملی بادشاہ ملک اودھ۔ شاہ زمن ابوالمظفر غازی الدین حیدر بادشاہ اول اودھ کے خلف الرشید اور جانشین تھے۔ ۲۰ ربیع الاول ۱۲۴۳ھ ہجری مطابق ۱۲۔ اکتوبر ۱۸۲۷ء کو ۲۵ برس کی عمر میں مسند حکومت پر جلوس فرمایا مسند نشینی کی تاریخ یہ ہے

بر تو اے بادشہ فیض رسانِ عالم	تخت این مملکتِ ہند مبارک باشد
سالِ تاریخ جلوسِ طرب افزا بشنو	جاوداں سلطنتِ ہند مبارک باشد

از بسکہ شکیل اور خوش رو جوان تھے۔ سلطنت ہاتھ آتے ہی لہو و لعب کی طرف مائل ہوئے۔ اور رفتہ رفتہ جملہ کاروبارِ ریاست سے غافل ہوگئے۔ نواب معتمد الدولہ آغا میر کو بوجہ پرخاش و خصومت زمانۂ ولی عہدی برخاست کرکے نواب اعتماد الدولہ فضل علیخان دہلوی کو وزیر بنایا۔ تین برس بعد نواب روشن الدولہ کا ستارہ چمکا۔ اور خلعتِ وزارت عطا ہوا۔ یہ بادشاہ دادودہش میں اپنے زمانے کا حاتم تھا۔ شکار کا بہت شوق تھا۔ اور اکثر فوج کی درستی کیطرف بھی توجہ رہتی تھی۔ مگر تھوڑے عرصے میں خوشامد اور نمک حرام رفقا اور مصاحبین کے بدولت عیش کے بندے ہوگئے۔ انہیں لوگوں نے والدہ مکرمہ نواب بادشاہ محل صاحبہ سے بھی بگاڑ کرادیا۔ بیگم صاحبہ اپنے پوتے مناجان کو لیکر الماس باغ جا رہیں۔ اسپر بادشاہ نے کوتہ اندیش مشیروں کے مشورہ سے ایک اشتہار اس مضمون کا تمام قلمرو اودھ میں شایع کرادیا کہ مناجان میرا بیٹا نہیں ہے۔ حالانکہ ولیعہدی کا خلعت اُنہیں پیشتر دے چکے تھے۔ حضرت کی شادی ایام ولیعہدی میں صاحب عالم مرزا سلیمان شکوہ برادر اصغر اکبر شاہ ثانی کی دختر سے شاہانہ دہوم دہام سے ہوئی تھی۔ یہی بیگم سلطان بہو کے خطاب سے مشہور تھیں۔ لیکن بادشاہ کو اس شاہزادی کی طرف کبھی التفات نہیں ہوا۔ اور بے اولاد رہیں۔

محلات تو صد ہا تھے مگر اومیں مفصلۂ ذیل قابل ذکر ہیں۔ نواب ملکہ زمانی۔ نواب تاج محل صاحبہ نواب قدسیہ محل۔ ان محلات معلی نے اپنی علو حوصلگی۔ فراخدلی۔ اور سیر چشمی سے ایک عالم کو گرویدۂ احسان بنالیا تھا۔ ان کی شانِ امارت۔ کروفر اور اخراجات شاہانہ کے واقعی حالات اگر لکھے جائیں تو فسانوں سے زیادہ مزہ آئے۔ نواب ملکہ زمانی کو چھ لاکھ سالانہ کی جاگیر کے علاوہ ایک لاکھ روپیہ ماہوار جیب خرچ کے لئے ملتا تھا۔ ایسے ہی بیش قرار مواجب دوسرے محلات کے تھے۔ نواب قدسیہ محل کا عروج و اقتدار جملہ دیگر محلات سے بڑھ گیا تھا۔ تقدیر کا کرشمہ دیکھو کہ انہیں ایام میں کسی روز ایک معمولی بات پر بادشاہ ان سے ذرا کبیدہ خاطر ہوگئے۔ اور بیگم نے اس رنج میں سنکھیا کھا لیا

شوخی غضب ہے قہر ہیں انداز یار کے	خواہاں کبھی ہیں دل کے کبھی جانِ زار کے

تجمل

تجمل - محمد عظیم بیگ. لکھنؤ میں رہتے تھے یہ حضرتِ جرأت کے شاگردی سے نامور تھے. ظریف اور شوخ طبع شخص تھے - یہ شعر انکے ہیں -

سمجھنا سخت مشکل ہے مری شیریں مقالی کا	کوئی خسرو سے پوچھے لطف اس مضمون عالی کا
مزے کہاں سے اٹھیں عیش زندگانی کے	وہ ولولے نہ رہے عہدِ نوجوانی کے
کتاب قصۂ فرہاد و دفتر مجنوں	یہ دو ورق ہیں مری عشق کی کہانی کے

تجمل

تجمل - کسی لکھنؤ کے خوش فکر کا تخلص ہے جو قدرت اللہ شوق کے تذکرہ کی تیاری کیوقت وہاں بہ اطمینان زندگی بسر کرتے تھے. کلام سے زبان کی صفائی اور خوش گوئی ظاہر ہے کیا خوب کہتے ہیں

چلے سیر باغ کو وہ کوئی جسے رنج و غم سے فراغ ہو	اُسے لالہ زار سے کام کیا جسے سینہ اپنا ہی باغ ہو
شب ماہتاب میں ساقیا لب جوئی روان کل	عجب اک بہار ہو گر تجھے سر ذوق شرب ایاغ ہو
گل داغ داغ سے بھر کے مرا سینہ رشک بہار ہے	ذرا تو بھی آن کے سیر کر جو ہوائے گلشن و باغ ہو
یہ وہ عشق خانہ خراب ہے کہ نہیں ہے اہل غرور کو	کوئی دن میں خاک نشیں کرے اگر آسمان پہ دماغ ہو
نکرا ے تجمل خوش سخن کبھی بدزبان سے برابری	نہیں خوب بلبل خوش نوا جو چمن میں ہمسر زاغ ہو

تجمل

تجمل - حکیم تجمل رسول خاں تجمل - خلف ممتاز الدولہ نواب غلام رسول خاں دہلوی شاگرد آغا جان عیش - ایک دیوان اور قصہ طوطا مینا اور چند رسائل ان سے یادگار ہیں مہاراجہ ہندو راؤ مرحوم گوالیار مقیم دہلی کی سرکار میں بزمرۂ اطبا ملازم تھے - اکثر خطوط بہت عمدہ لکھتے تھے - اس فن کو خاص محمد امیر پنجہ کش سے حاصل کیا تھا سنہ ۱۲۹۲ھ میں بعمر پچاس سال انتقال کیا - یہ کلام کا نمونہ ہے -

رکھا رہے گا طاق پہ اعجازِ عیسوی	کشتہ ترے ستم کا جلایا نجائے گا
منظور ناصحا تری ساری نصیحتیں	پر اسکا دھیان دل سے بھلایا نجائیگا
مطلب ہزار دل میں ہیں پر اُسکے روبرو	سچ تو یہ ہے کہ لب بھی ہلایا نجائیگا

حسرت رنج بدکیش کو کیا کوسوں تجھو ڑمی اسنے	قطعہ	وہ نزاکت بھرے الشان وہ اہلِ تسکین

خوں رُلایا انہیں جبلاً و فلک نے کیا کیا
سو سو اٹکھیلی سے چلتی تھی جہاں باد نسیم
آشیانے ہیں وہاں زاغ و زغن کے صدہا
ہفت اقلیم میں اس شہر کی تھی دہاک بڑی
ہر گلی کوچہ تھا اس شہر کا صد رشک ارم
ہائے رے حب وطن صدمے اٹھائے کیا کیا
چشم نمناک دل افسردہ و صد پارہ جگر
اور مت آگ لگا شمع خیالِ جاناں
ڈھونڈتی پھرتی ہیں آنکھیں ہر جا

قطعہ

ازمغان دہلی

وہم سے کرتے نہ جو ہاتھ حنا سے رنگین
بادِ صرصر کا بھی دیکھا تو نہ تھا نام کہیں
تھے جہاں سینکڑوں طاؤس ہزاروں شاہین
کوئی دنیا میں تھا شہر بسانِ دہلی
غیرتِ خلد تھا ہر ایک مکانِ دہلی
اُس پہ بھی آن بسے لوگ میانِ دہلی
بیٹھے اسطرح سے ہیں غمزدگانِ دہلی
خود جلے بیٹھے ہیں دل سوختگانِ دہلی
کیا ہوئے اہلِ کمالِ دہلی

تجمل۔ حکیم تجمل حسین خاں ابن عبد العلی عظیم آبادی۔ محکمہ ڈاکٹری کے ہاسپٹل اسسٹنٹ ہیں دو دیوان اِن کے آگرہ میں چھپے ہیں وہ نظر سے گذرے۔ طبیعت تشبیہ و استعارہ کیطرف مائل ہے اور اس رنگ میں خاصہ کہتے ہیں۔ چند شعر انتخاب ہو کر درج تذکرہ ہوئے۔

بیاں مخلوق سے کب ہو سکے خالق کی قدرت کا
ہوئے کونین اک کُن سے تماشا ہے یہ قدرت کا
جُدا کب کُل سے ہے جزجز سے کب کُل ہے جدا یارو
یارب وہم سے پوچھ تو اپنے کرم کو دیکھ
گردنِ تسلیم رکھ دی جھک کے مقتل میں لا

جو خود مصنوع ہو وہ کہہ سکے کیا راز صنعت کا
خدائی میں تری خالق کسے ہے دخل حجت کا
عجب بیفائدہ جھگڑا ہے ہندو اور مسلماں کا
غیر از سکوت کیا ہے گنہ گار کا جواب
یار کی تیغِ نگہ کا امتحاں ہونے کو ہے

تجمل۔ ڈپٹی سید تجمل حسین خاں صاحب رئیس فیض آباد و گونڈہ۔ آپ کو حضرت اسیر لکھنوی کے بڑے صاحبزادے جناب سید غضنفر علیخان بہادر صولت جنگ متخلص بہ حکیم سے تلمذ رہا۔ موزوں طبع شاعر اور اچھے مشاق ہیں۔ زبان اور بندش بھی صاف ہے مگر درد ذرا کم ہے۔ آپ کا مطبوعہ دیوان نظر سے گذرا اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کم و بیش جملہ اصناف سخن

میں آپ کو دسترس حاصل ہے۔ آپ عرصہ تک نواب گنج میں ڈپٹی کلکٹر رہے۔ اب پنشن لیتے ہیں۔ مطبوعہ کلام کا انتخاب ملاحظہ ہو۔

خلیل اللہ کو نمرود نے چاہا جلا ڈالے
گلستاں بن گئی آتش ہوئے گل نار سے پیدا

وہ آدم ہی ہے بعد مرگ بھی جو عشق رکھتا ہو
نہیں جلتا ہے شمع مردہ پر محفل میں پروانہ

دیکھکر سینۂ صد چاک کو ظالم رویا
داغ جب عشق کا اس کے مرے دل پر نکلا

دولت دنیا کی عجب ہے ہوس
قبر میں جب ہاتھ خالی جائیگا

نہیں علم و ہنر جس میں بہائم سے وہ بدتر ہے
وہی انساں ہے دنیا میں جسے کچھ بھی کمال آیا

کرے گا مسیحانہ کوئی جہاں میں
نہ بیمار کی گر دوا کیجئے گا

ہو گیا آرام ہمکو رنج رخصت ہو گیا
موت کا آنا شب فرقت غنیمت ہو گیا

بتوں کے در پہ کئے سجدے سارے عالم نے
صنم کدہ تھا مگر کعبے کا جواب رہا

آنکھ کھلتے ہی ملا کنج قفس اے صیاد
پوچھتا کیا ہے کہ کب مجھ سے گلستاں چھوٹا

دامن وحشت سے منہ ڈھانپ کے کانٹے روئے
مر کے مجھ آبلہ پا سے جو بیاباں چھوٹا

دل دے چکے تھے جان بھی اب نذر یار کی
کہنے سے فائدہ نہیں جو کچھ دیا دیا

اے دل بیقرار کیا کہنا تجھ
برق ہے شرمسار کیا کہنا

بشر اسکو کہنا مناسب نہیں
ہو جس سے دنیا میں کار ثواب

زباں ایک احسان لاکھوں ترے
کروں شکر یا رب ادا کس طرح

ہیں رن میں قاتل کے اور تصور سے تپاں ہے سینے میں قلب مضطر
مہم ہو کس طرح دیکھئے سر حُر کا ہے قاتل کھنچا ہے خنجر

مفلسی اپنے کو بیگانہ بنا دیتی ہے
پوچھتا کون ہے ان کو جو ہیں نادار عزیز

ملا ہے خون عاشق کا جو اپنے دست رنگیں میں
ذرا کہئے قصاص اسکا نہیں کیا آپ کے دیں میں

کہتا ہے وہ مسیح ہے عالم مرا ہوا
میں ایک جا کے گھر سے جلاؤں کہاں کہاں

فغاں سے عرشِ معلے ہلا دیا کس نے
یہ نعرہ کس کا ہے اول بتا دے تو تو نہیں

حیراں ہیں سب کہ بول رہا ہے بدن میں کون
کھلتا نہیں کسی پہ ہے اس پیرہن میں کون

یہ کیوں آپ تیغ و سپر باندھتے ہیں
یہ کس بیگنہ پر کمر باندھتے ہیں

یونہیں وعدہ کیا کرتی ہیں آتی ہیں نہ جاتی ہیں
نہ میرے گھر وہ آتے ہیں نہ اپنے گھر بلاتے ہیں

غضب کی بیقراری ہے کہ اسپر بھی نہیں تھمتا
دلِ بیتاب کو ہم دونو ہاتھوں سے دبائے ہیں

پڑتا اگر نہ عکسِ رخِ یار رات دن
ہوتی نہ روشنی کبھی خورشید و ماہ میں

اللہ ہو گئی ہے جوانی کی شام صبح
لیکن شبِ فراق کی پیدا سحر نہیں

شوق کے معنی یہ ہیں گو وہ نہیں لکھتا جواب
خط ہزاروں جا چکے پھر نامہ بر جانیکو ہے

ہوں قائل ظاہری اسلام کے کیا اہلِ بتخانہ
خدا کے گھر میں رہکر شیخ محوِ بت پرستی ہے

تری فرقت میں ایسی نیند عاشق کی اچٹتی ہے
نہیں کاٹے کسی صورت سے کالی رات کٹتی ہے

مرقد پہ کیوں نہ پاؤں سے ٹھوکر لگا گئے
قُم کہکے کیوں نہ مجکو مسیحا جلا گئے

کیا بیکسی کا وقت ہے اللہ کی پناہ
مُردے کو زندے لاکے لحد میں لٹا گئے

گلے سے اپنے اسے مہرو لگا کر
یہ سارے داغ سینے کے مٹا دے

کس لئے ہو گئے خفا مجھ سے
بولتے کیوں نہیں بھلا مجھ سے

ہمارے دلمیں ایسی اندنوں وحشت سمائی ہے
کہ چھینیں نجد مجنوں ذہن میں یہ بات آئی ہے

آئی ہے پھر بہارِ چمن سب ہرے ہوئے
ہر شاخِ گل ہے پھولوں سے دامن بھرے ہوئے

چلیں گے کوچۂ جاناں میں شام ہونے دو
ابھی سے حضرتِ دل بیقرار ہونے لگے

عشق میں تیرے ہم تو مرتے ہیں
تجکو اسکی خبر نہیں نہ سہی

تجمل — تجمل سید تجمل حسین صاحب بریلوی شاگرد میر سعادت علی صاحب عیش۔ کہنہ مشق شاعر تھے بندش اور زبان اچھی ہے۔ عرصہ ہوا انتقال کیا۔ بریلی کے مشاعرے کی غزل کے چند شعر درج ذیل ہیں ؎

زندگانی ہو گئی دشوار ہجر یار میں روتے روتے پڑ گئے ناسور چشم زار میں
شاخ گل کی ہوئیں تختے دامن گل کا کفن دفن بلبل اُس روش سے چاہئے گلزار میں
یہ مہینہ بھی نہ جائے یار خالی قتل سے ماہ نو تم دیکھکر منھ دیکھو تلوار میں
کس سہی قد کی ہے آمد باغ میں جو بلبلیں شاخ گل پر چھپ رہیں پھول سے منقار میں
عشق نے خود رفتہ اُسکو رفتہ رفتہ کر دیا جو کہ تھا پردہ نشیں پھرتا ہے وہ بازار میں

تجمل

تجمل ۔ منشی میر تجمل حسین تجمل ۔ اُستاد اور بڑے قابل ۔ ذکی اور طبیعت دار آدمی ہیں ۔ ۳۰-۳۵ برس سے آپ محمود آباد میں ریاست کے وظیفہ خوار ہیں ۔ آنریبل راجہ سر امیر حسن خانصاحب مرحوم رئیس محمود آباد اپنے کلام میں آپ سے مشورہ بھی کیا کرتے تھے ۔ اکثر شعرائے گرامی کر روشناس ہیں اور خود بھی اچھے مشاق ہیں ۔ سن شریف اب ۶۲-۶۳ برس سے زائد ہے ۔ اور یہ کلام کا انتخاب ہے ۔ اوائل مشق سخن میں آپنے خواجہ آتش کی شاگرد محمد عباس سلیم کو چند غزلیں دکھائیں اُنکے انتقال کے بعد نواب احمد حسین خاں جوش سے تلمذ حاصل کیا

آئینہ روبرو ترے آٹھوں پہر نہ تھا خود بینی کا رواج کبھی پیشتر نہ تھا
صبح شب وصال قیامت کی صبح تھی کم صور سے وہ نالۂ مرغ سحر نہ تھا

قتل بے تیغ ہوئے دیکھی جو ابرو کی طرح چبھ گئی دلمیں مژہ تیر یہ پہلو کی طرح
پہلوئے یار سے اُٹھنے کو تو اُٹھے لیکن درد کیطرح اُٹھے ۔ گر پڑے آنسو کی طرح

لحاظ شرط ہے پست و بلند عالم کا زمیں پہ رہ کے اُٹھا سر نہ آسماں کیطرح

مقر گناہ کے اے کردگار ہم بھی ہیں غفور تو ہے تو امیدوار ہم بھی ہیں
جو آج جائزہ لیتا ہے جاں نثاروں کا ہمارا نام بھی لے کر پکار ہم بھی ہیں
فلک پہ برق کو تنہا نہیں ہے بیتابی زمیں پہ ہجر میں اک بیقرار ہم بھی ہیں

سوئے رقیب کرم کی نظر نہیں چھپتی میں دیکھتا ہوں چھپاتے ہو پر نہیں چھپتی
کلام شاعر بے علم چھپ نہیں سکتا صفیر بلبل بے بال و پر نہیں چھپتی
رقیب سے نہ ملے تھے تو کل یہ شہرت تھی ہزار آج چھپاؤ مگر نہیں چھپتی

ہزار اپنی خطا کو چھپائے بندہ پر
بُرا اب ہجر کے حق میں لبِ آمہر و نکلتا ہے
مری تقدیر کی ذلت بھلا وہ کیا مٹائیں گے
ترے چہرے کی رنگت رنگ گل سے کچھ فزوں ہو گی
خدا اچھوں کے باعث کارِ مشکل سہل کرتا ہے
جگہ دینے پہ ہے پہلو میں اپنے عشقِ خوباں کو
مصیبت حد سے جب گذری تو ظاہر ہو نہیں سکتا
تجمل تیرے دل نے کچھ کہیں صدمہ اُٹھایا ہے
سمجھے تھے مسیحائے بیمارِ تپِ ہجر
خستہ جانے کی راحت کو لحد والوں سے پوچھو

خدا سے اے بتِ بیدادگر نہیں چھپتی
نہ تن سے جان نکلتی ہے نہ دل سے تو نکلتا ہے
جو دل سے تم بھی کہتے تھے زباں سے تو نکلتا ہے
ذرا شمشاد سے کچھ قامتِ دلجو نکلتا ہے
محبت میں گلوں کے دم برنگِ بو نکلتا ہے
ہمارے دل کی باتوں نے بُرا پہلو نکلتا ہے
بہت غم میں۔ بہت کم آنکھ سے آنسو نکلتا ہے
ترے ہر شعر سے اک درد کا پہلو نکلتا ہے
واں فضل الٰہی سے دوا بھی نہیں آتی
اُس گھر میں ہیں جس گھر میں ہوا بھی نہیں آتی

تجمل حاجی تجمل حسین جلال پوری آپ کو حافظ نثار احمد صاحب تاب شاہجہانپوری سے تلمذ ہے۔ عرصہ دراز سے بمبئی میں سکونت پذیر اور مطبع کریمی میں ملازم ہیں۔ ہجد پُرگو ہیں بمبئی میں آپکے شاگرد بھی بکثرت ہیں دو دیوان شایع کر چکے ہیں۔ راقم تذکرہ سے بمبئی میں ملاقات ہوئی تھی۔ منکسر المزاج اور خلیق شخص ہیں۔ ۴۲-۴۳ برس کی عمر اور یہ کلام کا نمونہ ہے

تجمل

شادمانی یہ مرے دلکو خبر دیتی ہے
بنجاتی سے کیا کیا دلِ مضطر یہ ہمارے

نامہ بر آتا ہے پیغام خوشی کا لےکر
جاتے ہیں کبھی وہ جو برابر سے نکلکر

اُس بتِ ناز کو جو کہیں دیکھ پلٹے دل
اُٹھ کے اب سوئے رواں ہوں ہے سوئے منزل قبر
جمع اغیار ست رہتے ہیں اُس کوچے میں
ہو گئے حشر کے دن اہلِ عبادت محروم
گھر میں چھپ چھپ کے تجمل وہ بیا کرتے ہیں

محشر میں ایک اور نہ محشر اُٹھائے دل
طاقت اتنی بھی نہیں اب ترے بیمار و نیں
چمن دیئے جائیں کسی روزن دیواروں میں
خوانِ رحمت سے ہوئے تقسیم گنہ گاروں میں
زہر کی لیتے ہیں جب بیٹھکے میخواروں میں۔

کِسکا جادو چل گیا کس پر بتاؤ تو سہی
تم فسوں گر ہو زیادہ یا فسوں گر آئینہ

پہنچے کعبہ میں کبھی تو کبھی بتخانہ میں
تیرے ملنے کیلئے ہمنے کیا کیا کیا کچھ

صورتِ حرفِ غلط مٹ چکے اے بخت مگر
نہیں معلوم کہ ہے اور لکھا کیا کیا کچھ

نہ ساقی رہے گردشِ جام سے
کٹے عمر پیتے پلاتے ہوئے

داورِ محشر نے بھی مجرم ٹھیرایا مجھے
ہائے یاں بھی بات اِس ظالم کی من مانی ہوئی

تمکو دل سے لے آزمائے بندہ پرور دیدیا
ہاں ہمیں چونکے ہمیں سے سخت نادانی ہوئی

ہائے کیا فتنۂ محشر کو کریں گے بیدار
اپنی سوتی ہوئی قسمت تو جگائی نہ گئی

اپنا عالم ہی جدا ہے عشق میں
اپنی حوریں اپنی جنت اور ہے

سارے جہاں نے اے بتِ کافر چھڑا دیا
ملکر تری نگاہ نے میری نگاہ سے

دلِ صدپارہ کیوں پھوٹی ہوئی قسمت اُٹھا لائی
بھلا کس کام کی ہے یہ نکمی چیز کیا لائی

نہ اُٹھتے کشتۂ تیغِ تغافل خواب مرقد سے
نہ آتے سوئے محشر تیرے گھونگرو کی صدا لائی

جمال اُس برق وش کا اے نظر تو دیکھ سکتی تھی
دکھا لائے تجھے ہم یا کہ تو ہمکو دکھا لائی

نہ پوچھو میرے آنیکا سبب کچھ اپنی محفل میں
جو خوش ہو آپ آئے ہم جو ناخوش ہو قضا لائی

عجب عالم میں ہیں یارب ہم کس سے پوچھیں کون بتلائے
کہاں آئے کہاں ہمکو تلاشِ دلربا لائی

تحسین تحسین۔ علی مولا خاں باشندہ شاہجہانپور ۱۸۵۲ء میں انکا عنوانِ شباب تھا۔ وجیہ اور خوبرو جوان تھے۔ اور دہلی میں رہتے تھے۔ مزاج میں ظرافت اور طبیعت میں بیحد شوخی تھی صرف ایک شعر ملا احسن بدل معلوم ہوا اِسلئے درج کیا گیا ؎

کیا لکھیں اور ذرا غور کریں آپ اسے
ڈرتے ڈرتے یہ لکھا ہے کہ پڑھیں آپ اسے

تحسین تحسین۔ منشی محمد حسین خان تحسین مالک مطبع مصطفائی۔ دہلی غدر سے پہلے انکا چھاپہ خانہ دہلی میں بہت مشہور تھا۔ غدر کے بعد میرٹھ میں مطبع احمدی جاری کیا۔ فنِ سخن میں حضرت ذوق سے فیض پایا تھا۔ نہایت خلیق۔ بامروت اور کارگذار شخص تھے۔ اِنکے مطبع کی چھپی ہوئی کتابیں نہایت شوق

سے خریدی جاتی تھیں۔ گاہ گاہ شعر بھی کہہ لیتے تھے۔ چنانچہ اشعارِ ذیل اُنہیں کے نتائجِ افکار سے ہیں ؎

آزار ہوا اسکو مگر عشقِ بتاں کا	بے طور ہے نقشہ دلِ بیتاب و تواں کا
جب بت سے نہ راضی ہوں تو بتخانہ میں کیا کام	تحسین چلو کعبہ کو جھگڑا ہے کہاں کا
اے دل تو عشق کیجو مگر دیکھ بھال کے	غافل کو چاہئے کہ کرے فکر دور کا
کوئی کیوں کر بچا لے جاں ہمدم	ایک خنجر گذار ہیں آنکھیں
لب کی خوبی میں کیا سخن ہے پر	فتنۂ روزگار ہیں آنکھیں
صیاد اسطرح جو نہ گرمِ عتاب ہو	کیوں آشیاں چمن میں ہمارا خراب ہو
تحسین ان کو دیکھنے جاتے تو ہو مگر	ایسا نہ ہو کہ جان کو وہی پھر عذاب ہو
خیالِ بتاں دل میں رکھتے ہو تحسیں	مگر تم بھی رسوا ہوا چاہتے ہو ؎
ہوئے ذلیل تو عزت کی جستجو کیا ہے	کیا جو عشق تو پھر پاسِ آبرو کیا ہے
یار کہوے کہ اُٹھ مرے در سے	دل یہ کہوے یہیں رہا کیجے

تحصیل ۔ منشی محمد کبیر صاحب تحصیل ساکن ترڈیگڑہ ریاست میسور شاگرد حضرتِ داغ۔ موجودہ زمانہ کے موزوں طبع شعرا میں ہیں۔ اور خاصہ کہہ لیتے ہیں۔ اکثر رسالوں اور اخبارونمیں انکا کلام شایع ہوتا رہتا ہے۔ ۴۰ برس کے قریب عمر ہے۔ کلام بہم رسیدہ کا انتخاب حاضر ہے ؎ تحصیل

کیا لڑکپن کہوں میں قاتل کا	کھیل سمجھا تڑپنا بسمل کا
آزادی ہو نصیب کہاں اہلِ طمع کو	چھوٹے کبھی نہ قیدیِ دامِ بلائے حرص
ہے چراغِ حسن پر کس ماہ کے پروانہ شمع	رات بھر جلتی ہے اور گلتی ہے بیتابانہ شمع
کہو تھی کونسی وہ بات ایسی جو	نہ نکلی منہ سے جو آکر زباں تک
مریضِ عشق کو مرنا شفا ہے	ملا دو زہر کچھ میری دوا میں
مریضِ عشق کو آرام کب ہو ان طبیبوں سے	کہ اسکا تو مرض تم ہو دوا تم ہو شفا تم ہو

لالے کی طرح دل نہ کوئی داغدار ہو | یارب یہ گل کسی کے گلے کا نہ ہار ہو

تحیرؔ

تحیرؔ - مرزا محمد بیگ ولد مرزا رستم بیگ خراسانی مقیم لکھنؤ - آپ کو میر امداد علی بحر سے تلمذ تھا - کلکتے بھی بطریق سیر گئے تھے - یہ انکا کلام ہے ۵

شکار مرگ ہوئی ہے فراقِ یار میں روح | پھڑک رہی ہے بہت دام انتظار میں روح
لگا کے تیر مجھے بوئے گل نے صید کیا | رہی خزاں میں سلامت گئی بہار میں روح
کیا ہے عشق نے مجبور سر بسر مجھکو | نہ اختیار میں دل ہے نہ اختیار میں روح
میں تڑپتا ہوں ادہر اسکو خبر کچھ بھی نہیں | بدنصیبوں کی محبت میں اثر کچھ بھی نہیں
سینکڑوں ذبح ہوئے سینکڑوں مر کر چھوٹے | ہم اسیروں کی رہائی کی خبر کچھ بھی نہیں
مجھ خزاں دیدہ کے بیگانہ مزاجی دیکھو | کب بہار آئی گئی مجھکو خبر کچھ بھی نہیں
نیست نابود تحیر نظر آیا عالم | ہم ادہر سیر کو نکلے کہ جدہر کچھ بھی نہیں

تحیرؔ

تحیر - غلام مصطفےٰ خلفِ مولانا شاہ رفیع الدین دہلوی - ان کے خاندان کی بزرگی اور سبب شہرت محتاج بیان نہیں - جناب تحیر مولینا شاہ عبدالعزیز صاحب تحفۂ اثناعشریہ کے بھتیجے اور حکیم ثناءاللہ خاں فراق کے شاگرد تھے - مگر اپنے خاندانی ورثہ یعنی علم وفضل سے محروم رہے - اوصاف حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ رکھتے تھے - موزونی طبع کی مدد سے کبھی کبھی فکرِ سخن کیا کرتے تھے چنانچہ یہ شعر اُن کے ہیں -

عید کے دن مجھے کہنے یہ ہر اک یار لگا | ہو مبارک تری چھاتی سے وہ دلدار لگا
جدا مجھسے جب وہ دل آرام ہوگا | اجل کا اسی وقت پیغام ہوگا
فکر اطفال کو ہے سنگ اُٹھا لانیکی | آمد آمد ہوئی شاید ترے دیوانہ کی

تدبیر

تدبیر - شیخ محب اللہ ساکن دیوبند مرد خلیق وخوش مزاج تھے - غدر سے پیشتر کسی تقریب سے دہلی آئے اور یہیں کے ہو رہے زیادہ حال معلوم نہیں -

اور ہی کچھ ڈھنگ ہے اپنی گرفتاری کا ہائے | یوں تو زلفوں میں تری کس کس کا دل الجھا نہیں

تدبیر

تدبیر - دہلوی - مرزا محمد سکندر قدر ابن میرزا خورشید قدر قیصر گورگانی نبیرۂ شاہ عالم ثانی لکھنؤ میں مقیم تھے - یہ انکے اشعار ہیں -

دل ہو تو کچھ بیان کریں ماجرائے دل	معلوم ہی نہیں کہ کہاں بھول آئے دل
دل ہم کو بھی خدا نے دیا ہے بتو ڈرو	بے درد یو لئے تم نہ دکھاؤ پرائے دل
دل سوز جانتا ہے اُسی شمع رو کو ہم	پروانہ وار جس نے ہزاروں جلائے دل
راحت سے کام کچھ نہیں ہیں رنج دوست ہوں	پہلو میں رکھدو سنگِ جراحت بجائے دل
شکوہ جفا کا سن کے یہ کہتے ہیں ناز سے	کچھ دل لگی نہیں جو کسی سے لگائے دل

تراب

تراب - نواب حشمت الدولہ افتخار الملک مرزا ابو تراب خاں متخلص بہ تراب - آپ نواب مرزا ابو طالب خاں کے صاحبزادے اور حضرت محمد علی شاہ اودھ کے داماد تھے - فکر رسا کی امداد سے صاحبِ دیوان تھے - مگر ہمیں صرف دو شعر دستیاب ہوئے -

اُلجھا کے لیگئی اکبار کوئے قاتل میں	ہماری جان کی دشمن ہوئی ہوا دل کی
ہیں لوگ قصۂ فرہاد و قیس بھول گئے	کہانی ہوتی ہے اب میری جابجا دل کی

تراب

تراب - شاہ تراب علی مرحوم مولد شاہ کاظم مغفور سجادہ نشین درگاہ قصبہ کاکوری - بڑے خدا پرست درویش حق آگاہ تھے - اِن کا کلیات چھپ گیا ہے ایک مثنوی مسمیٰ عاشق و صنم بھی انکی تصنیف سے یادگار ہے - تراب مرحوم کا کلام معرفت سے پُر اور نہایت دردانگیز ہے انکی اکثر ٹھمریاں مشہور ہیں - کہنہ مشق شاعر تھے - کلام میں سنجیدگی اور متانت بہت ہے اکثر اخلاقی مضامین نہایت نفاست سے باندھا کرتے تھے - ۱۲۷۵ھ میں انتقال کیا -

کاکُل کہ چند موئے پریشاں کا نام ہے	دل کے لئے خدا نے اُسے دام کر دیا
کوئی اس ناآشنا سے آشنائی کیا کرے	آشنا سے اپنے جو نا آشنائی کر گیا
ہم نہیں کرنے کے اسکی خیر خواہی میں قصور	کیا ہوا گر ہم سے وہ ظالم بُرائی کر گیا
وصف اسکا میں کیا کہوں ناصح	وہ تو کچھ ہے بیان سے باہر

قطعہ

چمن میں جب میں اس گلفام کے ساتھ ۔ گیا جوں بادِ صرصر بے تکلف
کہا یار نے مجھے تیری بدولت ۔ ہوئی جنت میسر بے تکلف

بارِ صورت میں نظر بازِ حقیقت کم ہیں ۔ آنکھ والے ہیں بہت اہلِ بصیرت کم ہیں

یہ کہتا ہے جرس اپنی زباں میں ۔ مسافر ہیں سبھی اس کارواں میں

ہمارے یار کے دو ہی پتے ہیں ۔ کمر پتلی صراحی وار گردن

مجھے یار سے اب یہی گفتگو ہے ۔ جو تو ہے سو میں ہوں جو میں ہوں سو تو ہے

اُسے کیا وہ ہے گر صیدِ بسمل آہ کرتا ہے ۔ جو بیدردی سے وقتِ ذبح بسم اللہ کرتا ہے

بہت امیدِ جنت پر بہت دوزخ کی دہشت سے ۔ کوئی کمتر عبادت خالصاً للہ کرتا ہے

جی کسی پر کوئی فدا نہ کرے ۔ دل کسو سے لگے خدا نہ کرے
عشق کا امتحان ہو کیونکر ۔ گر کسی پر کوئی جفا نہ کرے

محمود ایاز ہو گیا ہے ۔ کیا ناز نیاز ہو گیا ہے

بتِ ظالم نہیں سنتا کسی کی ۔ غریبوں کا خدا فریادرس ہے

وہیں کارواں بانگِ جرس ہے ۔ گواہِ دردِ دل اک نالہ بس ہے

عبث ہے آرزو دنیا و دیں کی ۔ تراب اللہ بس باقی ہوس ہے

دیدار کی نہ تاب سہی جل گئے تمام ۔ پروانے جا کے شمع سے جب متصل ہوئے

وحدت کا پیا جام دوئی سے نہ رہا کام ۔ ہے ترکِ خودی نسبتِ تفرید ہماری

تیرے لطف و کرم سے اک جہاں معمور ہے پیارے ۔ عجب ہے رہ گئے تیرے کرم سے ایک ہم خالی

موت سے یارو وہی سب بے ڈر رہے ۔ زندگی میں آپ سے جو مر رہے

ہم سے کیا کہتا ہے عشقِ خوبرویاں چھوڑ دے ۔ شیخ تو ہی آرزوئے حور و غلماں چھوڑ دے

نیکی کرو کام آئے گی آخر کو نکوئی ۔ ساتھ اپنے عمل ہوں گے وہاں اور نہ کوئی

کعبہ و مسجد میں جاتے ہو عبث لاجی کس لئے ۔ وہ تو ہے دل میں تمہارے پھرتے ہو تم جس لئے

ترحمؔ

ترحمؔ - مرزا مکرم بخت گورگانی میرزا قیصر بخت فروغ خلف الرشید میرزا قادر بخش صابر گورگانی کے خلف اصغر اور جناب آثم کے برادر خرد ہیں - آپ کی ولادت شہر بنارس میں جہاں آپ کی ننھیال ہے واقع ہوئی اور وہیں ہوش سنبھالا - فارسی اردو کے علاوہ زبان انگریزی میں بھی معقول دخل حاصل ہے - الغرض تعلیم یافتہ اور مہذب نوجوان ہیں شاعری اور زباندانی آپ کی میراث سمجھنا چاہیے - چند غزلیں اپنے والد نامدار کو دکھائی تھیں پھر اُن کے انتقال کے بعد سے بطور خود کہتے ہیں - ہنگام ترتیب تذکرہ کچھ کلام عنایت فرمایا اُس کا انتخاب ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے اب (۱۹۰۸ء) میں آپ کی عمر ۳۴ و ۳۵ برس کے قریب ہے - اور بنارس محلہ شوالہ میں قیام ہے -

تمہیں سے ہے منور گھر نشاط و کامرانی کا — تمہارا حسن ہے شعلہ چراغ زندگانی کا
دہن ہے چشمۂ حیواں اور اُسمیں میرا نام آیا — دیا خلعت مجھے تمنے حیاتِ جاودانی کا
دُرِ خوش آبِ مضموں کیوں نہ ہاتھ آئیں ترحم کو — کہ اُسکی فکر میں عالم ہے دریا کی روانی کا
سوزِ شبِ فرقت کا مداوا ہو ترحم — ملجائے جو تھوڑا سا بھی کافورِ سحر آج

حسن میں حسن گر ہوا نہ کرے — جان اپنی کوئی فدا نہ کرے
مجھ سے سیکھو اگر نظر بازی — کبھی یہ تیر پھر خطا نہ کرے
جب کہا مینے میں مرتا ہوں — ہنس کے کہنے لگے خدا نہ کرے
ہوس و عشق میں تمیز نہو — وہ جو عشاق پر جفا نہ کرے
اے ترحم مجھے یہ وحشت ہے — کہیں دشمن اُنھیں خفا نہ کرے

نگلی فلک نے شام کو اُگلی سحر کے وقت — یہ پختی نہیں ہے نانِ ثقیل آفتاب کی
یہ کان بھرنے کی عادت بُری ہے غیروں کو — شکایت اُن کو جو کرنی تھی برملا کرتے
کسی سے کچھ نہیں ہمنے کہا قسم لے لو — زبان کٹتی اگر آپ کا گلہ کرتے
ہمیں کو خوف ہے اعدا کی بدمزاجی کا — اگر وہ مجھ سے بگڑتے تو میرا کیا کرتے
پتنگ شمع کا جلنا نہ دیکھ سکتے تھے — تو غریب جان نہ دیتے تو اور کیا کرتے

ترسان

ترساں - میاں بہادر علی - لکھنؤ کے ایک موزوں طبع سخنور تھے - ایک قدیم قلمی بیاض میں جو سوا سو برس کی لکھی ہوئی ہے کچھ کلام نظر سے گذرا - اُسکا انتخاب ضبط تحریر میں آیا - آصف الدولہ اور نواب سعادت علی خاں کا زمانہ پایا تھا اس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ میر و میرزا کے ہم عصر ہوئے - سیدھی سادی زبان میں اچھے مضامین نظم کئے ہیں - اب کلام ملاحظہ ہو -

تاب و توان و ہوش و خرد سارے چل بسے
جس وقت میرے پاس سے وہ دلستاں اُٹھا

تیرے ہی بیٹھنے سے ہماری ہے زندگی
اُٹھ جائینگے جہان سے ہم تو جہاں اُٹھا

آج مجلس میں بہت ترساں کو دیکھا مضطرب
اُس فلک ماریکا شاید دل کہیں جاتا رہا

رات کس کا ذکر تھا ترساں کہ سُن سُنکر جسے
اشک سُرخ آنکھوں میں تو ہر آن بھر آتا رہا

کس نے ترسانکو تری بزم میں روتے دیکھا
اُس پہ ناحق تجھے طوفان اُٹھانا کیا تھا

کیا کرے کوئی گلہ اُسکی ستمگاری کا
جس کا شیوہ ہو پرایوں[1] کی دل آزاری کا

دیکھ کر آج مسیحا نے دیا مجکو جواب
اب معالج ہو خدا اِس تری بیماری کا

گھر میں جو بیٹھ گیا دیکھ کے تو ترساں کو
اُس سے تھا کونسا موجب تجھے بیزاری کا

اُسی کی سب نے خاطر کی ہیں دکھ رویا جہاں جاکر
کوئی سر پٹکے اپنا اے یارو اب کہاں جاکر

مرا دل اُس کی زلفوں میں ہوا گم آج اے ترساں
اندھیری رات ہے دونو طرف ڈھونڈوں کدھر جاکر

ہم دردِ عظیم ہم دوا ہو
وہ جانے ہمارے غم کو ترساں
تم حضرتِ عشق بد بلا ہو
جس کا کہ کسی سے دل لگا ہو

دیا تھا آگے بھی دل لیکن آہ چھوٹ گئی
عنانِ صبر مرے اختیار سے اب کے

میں کہا کیا ہو جو گھر تک تو اے بیہوش چلے
سُن کے بولا کہ ترے گھر مری پاپوش چلے

ہمنشیں اُسکو مرے ساتھ یہاں تک ہے ضد
راہ میں دیکھے کبھی مجکو تو روپوش چلے

[1] غیروں کی -

درد کہنے کو تو ہم آئے تھے ترساں لیکن
دیکھکر چین بجبیں یار کو خاموش چلے

چاک گل کا پیرہن گلشن میں تھا کس کے لئے
صبح تک شبنم بھی روتی تھی صبا کس کے لئے

مرگیا ترسا تری دیوار کے سایہ تلے
تونے کچھ جانا کہ اسنے جی دیا کس کے لئے

ترقی

ترقیؔ - نواب اسد الدولہ رستم الملک مرزا محمد تقی خان بہادر مرحوم خلف سید محمد امین خاں باشندۂ نیشاپور مقیم فیض آباد، نواب شجاع الدولہ بہادر صوبۂ اودھ کے خاندان سے تھے اور میر محمدی سوز کے شاگرد تھے آپنے محفل مشاعرہ بھی قایم کی تھی - نہایت خوش کلام اور رنگین طبع امیر تھے - آپ کا اساتذۂ قدیم میں شمار ہے - متانت اور سنجیدگی کے پہلو بہ پہلو لطف زبان اور معاملہ بندی اپنا مزا دکھاتے ہیں - کلام میں درد اور دلکشی بھی موجود ہے - زبان صاف اور شیریں اور لطف محاورہ بھی اُس میں موجود ہے - استعارات و تشبیہات سے کلام پاک ہے - آپ کا خاندان ابتک لکھنؤ میں موقر و معزز خیال کیا جاتا ہے - آغا ابو صاحب رئیس اعظم لکھنؤ آپ ہی کے خاندان میں ہیں -

گر ایک شب بھی وصل کی لذت نہ پائے دل
پھر مفت کس اُمید پہ کوئی لگائے دل

بھولا تمہارے عشق میں دنیا و دین کو
جو چاہو اب کرو کہ یہی ہے سزائے دل

پہلو کل اُسنے پھیرا جو دل کے لئے مرا
جز داغ حسرت اور نہ کچھ تھا بجائے دل

ترغیب دی ہے کس لئے کعبے کی تو ہمیں
زاہد خدا کا گھر نہیں کوئی سوائے دل

اُس کی گلی میں کون یہ بیدل ہوا ہے دفن
آواز متصل یہی آتی ہے ہائے دل

اک دل تجھے مدام ستانے کو چاہیے
تیرے لئے کہانسے کوئی روز لائے دل

اُس کوچہ میں جب بیٹھے ہیں مانند نقش پا
رکھتا ہے تب سے خاک میں ہمکو ملائے دل

لکھ دیویں ہمتو خط غلامی اُسے بجاں
جو عشق کی بلا سے ہمارا چھڑائے دل

اُترا نہ آکے یہاں کوئی جز کاروان غم
ماتم سرا سے کم نہیں یارو سرائے دل

دن بھر تو اک نحیف سی آواز سُنتے تھے
آتی نہیں ہے رات سے لیکن صدائے دل

کہتے ہیں دردمند ترقی کا حال دیکھ
یارب کبھو کسی پہ کسی کا نہ آئے دل

یوں تہِ زلف نمودار وہ رخ ہوتا ہے
ابر سے آئے نظر جیسے قمر کا پہلو

کارگر دل میں کسی کے جو نہیں ہوتی ہے
چھٹ گیا آہ سے شاید کہ اثر کا پہلو

لا دوا زخم سمجھ پہلو تہی کرتا ہے
دیکھتا ہے مرا جرّاح جدھر کا پہلو

[illegible]

دل کو وہی بیکلی ہے تجھ بن
مر کر بھی چھٹے نہ تیرے غم سے

قبلہ ہو نہ کیجے منہ اُدھر کو
دل ٹوٹ گیا ہو جس صنم سے

دشمن پہ کرے نہ کوئی یہ ظلم
مارا بھی مجھے تو نے جس ستم سے

شرم آتی ہے کیا بیان کیجے
جو تو نے کیا سلوک ہم سے

افسوس کہ خاک بھی ہماری
محروم رہی ترے قدم سے

اب رو نہ زیادہ اے ترقی
طوفاں اُٹھے نہ چشمِ نم سے

اے ترقی بات جی کی جی میں رکھ
منہ سے نکلی اور پرائی ہو چکی

ساکنانِ کعبہ نے کی بت پرستی اختیار
وہ صنم نام خدا کیا ان دنوں جوبن پہ ہے

جرم کچھ ٹھہرا کے قاتل پھر مجھے تو قتل کر
بیگناہی میری ثابت دوست اور دشمن پہ ہے

دیکھیے اب کس مسلماں کو کریگا قتل تو
آج غضب کی طرح کافر تری چتون پہ ہے

آتشِ دل اشک سے سینہ میں بھڑکی اور بھی
اتنا آبِ چشم کو میری شرف روغن پہ ہے

دستِ گلچیں عندلیبو کیجیے کیونکر قلم
آفتِ نو جسکے ہاتھوں نے سدا گلشن پہ ہے

ہے ترقی میرے اس سینہ میں وہ آتش نہاں
طعنہ زن جسکا شرر ہر شعلۂ گلخن پہ ہے

[illegible]

[illegible]

تُو نے عاشق کی بھی کچھ اپنے خبر پائی ہے
جان دیتا ہے وہ اور خلق تماشائی ہے

اُسنے تو کچھ یہ دکھایا ہے کہ جی جانے ہے
پر مزا سینے یہ پایا ہے کہ جی جانے ہے

لیجاتے ہے وہ روز نیا صید مار کے
لائق نہیں ہیں آہ مگر ہم شکار کے

اک عمر بعد آئی ہے اب زیرِ خاک نیند
تربت پہ میری روؤ نہ یارو پکار کے

دیوانہ اب کے دیکھئے ہوتا ہے کون کون	آتے ہیں زور شور سے پھر دن بہار کے
دیکھا جو چشم مست کو اُسکی چمن کے بیچ	نرگس کی آنکھ جھک گئی مارے خمار کے
روزن نہیں جو بہر خدا در کا اپنے بند	دیوار سے میں پھوڑونگا سر اپنا مار کے
باشندے ہم سے شہر کے کس طرح سے میں	اُجڑے ہوئے ہیں ہائے ہم اپنے دیار کے
اے گل سُنا نہ تو نے مرا حال اور میں	سُنتا ہوں تیرے واسطے طعنے ہزار کے
قطعہ	
مدت کے بعد ہمکو جو لایا فلک وہاں	طفلی سے رہنے والے تھے ہم جس دیار کے
دیکھا عجب ہے رنگ کہ بس ہوش اُڑ گئے	کیونکر بھلا نہ روئیے پھر ڈاڑیں مار کے
جو گل زمیں تھی آہ وہ رشک خرابہ ہے	ہیں جا سے لالہ زار پڑی ڈھیر خاک کے
کیجے جدھر نگاہ وہ ہُو کا مقام ہے	خالی مکاں پڑے ہیں ہر اک دوستدار کے
وہ یار جن سے رہتی تھیں دن رات صحبتیں	ملتے نہیں نشاں کہیں اُنکے مزار کے
منع فغاں نکر تو ترقی کو ناصحا	واقف نہیں ہے غم سے تو اُس سوگوار کے

ترکی

ترکی۔ ترک علی شاہ۔ اصل وطن لاہور ہے مگر اب عرصہ سے بہ سلسلہ روزگار حیدرآباد دکن میں مقیم ہیں دربار دکن کے فارسی شعرا کے زمرہ میں ملازم ہیں۔ اور کہتے بھی نہایت صاف اور عمدہ ہیں۔ اب ۵۰ برس کے قریب عمر ہے۔ کلام میں جتنی شوخی و طراری ہے اُسی قدر جدت بھی موجود ہے۔ مزاج میں ظرافت ہے۔ مہاراجہ مدارالمہام کے خاص مصاحبوں میں ہیں۔ چند سال سے کبھی کبھی اُردو بھی کہہ لیتے ہیں۔ چنانچہ اشعار ذیل آپ ہی کے طبعزاد ہیں۔

وہ بوئے مُشک ہے اے شوخ تیرے بالوں میں	کہ وصوم جسکی ہے تاتار کے غزالوں میں
مرا کمال تو دیکھو کہ ہوکے لاہوری	غزل میں بیٹھ کے پڑھتا ہوں دہلی والوں میں
یہ کی تلاش کہ گم ہو گیا میں خود لیکن	نہ مسجدوں میں ملا اور نہ وہ شوالوں میں

تسخیر

تسخیر۔ مرزا محمد سلیماں قدر بہادر تسخیر نبیرہ مرزا آسماں قدر عنو گورگانی مقیم لکھنؤ شاگرد

میر ہادی بیخود غدر کے بعد والدِ بزرگوار کے ہمراہ بنارس چلے گئے۔ وہاں مرزا صابر کی تحریک سے شاعری کی ابتدا ہوئی۔ ان کی وفات کے بعد ۱۳۰۵ھ میں پھر لکھنؤ میں رہائش اختیار کی اور مشاعرے کی بنا ڈالی۔ ان کے بیٹے مرزا حیدر قدر ماہ نے اس کا دیوان چھپوا دیا ہے۔ جسکا انتخاب درج ذیل ہے۔

کرونگا حشر میں نالش تو تیغ پیشِ خدا	اُسی کچہری میں اب ہوگا فیصلہ دل کا
بڑا دھوکا دیا او تیغِ قاتل	گلے مل کر مرا کاٹا گلو آج
ہمیں دکھادے اسیری میں کچھ چمن کی بہار	قفس میں پھول کی رکھدے پیالیاں صیاد
بیگانہ وار سب سے ہے تسخیر اس لئے	باخلق آشنا نشو و آشنائے دل
کچھ تن بدن کا ہوش نہیں ہے تمہیں ذرا	تسخیر بیخودی ہے یہ کس کے خیال میں
شکوۂ جور جو کرتا ہوں تو وہ کہتے ہیں	میں نے کچھ مانگا تھا کیوں تمنے دیا دل مجکو
مژدہ اے موت کہ خوں ہوتے ہیں وہ بت ترا جہاں	لیچلا ہے اُسی کوچے میں مرا دل مجکو
آپ کو قدر نہیں دل کی ہمارے تو نہو	اسکو وہ لے گا جو رکھتا ہے خریدار نگاہ
ڈر نہیں یار کو گر پاک نظر سے دیکھا	نہ گنہ گار ہیں کچھ ہم نہ گنہگار نگاہ
بتوں میں ہے نہاں قدرت خدا کی	طلسم حسن ہے یہ برج حنا کی
کُنجِ قفس میں منت و زاری ہزار کی	صیاد نے پر ایک نہ مانی ہزار کی
اثر نالۂ جانکاہ جو دو پسر ہوجائے	بیقراری میں وہ بت میرے برابر ہوجائے
زہر کھاتے ہیں جو عشقِ لبِ جاں بخش میں ہم	کیا مزہ ہے اثر آب بقا ہوتا ہے
بولے دیکھا جو مجمعِ عشاق	میری صورت کوئی تماشا ہے

رباعی

فرزند و عزیز میں نہ الفت پائی	احباب و رفیق میں نہ شفقت پائی
تسخیر کے مرقد پہ یہ کندہ کرنا	جو کچھ پائی وہ زر سے راحت پائی

تسخیر

تسخیر۔ جناب داروغہ سید واجد علی صاحب تسخیر رئیس شہر لکھنؤ ارشد تلامذہ حضرت امیر مدظلہٗ۔ آپ حضرت واجد علی شاہ کی بیگم سلطان محل کے داروغہ تھے اور محلات شاہی میں اور بھی خدمتیں ان سے متعلق تھیں۔ ایام غدر میں جب مرزا برجیس قدر کا دور دورہ ہوا تب آپ حضرت محل کے صلاحکاروں میں رہے مگر جب آپ کو یہ معلوم ہوا کہ اس بد نظمی کا انجام اچھا نہیں تو از راہ دور اندیشی آپ سرکار انگلشیہ کے ہواخواہ ہو گئے اور خدمات شایستہ اُس سرکار کی ادا کیں چنانچہ بجلدوے خیرخواہی بعد فرو ہنگامہ چند مواضع بطور انعام پائے اور زمرۂ تعلقہ داران میں محسوب کئے گئے۔ تمام عمر باعزاز و آبرو بسر کی۔ آپ کے بڑے صاحبزادے نظیر حسن تعلقہ دار ہوئے۔ چھوٹے امیر حسن فروغ حیدرآباد میں وکالت کرتے ہیں شعر و سخن کا بھی ذوق تھا اور مذاق سلیم سے کافی بہرہ حاصل تھا۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل اشعار کے ملاحظہ سے ظاہر ہوگا۔

نہ آیا فاتحہ پڑھنے وہ مہر و مہرباں ہو کر
زمینِ قبر کیوں پیسے نہ ہمکو آسماں ہو کر

نکل سکتا ہے وحشی کس طرح زلفوں کے پھندوں سے
پڑا ہے پاؤں میں اُنکا تصور بیڑیاں ہو کر

لحد میں یاد جب آئی کشاکش زلفِ پیچاں کی
کفن کے بند جتنے تھے وہ لپٹے رسیاں ہو کر

نہ کھینچ اب تیغِ ابرو دل نشانہ ہو چکا ظالم
در آئی ہر مژہ کی نوک سینہ میں سناں ہو کر

تلاش ناقۂ لیلیٰ میں دی مجنوں نے جاں اپنی
اُسی کی خاک پھرتی ہے غبارِ کارواں ہو کر

ازل سے دل مرا مشتاق ہے ابرو کی پیکاں کا
نہ مارا تمنے اک تیر نگہ ابرو کماں ہو کر

جفا تیری وفا میری الم نشرح ہے اب گھر گھر
یہی قصہ بیاں ہوتا ہے ہر جا داستاں ہو کر

تمھیں پر ہمنے گل کھائے تمھیں نے قتل کر ڈالا
اُجاڑا تمنے جو گلزار اپنا باغباں ہو کر

نہ حرفِ تلخ لب پر لائیے شیریں زباں ہو کر
سخن میں رنگ و بو دکھلائیے غنچہ دہاں ہو کر

اِسے ونزات پامالی اُسے چکر میں بچا لی
نہ یاں راحت زمیں ہو کر نہ آرام آسماں ہو کر

عدم کے جانیوالے منزلِ آخر پہ جا پہنچے
میں تنہا رہ گیا پیچھے غبارِ کارواں ہو کر

نزاکت کس قدر ہے پھول سے گجری جو پہنچے ہیں
جھکے جاتے ہیں دونو ہاتھ گل کی ڈالیاں ہو کر

دلا گر چاہتا ہے دلربا تنہا ملے تجھ کو
پتا دیں راستہ سیدھا تو جا واں لامکاں ہو کر

تلون ہے طبیعت میں تمھاری کسقدر تو بہ
نہیں پھر ہو گئی لو وصل کے وعدہ پہ ہاں کر

نجف کی راہ لو تسخیر پھرتے ہو کہاں در در
لگاؤ بسترا مولیٰ کے در پر پاسباں ہو کر

تسکین **تسکین۔** پنڈت گنگا داس۔ زیادہ حال ان کا معلوم نہیں۔ مسٹر فیلن نے اپنے تذکرے میں ان کا حال اس طرح لکھا ہے "ایک جوان تھا نیک عقیدہ کشادہ رو مہذب و خوش خو۔ گاہے گاہے رخش ہمت کو میدان ریختہ گوئی میں پویاں دوڑاتا تھا" یہ ان کا کلام ہے۔

ناصح یہ نصیحت اب تم کرتے ہو کیا بیٹھے
جو ہووے سو ہو بہتر دل اس سے لگا بیٹھے

عقل و خرد و طاقت اور صبر و شکیبائی
جب سامنے وہ آیا ہم سب یہ لٹا بیٹھے

کیا غم ہے ہمیں تسکیں آفات زمانہ سے
اب ہم شہ مرداں کے داماں تلے آ بیٹھے

تسکین **تسکین۔** میر سعادت علی دہلوی۔ خلف میر علی حامد برادرزادہ و شاگرد ملک الشعرا میر قمرالدین منت۔ عنفوان شباب میں دہلی چھوڑ کر لکھنو جا رہے تھے باوضع اور خوش فکر شخص تھے۔ ۱۲۴۸ھ میں ۵۰ برس کا سن تھا یہ آپ کا کلام ہے۔

سر میں مرے بھری ہے ازل سے ہوائے عشق
مجھ سا جہاں میں کوئی ہے کم مبتلائے عشق

یک لخت عقل و صبر سے بیگانہ ہو گئے
یہ جانتے تو ہوتے نہ ہم آشنائے عشق

نالاں ہے ابتدا ہی میں بلبل کو کیا خبر
پروانہ جانتا ہے جو ہے انتہائے عشق

شیریں سا حکمراں تو کوئی ہووے آج بھی
بہتیرے کوہکن سے ہیں زور آزمائے عشق

تسکیں جو قیس عشق میں مجنوں ہو گیا
عیب اسکا کچھ نہیں کہ یہ ہے مقتضائے عشق

کرتا نہیں ہے جنس وہ عالم پسند دل
خواہاں متاع درد کا ہے دردمند دل

بیرحم پھر نہ لونگا کبھی دوستی کا نام
جانبر ہوا جو آپکے اٹھا کر گزند دل

اس آشفتگی کا اپنی سبب تجھ سے کیا کہوں — مدت ہوئی کہ زلف میں تیری ہے مبتلا دل
بکتا ہے ایک نگاہ پہ لے لیجے مفت ہے — تسکین کا اگر آپ کو آیا پسند دل
ہر دم کرے ہے یہ دل کا پرساں بغل میں — ہے وہ مثل مطابق دشمن کہاں بغل میں
بسکہ ہم دل میں تپ عشق نہاں رکھتے ہیں — آتش اک سینہ میں جوں سنگ نہاں رکھتے ہیں
نوبت ضعف یہ پہونچی کہ ہم اب اے ہمدم — طاقت ضبط نہ یارائے فغاں رکھتے ہیں
خشک لب دیدۂ تر حال پریشاں رخ زرد — عاشقی کے بھی عشاق نشاں رکھتے ہیں
ساغر مے سے ہیں پیر مجھکو ساقی — ہاتھ مت کھینچ کہ ہم طبع جواں رکھتے ہیں
اللہ رے نزاکت اُس نازنیں صنم کی — پڑتے ہیں اک نگاہ سے سو آبلے بدن میں
آوے جو بعد مردن خط کا جواب اُن سے — جانے جواب رکھیو نامہ مرے کفن میں
کوچے کا گلرخوں کے عالم اگر کہوں میں — تسکیں لگے نہ دم بھر بلبل کا جی چمن میں
کون کہتا ہے یہاں آپ گذارا نہ کریں — مدعا یہ ہے کہ آتے ہی سدھارا نہ کریں
غم پریشانی عاشق کا کرے اون کی بلا — ہو یہ کیونکر کہ وہ زلف اپنی سنوارا نہ کریں
ہووے کیا آپ سے تصویر صنم ہم آغوش — کوہکن تو نے کیا ہم تو گوارا نہ کریں
دل بیتاب کو میرے نہ کبھی ہو تسکین — کر کے تسکیں جو مجھے آپ پکارا نہ کریں
کیا خاک ہو صفائی بھلا ہم میں یار میں — خط بھی لکھا جو ہم کو تو خط غبار میں
حال دل کہتے تو ہیں وہ صنم رکتا ہے — اور چپ رہیے تو مشکل ہے کہ دم رکتا ہے
کس کا کوچہ ہے یہ یارب نہیں معلوم ہمیں — خود بخود یاں کے پہنچتے ہی قدم رکتا ہے

تسکین

تسکین - میاں تسکین نام - نواب آصف الدولہ کی سرکار میں خواجہ سرا تھے - ذہن رسا اور طبع نکتہ سنج پائی تھی - الفاظ رنگین اور خیالات تازہ کی تلاش میں سرگرم رہتے ہیں - زبان اگرچہ پرانی ہے تاہم کلام پر لطف اور شیریں ہے - ایک پرانے تذکرے میں کچھ ان کے اشعار نظر سے گذرے انکا انتخاب درج ذیل ہے -

انداز فغاں کا مری بلبل نے اوڑایا — نقشہ کو نزاکت کے تری گل نے اڑایا
بس شور نکر اس قدر اب اے دلِ نادان — اک خلق کا تو مغز تری غل نے اڑایا
سمجھا نگیا ہے کچھ اُسکا غضب و لطف — اک عمر ہمیں اُسکے تغافل نے اڑایا
کیا گذری جو اس طرح سے ہے سوچ میں آج — ہوش اپنا تو قاصد کے تامل نے اڑایا
تھی اتنی دل آویز کب آشفتگی اُسمیں — یہ طور ابھی زلف کا سنبل نے اڑایا
دیکھی جو سحر اشک فشانی مری تسکین — شبنم کے تئیں چٹکیوں میں گل نے اڑایا
کیا[1] خاک ہو صفائی بھلا ہم میں یار میں — خط بھی لکھا جو اُسنے تو خطِ غبار میں
یوں مجھ میں اُسمیں بگڑی سدا اور سدا بنی — کچھ اب کے ایسی بگڑی کہ بس جی پہ آ بنی

تسکین

تسکین دہلوی۔ شاعر نکتہ سنج و متین میر حسین صاحب تسکین شاہجہان آبادی خلف میر حسن عرف میرن صاحب۔ انکا نسبی سلسلہ فرخ سیر بادشاہ کے وزیر حسین علی کے قاتل میر حیدر سے ملتا ہے۔ ان کی ولادت ۱۲۱۸ھ میں دہلی میں ہوئی۔ فارسی کی تکمیل مولوی امام بخش صہبائی سے کی۔ طبیعت نہایت ذہین اور موزوں واقع ہوئی تھی۔ شعر گوئی اور سخن سنجی کا مذاق نہایت صحیح و شستہ تھا۔ عنفوان شباب میں جو کچھ کہا اُسمیں شاہ نصیر مرحوم سے مشورہ کیا۔ اُن کی وفات کے بعد حکیم مومن خانصاحب کی خدمت میں حاضر ہوکر حلقۂ تلامذہ میں داخل ہوئے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں حکیم صاحب کی توجہ سے اس فن میں درجۂ کمال حاصل کرلیا۔ مولوی محمد حسین آزاد لکھتے ہیں کہ شاہ نصیر مرحوم کا دیوان انہوں نے مرتب کیا تھا مگر اُسی زمانے کے ایک قلمی نسخہ سے یہ معلوم ہوا کہ منشی مہاراج سنگھ (جو شاہ نصیر مرحوم کے تلامذہ میں سے تھے) اُس خدمت کو انجام دیا تھا۔ تلاش معاش کی فکر میں حضرت تسکین لکھنؤ بھی گئے مگر ناکام واپس آئے۔ کئی برس میرٹھ میں قیام کے بعد رامپور پہونچے اور وہاں کسی معقول خدمت پر مقرر ہو گئے۔ بہر حال تسکین اپنے وقت

[1] شیفتہ نے اسی شعر کو سعادت علی تسکین کے نام سے لکھا ہے ۔

کے شعرائے مشاہیر سے تھے۔ طرز سخن کمال دلکش خصوصاً عاشقانہ کلام نہایت پرلطف اور بامزہ ہے۔ زبان صاف اور شیریں۔ اور بندش نہایت چست ہے۔ نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ سے اکثر صحبت رہتی تھی الغرض حضرت مومن کے شاگردوں میں تسکین رکن رکین تھے اور اُستاد بھی انہیں نہایت عزیز رکھتے تھے۔ بلکہ ان کے صاحبزادہ میر عبدالرحمٰن کو اپنی فرزندی میں لے لیا تھا مومن کا دیوان میر عبدالرحمٰن ہی کا مرتب کیا ہوا ہے۔ غدر کے بعد میر عبدالرحمٰن کی سخن فہمی کی بڑی دھوم تھی۔

جناب تسکین کا دیوان اب نہیں ملتا۔ آپ نے اُستاد کی شوخ بیانی۔ طرز ادائے مطلب اور معاملہ بندی کے ساتھ سادگی اور صفائی روزمرّہ کا خوب سلیقہ بہم پہنچایا تھا۔ پچاس برس کی عمر پاکر ۱۲۶۸ھ ۱۷ شوال کو رامپور میں قضا کی اور وہیں نواب احمد علی خاں بہادر کے مقبرے میں دفن ہوئے۔ سالک نے تاریخ کہی ؎

کہا دل نے کہ داخل ہوگئے سب	ارم میں عارف و تسکین و مومن

آپ کے صاحبزادے میر عبدالرحمٰن آہی بھی بڑے نازک خیال اور طباع شاعر تھے۔ اب کلام کا انتخاب ملاحظہ ہو۔

تھا میری طرح غیر کو بھی دعوئ الفت	ناصح تو اُسے دینے کو الزام نہ آیا
بے بال و پری کھوتی ہے توقیر اسیری	صیاد کبھی لے کے یہاں دام نہ آیا
تسکیں کروں کیا دل مضطر کا علاج اب	کمبخت کو مر کر بھی تو آرام نہ آیا
ہر روز وہ ڈھونڈے ہے کوئی تازہ خریدار	صورت مری ہر روز بدل جائے تو اچھا
مرجائیں گے پر دل نہ لگائینگے کسی سے	جی اور کسی ڈھب سے بہل جائے تو اچھا
کہتے ہیں رنجش ظاہر میں مزا آتا ہے	یونہیں تم مجھ سے ذرا ہو کے خفا جاتا
تمھیں بھی کھولنی زلفیں پڑیں گی	دل گم گشتہ اپنا گر نہ پایا بزم
ہزاروں مرگئے دیکھا جو عالم سوگ میں اسکا	لباس آیا تھا وہ کافر پہن کر بیرے ماتم کا

یہاں آنے سے کس واسطے جلتا ہی تمہارے
اُس در سے نجاؤ نگا کبھی لاکھ کہو تم
دیکھیں کیا میری طرف یاد ہیں اُنکو اپنی
بات کرنی میں جو ہر دم ہے حجاب آئینہ
جان دیتا ہے ہر اک بات پہ تسکیں کریاد
رہنے والونکو ترے کوچے کے یہ کیا ہوگیا
زندگی ہوویگی کس طور سے یارب اپنی
آج جو عرش پہ ہے اپنا دماغ اے ظالم
اتنی سرخی شفقِ چرخ پہ کس دن تھی مگر
حق کے کہنے سے نہیں ملتی ہے سولی منصو

عاشق تو نہیں ہے کہیں دربان تمہارا
دشمن ہی سہی تابع فرمان تمہارا
چشمکیں غیر سے کرنی مجھے دکھلا دکھلا
دیکھتا کیا ہے مجھے بھی تو خود آرا دکھلا
تمنے کیا اُسکو دیا اپنا سراپا دکھلا
میرے آتے ہی یہاں ہنگامہ برپا ہوگیا
دم میں سو بار اگر یوں وہ خفا ہووے گا
کوئی دشمن تری نظروں سے گرا ہوویگا
عاشق زار کا کچھ رنگ اُڑا ہووے گا
تونے دعویٰ کہیں الفت کا کیا ہووے گا

بھول جائیں گے وہ اغیار کو ہیں
وحشت اب لاش کو لے بھاگے گی
کوچۂ یار میں سینے تسکین
سہل سمجھے ہو اسکا آجانا

مرگئے پر بھی اگر یاد آیا تو
تنگئ گور سے گھر یاد آیا تو
پاؤں رکھا تھا کہ سر یاد آیا
تمنے تسکین دل کو کیا جانا

کچھ نمک کچھ مشک کچھ الماس ہو اک جا اگر
ساکنانِ فلک پر دیکھئے کیسی بنے
بیٹھے تسکیں سے تھے روٹھ کر - وہ شوخ
جسوقت نظر پڑتی ہے اُس شوخ پہ تسکین
اس سے بہتر تھا جو دوزخ میں ٹھکانا ہوتا
خوبصورت ہو کوئی تو ہو بدنامی
اپنے مارا خلق کو اُسنے ڈبویا اک جہاں

پھر خدا چاہے بھرے دو نہیں منہ ناسور کا
نالۂ سوزاں کا ہے اب کے ارادہ دور کا
دے کے وہ جھڑکیاں اُٹھا لایا
کیا کہئے کہ جی میں مرے کیا کیا نہیں آتا
بزم دشمن میں ترے ساتھ نہ جانا ہونا
سچ تو یہ ہے کہ بُرا ہوتا ہے اچھا ہونا
تیرا ہنسنا اور مرا رونا برابر ہوگیا

شور یہ برپا کیا اُس کے خرام ناز نے
داور محشر کا سارا کھیل ابتر ہو گیا

گیا مجنوں نکل صحرا کو یہ دیوانگی دیکھو
فضائی کوچۂ لیلیٰ کو اُسنے تنگ صحرا کیا

غیروں کو اشارا ہے مرے قتل پہ ناحق
یہ جنبشِ ابرو ہے تو سر کاٹے کو ہو گا

تمکو بھی تو غیروں سے یہ اخلاص نہیں ہے
جو ربط کہ اُس دست و گریبان میں تھا

چُپ لگی مجکو تو چرچا بھی پھر وہاں ہو گا
راز اپنا نہ خموشی سے بھی پنہاں ہو گا

دیکھیو خانہ خرابی غیر واں قابض ہوا
جسکے گھر کو ہم یہ سمجھے تھے کہ اپنا ہو چکا

ہمکو اپنی خبر نہیں ہمدم
دیکھ تو آکے مر گئے شاید

اُس کو میں مجکو جانے سے کرتا ہے منع ہائے
ناصح کو کوئی جا کے کرے پاسبان غیر

اُس گلی میں اژدحام اغیار کا یاد آگیا
دلمیں جوش حسرت و یاس و تمنا دیکھ کر

دیکھنا شوخی یہ کہتے ہیں مرے دشمن ہیں وہ
کیا ہنسی آئی مجھے تسکیں کو روتا دیکھکر

گر مرے چھٹے دل کی طپش سے تو عزیز و
تا حشر نکلیں گے کبھی گور سے باہر

اے چشم سرمگیں تری گردش نے کیا کیا
راحت پذیر تھے ستم آسماں سے ہم

روکے ہے مجکو ڈبو کر چشم تر کیا کہوں
وہ ہی آتا تھا پسند اپنی نظر کو کیا کہوں

ایسی ہے غیر کی خاطر کہ مرے حال کو سُن
دل میں روتے ہیں بظاہر یہ ہنسے دیتے ہیں

دل لٹے پیچ پیچ کو کھولا ہے یہ کس نے یارب
کہ مرے پاؤں کی زنجیر کیے دیتے ہیں

کبھی کہتا ہوں وصل مشکل ہے
کبھی کہتا ہوں کچھ محال نہیں

یاں انتظار میں ہے کٹی مجکو ساری رات
واں وعدہ کیا کیا تھا انھیں یاد بھی نہیں

دیکھوں تو نے ہے جان ملک الموت کسطرح
تم وقت مرگ پاس سے اٹھنا ذرا نہیں

تسکیں سے نے لے کے نام ترا وقت مرگ آہ
کیا جانے کیا کہا تھا کسی نے سنا نہیں

عیّاری دیکھنا جو گلے ملنے کو کہو
کہتا ہے میں تو تسے ہوا کچھ خفا نہیں

اشک سرخ آنکھوں میں آئے روتے روتے دیکھنا
لعل کی ابتک سُنی تھی کھنے معدن آبدیدہ

باتوں ہی سے کے مشق ہیں مرے حضرت ناصح
وہ دن تو رہیں پاس مرے رنج و محن میں

چھیڑوں ہزار طرح سے تمکو خفا کروں
قابو میں مرے دل ہو تو کیا جانے کیا کروں

یہ تو سچ ہے کہ جو تم چاہو گے کر گزرو گے
پر یہ ممکن نہیں ہے کبھی بیداد نہو

مجھ بیگنہ کے قتل پہ گر ہے خوشی غیر
ظالم تو میرے واسطے اندوہگیں نہو

آرام سے وہ پہلو میں بیٹھے کوئی گھڑی
تسکیں جو اضطراب ہے تجھے اسقدر نہو

بیٹھے رکھا جو پاؤں پر سر کو
بولے وہ ناز سے کہ بس سر کو

وہم تلک ہے مٹا کر خطِ پیشانی ہائے
اسمیں لکھا تہا اُس در کی جبیں سائی کو

آتے ہی اُنکے جان گئی واہ رے نصیب
نکلے جو آرزو تو وہم واپسیں کے ساتھ

تھے جنسے گمان دوستی کے
دشمن وہ ہوئے ہمارے جی کے

دل دینے کی قتل ہی سزا ہو
قائل ہیں تمہاری منصفی کے

کیا تجھ سا دکھا دیا ہے بد خو
کیوں ٹکڑے کئے ہیں آرسی کے

وہ اپنے وعدہ پہ محشر میں جلوہ فرما ہیں
نہیں ہے ضعف سے انبوہ میں گذار مجھے

شب وصال ہیں سننا پڑا فسانۂ غیر
سمجھتے کاش وہ اپنا نہ رازدار مجھے

ہزار طرح سے کرنی پڑی تسلی دل
کسی کے جانے سے گو خود نہیں قرار مجھے

مزے یہ دیکھے ہیں آغازِ عشق میں تسکیں
کہ سوجھتا نہیں اپنا مآل کار مجھے

مرے قصور سے دیدار میں ہوئی تاخیر
نہ دیکھنا تھا تماشائے روزگار مجھے

جان ٹھیری نہ اُس ابروئے خمدار کے آگے
سچ ہے نہیں تمتا کوئی تلوار کے آگے

میں تیرے لئے ناصح مشفق سے لڑوں ہوں
تو کہوے برائیوں مجھے اغیار کے آگے

تیغ نگاہ یار اُسے چلنے لگی تھی پر
برسوں گذر گئے مجھے آزار کھینچتے

اُس چشم پہ مرتا ہوں پہ وسواس ہے کیونکر
میں ذکر کروں مرنیکا بیمار کے آگے

نازو ادا و غمزہ سے یوں دل لیا مرا
لیجائیں جیسے مست کو ہوشیار کھینچتے

یہ کہہ کے شب ہجر میں کرتا ہوں تسلی
جو رنج و مصیبت ہے سو انسان کیلئے ہے

دیکھتے ہی شوق نے ایسا کیا بے اختیار
حال دل کہنے لگے ہم یار کی تصویر سے

وہ مسیحا لب اگر آئے تو جی اٹھوں ابھی
ہاتھ اٹھایا چارہ سازو تم نے کیوں تدبیر سے

چین سے بیٹھے رہے محفل میں تسکیں رات بھر
اُس نے پہچانا نہ ہمکو رنگ کی تغیر سے

کر سکے دفن نہ اُس کوچہ میں جو احباب مجھے
خاک میں دل کی کدورت نے دیا داب مجھے

ہجر میں پاس نہ ہے زہر نہ خنجر افسوس
نہ دیئے موت کے بھی چرخ نے اسباب مجھے

قاصد آیا ہے وہاں سے تو ذرا تھم تو سہی
بات تو کرنے دے اس دل بیتاب مجھے

نام تسکین اور یہ مضمون تپش نازیبا
تھا تخلص جو سزاوار تو بیتاب ہے مجھے

اب یہ حالت ہے کہ اُن سے لے ورد
میرے بچنے کی دعا مانگے ہے

بنا تسکین نہ وہ بُت دوست اپنا
بگاڑی کس نے سارے جہاں سے

بیتابیوں کی اور ہوس ہو تو آن کے
سیماب سے کہو دل مضطر میں گھر کرے

اے دل یہ تیرا خاک میں ملنا ہے بے اثر
وہ کر جو اسکی طبع ستمگر میں گھر کرے

کسکو جی جانے سے ناصح تو ڈرا جاتا ہے
یہی جاتا ہے محبت میں تو کیا جاتا ہے

دل کے لیتے ہی چلی جان یہ جلدی کہ نہ پوچھ
صبر بھی چند قدم پیچھے رہا جاتا ہے

عشق اور حسن میں ہے ربط ستم عجیب سے ہے
جون جوں میں اسکو چھپاؤں وہ نمایاں ہوتا ہے

[illegible]

تسکین

تسکین ۔ مرزا مظفر علی بیگ تسکین دہلوی ۔ ایک تذکرے میں آپ کو مومن خاں کا شاگرد لکھا ہے مگر راقم کے خیال میں اِن کے نام میں غلط فہمی ہوئی ہے یہ اور میر حسین مذکورہ سابق دراصل ایک ہی ہیں ۔ بہرحال یہ انکا کلام ہے ؎

سر پہ چڑھائے یا کہ رکھے ہمکو مار کے
بندے ہیں بال باندھے ہوئے زلف یار کے

افسوس پر نکلتے ہی کنج قفس ملا
دیکھے نہ دن خزاں کے نہ ہم نے بہار کے

بجز شب وصال تو گریاں بروز ہجر
یکساں ہیں دن خزاں کے ہمیں اور بہار کے

اتنا تو مانیو مرا بادِ صبا کہا
خاک کے اوڑا ئیو نہ ہمارے غبار کے

بربادیاں نہ اپنی پسِ مرگ بھی گئیں
بن بن بگولے پھرتے ہیں میرے غبار کے

تسلّی - رائے ٹیکارام تسلی خلف بخشی گوپال رائے برادر خورد رائے بھولا ناتھ دیوان کچہری بخشی گری نواب شجاع الدولہ صوبہ اودھ پرگنہ کریل ضلع اٹاوہ وطن تھا مگر یہ لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور وہیں تربیت پائی۔ ریختہ میں مصحفی اور فارسی میں مرزا فاخر مکین کے شاگرد تھے امیرانہ بسر کرتے تھے۔ ۱۸۴۸ء میں حیات تھے۔ نہایت مہذب خلیق قدردان اہلِ ہنر و کمال اور شعر و سخن کے دلدادہ تھے۔ کتاب سے عشق تھا چنانچہ ہزارہا روپیہ صرف سے نادر الوجود دیوانوں کے نسخے کتب خانے میں جمع کئے تھے۔

دیکھے سماں جو اس مژۂ اشکبار کا
ہو جائے شق جگر رگِ ابرِ بہار کا

آنکھیں سحر تلک مری در سے لگی رہیں
کیا پوچھتے ہو حال شبِ انتظار کا

جسکے قدم تلے دلِ خوباں ملے گئے
مذکور کیا ہے اپنے دلِ خاکسار کا

فہمیدوالے کرتے ہیں دولت پہ کب گھمنڈ
کیا اعتماد زندگیِ مستعار کا

بھاگتا ہے مرے تصور سے
کس قدر بدگمان ہے کافر

دن پھرے پھر مگر تسلی کے
ان دنوں مہربان ہے کافر

کیا مونھ جو کوئی آوے ترے تیر کے مونھ پر
یہ ہم ہیں کہ مونھ رکھدیا شمشیر کے مونھ پر

جیسی تری تصویر لکھی کلکِ قضا نے
وہ حسن نہ دیکھا کسی تصویر کے مونھ پر

گر دلیں ہے خفا تو پھر اس بات کو ناداں
کہہ بیٹھو مت عاشق دلگیر کے مونھ پر

جانے دے تسلی تو نکر فکر سخن کا
پھبتا ہے سخن مصحفی و میر کے مونھ پر

کب میںنے کہا پیارے تم مجھسے جدا بیٹھو
پہلو سے مرے تکیہ پہلو کو لگا بیٹھو

آتے ہی کہا تمنے بس گھر کو میں جاؤنگا
آخر کو تو جاؤگے یکدم تو بھلا بیٹھو

کیا جانے تمھیں کسنے یہ بات سکھائی ہے
جب پاس مرے آؤ تب مُنہ کو بنا بیٹھو

مانگا جو تسلی نے اک بوسہ تو وہ پیارے	موںنھ پھیر کے ظالم نے یوں منھ کے کہا بیٹھو
جو چاہے سلطنت اُسے ظلِّ ہما ملے	مجھکو یہی ہوس ہے کہ وہ مجھسے آ ملے
دیتے نہیں تسلی کو ہوا اور کچھ تو تم	بوسہ ہر ایک شعر کا اُسکے صلہ سے ملے
اب بھی اس نیمجان میں کچھ ہے	فائدہ امتحان میں کچھ ہے
کیوں ستاتا ہے دیکھ تو پیارے	اس دلِ ناتوان میں کچھ ہے

تسلی

تسلی - منشی میر شجاعت علی دہلوی شاگرد عزیز شاہ نصیر مرحوم مناجاتیں خوب کہتے تھے جن میں سے بعض ابتک مجالس صوفیہ میں پڑھی جاتی اور سامعین کے دلوں کو گرماتی ہیں - ایک پرانی بیاض میں چند غزلیں نظر سے گذریں اُنکا انتخاب پیش کیا جاتا ہے - مضامین عاشقانہ اور معاملہ بندی کیطرف زیادہ توجہ مبذول رہتی تھی - طرز شعر خوانی ایسا مرغوب و پسندیدہ تھا کہ اُسکے انداز سے ظاہر ہوتا تھا کہ خود اپنا افسانہ بیان ہو رہا ہے - شاہ نصیر کے تلامذہ میں اپنے وقت کے جرأت سمجھے جاتے تھے آخر میں تعلقات دنیوی سے کنارہ کشی اختیار کرکے درگاہ قدم شریف میں سکونت اختیار کرلی تھی - اور وہیں غدر سے چند سال پیشتر انتقال کیا - کلام ملاحظہ ہو -

مجھ سے بدنام عبث لوگ اُسے کرتے ہیں		ہم نشیں وہ تو مرے پاس نہ آیا نہ گیا
سینے ہاتھ اُنکے جو ابرو کو لگایا تو کہا		ہے سزا تیری کہ کاٹوں ترے شمشیر سے ہاتھ
اس طرح میلے پہ کھیلے تو یہ آفت ہو تم		گر تکلف کر دیکھ پھر تو غضب لاؤ اجی
کیسی ٹھوکر جڑی ہے حضرتِ دل		پاؤں پر اُسکے سر دھرو تو سہی
مار ڈالا ہمیں کہتے ہی سنتے		کہ سحر ہوگئی اُٹھو تو سہی
جب کہا میں نے تیپہ مرتا ہوں	قطعہ	تم گلے سے مرے لگو تو سہی
بولے وہ کیا مرے میں آئے ہیں		خیر ہے کچھ پرے سے ہٹو تو سہی
غیر کے کل وہ لگ کے چھاتی سے	قطعہ	مجھ سے کہنے لگے سنو تو سہی

اسلیے اُسکے ہم گلے سے لگے	کہ ذرا جی میں تم جلو تو سہی
میاں جو کچھ تری سج دھج میں مرزائی نکلتی ہے	کہاں مرزا مزاجوں میں وہ رعنائی نکلتی ہے
صبا مذکور جب کچھ چھیڑتی ہے تیری زلفوں کا	چمن سے بوئے سنبل ہو کے سودائی نکلتی ہے
خدا سے ڈر برابر کر نہ اوروں کے تسلّی کو	کہ تیرے عاشقوں میں اپنی یکتائی نکلتی ہے

تسلّی

تسلّی - ابوالخیر قطب الدین علی تسلّی تلمیذ جناب علوی - حیدرآباد دکن محلہ شیدی عنبر میں اقامت گزیں ہیں . ۲۴ - ۲۳ - ۲۲ برس کے نوجوان روزگار پیشہ ہیں - طبیعت ذہین اور مذاق ستھرا ہے یہ اُنکا کلام ہے -

اچھی لڑائیاں ہیں یہ اچھا ملاپ ہے	ٹھہرا ہے عین صلح لڑانا نگاہ کا
بخت سیہ پہ اپنے میں کیسے نہ جان دوں	پورا جواب ہے تری زلفِ سیاہ کا
عاشق کو کس سہارے سے اُمیدِ زیست ہو	ملنا بھی اُس نے چھوڑ دیا گاہ گاہ کا
کس طرح دل چرانے کا تیرے گماں نہ ہو	چوری کا ہے ثبوت چرانا نگاہ کا
خدا سمجھے خدا سمجھے بتوں سے	میرا دل اور میرا ہی عدو ہو
بیوفائی تیری کیا خاک ہمیں یاد رہے	یاد آتا ہے جو تو خود کو مٹا دیتے ہیں
مسیحا ہو مری جاں یہ مسیحائی کی باتیں ہیں	نہ پوچھا بھول کر بھی حالت بیمار کیسی ہے
الٰہی دونوں آنکھوں سے نظر تو ایک آتا ہے	لڑائی پھر میانِ کافر و دیندار کیسی ہے
وہ غمزا ہی کے پردے میں مٹا کے جاتے ہیں مجکو	یہ ہر دم پرسشِ حالِ دلِ بیمار کیسی ہے

تسلیم

تسلیم - منشی محمد کبیر خاں خلف امیر الدین نبیرۂ بدو خاں سرغنہ افاغنہ رامپور جوان وجیہ بردبار - متحمل مزاج اور خوش خلق تھے - نظم و نثر انشا پردازی میں طاق - شعر فہمی اور سخن سنجی میں اپنے ہمعصروں میں ممتاز تھے - علوم و فنون سے بقدر ضرورت ماہر تھے فکر رسا و فہم ذکا کی امداد سے کبھی کبھی شعر گوئی کی طرف بھی متوجہ ہو جاتے تھے - سو برس سے اوپر ہوئے جب قدرت اللہ شوق نے اپنا تذکرہ مرتب کیا تو آپ کا عالم

شباب تھا۔ کلام اُس تذکرہ سے منتخب کر کے درج کیا جاتا ہے۔ انتخاب سے ارباب فہم پر ظاہر ہو جائے گا کہ شعر بھی برا نہیں کہتے تھے۔ ملاحظہ ہو۔

اگر مدعا ہے مرا خوں بہانا ۔ تو پھر کس لئے ڈھونڈتے ہو بہانا
ہوا سب کا تسلیم دشمن نہ تو بھی ۔ کبھو دوست جانے نجانا نجانا
ولے اے بختِ سیہ پھر یہ ستم کیا ہو گیا ۔ وہ جو سوتا تھا بغل میں رات میری سو گیا
معروف ہے از بس کہ تری وصفِ دہانکا ۔ ہے فکرِ عدم کام دلِ ہیچمدان کا
وہاں آسنے ادا کی یہاں ہم ہو گئے تمام ۔ سچ ہے کہ مرد مرتے ہیں تسلیم آن پر
رکھے ہے بسکہ وہ دلدار مجھ سے دل میں غبار ۔ بجا ہے نامہ گر اسکو لکھوں بخطِ غبار
مہرِ سکوت لب پر مثلِ نگیں ہے میرے ۔ اب قدرداں سخن کے تسلیم کم رہے ہیں
ہمیں کیا واعظ اندیشے سے محشر کے ڈراتا ہے ۔ گلی میں اسکی ہو رہتے ہیں ایسے شور و شر لاکھوں

قطعہ

غیروں کے تو گھر جا جا تم باتیں بناتے ہو ۔ پھر یہاں تک جو آتے ہو کچھ اور بن آتے ہو
منظور اُٹھانا ہے میرا ہی مگر صاحب ۔ غیروں کو جو تم ہر دم پاس اپنے بلاتے ہو
انصاف بھلا کیجے کس طرح سہتے تھے ۔ اس طور سے ہر اک پر غصہ میں جو آتے ہو
گر بات کہی سیدھی تو ہوتے ہو ٹیڑھے تم ۔ اور کاش کے ٹیڑھا ہو تو سیدھی سناتے ہو

بھلا یہ کس نبی کا معجزہ تھا منصفو دیکھو ۔ کہ دروازہ پہ جسکے ہوں کھڑے پیغامبر لاکھوں
ہم نشیں مت تنگ کر مجھکو عبث ۔ بات ہے کچھ اس دہاں کی گفتگو
ابتو اپنی جان سے تسلیم ہم ۔ دل اُٹھا بیٹھے ہیں ہونا ہو سو ہو
تاب و توان و صبرِ دل ہزار چل بسے ۔ تھے اس جہاں میں اپنے جو غمخوار چل بسے
لختِ جگر جو پلکوں پہ رہتے تھے ہر گھڑی ۔ ان پلٹنوں کے ہائے وہ سالار چل بسے
وہ جو قصوں میں سنا کرتے تھے ہم طوفانِ نوح ۔ سو وہ اک پل میں دکھایا دیدۂ غمناک نے
پھر تو اس آشنا کُش کی دلا باتوں پہ جاتا ہے ۔ مجھے اس سادگی پر تیری ناداں رحم آتا ہے

اسی منہ سے مسیحا اسکا روکش ہوگا منہ دیکھو
وہ اک ٹھوکر سے سو مردونکو دم میں جلاتا ہے

آفت جاں کچھ نہ اک ابرو کی وہ شمشیر ہے
کج نگاہی بھی تو جیسے بازگشتی تیر ہے

ہاتھ سے ان سیم بدنوں کے دلا سیماب وار
کشتہ ہوجانا ہی حق میں تیرے اب اکسیر ہے

کھڑا ہو بات تو سن لی عری ٹک او میاں بانکے
پڑا لیجے کہاں تک پاؤں کہ اس تیر دربان کے

کیا ہے دیکھنے کو دل نے اس محبوب کے روزن
نہ لیجو زخم کو سینہ کے اے جراح تو ٹانکے

حال اپنا کیا کہوں ہمدم کہ اسکے ہجر میں
خون دل پیتے رہے اور درد و غم کھاتے رہے

ملگیا تھا رات تو خلوت میں وہ تنہا پر آہ
کچھ تو شرمایا وہ اور کچھ ہم بھی شرماتے رہے

کچھ تو اس شوخ نے دلمیں لیا ہی جان مجھے
اسقدر جان سے ہوتا ہے جو انجان مجھے

اگر وہ وحشی رم خوردہ میرا رام ہوجاوے
تو پھر کیا اس دل بیتاب کو آرام ہوجاوے

جو وقت نزع ہی وہ تسلیم وہ خود کام آجاوے
تو اس ناکام کا پھر اک نگہ میں کام ہوجاوے

تسلیم ۔ حاتم خاں قوم سے افغان اور رامپور رہیل کھنڈ کے رؤسا میں سے تھے علی بخش خاں کی شاگردی کا دم بھرتے تھے اور خوش کلام سخن ور تھے قبل از غدر حیات تھے ۔ یہ چند شعر ان کے ہیں ۔

شباب گیسوئے مشکیں کے عشق میں گذرا
پھر اکیا میں خطا میں تمام شب بہکا

کچھ اسکے حق میں بھلے ہونگے وہ لب میگوں
یہ بات کیا ہے کہ تسلیم بے سبب بہکا

پہلے اسے غنچہ و گل منہ تو ذرا بنوا لے
کیجیو پھر دہن یار سے نسبت پیدا

کھیرا کا ہے کو اس طرح سے تنکے چھنتا
تیرے دیوانے کی کرتا جو نہ رنگت پیدا

تسلیم

تسلیم ۔ مولانا ابوالبیان محمد سلیم الدین احمد نارنولی مصنف حدیقۃ المذہب جو مطبع یوسفی الور میں سنہ ۱۳۰۵ ہجری میں چھپی ہے، بہت طباع اور ذہین شخص تھے ۔ استعداد علمی عالمانہ تھی ۔ مسدس حالی کے جواب میں ایک مسدس بھی لکھا ہے ۔ ریاست ہائے الور اور بھرتپور میں تمام عمر عہدہ ہائے جلیلہ پر ممتاز رہے ۔ دریغا حسرت ۔ سے ہے فاضل عصر
۱۸۸۴ع

تسلیم

یہ دونوں تاریخیں آپکی وفات کی ہیں۔ ۶۰ برس کی عمر میں بمقام نانپارہ انتقال کیا۔

مرا ایمان لے کافر تری نازک ادائی پر — کہ تقوی کھو دیا تسلیم سے مرد مسلماں کا
دیکھا ہو جسنے وصل وہی جانے ہجر کو — اپنی تو ساری عمر کٹی انتظار میں
انھیں سرگراں مجکو شاکی رکھا — برا ہو تمنائے دشوار کا

از مسدس

اجابت کو پہنچیں یہ دونوں دعائیں — ہوئیں گرچہ اور ہو رہی ہیں خطائیں
بلائیں پہ امت پہ آئیں نہ آئیں — نہ بدلیں نہ بدلیں گی شرعی بنائیں

قیامت کے ڈھب میں غضب کے فسوں ہیں
مگر اہل امت وہی جوں کے توں ہیں

گر ایسا نہ ہوتا ازل میں مقدر — کہ ڈوبے گی امت گناہوں میں اکثر
تو ہرگز دعایوں نکرتے پیمبر — ہر اک بات کا اک محل ہے مقرر

اسی کے لئے عافیت کی دعا ہے
جسے کوئی بیمار ہے جانگزا ہے

سو یہ حالت اب اہل اسلام کی ہے — مسلمانی ان میں فقط نام کی ہے
نہ رغبت شریعت کے احکام کی ہے — نہ کچھ فکر آغاز و انجام کی ہے

نہ شرم نبی ہے نہ خوف خدا ہے
غم نفس ہے اتباع ہوا ہے

تسلیم

تسلیم۔ سخنور زکی فہیم منشی انوار حسین تسلیم سہسوانی خلف منشی احتشام الدین مدت مدید تک منشی نول کشور کے مطبع سے متوسل رہے۔ شیخ علی بخش بیمار کے شاگرد رشید تھے۔ آپ فن سخن میں مشاہیر سے تھے۔ تاریخ گوئی میں ایسا ملکہ رکھتے تھے کہ ان کی مثال کم نظر آتی ہے۔ چنانچہ انواع و اقسام کی صنائع و بدائع سے آپکی تاریخیں مملو ہوتی تھیں۔ ان کے شاگردوں میں راجہ کشن کمار وقار رئیس سہسوار بلاری بڑے خوش کلام ہیں۔

حضرت تسلیم کی عزیز زندگی کا بڑا حصہ اُنھیں کی سرکار میں گذرا۔ اُنکی تصنیف سے ذیل تاریخ مثنوی سعدین المخلص تسلیم۔ چھپکر شایع ہو چکی ہیں اور راقم کے کتب خانہ میں موجود ہیں مگر ابھی دیوان شایع نہیں ہوا ہے۔ شعر اچھا کہتے تھے۔ عاشقانہ اور تشبیہ دونو طرزیں ملی جلی ہیں سادگی اور صفائی بھی موجود ہے۔ اِن کے پختہ مشق اور مشاق سخنور ہونے میں کسکو کلام ہو سکتا ہے۔ فارسی بھی کہتے تھے۔ تاج المدائح فن صنائع و بدایع میں فارسی زبان میں مدح نواب کلب علیخاں بہادر والئے رامپور میں اور مثنوی تاج الکلام مدح نواب شاہجہاں بیگم والیہ بھوپال میں لکھی ہیں۔ ۶۰٫ سال ہوئے عالم ضعیفی میں انتقال کیا۔ ۱۲۔ رجب ۱۲۳۴ہجری کو پیدا ہوئے اور ۱۲ شوال ۱۳۰۹ھ ہجری روز دوشنبہ کو وفات پائی خورشید علی انکا تاریخی نام ہے۔ افسوس باوجود انتہا درجہ کی کوشش کے صرف اسی قدر کلام ملا ملاحظہ ہو۔

ہے مومیا شکستہ دلوں کو شکستِ زلف
ایک ایک حلقہ بنتا ہے حلقہ کمند کا
تسلیم کئے یار سے اندھیر ہے یہ کیا
نکتہ داں ہوں کیوں کہوں اُسکا دہاں ملتا نہیں
آفتاب اوج شہرت میں نہیں سکتا ہی حسن
گھل گیا اپنا بدن غم میں برابر اسے شعلہ رو
پھیر دی جھاڑو یہ کیسی ہائے میرے باغ میں
میرا فریادی سوال اور اُنکا شاکی ہے جواب
رنگ بے جمنے کا نہیں تسلیم اس گلزار میں
مانند ابر اشک سے دامن بھگوئیں کیوں
یہ عشق نے کر کے کیا ناتواں مجھے

مشکل کشائے جوش جنوں بند و بست زلف
ہے فتح کا نشان سراسر شکستِ زلف
عشقت سپر و کیسرہ مارا بدستِ زلف
نقطۂ نونِ دہن سے کیا نشاں ملتا نہیں
جب تک اِسکو کوئی رسوائے جہاں ملتا نہیں
مثل شمع سوختہ اک استخواں ملتا نہیں
آنکھ پر رکھنے کو تنکا اسے خزاں ملتا نہیں
بے دہن دلبر سا مجھ سا بے زباں ملتا نہیں
ہمصفیروں سے میرا طرز بیاں ملتا نہیں
اک بوند آبرو ہے اُسے ہم ڈبوئیں کیوں
ہے رشتۂ حیات بھی بار گراں مجھے

بوسے کا نام سنکے چباتا ہے اپنے ہونٹ
میرا یہ مونھ کہ وصل کی دے وہ زباں مجھے

دیکھا جو اُس نے تختۂ نرگس میں آئینہ
لا کھ آنکھوں نہیں دکھائی دیں دو تپلیاں مجھے

یہ پھبکے غمزے نہ کرو اُٹھو چلو بیٹھو
اپنی سلامتی ہے تو سو دولتاں مجھے

داغِ فراقِ یار کے سر پر مرے قدم
مدت کے بعد ایک ملا میہماں مجھے

میرے وضو کو لاؤ شرابِ دو آتشہ
کرنی ہے آج بیعتِ پیرِ مغاں مجھے

سچ ہے شل بھلا ئیگا بدلہ بُرائی سے
میں دوں دعائیں دیتے ہو تم گالیاں مجھے

کرتے ہیں یاد وہ کہ اجل نے کیا ہے یاد
آتی ہے آج ہچکیوں پر ہچکیاں مجھے

ہر معرکہ میں کھلتے ہیں جوہر کمال کے
مانندِ تیغ تیز ملی ہے زباں مجھے

حال یہ اُن کی انجمن میں ہے
ہر سخن معرضِ سخن میں ہے

درد بھی تازہ اور یہ وہ مری فریاد کی ہے
باغباں لوٹ ہے حالت بری صیاد کی ہے

شانِ محبوبی کی دشمن ہے رکھائی آپکی
دیکھو دیکھو چھوٹی ہوتی ہے بڑائی آپکی

باج لے تارِ نظر سے اور رگِ جاں سے خراج
آپ کی پتلی کمر نازک کلائی آپ کی

ننگے ہو جاتے ہو بزمِ غیر میں پی کر شراب
خوب کھل کھیلی ہے ابتو پارسائی آپ کی

یاد رکھو میں بھی اپنے نام کا تسلیم ہوں
گڑگڑا کر ہو گی منت کش رکھائی آپکی

تسلیم ۔ لالہ دیبی پرشاد تسلیم فرخ آبادی ابن لالہ مادھو رام جوہر شاگرد سید اسمعیل حسین منیر شکوہ آبادی ۔ قوم کے ویش اور بڑے نامی گرامی ساہوکار تھے ۔ غدر کے بعد تک حیات تھے ۔ یہ کلام کا خلاصہ ہے ۔

بیمارِ محبت کو شفا ہو نہیں سکتی
اچھا یہ مرض ہے کہ دوا ہو نہیں سکتی

فریاد سے کیا فائدہ ہنگام مصیبت
کچھ آہ ضعیفی میں عصا ہو نہیں سکتی

تیرِ نگہ یار سے کیوں دل کو بچائے
تسلیم سے ہرگز یہ خطا ہو نہیں سکتی

تسلیم ۔ سخنور بہ پایۂ قدسی و کلیم ۔ منشی امیر اللہ صاحب تسلیم ۔ خلف مولوی عبد الصمد مرحوم

اصل وطن فیض آباد ہے۔ پہلے مدتوں لکھنؤ رہے اب عرصہ دراز سے متوسل سرکار رام پور ہیں مرزا اصغر علی خاں مرحوم نسیم دہلوی کے شاگرد رشید بلکہ فدائی ہیں۔ مدت ہوئی کہ آپ کا پہلا دیوان موسوم بہ نظم ارجمند چھپا تھا اس کے بعد دو دیوان اور مرتب کئے ہیں۔ مثنوی نالۂ تسلیم و دل و جان و صبح خنداں ان کی تصانیف سے مشتہر ہو چکی ہیں اس وقت نوے برس کے قریب عمر ہے۔ متاخرین شعرا میں آپ ہی جیسے دو ایک دم باقی رہ گئے ہیں سن ولادت کے بارہ میں آپ ارقام فرماتے ہیں کہ جس سال غازی الدین حیدر مسند نشین ہوئے ہیں پیدا ہوا اس حساب سے ۱۸۱۹ء سال ولادت سمجھنا چاہئے۔ نواب کلب علیخاں بہادر کی زندگی تک بہ آسایش بسر کی اس وقت تمام مشاہیر شعرائے ہند کا مجمع رام پور میں تھا اور باہم ایک دوسرے کو خوش نوایان سخن کے ساتھ زمزمہ سنجی کا لطف آتا تھا۔ آپ کے مسلّم الثبوت اُستاد اور موجودہ شعرا میں نہایت بلند پایہ اور عالی رتبہ ہونے میں کس کو کلام ہو سکتا ہے۔

راقم تذکرہ پر کمال عنایت فرماتے ہیں۔ اپنا دوسرا دیوان بھی عنایت کیا تھا۔ آپ کے شاگرد رامپور اور لکھنؤ میں بکثرت موجود ہیں جنمیں فی زماننا فضل الحسن حسرت موہانی و عرش مشہور ہیں۔ کلام کے متعلق خود دیوان کے دیباچہ میں تحریر فرماتے ہیں "ہنوز نظر ثانی کی نوبت نہ آئی تھی اطمینانِ خاطر نے صورت نہ دکھائی تھی۔ دیوان مجزا تھا مجلد نہوا تھا کہ احباب دیکھنے کے واسطے لے جانے لگے۔ مزہ نظم کا اُٹھانے لگے جب مجھکو واپس دیئے گئے تو میں نے صندوق میں رکھدیا۔ پھر مدت تک نہ دیکھا جب صاحبانِ طبع نے واسطے طبع کے طلب فرمایا تب خیال آیا کہ ایک نظر دیکھ کر اطمینانِ دل حاصل کروں نقصانات کو نکالکر کامل کروں۔ دیکھا تو جا بجا سے ابتر پایا اکثر کمتر پایا نہ معلوم یاروں کی بے پروائی سے تلف ہوا یا اپنا دیوان ناقص کامل کرنے کی غرض سے کلام چُرا لیا۔

ناچار پھر باقی ماندہ کو ردیف وار لکھا از سرِ نو رطب و یابس پھر ایک جگہ جمع کیا" اس

دوسرے دیوان کا نام آپنے نظمِ دل افروز رکھا ہے۔ کلام میں فصاحت بلاغت۔ متانت شوخی۔ کمال کے درجے تک پہنچی ہوئی ہے۔ قوتِ متخیلہ و قوتِ ممیزہ دونوا علیٰ درجہ کی زبردست عطا ہوئی ہیں۔ ہر وقت طلب مضمون کو اس سادگی اور صفائی سے قلم بند فرماتے ہیں کہ اس کی تعریف نہیں ہوسکتی۔

نہایت منکسر المزاج اور باوضع بزرگ ہیں۔ خوش نویسی میں بھی یدِ طولیٰ حاصل ہے ابتدائے زمانہ میں یہی شغل رہتا تھا۔ اب بھی کبھی کبھی اسکے مشق جاری رہتی ہے۔ واقعی اس وقت آپکا دم مغتنمات روزگار ہے۔ اللہ تعالیٰ آپکے انفاس میں برکت دے۔ آپکا اصل وطن گو قصبۂ منگل الشعرا عرف بدوسرائے مضافات دریاآباد میں ہے اور عمرِ شریف کا بہت سا حصہ بھی لکھنؤ ہی میں بسر ہوا ہے مگر آپ کو اپنے اُستادِ والانژاد حضرت نسیم دہلوی سے اسقدر عقیدت و ارادت ہے کہ ہمیشہ سے آپکی وضع بھی قدیم دہلی کے درباری لوگوں کی سی رہی اور دِلّی کی تعریف بھی آپ ہمیشہ فرماتے رہتے ہیں چنانچہ آپکا قول ہے کہ "میں ہوں تسلیم شاگردِ نسیم دہلوی * مجکو طرزِ شاعرانِ لکھنؤ سے کیا غرض" چنانچہ آپکے کلام کا رنگ بھی وہی ہے اور اکثر اوقات آپنے بالخصوص اہلِ دہلی کے رنگ میں غزلیں کہی ہیں اُستاد کو بھی آپکی شاگردی پر فخر تھا اور واجبی فخر تھا۔ آپکے کلیات میں حضرت نسیم کی ایک تاریخ ہے جس سے اُستاد کا وہ اعلیٰ خیال صاف مترشح ہوتا ہے جو اپنے شاگرد کے متعلق اُنکے دلمیں تھا تاریخ از نسیم دہلوی

چوں نظم نمود این فسانہ	تازہ گلبن زباغِ تعلیم	گفتم نسیم سالِ تصنیف	قربانِ جمالِ فکرِ تسلیم

کعبہ سے بتکدہ کو گیا بھی تو کیا ہوا　　میں دیکھتا وہاں بھی تری شان ہی رہا

شانِ خدا جو دیکھ لی حسنِ بتاں میں شیخ　　اتنی سی بات میں میں گنہ گار کیا ہوا

دم دیا ہے حرم و دیر میں کس کافر نے　　کلمہ پڑھتے ہیں یہ سب گبر و مسلماں کس کا

جلوہ گر ہے کون کسکا کرتی ہے حسرت طواف　　کعبۂ دل پر مرے عالم ہے بیت اللہ کا

شبنم گری تو سمجھے دیا آسماں نے غسل　　خاک اُڑکے آپڑی تو ہمارا کفن ہوا

پھول سے رُخ کا نظارا ہمیں کرنے نہ دیا　　دامنِ دل گلِ اُمید سے بھرنے نہ دیا

ہٹ اُسکی رہ گئی یہ بڑی بات ہے مجھے
دل چھین کیا تھا ہاتھ سے اپنے گیا گیا

اب ہاتھ کیوں اُٹھاتے ہو تم سوئے آسماں
بالیں پہ موت آگئی وقتِ دعا گیا

مایوس دادخواہِ ستم کیوں ہیں حشر میں
اللہ بھی بتوں کا طرفدار ہو گیا

کل کہہ گئے ہیں آج وہ آئینگے لیکن کیا کہوں
دو ہی دن میں دلکو میں دل مجکو دوبھر ہوگیا

کیونکر کہوں وہ فتنۂ محشر نہیں ملتا
ملتا ہے مگر دل سے ستمگر نہیں ملتا

گیسو کی محبت میں سنبھلا ہی نہیں جاتا
اس پیچ سے کیا نکلوں نکلا ہی نہیں جاتا

دریائے محبت میں ڈوبا ہوں کچھ ایسا میں
ہر چند ابھرتا ہوں ابھرا ہی نہیں جاتا

دل ہوا زخمی جگر محروم پیکاں رہ گیا
ایک کا ارمان نکلا اک پُر ارماں رہ گیا

پارسائی کیسی اے زاہد بتوں کے عشق میں
میں اسی کا شکر کرتا ہوں کہ ایماں رہ گیا

محتسب لذتِ مے سے نہیں واقف ورنہ
سر بازار لئے شیشہ و ساغر پھرتا

گلفشانی گر یہی ہے شمع تربت کی جری
دیکھ لینا قبر پر پھولوں کا بستر ہو گیا

ہائے کیونکر نہ کروں میں گلہ محرومی کا
لاکھ ارمان تھے اور ایک بھی پورا نہوا

عمر بھر رشکِ عدو ساتھ تھا کہتا کیا حال
وہ ملا بھی کبھی تنہا تو میں تنہا نہ ہوا

پردۂ محمل تو اُٹھے دیدِ لیلیٰ کے لئے
ذرہ ذرہ چشمِ قیسِ ناتواں ہو جائیگا

شکر کر سر حلقۂ رندانِ بادہ نوش ہے
اور کیا اے شیخ تو پیرِ مغاں ہو جائیگا

روز جلنے سے یار بد ظن تھا
شوقِ دل دوستی کا دشمن تھا

شکر کرکے رہ گئے زخمِ جگر
کہہ گئی قاتل زبانِ تیر کیا

قطرۂ خوں بھی نہیں دل میں مرے
ہائے تر ہو گی زبانِ تیر کیا

کچھ کہہ دو جھوٹ سچ کہ توقع بندھی رہے
توڑو نہ آسرا دلِ امیدوار کا

قربان ہوگا اور کی بانکی ادا پہ کیا
دل ہی نہیں رہا وہ ترے جاں نثار کا

تسلیم کس کے واسطے بیٹھے ہو گھر چلو
کیا اعتبار وعدۂ بے اعتبار کا

ایسے خوش خوش چلے آتے ہیں حرم سے تسلیم
جیسے بت خانہ گئے تو خدا کا دیکھا

خاک ہونے سے خاک ہاتھ آیا
جب میں تیرا ہی نقش پا نہ ہوا

ہمنے کعبہ میں بھی نہ سجدہ کیا
جس جگہ تیرا نقش پا نہ ہوا

ق
برسوں لبیک خواں رہا تسلیم
حج کعبہ کبھی قضا نہ ہوا

پر خدا جانے بت پرستی میں
کیا مزا تھا کہ پارسا نہ ہوا

عیش و غم واہی غربت میں خدایا کیسا
دھوپ کیسی سر پر شور پہ سایہ کیسا

مرنے سے کیا ہمارے تمکو ملال ہوگا
وہ ہم نہیں پیارے جس کا ملال ہوگا

میں کیا کہوں یہ تمکو پیاسے ہیں کیوں لہو کے
مذہب میں کافروں کے یہ بھی حلال ہوگا

دل مرا تھا گر گیا گم ہو گیا جاتا رہا
غم تمھیں کاہے کا ہے جاتا رہا جاتا رہا

ڈھونڈھتا ہے روز و شب لیکر چراغ مہر و ماہ
کیا ترا اے آسمانِ پر جفا جاتا رہا

وعدہ جو کیا شام کو وقت سحر آئے
اس ماہ میں خورشید کا عالم نظر آیا

کیا خاک رکھا تھا دل پر شور سے باقی
جو اور جلانے یہ مجھے داغ جگر آیا

اللہ رے ہمدردی یاران خرابات
خالی جو ہوا شیشۂ دل جام بھر آیا

جیتا ہوں نہیں جینے کی جبتک ہے مجھے امید
مر جاؤں گا بالیں پہ مسیحا اگر آیا

آرام نہیں گردش بیجا سے کسیکو
عالم مجھے فانوس خیالی نظر آیا

اے واعظ مسجد رہ میخانہ بتا دے
مستی میں نہیں ہوش کدھر تھا کدھر آیا

دے دلمیں جگہ صورت آئینہ ہمیشہ
حیرت کدۂ دہر میں جو کچھ نظر آیا

تسلیم بیاباں سے سوئے خانہ پھروں کیا
آیا دل عاشق کیطرح میں جدھر آیا

خوب ہوتی ہے بسر میخانہ میں لیل و نہار
رات بھر کرتے ہیں توبہ پیتے ہیں دن بھر شراب

ہر قبر میں سفیدی جو کفن کی نظر آئی
سمجھا میں نہیں مرگ مرے ساتھ گڑی دھوپ

ہر اک ذرہ ہے چشم قیس لیلی
اٹھانا پردہ محمل سمجھ کر

سزاوار ادب ہے کوئے قاتل
اوڑانا خاک او بسمل سمجھ کر

وقتِ پیری سے لے اُڑی آخر ہوائے سرکشی
شیخ بتخانہ میں جا بیٹھا مصلے چھوڑ کر

غنچہ بھی خاموش گل خنداں عنادل نعرہ زن
اُڑ گئی بادِ صبا اچھا شگوفہ چھوڑ کر

بوند بھر پانی کی بھی اُمید اپنے سے نہیں
دیکھ دریا چلدیا ساحل کو پیاسا چھوڑ کر

یہ قسمت اپنی اپنی تن پڑا ہے بےکفن ابتک
جگہ دی آسماں نے خون کو قاتل کے دامن پر

میں عاشق ہوں بتو تمکا کیا ملوں اب شیخ کعبہ سے
کہ بیعت کر چکا ہوں دیر میں دستِ برہمن پر

کون آیا تھا نہانے کو کہ جسکے ہجر میں
موج دریا سر پٹکتی ہے لبِ ساحل کے پاس

جلاتی ہے خموشی صورتِ شمع
کبھی دل کی نہیں آتی زباں تک

کیا خبر مجکو خزاں کیا چیز ہے کیسی بہار
آنکھیں کھولیں ہینے اگر خانۂ صیاد میں

اور ہیں جنکو ہے شاگردی پر اے تسلیم ناز
میں تو نسیمِ دہلوی کے کفش برداروں میں ہوں

تھک گئے ہم حسرتِ شوقِ شہادت کم نہیں
مجھسے دم لیلو اگر تیغِ ستم میں دم نہیں

وائے غفلت اب بھی اُمیدِ شفا یاروں کو ہے
دم دعائیں کر رہے ہیں اور مجھ میں دم نہیں

بیخودی کا ہو بُرا ایسے کیسے پشیماں آج ہیں
آپ آئے آپ میں بدقسمتی سے ہم نہیں

سرسبز باغِ دہر میں اہلِ قلم نہیں
دیکھی ہری بھری کبھی شاخِ قلم نہیں

کیونکر کہوں کہ لطف بھی انکا ستم نہیں
کب آئے دیکھنے کو کہ جب مجھ میں دم نہیں

اُسکی سحر نہ اسکی زمانے میں شام ہے
فرقت کی شب بھی روزِ قیامت سے کم نہیں

کھنچتے ہیں آنکھ ملتے ہی دلہائے خلق کیوں
جادو اگر نہیں ہے تمھاری نگاہ میں

واعظ خدا شناس نہ ہوگا تمام عمر
ابتک پڑا ہوا ہے حرام و حلال میں

وہ برق میں شوخی وہ لگاوٹ تھی ہوا میں
دی رخصتِ مے خود مجھے توبہ نے گھٹا میں

پسنا ستمِ چرخ سے منہ اُف سے نہ کرنا
یہ بات مرے دل میں ہے یا رگِ حنا میں

پھیروں ہی سے ہر دم نہ لڑایا کرو آنکھیں
حصہ ہے مرا بھی نگہ ہوش ربا میں

اللہ سے کہتا کہ حسینوں کو وفا دے
شکر کر شکر کہ میخانہ میں اے پیرِ مغاں
کون آنکھوں میں سمایا ہے کہ ہم کو ہر دم
صفتِ مردمکِ چشم ہیں گوشہ نشیں
افسوس پڑ گئے ہیں کفِ پا میں آبلے
بھلائی کی آنکھوں سے جب دیکھے
قیامت کی ہے بیتابی سرشکِ چشمِ گریاں میں
دمِ طفلی سے میں ہوں آشنائے مرگ دوراں میں
بنی ہے یہ مرے دم پر کہیں پچھلے پہر آخر
نظر کر لے ستمگر ربط باہم اسکو کہتے ہیں
بھڑک اٹھی لگی دل کی ہجومِ اشک گریہ سے
شہیدانِ محبت کا نرالا سب سے کعبہ ہے
ہوا میں زندۂ جاوید ہو کر قتل اے قاتل
جھکا دو شرم سے عالم دکھا کر قدِ موزوں کا
چلو گھر خاک بھی ڈالو خدا کا خون ہوتا ہے
حسینوں سے بگڑنا اور دلکو داغ دیتا ہے
شہیدِ تیرِ قاتل ہوں مجھے کیوں غسل دیتے ہیں
بہت دیکھا سنا ہے ایک ہو تم دونوں عالم میں
نکل جاؤنگا مثلِ نالۂ زنجیرِ زنداں سے
تہِ مدفن کھلی آنکھیں تو اس دنیا کو یہ سمجھے
ڈراتا کیوں ہے اے تسلیم واعظ مجکو دوزخ سے

تسلیم جو پاتا میں اثر اپنی دعا میں
ایک عالم کو ترا دستِ نگر دیکھتے ہیں
وہی صورت نظر آتی ہے جدھر دیکھتے ہیں
گھر میں بیٹھے ہوئے عالم کو مگر دیکھتے ہیں
آیا ہے بے وفا کبھی مجھ تک جو خواب میں
سوا اپنے کوئی بُرا ہی نہیں
کبھی پہلوئے فرقت میں کبھی آغوشِ داماں میں
فلک نے مجکو پالا دامنِ شمشیرِ عریاں میں
اجل کو ڈھونڈنے نکلا شبِ تاریک ہجراں میں
کہ پیکاں دل میں ہے دل نازبرداری پیکاں میں
تماشا ہے مرا گھر جل رہا ہے عین باراں میں
جھکا لے سر ہیں محرابِ خمِ شمشیرِ عریاں میں
بجھی تھی کیا تری شمشیر موجِ آبِ حیواں میں
اٹھایا ہے بہت سروِ سہی نے سر گلستاں میں
کفِ افسوس ملتے ہو کھڑے گنجِ شہیداں میں
بہت روئی زلیخا بھیجکر یوسف کو زنداں میں
کہ میری جان نکلی ہے نہا کر آبِ پیکاں میں
نہ پریاں قاف میں ایسی نہ حوریں باغِ رضواں میں
وہ جسے بدلے مرا ہوگا تصورِ چشمِ دریا میں
نظر آتی تھیں کچھ شکلیں ہمیں خوابِ پریشاں میں
مرا حصہ نہیں ہے کیا خدا کے فضل و احساں میں

لے چلے ہیں دشت سے کیوں اقربا سوئے وطن
اب تو مجکو وادیِ غربت بھی گھر سے کم نہیں

خاک عزت نہیں نوکر ہیں کریں کیا تسلیم
آٹھویں ساتویں دربار چلے جاتے ہیں

ہجوم مستی ہی بیخودی ہے خمار جوشِ شباب میں ہوں
یہ دیکھنے کو کھلی ہیں آنکھیں وگرنہ بیہوش خواب میں ہوں

تماشے بحرِ جہاں کے دیکھوں فنا سے اتنی کہاں ہے فرصت
ہوا کی مانند کوئی دم گو اسیر قیدِ حباب میں ہوں

اتنی مدت گذری غربت میں کہ دل تک بھولکر
ابتو یارانِ وطن کی یاد بھی آتی نہیں

بادہ کش ہیں نہ کہونگا کبھی واعظ کو غلط
مے کا شیشہ وہ دھرا ہے یہ منبر دیکھو

گردشِ بخت بہت دیکھ چکے اے تسلیم
چلکے میخانہ میں اب گردشِ ساغر دیکھو

وہ پھول کے لئے بھی ترسا پڑے ہمیں
شمعِ سرِ مزار اگر گلفشاں نہ ہو

کرتے ہیں سجدے اس لئے دیر و حرم میں ہم
کیا جانیے وہ شوخ کہاں ہو کہاں نہ ہو

بلا سے وہ نہیں آتے ہیں یاد انکی تو آتی ہے
غنیمت جانتا ہوں میں شبِ تاریک ہجراں کو

نکالی ہمنے یوں تسلیم حسرت وصلِ قاتل کی
لگایا ہے گلے سے تیغ کو سینے سے پیکاں کو

امانت جانکر اے داورِ محشر کلیجے سے
لگا رکھا ہے مینے آج تک قاتل کے پیکانکو

ملیں صبحِ وطن کی آرزوئیں خاک میں آکر
مبارکباد دوسے آ بیکسی شامِ غریباں کو

کعبے کا ارادہ کئے نکلے تو ہیں گھر سے
آجائے وہ بُت سامنے اسدم تو مزا ہو

طفلی سے جو بُت شوخ ہو آفت کا بنا ہو
وہ فتنہ جوانی میں قیامت نہو کیا ہو

اب تمھیں کام مرے حالِ زبوں سے کیا ہے
جسطرح ہوتی ہے اوقات بسر ہونے دو

میرے ہر اشک سے عالم میں اک طوفان برپا ہے
طلسم تازہ ہے آغوش میں قطرہ کے دریا ہے

نہ پوچھو ماجرا داغِ جگر کا ہمنشیں مجھ سے
چراغِ طور ہے بے روغن و آتش کے جلتا ہے

نہ پوچھو کس پہ مرتا ہوں یہ منھ پھیرے جو بیٹھے ہیں
انھیں پر جان جاتی ہے انھیں پر دم نکلتا ہے

وہ مجنوں ہوں کہ لطفِ وصل حاصل ہو جدائی میں
ہر اک تارِ نفس سے آتی بوئے زلف لیلیٰ ہے

شان اللہ کی تسلیم بھی بت خانے سے
آج کعبے کو چلے شیخ کے بہکانے سے

جی گیا ہجر میں اے مرگ ترے آنے سے
زندگانی نظر آئی مجھے مر جانے سے

نہ آئے تم مری امید مجھ سے
سحر تک طعنے دے دے کے لڑی ہے

میں شرم خاک کروں خرقۂ ریائی کی
کہ چھینٹ بھی نہیں زاہد میں پارسائی کی

ہزار بار رلائی ہے اور ہمیں سے شیخ
حرم میں بیٹھ کے لیتا ہے پارسائی کی

بخت برگشتہ ہے اچھی بھی بری ہو جائیگی
دوستی جس سے کرونگا دشمنی ہو جائے گی

دیر کیا آنے میں ہے اے شورِ محشر آ کہیں
وہ گھڑی یا رو نکی تجھ سے دل لگی ہو جائیگی

دل ہے داغستاں ہزاروں داغ ہیں اے چارہ گر
ایک دو مٹنے سے ظالم کیا کمی ہو جائیگی

کیا جمالِ یار دیکھیں گے کہ موسیٰ کی طرح
دشمنِ نظارہ اپنی بیخودی ہو جائے گی

کہیں کیا دین و ایماں کیا ہے تسلیم سیہ رو کا
وہ اک مردِ خراباتی ہے رندِ لاابالی ہے

اے جان شبِ فراق کے صدمے نہ پوچھئے
یہ حال تھا کہ موت بھی بالیں سے ٹل گئی

دل چرا کر لے چلے ہو دیکھو یہ اچھا نہیں
منہ چھپاؤ لاکھ تم صورت سے پہچانی ہوئی

اب آؤ یا نہ آؤ موت سے فقرہ نہیں چلتا
کہیں اے یار وقت آیا ہوا وعدے سے ٹلتا ہے

لبوں تک آکے پھر جاتی ہے جانِ منتظر میری
نہ وہ بے رحم آتا ہے نہ میرا دم نکلتا ہے

برا ہو سوزشِ دل کا کہ تنگ آیا جو سینے میں
دھواں بنکر خیالِ کاکلِ پرخم نکلتا ہے

یہ رتبہ ہے ترے ناوک کا جب آتا ہے او قاتل
پئے تعظیم درد اٹھتا ہے تن سے دم نکلتا ہے

بدل جاتی ہے دو ساغر میں کیفیت طبیعت کی
فقیر آتا ہے میخانے سے بنکر جم نکلتا ہے

یارب نہ پڑے دل بتِ بدکیش کے پالے
یہ دوست نہ ہو دشمن کافر کے حوالے

آرام ہے معشوق کے ہاتھوں سے اذیت
گر داغ بھی دے چاہیے چھاتی سے لگالے

سچا ہے اگر دعوی دل اے بت کافر
رکھدیں اسے مسجد میں قسم کھا کے اٹھالے

عزت یہ ملی برہنہ پائی سے جنوں میں
سر پر لئے پھرتے ہیں مجھے پاؤں کے چھالے

بے گور و کفن لاش غریبوں کی پڑی ہے
اے دامن صحرائے جنوں تو ہی چھپالے

اُٹھکر مری بالیں سے وہ جاتے ہیں دم نزع
یا تو نہیں گھڑی بھر کوئی اللہ لگا لے

کیا رشک ہے کہتا نہیں اس سے دم رخصت
اللہ نگہبان ہو خالق کے حوالے

تسلیم کہیں وحشت تو روی کے شرف کیا
ہیں تاج سر خار جنوں پاؤں کے چھالے

انتخاب قصیدہ در مدح نواب حامد علیخان صاحب والی رام پور

فریدوں مرتبہ حامد علیخاں صاحب شوکت
کہ جس کا نقش پا ہے تاج فرق سنجر و قیصر

مجھے حیرت ہے دوں تشبیہ کس سے شان شوکت میں
نہ دارا شہ کا ہمرتبہ نہ ہمپایہ ہے اسکندر

بلندی پر جو آئے خاک اس کے اسپ جولاں کی
بنائے آسمان پیر کحل دیدہ اختر

نہیں ہیں نام کے بدکار بھی تقدیر سے بے غم
چھپا مٹھی میں معشوقوں کی ہے وزدِ حنا جاکر

مقابل اس شجاع دہر سے کیا فوج اعدا ہو
نکلتی ہے اجل بھی سایۂ شمشیر سے بچکر

برش دکھلائے دشمن کو اگر تیغ دو پیکر کی
نظر آئے نہ سر تن پر نہ سر پر آہنی مغفر

ورم بخشش جو دیکھے درفشانی دست ہمت کی
خجالت سے مثا پھر جائے پانی ابر نیساں پر

گرائے اپنی نظروں سے جو اسکی ہمت والا
برنگ قطرۂ شبنم بنے بے آبرو گوہر

یہاں تک عہد میں اسکے ستمگر مہر پیشہ ہیں
کہ شیر گرسنہ جیتا ہے غم روباہ کا کھا کر

چمن میں یکہ پڑھا جاتا ہے خطبہ اسکی عظمت کا
خطیب خوش بیاں بلبل ہر شاخ نخل گل ممبر

تسلیم - جناب منشی رام سہائے صاحب تسلیم سابق ڈپٹی کلکٹر ضلع علی گڑھ ارشد تلامذہ مرزا حاتم علی بیگ مہر مغفور شاگرد رشید شیخ ناسخ مرحوم ان کے دو دیوان مسمی غنچۂ مراد و نغمۂ آرزو نظر سے گذرے شعر اچھا کہتے تھے - زبان میں صفائی - بیان میں رنگینی اور طبیعت میں مشاقی پائی جاتی تھی - ۶۵ برس کے قریب اب آپ کا سن ہے

تسلیم

انتخاب درج کیا جاتا ہے۔

آپس میں جھگڑتے ہیں عبث شیخ و برہمن
ڈھونڈے انسان تو وہ ہی خانۂ دل میں موجود

وہ عندلیب ہوں گلشن سے جب بہار گئی
جوشِ وحشت میں یہ کچھ خاک اُڑائی تسلیم

غم میں نہیں کھاتا ہوں تو خوشدل نہیں ہوتا
کیوں نہ وحشت ہو نہوں کیونکر ہرے داغ جگر

ہر روز تو میں یہ نہیں کہتا کہ آئیے
کس نے سرو قدوں سے کبھی بھی پھل پایا

طالبِ حق نہیں پابند کبھی مذہب کے
رہے گی حضرتِ واعظ کی آبرو کب تک

ہاتھ رکھکر مرے سینے پہ وہ فرماتے ہیں
گریۂ عاشقِ ناشاد پہ ہنس دیتے ہو

یکساں ہوا نہیں چمنِ دہر کی کبھی
کیا کریں تم سے شکوۂ بیداد

طور و موسیٰ کی حقیقت نہیں کس پر روشن
کوچہ تمہارا گنج شہیداں سے بڑھ گیا

بیداد گر سے دل طلبِ داد کیا کرے
اس آسماں نے خاک میں ہمکو ملا دیا

کب نظر آئیگا شوخ ماہِ سیماو دیکھئے
نہ تو آئی خبر نہ یار آئے

کعبہ نہ کسی کا ہے نہ بتخانہ کسی کا
کعبہ کیسا مرے نزدیک کلیسا کیسا

زمانہ آیا قفس سے مری رہائی کا
بادِ صرصر کے سرو دوش پہ صیاد دیکھا

بے رنج مزا عیش کا حاصل نہیں ہوتا
موسمِ گل آگیا سرسبز گلشن ہوگیا

فرصت نہیں ہے آئینہ بھی گاہ گاہ کیا
لگ کے دل کوئی تم سے نہال کیا ہوگا

شیخ سمجھے جسے تسلیم برہمن نکلا وہ
چھپے رہیں گے بغل میں خم و سبو کب تک

سچ بتا دے ہمیں اب درد جگر ہے کہ نہیں
اے بتو کچھ تمھیں اللہ کا ڈر ہے کہ نہیں

کچھ دن بہار کے ہیں تو کچھ دن خزاں کے ہیں
اپنا یہ شیوہ یہ شعار نہیں

جلوۂ یار سے رہتے ہیں بجا ہوش کہیں
بسمل تڑپ رہے ہیں کہیں [illegible] کہیں

حاکم نہ داد رس ہو تو فریاد کیا کرے
اب اور دیکھئے ستم ایجاد کیا کرے

کب مرے طالع کا چمکے گا ستارا دیکھئے
کس طرح دل کو پھر قرار آئے

جوشِ گریہ نہیں ممکن دلِ مضطر روکے — برق کیا بارشِ باران کو تڑپ کر روکے
کیوں عبث گریہ و زاری میں ہی مصروف اے دل — کون وہ ہو سکتا ہے تحریرِ مقدر روکے
بحث اے ابر نکر ہم سے اگر ہم چاہیں — تو بہا دیں ابھی آنکھوں سے سمندر رو کے
اُٹھتے ہیں غضب شعلے مرے داغِ جگر سے — کیا کیجئے تدبیر لگے آگ جو گھر سے
گورِ تیرہ میں رہا تنہا نہ میں مرنے کے بعد — دفن میرے ساتھ میری دل کی حسرت ہو گئی
ایسے ہم عشق میں ہیں محو خبر یہ بھی نہیں — عیش کہتے ہیں کسے اور مصیبت کیا ہے
یہ وہ دولت ہے گدا کو بھی شہنشاہ کر دے — ہم سے پوچھے کوئی تسلیم قناعت کیا ہے
حالِ دل سن کے مرا کہتے ہیں کس ناز سے وہ — اپنی عادت ہے کہ جو ذکر سنا بھول گئے

تسلیم

تسلیم۔ جناب منشی بالگوبند صاحب تسلیم۔ ممبر میونسپل بورڈ و ڈسٹرکٹ بورڈ اٹاوہ زیادہ حال معلوم نہیں ہوا۔ گاہ گاہ شعر بھی کہہ لیا کرتے تھے۔ چند اشعار پیش کش ناظرین ہیں

خطا میری سراسر ہے نہیں تیری خطا مطلق — نہ دیتا دل اگر تجھکو تو برباد کیا کرتا
محبت میں تری اُسنے نہ کیا کیا سختیاں جھیلیں — نہ دیتا جان اے شیریں تو پھر فرہاد کیا کرتا
مثالِ نقشِ پا جیسں تھا فرطِ ناتوانی سے — مرے پاؤں میں بیڑی ڈال کر حداد کیا کرتا

تسلیم

تسلیم۔ منشی تسلیم حسین کیرت پور کے رہنے والے مرزا داغ دہلوی مرحوم کے شاگرد اور موزوں طبع شاعر ہیں کلام سے ظاہر ہے کہ ابھی شاعری کی ابتدا ہے اگر مشق جاری رہی تو خاصا صا کہنے لگیں گے کچھ اشعار انتخاباً درج ذیل ہیں۔

لاکھ تدبیر کرے کوئی تو کیا ہوتا ہے — غیر ممکن ہے ترا وصل میسر ہونا
گردشِ چرخِ ستمگر کا عبث ہے شکوہ — تیری قسمت میں دلِ زار ہے مضطر ہونا
ہائے کہنا وہ کسی کا دمِ رخصت مجھ سے — کہے دیتا ہوں جدائی میں نہ مضطر ہونا
رنج و غم سہتے سہتے ہائے رے ستم — ہو گیا دل ہمارا پتھر کا ہو
رہے آباد میکدہ واعظ ہو — ذکر کر تو نہ حوضِ کوثر کا ہو ہو

دکھاؤں کیا تجھے کیا فائدہ کچھ ہو نہیں سکتا
نہیں ہے چارہ گر زخمِ جگر تدبیر کے قابل

نہ وہ آنا نہ وہ جانا نہ وہ رسمِ الفت
نہ تمھاری وہ محبت کی نظر دیکھتے ہیں

نہ وہ شوخی نہ شرارت نہ ادائیں پہلی
کچھ عجب طور نئی شام و سحر رکھتے ہیں

تسنیم

تسنیم - منشی محی الدین حسین خاں - تسنیم - نواب سپہدار جنگ بہادر رئیس مدراس کے خویش نواب کرناٹک کے قرابت دار اور مولانا کوثر خیر آبادی کے شاگرد رشید ہیں۔ ان کے بزرگ مدراس کے قدیم شرفا میں تھے اب یہ عرصے سے دکن میں سکونت پذیر اور وہاں کے کالج میں پروفیسری کے عہدے پر ممتاز ہیں شعر اچھا کہتے ہیں۔ مذاق صحیح اور عمدہ ہے مضمون کی طرف خیال کی رسائی ہے کلام میں بات پیدا ہوتی ہے زبان صاف اور بندش چست ہے سنا ہے کہ جناب فصاحت سے بھی مشورہ لیا ہے سن شریف ۵۴ برس کے قریب ہے سرکارِ نظام سے کچھ منصب بھی پاتے ہیں مشاق اور زود گو ہیں۔ زندہ دل خوش مزاج - خوش خلق آدمی ہیں۔ ترتیب تذکرہ جلد دوم کے زمانہ میں جو کلام انھوں نے ارسال کیا اُسکا انتخاب پیش کش کیا جاتا ہے۔

دیدۂ اشکبار کیا کہنا
ابر ہے شرمسار کیا کہنا

تیرِ تیزِ نگاہ اے ظالم
ہو گیا دل کے پار کیا کہنا

گھٹ گھٹ کے اسیرانِ قفس کیوں نہ فنا ہوں
رستہ نہیں رکھتا قفسِ تنگ ہوا کا

یوں موسمِ شباب ہمارا گذر گیا
گویا چڑھا ہوا کوئی دریا اتر گیا

ہمسر تھے رخ سے پھول کیا ذبح انکو کیوں
گلشن میں بلبلوں کا بھلا کیا قصور تھا

وہ آئینہ رو چھپ کے کہتا ہے کہو کچھ
ایسا ہے مجھے سکتا ہے کہ کچھ کہہ نہیں سکتا

اس آنکھ نے کیا عجب اعجاز بزم میں
ہر ایک جانتا ہے اشارہ ادھر ہوا

تیر کے پر جبکہ اے ناوک فگن دیں گے ہوا
زخمِ سوزاں قلب کے ٹھنڈے نہ ہو جائیں گے کیا

دور میں چرخِ دنی کے کب نعمت کی امید
غم نہ کھائیں گے اگر اب ہم تو پھر کھائیں گے کیا

پہلو میں میرے دل کا ٹھہرنا محال ہے
میدانِ حشر ہوئی کس کے خون کی پرسش
چاند سی صورت کا دلبر جسکے پہلو میں رہے
شکایت روح یوں کرتی ہے ہو کر غرق عصیاں میں
لا کیا خوب ثمرہ گلشن جنت بنانے کا
منہ چھپائے ہوئے میخانے سے جاتی ہیں وہ شیخ
پکار کر یہ تجلی کسی سے کہتی ہے
میں نے لیلے کو بے وفا جو کہا
زعفراں زار ہے یا آنکھوں میں سرسوں پھولی
بعد مرنے کے بھی صیاد کا یہ خوف رہا
دونوں کو بچاتا ہوں ترے تیر نظر سے
بہت موّاج ہے دریائے الفت
شبِ وصلت حجاب و شوق کا جھگڑا نہ طے ہوتا
گرچہ روشن ہیں ہزاروں قبر منعم پہ چراغ
شیشہ نہ ایک بوند لہو کی نہ آبلہ ہو
طلب کرتے ہی فوراً دے دیا دل
چرایا کس نے کس کا نام لوں میں
گناہگار ہوں عاصی ہوں شرمسار ہوں میں
مجھے رسوا کرینگے گرد کیوں غمخوار بیٹھے ہیں
اٹھیں گے تو سواں بنکر اٹھیں گے خاک سے اپنی
دو نورِ خدا راہ پارے ہیں

حالت یہ ہے کہ آج گیا اور کل گیا
ذرا سا ہو گیا چہرہ مرے ستمگر کا
پوچھئے اُن خوش نصیبوں سے مزا برسات کا
مجھے اے قالبِ خاکی نہ یوں برباد کرنا تھا
تجھے دعوئ خدائی کا نہ اے شدّاد کرنا تھا
میکشو ہیں یہ بڑے مرشدِ کامل لینا
جلا کے سرمہ بنے کوہ طور ہم نے کیا
آپ کیوں ہو گئے خفا صاحب ہو
کس لئے ہنستا ہے دیوانہ ترا آپ ہی آپ
روح گلزار میں بلبل کی چھپی بو ہو کر
اک ہاتھ مرا دل پہ ہے اک ہاتھ جگر پر
الٰہی اس سے ہوں میں پار کیونکر
نکرتی فیصلہ گر دخترِ رز درمیاں ہو کر
فائدہ کیا گھر تو ہے تاریک میں باہر چراغ
میں کیا بتاؤں تمکو مری جان کیا ہے دل
یہ میرا حوصلہ ہے یہ مرا دل
میرے پہلو میں یا تھے آپ یا دل
ترے کرم کا الٰہی امیدوار ہوں میں
ادھر دو چار بیٹھے ہیں ادھر دو چار بیٹھے ہیں
کہ ہم دھونی رمائے تیرے در پر یار بیٹھے ہیں
گورے گورے ہیں پیارے پیارے ہیں

جنوں کا ایسا اب کے جوش ہے فصلِ بہار میں
کہ پُرزے پُرزے خود جیب و گریباں ہوتے جاتے ہیں

ہوائے آہِ بلبل کس قدر ہے تند و تیز اے دل
سب اوراقِ گلِ گلشن پریشاں ہوتے جاتے ہیں

قیامت میں جو لپٹی شوق میں دامن سے قاتل کے
اُسے یہ بدگمانی ہے کہ ہم فریاد کرتے ہیں

ہر جگہ عشق دکھاتا ہے نیا رنگ اپنا
سر میں درد آنکھ میں آنسو ہے تمنا دل میں

نچوڑوں میں تو اِک عالم ہو سیراب
لڑا لے ابرِ تر دامن سے دامن

ترے تیرِ نگہ کو اے ستمگر
کلیجے سے لگایا چاہتا ہوں

بہت پُر درد ہے میری کہانی
تجھے ظالم سنایا چاہتا ہوں

تمنا اپنے ملنے کی تم انکے دل میں رہنے دو
یونہی غیروں کو برسوں سعیِ لاحاصل میں رہنے دو

نہ یہ کچھ سُننے والی ہے نہ یہ کچھ کہنے والی ہے
کروں تصویر سے باتیں تو کوئی بدگمان کیوں ہو

وہ ہنس ہنس کر مجھی سے پوچھتے ہیں
ہمارے چاہنے والے تمھیں ہو

گر کرے حاصل ضیا روئے دلبر آئینہ
حُسن کی اقلیم کو کر لے مسخر آئینہ

ہاتھ سے رکھتا نہیں وہ شوخ دم بھر آئینہ
مجھ میں اسمیں بن گیا سدِ سکندر آئینہ

کب چھپائے سے بھلا چھپتی ہے صورت عشق کی
دیدۂ تر آئینہ ہے دامنِ تر آئینہ

سحرِ حیرت چل گیا دونوں پہ یکساں حُسن کا
وہ ہیں آئینہ سے ششدر اُن سے ششدر آئینہ

جنابِ شیخ ہیں یا حضرتِ زاہد ہیں اے رندو
چھپائے منہ چلا آتا ہے کوئی سوئے میخانہ

پرستش گاہ دونوں ہیں نہیں کچھ فرق دونوں میں
جو بتخانہ ہے وہ کعبہ جو کعبہ ہے وہ بتخانہ

دلِ مضطرب جگر کے جگر دل کے سامنے
بسمل تڑپ رہا ہے یہ بسمل کے سامنے

بٹھایا وہیں دردِ دل نے ہمیں تو
جو ہم تیری محفل سے اُٹھ کر چلے

میں سخت جاں ہوں وہ سنگ دل ہے کسی طرف سے کمی نہ ہوگی
چھری سے رگڑے وہ لاکھ دیگا پہ قطع شہرگ مری نہ ہوگی

شبِ وصل اُنکی شرم اور میری حیرت اک تماشہ تھی
اِدھر تھا بے خبر میں بھی اُدھر تھے سرنگوں وہ بھی

رلا ہے دل اگر میری طرح وقت جنوں وہ بھی
رلا ہے سر گرِ سنگِ ستم سے غرق خوں وہ بھی

ہجر کی شب خوف ہے ایسا نکلنے کے لئے
جان میری جسم میں پھرتی ہے گھبرائی ہوئی

تو کہا کرتا تھا اکثر ایک بھی مرتا نہیں ہو
تیرے در پر دیکھ یہ کس کی ہے لاش آئی ہوئی

مئے گلفام پیں ہم تو بھلے کیا زاہد
ہمنے مانا کہ گنہگار ہیں کس کے اُسکے

وہم یہ ہے کہ نہ ٹھوکر سے کہیں جی اُٹھے
لاش کرتا نہیں پامال ستمگار مری

ہے خوشی کی طرح غم بھی بے ثبات
کر لے یوں دل شاد کیوں کیسی کہی ہو

عالمِ وحدت میں ہم گمنام تھے
باعثِ شہرت یہ کثرت ہو گئی ہو

خلوتِ یار میں بیگانے کا آنا کیسا
سر دُھنا شمع نے جس وقت ہوا بھی آئی

کیا قتل اور چھپے میرے ہی دل میں
غضب کا ڈر قیامت کے نڈر بھی

میں کب سے سینچتا ہوں نخلِ امید
کبھی یارب یہ ہوگا باور بھی ہو

وہ میری سخت جانی ذبح کے وقت
کسی کا تھک کے یہ کہنا کہ مر بھی

سات پردوں میں وہ رہتے ہیں مگر واہ رے شوق
بند آنکھوں سے کیا اُنکا نظارا میں نے

خون سے میرے سرخ ہے دامن
جلد دُھلوائیے خدا کے لئے

زلف اُلجھی تو آپ بھی اُلجھے ہو
بال سُلجھائیے خدا کے لئے

قتل کرکے مجھے قاتل ہی کے ٹپکے نہیں اشک
چشم جوہر سے لہو رونے لگا خنجر بھی

عاصیوں کو دیکھکر کہتے ہیں زاہد حشر میں
جوش پر ہے ابر رحمت دیکھئے کیسی بنے

تشفیؔ

تشفی - منشی محمد چاند صاحب حیدرآبادی شاگرد سید منتخب الدین تجلی زمانۂ حال کے نومشق کہنے والوں میں ہیں - یہ کلام کا رنگ ہے۔

منتظر ہے دخترِ رز بادہ کش بے چین ہیں
شیخ جی چلئے درِ میخانہ کب سے باز ہے

مجھ سے کہتے ہیں اشارہ کرکے دشمن کیطرف
میرا عاشق گر کوئی ہے تو یہی جانباز ہے

کہتے ہیں وہ سچ کہو تمکو مرے سر کی قسم
ہمسے جو پوشیدہ ہو ایسا بھی کوئی راز ہے

تشنہ

تشنہ۔ منشی محمد علی نام باشندہ دہلی۔ پہلے اُستاد ذوق کے شاگرد تھے اِن کی وفات کے بعد حکیم آغا جان عیش سے مشورہ لیتے رہے۔ بڑے خوش فکر وارفتہ مزاج درویش وضع شخص تھے۔ کبھی لباس زیبِ بدن کرتے کبھی عریانی کو اپنا لباس بے تکلف قرار دیتے انکا ذہن بہت رسا تھا اور حافظہ اِس بلا کا تھا کہ صدہا غزلیں نوکِ زبان تھیں گویا آپ مجسم اپنا دیوان تھے۔ اپنے سوا اور لوگوں کا کلام بھی بہت یاد تھا شراب بکثرت پیتے تھے اور اکثر اُسکے نشہ میں بدمست و مخمور رہا کرتے تھے ۱۲۸۲ھ سے دو سال تک میرٹھ۔ سہارنپور پٹیالہ۔ امرتسر۔ لاہور۔ ملتان کی سیر کی۔ پھر ۱۲۸۴ھ میں دلی چلے آئے۔ دیوان ذوق کے بارے میں انکا بیان تھا کہ متفرق مطلعوں میں کئی مطلع شاہ نصیر اور کئی مطلع معروف اور تحیّر وغیرہ کے لکھے گئے ہیں ۱۲۸۶ھ میں وفات پائی۔ اِن کی تاریخ وفات اِس جملہ سے "تشنہ شرابِ ابد کا" نکلتی ہے۔ بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ پورب میں انتقال کیا۔ مگر حضرتِ ظہیر مدظلہ العالی کا بیان ہے کہ الور میں وفات پائی۔ سنا ہے کہ اِن میں یہ بڑا عیب تھا کہ اپنے ہمعصروں کا کلام بے تکلف اپنے نام سے پڑھ دیتے تھے۔ چنانچہ اپنے اُستاد بھائی حضرت داغ کے کلام پر بہت ہاتھ صاف کیا جیسا کہ اِن کے مندرجہ کلام سے معلوم ہوگا۔ بہرحال ان کے مشاق سخن سنج ہونے میں کسی کو کلام نہیں۔ شعر بہت اچھا کہتے تھے۔ روزمرّہ زبان پر اچھا عبور تھا۔ اِن کی غزلیں اِن کی حیات میں بھی رائج ہوگئی تھیں اور اکثر اربابِ طرب کی زبانوں پر چڑھکر مجالس کی رونق دوبالا کرتی تھیں اِن کے کلام میں اکثر ایسے بلند پایا و عدیم النظیر اشعار پائے جاتے ہیں جس سے انکا رتبہ اُستادی مسلّم ہوتا ہے۔ آپ حضرتِ داغ انور ظہیر وغیرہ کے ہم مشق و ہم صحبت تھے انتخاب کلام ملاحظہ ہو۔

ٹھنڈا چراغ ہوگیا پیری میں عمر کا	تھا رات بھر دیئے کا اُجالا سحر نہ تھا
جبتک کہ اُسکی زلفِ مسلسل کا تھا نہ دور	اندھیر تھا جہاں میں مگر اسقدر نہ تھا

نزع کے وقت جو وہ حور شمائل آیا / ملک الموت کو بھی عشق قمر کے شامل آیا

کہدو پروانہ سے اب نالۂ بلبل سیکھے / شمع گل ہو گئی جو وہ رونقِ محفل آیا

حوصلہ دیکھا ہمارے زخمِ دامن دار کا / لال منہ کر کر دیا قاتل تری تلوار کا

وہ تشنہ دہن ہوں کہ دمِ ذبح بھی میرا / آبِ دمِ خنجر سے گلو تر نہیں ہوتا

پھانسی گلے میں وہی ہے تو وہی تارِ زلف کی / میرے لئے نکر تو ستمگر رسن خراب

گر تشنہ چھوٹتا نہ ہمارا وطن تو پھر / اس طرح پھرتے کاہیکو ہم بے وطن خراب

کہا ہے ہمنے کہ اے جانِ جہاں ہم تجھ پہ مرتے ہیں / تو فرمایا کہ مجھ پر آپ کچھ احسان کرتے ہیں

کبھی یہ دل تماشا گاہِ صد عیش و مسرت تھا / اب اسمیں حسرت و یاس و تمنا سیر کرتے ہیں

الٰہی خیر کیجو بد خبر سننے میں آتی ہے / جو آتا ہے وہ کہتا ہے تمھارا ذکر کرتے ہیں

جہاں میں ایک تو ہم ہیں کہ تنگ آئے ہیں جینے سے / اور ایک خضر و مسیحا ہیں کہ اس جینے پہ مرتے ہیں

الٰہی دیدۂ و دل تو نہ ٹھہرے رہگذر ٹھہرے / کبھی حسرت گذرتی ہے کبھی ارماں گذرتے ہیں

طبیعت کی روانی ایک سی رہتی ہے یاں تشنہ / وہ دریا ہیں کہ جو چڑھتے ہیں پھر دم میں اترتے ہیں

کیا کہا پھر بھی کہو دل کی خبر کچھ بھی نہیں / پھر یہ کیا ہے خمِ گیسو میں اگر کچھ بھی نہیں

جذبۂ دل نے کیا ہائے اثر کچھ بھی نہیں / ہم یہاں مرتے ہیں اور انکو خبر کچھ بھی نہیں

اِک جفا تیری نہیں کچھ بھی مگر ہے سب کچھ / اِک وفا میری کہ سب کچھ ہے مگر کچھ بھی نہیں

آنکھ پڑتی ہے کہیں پاؤں کہیں پڑتا ہے / سب کی ہے تمکو خبر اپنی خبر کچھ بھی نہیں

شمع بھی گل بھی ہے بلبل بھی ہے پروانہ بھی / رات کی رات یہ سب کچھ ہیں سحر کچھ بھی نہیں

حشر کی دھوم ہے سب کہتے ہیں یوں ہے یوں ہے / فتنہ ہے اِک تری ٹھوکر کا مگر کچھ بھی نہیں

شمع مغرور نہو بزم فروزی پہ بہت / رات بھر کی یہ تجلّی ہے سحر کچھ بھی نہیں

نیستی کی ہے مجھے کوچۂ ہستی میں تلاش / سیر کرتا ہوں اُدھر کی کہ جدھر کچھ بھی نہیں

لامکاں میں بھی تو کچھ جلوہ نظر آتا ہے / بیکسی میں تو اُدھر ہوں کہ جدھر کچھ بھی نہیں

ایک آنسو بھی اثر جب نہ کرے اے تشنہ — فائدہ رونے سے اے دیدۂ تر کچھ بھی نہیں
کان کے پردے سے لگا دیجے ترے دالان میں — گھر میں اپنے رہئے اور سنئے تری آواز کو

نہ دل زلفوں سے چھوٹا اور نہ تم زلفیں بنانے سے
یہ وہ جنجال ہے جس سے نہ تم نکلے نہ ہم نکلے

نہ اترا مفلسی میں بھی نشہ دولت کا اے تشنہ — گدائی کو بھی ہم نکلے تو لیکر جام جم نکلے
تمھاری ہمکو خبر کیا کہ ایک مدت سے — یہ بے خبر ہیں کہ اپنی خبر نہیں رکھتے
نہوں وہ لب جو کھلیں شکوۂ جفا کے لئے — وہ ٹوٹیں ہاتھ جو اُٹھیں کبھی دعا کے لئے
ہوئی تھی ایسی کہاں کی صفائی اُس بت سے — کہ آسماں نے عوض خاک میں ملا کے لئے
دو رخی گوٹ ہے رضائی کی — طرز ٹپکے ہے آشنائی کی
میری گردن بھی ہے اور تیغ بھی جلاد کی ہے — موت کی دیر ہے یا آپکے ارشاد کی ہے
سب میں ایک ایک صفت گلشن ایجاد کی ہے — قد بڑا سرو کا چوٹی بڑی شمشاد کی ہے
کون فریاد کرے کون دم الفت کا بھرے — آہ تاثیر سے خالی دل ناشاد کی ہے
آبرو رکھ لے خدا وقت شہادت اپنی — نیت قتل بری طرح سے جلاد کی ہے
دیدۂ گل ہو گی اسیری میں نصیب بلبل — منتظر فصل بہار آمد صیاد کی ہے
شعلۂ رخسار کوئی اور ہے وہ جلوۂ نور — حور کے سامنے کیا اصل پریزاد کی ہے
شعر برجستہ ہے جس میں تو بھلا اے تشنہ — طرح کیا خوب نکالی کسی استاد کی ہے

انتخاب از شہر آشوب

عجیب کوچۂ رشک جنان تھا دہلی کا — خطاب خطۂ ہندوستان تھا دہلی کا
دماغ برسر ہفت آسمان تھا دہلی کا — بہشت کہتے ہیں جسکو مکان تھا دہلی کا

غضب ہے اسکو کوئی شادماں نہ دیکھ سکا

زمیں نہ دیکھ سکی آسماں نہ دیکھ سکا

یہاں کی خاک میں کیفیت ابر باراں کی
یہاں کے آب میں تاثیر آبِ حیواں کی
یہاں کی بادِ بہاری ہوا زمستاں کی
یہاں کی آگ میں گرمی تھی شعلہ رویاں کی
ہر ایک شخص کے حق میں یہ شہر اچھا تھا
مریض عشق کے بھی واسطے مسیحا تھا

یہ لوگ کہنے لگے آگ اس وطن کو لگے
نظر نہ ایسی الٰہی کسی چمن کو لگے
سنائے اہلِ سخن صاحبِ سخن کو لگے
جو ایک تار بھی باقی ہو تو کفن کو لگے
تمام شہر تلنگوں نے آکے لوٹ لیا
مثل ہے بھوکوں کو ننگوں نے آکے لوٹ لیا

رہی نہ جنس محبت کی اب خریداری
جو یوسف آئیں تو ہو بھی گرم بازاری
اٹھائے کون حسینوں کی ناز برداری
لگائے دل کوئی ۔ جان کس کو ہے بھاری
بقول شخص عجب ملکِ حسن بستی ہے
کہ دل سی چیز یہاں کوڑیوں کو سستی ہے

کوئی کہے کہ تپِ غم کی بسکہ شدت ہے
چڑھا ہوا ہے بخار آجکل یہ نوبت ہے
تو یوں کہیں کہ ہمیں آپ ہی حرارت ہے
تم اپنا کام کرو جاؤ تم کو صحت ہے
مریض جا کے کرے کیا کہ طعن کرتے ہیں
طبیب اپنا مرض خود بیان کرتے ہیں

تشنہ

تشنہ ۔ حافظ محمد یوسف خاں ۔ بلند شہر کے رہنے والے اور نواب فصیح الملک مرزا داغ دہلوی کے قدیم شاگردوں میں سے تھے ۔ ان کی ولادت ایک پٹھان سپاہی پیشہ گھرانہ میں بمقام مالاگڈھ ہوئی تھی ۔ کچھ عرصہ سوداگری کرتے رہے پھر ایک برس کے قریب حضرتِ داغ کے پاس دکن میں قیام رہا ۔ دیوان کئی برس ہوئے چھپا تھا ۔ علم سے گو

کافی بہرہ نہ تھا مگر مشاق اچھے تھے اور شعر خاصا کہتے تھے۔ آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ ان کے بیٹے ضمیر الدین ضمیر استاد ظہیر کے شاگرد ہیں۔ سنہ ۱۹ء میں بعالم ضعیفی انتقال کیا۔ یہ آپکا کلام ہے۔

دلمیں ہے یہ پوچھوں اُس سے جا کر
کیا تجھکو مِلا ہے مجھے ستا کر

اتنا نہ ستا کہ پھر دلِ زار
فریاد کرے کسی سے جا کر

کہتے ہیں چل کہ تو ہی تو اِک جاں نثار ہے
تیرا ہی دل جہاں سے سوا بیقرار ہے

مصیبت میں دل ہی ہوا جب نہ اپنا
کسی اور کا کیا بھروسہ کریں گے

ملو تو صورتِ آئینہ صاف ہو کے ملو
مزہ نہیں ہے دلوں میں اگر غبار رہے

ہر چیز کو ہے نشو و نما تیرے کرم سے
خالق ترے انعام بیاں ہونگے نہ ہم سے

دنیا میں مزہ زیست کا ہے یادِ صنم سے
اے ناصحِ ناداں نہ اُلجھا سمیں تو ہم سے

اسپر بھی تو تقدیر کا لکھا نہیں مٹتا
رگڑی ہے جبیں ہمنے ترے نقشِ قدم سے

وعدہ پہ قسم سو چکے کھا تو مِرے آ گئے
جھوٹے نہ ٹھہر جاؤ کہیں جھوٹی قسم سے

اے تشنہ کہاں ذوق کہاں مومن و غالب
اِس فن کا فقط نام ہے اب داغ کے دم سے

تشنہ۔ سید الطاف حسین تشنہ فرید آبادی۔ پہلے الطاف تخلص کرتے تھے۔ اب تشنہ تخلص کرتے ہیں۔

مرگِ تشنہ پہ اِک جہاں رویا
اُسی ظالم کی چشم تر نہ ہوئی

عاشقوں کے جان و دل پر پھر قیامت آ گئی
پھر تمہاری چال سے فتنے بپا ہونے لگے

کیوں کسی کو منہ لگایا تھا مرے جاں آپنے
بوسے لینے پر جو آپ اپنے خفا ہونے لگے

تشنۂ ناشاد پھرتے ہو جگر تھامے ہوئے
پھر نہ کہنا ہم کسی پر کیوں فدا ہونے لگے

تشہیر۔ مرزا سعل بیگ ساکن شاہجہان آباد۔ جوان نیک نہاد و شریف مزاد تھے حضرتِ مومن خاں کے شاگرد رشید غلام مولی قلق سے مشورہ سخن کیا کرتے تھے۔ عرصہ

ہوا انتقال کیا یہ چند شعر ان سے یادگار ہیں۔

مرے سینے کی آہِ آتشیں بھی برق ہے گویا	کہ اکدم میں یہاں پھونکا تو اک پل میں وہاں پھونکا
کیا خاک نشیمن کوئی گلشن میں بنائے	گل خوش ہیں اگر ہے تو صبا و غضب ہے
خوبانِ جہاں یاد رہے تمکو بھی یہ بات	تشبیہ بھی کمبخت اک آزاد غضب ہے

تصدق

تصدق۔ منشی تصدق حسین خاں ولد قاسم علیخاں باشندۂ لکھنؤ مولوی محمد بخش شہید کے شاگرد تھے۔

گویا ڈھلی ہیں نور کے سانچے میں اے قمر	ہیں شمع طور یا ہیں تمھاری کلائیاں
کہتے ہیں ناز سے یہ تصدق سے اپنے وہ	نازک ہیں شاخ گل سے ہماری کلائیاں

تصور

تصور۔ میر فضل علی صاحب غالباً نواح لکھنؤ کے باشندے تلمذ کی کیفیت معلوم نہیں کہ کس سے تھا۔ ایک غزل کے چند شعر حاضر ہیں۔

کھلا جوڑا مہک پھیلی وہ زلفِ عنبریں نکلی	ہوئی خون ناف آہو میں نہ بوئے مشک چیں نکلی
اجل عاشق کے دم کیواسطے صورت بدلتی ہے	کہیں شیریں کسی جا لیلیٰ پردہ نشیں نکلی
نمک پاش جراحت ہیں سخن شیریں اداؤنکے	جو پوچھا پھر بھی آؤگے بہم ہاں کہکے نہیں نکلی
گراں سر تن کو تھا کاٹا گلا احسان ہے قاتل	دہانِ زخمِ خنداں سے صدائے آفریں نکلی

تصور

تصور۔ منشی سید احسان تصور۔ سادات زبدیہ مقیم ننکوڑا کے ایک شریف خاندان کی یادگار حیدر حسین خاں کے بیٹے اور حضرت جرات کے تلامذہ میں مشہور تھے۔ جناب شیفتہ نے انکا نام حیدر حسین لکھا ہے۔ قدرت اللہ شوق کے تذکرہ کی ترتیب کے وقت زندہ وسلامت موجود تھے ۱۲۴۸ھ تک زندہ تھے۔ فیلن صاحب نے اپنے تذکرہ میں انکا نام حیدر علی لکھا ہے معاملہ خوب کہتے تھے مہذب متین باعلم نوجوان تھے ایک قلمی بیاض میں آپکا کچھ کلام نظر سے گذرا اسکا انتخاب درج ذیل ہے۔

ناصح تو کبھی بت سے تو جا آنکھ لڑا دیکھ	سُن میری نصیحت یہ ٹک اسکا بھی مزا [illegible]

کیا اسکے تصور میں تری بن گئی صورت
دیکھے جو تری چشم سیہ مست کو اک بار
لے گئے یوں تیرے کوچے سے تصور کو لوگ
شب ہم جو ذکر ہجران وصل میں ہونے لگے
مجھے بیتاب آتے دیکھکر کوچے میں یوں بولا
تصور گرم جوشی یار کی مجکو رلا وے گی
رونا کوئی موقوف کریں ہیں مری آنکھیں
صدمۂ غم متصل جب تیرے مائل پر رہے
لگ جائے تصور کے گلے آکے وہ بت آج

لے آئینہ تمثال اپنی تصور تو ذرا دیکھ
پھر حشر تلک وہ کبھی ہشیار نہووے
جیوں اٹھاویں کسی بدمست کو میخانے سے
وہ اودھر رونے لگے اور ہم ادھر رونے لگے
بھلا کیوں دوڑ دوڑ آتا ہے یہ کیا اسکی شامت ہے
بہت اگرمی کا ہونا بینہ پرستے کی علامت ہے
جب تک نہ تسلی کو دل آئے جگر آئے
ہاتھ اس مضطر کا ہر دم کیوں نہ پھر دل پر رہے
اللہ کرے اسکی یہ امید بر آئے

تصور — منشی نبی بخش تصور خلف میر تاج الدین۔ شاہ نصیر مرحوم کے نواسے تھے ۱۲۶۶ھ میں عین عالم شباب میں دردگردہ میں مبتلا ہو کر انتقال کیا حالت نزع میں اپنا دیوان چاک کر ڈالا تھا۔ سید حسن رسول نما کے احاطہ میں دفن ہوئے۔ نہایت ستودہ خصال پاک طینت خوش وضع نوجوان تھے کچھ اشعار منتخب درج ذیل ہیں۔

ہم بھی مثال آئینہ ہیں تجھ سے سینہ صاف
کیا کیا خیال دلمیں گذرنے لگے جو آج
اسکے خیال زلف میں کچھ سوجھتا نہیں
کس نے کہا تھا تجھ سے تصور کہ اس سے مل
عشق بازی اے تصور کھیل لڑکوں کا نہیں
خواب کا کیا بس چلے اس دیدۂ بیدار پر
اسکی باتوں سے زباں کے کردیئے ٹکڑے سعر
نے پاؤں سے کے پانی چڑھایا اسقدر

دل سے ترے غبار اگر دور ہو گیا
دروازہ اسکا شام سے معمور ہو گیا
آنکھوں میں اپنے دن شب دیجور ہو گیا
دل اپنا دیکے آپ تو مجبور ہو گیا
جان کا اسمیں بچانا کام ہے ہشیار کا
چور کو آتے نہیں دیکھا کبھی ہشیار پر
لگ گئی سبقت زبان یار بھی تلوار پر
تشنگی سے پڑ گئے کانٹے زبان خار پر

تصور

تصور۔ عالیجناب کنور فتح بہادر مرحوم مغفور رئیس و تعلقہ دار کوڑا جہان آباد ضلع فتحپور سہنسوا۔ عالی جناب رائے لال بہادر مرحوم کے پوتے اور جانشین تھے جن کے مورث اعلیٰ شاہان اودہ کے ہاں مناصب جلیلہ پر ممتاز اور مقتدر امیر تھے یہ نوجوان امیرزادہ حسن صورت میں بے مثل حسن سیرت میں فرد۔ خوش خلق۔ خوش رو، طباع اور ہونہار تھا خالق حقیقی نے جملہ صفات حسنہ اسکی ذات میں کوٹ کوٹ کر بھر دی تھیں۔ سیر چشم مسافر نواز بامروت اور خندہ پیشانی رئیس زادہ تھا۔ افسوس کہ عین عنفوان شباب میں بعمر ۲۴ سال چمن ہستی سے دیکھتے دیکھتے بوئے گل کی طرح ہوا ہو گئے طبیعت میں موزونی اور مضمون آفرینی خداداد تھی۔ افسوس ہے کہ اس نونہال گلزار معانی کو قضا نے اس سن تک پہنچنے نہ دیا کہ یہ اپنے اعجاز کلام سے چاردانگ ہند میں غلغلہ ڈالدیتا اس عمر میں یہ کلام گویا ان کے پیٹ سے شاعری کی بے بہا قابلیت ساتھ لیکر نکلے تھے۔ نغز گوئی اور معانی میں نئے نئے پہلو نکالنا انکا حصہ تھا۔ آغا ظفر علی بیگ شاہ دہلوی سے جو اس زمانے میں انہیں کی سرکار کے دعاگو تھے کلام میں مشورہ کیا کرتے تھے۔ نثر بھی شگفتہ لکھتے تھے نظم کا انداز دلفریب محاورات کا اسلوب جانفزا ہے۔ فی الجملہ انکا کلام ایک تصویر دلربا ہے۔ دیکھئے اور حسن صورت و معانی کی داد دیجئے ہائے جان نثار آہ کنور بہادر تصور ۱۹۵۴ سمت تاریخ وفات ہے۔ اب کلام ملاحظہ ہو

دیکھتے دیکھتے نذار و ہیں	ہمسے نازک حباب کیا ہو گا
فدا ہونے لگی تو یہ ہر اک بیکش کے ارماں پر بجھائی شمع اُف اُف کرکے اور چلتے ہوئے سیدھے نظر میں پھرنے لگتی ہیں بھری تاروں بھری راتیں کہیں پھر بن سنور کے جاؤ گے معلوم ہوتا ہے رسیلی پن کہاں سرشار ہیں بیخود ہے وحشی ہے	گھٹا بنکر چلا ہے ابر رحمت پھر گلستاں پر تاسف کہتے یوں کہتے ہیں وہ گور غریباں پر لیٹ جب گل کی آ پڑتی ہیں اس کاغذی افشاں پر قسم ہے بدگماں ہوتے ہیں ہم اس ساز و ساماں پر تری آنکھوں نے جادو کر دیا چشم غزالاں پر

بھلا ہو ناتوانی کا اُسی نے کچھ رہائی کی　　کہ آخر سایہ بنکر چڑھ گیا دیوارِ زنداں پر
کن انکھیوں سے ادھر وہ دیکھکر ہنسنا قیامت تھا　　گری ہیں چپکے چپکے بجلیاں کیا کیا دل و جاں پر
قضا آئی اور پھر گئی ہاتھ مل کر　　سنبھالا مجھے دردِ دل نے سنبھل کر
نہ پوچھے کوئی خیر قسمت ہماری　　ہمیں خاک ہونا ہے اِک روز جل کر
نہ پوچھو کہ کیوں آ گئے ہیں دل بلا ہے　　ہمیں کھینچ لایا یہ ظالم مچل کر
میں صورت کو دیکھا کیا دل ندارد　　ستم ڈھا گیا مجھپہ وہ چال چل کر

تصویر　**تصویر** ۔ صاحبِ طرزِ دلپذیر میاں غلام احمد تصویر عرف میاں ہتن دہلوی علمی استعداد کچھ نہ تھی بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ محض اُمّی تھے مگر طبیعت کی موزونی خداداد بات ہے ؎

پروردگار جسکو یہ نعمت عطا کرے

فکر کی بلندی اور براقیِ طبع نے اِس فطری موزونی کو اور بھی چار چاند لگا دیئے۔ تصویر اور میاں توقیر دونو میاں تنویر کے شاگرد تھے مگر کثرتِ مشق نے تھوڑے ہی عرصہ میں اُستاد اور شاگرد کے کلام میں اندھیرے اُجالے کا فرق دکھا دیا۔ بعض غزلوں کی اصلاح پر اُستاد سے شکر رنجی ہو گئی اور پھر حضرتِ ذوق کی خدمت میں حاضر ہوکر شرفِ تلمذ حاصل کیا اور آخر تک اُنہیں کی شاگردی کا دم بھرتے رہے۔ دہلی میں زمانۂ نامساعد کی مجبوریوں سے غدر سے پہلے نیچہ بندی کرکے گذر اوقات کرتے تھے۔ اِس کے بعد مہاراجہ شودان سنگھ کے وقت میں الور چلے گئے وہاں ایک روپیہ یومیہ اور دو بیٹے اِنکے بستر رہو گئے یہ وہ زمانہ ہے کہ حضرتِ ظہیر۔ مجروح۔ تشنہ بھی مہاراجہ صاحبِ ممدوح کی قدردانی سے الور میں ملازم ہیں۔ کلام کا شہرت نہ پانا اور چیز ہے۔ مگر جیسا ملکہ راسخہ اور مذاقِ سلیم اِن کے اشعار سے ظاہر ہے یہ بات بڑے بڑے جیّد عالموں کے کلام میں بھی نہیں پائی جاتی۔ ہر شعر میں کوئی نہ کوئی بات ایسی نکلتی ہے کہ بے ساختہ دل میں چٹکی سے لیتی ہے تخیل کی پرواز اور معاملہ بندی کی پُرلطف چاشنی اور جا بجا

یاس و حسرت کی دلگداز تصویریں ایسے دلچسپ اور موثر پیرایہ میں کھینچی ہیں کہ بایدوشاید۔ مضامین کی ندرت اور بندش کی چستی اُن کی قادر الکلامی کا بیّن ثبوت ہے سُنا ہے کہ جب مشاعروں میں غزل پڑھتے تھے تو اکثر اچھے اچھے مشّاق شاعروں کے ہوش اُڑ جاتے تھے۔ ابتدائے چند غزلوں میں رونق وہبن بھی تخلص کیا تھا حق یہ ہے کہ اِنکا کلام بڑے بڑے اُستادوں کے کلام سے ٹکّر کھاتا ہے روزمرہ کی صفائی اور لطافت اور مضامین کی شوخی اور برجستگی قابلِ داد ہے۔ دیکھئے اور لطف اُٹھائیے ؎

مزاج اُس سنگدل کا شانِ محبوبی سے برہم ہے۔
کبھی کیا میں نے بوسے لیا تھا حجر اسود کا

کچھ نہ بن آیا تو شب کو آپ کہکر اپنے ظلم
ہو چکا ٹھنڈا کبھی کا زخمیِ تیغِ ستم

بات بھی کچھ سُنے کی تو ذکر دشمن کا کیا
فدا نا آشنائی پر تو ہیں لاکھوں دل و جاں سے

صبر اِسکی چاہ نہ ہے حسرتِ دیدار کا
دل پہ بیٹھا تھا جو پھر دیکھا جگر کے پار تھا

کہتے ہو فرصت ہوئی ہمکو تو آئینگے ضرور
یہ نہیں بند قبا تیری کہ ہر اک کھول لے

بوسۂ لب میں جو ہے قندِ مکرر کا مزا
اِسکی اک ٹھوکر پہ سو ہنگامۂ محشر نثار

کہاں میں اور کہاں تیرا وامِ عیاری
جو لب پہ آہ و فغاں ہو تو کچھ اثر بھی ہو

بے مزہ رکھنے کو وہ میرے پشیماں ہی رہا
اے ستمگر ڈھونڈتا پر تو نمکداں ہی رہا

وائے قسمت وہ کھلا بھی ہم سے تو کیونکر کھلا
اگر وہ بُت کسیکا آشنا ہوتا تو کیا ہوتا

بند جس نے کر دیا روزن تری دیوار کا
دیکھنا کیا توڑتے تیر نگاہِ یار کا

میری جاں یہ بھی کوئی انداز ہے اقرار کا
کھولنا مشکل ہے میرے عقدۂ دشوار کا

غور سے دیکھا تو سارا لطف ہے تکرار کا
پوچھ مت تصویر عالم یار کی رفتار کا

یہ اتفاق ہے صیاد آب و دانے کا
وگرنہ لطف نہیں شور و غل مچانے کا

ہزار طرح سے تڑپے بوقت ذبح مگر
نپایا دُھب ترے پاؤں پہ لوٹ جانے کا

جو دل بھی دو نگا تو دینے کی طرح سے ظالم
میں دل سی شئے کو نہیں خاک میں ملانے کا

بچا بچا کے جو رکھا تو دل کو کیا رکھا
مزا ہے جانپہ الفت میں کھیل جانے کا

خدا دکھائے نہ دشمن کو انتظار کی رات
قضا سے ہمکو تو شکوہ ہے بھول جانے کا

وہ نیچی نیچی نگاہیں وہ بھولی بھولی شکل
جو سر پہ دیکھو تو ہے خون اک زمانے کا

تمھاری شکل سے نفرت ہے یا حیا تصویر
کھلا نہ بھید ہمیں ان کے مُنہ چھپانے کا

سوئے وہ شب وصل عدو کیوں نہ سحر تک
جھونکا ہے مری آہ بھی اک باد سحر کا

دے بازوئے نازک کو ذرا اور بھی تکلیف
قاتل ترا بسمل ہے ادہر کا نہ ادہر کا

کس ناز سے کہتے ہیں وہ اکثر شب وعدہ
ہم آئے کہاں اور ارادہ تھا کدہر کا

اے دیدۂ خونبار ذرا اور بھی ہمت
کچھ رنگ تو پیدا ہے مگر خون جگر کا

ایسا ترے فراق میں بیمار ہو گیا
میں چارہ گر کی جان کو آزار ہو گیا

وہ اگر کھنچنے لگا تجھ سے تو وہ معشوق ہے
تو تو اے تصویر عاشق ہے تجھے کیا ہو گیا

جب کہا میں نے کہ کبتک دور سے دیکھا کروں
اک ادا سے ہنسکے فرمایا کہ دیکھا جائیگا

زلف کو چھیڑا تو اک انداز سے بولا وہ شوخ
پاس جب بیٹھو گے تم نچلا نہ بیٹھا جائیگا

صرفہ نہیں نمک کا تو پھر سوچتے ہو کیا
بسمل ابھی تو آپ کا ٹھنڈا نہیں ہوا

بیٹھے وہیں سے کہتے ہیں بچ جائے یہ مریض
آکر خبر تو پوچھتے اتنا نہیں ہوا

بوسہ تو اُسکا حضرت دل تم نے لے لیا
لیکن تمہارے حق میں یہ اچھا نہیں ہوا

وہ تو لحد بھی میری پامال کر گئے تھے
پر نقش پا نے اُنکے کچھ کچھ نشاں بنایا

تصویر عاشقونکا کیا پوچھتا ہے مسکن
روز ازل سے ہمکو بے خانماں بنایا

تمنا تھی کہ وہ ضد سے پلائے بادۂ گلگوں
فقط دعویٰ کیا تھا اسلئے پرہیزگاری کا

وہ غش اچھا تھا میرا سر تو تھا اس گل کے زانو پر
ہوا میری ہی اوپر وار میری ہوشیاری کا

دیکھکر قاتل کو آتے جان تن میں آ گئی
قتل ہونیکی خوشی میں خون اپنا بڑھ گیا

کوئی تجھسا نظر نہیں آتا
دل کسی اور پر نہیں آتا

میکشوں کے مزار پر روئے
کوئی جز ابر تر نہیں آتا

ہر دلیں میں غبار بنا جسکے واسطے
سو ہے وہ میری خاک سے دامن کشاں ہوا اب

کہتا ہے مجھ سے نزع میں کہہ اپنا حال دل
جاناکہ لب ہلانیکی طاقت کہاں ہے اب

تو نے جس جا پہ قدم رکھکے اٹھایا ظالم
رہ گیا نقش قدم چشم تمنا ہو کر

جاں بلب تھا تو عیادت کو بھی آجاتے تھے
میں تو لو اور برا ہو گیا اچھا ہو کر

نہ لگا ہاتھ پہ ٹھوکر تو لگا جا ظالم
کاش اٹھ جائے جنازہ مرا ہلکا ہو کر

اسکو کہتے ہیں وفادار کہ دیکھا تو نے
مٹ گیا در پہ ترے نقش کف پا ہو کر

خواب گہ سے اٹھتے ہی آیا جو یاں وہ مست ناز
دلمیں کیا کیا شک گئے زلف پریشاں دیکھکر

سر جھکاتے ہیں بھوؤں کو تان کر
یہ اشارہ ہے کہ قرباں جان کر

سر اٹھاؤ ہو چکی بس سرکشی
اب تو من جاؤ خدا کو مان کر

اس کے عارض ہیں وہ گل رنگین
منفعل جس سے ہوں گلاب کے پھول

آزاد ہو کے عشق میں اک نازنیں کے ہم
قصہ سے خوب پاک ہوئے کفر و دیں کے ہم

اے آسمان تو بھی ستم میں کمی نہ کر
یاں بھی یہی ہے جبیں کہ اب تو نہیں کہ ہم

سوئیں گے جاکے چین سے زیر زمیں بھی ہم
آرام پائیں گے دل مضطر کہیں بھی ہم

یہ جنازہ ترے تصویر دل افگار کا ہے
ساتھ جانا تو تجھے چاہئے دو چار قدم

اللہ رے ربط غیر سے تیرا کہ لمحہ بھر
دل میں ترا خیال بھی تنہا رہا نہیں

وہ کونسی جفا ہے کہ جو تم نے کی نہیں
وہ کونسا ستم ہے جو ہم نے سہا نہیں

اک اک کو جانتا ہے وہ عیار بزم میں
پر جانتا نہیں تو ہمیں جانتا نہیں

جلوہ کو اسکے دیکھ کے کچھ غش سا آ گیا
اسکا پتہ ملا تو پھر اپنا پتا نہیں

کس کا رقیب کیسی وفا اے دلِ حزیں
دل سے لگے پھر کبھی کا بھی وہ آشنا نہیں

وے سرو قد نہ اُٹھکے تو تعظیم غیر کی
بیٹھے بٹھائے دیکھیو یہ فتنہ اُٹھا نہیں

کہیں نہ اُنسے چرانی پڑیں مجھے آنکھیں
خدا کے واسطے اے چشم اشکبار نہیں

حریصِ لذت آزار میں ہی ہوں سچ ہے
خدانخواستہ تم تو ستم شعار نہیں

ایسا بھی تفرقہ نہ پڑے اے خدا کہیں
مدت سے ہم کہیں ہیں دل مبتلا کہیں

اِک برق تھی کہ کوند گئی بیلے شوخیاں
وہ خود کہیں ہیں اور ہے آواز پا کہیں

کعبہ تو کعبہ دیر میں سجدے کروں ہزار
پر آشنا ہو وہ بتِ ناآشنا کہیں

تصویر میں تو غش ہوں نقاہت پہ آپکی
ہو رند بادہ خوار کہیں پارسا کہیں

خدا ہی جانے بتو تکی نگہ میں سحر ہے کیا
قیامت ہوتی ہے برپا جدھر کو دیکھتے ہیں

یہ ہے وہ دشتِ محبت کہ اے دلِ ناداں
یہیں تو ٹھوکریں کھاتے خضر کو دیکھتے ہیں

بگڑ جاتا ہے ازبس تند خو وہ باتوں باتوں میں
ہم اسکے دلکو رکھتے ہیں دم تقریر ہاتوں میں

قفس میں رشک سے صیاد میں کیا تڑپتا ہوں
کوئی دم توڑتا ہے جب ترے نخچیر ہاتوں میں

جو اس حسرت سے ہر دم تو کف افسوس ملتا ہے
وہ دامن آگیا تھا کیا تری تصویر ہاتوں میں

رکھتا ہے اِس روش سے وہ اندر چمن کے پاؤں
گل چومتے ہیں اُس بتِ غنچہ دہن کے پاؤں

کوچہ میں لیکے جاتے ہیں اس تیغ زن کی یاد وں
دشمن بنے ہیں ہائے یہ سارے بدن کے پاؤں

آنکھیں ہزاروں پھوٹتے ہیں ہوکے آبلے
سر اس گلی میں ٹھوکریں کھاتے ہیں تنکے پاؤں

راہِ طلب میں اسکے یہ کہتا ہے دل مرا
اے کاش ہوتے بدلے ہر اک عضو تن کے پاؤں

بے اختیار ہوکے لئے چوم ۔ دوڑ کے
مجنوں نے دیکھکر جسے باہر کفن کے پاؤں

قطع و برید دامن صحرا کا شغل ہے
کرتے ہیں کام ہاتھ کا مجھ بیوطن کے پاؤں

عصمت کی منی یہ ہیں جبلی سرے پاتلک
لیکن نہ رکھا شمع نے باہر لگن کے پاؤں

سوزشِ دل سناؤں کیوں داغ جگر دکھاؤں کیوں
دیکھو عشق ہو جسے موت سے دم چرائے کیوں

عاشقِ زار میں نہیں تپش نثار بھی نہیں تو
جوہرِ عشق ہے یہی ٹکڑے ہو جیب و آستین
مل چکی ہم ظلم کے ماروں کی داد
کرتے ہو باتیں در و دیوار سے
ہوا خوش چھیڑ کر ہمیں نہ کوئی رند مشرب کو
سمجھا ہمیں حیا نہیں جو پیدا حسیں نہ ہو
دے بیٹھے ہائے تجھ سے بت بدگماں کو دل
تصویرِ مبتلا جاں بھی دیدے گا ایک دن

مجھکو یہ انفعال ہے میں نے ستم اٹھائے کیوں
جسکو جنوں سے ننگ ہو عشق کی خاک اڑائے کیوں
گر وہ آئے حشر کے میدان میں
آج ہو تصویر کس کے دھیان میں
پڑھی ہے ہمنے نمازیں محتسب کی بے وضو برسوں
پھر کیونکہ ہم یہ نازِ جہاں آفریں نہ ہو
ہمسا بھی کوئی دشمنِ ایمان و دیں نہ ہو
ہمکو تو اعتبار ہے تمکو نہیں نہ ہو

کہو کب تھیں تم میں یہ شوخیاں کہو کب تھیں تم میں یہ گرمیاں ۔
کبھی آئینہ سے بھی تھی حیا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
کبھی آکے مجھ سے چمٹ گئے کبھی پاس سے میرے ہٹ گئے
وہ وفور رات کے نشہ کا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
میں اٹھا جو جانے کو پاس سے مجھے دیکھ کے یاس سے
وہ ادا سے کہنا عجب تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

شمع بزمِ غیر وہ تمھارا روئے روشن رات کو
قیس نے جنگل کیا آہوں سے روشن رات کو
رات کو جاتا ہوں تو کہتا ہے دن کو آئیو
بے وفاؤں سے بھی وفا تصویر
ایسی وفا بھی ظلم ہے مجھ خستہ تن کے ساتھ
بوسہ اگر دیا بھی تو دیں گالیاں ہزار
جیتے پھرے تو آئینگے کعبہ کو زاہدا

دن بنا دیتی تھی آہِ شعلہ افگن رات کو
وادیِ ایمن بنایا نجد کا بن رات کو
دنکو جاتا ہوں تو کہتا ہے وہ پرفن رات کو
یہ نہ خوش آئی تیری خو مجھکو
جانِ حزیں گئی نہ دلِ پر محن کے ساتھ
آگے وہ راستی پہ بھی اک بانکپن کے ساتھ
ابتو چلے ہیں دیر کو اک برہمن کے ساتھ

عاشق زمانہ ہوتا ہے لیکن نہ اسطرح
کرتی ہیں ہمکو ذبح تری کم نگاہیاں

دشمن ہی کو پیٹے جو مرے پاس سے اُٹھے
تم وہ ہو سنگدل کہ تمھیں نے خبر نہ لی

عاشق کے ذبح کرنمیں ایسا ہے اضطراب
برچھی تری نگاہ کی پہلو میں کیا لگی

دامن پہ وہ رکھے نہ رکھے دلربا لگی
سنتے کہا عدو پہ تو عاشق ہی ہو گیا

بس بس خرامِ ناز کہ محشر ہوا بپا
ہر رات ہمکو رہتی ہیں اختر شماریاں

مقرر آج کچھ دشمن میں اسمیں ساز ٹھیرا ہے
کیا ہے ظلم جب تُنے کوئی الفت کے پردہ میں

عداوت تو نہیں خلقِ خدا سے اس ستمگر کو
الٰہی عشق بھی آلہ ہے کیا انساں بنانے کا

تم آئے تو غنایت ہے نہ آئے تو شکایت کیا
مقرر غیر کے زانو میں لی اُس شوخ نے چٹکی

جلانا تھا جسے اُسکو جلایا ایک ٹھوکر میں
محتسب آتا ہے تو آئیں دو ہم مستوں کے پاس

یہ نہ کئے ہم کسی کے آشنا ہرگز نہیں
نہ آئے گرچہ نہیں جان جا کر آنے کی

یہاں تلک ہیں بنا پارسا کہ اس بت نے
اے دل کبھی تو جانبِ سود و ضرر تو دیکھ

گر دیکھتا ہے یار تو بھر کر نظر تو دیکھ
اس سے تو نہیں کوئی ستم اور زیادہ

جبتک کہ میرے سر پہ قیامت گذر نہ لی
ظالم ذرا بھی تو نے چھری تیز کر نہ لی

پہلو سے دلمیں دل سے کلیجہ میں جا لگی
لیکن ہماری خاک ٹھکانے سے آ لگی

سنکر کہا کہ آپ ہی کی بد دعا لگی
لپٹنے تمھاری چال سے خلقِ خدا لگی

ہر روز اپنے حق میں تو روزِ حساب ہے
جو دم بھر بھی مرے پہلو میں وہ دمباز ٹھیرا ہے

کبھی وہ ناز ٹھیرا ہے کبھی انداز ٹھیرا ہے
تڑپنے میں ذرا بسمل کے اسکا دل بہلتا ہے

کوئی عاشق ہو یا مجنون یاں سینے میں ٹو جلتا ہے
محبت میں کسی کا کب کسی پر زور چلتا ہے

ہمارے دلکو کوئی آج چٹکی میں مسلتا ہے
خرامِ ناز کے پردہ میں ظالم چال چلتا ہے

شیشہ و ساغر کو کیوں ہو کر ہراساں توڑیئے
یوں نہ امیدیں ہماری آکر یہاں توڑیئے

قضا بھی پھر تمھیں اک بار آ کے آنے کی
عدو سی شرط بدی ہے پلا کے آنے کی

یہ جی میں ہے کہ کروں بندوبست وہ شبِ وصل
گلہ نہ کر سکے تاکشتۂ جفا کوئی

اگر فرقت میں دم نکلے
عبث ہے دم خفا ہیں ہم کہاں ہے دم کہ دم نکلے

وفا کی ہے نہ تم سے اور ملتے غیر سے ابتک
کس خوشی سے مرے آقا نے لٹائے زنگتر

کل سے کچھ گرمی سی تھی ساقی شراب ناب سے
حور و غلماں جانکر کھتی تھی مہرویونکو خلق

دور کیں جسوقت پھانکیں بنگے جام شراب
اگر اک لے لیا بوسہ خطا اسکو نہیں کہتے

تمنا جو رکھتا ہو جھکائے وہ نظر کس سے
تمھیں سے ہے دوستی امیر یہاں تو نظر کس سے

کہا دشمن سے کچھ ہنس ہنس کے اور مجھ سے لگا کہنے
ہمیں تو شامِ عیش و صبحِ غم یکساں نظر آئی

ہمیں تو آزمایش ہی بت بے پیر اتنی تھی
کیا بُری چیز ہے محبت بھی ہائے

میرے ہر کام میں ہے ناکامی
عدم کی راہ تو نزدیک ہے گلی سے تری

مجھکو تو قبر کی تاریکی سے زاہد نہ ڈرا
مجھکو وہاں بلایئے یا آپ آئیے

ادا وہ ناز سے خنجر اٹھا کے آنے کی
رہے نہ راہ کہیں سے حیا کے آنے کی

یہ طرز خوب ہے سُرمہ لگا کے آنے کی
دم ہی تک سب بکھیڑا ہے جو دم نکلے تو غم نکلے

جسے سمجھا ہے غم ارمان ہے غم ہو تو غم نکلے
طریقِ عشق سے باہر نہ تم نکلے نہ ہم نکلے

باغ موتی ڈونگری میں رنگ لائی زنگتر
ہوگئی فرحت ابھی اک دو جو کھائے زنگتر

لوٹنے کیا باغ جنت سے یہ آئے زنگتر
باغ میں کل اسے پر یرو کام آئے زنگتر

محبت سے کہتے ہیں ترک حیا اسکو نہیں کہتے
اُسے شادی و غم کیسا اُسے سود و ضرر کس سے

اشارے ہوتے ہیں ہر دم اِدھر کس سے اُدھر کس سے
ہمیں کرتی تھی کس سے بات اور کی بھولکر کس سے

خدا جانے ترا وعدہ تھا شب کس سے سحر کس سے
کہ تو جلاد آشنا تھا تری شمشیر اتنی تھی

بات کرنے میں آنکھ بھر آئی
آہ بھی لب پہ بے اثر آئی

پہ کچھ جو تاب و تواں جانِ زار میں آئے
ہجر کی شب سے زیادہ ہے بلا اور کوئی

اپنی تو ہے وصال تمنا کہیں سہی کو

مقرر دلمیں اس ظالم کی کچھ پوشیدہ الفت ہے
لبوں پر اسکے دشمن کی شکایت آہی جاتی ہے

ہجر کی شب تو سحر ہو یارب
وہ نہ آیا تو قیامت ہی سہی

جان بیکار تو اپنی نہ گئی
اے ستمگر تری شہرت ہی سہی

مجھسے اتنا بھی نہ کھنچئے صاحب
آپ پر میری طبیعت ہی سہی

جذبۂ دل نہیں لایا تمکو
آپ کی خیر عنایت ہی سہی

کفن کی سفیدی سے ثابت ہوا
شبِ ہجر اپنی سحر ہو گئی

عجب سحر دیکھا تری آنکھ میں
کہ ملتے ہی تاب و تواں لے گئی

کیا خبر تھی جب طبیعت مبتلا ہو جائے گی
اُن کی آنکھوں میں جو ہے شوخی حیا ہو جائیگی

حالِ دل بھی کہونگا چارہ گرو
ہوئی فرصت جو دیدۂ تر سے تو

اُٹھتے ہیں تعظیم کو فتنے در و دیوار سے
آپ کیا آئے مرے گھر میں قیامت آئی ہے

کچھ مزہ شورِ تبسم نے تمھارے ہی دیا
یوں تو زخموں پہ بہت سے ہمنے نمکداں لُٹے

یہ بھی کوئی ہنسی ہے کہ رخصت کا لیکے نام
سو بار بیٹھے بیٹھے ہمیں تم رُلا چکے ہو

کیا پوچھتے ہو خاک میں کس نے مِلا دیا
جو کچھ کیا سو آپ کے دل کے غبار نے

آج کی شب نہ خفا ہو ترے قرباں ہم سے
کل تو لیوے ہی گی بدلا شبِ ہجراں ہم سے

کون موسیٰ تھا کہاں طور کسے غش آیا
ایک یہ بھی تھی مری جان شرارت تیری

عالم کی اک اُمید پہ گذرے ہے جہاں میں
رکھتا ہے کوئی رات کے ارماں کوئی دن کے

تصویر تو اتنا غمِ الفت سے نہ گھبرا
یہ رنج بھی دنیا میں ہیں ناداں کوئی دن کے

تعشق ۔ ادیب نامور حکیم سید محمد دہلوی تعشق ۔ پرانے دہلی کالج میں سو روپیہ ماہوار کے مشاہرہ پر فارسی و عربی کے مدرس تھے۔ آخر عمر میں شعرگوئی ترک کردی تھی پھر بھی شوق کا یہ عالم تھا کہ اچھا شعر سُنکر بیتاب ہو جاتے تھے۔ حکیم عزت اللہ عشق کے داماد اور شاگرد تھے۔ ۷۵ برس کی عمر پاکر ۱۸۵۴ء میں انتقال کیا۔ جمیع علوم مشرقی میں تعشق

معلومات تام حاصل تھیں۔ اور فن طب میں مولوی رشید الدین خاں اور حکیم قدرت اللہ خاں قاسم کے شاگرد رشید تھے۔ اور معالجات میں خوب دخل تھا تھا۔ طبیعت میں انحصار غضب کا تھا۔ ان کو ہمہ دانی کا دعویٰ تھا اور فی الحقیقت جامع الکمالات انسان تھے۔ کلام کا انتخاب درج ذیل ہے۔

تجکو اس میری آہ و زاری پر
رحم اے فتنہ گر نہیں آتا

وعدۂ شام تو کیا ہے و لے
کچھ وہ آتا نظر نہیں آتا

تیرے بیمار کا ہے یہ عالم
ہوش دو دو پہر نہیں آتا

تو اے پیماں شکن وعدہ پہ کسدن مرے گھر آیا
سدا گھٹتے رہے یونہی کہ شام آیا

کہوں کیا حال اے گلرو تری فرقت میں آنکھوں سے
کبھی خونابۂ دل ٹپکا کبھی لخت جگر آیا

سامنے دیکھو آتا ہے تعشق وہ کون
بارے کہ آج تو ہوا خوش دل محزوں تیرا

سنتا ہی نہیں بلبل بیدل کی جو گل آہ
کیا تو نے شگوفہ یہ صبا کان میں چھوڑا

حضرت دل اسکے کوچہ میں نہ جایا کیجئے
کہہ چکے اپنی طرف سے آگے ہیں مختار آپ

کہتے نہ تھے تعشق جاؤ نہ اس گلی میں
آئے نہ وہاں سے دیکھا خوار و تباہ ہو کر

رویا کیا سحر تک میں رشک سے عزیزو
سنتے سنا جو اسکو غیروں سے انجمن میں

ہوتے ہیں دلکے ٹکڑے آتا ہے یاد جسدم
کچھ چپکے چپکے کہنا اس کا لب و دہن میں

کس پری سے ہے تعشق گرمجوشی اندنوں
پھر فزوں ہمکو نظر آتی ہے وحشت آپکی

تجکو لیجائے وہاں یا اسکو لے آئے یہاں
میں تو حیراں ہوں ولا تو ہی بتا کیا کیجئے

خواب میں تجکو وہ دیکھے کیوں کر
تیرے بن نیند کس کو آتی ہے

تعشق

تعشق۔ سخنور نازک خیال ناظم خوش مقال سرمایۂ ناز و موجب افتخار لکھنو جناب سید مرزا صاحب لکھنوی خلف الرشید محمد مرزا انس و برادر حقیقی سید حسین مرزا عشق شیخ ناسخ کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ نہایت قابل اور نازک خیال سخنور اور مرثیہ گوئی میں خصوصاً شہرۂ آفاق تھے۔ نزاکت خیال

کے ساتھ زبان کی لطافت اور مضمون کی نفاست قابلِ داد تھی آپکا کلام بہت پُرتاثیر اور درد سے لبریز ہے مرثیہ گوئی میں آپ کا ایک خاص رنگ تھا سوز وگداز جس قدر ان کے کلام میں ہے لکھنؤ کے کسی استاد کو یہ بات نصیب نہیں ہوئی مضمون آفرینی کے ساتھ ساتھ پختہ کلامی اور متانت غضب کی تھی۔ مشاہدات دنیوی و جذبات حسن وعشق سے اسقدر واقفیت تھی کہ مضامین کے ذریعہ واقعات کی تصویر کھینچ دیتے تھے اور ایسے دلفریب پیرایہ میں مضمون باندھتے تھے کہ بیساختہ داد دینے کو جی چاہتا تھا لیکن آپکے کلام نے جیسی چاہیئے شہرت نہ پائی۔ غالبًا اسکا باعث یہ ہے کہ خود جناب تعشق مرثیہ گوئی کے مقابلہ میں غزل گوئی کو ہیچ سمجھتے رہے۔ اور کبھی اسکے ذریعہ سے ناموری میں قدم بڑھانے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ راقم تذکرہ نے جس محنت و جانفشانی سے یہ مختصر مجموعہ کلام مرتب کیا ہے اس سے کچھ دل ہی خوب واقف ہے جس حالت میں کہ مرحوم کے قریبی اعزا اور شاگرد باوجود بار بار تقاضوں کے اُن کے کلام کی اشاعت نہ چاہیں تو غیروں کے تغافل اور تساہل کا کیا گلہ ہو سکتا ہے لکھنؤ کے قابلِ قدر رسالہ معیار میں جو عالمِ خواب کے مشاعروں کی دلچسپ کیفیت لکھی ہے اُسکے مطالعہ سے پایا جاتا ہے کہ جناب تعشق کس پایہ کے شاعر تھے۔ مورخ مذکور کا دعویٰ ہے کہ اکیلے تعشق کے بھروسے پر حضرات لکھنؤ جملہ شعرائے ماضی و حال و اساتذۂ دہلی کے کلام کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ بہرحال اسمیں شک نہیں کہ جسقدر درد و اثر سید صاحب مرحوم کے کلام میں پایا جاتا ہے وہ ہمنے لکھنؤ کے کسی استاد کے کلام میں نہیں دیکھا۔ آپ ایک عرصہ دراز تک کربلا میں مقیم رہے پھر ہندوستان چلے آئے اور یہیں لکھنؤ میں ۱۵ برس ہوئے انتقال کیا۔ مراثی کے دو مجلد آپ کی تصنیف سے مشتہر ہو چکے ہیں۔

آپ کا حال اور کلام کاتب کو نقل کیلئے دیا جا چکا تھا کہ رسالہ معیار اگست سنہ ۱۹۰۹ء میں موصول ہوا اور اسمیں آپ کا مجموعۂ کلام (۴۰ صفحہ) جو اڈیٹر معیار نے بڑی کوشش سے دستیاب کر کے شایع کیا ہے نظر پڑا چونکہ ہمیں ان کے کلام سے خاص رغبت تھی بڑے شوق سے اُس مجموعہ کا مطالعہ کیا اور اپنے مذاق کے موافق کچھ اشعار اور منتخب کر کے داخلِ انتخاب کیے

کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جدت خیال اور تازگی مضامین کیطرف آپ کی طبیعت کا خاص رجحان تھا۔ چنانچہ جہاں کہیں کوئی نیا مضمون صاف زبان میں نکل آیا ہے وہ فی الواقع قابلِ داد ہے۔ لیکن باوجود کہنہ مشقی کے ۵۵ غزلیات کے مختصر مجموعے میں بھی ایسے اشعار کی تعداد بمقابلہ دیگر مستند اساتذۂ دہلی بہت کم ہے۔ حیرت ہے کہ اہالیانِ معیار نے کس بنا پر ایسے پر زور الفاظ میں جناب تعشق کے متعلق بحث چھیڑ کر اہلِ دہلی کی دل آزاری پر کمر باندھی۔ ہمارا منشا ہرگز اس مضمون پر قلم اٹھانے کا نہ تھا مگر چونکہ معیار میں مکرر سہ کرر یہ چیلنج دیا گیا لہذا مجبوراً اسکی تردید کی زحمت اٹھانی پڑی۔ افسوس ہے کہ اڈیٹر صاحب معیار خود اپنے مشہور اصول کی پابندی سے انحراف فرماتے ہیں اور کلمہ حق کے اعلان میں بے باکی کو معیوب سمجھتے ہیں۔ اگر بہ نظرِ انصاف دیکھا جائے تو اکثر موزوں طبع نوجوانوں کے کلام میں بھی ایک دو شعر ہر غزل میں اچھے نکل آتے ہیں۔ اندریں صورت اگر جناب تعشق جیسے مستند کہنہ مشق اُستاد کے ہاں اگر ہر غزل میں چار پانچ شعر نفاست خیال و لطافت زبان کے لحاظ سے ممتاز نکل آئے تو کچھ جائے عجب نہیں۔ البتہ حیرت ہے تو یہ کہ کیوں پوری غزل مرصع نہیں ہوئی جیسا کہ اُن کے طرفداروں کی پرجوش تحریروں سے ہمیں یقین ہوتا چلا تھا ہم نے ارادتاً سست اشعار کا انتخاب درج تذکرہ نہیں کیا اور صرف اپنے مذاق کے بموجب جن اشعار کو اچھا سمجھا ہے انھیں کو لیا ہے بہر حال اس امر میں ہمیں ضرور اڈیٹر صاحب معیار سے اتفاق ہے کہ جناب تعشق خوش گویانِ لکھنؤ میں صد کامل تھے۔ اور وہاں کے کسی استاد کے کلام میں وہ دلآویزی نہیں پائی جاتی جو مندرجہ ذیل کلام کا خاص حصہ ہے۔

وہ پہرے تماشہ تو بیچ میں ہو رہا تھا	خدا جانے ہنستا تھا یا رو رہا تھا تو
شبِ ہجر تھی اور میں رو رہا تھا	کوئی جاگتا تھا کوئی سو رہا تھا تو
دبے پاؤں آئی گئی صبحِ محشر	کہ جاگا شبِ ہجر کا سو رہا تھا تو
یہاں دل وہاں ڈوبتے تھے ستارے	شبِ وصل آخر تھی میں رو رہا تھا تو

شہیدوں کے لاشے تھے سنے غسلِ میت
بدلتا تھا میں دردِ دل سے جو پہلو
میں باغ میں ہوں طالبِ دیدار کسیکا
گھبراتے ہیں وہ غنچہ جب آجاتی ہے آندھی
دیکھ آؤ کہ بیمار تمھارا تو نہیں ہے
شبِ وصل تھی خواب اے صبحِ فرقت
اُنس ہے خانۂ صیاد سے گلشن کیسا
اپنی آزردہ دلی بعدِ فنا کام آئی
کہدیا بس کہ تری آہ میں تاثیر نہیں
جل گئے صورتِ پروانہ تپِ عشق سے ہم
کچھ نہ کچھ گورِ غریباں پر بھی ساماں ہو گیا
کیا معاذ اللہ مری وحشت نے پھیلائے ہیں پاؤں
دل سے ہے مردہ خلد میں جانیسے کیا ہوجائیگا
نازپرور ہے ذرا بھی دل سے بگڑینگے جو آپ
جمع ہیں محفل میں سب مجھسے خفا ہوتے ہو کیوں
عشق کی وہ شورشیں وہ ولولہ جاتا رہا
گاہ وحشت میں ہنساتا تھا رُلاتا تھا کبھی
اے جنوں بیڑی پہناتے تھے ہم انکو ہر برس
جو ہے وہ مردہ نظر آتا ہے اُسکے عشق میں
نہ چونکے حضورِ آپ سوتے تھے غافل
جنازے کے ہمراہ آتا ہے قاتل
یوں تو حرفِ خطِ تقدیر نہیں مٹنے کا
دل جو مرجائے ہمارا تو کرے کون آہیں

مگر اپنے خنجر کو وہ دھو رہا تھا *
زمانہ ادہر کا اُدھر ہو رہا تھا *
گُل پر ہے تقرو عیان میں رخسار کسیکا
دیتا ہے ہوا زخمِ دلِ زار کسیکا *
رکھا ہے جنازہ سرِ بازار کسیکا
ابھی میرے زانو پہ تھا سر کسیکا
نازپرورد قفس ہوں میں نشیمن کیسا
ڈھیریاں گردِ کدورت کی ہیں مدفن کیسا
یہ نہ دیکھا کہ یہ سینے میں ہے روزن کیسا
پھینکدے لاش اُٹھا کر کوئی مدفن کیسا
چار تارے چرخ سے ٹوٹے چراغاں ہو گیا
راہ برسوں کی مرا چاکِ گریباں ہو گیا
ہم جہاں ہونگے وہ گھر ماتم کدہ ہوجائیگا
یہ بھی اپنی زندگانی سے خفا ہوجائیگا
بھڑکے بیٹھونگا اگر میں بھی تو کیا ہوجائیگا
اک جوانی کیا گئی سب حوصلہ جاتا رہا
دل نہیں جاتا رہا اک مشغلہ جاتا رہا
غیب سے منت بڑھ گئی وہ سلسلہ جاتا رہا
ہستی مُلکِ عدم کا فاصلہ جاتا رہا
پکارا کیا رات بھر دل کسیکا *
جھکائے ہوئے سر کو قاتل کسیکا
آپ کے در پہ ارادہ ہے جبیں سائی کا
سوگیا جاگنے والا شبِ تنہائی کا

دلِ پُرداغ کا ہم حال کہیں کیا تم سے * پھول دیکھا ہے کبھی لالۂ صحرائی کا *

تھا کبھی دورِ اسیرانِ قفس ہائے صیاد
اب تو اک پھول کو محتاج ہیں گلشن کیسا

تلاشِ یار کا تھا دھیان کل تک
ہمیں ہے اپنے دل کی جستجو آج

ہوا ترکِ محبت پر نہ راضی
رہی تا دیر دل سے گفتگو آج

کشاں کشاں جو لاشہ تو لے گئے احباب
نکل سکے نہ رہ گئی تا لب کوئے یار میں روح

کیا تصور ہے کہ ہوں ہر وقت ہم پہلوئے دوست
ہر گلِ داغ جگر سے آرہی ہے بوئے دوست

وائے حسرت کس طرح وہ قتل کرتے ہیں مجھے
غیر چہرے سے ہٹاتے جاتے ہیں گیسوئے دوست

ظلم اٹھاتا ہوں مگر شکوہ میں کر سکتا نہیں
جس قدر دل سخت ہے اتنی ہی نازک خوئے دوست

خونِ ناحق کا عوض آخر ہوا کس حسن سے
نام سے تعویذ کے باندھے گئے بازوئے دوست

قتل گر میں اپنی اپنے کام میں تھے حسن و عشق
اسکی آنکھیں تیغ پر تھیں میری آنکھیں سوئے دوست

دل کے معاملہ میں نہو دخل غیر کو
لینا جو ہو تو لیجئے اپنی نگاہ پر

خبر کسی کو ضعیفوں کے قتل کی نہوئی
ہم ایک قطرۂ خوں تھے زبانِ خنجر پر

ترے مریضِ محبت نے قبر کی آباد
عجب طرح کی اداسی ہے آج بستر پر

ہاتھ اٹھا کر مہ تو تمکو یہ دیتا ہے دعا
عمر بھر حسن رہے زیبِ کنارِ عارض

کل نہ ہم ہونگے مسیحا نہ یہ بیماریِ دل
آج بس اور ہے تکلیفِ پرستاریِ دل

بال بال آپکی زلفوں کی بنے گا جو زبان
نہ گنے جائیں گے ایام گرفتاریِ دل

غربت میں پسند آتی ہے واماندگی اپنی
ہم آپ چبھو لیتے ہیں کانٹے کفِ پا میں

پڑ گئی کیا نگہِ مست ترے ساقی کی
لڑکھڑاتے ہوئے میخوار چلے آتے ہیں

یا کہیں نشہ میں ڈوبی ہوئی آنکھیں کسکی
غش بے تجھے اے دلِ بیمار چلے آتے ہیں

ہر طرف حشر میں جھنکار ہے زنجیروں کی
اُن کی زلفوں کے گرفتار چلے آتے ہیں

کبھی تو شہیدوں کی قبروں پہ آؤ
یہ سب گھر تمہارے بسائے ہوئے ہیں

گریگا زمیں پر نہ خونِ شہیداں
عبث آپ دامن اٹھائے ہوئے ہیں

جو ہے گھر کے اندر وہی گھر کے باہر
وہ آنکھوں میں دل میں سمائے ہوئے ہیں

وہ کھڑے یہ کہتے ہیں میری لاش پر
ہم تو سنتے تھے کہ نیند آتی نہیں

لاش پر بھی آئے منہ ڈھانکے ہوئے
بدگمانی آپ کی جاتی نہیں

تلاش شب وصل میں پھر رہا ہوں
مرا آپ دیوانہ پن دیکھتے ہیں

دور سے دیکھ کے تمکو کوئی جی بھرتا ہے
کر رہی ہیں فقط ایام گذاری آنکھیں

لطف دیکھا نہ کسی چیز کا انکے سوا
آئیں تھیں رونے کو دنیا میں ہماری آنکھیں

کور ہو جاؤں اگر عشق میں رونیکو نہ روک
ناصحا دل سے زیادہ نہیں پیاری آنکھیں

سینکڑوں شیشۂ دل بادہ کشونکے ٹوٹے
محتسب سے ہیں زیادہ وہ خماری آنکھیں

قدم اہل زمیں آنکھوںسے رو رو کر لگاتے ہیں
نکل آتا ہے پانی جس جگہ ٹھوکر لگاتی ہیں

نہیں تسکین ہوتی ایک جا پر کوئی جاناں ہیں
گدائے حسن موقع دیکھکر بستر لگاتے ہیں

چھڑ طلب لینے کی انسے پوچھتے پھرتے ہیں تدبیریں
کبھی یہ فکر تھی ہمکو کہ دل کیونکر لگاتے ہیں

جگر جل جل کے دیتے ہیں دعائیں شعلہ رونکو
رہیں ٹھنڈے دل انکے آگ جو گھر گھر لگاتی ہیں

دوہرے پردے ہوں چھپاؤں تمھیں پیاولیر
دل کلیجے میں سما جائے کلیجہ دل میں

شام کو حسن جو لیا تھا کہ بناتے ہیں وہ بال
رات بھر آج خیال آئے ہیں کیا کیا دل میں

کہدے ہے قاتل کو نئی طرز جفا پیدا کروں
خود قضا کی جان جائے وہ ادا پیدا کروں

مجھسے لاکھوں خاک کے پتلے بنا سکتا ہے تو
میں کہاں سے ایک تیرا سا خدا پیدا کروں

کہتے ہو زلف میں دل اندوہگیں نہیں
پس جب یہاں نہیں تو یہ جانو کہیں نہیں

آہو ملیں اور آنسوؤں میں ہے مقابلہ
اب آج آسمان نہیں یا یہ زمیں نہیں

بجلی گرائی آہ کی یا تو بچ ہوگئے
صیاد اب کے سال نہیں یا ہمیں نہیں

چلا گھر سے وہ بحر حسن اللہ رے کشش دل کی
عجب قطرہ ہے جو کھینچے لئے جاتا ہے دریا کو

دل وحشی قیامت کا ہے وحشت خیز وحشت زا
بغل میں تیرے دیوانے لئے پھرتے ہیں صحرا کو

گلوں کے ہجر نے نکہت بنایا جسم لاغر کو
بہت ہے بوریا موج ہوا کا میرے بستر کو

ہمیں بھی عزم عدم ہے گلے ملیں اٹھ کر تو
جو تم پہن کے سفر کا لباس بیٹھے ہو

قفس میں بھی ہے اسیرو تمہیں وہی سودا
لگائے فصل بہاری کی آس بیٹھے ہو

روتے روتے شب فرقت میں جو سوجاتا ہوں
چٹکیاں لے کے جگاتا ہے مرا دل مجھکو

عنبر پھر غیر ہیں آخر ہیں پھر اپنے اپنے
یاد کرتا ہے ترے پاس مرا دل مجھکو

سرشت میں ہے نزاکت حیا ہے خو تیری
نکل سکی نہ کبھی پیرہن سے بو تیری

عدم سے دہر میں آنا کسے گوارا تھا
کشاں کشاں مجھے لائی ہے آرزو تیری

مرا پیام صبا میرے گل سے کہدینا
چلی گئی ہے مجھے بیہوش کرکے بو تیری

ہوا ہے چھوٹ کے تجھسے ولا یہ حال اپنا
جگر پہ ہاتھ ہے ہر سمت جستجو تیری

تمام رات رہا دل سے ذکر خنجر ترا
گلا کیا ہو تو شاہد ہے آرزو تیری

صبح کے پھٹنے والوں میں رسوائی ہوئی
شب کی خبریں دے رہی ہے آنکھ شرمائی ہوئی

بڑھ گیا شاید اسیران قفس کا اختلاج
باغ میں باد صبا پھرتی ہے گھبرائی ہوئی

قبر میں تو کوئی دم آرام لینے دے مجھے
بس دل مضطر اڑی جاتی ہے نیند آئی ہوئی

کان میں شاید صدائے آہ مجنوں آ گئی
نجد کو لیلی چلی جاتی ہے گھبرائی ہوئی

اٹھتے جاتے ہیں بزم عالم سے
آنے والے تمہاری محفل کے

داغ دل گھٹ رہے ہیں پیری میں
بجھ رہے ہیں چراغ محفل کے

دعوئے صبر ہو گیا باطل
درد نے ہوش کھو دئے دل کے

نجد سے جانب لیلی جو ہوا آتی ہے
دل مجنوں کے دھڑکنے کی صدا آتی ہے

مرکے بدنام کیا نام محبت میں نے
منہ پہ کچھ ڈالدو کوئی کہ حیا آتی ہے

مجکو مل جاتی ہے اپنے دل زخمی کی خبر
ٹوٹتا ہے کوئی ٹانکا تو صدا آتی ہے

آئے ہیں کون سے عاشق کے گلے ملکے حضور
آپ سے آج مجھے بوئے وفا آتی ہے

وصل میں شام سے منہ ڈھانپ کے سونا کیسا
نیند بن کر تری آنکھوں میں حیا آتی ہے

کہتے ہو کیوں ہے تعشق ترے منہ پر زردی
ہجر میں نیند کم اے ماہ لقا آتی ہے

چھوٹ جائیں ہم عذاب ہجر سے
ابتو ایسی کوئی صورت کیجئے

اسقدر نایاب دنیا میں محبت ہو گئی
چشمۂ آب بقا چشم مروت ہو گئی

ابتو یہ طول شب فرقت سے حالت ہو گئی
دل سے رو رو کر امید وصل رخصت ہو گئی

عمر بھر چھانی جو خاک اس در کی یہ حاصل ہوا
ایک تربت کی جگہ ہمکو عنایت ہو گئی

آنسو بھر آئے دیکھ کے بادل بھرے ہوئے
خالی ہوے جو آنکھوں کے بادل بھرے ہوئے
چمکی جو جوش میں ترے وحشی کی برقِ آہ
کھینچو نہ میرے سینے سے اے قاتلِ جہاں
وحشت سر لیے دہر میں آیا پھر کوئی
دلِ مجنوں میں کیا بُرائی تھی تو
رات بھر مطلق نہ آئی نیند ایسا جی لگا
موسم گل ہو گیا آ آدو جانے کے لیے
بجھ رہے ہیں داغِ دل تربت میں جانے کیلئے
ہوں وہ بلبل جب گرا صیاد میرا آشیاں
قدردانی آپ کی ہم ناتواں کیا روئیں گے
رنج غیروں کو ہوا ایسے ہوئے برباد ہم
حشر کو کہتے اٹھے خوابیدگانِ کوئے دوست
دیکھلوں میں آخری دیدار آنکھیں کھول کر
دل جگر میں ہو گئے ناسور کیا جی خوش ہوا
باغباں کیا کیا مرے دم کے ہیں جلوے باغ میں
تھا وہ پروانہ کہ روئی شمع جب کو رات بھر
دست نرگس سے گرا ہے دل مرا جیبِ شلِ گل
ہم بہل جاتے ذرا زندہ جو ہوتا آج قیس
یوں نہ آئے ایکدن لاشے پہ آج آئے حضور
زخم لے جراح ہیں اس شرمگیں کی تیغ کے
باغ میں پھولوں کو روندا آئی سواری آپ کی
بیوفائی آپ کی غفلت شعاری آپ کی

صحرا کے ساتھ زخم جگر کے ہرے ہوئے
گلزار و کوہ و شہر و بیاباں بھرے ہوئے
بیٹھے ہیں آشیانوں میں طائر ڈرے ہوئے
تم کیا کرو گے تیر لہو میں بھرے ہوئے
ایسے گئے یہاں سے مسافر اُڑے ہوئے
تجھکو لیلیٰ جو فکرِ محمل سے ہے پُر
صبح تک باتیں سُنیں ہم نے دلِ ناشاد کی
اور جگہ ڈھونڈا کئے ہم آشیانے کیلئے
روشنی کم ہو رہی ہے نیند آنے کے لیے
برق دوڑی ہاتھ پھیلا کر اٹھانے کے لیے
دل میں طاقت چاہیے آنسو بہانے کیلئے
قبر پر آئے بگولے خاک اڑانے کیلئے
کیا مزے کی نیند میں آئے جگانے کیلئے
آپ اتریں قبر میں شانہ ہلانے کے لیے
اور دو آنکھیں ملیں آنسو بہانے کے لیے
برق جگنو بنگئی ہے آشیانے کے لیے
صبح کو آئی صبا لاشہ اُٹھانے کے لیے
فصلِ گل دوڑی ہے آنکھوں سے اٹھانے کیلئے
دو گھڑی مل بیٹھتے رونے رُلانے کے لیے
کچھ بہانہ ڈھونڈتے تھے آپ آنے کے لئے
آئیو منہ پھیر کر ٹلکے لگانے کے لیے
کس قدر ممنون ہے بادِ بہاری آپ کی
میرے دل نے عادتیں سیکھی ہیں ساری آپ کی

سب ہے یقیں باہم گلے ملنے کو اٹھیں دست شوق
میکدو میں ٹوٹے جاتے ہیں ہم لڑ لڑ کے جام
آج کس پر رحم آیا کس کو روتے ہیں حضور
جفا وہ کرتے ہیں اے دل وفا کئے جا تو
چراغ داغ میں دن سے جلائے بیٹھا ہوں
گیا شباب پھرا تنا رہا تعلق عشق
فراق یار میں پھرتے ہیں پوچھتے ہوئے ہم
نسیم کوچۂ جاناں میں جلد پہنچا دے
تمام رات وہ کٹتے ہیں کروٹیں لے کر
یاد ایام کہ ہم رتبۂ رضواں ہم سے تھے
دھجیاں جیب کی ہاتھوں میں ہیں آج اے وحشت
جان لی گیسوؤں نے الفت رخ میں آخر
قفس تنگ میں گھٹ گھٹ کے نہ مرتے کیونکر
دل کے دینے میں تامل نہیں ہوتا کیونکر
شعلۂ حسن سے تھا وہ دل اپنا اول
دیتے پھرتے تھے حسینوں کی گلی میں آواز
طوق منت کے گلے میں تھے وہ دن یاد کرو
ڈوبتے جاتے تھے رہ رہ کے تعشق تارے
دور سے جو آج مدت بعد چار آنکھیں ہوئیں
جھنکے افشاں بام پر آئے جو اے رشک ماہ
شب وصال وہ سر رکھ کے جیب سوئے تھے
جھنجلا کے مجکو ذبح تو صیاد نے کیا
وہاں اٹھتے نہیں پردے ہوا ہوں دفن میں جسکے

ہو اگر تصویر بھی یکجا ہماری آپ کی
مفسدہ پرواز ہے چشم خماری آپ کی
ہے نصیب دشمناں آواز بھاری آپ کی
نہ مضطرب ہو یونہی رسم و راہ ہوتی ہے
سُنا ہے جو شب فرقت سیاہ ہوتی ہے
دل و جگر میں تپک گاہ گاہ ہوتی ہے
اثر جو رکھتی ہے کیسی وہ آہ ہوتی ہے
کہ مشت خاک ہماری تباہ ہوتی ہے
جگر کے پار تعشق کی آہ ہوتی ہے
باغبان چمن محفل جاناں ہم سے تھے
جامہ زیبوں سے کبھی دست و گریباں ہم تھے
کافروں نے ہمیں مارا کہ مسلماں ہم تھے
ناز پروردۂ آغوش گلستاں ہم سے تھے
یہ حسینوں کی امانت تھی نگہباں ہم سے تھے
آگ دنیا میں نہ آئی تھی کہ سوزاں ہم سے تھے
کبھی آئینہ فروش دل حیراں ہم تھے
متبر اس عہد میں بھی چاک گریباں ہم تھے
مثل ابر آخر شب وصل میں گریاں ہم تھے
آبدیدہ ہو کے کچھ باہم اشارے ہو گئے
چاندنی میلی ہوئی بے نور تارے ہو گئے
تڑپ رہا ہوں وہ تکیہ گلے لگائے ہوئے
اب رو رہا ہے منہ کو قفس پر دھرے ہوئے
یہی ضد ہے کہ گھر میں آٹھ کے خاک آ نہ باہر کی

یاں اُترتا ہے داغ سے چھالا
ہل رہے ہیں تمام جسم و بدن

بھر بھری جسم آفتاب میں ہے
کسقدر رنج بے قرار ہی دل ہے

تیرے در کی زمین کیا کہنا تو　　یہ جگہ تو لحد کے قابل ہے

ہجر میں رونے کو بیٹھے تھے اب اٹھ سکتے نہیں　　کیسے آنسو تھے کہ ساری دلکی طاقت لیگئے

خفا ہو جو تمہاری گلی میں دفن ہوئے　　ہزار بار سب آئے ہم ایک بار آئے

درد چھپتا نہیں انسان سے کہے یا نہ کہے　　کب برے دہن زخم زباں لازم ہے

ہے دفن ہونے کو لاشہ تمہارے گریاں کا　　مگر زمین کی مٹی خراب ہوتی ہے

بھری ہیں نشہ سے ایسی وہ نرگسی آنکھیں　　کہ جیسے جام میں مملو شراب ہوتی ہے

ایسی ولدوز حسینوں کی پلک ہوتی ہے　　سانس لینے سے کلیجے میں کھٹک ہوتی ہے

برگ گل میں کوئی کانٹا نہ چھپا ہو صیاد　　ہم اسیروں کے کلیجے میں کھٹک ہوتی ہے

دل نے منہ پھیری ہیں تاب و توانگی ہوچیں　　حسن کی ناز کے جانب کمک ہوتی ہے

یاد آتے ہیں جو گیسو تو چمک جاتے ہیں داغ　　شب یلدا میں ستاروں کی جھلک ہوتی ہے

اے مسیحا تو نے جسدن سے توجہ چھوڑ دی　　تیرے بیماروں کو امید شفا جاتی رہی

پونچھ کر دانتوں کی مستی ہنسکے فرمانے لگے　　لیجئے تارے نکل آئے گھٹا جاتی رہی

آخر ان جادو بھری آنکھوں نے میری جاں لی　　بات تیری اے لب معجز نما جاتی رہی

دل سوختہ تھے چاہنے والو نہیں تمہارے　　لیکن سبب گرمی بازار ہمیں تھے

ملتے ہی لب یار سے لب دل نکل آیا　　مار لب جسے جینے نہ دے وہ بیمار ہمیں تھے

نہ اٹھے پھر کبھی راتوں کے بیدار اسطرح سوئے　　مگر کروٹ بدلوانے کو آئی صبح محشر کی

نہ چھٹنے پائے تھے چھالا قبر میں بھی داغ سوزاں سے　　کہ رنگت سانولی ہو جائیگی خورشید محشر کی

کسی دل کو غم و اندوہ سے فرصت نہیں دیتا　　قسم کھائی ہے گردوں نے زمین کو کوئی لبر کی

ہیں یہ سرشار قناعت رفتگاں آنکھیں ہیں بند　　دیکھئے جسکو وہ ایک دو گز کفن میں مست ہے

ہیں وہی ناز جو تھے عاشق مختار کے ساتھ　　میرے تابوت کے ہمراہ سوار آتا ہے

مجھ سے کیا پوچھتے ہو داغ ہیں دل میں کتنے　　تمکو ایام جدائی کا شمار آتا ہے

جھک جائے تو ذرا تو گلے سے لگائیں ہم　　پیدا ہوئے ہیں ہاتھ ہمارے مزار سے

ہم وہ ضعیف تھے کہ ہزار آندھیاں چلیں　　اٹھا گیا نہ ایک دن اپنے غبار سے

نقش پا تعویذ تربت سے کیجئے گو　　جہاں نثاروں پر عنایت کیجئے

تعشق

تعشق - راجہ تعشق حسین خاں تعشق ساکن مانک پور ضلع الہ آباد شاگرد نواب احمد حسین خاں جوش - خوش فکر ہونے کے علاوہ زبان بھی صاف تھی - مذاق ستھرا اور کلام عیوب سے پاک ہے - سیدھا سیدھا صاف صاف خوب کہتے ہیں - دیوان مطبوعہ کا انتخاب درج ذیل ہے -

گرایا چاہ میں یوسف کو بھائیوں نے تو کیا ۔ غلام ہو کے اُسے بادشاہ ہونا تھا
آیا نہ کبھی فاتحہ خوانی کو وہ گلرو ۔ سبزہ نہ لحد کا ہوا پامال ہمارا
جب سے اِس عالمِ فانی میں ہوئے ہم پیدا ۔ کشورِ دل میں اُسی دن سے ہوا غم پیدا
مئے الفت سے رہتی ہے یہاں تک بیخودی ساقی ۔ نظر آتا نہیں کچھ فرق ہمکو دوست دشمن میں
نقدِ دل لوگ لئے پھرتے ہیں بازاروں میں ۔ اک جہاں ہے مرے یوسف کے خریداروں میں
جس گھڑی نظروں سے وہ مستور آنکھیں ہو گئیں ۔ عاشقِ ناشاد کی بے نور آنکھیں ہو گئیں
مینے کہا اگر رُخِ انور دکھائیے ۔ بولا وہ شوخ طاقتِ دیدار بھی تو ہو
رازقِ ما رزق بے منت دہد ۔ کوشش اے پائے ہوس بے سود ہے
تشنہ لب ہیں آبِ تیغِ سفاک ہم ۔ سیر کر آبِ دمِ شمشیر سے
بھولے سے بھی گر آپ ہمیں یاد کرینگے ۔ قدموں پہ تصدق دلِ ناشاد کریں گے
جب سے نہیں ہے تو بتِ بے پیر سامنے ۔ رہتی ہے رات دن تری تصویر سامنے

تفتہ - سخنور ہمپایہ طالب و کلیم - منشی ہرگوپال صاحب تفتہ الملقب بہ میرزا تفتہ حضرتِ غالب مرحوم کے عزیز ترین اور ارشد ترین شاگرد تھے - فارسی کلام آپکا اس پایہ کا ہوتا تھا کہ جسے سنکر اہل زبان ستائش کرتے تھے - ہمیشہ فارسی کہتے رہے - اردو کی طرف کبھی توجہ نہ ہوئی - سنہ ۱۲۱۴ھ میں پیدا ہوئے اور زیادہ حصہ عمر کا اپنے وطن سکندر آباد نواح دہلی میں گذار دیا ۱۴ مجلد کلام فارسی میں جسمیں ہزاروں غزلیں - ظہوری - نظیری صائب - حافظ - عرفی - خسرو - جامی کی ہم طرح زمینوں میں ہیں - اِن سے یادگار ہیں -

مرزا غالب کو اِن سے دلی اُنس ہی نہ تھا بلکہ اُنھیں اپنا سرمایہ نازش سمجھتے تھے اور ہمیشہ عزیزداری کا سا برتاؤ کرتے تھے۔ مرزا تفتہ کا لقب انھیں نے عنایت کیا تھا۔ اُردوے معلی میں اکثر خطوط اُنکے نام کے موجود ہیں۔ عالم ضعیفی میں مرزا کی وفات کے دس برس بعد انتقال کیا۔ اِن کے اُردو کلام میں صرف حضرت غالب کی تاریخ وفات دستیاب ہوئی ہے جسے ہم تبرکاً درج ذیل کرتے ہیں۔

غالب وہ شخص تھا ہمہ داں جسکے فیض سے	ہم سے ہزار ہیچمداں نامور ہوئے
فیض و کمال صدق و صفا اور حسن و عشق کو	چھ لفظ اِسکے مرتے ہی بے یاو سر ہوئے

تفتہ۔ قاضی محمد شمس الضحیٰ تفتہ۔ قاضی پوری حضرت داغ کے شاگرد ہیں۔ اب اختر تخلص کرتے ہیں۔ زیادہ حالات معلوم نہ ہوئے۔ یہ چند اشعار انکے ہیں۔

ہے درد ہمارے دل میں یا دُکھ	صدقہ سب کچھ ہے آپ ہی کا
جادو آنکھوں کا کہہ رہا ہے	کیا پوچھتے ہو سحر سامری کا
کچھ نہ سوچا اُس بُتِ نازک ادا کو دیکھکر	رہ گئے رستے میں ہم شانِ خدا کو دیکھکر
مجھ سا زمانے میں کوئی پامالِ غم نہیں	مجھ پر ہوا نہ ہو کوئی ایسا ستم نہیں
جینے کی کیوں دعائیں وہ کرتے ہیں نزع میں	اللہ میرے آپ سے مجھے تابِ ستم نہیں
مزہ مل گیا آپ کو اِس میں کیا	کہ اب سے ہی سے شیخ جی سوجھتی ہے
نازک مزاج آپ سا دیکھا نہیں کہیں	بیٹھے بٹھائے روٹھ گئے بات کیا ہوئی

تفتہ۔ مولوی بدر الدین خاں مفتی سابق مدارالمہام ریاست بھوپال۔ آپ مفتی سلطان حسن صاحب سب جج مرحوم رئیس بانس بریلی کے خلف الرشید ہیں۔ تحصیل علمی کے بعد آپنے بھوپال میں ملازمت اختیار کی اور درجہ بدرجہ ترقی کرکے صدرالمہام کے جلیل القدر عہدہ پر ممتاز ہوئے۔ نواب شاہجہاں بیگم کے انتقال کے بعد آپنے ملازمت ترک کردی اب اپنے وطن میں قیام پذیر ہیں۔ چند غزلیں نظر سے گذریں۔ اُن کا انتخاب

حاضر ہے۔

لذت ہے غم عشق کی بیداد و جفا میں
صحت ہے مری درد میں ہے درد شفا میں

اس کوچے سے کیا پاؤں اٹھانیکی ہو ہمت
دلپر ہیں مرے آبلہ چھالے کف پا میں

ان شوخ نگاہوں کا تو گھر ہے دل بیتاب
بیٹھے ہیں کہاں جاکے وہ آغوش حیا میں

الٰہی سوز پنہاں کو لگے آگ
جلایا دل کو آہوں کے شرر سے

لگے کیا خاک حوروں میں طبیعت
بشر کا دل بہلتا ہے بشر سے

نہ دیکھا آتے جاتے تیر کوئی
دل تفتہ ہوا زخمی کدھر سے

تفضل — سید تفضل حسین صاحب تفضل مقیم قصبہ برست ضلع پانی پت کرنال شاگرد مرزا صابر صاحب بہادر زیادہ حال معلوم نہیں کلام کا نمونہ ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔

میں اپنے شیشۂ دل میں اُتار لوں تصویر
تمھیں ذرا بھی تصور میں گر قرار رہے

خمیدگی کبھی لازم نہیں تواضع میں
کہ موج صورت سیماب بیقرار رہے

پڑا یہ صبر مرے اضطراب کا ان پر
کہ وہ بھی طبع کی شوخی سے بیقرار رہے

تفضل اپنی نظر مرہم جگر ہو جائے
گر اپنی آنکھ کی پتلی بشکل یار رہے

تفکر — منشی میاں خاں محرر منصفی باشندۂ سنبل مرادآباد حضرت آغا شاغل دہلوی کہیں برادر داغ سے فن سخن میں استفادہ حاصل کیا

جو بلائیں تری اے زلف دوتا لیتی ہیں
اُن کو سودا ہے کہ سر آپ بلا لیتے ہیں

دست نازک میں وہ کیوں تیغ جفا لیتی ہیں
ہم تو خود مول جو بکتی ہو قضا لیتے ہیں

اور کیا ہے ہمسے ہو مہمان کی خاطرداری
تیر آتا ہے تو پہلو میں بٹھا لیتے ہیں

کچھ مروت بھی ہے عادت سے بھی کچھ ہیں مجبور
وعدہ بھی کرتے ہیں مہندی بھی لگا لیتی ہیں

لاکھ بن بن کے دکھائے یہ عروس دنیا
کب اسے مفت بھی مردان خدا لیتے ہیں

تقی — منشی محمد تقی خاں لکھنوی۔ خلف بہادر خاں آپ کو خواجہ وزیر سے تلمذ تھا اور

تفکر

قبل از غدر کانپور میں سکونت پذیر تھے کلام بہم رسیدہ کا انتخاب درج ذیل ہے۔

مت دلِ پرخوں مری آنکھوں سے بہیں گے
اب پتلیاں دیکھیں گی تماشہ مرے دل کا

خون رونے سے سب رازِ نہاں ہو گیا ظاہر
فاش آنکھوں نے آخر کیا پردہ مرے دل کا

فریاد کروں آہ تقی کس سے میں جا کر
پُر درد پر افسوس ہے قصہ مرے دل کا

شیشہ ٹوٹا تو برا بر ہی مرا دلِ ٹوٹا
ٹھیس ساغر کو لگی درد ہوا آنکھو نیں

نہ دکھا روز سیہ مجکو خدا را اے ہجر
مان کہنا مرا سرمہ نہ لگا آنکھو نیں

تقی

تقی۔ ابو الکلام مولوی محمد تقی صاحب تقیؔ۔ شعلہ مرحوم کے شاگرد۔ حیدرآباد کے رہنے والے اور کتب خانہ آصفیہ کے مہتمم ہیں۔

جھلکی دکھائی سامنے آئے سرک گئے
عاشق کو ہر طرح سے وہ ترسائے جاتے ہیں

وعدہ تو روز ہوتا ہے آتے نہیں کبھی
عاشق کو انتظار میں تڑپائے جاتے ہیں

آپکے کہنے سے آجاتا ہے مجکو تو یقیں
بات لیکن آپ کی سچی کوئی ہوتی نہیں

غم مری قسمت کا ہے اغیار کو کیونکر ملے
اُن کو غم ہوتا نہیں مجکو خوشی ہوتی نہیں

واعظا تیری نصیحت کا ہوا کچھ بھی اثر
بات کوئی کبھی رندوں نے تری مانی ہے

تقی

تقی۔ نواب بنے صاحب لکھنوی۔ آجکل کے شعرا میں ہیں۔ جو چند شعر نظر سے گذرے اُن سے پایا جاتا ہے کہ آپ کا مذاق پاکیزہ ہے اور مضمون نکالنے کی طرف توجہ زیادہ ہے۔ جناب شرر سے تلمذ ہے اور رسالہ معیار کی کمیٹی کے ممبر ہیں آپکے کلام کا انتخاب حاضر کیا جاتا ہے ملاحظہ ہو۔

خوں بہاتا ہے جو غم سے کسی دلگیر کا
وہ اُٹھے ہیں آج قبضہ چوم کر شمشیر کا

عشق [illegible] نے اتنا جذب تو پیدا کیا
صفحۂ دل پر ہے نقشہ آپ کی تصویر کا

دیکھنے والوں کی نظروں کو کیا ہے مضطرب
رنگ اتنا شوخ ہے ظالم تری تصویر کا

شام ہونا غمِ فرقت میں سحر ہو جانا
یوں ہی تری عمر دو روزہ کا بسر ہو جانا

روح کرو دیتا ہے تحلیل یہ وہ صدمہ ہے — دل ناشاد کا ناکام اثر ہو جانا
آج بیمار محبت کی بری حالت ہے — ہو مناسب تو کسی وقت ادھر ہو جانا
تیر آنا ہے مرے واسطے امید حیات — تیرا جانا مرے مرنے کی خبر ہو جانا
ناتوانی شب فرقت میں بڑی ہے اتنی — میری کروٹ کا بدلنا ہے سحر ہو جانا
آنے والی ہے قیامت یہ خبر دیتا ہے — آپ کا گور غریباں سے گذر ہو جانا

تکلف

تکلف ۔ مرزا اکبر علی بیگ شاگرد مولوی سید محمد جعفر صاحب آسان کانپوری کانپور کے ضلع میں کسی تھانہ میں محکمہ پولیس میں محرر تھے۔ اور اس طرح سخن طرازی کرتے ہیں۔

کس جا پہ ترا ڈھونڈنے والا نہیں جاتا — کعبے نہیں جاتا کہ کلیسا نہیں جاتا
گانے سے اسکے آتش الفت بھڑک اٹھی — جل جل گئے ہیں شعلۂ حسن صدا سے ہم
خفا نہو جو کیا میں نے ظلم کا شکوہ — چلو وہ یونہی سہی تمکو جفا نہیں آتی
کیا جو بوسہ طلب اُسنے سر جھکا کے کہا — تمھیں یہ کہتے ہوئے کچھ حیا نہیں آتی

تلسی

تلسی ۔ بابا تلسی داس گسائیں سرجو پاری برہمن تھے۔ ان کی ماں کا نام ہلسی اور باپ کا نام آتما رام تھا۔ ان کے والدین نے روز پیدایش ہی سے ان کو علیحدہ چھوڑ دیا تھا بعض مورخوں کا قول ہے انکی پیدایش سمت ۱۵۸۳ میں ہوئی بعض کا خیال ہے کہ سمت ۱۵۸۹ بکرمی کا جنم ہے ان کی تعلیم و تربیت و تحصیل علم کی بابت بھی اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں ان کے گرو نرسنگھ داس تھے بعض کا بیان ہے جگناتھ داس سے انھوں نے تعلیم حاصل کی تھی۔ اول انکی شادی دین بندھو پاٹھک کی لڑکی رتناولی سے ہوئی تھی جس کے بطن سے تارک نام ایک لڑکا بھی پیدا ہوا تھا جو بچپن ہی میں فوت ہو گیا۔

مشہور روایت ہے کہ تلسی داس جی جوانی کی عمر میں نہایت اوباش اور بدچلن تھے

چنانچہ ایک عورت راما نامی سے آشنائی تھی جو سرجو پار رہتی تھی۔ تلسی داس کا دستور تھا کہ ہر روز رات کو اپنی معشوقہ کے گھر جایا کرتے تھے۔ ایکدفعہ دریا بہت چڑھا ہوا تھا اور کشتی بھی موجود نہ تھی اتفاقاً ایک مردہ لاش بھی بہی جا رہی تھی۔ تلسی داس نشۂ عشق میں سرشار تھے بیتابانہ اسی پر بیٹھ گئے اور دریا سے پار ہو گئے جب اپنی آشنا کے مکان پر پہنچے تو دروازہ بند تھا اور ایک سانپ لٹک رہا تھا تلسی داس نے خیال کیا کہ رسہ ہے اسکو پکڑ کر بالاخانہ پر چڑھ گئے اور اس عورت سے ملاقات کی۔ معشوقۂ طناز نے دریافت کیا کہ تلسی آج تم کیونکر یہاں آئے۔ تلسی داس بولے کہ تم نے جو کمندیہ سے لئے لٹکا رکھی تھی اُسکو پکڑ کر آگیا۔ جب اس عورت نے جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ سانپ تھا۔ چنانچہ تلسی داس کی سچی محبت کو دیکھکر اس عورت نے ذیل کا دوہا پڑھا۔

دوہا

دھک دھک (محبت) تو ہے پران پیارے		چام (چمڑا) - ہاڑ (عضو) - ای - نرس نکھے - ہمارے
ایسو من جو لاگت را مئی		تو سد ھرت تیرے سب کا مئی

یہ سُنکر تلسی داس مہاراج کے دلمیں گیان کی چوٹ لگی اور اس رونے سے عشق حقیقی کی طرف رجوع ہوئے ہرچند ان کی آشنا نے ٹالنا چاہا مگر آپ یہ کہکر چلے آئے۔

دوہا

تلسی داس ہمے مان گلا (شرمندگی) نی		ہے ست ہے سب (تپ) با نی
دو ٹرے ترت موکھ کی نا یئں		گئے کاش بج بھون گشا یئں
گئیں ایک رگھناتھ سنگ باندھ جٹا سر کیس		ہمتو چاکھا پریم رس پتنی کے اپدیش

جب سے تلسی داس زاہد و خدا پرست لوگوں کی صحبت میں رہا کرتے تھے اور اکثر آزادانہ پھرا کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ چترکوٹ میں تلسی داس نے ہنومان جی مہاراج سے ملاقات کی اور انھوں نے ان کو شاعری کی قدرت عطا کی سمت ۱۶۳۱ بکرمی میں آپ نے رامائین کی تصنیف

شروع کی جو مہاراجہ رامچندر جی کے تاریخی واقعات کی مستند کتاب ہونے کے علاوہ اپنی شیریں زبانی اور موزونی میں ایک خاص ماہیت اور دلکشی رکھتی ہے علمی - اخلاقی موحدانہ مضامین مصرعہ مصرعہ میں کوٹ کوٹ کر بھرے ہیں - انکا لطف کچھ وہی زبان جانتے ہیں جو بھاشا کی چاٹ سے آشنا ہیں الغرض تلسی داس اپنے زمانہ کے متقی پرہیزگار خداشناس - نیک مرد - صاحب کشف و کرامات گذرے ہیں - جہانگیر کے زمانے میں جس وقت وبائے طاعون پھیلی تھی آگرہ میں کسی عورت کا خاوند مر گیا - چنانچہ وہ اس وقت کے دستور کے موافق ستی ہونے کے لئے جاتی تھی - اتفاقاً راستہ میں مہاراج تلسی داس مل گئے اس عورت نے ان کو دیکھکر ڈنڈوت کی مہاراج تلسی داس نے دعا دی کہ تیرا سہاگ بنا رہے - اس پر اس عورت نے رو کر کہا کہ مہاراج یہ کیونکر ہو سکتا ہے میرا خاوند تو فوت ہو گیا - اور میں ستی ہونے کو جاتی ہوں یہ سنکر مہاراج تلسی داس اسکے ہمراہ گئے اور اسکے خاوند کو دوبارہ زندہ کر دیا - جب اس واقعہ کی شہرت ہوئی تو بادشاہ وقت نے ان کے مذہبی عقائد سے ناراض ہو کر قید کر دیا - کہتے ہیں کہ ہزاروں بندر قید خانہ توڑنے کو آموجود ہوئے اور بادشاہ نے متعجب ہو کر ان کو رہا کر دیا اور مزید عنایت کا اقرار کیا -

ان کی سکونت کی بابت بھی مورخوں نے مختلف خیال ظاہر کئے ہیں - لیکن ان کا خاص وطن راجاپور ضلع باندا تھا - جو خود ان کے ہی دوہے سے ثابت ہے -

دوہا

راجاپور جمنا کے تیر ٭		تلسی جہاں بسے من ہیرہ		

تلسی داس کا زمانہ اکبر و جہانگیر کے عہد حکومت میں تھا چنانچہ آپ کی اکبر کے وزیر خانخاناں سے بہت دوستی تھی اور خانخاناں بھی ان کی بہت قدر و منزلت کرتا تھا - چنانچہ ایکدفعہ ایک برہمن جسکی لڑکی کنواری تھی اور شادی کے اخراجات کی استطاعت نہ رکھتا تھا - مہاراج

تلسی داس سے سفارش کا خواہاں ہوا چنانچہ آپنے دوہے کا ایک مصرعہ لکھکر اُسے وزیر موصوف کی خدمت میں بھیجدیا۔ مصرعہ یہ تھا ؎

سُر تیہ نر تیہ ناگ تیہ سب چاہت اس ہوئے

خانخاناں نے اس غریب برہمن کی امداد کی اور دوسرا مصرعہ حسب ذیل لکھدیا جس سے خانخاناں کی طبیعت کا مذاق ظاہر ہوتا ہے۔

گو دلئے ہلسی[1] پھرت تلسی سون سُت ہوئے

مہاراج تلسی داس کو رامچندر جی مہاراج کا عشق تھا اور ہمیشہ اِن کی ہی پوجا سیوا کیا کرتے تھے دوسرے دیوتاؤں کے سامنے سجدہ کرنا کفر خیال کرتے تھے۔ چنانچہ جب آپ متھرا جی گئے تو ہر طرف رادھا کرشن رادھا کرشن لوگوں کو رٹتے سُنا تو آپ نے بیساختہ فرمایا۔

دوہا

رادھے رادھے رٹت ہیں آک ڈھاک اور کریر	تلسی یا برج بھوم میں کہا رام سے بیر

برج کے لوگوں نے کہا مہاراج آپ کیسے مہاتما ہیں کہ بہاری جی کے درشن تک نہیں کرتے یہ بھی تو پرماتما کا اوتار ہیں۔ چنانچہ جب آپ بندرابن گئے تو فی البدیہہ یہ دوہا کہا۔

دوہا

کہا کہوں چھب آپ کی بھلے بنے ہو ناتھ	تلسی مستک جب نوائے دھرو دھنش شر ہاتھ

کہتے ہیں سری کرشن جی مہاراج نے اِنکے تصور کے مطابق اِن کو رامچندر جی کے روپ میں درشن دیئے جیسا اِس دوہے سے ثابت ہوتا ہے۔

دوہا

مرلی مکٹ دورائے کے دھرو دھنش شر ہاتھ	تلسی لکھ رُچ داش کی کرشن بھئے رگھناتھ

آپ کی وفات سمت ۱۶۸۰ بکرمی میں واقع ہوئی۔ تاریخ وفات کسی بھاشا کے شاعر نے اسطرح کہی ہے۔

[1] مہاراج تلسی داس کی ماں کا نام تھا۔

سمت سولہ سو اسی (سمت ۱۶۸۰) اسی برن کے تیر	ساون سکھلا ستمی تلسی تجے سریر

تلسی داس اکثر متھرا بندرابن۔ کورکشیتر۔ پریاگ۔ چترکوٹ۔ جگناتھ کی جاترا میں مصروف رہتے تھے۔ بندرابن میں سبھا جی سے جو اس وقت میں سنسکرت زبان کے فاضل تھے ملاقات کی۔ ان کی تصنیفات رامائن کے علاوہ بنے پترکا اور گیتا بلی ہے۔ آپ کے اکثر دوہے اور چوپائیاں زبان زد خلایق ہیں جن میں مضمون کی بلندی۔ تشبیہات و استعارہ کی خوبی کے علاوہ بے ساختہ پن بھی پایا جاتا ہے۔ آپ کے اشعار تصوف و پند و نصائح سے مملو ہیں شعرائے ہند میں انکا رتبہ فردوسی اور میر تقی کے برابر بلکہ ان سے بھی افضل سمجھنا چاہیے کلام کا انتخاب درج ذیل ہے۔

دوہے

تلسی اس سنسار میں رہئے سبھی ہلائے	ملا سنگھ مارے نہیں انل مارے گلے
تلسی میٹھے بچن سے سکھ اپجت چھوں اور	بشی کرن یہ منتر ہے کبجئے بچن کٹھور
کاگا کا سا لیت ہے کوئل کا کو دیت	میٹھا بچن سنائے کے جگ اپنا کر لیت
تلسی اس سنسار میں وہی بھیو سمرتھ	اک کنچن دو کچن پر جو نہ پسارے ہتھ
تلسی سیدھی چال سے پیادہ ہوئے وزیر	فرضی شاہ نہ ہو سکے گت ٹیڑھی تاثیر
تلسی آہ غریب کی کبھی نہ خالی جائے	مرے چام کے سانس سے لوہا بھسم ہو جائے
کرم کنڈل کر کے تلسی جہاں جہاں جائے	سرتیا ساگر کوپ جل بوند دو اوک سمائے
دو لڑو کوس ہزار پہ بے لکشمی پاس	بے کرپا رگھناتھ کے ملے نہ تلسی داس
تلسی اپنے رام کو ریجھ بھجو کہ کھیج	کھیت پڑے جم جائیگا الٹا سیدھا بیج
پریت سیکھو لو دیکھ ہے جو ہے اسکی کان	جہاں گانٹھ تہاں رس نہیں یہی پیت کی بان
تات سورگ اپ برگ سکھ دہرے تلہ کی انگ	تلے تاہے سکل مل جو سکھ لو ست سنگ
ایک گھڑی آدھی گھڑی اور آدھی کی آدھ	تلسی سنگت سادھ کی ہرے کوٹ اپرادھ

دیکھو پیت کی ریت بھل جل پہ سرس بکاٹے
کپٹ کمٹائی پرت ہے بگک ہوئے اس جائے

سیوک کر پد نین سے سکھ سوں صاحب ہوئے
تلسی پریت کی ریت لکھ سو کوئی سرائیں سوئے

کام کرودھ لوبھ اودھ مدھ پربل موہ کی دھار
تن من ائی وارن دکھدا یا روپی نار

پنچو ویہ ۔ گرو جو پر یہ بولیں سبے آس
راج دہرم تو بین کر ہوئے بیگ ہی ناس

تلسی ریکھا کرم کی میٹ سکت نہیں رام
سیئے تو اچج ہنس پر سمجھ کرے ہنس کام

جو منیا میں ناسکے بیٹھی شکر کھائے
جو بکری میں میں کرے سہج ہی ماری جائے

ایک بھروسے رام کے سکے پاپ بھر پوٹ
جیسے نار کنار کو [illegible] اپنے کی اوسٹ

آوت سہے ہرکھی نہیں من نہیں سینہ
تلسی تھاں نہ جائیے کنچن برسے مینہ

ہرک آسٹے آور کرے چلت نوائی سیس
تلسی لیسے متر سے ملئے لیسے بیس

مایا سے مایا ملے کرکے سبلے ہات
تلسی داس غریب کی کوئی نہ پوچھے بات

تلسی اپنے رام کو کیوں نہ بھجے نسشنکہ
اودہ انت میں ایک سب جیسے ونکا آنکہ

اِس دوسہے میں نازک خیالی ۔ بلند پروازی کا پورا پورا ثبوت دیا ہے خدا کی ذات کو کثرت سے وحدت میں دکھاتے ہیں ۔ یعنی جس طرح نو کے عدد کو چاہے جس قدر پھیلا کر جمع کیا جاوے تو نو ہی نو رہتے ہیں ۔ اسی طرح قادر مطلق کی ذات باوجود ہزار رنگ میں ہے جلوہ گر ہو کر بھی ایک ہی ہے ۔

چوپائی

آماشت کی یہی بڑائی
شیام گور کم کرن دیکھائی
مندکرت جو کریں بھلائی
گرا انین نین بن بانی

فرماتے ہیں رامچندر جی کے سروپ کو ہم کیونکر بیان کرسکتے ہیں جن آنکھوں سے دیکھا ہے ان کے زبان نہیں ہے ۔ اور زبان کے آنکھیں نہیں ہیں جو دیکھ کر بیان کرسکیں ۔

اندا گھات سمس گر کیسے تو
کمل سے کے بچن سنت نین جیسے

تمکیں

تمکین ۔ میاں صلاح الدین دہلوی ۔ شاہ حاتم کے معصر اور شعرائے قدیم میں سے تھے طبیعت تعلقات دنیوی سے آزاد تھی اور فقیرانہ وضع رکھتے تھے ایک قلمی تذکرہ سے انکا کلام منتخب ہوکر درج ذیل ہے ۔

عشق اور حسن کو جس روز کہ ایجاد کیا ۔۔۔ مجکو دیوانہ کیا تجکو پریزاد کیا
نامہ کا میرے لیکر اُس سے جواب پھرنا ۔۔۔ پرواسطے خدا کے قاصد شتاب پھرنا
سکھے کیا اور دِل بلبل گلوں سے ۔۔۔ اڑا دیتے ہیں اسکی بات ہنس کر

تمکیں

تمکین ۔ میر ہدایت علی متوطن قصبہ کندرکی ضلع مرادآباد نہایت ذہین اور طباع اور علوم و فنون عربی و فارسی میں دستگاہ کامل رکھتے تھے خوشنویسی میں بھی یدطولے حاصل تھا۔ چنانچہ اکثر خطوط متداولہ نہایت عمدگی سے لکھتے تھے ۔ تمام عمر درس و تدریس میں بسر کی ۔ فارسی شعر اکثر اور ریختہ بہت کم کہتے تھے ۔ متقی پرہیزگار و ادیب کامل تھے ۔ قدرت اللہ شوق کے تذکرہ کی ترتیب کے وقت یعنی بارہویں صدی کے آخر تک زندہ تھے ۔ چند شعر انہیں کے تذکرے سے انتخاب کرکے درج کیے جاتے ہیں جن سے تلاش الفاظ و مضامین اور رنگیں بیانی کا پتہ چلتا ہے ۔ ملاحظہ ہوں ۔

وہ مہ جبین یوسف کنعاں ہے دوسرا ۔۔۔ اُسکے مقابلہ کوئی انساں ہے دوسرا؟
پھر شورش جنوں ہے بھلا چاک کیا کروں ۔۔۔ داماں ہے دوسرا نہ گریباں ہے دوسرا
مشہد ہے دوسرا کا ولا کوچۂ صنم ۔۔۔ تڑپی ہے ایک وا نہ تو بیجاں ہے دوسرا
ہر چند شب کے رہنے کی ہے گر جگہ دلے ۔۔۔ تمکیں کوئے یار شبستاں ہے دوسرا
اس عرصہ جہاں میں تو ہے اشک کے میاں ۔۔۔ خنداں اگر ہے ایک تو گریاں ہے دوسرا
دل حزیں مرا مثل غنچہ شگفتہ ہوجائے ایکدم میں ۔۔۔ گراسکے کوچہ میں کاش لیجائے اے صبا تو غبار میرا
لیا نہیں ہے گر اس نے جی بتا تو تمکین کدھر گیا ہے ۔۔۔ وہ صبر میرا شکیب میرا قرار اور اختیار میرا
اب [illegible] گلزار کیا تھا کیا ہوا ۔۔۔ کچھ نہیں آتا نظر جز خار کیا تھا کیا ہوا

کیا کہوں شب ہمنشیں جاتا رہا سامانِ عیش — گردشِ افلاک سے اکبار کیا تھا کیا ہوا
نہ وہ ساقی ہی نہ میناہے نہ ساغر ہے نہ مُل — نے بغل میں یارِ گل رخسار کیا تھا کیا ہوا
پیش ازیں رکھتے تھے تمکین ہم اُسے آغوش میں — اب میسر بھی نہیں دیدار کیا تھا کیا ہوا

بیداد و جفا و ستم و جور و عداوت — کیجے گا کہا تک بھلا دیکھیں تو ہم اچھا

کیا ہے سبب جو اُسکے ہے کوچہ کی لال خاک — کی اُسنے عاشقوں کی مگر پائمال خاک
میں وہ شہیدِ تیغ نگہ ہوں کہ ہے میاں — مجھ مشت استخواں کی برنگِ گلال خاک
ہووے رسائی اس لبِ نازک تلک مجھے — لیجائے ہے خدا کوئی میری کلال خاک

آج تو کچھ سلام بھی لیتے نہیں ہو خیر ہے — جاتے ہوا سطح چلے جیسے کہ آشنا نہیں
چین جبیں ہو آج آپ اُٹھ کر سے ایسے جلد کیوں — واسطہ وجہ کیا سبب ملنے تو کچھ کہا نہیں

لوگے کیا اب تو نہ دل ہے نہ جگر رکھتے ہیں — قصد تُنے کا تو اب بارِ دگر رکھتے ہیں

افعی ہے شب ہے مشک ہے یا تو کیا ہے یہ — زلفِ سیہ ہے یا کوئی کالی بلا ہے یہ
مصحف ہے گل ہے صبح ہے یا ہے یہ رُو تیرا — شمس الضحیٰ ہے یا کہیں بدر جلا ہے یہ
تمکیں غزل کا کہنا ترا ایسی طرز سے — ظاہر ہے یہ کہ خوبی ذہن رسا ہے یہ

دین و دل و شکیب گئے اک نگاہ میں — ہمسے سلوک واہ یہ کیا یار کر چلے

جب سے صورت تری آنکھوں میں مری بیٹھی ہر — سارے عالم سے مجھے بیخبری رہتی ہے
دور میں تیرے زبس خون کا بازار ہے گرم — اک مثالِ نقش ترے گھر میں دھری رہتی ہے
کس طرح بھولے نہ تمکین بھلا دنیا و دین — اسکو ہر وقت میاں یاد تری سوجھتی ہے

جو تاب عارض سے تیرے شرما کے قرص مہتاب سحاب میں ہے
قیاس کرنا اسی سے اوپر کہ ماہ پھر کس حساب میں ہے

زباں سے بولا ہوں تو قسم لو وہ آنکھ اٹھا کر میں اسکو دیکھا
نہیں یہ معلوم کیا سبب ہے جو آپہی آپ ہی عتاب میں ہے

نقاب اُٹھاؤ نہ رو دکھاؤ نہ حال پوچھو نہ پاس آؤ
تمھارے ہاتوں سے اندنوں تو بچارا تمکیں عذاب میں ہے

غیر سے یہ اختلاط اور ہم سے خالی پیار واہ	بس ہوئی معلوم ہمکو قدر دانی آپکی

تمکین۔ میر سعادت علی تمکین۔ انکا اصلی وطن پٹنہ تھا مگر یہ خود غدر سے کئی سال پیشتر دہلی آرہے تھی اس وقت آپ کی عمر پچاس برس سے اوپر تھی طبیعت میں ظرافت اور کلام میں شوخی پائی جاتی ہے۔ زبان بھی صاف ہے یہ انکا کلام ہے۔

درد و غم رنج و اضطراب و قلق	حال سیجے بیان تو کس کس کا
کان دکھ کر بات غیروں کی سنا کرتے ہو تم	کاش کہ ہم بھی ہوتے بلتے صورت آشنا
گرنشہ ہے بھی نگہ میں تری تو	مے کی پینے کی احتیاج نہیں
نام تمکیں ہوا تو کیا ہمدم	راتدن بیقرار رہتا ہوں
مہر والفت کا ثمر ہے مہر والفت دہر میں	پر محبت سے مری تم اور دشمن ہوگئے

پنڈت بخت مل خلف الصدق پنڈت لچھمی رام صاحب فدا۔ دہلی کے رہنے والے تھے جو کچھ کہتے تھے اپنے والد بزرگوار کو دکھا لیتے تھے ۱۸۴۸ء میں زندہ تھی یہ تین اشعار انکے ہیں۔

مشتاق قدم بوسی ہے ہر خار بیاباں	لائی ہے ولا یہ تری شوریدہ سری رنگ
نہ سخت جگر گر سد راہ اشک آنکھوں میں	توڑ دیں طائران سدرہ تا منقار پانی میں
عجب ہے کافر وہ کیٹلی نظر آئیں آنکھیں	ہم نے ہرگز نہ کسی بت سے ملائیں آنکھیں

تمکین۔ محمد یوسف تمکین دہلوی۔ دہلی کے سرکاری مدرسہ میں تعلیم پائی تھی صاحب طبع مستقیم و ذہن سلیم شوخ مزاج ظریف تھے ۱۲۶۳ھ میں مدرسی کی تحصیل سے فارغ ہوکر سند تکمیل فارسی و خوش اطواری حاصل کی۔ مذاق سخن اچھا تھا۔ انتخاباً چند شعر درج ذیل ہیں۔

تھا دم لبوں پہ اور کبھی لب پہ آہ تھی	فرقت کی رات کیا مری حالت تباہ تھی

دوزخ بھی جس سے مانگتا ہر دم پناہ تھا
ہوتے ہی شام دامِ الم میں میں پھنس گیا
خانہ خراب ہو جو ترا عشق بےحیا
تو نے جو میرے دلکو صنم خانہ کر دیا
محشر میں کیونکہ جلوۂ دیدار دیکھتا
تمکین کو ایک نگاہ میں دیوانہ کر دیا

قطعہ

کس دل جلے کی یارب خدایا یہ آہ تھی
تھی شام یا خدا کہ وہ زلفِ سیاہ تھی
آئین کونسا تھا یہ کیا رسم و راہ تھی
رہتا خدا تھا جس میں یہ وہ بارگاہ تھی
آنکھوں کے سامنے تری زلفِ سیاہ تھی
جادو فریب آہ یہ کس کی نگاہ تھی

تمکین۔ مولوی غلام بتول خاں صدر امین ضلع بیربھوم خلف مولوی غلام رسول خاں بہادر متخلص بہ تحسین صدر الصدور ڈھاکہ۔ ضلع سیدنی پور کے رہنے والے بڑے ظریف شخص تھے۔ پیشتر ریختی کہتے تھے۔ مولانا نساخ صاحب سخن شعرا کے دوستوں میں تھے۔ اور خاصہ کہہ لیتے تھے سنہ ۱۲۸۸ھ میں انتقال کیا۔ یہ اشعار اُن کے ہیں۔

لن ترانی کے سوا اسکی زباں پر کچھ نہیں
اس ستمگر نے سنا ہے جب سے قصہ طور کا

کوے جاناں کم نہیں کعبے سے عاشق کیلئے
دیدِ حق سے کم نہیں دیدِ رخِ نیکوے دوست

لاف کرتی ہے اب اُس چشم سے بیجا نرگس
کہئے اُن آنکھوں کے آگے ہے بھلا کیا نرگس

مہرباں ہمپہ بھی ہے اور جفا کار بھی ہے
لطف اور پیار بھی ہے قصہ و تکرار بھی ہے

تمکین۔ محمد حسن نام تمکین تخلص ولد حکیم مولوی عظیم اللہ صاحب رئیس۔ مولد و مسکن قصبہ بچھراؤں ضلع مراد آباد۔ بڑے خوش مزاج اور لطیفہ سنج آدمی ہیں عمر ۴۰ سال سے کم ہے۔ مولوی نجم الدین صاحب برق مراد آبادی سے تلمذ ہے۔ ایک زمانے میں ان کو شاعری کا بہت شوق تھا ہر وقت شعر و سخن کے جلسے رہتے تھے۔ اب صدمات و علایق دنیوی کے سبب سے اس طرف توجہ کم ہو گئی ہے۔ اور شعر کہنا بھی چھوڑ دیا ہے۔ دو تین سال ہوئے ریاست رامپور میں ملازم تھے۔ مگر نوکری چھوڑ کر وطن چلے آئے اور زمینداری کا شغل رکھتے ہیں۔ آپ کے کلام میں سے چند اشعار بطور نمونہ پیشکش ہیں۔

تمھارا ذکر کیا تھا تم جو بگڑے — کہیں کی بات تھی قصّہ کہیں کا

دوستی میں تری دشمن ہی زمانہ اپنا — آفتِ جان ہوا دل کا لگانا اپنا

اپنی قسمت سے بدلاؤں میں قسمت کسکی — چھین کر دوں دلِ مضطر تجھے راحت کسکی

آپ بھی جاتے ہیں اور جان بھی جاتی ہے ابھی — سخت مشکل میں ہوں پہلے کروں رخصت کسکی

یہی اندازِ ستم اوس نے نیا رکھا ہے — غیر کو میرے جلانے کو بٹھا رکھا ہے

تمکین۔ منشی فضل حق تمکین دہلوی باشندۂ گلی قبر دہلی۔ کاپی نویسی کرتے تھے اور ۱۸۷۴ء میں حیات سے تھے زیادہ حال معلوم نہ ہوسکا۔ یہ آپ کا کلام ہے۔

بامِ پر شب جلوہ گر وہ غیرتِ مہتاب تھا — دیکھ کر اسکو قمر مثلِ کتاں بیتاب تھا

جب تصور میں ترے رویا میں آیا وقتِ لب — اشک جو آنکھوں سے ٹپکا گوہرِ نایاب تھا

ہستی ہے اپنی تو تیرا وصل اے دریائے حسن — دل تڑپتا ہجر میں جوں ماہیٔ بے آب تھا

میں ترا یاد ہے اے جانِ من ربطِ قدیم — تجھکو لیلیٰ کہتے تھے مجنوں مرا القاب تھا

دین و ایماں صبر و طاقت کھو دیا سب عشق میں — کلبۂ تمکین میں یار و بس یہی اسباب تھا

جو صحرا کو ہم نکلے جوشِ جنوں میں — تو کانٹوں کو لیتے قدم دیکھتے ہیں

کہا میں نے یہ اس سے کہ ماہ لقا سُنا تو نے عدو کا تو وے گلہ

وے میرے فسانۂ غم کو ذرا کبھی کان لگا کے سُنا ہی نہیں

تمنّا۔ محمد اسحاق خاں مرحوم تمنّا۔ متوطن گجرات۔ احسن اللہ خان بیان مختار کار سرکار مرزا شگفتہ بخت مقیم بنارس کے ہم زلف تھے۔ بڑے عاشق مزاج اور آزاد منش آدمی تھے ہمیشہ نازنینانِ پری چہرہ کی صحبت میں رہتے تھے۔ عالمِ شباب میں انتقال کیا۔ یہ کلام کا خلاصہ ہے۔

جس کے غم میں ہم کبھی آرام سے واقف نہیں — کیا غضب ہے وہ ہمارے نام سے واقف نہیں

شبِ فراق کی سختی تمام کٹ جاوے — جو صبح تو مرے آ کر گلے لپٹ جاوے

اپنی تو یہ صورت ہے کہ جوں بلبلِ تصویر
تڑپ رہا ہے کوئی خستہ جاں ہیں کسکے تلے
پرواز کی طاقت نہیں اور پاس چمن[^1] ہے
اُسے کٹے ہے زلزلہ جوہرِ زباں ہیں کسکے تلے

تمنّا۔ جمیل الدین تمنّا متوطن شیخ پورہ من محالات ضلع فرخ آباد و شاگردان رشید نظام الدین ممنون۔ جوان وجیہہ۔ جمیل نجیب۔ خوش اخلاق یہ آپکا کلام ہے۔

محو صید مرغ دل از بس وہ صیدانداز ہے
پنجہ مژگان جسکا چنگلِ شہباز ہے۔
پابگل حیرت سے ہے سروِ گلستاں راست کہ
کس قیامت قد کا یاں قمری خرام ناز ہے
نہ اُٹھا۔ گو چلا آیا منہ میں پانی اُسکے شبنم سے
ہوا بیہوش یہاں تک دیکھکر غنچہ دہن تیرا

تمنّا۔ امیرالاشان نواب سید علی حسین خاں تمنّا عرف نواب دولہ بہادر خلف میر حسین علی رضوی۔ نسب میں عالی قدر اور نواب معتمد الدولہ بہادر وزیر اودہ کے حقیقی خواہرزادہ اور داماد تھے اونہیں کے ہمراہ لکھنؤ سے کانپور تشریف لائے اور یہیں بود و باش اختیار کی۔ شیخ امام بخش ناسخ سے تلمذ تھا۔ اِنکے پوتے کا بیان ہے کہ صاحبِ دیوان تھے۔ اور قصیدوں میں ذوق اور سودا کا انداز ہے۔ ۲۷ صفر ۱۲۸۲ھ چہتر برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ راقم کی نظر سے چند غزلیں گذریں اُنکا انتخاب درج تذکرہ کیا جاتا ہے۔

ساتھ دیتا ہے کون پیری میں
گوشت نے استخواں کو چھوڑ دیا
یارب بُرا ہو پیرئے خانہ خراب کا
محتاج بال بال ہوا ہے خضاب کا
تا حشر اب نہوگی ملاقات آپ سے
رخصت ہوا یہ کہہ کے زمانہ شباب کا

کیا اثر تھا جذبۂ دل میں کہ بعدِ قتل بھی
تیر سینے سے اگر نکلا تو پیکاں چھوڑ کر
تمنّا ہے یہی موقع جنکے وہ ذبح کرتے ہیں
بڑھا کر ہاتھ دونوں ڈالدے قاتل کی گردن میں
حشر تک روئیں گے احباب تمنّا مجکو
یاد آئے گی جو آشفتہ بیانی میری

[^1]: یہ شعر حالت نزع میں کہا تھا ۱۲

حضرت نوح بھی گھبرا کے دعائیں کرتے	دیکھ لیتے جو کبھی اشک فشانی میری
آیا جو وہ مسیح نفس بہر فاتحہ	قالب میں جان پڑ گئی خشت مزار کے

تمنّا- منشی مسیح الدین باشندۂ کلکتہ- منشی امیر مرحوم کے نواسے اور حضرت وحشت کے شاگردوں میں سے تھے ۱۳۰۷ ہجری میں نواح کلکتے میں مختاری کرتے تھے- یہ اُنکے اشعار ہیں-

گر لپٹتا تو کبھی خواب میں مصحف رو	تن عریاں پہ مرے جامۂ قرآں ہوتا
جب وہ مہتابی پہ رخسار دکھا دیتے ہیں	چرخ پر ماہ کو خورشید بنا دیتے ہیں
وصوئے مہندی لب دریا تو اگر ہاتوں سے	جلے ماہی ہو سمندر کا مکان پانی میں
حکم قانون شفائے مرض غم ہے یہی	بوسۂ لب ہو دل بیمار کا درماں ہو وے

تمنّا- کسی خوش فکر باشندۂ لکھنؤ کا تخلص ہے- جو ترتیب تذکرہ سخن شعرا کے وقت مٹیا برج کلکتہ میں واجد علی شاہ کی سرکار میں بسر اوقات کرتے تھے- یہ کلام کا نمونہ ہے-

جو اسطرف سے گذر ہوا ہے تو قبر عاشق بھی آ کے دیکھو
نگاہ حسرت سے گر نہ دیکھو بلا سے تیوری چڑھا کے دیکھو

صبا یہ کہنا خدا بچائے فقط ہیں اب آخری سنبھالے
گذرتے ہیں ناز اُٹھانے والے جو دیکھنا ہے تو آ کے دیکھو

غنودگی بھی ہے کچھ ہچکیاں بھی آتی ہیں	یقین ہے اجل آئیگی آج خواب کے ساتھ

سفر یہ بعرصت ہوا اس جہاں سے کوئی کہے بڑھ کے کارواں سے
قدم اُٹھائے چلو یہاں سے کہ یہ جگہ ہے روا روی کی

کھلے ہیں سب زخم خوں چکیدہ برنگ گلہائے نو رسیدہ
تمام اعضا ہیں گو بُریدہ مگر نہ عادت گئی ہنسی کی

تمنّا- صاحب عالم میرزا غیاث الدین تمنّا گورگانی- خلف شاہزادہ میرزا شمس الدین ابن

حضرت فردوس منزل عالی گوہر محمد جلال الدین شاہ عالم بادشاہ۔ حافظ قطب الدین صاحب شیر کے شاگرد رشید تھے۔ لارڈ لیک نے جو شاہ عالم بادشاہ کی اولاد کیواسطے سات ہزار آٹھ سو روپیہ ماہوار تنخواہ شاہی تنخواہ سے علیحدہ مقرر فرمائی تھی۔ وہ انگریزی خزانہ سے وصول ہو کر آپ کے والد صاحب کے مکان پر تقسیم ہوا کرتی تھی ۱۸۵۷ء کے بعد مرزا صاحب موصوف نے سات ہزار آٹھ سو روپیہ ماہوار سابقہ تنخواہ جاری ہونے کے واسطے بہت کوشش کی لیکن ناکامیاب رہے پھر مجبور ہو کر حج کے لئے تشریف لیگئے ۱۲۳۲ھ میں قلعہ معلی کے اندر پیدا ہوئے اور تہتر برس زندہ رہکر ۱۳۰۵ھ میں حج سے واپسی کے ۱۲ روز بعد دہلی میں انتقال فرمایا۔ حضرت سلطان جی میں باولی کے اوپر اپنے والد بزرگوار کے پہلو میں دفن ہوئے ۱۲۸۰ھ میں انہوں نے ایک منظوم تاریخ لکھی جس کا تاریخی نام وزرا انتخاب ہے اور اس میں کل شاہان خاندان مغلیہ کا حال درج ہے چند اشعار ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ انکی اولاد دہلی میں موجود ہے۔

جو آنکھ چراتے تھے لگے کرنے اشارے ہو ویگی ابھی آہ کی تاثیر ہوئی کیا
تھامے ہوئے دل بیٹھے ہو کیوں آج تمنّا کل دل پہ جو رکھتے تھے وہ تصویر ہوئی کیا
نہیں دردِ دل کے سنانے کی طاقت لبوں کو نہیں ہے ہلانے کی طاقت
بتاؤں کیوں کا حال تمنّا نہ پوچھئے دل لے گیا ہے ایک طرحدار کیا کہیں
قتل منظور ہے تو بسم اللہ آؤ امید وار میں بھی ہوں
یار کی تصویر سے غم مٹ رہا ہے ہجر کا رات دن چھٹتی نہیں تصویر اپنے ہاتھ سے

تمنّا۔ مرزا مغل جان خوشباش آگرہ۔ راجہ بلوان سنگھ معزول راجہ کاشی مقیم آگرہ کے مصاحب تھے۔ وہاں شاعری کا رات دن چرچا رہتا تھا۔ شدہ شدہ یہ بھی شعر کہنے لگے۔ مرزا حاتم علی بیگ مہر لکھنوی سے اصلاح لیا کرتے تھے۔ یہ انکا کلام ہے

بغل میں بیکسی کی ہیں غریب تاب کے شیشے لئے بیٹھے ہیں پہلو کو یہاں بیٹھے ہوئے پہ میں

جامِ سفال پرتوِ مے سے دمک گئے	پرتو سے آفتاب کے ذرے چمک گئے

تمنا

تمنا - منشی رام سہائے تمنا لکھنوی۔ فارسی اردو بھاکھا ہر سہ زبانوں کی تحصیل عالمانہ درجہ کی تھی اور تینوں زبانوں میں طبع آزمائی کرتے تھے طبیعت میں موزونی خداداد ہے۔ منشی تمنا کے بھائی دوارکا پرشاد افق اور منشی ماتا پرشاد ونیاں بھی بڑے صاحب استعداد سخنور اور طبیعت دار آدمی ہیں ۱۵-۱۶ کتابیں ان کی تصنیف سے ہیں ابتدائے ملازمت سے سررشتہ تعلیم میں منسلک ہیں۔ مدتوں اودہ میں ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس رہے اکثر اطراف ہند کی سیر کی ہے۔ ریاستوں میں بہت پھرے ہیں۔ ان کی تصانیف سے افضل التواریخ شاہانِ اودھ کے حالات میں قابلِ ذکر ہے۔ ایک غزل ملی اُس میں سے چند شعر حاضر ہیں۔

بتوں سے ہم دِل لگا چکے ہیں سب اُن کی سختی اُٹھا چکے ہیں
ہم آپ خود کو مٹا چکے ہیں کہ سِل پہ شیشہ گرا چکے ہیں

خمارِ دیرینہ جوش پر ہے پلا دے مے ساقیا کدھر ہے
ہماری بھی کچھ تجھے خبر ہے کہ ہم بھی محفل میں آ چکے ہیں

وہ جانِ جاں ہیں تو ہم ہیں بیجاں وہ شاہِ خوباں ہم اُن پہ قرباں
اگر ہے ہیں وہ تیغِ بُرّاں تو ہم بھی گردن جھکا چکے ہیں

عجیب دنیا کا حال دیکھا کمال ہی کو زوال دیکھا
اُنھیں کو اب پُر ملال دیکھا جو لطف و راحت اُٹھا چکے ہیں

جو عشق بازی میں ہم ہیں یکتا وہ حسن میں فرد ہیں تمنا
اُنھوں نے ہمکو بھی آزمایا ہم اُن کو بھی آزما چکے ہیں

تمنا - مولوی محمد حسین تمنا باشندۂ مرادآباد ۱۸۹۷ء میں دیوان شایع کیا تھا معمولی شاعر ہیں۔ یہ کلام کا لُبِ لُباب ہے۔

منکرِ وحدتِ حق تو نہوا سے کافر کیش ۔۔۔ نقشِ توحید ہے عالم تری یکتائی کا
جوشِ الفت نے بڑے دھوکے میں رکھا عمر بھر ۔۔۔ ہم یگانہ جانتے تھے جسکو وہ بیگانہ تھا

پھنسا قیدِ عشق میں جب سے دل مجھے ہر بلا سے چھٹا دیا
نہیں بھاتی اب مجھے کچھ غذا تیرے غم نے ایسا مزا دیا

قدرِ الفت کی نہ کچھ دلبرِ پُرفن سمجھا ۔۔۔ سینے کی دوستی اور وہ مجھے دشمن سمجھا
یہ مرض تھا عین صحت جو طبیب یار ہوتا ۔۔۔ مجھے غم ہی جو زمی تھا جو وہ غمگسار ہوتا
ہوئے ہیں آپ جو بیگانہ آشنا ہو کر ۔۔۔ بتائیے کہ بنے درد کیوں دوا ہو کر
شغل ہوگا دلِ پُرشور کے بہلانے کو ۔۔۔ پابزنجیر کرو زلف کے دیوانے کو
گو سو طرح کے رنج و بلا میں پھنسا رہے ۔۔۔ دل کا یہی مزا ہے کہیں مبتلا رہے

تمنا

تمنا ۔ مولوی سید احمد حسین صاحب تمنا ۔ شاگرد حضرت داغ دہلوی ۔ باوجود کوشش حالات دستیاب نہیں ہوئے ۔ اب کلام ملاحظہ ہو ۔

یارب شبِ فراق کٹے تیغِ ناز سے ۔۔۔ قسمت میں اُسکے لکھدے گلا بیگناہ کا
سرگرم چشمِ ناز نہیں چشمِ سرمہ گیں ۔۔۔ جادو جگا رہی ہے فسونِ نگاہ کا
کجبازیئے فلک کا تماشا دکھائیگا ۔۔۔ گھونگھٹ میں بانکپن تری ترچھی نگاہ کا
دارِ جزا میں بھی وہ طلب ہو بروزِ حشر ۔۔۔ جس زندگی نے ساتھ دیا ہے نگاہ کا
کشتِ امید غیر ہے پژمردہ دیکھ لے ۔۔۔ ظالم بڑا اثر ہے تمنا کی آہ کا

تمنا

تمنا ۔ منشی جمیدی لال صاحب کاکوروی تلمذ جناب مولانا سید طاہر علی فرخ آبادی سررشتہ تعلیم میں عرصے سے ملازم ہیں ۔ طبیعت شوخ اور اس فن کے مناسب پائی ہے علمی استعداد بھی خاصی ہے ۔ ۴۲ ۔ ۴۳ برس کی عمر ہے اپنے اُستاد کے باعقیدت تلامذہ میں ہیں یہ کلام کا نمونہ ہے ۔

کٹ گیا سروِ چمن جب قدِ جاناں دیکھا ۔۔۔ جل گیا مہرِ فلک جب رخِ تاباں دیکھا

پھنس گیا دامِ مصیبت میں نہ مانا کہنا
اپنی تلوار کے صدقے میں دیا خلعتِ سرخ
بول اٹھی قبر کہ کس طرح سمائی ہوگی
مٹے ہوؤں کو مٹاتا رہا تو اے گردوں
لکھی اگر تھی نصیبوں میں میرے پامالی
یہ سرکشی کا نتیجہ تھا باغِ عالم میں
شبِ فراق میں کہتا ہے درد اٹھ اٹھ کر
جھیلے کوئی کب تک یہ بلا غمِ شبِ فرقت
مرنا یہ ہمیشہ کی ہے وہ چار پہر کی
سن سن کے جو گھبرائے محبت کا فسانہ
رُندھا ہے مرے دل سے تصور بھی تمہارا
یہی حسرت ہے دمِ نزع کہ آئے کوئی
سوزشِ دل نہ ہوئی کم تو کہا اشکوں نے
وہ باتیں کب سنیں گے واعظوں کی
چھٹائے گا زمینِ کوئے جاناں
یہ کیا ستم ہے کہ آتا نہیں تمھیں کو رحم
چھپاؤں کیا جگر و دل کو تیرِ قاتل سے
جو دل جلاتے ہیں سکتے نہیں ہیں دل کا حال
لگا کر سینہ و دل پر خدنگِ ناز وہ بولے
کہاں سے آئی ہے اشکو تمہیں خون کی سرخی
چھپا کے ہم سے یہ باتیں الگ الگ کرنا

عشقِ گیسو کا ثمر اے دلِ ناداں دیکھا
مجھکو جلاد نے مقتل میں جو عریاں دیکھا
ساتھ میرے جو ہجومِ غم و حرماں دیکھا
ستم نیا کوئی دشمن کی جان پر نہ کیا
خدا نے کس لیے اس بت کا سنگِ در نہ کیا
خدا نے سرو کو دنیا میں با ثمر نہ کیا
یہی مزا ہے حسینوں کی آشنائی کا
کٹے ہو یہ بکھیڑا جو چھٹے دم شبِ فرقت
بہتر ہے شبِ وصل سے تا ہم شبِ فرقت
کیوں اس سے کہیں قصۂ غم ہم شبِ فرقت
سینے میں رکے کیونکر ہو خفا دم شبِ فرقت
آخری وقت ہے دیدار دکھائے کوئی
آگ بھڑکی ہوئی کس طرح بجھائے کوئی
جو بیعت رکھتے ہیں پیرِ مغاں کی
نہ تھی امید ایسی آسماں سے
اجل بھی روتی ہے بیمارِ خستہ جاں کیلئے
کہ جان تک مری حاضر ہے میہماں کیلئے
مثالِ شمع کے کافی ہے روزواں کیلئے
تمہاری حسرتوں کی اب صفائی ہوتی جاتی ہے
ہوئی نہیں جو تمنائے دل لہو میری
ملیں کبھی تو اُن سے ہے گفتگو میری

بتوں کا ظلم یہاں تک ہیں ہم اٹھائے ہوئے
کہ دل تو دل ہے جگر بھی ہے چوٹ کھائے ہوئے

سمجھ لیا ہے جو ترچھی نگاہ کا بسمل
ادا سے اور وہ بیٹھے ہیں سر جھکائے ہوئے

وفا جو آج ہی وعدہ کرو تو کیا ہو جائے
یہ کوئی فرض ہے محشر ہی جب بپا ہو جائے

وہ کہتے ہیں کہ ہمیں دل کوئی ملے ایسا
کہ جسکو پیسیں تو پستے ہی وہ حنا ہو جائے

تمنّا

تمنّا - شیخ محمود تمنّا باشندہ سورت بمبئی حضرت داغ دہلوی کے تلامذہ میں سے تھے شعر اچھا کہتے تھے طبیعت میں شوخی خداداد ہے۔ بندش و زبان بھی خاصی ہے سنا ہے کہ سنہ ۱۹۰۴ء میں انتقال کر گئے۔

غیر کہتے ہیں کہ ہم آپ پہ دم دیتے ہیں
ہیں یہ سب کہنے کی باتیں تمہیں دم دیتے ہیں

دام گیسو میں نہ ہمکو قید کر
ہم تو بندے ہیں ترے بے دام کے

آہ میں اسواسطے کرتا نہیں
رہ نہ جاؤ تم کلیجہ تھام کے

جنابِ شیخ رندوں سے عبث ہر دم الجھتے ہیں
کسی دن دیکھنا اِن کی بُری گت ہونیوالی ہے

وہ کس واسطے صاف ہوتے نہ مجھ سے
رقیبوں کا حال آئینہ ہو رہا ہے

بمروت بے وفا بیداد گر
نام کیا کیا آپ نے پیدا کئے

تمنّا

تمنّا - منشی محمد سعید الدین صدیقی پیشکار صدر نظامت ٹونک مولانا ظہیر کے تلامذہ سے ہیں۔ روہتک کے رہنے والے ہیں۔ علمی استعداد اوسط درجے کی ہے۔ یہ چند شعر ان کے ہیں۔

مہرباں جس پہ ہوئے دشنام سے کھولی زباں
یہ ادائیں ہیں ادا تم نئی ایجاد کی

لوٹنے والے بہت ہیں نوجوانی کی بہار
بات کیوں پوچھو گے اب اس عاشقِ ناشاد کی

برچھیاں پڑتی ہیں پیہم متصل پڑتے ہیں تیر
خوب دعوت ہو رہی ہے اس دلِ ناشاد کی

تمنّا - سید شاہ نور الدین حسین خلف سید شاہ ظہور الدین حسین مرحوم۔ سید شاہ عطا حسین فانی مرحوم ان کے نانا تھے۔ وطن اصلی عظیم آباد پٹنہ ہے۔ اب گیا میں سکونت ہے۔ سنہ ۱۲۸۱ھ

میں پیدا ہوئے اور اپنی نانہال میں تعلیم و تربیت پائی، انگریزی اُردو فارسی جانتے ہیں۔ چند سال سرکار انگریزی کی ملازمت بھی کی ہے۔ حضرت اکبر ابو العلائی دانا پوری آپ کے پھوپھا ہیں اور اُنہیں سے مشورہ سخن بھی ہے۔ یہ کلام ہے۔

ہوگئی ضعف سے ان روزوں وہ حالت میری
ناتوانی بھی کھڑی تکتی ہے صورت میری

آئے نظر جمالِ حقیقت مجاز میں
اُٹھیں جو اپنی آنکھوں سے پردے حجاب کے

وہ شہسوار معرکۂ عاشقی ہیں ہم
لیتے ہیں کام ابلق لیل و نہار سے

تمیز۔ منشی کالی رائے تمیز۔ ابن لالہ دیبی پرشاد عزیز متوطن فتح گڈھ۔

آمد یہ صحنِ باغ میں کس گلبدن کی ہے
جو روح باغ باغ نسیمِ چمن کی ہے

اچھے وہ ہیں جو مر کے تیری خاکِ راہ ہوں
مٹی خراب طالبِ گور و کفن کی ہے

تمیز۔ سید اکبر علی صاحب تمیز۔ بریلوی شاگرد نواب عاشور علی خانصاحب بہادر مرحوم لکھنوی ۱۲۷۸ء ہجری کے گلدستہ شعرار لکھنو اور بریلی کے رسالونمیں ان کی غزلیں نظر سے گذریں۔ کلام بامزا اور دلنشیں ہے۔ مضمون آفرینی کے ساتھ ساتھ بندش اور زبان لایقِ تعریف ہیں۔ مشّاق بھی معلوم ہوتے ہیں۔ کیوں نہو۔ آخر ایک مشہور سخن سنج اور سخن فہم سے فیض پایا تھا۔ یہ اُن کے کلام بہم رسیدہ کا انتخاب ہے۔ ۲۰ برس کے قریب گذرے انتقال فرمایا۔

آفتابِ حشر کی گرمی سے اُسکو خوف کیا
ہوگیا جو دفن اُسکے سایۂ دیوار میں

دم نہیں باقی ہے چشمِ طالبِ دیدار میں
ہے ضیاء طور کس کے شعلۂ رخسار میں

دیدہ کو انصاف سے دیکھے اگر اوجِ زمیں
خاک ہوکر آسماں رہجائے کوئے یار میں

ناتواں ہوں زلف چھو لینے کی یہ تعزیر ہو
سایۂ گیسو کی میرے پاؤں میں زنجیر ہو

جان دیکر مول لیں ایسی اگر تصویر ہو
میری گردن خم ہو اُن کے ہاتھ میں شمشیر ہو

یا خدا اُسکو بدل دینا تو ظلم و جور سے
رحم جو قاتل کے دلمیں کچھ دمِ تکبیر ہو

منہ میں لیتا ہے زبانِ شمع کو ہر مساس / کیوں نہ عیاشوں کی صورت عادتِ گلگیر ہو

جتنی گردن کی گئیں ہیں جان بنجائیں اگر / یوں تو شاید قیدِ مرغ جوہرِ شمشیر ہو

ملے بتوں سے مگر خوفِ کردگار رہے / وہ آدمی ہے جو غفلت میں ہوشیار رہے

ہوں دل میں زخم جگر میرا داغدار رہے / اسی روش سے شگفتہ یہ لالہ زار رہے

فراقِ یار میں ایسا نحیف و زار رہے / کہ نوکِ خار کے دل میں بھی ایک خار رہے

کمر کے عشق نے ایسا کیا تھا کاہیدہ / کہ بعدِ مرگ نہ ہم قابلِ مزار رہے

نہ میری لاش کو عریاں کبھی فلک دیکھے / اسی طرح سے پڑی چادرِ غبار رہے

چمن میں کھیلیگا ہولی کل آکے وہ قاتل / صُراحیوں میں گلوں کی مے بہار رہے

ہوا کے دیکھنے کا اب فقط بہانا ہے / ہمیشہ میرا اُڑاتے یوں ہی غبار رہے

جنابِ دل بھی عجب چیز ہے تعالیٰ اللہ / ہمیشہ حسرتِ مردہ کا یہ مزار رہے

بتوں کے حکم کی تعمیل کب ہوئی ہمسے / ستم یہ ہے کہ خدا سے بھی شرمسار رہے

ہماری کیا ہے حقیقت کہ ہیں ذلیل و حقیر / رگڑتے سر تری چوکھٹ پہ تاجدار رہے

وہ بیوفا ہیں یہ گل عمر بھر نہ پوچھیں بات / کروڑ جانسے صدقے اگر ہزار رہے

نصیبِ وصل رہا ایک حور کا جب تک / تمیزؔ ہاتھ میں دو خلد کے انار رہے

بڑھ کے ہے جرم گنہگار سے رحمت کسکی / حشر میں صاف نہ کہدونگا خدا سے پہلے

تمیز

تمیز۔ منشی غلام احمد تمیزؔ۔ نواب مرزا خانصاحب داغؔ دہلوی کے شاگرد اور رامپور کے رہنے والے تھے۔ مدت سے ریاستِ حیدرآباد میں کسی محکمہ میں ملازم تھے۔ طبیعت کو شاعری سے ایک خاص لگاؤ ہے۔ چلبلی طبیعت اور شوخ زبان پائی ہے۔ مذاق شستہ ہے۔ اُستاد کے رنگ کا تتبع کرتے ہیں۔ زیادہ حال معلوم نہو سکا۔ صرف اتنا معلوم ہے کہ سنہ ۱۲۹۰ ہجری میں ۴۳ برس کی عمر تھی۔ یہ اُنکا کلام ہے۔

لو لو بتو تمیز ہے بیچارہ بے وطن / اللہ کے سوا نہیں کوئی غریب کا

گالیاں کھانے کا لپکا بھی بُرا ہوتا ہے
لوگ کس طرح سے کرتے ہیں خدا کو راضی
کوئی آئے کوئی جائے کچھ کسی سے ضد نہیں
اے قیامت تو تو ہے فتنے اٹھانے کیلئے
نذر دینے جو گیا میں دلِ شیدا لے کر
رہ گیا تھام کے ہاتھوں سے کلیجا اپنا
شکوۂ جور و جفا پر مجھے فرماتے ہیں
اُن کے آنے کی خوشی میں میں ہوا شادی مرگ
اچھے منصف ہو کہ بے خواب میں بوسہ کوئی
تم پہ قربان یہی لفظ ہیں قیمت دِل کی
شرم آتی ہے مجھے اسلئے مرنے سے تمیز
مقتل میں بعد قتل بھی ہے قتل کی ہوس
سامنے اُس نے بلایا مجھے بہر تعذیر
وصل میں ہجر کا غم ہجر میں ملنے کی امید
جسکے اوصاف بتاں طنز سے فرماتے ہیں
ہجر کی رات بری روز وصال اچھا ہے
کھول کر گور میں منہ کو مرے فرماتے ہیں

ہمنے کل آپ سے چھیڑا جو خفا یار نہ تھا
مجھ سے تو اک بُتِ کافر بھی منایا نہ گیا
سب ہے فقط میرا ہی دشمن پاسبانِ کوئے دوست
تجھسے اُٹھنے کے نہیں افتادگانِ کوئے دوست
بوسے بس جاؤ بھی تم آئے ہو یہ کیا لیکر
جس حسیں سے نے تری تصویر کو دیکھا لے کر
جاؤ بھی آئے ہو کیا مفت کا جھگڑا لے کر
آئے تھے موت کو ہمراہ مسیحا لے کر
اور بدنام کرو نام ہمارا لے کر
پھر اُسی ناز سے کہ ذکر کریں کیا لے کر
جاؤں کیا پیش خدا بُت کی تمنا لے کر
پھرتی ہے روح یار کے خنجر کے آس پاس
کام آئیں تو کچھ آخر کو خطائیں آئیں
کون کہتا ہے جدائی سے وصال اچھا ہے
آپ جائیں وہیں حور و تحا جمال اچھا ہے
بلکہ جس سال میں یہ دن ہے وہ سال اچھا ہے
اب تو آرام سے تو سو ترا حال اچھا ہے

تمیز۔ نواب احمد علی خاں مغفور۔ بہادر گڈھ کی ریاست جو دہلی سے بارہ کوس جانب شمال واقع ہے۔ اِن کے خاندان میں چلی آتی تھی۔ غدر ۵۷ سے چند سال پیشتر نواب امیر علیخاں کی حرکات ناشائستہ کے باعث وہ علاقہ نواب بہادر جنگ خاں کے تحت حکومت میں آ گیا اور کسی قدر بخشش بعد ہو معاش والیان خاندان معزول کی مقرر ہو گئی۔ چنانچہ ان کو بھی وظیفہ

ملتا تھا۔ اُنھوں نے دہلی میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ خلیق اور نیک نہاد شریف زادہ تھے۔ بہ نسبت غزل مرثیہ و سلام کا زیادہ شوق تھا۔ یہ اُن کے کلام کا انتخاب ہے۔

ابتو زمیں یہ بگڑی ہے محشر ہی کیوں نہ ہو — جنبش کرینگے اُن کے نہ پر آستان سے ہم
کس کے رخشِ گرم سے پامال میری خاک ہے — آجتک روئیدگی جو قبر پر ہوتی نہیں
جذبِ دل سے لائیے کسطرح اُسکو کھینچکر — آہ میں تاثیر اپنے اسقدر ہوتی نہیں

تمیز

تمیز۔ منشی تاج الدین حسین تمیز۔ باشندۂ کانپور شاگرد مولانا انعام کانپوری موزوں طبع اور خوش فکر آدمی ہیں۔ کچھ کلام نظر سے گذرا اُسکا انتخاب پیش کش ہے۔

مآلِ ہجر سے آگاہ کردیا تمکو — اب آنے اور نہ آنے کا اختیار رہا
جفا نہ ترک کرو تم وفا نہ چھوڑیں ہم — چلو یہ ہی سہی اب سے یہی قرار رہا
لکھا ہے نور کے خط سے نقابِ روئے تاباں پر — چمکتی ہے تو گرتی ہے یہ بجلی خرمنِ جاں پر
تمیز اچھا اثر ہے عشق میں اُس ماہ پیکر کے — کہ ہر جامہ کتاں بنتا ہے اپنے جسمِ عریاں پر
اے دل نظر کو دیکھ کہاں لئے کہاں گئی — ہمت کو سوجھتی ہے کچھ اِس سے بھی دور کی
یہ کہہ کے اُن کے سامنے دل میں نے رکھدیا — دیکھو تو اسمیں شکل ہے کس رشکِ حور کی

تنویر

تنویر۔ میر کاظم حسین ابن میر اکبر علی مقبل مرثیہ گو۔ فیض آباد کے رہنے والے اور آصف الدولہ بہادر کی سرکار میں وارد تھے۔ جناب رشک لکھنوی کے شاگرد اور صاحبِ دیوان گذرے ہیں یہ اُن کے اشعار ہیں۔

بوسے لوں بلائیں لوں گلے لپٹوں کہ دیکھوں — کُل چار پہر رات ہے ارمان ہزاروں
جل جل کے مرا خرمنِ ہستی نہ کیوں ہو خاک — بجلی گرائی تو نے شرارت کی آنکھ سے

تنویر

تنویر دہلوی۔ سخنور خوش تقریر منشی نوازش حسین خاں تنویر۔ دہلوی خواص حضرت ابو ظفر بہادر شاہ ثانی۔ شعر گوئی میں کہنہ مشاق تھے۔ غدر کے بعد مہاراجہ تہوہ کی ملازمت اختیار کرلی تھی۔ بڑے پُرگو تھے۔ ان کے چار دیوان اِن کے بیٹے عشرت خاں نیر

سے نے چھپوا دیے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ حضرت بہادر شاہ ذوق کی وفات کے بعد ان کو اپنی غزل دکھاتے تھے۔ مگر راقم کے زعم میں یہ دعویٰ پایۂ اعتبار سے ساقط ہے۔ اس بیان کے برعکس تذکرۂ گلستانِ سخن سے پایا جاتا ہے کہ خود اپنے کلام میں بادشاہ سے اصلاح لیا کرتے تھے۔ اور یہ امر قرین قیاس بھی ہے۔ تنویر مرحوم کے شاگردوں میں مہاراجہ تہوہ متخلص بہ تصویر اور پنڈت امرناتھ آشفتہ مشہور ہوئے۔ ۱۲۸۹ھ میں بعمر ساٹھ سال بمقام نیپال انتقال کیا۔ آخر عمر میں دہلی چھوڑ کر وہیں جا بسے تھے۔ یہ اُن کے کلام کا نمونہ ہے۔

ہے مسیحائی کرتی جنبشِ ناز		اُن لبوں سے ہمیں جواب ملا
الٰہی دل کو دیا تھا جو سے نے عشقِ صنم		تو دل یہ مجھ کو دیا اختیار بھی ہوتا
بہلاتی نزاکت نہ اُسے گرمِ رفتار		پامال یہ دل زیرِ قدم ہو ہی چکا تھا
یہ بخانا تھا ہمیں کو آئے گا آزار یہ		سُنتے تھے ہم عشق بھی ہے نام اِک آزار کا
جان کر و لیں سبھی مجھے اپنا مریضِ تپِ غم	ق	کہتا لوگوں سے بظاہر بتِ عیّار ہے کیا
رنگِ رُخ زرد ہے تر چشم ہے لبِ دم سرد		پوچھنا اُس سے کہ اِس شخص کو آزار ہے کیا
توڑے گا سمجھ کے شیشۂ دل		یہ کوئی ساغر و سبو نہ ہوا
لے لیکے توڑتے ہیں یہ یارب پرائے دل		کیوں ایسے نازنینوں کے پتھر بنائے دل
قاصد مرے خط کو جو کرنے دیا نہ چاک		بولے وہ آج تیرے ہی پُرزے اڑائیں ہم
تیغِ نگہ سے وہ لبِ جاں بخش کہتے ہیں		جسکو کرے تو قتل اُسی کو جلائیں ہم
دل کو کیا یار کے پیکان لیے بیٹھے ہیں		صاحبِ خانہ کو مہمان لیے بیٹھے ہیں
جان بھی [illegible] کے کیا چیز ہے اللہ اللہ		دل کو پریوں کے یہ انسان لیے بیٹھے ہیں
[illegible] ناصح کی مجنوں جان تو قابو میں نہیں		دل وہ غارت گرِ ایمان لیے بیٹھے ہیں
[illegible]		تم جان تک بھی مانگو تو ہم سے نہیں نہو

ہلتے ہیں لب نہ ضعف سے اُٹھ سکتے ہاتھ ہیں	کیا کیا شکایتیں ہیں اثر کو دعا کے ساتھ
جو کہا اُسنے وہ کئے ہی بنی	صوفیوں کو بھی مے پئے ہی بنی
نہیں جل کے مرنا مزے سے ہے خالی	کہ پروانہ اُسکا مزہ جانتا ہے
کچھ بھی الفت کی جس میں بو ہوگی	درد آمیز گفتگو ہوگی
کن کا بیمارِ محبت کیا جن کو اللہ	بدشگونی ہے خبر پوچھنی بیماروں کی
عشق بازی سے یہ ہرگز نہ پھرا پر نہ پھرا	آخرش اس دلِ بیتاب کو ہم رو بیٹھے
دل کے بھی مجھ سے کھٹکتے رہے ہر بات پہ وہ	خار نکلا خلشِ خار ابھی باقی ہے
ہیں نیمجاں ہزاروں ہزاروں ہی مر گئے	وہ نیمچہ کا کام نگاہوں سے کر گئے
لیجاؤ تم اسی کو نہ مجھ پر کرو ستم	آیا تو تم پہ یہ دلِ خانہ خراب ہے
داغ دل کو لگا دیا کس نے	یہ شگوفہ کھلا دیا کس نے
آج وہ کچھ رُکے رُکے سے ہیں	عشق میرا جتا دیا کس نے
زخم بھرتا ہی نہیں جس کا کبھو	وہ نگاہِ یار کی تلوار ہے۔
رنگت یہ شوخ ترے ہاتھ کیا لگی	لاکھوں دلوں کو پیس دیا جب حنا لگی
بے خبر جان سے ہے لب پہ ترے شیدائی کی	او مسیحا ہے قسم تجھکو مسیحائی کی

تنویر۔ حاجی سید نظیر حسین تعلقدار اہمانو خلف اکبر داروغہ میر واجد علی تسخیر مرحوم۔ فن سخن میں حضرت حکیم لکھنوی سے استفادہ کیا تھا۔ لکھنؤ کے عمائدین شہر میں شمار ہوتے تھے۔ چند سال ہوئے ۵۰ سال کی عمر میں لکھنؤ میں انتقال کیا۔ شعرگوئی کی طرف رغبت کم تھی۔ دو تین غزلیں بہم پہونچیں ان کا انتخاب درج ہے۔

بوسے کے مانگنے پہ نہ مجرم بنائیے	کیا بات ہے بتائیے اسمیں گناہ کی
سچ تو یہ ہے کچھ نہیں صاحب مرے دل کا قصور	کہہ رہی تھی خود طبیعت تم پہ آنیکے لئے
آتشِ فرقت سے جل اُٹھا جو سینے میں جگر	اشک نکلے آنکھ سے اُسکے بجھانیکے لئے

گناہگارانِ عشق و الفت کی کیوں نہ ہر دم فزوں ہو وحشت
نہیں ہے یہ زلفِ سیاہ اسکی یہ ایک پھانسی لٹک رہی ہے

تنہا ۔ شیخ محمد عیسےٰ تنہا دہلوی شاگرد رشید شیخ غلام ہمدانی مصحفی ۔ اصل اُن کی شرفائے دہلی سے تھی اور وہیں پیدا ہوئے ۔ اپنے وقت کے دیگر باکمالوں کیطرح دہلی کو خیر باد کہکر لکھنؤ میں سکونت اختیار کی اور مصحفی کے ممتاز شاگردوں میں شمار ہوئے ۔ خوش خلقی ۔ سلیم الطبعی اور رنگین مزاجی کے اوصاف کے علاوہ قدامت پرستی اِن کا خاص شیوہ تھا ۔ چنانچہ تمام عمر لکھنؤ میں رہے پھر بھی دہلی کی زبان اور قدیم رنگ نہ چھوڑا ۔ بعض تذکرہ نویسوں کا قول ہے کہ شیخ امام بخش ناسخ لکھنوی اوائل عمر میں اِن سے مشورہ سخن کرتے تھے سنہ ۱۲۲۲ ہجری میں لکھنؤ جاتے تھے کہ راہ میں ڈاکوؤں نے قتل کر ڈالا ۔ ناسخ نے اُن کی وفات کی تاریخ کہی ع

آج تنہا گیا دنیا سے عدم کو تنہا

مصحفی کو اپنے عزیز شاگرد کی وفات کا سخت رنج ہوا ۔ صاحب دیوان گذرے ہیں ۔ اسمیں اکثر مقامات پر قدیم زبان کا تتبع کیا ہے ۔ اور فارسی ترکیبوں کے ترجمے بہت استعمال کئے ہیں ۔ اگرچہ دلدادگان طرز ناسخ و آتش نے انہیں بالکل فراموش کر دیا ۔ مگر اس سے اِن کی مشاقی و استادی میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوتا ۔ مصحفی کے شاگردوں میں آتش کے بعد ان کا نمبر سمجھنا چاہئے ۔ دیوان فارسی کے علاوہ آپ کا کلیات سنہ ۱۲۳۲ ہجری کا لکھا ہوا جس میں ۸۰ صفحہ پر غزلیات کے علاوہ ایک مثنوی ۔ چند مخمس ۔ ۱ ور ۲۵ رباعیاں درج ہیں ۔ راقم کے کتب خانے میں موجود ہے کلام کا انتخاب ملاحظہ ہو ۔

ہو کر جدا وہ سب سے جب ہم سے آملیگا تو
گو قافلے سے یارو تنہا رہا ہے پیچھے

البتہ اپنے دل کو تب کچھ مزا ملے گا
دن تو ابھی بہت ہے کیا ڈر ہے جا ملیگا

مذکور سے چلا تھا شب ہمنشیں کسیکا
جی میں خیال گذرا میرے وہیں کسیکا

تنہا کہیں توقع کس بات کی کسی سے
ہاں سچ تو یہ ہے بھائی کوئی نہیں کسیکا

ناامیدانہ قفس میں کہہ رہی تھی عندلیب
پھر بھی آوے گی مری دیوارِ گلشن زیرپا

زنجیر کی حاجت نہ انھیں قید کی حاجت
الفت تری جن لوگوں کو ہے سلسلۂ پا

ہووے گا کوئی لطف و عنایت کا دوانا
تنہا ہے فقط آپ کی صورت کا دوانا

لے ہاتھ میں ٹک دامن کو اُٹھا۔ ہے یہ بھی کوئی چلنے کی ادا
خاک اسکی تو یوں برباد نہ دے جو راہ میں تیری خاک ہوا

وہ میرا شعلہ خو آتش کا پرکالہ بھبوکا ہے
کہ جسکو دیکھکر ہوتا ہے دل بیتاب آتش کا

لگا دی آگ ساقی نے لنڈھا کر شیشۂ مے کو
بہایا اُسنے شب محفل میں کیا سیلاب آتش کا

پایا نہیں اُسکے تئیں اب آپ میں کوئی
کیا جانئے تنہا نے کدھر دھیان لگایا

تنہا کہوں کیا کیوں مرے اس دلکو لگی چُپ
خاموش مری جان کہ ہے سب سے بھلی چپ

کرنے لگی بلبل کہیں کل گل کا جو شکوہ
ہو تُند وہیں بادِ صبا بول اُٹھی چپ

کِسکا ہے سفر باغ سے گریاں ہے جو شبنم
حیران ہر اک نخل ہے ہر ایک کلی چپ

ان روزوں میں صدمہ ہے یہ کچھ دلکو کہ ہمدم
روتا ہوں میں پہروں جو ہوا ایک گھڑی چپ

ہمسے کرتے ہو عیاں غیروں کی یاری آن کر
رہ گئی ہے آپ کی یہ دوستداری آن کر

غرفے سے دکھا منہ کو چھپا لیتے ہیں جو لوگ
قربان میں اُن لوگوں کے کیا لوگ ہیں وہ لوگ

یہ جی میں ہے کہ یوں تجھ سے اُٹھا دل
نہیں کہنے میں میرے پر مرا دل

ہجومِ عاشقاں تھا اُس گلی میں
یہ کہتا تھا ہر اک ہے ہے مرا دل

کدھر کو جاؤں اور کس سے کہوں ہائے
ابھی پہلو میں تھا میرے مرا دل

خفا رہنے سے کیا حاصل ہے تنہا
نہیں کہنے میں گو تیرے ترا دل

ادھر بھی کبھی دیکھ تو اے جانِ تغافل
گھٹ جائیگی یہ نہ تری شانِ تغافل

کیا اُس سے کہے خاک کوئی حالِ دل اپنا
کر لے نہ کرم پر تو نگہ اے ہمہ الطاف
ہے یہی جی میں کہ لیجے لبِ دلدار سے کام
یہ تو فرمائیے ہم آپ کا کیا لیتے ہیں
دل بھی کیا جنسِ زبوں ہے کہ خریدار اسکے
بازارِ دہر میں ہوں میں وہ جنسِ ناقبول
افسوس کی جگہ ہے یہ تنہا کہ چھٹ گیا
اندنوں چاک ہے پیراہنِ گل اے تنہا
بدنام تاہو تو نے ہے ہمنے تیری خاطر
تم تو فرماتے ہو کہ گھر جاویں
خانہ آباد چھوڑ تیری گلی
چشم تر گورِ غریباں پہ نہ کی
بار لب آتی ہے غارت پہ جو چھوٹی وہ آنکھ
یاد آتے ہیں پھر ہمکو ایامِ گرفتاری
ساقی نے دیا تھا جو معلوم نہیں مجکو
کیوں دام و قفس لادے صیاد اگر سمجھے
نے رنج قفس دیکھا نہ دام کا غم سے نے
جو ہیں ترے زندانی بہتر وہ سمجھتے ہیں
زلفوں سے نے تری جوں توں باندھا ہے آخر
گھبراؤں جو اے تنہا تقدیر یہ کہتی ہے
دیکھ اسکو جو اُڑ جاتے ہیں اوسان ہمارے

رہتا ہو جو مت سر بگریبانِ تغافل
ہر چند گنہگار ہے شایانِ تغافل
کام سے کام ہے ہمکو نہیں تکرار سے کام
آپ بیوجہ جو منہ ہم سے چھپا لیتے ہیں
لیتے ہیں پر اسے سوجائے دکھا لیتے ہیں
جسکو کبھی نہ لیوے خریدار ہاتھ میں
ہاتھ اُسکا آکے میرے کئی بار ہاتھ میں
ہم کوئی اپنے گریبان کو سلا سکتے ہیں
بپتا میاں سبھوں کی سر پر اُٹھائیاں ہیں
ہمکو کہدو کہ ہم کدھر جاویں
ہم کس اُجڑے ہوئے نگر جاویں
ابرِ رحمت اِسے کیا کہتے ہیں۔
شہر کے شہر ہیں جبتک کہ نہ ٹوٹے وہ آنکھ
پھر جوشِ جنوں لایا پیغام گرفتاری
جامِ مئے گلگوں تھا یا جامِ گرفتاری
صیاد کی الفت ہے خود دامِ گرفتاری
کہئے تو ہمیں کہئے ناکام گرفتاری
آرام رہائی ہے آلام گرفتاری
ہر چند یہ دل تڑپا ہنگام گرفتاری
بے صبر نہوا تنا اے خام گرفتاری
نکلیں کہو کس طرح پھر ارمان ہمارے

کیا تجھ سے کہوں جی میں یہ حسرت رہی تنہا
میں جو روٹھا تو منا کر مجھے وہ یوں بولا
حشر میں کس لئے ہمراہ بھٹکتے پھرتے
غیر سے شکوہ مرا بس دیکھی دانائی تری
گرچہ اک عالم پہ ہے بیداد تیرے ہاتھ سے
پھر ہمیں سوئے چمن شوق اسیری لے گیا
نہ حور میں وہ لطافت ہے نے پری پہ ہے
کہا جو ہمنے کہ ہے کیا جواب نہیں آتے
نہ غافل اب ہو بارشاد مصحفی تنہا
ہے جی میں اسکی کاکل پر خم کو دیکھئے
پلکوں کا ہے ارادہ کہ ارجن کو مار ڈال
لیکے سو دم آہ دل سے لب تلک آنے لگی
کچھ شعر پہ موقوف نہیں سنتے ہو تنہا
اب پشیماں ہوں کرے کیا بات مجھ سے ہو گئی

شب آکے وہ پھیرے بھی نہ اک آن ہمارے
کہئے کیا کرتے جو تمکو نہ مناتا کوئی
اپنا منہ ہمسے یہاں گر نہ چھپاتا کوئی
میں ہوا رسوا تو کیا ہو گی نہ رسوائی تری
وہ نگر جو میں کروں فریاد تیرے ہاتھ سے
جب ہوئے صیاد ہم آزاد تیرے ہاتھ سے
عجب طرح کی بہار اندنوں کسی پر ہے
تو بولا وہ کہ یہ موقوف اپنے جی پر ہے
بہ ہوش باش کہ عالم روا روی پر ہے
اس آرزو کو دیکھئے اور ہم کو دیکھئے
اور وہ نگاہ کہتی ہے رستم کو دیکھئے
ناتوانی بھی ہمیں زور اپنا دکھلانے لگی
گر بات بھی کہئے تو بس انسان کے آگے
روبرو غیروں کے کیوں تونے قسم کھائی تری

تنہا - سعد اللہ خاں نام حکیم میر قدرت اللہ خاں کی صحبت میں شوق شعر گوئی کا پیدا ہوا اور کبھی قاسم اور کبھی نثار اللہ فراق سے اصلاح سخن لی۔ افسوس عالم جوانی میں اس دار فانی سے رحلت کی یہ دو شعر ان کے یادگار ہیں۔

دم بدم پیارے ترے عاشق کا عالم اور ہے
مت کوئی ہووے گریبان گیر قاتل کا مرے

دیکھ لے دیکھ تو اسکو وہ کوئی دم اور ہے
قتل کا اپنے نہیں ہمدم مجھے غم اور ہے

تنہا - شیخ عوض علی تنہا۔ سپاہی پیشہ اور آزاد آدمی تھے۔ طبیعت ظریف پائی تھی۔ زیادہ حال معلوم نہیں۔ یہ ان کا کلام ہے۔

کیا بلا پھونکی ہے سوزِ عشق سینے میں مرے	آہ کا شعلہ جو نکلے ہے سو آتش بار ہے
اِن بتوں کو کیا ادا تو نے عنایت کی خدا	جو نگہ ترچھی پڑی برچھی سی دل کے پار ہے
تھا یہی پیغام وقتِ نزع تنہا یار سے	اب قیامت پر ہمارا وعدۂ دیدار ہے

تنہا

تنہا - منشی سید کفایت علی خلف میر الٰہی بخش صاحب باشندہ میرٹھ - لیاقت خداداد میں یگانۂ دہر و فرید عصر تھے - فارسی سے خوب ماہر تھے - عربی سے بھی ناواقف نہ تھے اشعار آنجناب کی انتہائی لیاقت کا نمونہ ہیں - ابتدائی عمر سے نوکری کے سلسلہ میں ڈگری اول محکمہ انسداد ٹھگی و ڈکیتی یعنی گیہرائی کے محافظ دفتر و میر منشی بارہ برس تک رہے - بعد میں پنجاب میں ضلع کے سررشتہ دار رہے پھر دہلی میں ۱۸۶۲ء سے ۱۸۶۹ء تک میر منشی و سپرنٹنڈنٹ کمشنری رہے - ۳۲ سال کی ملازمت کے بعد ۱۸۶۹ء میں پنشن لی یکم اکتوبر ۱۸۶۹ء کو انتقال فرمایا - مرزا حاتم علی بیگ مہر سے اصلاح لیا کرتے تھے اِن کے بڑے صاحبزادے منشی احمد حسین فرقانی فارسی کے زبردست ادیب گذرے ہیں - منشی کرار حسین روحانی اِن کے پوتے فی الحال کمشنری الٰہ آباد میں سررشتہ دار ہیں - جناب تنہا کے کلام میں پختگی و متانت غضب کی ہے - اور تلاش مضمون بھی اچھی ہے - اور شوخی بقدر اعتدال کلام سے ٹپکتی ہے - کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو -

غم نہیں اپنے دم نکلنے کا	خوف ہے اُنکے جی دہلنے کا
دو نو مانوس ہیں یہ آپس میں	دِل سے پیکاں نہیں نکلنے کا

خدنگِ نازِ ستمگر جو میہماں ہوتا	ہر ایک عضوِ بدن اپنا میزباں ہوتا
بہار میں جو خیالِ غمِ خزاں ہوتا	تو شاخِ گل پہ نہ بلبل کا آشیاں ہوتا
سبک روانِ عدم کتنے جلد چلتے ہیں	زمیں پہ نقشِ قدم کا نہیں نشاں ہوتا
بہشت و حور کو بھولے سے بھی نہ کرتا یاد	جو کوئے یار میں زاہد ترا مکاں ہوتا
کعبہ کی راہ چھوڑ کے بُتخانے کدھر گیا	نیت کہاں کی باندھی تھی تنہا کہاں گیا

کہتے ہیں تیرا قامتِ پُر نور دیکھکر
طوبےٰ تو ہے پہ سایۂ طوبیٰ کدھر گیا

اسکو بھی کیا تمھاری کمر کی تلاش ہے
مدت سے کچھ خبر نہیں عنقا کدھر گیا

مدت ہوئی کہ تاب و تواں کوچ کر گئے
باقی ہے دم وہ شام گیا یا سحر گیا

دولت شبِ وصال کی سب خاک ہوگئی
وقتِ سحر جو پاس سے وہ سیمبر گیا

قربان ایسی مرگ پہ کیجے حیات کو
نعشِ شہیدِ ناز پہ وہ نوحہ گر گیا

تنہا پہ بعد مرگ برستی ہے بیکسی
گریاں کب اسکی قبر پہ بھی ابرِ تر گیا

کر شکر جور و ظلم کا غمزہ کی تاب لا
شکوہ نہ لب پہ اے دلِ خانہ خراب لا

شب محتسب سے نشہ میں ہر رندِ میکدہ
بولا شراب لا کوئی بولا کباب لا

باراں سے جوشِ رحمتِ حق آشکار ہے
سب میکدہ میں شور ہے ساقی شراب لا

کثرت گنہ کی روزِ جزا کام آگئی
بولا نہ کوئی مجھ سے کہ اپنا حساب لا

واعظا شرم گنہ سے ہمکو حاصل ہے ثواب
اس بُرا کہنے سے تیرا کیا بھلا ہو جائیگا

مستی میں سر سجدۂ شکرانہ ہے کیسا
بدمست ہیں ہشیار یہ میخانہ ہے کیسا

مینائے مۓ سرخ میں جلوہ ہے پری کا
میخانہ میں ساقی یہ ترے خانہ ہے کیسا

عاقبت لیگئی تنہا کو حضورِ جاناں
ہمنے یہ معجزۂ کثرتِ عصیاں دیکھا

وحشتِ غربت میں جو تھا بے سروساماں گلی تک
آج مہمان ہے وہ اے گورِ غریباں تیرا

گھر میں تنہا کے وہ آئے تو یہ کہتے آئے
اب تو آباد ہوا خانۂ ویراں تیرا

ہوا ہے مژدۂ پیغامِ وصل شادیٔ مرگ
شبِ وصال سے پہلے مرا وصال ہوا

قد وہ کہ جس کے آگے ہو سروِ چمن خراب
کاکل وہ جسکی بو سے ہو مشکِ ختن خراب

قامت و رخ یاد آئیگا کسی کا اس گھڑی
جب سوا نیزہ پہ ہوگا روزِ محشر آفتاب

رات ساقی نے دکھایا میکشوں کو معجزہ
کردیا پرتو سے رخ کے اپنے ساغر آفتاب

چشم طوفاں بار کرتی ہے یہ شور
دیکھنا اے جوش دریا میں بھی ہوں

بڑھ چلا تشبیہ قدِ یار سے ثمر
سادہ لوحوں کا نہ کیجے سامنا
آپ ہیں گریے و مثال و بے نظیر
وہ بات بات میں کرتے ہیں بار بار نہیں
کب وہ الطاف و کرم کرتے ہیں
تو وہ ساقی ہے کہ شیشے مے کے
موہبے پر بھی نہ سمجھے حیف صد حیف
دل نکل جائے نہ کیوں خانۂ تن سے سرِ شام
ہوں وہ افسردہ کہ گلزارِ خلیل ؑ
کفر سے اسلام اتنا ہے قریب
بیخودی مسجد میں ہم کو لے گئی
کب تک دکھائیگا مجھے تیغِ جفا کے ہاتھ
ہے دل میں لکھ کے برگِ گل تر پہ حالِ دل
گم ہو گیا ہے ہاتھوں ہی ہاتھوں میں دل مرا
فائدہ کس لئے کیوں اسکی دوا ہوتی ہے
دیکھو خمخانہ پہ کیا ابر گھرا آتا ہے
کم نصیبی کا بیاں کیا کروں اللہ اللہ
ہے غبار انکے بھی دل میں تو صفائی ہو گی
جانتا بھی نہیں ابتک تو وہ شوخ کمسن
رخنۂ در کے قریں وہ شوخ پُرفن چاہیے
فصلِ گل ہے اے جنوں عریانیِ تن چاہیے

سرو کہتا ہے کہ طوبیٰ میں بھی ہوں
کہ نہ دے آئینہ تجھسا میں بھی ہوں
بیکس و بے یار تنہا میں بھی ہوں
یہ لطف ہے مجھے ہاں کا بھی اعتبار نہیں
جور کرتے ہیں ستم کرتے ہیں
گردن آگے ترے خم کرتے ہیں
کدھر آئے تھے جاتے ہیں کہاں کو
عاشق زلف ہے کرتا ہے سفر راتوں کو
جانتا ہوں میں عذاب النّار کو
سُبحہ سے رشتہ ہے جوں زنّار کو
ورنہ جاتے خانۂ خمّار کو
قصہ تمام کر کہیں قاتل لگا کے ہاتھ
اس نازنیں کو بھیجیے بادِ صبا کے ہاتھ
دیکھو خدا کے واسطے دزدِ حنا کے ہاتھ
کہیں بیمارِ محبت کو شفا ہوتی ہے
شکر ہے مستوں کی مقبول دعا ہوتی ہے
حسرت دیدِ صنم روز سوا ہوتی ہے
خاک سے آئینہ کو دم بھر میں جلا ہوتی ہے
کس کو کہتے ہیں جفا کیسی وفا ہوتی ہے
دیدۂ بیدار اپنا جائے روزن چاہیے
نے گریباں چاہیے مجکو نہ دامن چاہیے

توڑتا پھرتا ہے شیشہ میکشوں سے چھیڑ ہے / محتسب اس ریش پر تجھکو لڑکپن چاہیے

میرا مطلب اور ہے کہتا ہے تو کچھ اور ہی / میرے سمجھانے کو ناصح تجھ سا کودن چاہیے

خوبیِ قسمت یہی ہے اب کسکا شکوہ کیجیے / دوست سمجھیں کسکو کہنا کس کو دشمن چاہیے

وعدہ تمھارا وعدۂ فردا سے جا ملا / پیغام آیا ل سے اجل کے پیام سے

کھانے کو غم ہے پیتے ہیں یہ خونِ دل مدام / کیا غم ہے فاقہ مستوں کو ماہِ صیام سے

عشق بازی نے عجب لطف دکھایا ہمکو / دین و دل ہار چکے نوبتِ جاں بازی ہے

کمظرف ہیں جو بہکتے ہیں مے پی کے ساقیا / منہ بند اپنا رکھتے ہیں شیشے شراب کے

خط سے لفافہ کھل گیا واں حسنِ یار کا / مشتاق ہم رہے یہاں خط کے جواب کے

جس نے دیکھا ہے تجھے وہ بیدم ہے / چشمِ بد دُور اب تو عالم ہے

دستِ گستاخ کا نہ پوچھو حال / کچھ یہ واقف ہے کچھ یہ محرم ہے

آتی ہے راہِ کعبہ میں ہر گام پر صدا / اول طوافِ کوچۂ جاناں ضرور ہے

تنہا کو بھولئے نہ کبھی وقتِ مے کشی / بزمِ طرب میں یادِ محبّاں ضرور ہے

بجائے سیب تو سیبِ ذقن کو دیکھ لیا / دکھاؤ کچھ مجھے جاناں انار کے بدلے

یہی ہے مشقِ جفا و ستم تو سن لینا / وفا و مہر کے انداز یار کے بدلے

دل میں ہے ذکرِ قیامت کیجیے / یعنی وصفِ قد و قامت کیجیے

ہے وفا یہ کہ تو جفا نہ کرے / ہے جفا یہ کہ تو وفا نہ کرے

غمزہ کیا ناز کس کو کہتے ہیں ہو / ہے ادا یہ کہ تُو ادا نہ کرے

کیا ظلم ہے کہ کہتے ہیں وہ مجکو دیکھکر / تقصیر ہو نہ ہو اسے تعزیر چاہیے

خوب ہم موشگافیاں کرتے ہو / نظر آتی اگر کمر کوئی ہو ہو

یاں دار سے عیسیٰ کو بلا ربِ علا لی / کیونکر نہ عدو پست ہوں قسمت کے دھنی ہیں

کہتا ہے وہ بُت پان کو دانتوں سے دبا کر / یوں لعل کٹا کرتے ہیں ہیرے کی کنی سے

تھا بیاضِ گردنِ لیلےٰ سے درسِ حسن و عشق
قیس کو طفلی میں کچھ مطلب نہ تھا اُستاد سے

محتسب کیسا مچلتا ہے تو میخانے میں
جا کے مسجد میں تو یوں پاؤں پسارے ہوتے

لائی اُڑا کے نکہتِ گیسوئے عنبریں
اب تو دماغ عرش پہ بادِ صبا کا ہے

تنہا

تنہا۔ نواب محمد شیر علی خاں بہادر تنہا رئیس مرادآباد مہندی علی خاں ذکی مرحوم مرادآبادی کے شاگرد تھے۔ معمر و سن رسیدہ بزرگ تھے۔ ستر سال سے زیادہ عمر پاکر حال ہی میں انتقال کیا۔ زبان۔ بندش۔ فصاحت۔ روزمرہ۔ غرض ہر طرح انکا کلام اچھا ہے پُرانے مشاق تھے۔ اکثر نعتیہ غزلیں کہا کرتے تھے۔ دیوان بھی مرتب ہوگیا ہے۔ عاشقانہ کلام کا انتخاب درج ذیل ہے۔

چھٹیں نبضیں یاد آگیا جب چھڑانا
جھٹک کے وہ شوخی سے دامن کسیکا

بہت پاؤں پھیلائے اے اشک تونے
مگر ہاتھ آیا نہ دامن کسیکا

کھنچ گیا یار تک نگاہ کے ساتھ
ناتوانی ترا گلہ نہ رہا

نالہ نغمہ ہے اُسکی محفل کا
رقص ہے بے قرارئ دل کا

اُٹھاتا ہے تصور پردہ اور حیرت گراتی ہے
جو محوِ یار ہو جائے کشاکش درمیاں کیوں ہو

رہے چھیڑ اس مژہ کی نیشتر سے
لہو بہتا رہے زخمِ جگر سے

تنہا

تنہا۔ میر لطف علی باشندۂ مدراس۔ فن شاعری میں حضرت فصیح الملک داغ دہلوی کی شاگردی کا فخر حاصل ہے۔ موجودہ زمانہ کے معمولی موزوں طبع شاعروں میں ہیں۔

تیر کیا کھینچا کہ تن سے رُوح اپنی کھنچ گئی
اے ستمگر زیست ہی کا سب مزا جاتا رہا

وصل کی شب پوچھتے ہیں مسکرا کر ناز سے
وہ تڑپنا لوٹنا کیوں آپ کا جاتا رہا

جب کہا میں نے کہ میں ہجر میں مرجاؤنگا
ہنسکے بولے کہ بلا سے مجھے پروا کیا ہے

توانا

توانا۔ منشی سید اکرام علی خلف سید جان علی۔ باشندہ فتحپور ہسوا۔ آپ کو پہلے تونگر سنگھ عاشق سے تلمذ رہا جو مرزا قتیل کے نامور شاگردوں میں سے تھے۔ اس زمانہ میں

آپ ناتواں تخلص کرتے تھے۔ جب حضرت ناسخ الہ آباد گئے تو آپ اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور غزل اصلاح کے لئے پیش کی اُنہوں نے ناتواں کی جگہ توانا تخلص عنایت کیا۔ کلام ملاحظہ ہو۔

روندیو اگر ہماری خاکِ مدفن زیرِ پا
ہاتھ اُٹھا کر ہم دعاویں گے کہ دشمن زیرِ پا

چل سکی کانٹوں سے کچھ مطلق نہ قیس کی
لاکھ صحرا نے بچھایا اپنا دامن زیرِ پا

قرب اعلےٰ سے حصولِ رفعتِ اسفل ہو
گل کو سب رکھتے ہیں سر پر کاہِ گلشن زیرِ پا

نازکی دیکھو کہ رکھتا ہے قدم جب خاک پر
تارِ بخیہ کو سمجھتا ہے وہ سوزن زیرِ پا

جس کی تنگی سے توانا دم خفا ہوتا رہا
لاغری سے گر پڑا وہ طوقِ گردن زیرِ پا

توفیق ۔ صدر نشین وسادۂ عز و تمکین ۔ شاہزادہ سلطان محمد بشیر الدین خلف الصدق سلطان شکر اللہ فرزند خاص حضرت ٹیپو سلطان والیِ میسور و سرنگاپٹن ۔ ۱۷۹۹ء میں جب ٹیپو سلطان جنگ میسور میں بمقابلہ افواج فرنگ دادِ شجاعت و مردانگی دیکر شہید ہوئے اور انکا ملک قبضہ سرکار کمپنی میں آیا تو شاہزادہ شکر اللہ معہ دیگر برادران و عزیزان چندے قلعہ ویلور میں زیرِ حفاظت سرکار انگلشیہ نظر بند رہے ۔ اتفاق سے چند سال بعد فتنہ و فساد کی آگ وہاں بھڑک اٹھی اور باغیوں نے شہزادہ شکر اللہ کو اپنا سردار مقرر کر کے چند انگریزی افسروں کو تہ تیغ کر ڈالا حکام انگریزی نے بکمال حکمت عملی اس فساد کی آگ کو ٹھنڈا کیا اور ٹیپو سلطان مرحوم کے لواحقین کا اس ملک میں قیام خلاف مصلحت تصور کر کے سب کو کلکتہ بھیجدیا اور ٹالی گنج کو انکا جائے سکونت قرار دیا ۔ خدا کے فضل سے حضرت توفیق اپنے والد ماجد کی مانند علم و فضل و اخلاق حمیدہ اور صفات برگزیدہ رکھتے تھے اور نکتہ سنجی اور موزونی طبع میں فخر خاندان تھے ۔ تاریخ خوب کہتے تھے ۔ انکے نام متعدد رقعے اسد اللہ خان غالب کی اُردوئے معلےٰ میں موجود ہیں ۔ غالب کے دوستانہ تعلقات ان کے ساتھ مربوط تھے ۔ نظم و نثر فارسی اُردو دونوں میں دستگاہ تھی چنانچہ دیوان تحریر کی

تقریظ و تاریخ خوب کہی ہے۔ ایک مہربان نے کلام بھیجنے کا پختہ وعدہ کیا تھا۔ مگر باوجود تقاضا ارسال نہ کیا۔ بدرجۂ مجبوری صرف اندراج حال پر قناعت کی۔ سلطان بشیر الدین کی زندگی کا بڑا حصہ کلکتہ میں بسر ہوا۔ اور وہیں ۱۸۷۰ء کے قریب انتقال کیا۔

توفیق

توفیق ۔ امیر الملک والاجاہ نواب صدیق حسن خاں بہادر توفیق مرحوم شوہر نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ والیہ بھوپال۔ ان کے والد سید اولاد حسن قنوج کے معمولی لوگوں میں تھے ۱۲۴۸ہجری سال ولادت تھا۔ صغر سنی میں دہلی جاکر تعلیم پائی۔ اور علامۂ دہر مفتی محمد صدر الدین خاں آزردہ کے شاگرد ہوئے۔ مفتی صاحب نے معقول و منقول فقہ و اصول بکمال توجہ پڑھائی۔ ۱۲۷۰ہجری میں دہلی سے بھوپال گئے اور نواب سکندر بیگم صاحبہ کی سرکار میں منشی گری پر مامور ہوئے۔ پھر بعض وجوہ سے انکا تعلق ریاست بھوپال سے قطع ہوگیا۔ چند سال بعد بخت نے یاوری کی اور جمال الدین خان مدار المہام بھوپال کی لڑکی سے انکا نکاح ہوگیا۔ اسکے بعد مہتمم مدارس ریاست و افسر مدرسۂ سلیمانیہ ہوئے۔ جب نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ مسند نشین ہوئیں ان کو خدمت میر منشی گری پر ممتاز فرمایا۔ اور یہانتک انکا عروج جاہ و اعزاز بڑھا کہ ۱۲۸۸ہجری میں بحالت بیوگی بیگم صاحبہ نے ان سے نکاح کر لیا۔ دربار قیصری منعقدہ ۱۸۷۷ء میں سرکار انگلشیہ سے خطاب امیر الملک والاجاہ ملا اور سترہ ضرب توپ کی سلامی مقرر ہوئی۔ بجائے رئیس منتظم ریاست ہوئے۔ ان کی قدردانی اور ہنر پروری سے علوم و فنون مشرقی کے اکثر باکمال بھوپال میں جمع ہوئے۔ نواب صاحب مرحوم نہایت زبردست محدثوں اور عالموں میں شمار ہوتے تھے۔ ڈیڑھ سو کے قریب مختلف علوم و فنون میں کتابیں تصنیف اور تالیف فرمائی تھیں۔ ان کتابوں کی ہزارہا جلدیں مفت تقسیم ہوئیں۔ عربی فارسی میں نواب اور اردو میں توفیق تخلص کرتے تھے۔ فارسی میں اکثر اور اردو میں کمتر فکر سخن فرماتے تھے۔ تذکرۂ شمع انجمن شعرائے فارسی کے حال میں ان سے یادگار ہے۔ آخر عمر میں بسیر ایل گریفن

ایجنٹ گورنر جنرل متعینہ بھوپال سے ناچاقی ہو جانے کے باعث نواب موصوف انتظام معاملات ریاست سے دستکشی پر مجبور ہوئے۔ اور بحکم گورنمنٹ سلامی القاب اور خطابات سے محروم کئے گئے۔ بیگم صاحبہ اِن کی اولاد سے بہت مانوس تھیں بیش قرار مواجب کے علاوہ اور لکھوکھا روپیہ کا سلوک اُنکے ساتھ کیا۔ اِن کے دونو صاحبزادے نورالحسن خاں اور علی حسین خاں جو جمال الدین خانصاحب وزیر بھوپال کی لڑکی کے بطن سے ہیں۔ بعد وفات نواب شاہجہاں بیگم لکھنؤ چلے آئے ہیں ۱۸۹۵ء میں نواب صاحب نے عالم بقا کی راہ لی۔ اُردو کے چند شعر حاضر کئے جاتے ہیں۔

باتوں باتوں میں کچھ ایسی بات اُسنے چھیڑ دی
کہتے کہتے وصل حرفِ مدعا جاتا رہا

ڈرو خدا سے کوئی اور کھیل کھیلو تم
بہت برا ہے مرے جان مشغلہ دل کا

بلاتے ہیں تو مبارک تمھیں پڑے توفیق
زیادہ حد سے نہ بڑھ جائے حوصلہ دل کا

اللہ ہی طبیب ہے مجھ دردمند کا
عاشق ہوا ہے وہ مرے بند بند کا

توفیق کس خوشی سے جلاتے ہیں مرے جان
وہ جو نہ دیکھ سکتے تھے جلنا سپند کا

برپا کریں نہ فتنہ کوئی وہ لگے آس پاس
بیٹھے ہیں یاس و حسرت و غم ملکے آس پاس

دیکھ بدمست مجھے مار کے ٹھوکر بولے
ہم تو مستوں کو بھی ہشیار بنا لیتے ہیں

حضرتِ ناصح دل اُس بیدرد کو دوں یا نہ دوں
آپ تو کہئے کہ اسمیں آپ کی کیا رائے ہے

عبث رقیب کی تعریف مجھسے کرتے ہو
یہی نہ کہدو کہ اُٹھ جاؤ میری محفل سے

جب سنتے ہیں ہم حشر میں فریاد کرینگے
ہنستا ہے کہ ہم بھی تری امداد کریں گے

توفیق۔ جناب مولوی سید جلال الدین صاحب اہلکار دفتر صدر محلبسی سرکار عالی حیدرآباد کے رہنے والے اور دور موجودہ کے شعرا میں ہیں۔ رسالوں میں آپ کی چند غزلیں نظر سے گذریں۔ کچھ شعر منتخب ہوکر درج ہوئے۔ شگفتہ طبیعت پائی ہے۔ مذاق شستہ ہے

لاکھ محبوسِ قفس کر تو مجھے اے صیاد
میں نکل جاؤنگا فریادِ عنادل کی طرح

حسرت اے جذب کہ لیلیٰ ہو سوار محمل
قیس ہو ساتھ غبار پسِ محمل کی طرح

اشک رہتے ہیں رواں نالہ ادا ہو کہ نہ ہو
قافلہ راہئ منزل ہے درا ہو کہ نہ ہو

تپش قلب کو تحریک نفس سے مطلب
شعلہ زن رہتی ہے یہ آگ ہوا ہو کہ نہ ہو

چونک اُٹھیں یانہ اٹھیں خواب عدم سے مردے
یوں چلو تم ۔ تو کہو حشر بپا ہو کہ نہ ہو

بے سبب چارہ گروں کو نہیں تشویشِ علاج
دل کا ارماں ہی نکل جائے شفا ہو کہ نہ ہو

ایذائے قید سہہ نہیں سکتے سبک خرام
مٹھی میں بند ہو نہیں سکتی ہوا کبھی

توقیر

توقیر۔ مولوی عبدالقادر توقیر متوطن پنجاب مقیم دہلی۔ استعداد علمی اگرچہ کم تھی مگر شاعری سے طبیعت کو بیحد لگاؤ تھا۔ بڑے وجیہ خوش مزاج شکیل طبیعت دار ذکی نوجوان تھے۔ حضرت داغ ظہیر انور کے ہم مشق و ہم صحبت تھے۔ اکثر فکر رسا کی اعانت سے مضامین نازک اور عالی کی تلاش میں سرگرم رہتے تھے۔ اوائل مشق میں چند غزلیں میاں تنویر کو دکھائیں پھر حضرت ذوق کی خدمت میں آئے اور انکی وفات کے دو تین مہینے بعد ۱۲۷۲ھ ہجری میں ناشاد و نامراد جہان فانی سے عالم بقا کی طرف سفر کیا ۲۵۔۲۶ سال کی عمر پائی۔

توقیر دل رسیدہ پھر آوارہ ہو گیا
کس نے سنا دیا اُسے مژدہ بہار کا

واں نمک کا بھی صرفہ ہے توقیر
زخم کھانے کا کچھ مزا دیکھا

گر آئے جوش پر دریا مرے اشک ندامت کا
تو کیونکر پانی پانی دل نہ ہو پھر ابر رحمت کا

مجھکو کیوں دیکھا ہے ناآشنا کو دیکھکر
ناصحو دیکھو کہ کچھ کہنا خدا کو دیکھکر

انتظار نامہ بر میں اسقدر بے ہوش ہوں
جان تن میں آ گئی پیک قضا کو دیکھکر

جو یار محبت سے پوچھتا ہے ماجرائے دل
سینے پہ ہاتھ دھر کے یہ کہتا ہوں ہائے دل

زخمی تری نگاہ کے آخر کو مر گئے
کہہ کہہ کے ہائے ہائے جگر ہائے ہائے دل

ہم تو خاطر سے تری غیر کی بھی تعظیم کریں
رشک پھر کہتا ہے بیٹھو اپنی یہ عادت نہیں

بتوں کو چاہنا اور حضرت توقیر یہ صورت
بظاہر تو نظر آتے ہو تم مرد مسلماں سے

توقیر

توقیر - لالہ نرائنداس خلف لالہ پھول چند باشندہ فرخ آباد - منشی سید اسمٰعیل حسین منیر کے فیضِ تلمذ سے بہرہ ور اور ۱۲۷۴ھ میں حیات تھے - طبیعت کا رنگ مفصلہ ذیل اشعار سے آشکار ہے -

آئینے سے بھی ہے وہ چند صفا ہاتھوں میں	منہ نظر آتا ہے اسے ماہ لقا ہاتھوں میں
سلطنت ملتی ہے چھوتا ہے جسے وہ محسن	طائر رنگ حنا ہے کہ ہما ہاتھوں میں
سونا چھلوں کا گلا جاتا ہے اے شعلہ مزاج	گرمیاں اور دکھاتی ہے حنا ہاتھوں میں
عرقِ چہرۂ دلدار کو پوچھا توقیر	ہمنے عطرِ گل فردوس ملا ہاتھوں میں

توقیر

توقیر - میر عبد العلی نام - قنوج کے رہنے والے اور رشک لکھنوی کے شاگرد تھے غدر سے پیشتر پٹنے میں بود و باش اختیار کر لی تھی - مرثیہ تحت لفظ خوب پڑھتے تھے - آدمی با مذاق و صاحب دل تھے - عطر سازی کا پیشہ کیا کرتے تھے ۱۳۰۲ھ میں ساٹھ باسٹھ برس کی عمر تھی یہ ان کے اشعار ہیں -

جب سے طوفاں خیز میرا دیدۂ تر ہو گیا	مردم آبی کے رہنے کیلئے گھر ہو گیا
آج روشن اُس قمر سے کیا مرا گھر ہو گیا	نورِ چشم مہر و مہ ہر روزن در ہو گیا
رنگلی جو میّتِ پروانہ بے غسل و کفن	شمع کا منہ آنسوؤں سے بزم میں تر ہو گیا
شک نہیں اسمیں اشد الموت سچ ہی انتظار	آج اُنکے وعدۂ فردا سے محشر ہو گیا
مژدہ باد اے مرگ ناکامی ہوا قصہ تمام	جسکے ہم عاشق تھے وہ عاشق کسی پر ہو گیا
ناتوانی سے نکلنا جان کا مشکل ہوا	کشتیِ عمر رواں کا ضعف لنگر ہو گیا

توقیر

توقیر - شیخ ارادت اللہ صاحب رئیس قنوج فرخ آباد کے ضلع میں تروا ایک چھوٹی سی جاگیر ہے اُسکے سالہا سال منتظم رہے - شعر و سخن سے بھی اُنس تھا چنانچہ یہ اُن کے نتائج افکار کا خلاصہ ہے -

ہے سامنا اجل کا قیامت ہے قہر ہے	کچھ دل لگی نہیں ہے جو تم سے لگائے دل

کرتا نہیں بھولے سے کبھی یاد ہماری | کیا شاد ہو پھر خاطرِ ناشاد ہماری
مرقد کی مرے آکے اڑا لو تم اب خاک | مٹی نہ کرو مفت میں برباد ہماری

صنم جو رام ہوا ہے خدا خدا کرکے | دل و جگر کروں صدقے جدا جدا کرکے

تمھاری بے نقابی سے قمر نے داغ کھایا ہے | مہِ انور سے کیوں اے مہروش پردہ اٹھایا ہے
دکھائے گی اسے نیچا کبھی آہِ دلِ عاشق | کہ اس پیرِ فلک نے اب بہت کچھ سر اٹھایا ہے
ازل ہی میں ستم مجھ پر تمھارے ہاتھ لکھا تھا | کسی سے خامۂ قدرت کا لکھا بھی مٹایا ہے
غم و رنج و الم درد و تمنا یاس و حسرت کو | شبِ تنہائی میں اپنا انہیں مونس بنایا ہے

توقیر

توقیر۔ جناب سید باقر حسین توقیر دہلوی۔ شاگرد حضرتِ داغ دہلوی مرحوم۔ کلام خام ہے رسمی شاعر ہیں۔ کوئی خاص بات قابلِ تشریح اِن کے کلام میں نہیں ہے یہ ان کے اشعار ہیں۔

ہمکو دنیا سے ترے لطف و کرم نے کھویا | گھر کہاں اُن کا جو دلمیں ترے گھر کرتے ہیں
گالیوں پر اِسے کھولیں آمادہ ہیں پئے قتل | یہ دہن رکھتے ہیں دلبر نہ کمر رکھتے ہیں
آپ کے پاسِ نزاکت نے کیا ہے خاموش | ورنہ نالے مرے آفت کا اثر رکھتے ہیں
چاہنے والوں سے غافل نہیں رہتے معشوق | بے خبر بن کے یہ عاشق کی خبر رکھتے ہیں

توقیر

توقیر۔ نواب احمد مرزا خانصاحب خلف نواب مرزا محمد جعفر خانصاحب مرحوم نبیرہ نواب حیدر بیگ خانصاحب مغفور عرف چھٹن صاحب المتخلص بہ توقیر لکھنوی از تلامذہ حکیم سید ضامن علی صاحب متخلص بہ شوق خلف جناب رشک شاگرد شیخ ناسخ مرحوم۔ آپ دور موجودہ کے شاعر ہیں اور یہ آپکے کلام کا انتخاب ہے۔

تارے گن گن کے وہ آنکھوں میں سحر ہو جانا | کیا کہیں ہجر کی راتوں کا بسر ہو جانا
مجھ سے کرتی ہے اشارہ وہ لگاوٹ کی نظر | کہ دکھا دوں میں ترے دلکا ادھر ہو جانا
حشر لانے کو ہے توقیر تری میت پر | بے خبر کو ترے مرنے کی خبر ہو جانا

کیوں فلک دور میں تیرے کبھی ایسا بھی ہوا	کہ شبِ ہجر کی ممکن ہو سحر ہو جانا
دل سے راضی ہوں فلک پیس کے سرمہ کر دے	شرط ہے آپ کے منظورِ نظر ہو جانا
سیر کو آتے ہیں بیمارِ محبت کی وہ روز	سب ہے بُرا ابتو مرے واسطے اچھا ہونا
داغِ دل بعد فنا سینہ میں روشن ہو کر	منھ دکھاتا ہے چراغِ تہِ دامن ہو کر
وصل کی آس میں یا یاس میں دم نکلا ہے	شمع تربت مری بجھ جائیگی روشن ہو کر
باغ میں غیر سے سر سینکے رُلاتے ہو مجھے	خار دیتے ہو گلو غیرتِ گلشن ہو کر
خوف ہے مجھ کو قیامت نہ کہیں آ جائے	کعبۂ دل میں بت آتے ہیں برہمن ہو کر
سوزِ دل کی یہ مرے ہوتی ہے دیکھیو توقیر	شمع کا نام ہوا بزم میں روشن ہو کر
قلم سے شیخ کے نکلے کہ ہے حرام نہیں	یہ دستخط نہ کرالوں تو رند نام نہیں
پڑی جو جام کو نظروں میں شیخ پی پی کر	یہ کہہ رہا ہے کہ بنتِ العنب حرام نہیں
قتل میں میرے نہ ہو کچھ شرکتِ خونِ رقیب	دوسرا خنجر منگا لیں آپ تو احساں کریں
دل کے ٹکڑے کر دیے حاضر ہے عشقِ حبیب	ہم غریب و بے نوا کیا خاطرِ مہماں کریں
ملا بے مانگے گو رزق آسیا کو	مگر اسپر بھی گردش میں ہے سر کی

توانگر ـ منشی عبدالعلی مرحوم خلف میاں مسکین ـ علمی استعداد معقول تھی ـ نواب سکندر بیگم صاحبہ کے عہد دولت میں ترقی پا کر میر منشی ریاست کے عہدہ گرامی پر ممتاز ہوئے ـ نواب شاہجہاں بیگم کے دورانِ حکومت میں بھی مورد عنایات رہے اور مشاہرہ میں بھی ترقی ہوئی مگر شومئی طالع سے بہ سبب کبر سنی دماغ میں ضعف آگیا اور عملیات سفلی و نقوش خوانی کی طرف توجہ مائل ہوگئی ـ انجام کار سرکار کے حکم سے خارج از ریاست کئے گئے ـ تذکرہ فرح بخش سے کلام انتخاب ہو کر درج کیا گیا ـ

دیکھئے ہر دم نہ اپنا روئے روشن آب میں	ہو گئے ہر دم نہ صاحب آتش افگن آب میں
کیوں بند کر رکھے تھے شب اُس مہ لقا کے ہاتھ	قابو چلا تو باندھونگا میں بھی حنا کے ہاتھ

ہاسے کی شکل گرو رخ ماہوش ہوئی	انگڑائی جی جو یار نے دو نو ملاکے ہاتھ

تھانیسری

تھانیسری - شاہ امام بخش نام - یہ بزرگ درویش صفت اور نیک نہاد تھے شبانہ روز اپنی اوقات اوراد ویاد حق میں گذارتے تھے سلسلۂ قادریہ میں کسی بزرگ سے بیعت تھے - مسٹر الیف فیلن صاحب نے اِن کا تخلص تھانیسری لکھا ہے اور کہتے ہیں کہ گاہ گاہ بطور خود شعر موحدانہ اسکی طبع سے ٹپک پڑتا تھا ۱۸۷۲ء ہجری میں موجود تھے - یہ انکے اشعار ہیں -

اِس جہاں میں اُس جہاں میں کون ہے	ہر نہاں میں ہر عیاں میں کون ہے
ہے جو دکھلاتا تجلی دم بدم	ہر جمال دلبراں میں کون ہے
تو کہے میں گفتگو سے پاک ہوں	پس یہ گویا ہر زباں میں کون ہے
لوگ کہتے ہیں خدا ہے لامکاں	پھر زمین و آسماں میں کون ہے

تہور -

تہور - میرزا غلام فخرالدین تہور برادر حقیقی مرزا قادر بخش صابر - اصلاح سخن حضرت احسان اور حکیم مومن خاں سے لیتے تھے - عنوانِ شباب میں غدر سے آٹھ دس سال پیشتر قضا کی یہ اِن کے اشعار ہیں -

ناصحا پند و نصیحت تو نہ کر محفل میں	یہاں مرے ساتھ کوئی اور بھی رسوا ہوگا
اب ہے کیا باقی جو ہے کاوش تری در جستجو	چاک دامن ہو گیا ٹکڑے گریباں ہو گیا
پھر خدا لائے اُسے یا دشمن بخیر	کیا تہور بے تکلف یار تھا
رشکِ دشمن کا سبب عشق میں کیا ہے ناصح	امتحاں کیجئے مشفق کہیں شیدا ہو کر
لے آئے وہ ذرا خط کا جواب اُس سے کسی ڈھب	افسوس کہ قاصد سے اب اتنا نہیں ہوتا

تہور

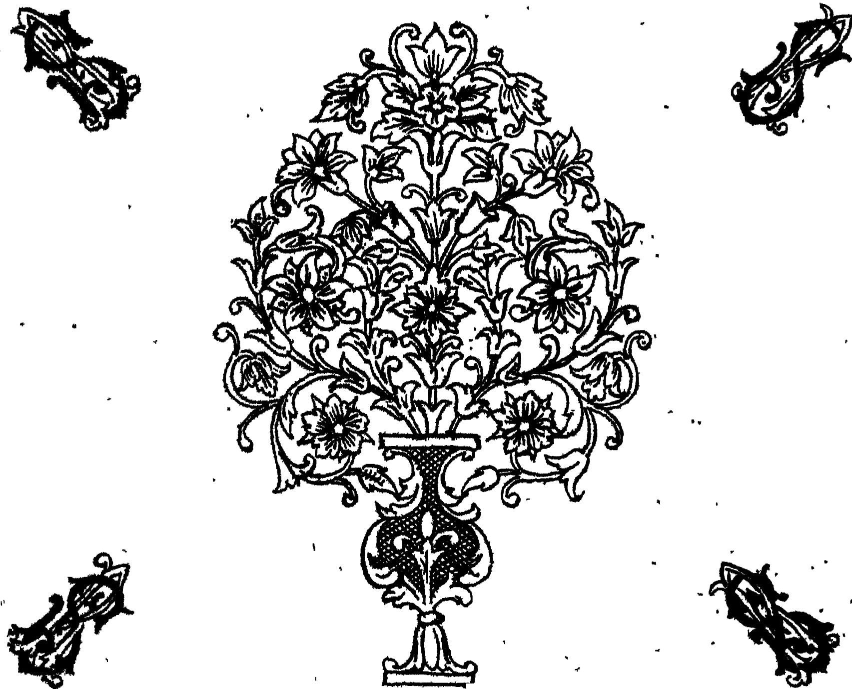
تہور - منشی تہور علی خاں - عدالت فوجداری کانپور میں مختاری کرتے ہیں - اور شاہ جناب نواب [illegible] خاں سے تلمذ ہے - دو تین غزلیں نظر سے گذریں اُنکا انتخاب حاضر ہے

اپنے تلووں سے ٹل کے دل میرا	کہتے ہیں کیسا پائمال ہوا

شبِ فراق کی حالت نہ پوچھئے مجھسے	میں کیا بتاؤں کہ کس درجہ بیقرار رہا
اور بھڑکے گی تیمور ہو نہ گریاں اسقدر	آتشِ دل کو کبھی آنسو بجھا سکتے نہیں

تیمور۔ مرزا سعادت سلطان تیمور گورگانی خلقت مرزا قادر بخش موزوں برادرِ نسبتی مرزا قادر بخش صابر۔ اوائل میں حضرت احسان کے شاگرد تھے۔ بعد میں مرزا صابر سے مستفید ہوئے عرصہ ہوا کہ انتقال کر گئے۔

اس سادہ مزاجی پہ بھی مرتے ہیں ہزاروں	اللہ رے عالم ترے بے ساختہ پن کا
رہتا ہوں اپنی بے پروبالی پہ باغباں	فصلِ خزاں میں بلبل بے پر کو دیکھکر
ضبط نالہ کیا تو جان گئی	اپنا گویا میں آپ قاتل ہوں



ث

ثابت

ثابت ۔ اجابت خاں یا اصالت خاں ان کا نام تھا۔ عظیم آباد کے رہنے والے اور مرزا بچو فدوی کے شاگردوں میں تھے۔ اپنے زمانہ میں علم استادی بلند کرتے تھے طبقہ دوم کے آخر شعرا میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ یہ اشعار ان کے درج کئے جاتے ہیں

وقت مرنیکے مرے پاس وہ موجود ہوا	اپنے ہی جی کا زیاں اپنے لئے سود ہوا
مجمر سینہ میں دن رات پڑا جلتا ہے	آہ ثابت یہ ترا دل ہوا عود ہوا
مصرع کبھو جو آہ کا موزوں کروں ہوں میں	مژگانِ نو سپہر کا دل خوں کروں ہوں میں

ثابت

ثابت ۔ منشی مہر علی۔ اصلی وطن بڑہانہ ضلع مظفر نگر تھا مگر یہ خود قبل از غدر دہلی میں بود و باش رکھتے تھے۔ حافظہ اچھا تھا۔ اور اساتذہ قدیم مثل سودا اور میر درد کے ہزار ہا شعر از بر تھے۔ دہلی میں رہ کر استعداد علمی کے علاوہ فکر سخن میں بھی سلیقہ معقول پیدا کیا

کلام ملاحظہ ہو۔

دیکھا مجھے تو ہو کے خفا غیر سے کہا	اس بزم میں ہر ایک کو آنا نہ چاہئے
کھل جائیگا وہاں کس و ناکس پہ رازِ عشق	اے دل اس اضطراب سے جانا نہ چاہئے

ثابت

ثابت ۔ ثابت شیخ ثابت علی ولد شیخ محمد علی ۱۲۷۰ھ ہجری مطابق ۱۸۵۴ء میں راجہ بھرت پور کی سرکار میں معتمد اور بہ تقریب سر انجام کار اپنے ولی نعمت کے دہلی میں وارد تھے۔ گاہ گاہ شعر بھی کہہ لیتے تھے۔ اور خاصہ کہتے تھے۔ یہ چند شعر اُنکے ہیں۔

آنے کی کسی کے کیا سُنی ہے	جاں لب پہ ٹہر گئی ہے آکر
کہتے ہیں وہ بیوفا اب آیا	کہنے ہی کی بات ہے سُنا کر
ثابت کا ہے حال غیر کل سے	تم بھی اُسے دیکھ آؤ جا کر

ثابت

ثابت - شاہزادہ میرزا معز الدین ثابت مرحوم خلف الصدق حضرت شاہ عالم بادشاہ و برادر حقیقی مرزا احسن بخت احسن - حافظ عبد الرحمٰن خاں احسان کے شاگرد رشید تھے۔ قلعہ معلےٰ میں اکثر شاہزادے انکے شاگردی سے ممتاز تھے آپنے - اپنے اُستاد کا دیوان مُرتب کیا تھا جو راقم تذکرہ کے پاس موجود ہے - خود بھی موزوں طبع شاعر اور صاحب دیوان تھے جسکا ایک قلمی نسخہ میرے پاس موجود ہے - اچھا کہنے والوں میں تھے - زبان صاف پاکیزہ اور معاملہ کر شعر خوب کہتے تھے - اوائل عہد بہادر شاہ میں انتقال فرمایا - یہ ان کا کلام ہے۔

آفریں دلکو ترے ثابت وگرنہ بارِ عشق		سے زمیں سے اُٹھ سکا نے آسماں سے اُٹھ سکا
شبنم کی طرح اس چمن دہر میں ثابت		جز گریہ ہمیں اور تو کچھ کام نہ آیا
زیورِ گُل کو لگا اگ یہ مالن سے کہا	ق	میرا طرہ میرا گنا میرا گجرا نہ بنا
پھول عاشق کے ہوں اور پھولنا گہنا اپنو		دست و پا پھول سگئے پھولنا گہنا نہ بنا
خوبرو تیری نہیں ہے کچھ فقط گفتار خوب		رُخ پری کا کُل پُھواں بالا بلا رفتار خوب
تھا قلق اور بے قراری رات		مجکو روتے کٹی ہے ساری رات
سینے کل اُس سے کہا دلیں مرے درد ہے آج		ہاتھ سینے یہ مرے رکھکے کہا کیا باعث
یوں کہا اُسنے کہ ثابت سبھے پیغام نہ بھیج		مجھکو بدنام نہ کر نامہ مرے نام نہ بھیج
لگا یا تیر جو تنے فقط کلیجے میں ٹُ ٹُ		ہر ایک عضو ہے میرا جُدا جُدا لگیر

مجکو رآسا فدا ہے کیوں تو روئے درخشانِ مہوشاں پر
قدم رکھیں ہیں وہ کب زمیں پر دماغ اُنکا ہے آسماں پر

یہ سب سمجھتے نہیں اس سبب سے ہے زیست مری		لوگ سکتے ہیں لگا لو کہیں تدبیر سے تیر
ہاتھ زنجیرِ طلائی میں جو اُٹھا ہوئے		کیا بلا ہے تجھے ثابت مری زنجیر نہ توڑ
انصاف ہے کہ محتسب اِس ابرو ہوا میں		کس طرح سے ہو ساقیِ گلفام فراموش

دستِ جنوں کو یوں ہے گریباں سے اختلاط
دامن کو جیسے خارِ بیاباں سے اختلاط

پھر دلستاں نے دل کا ستانا کیا شروع
پھر آہ بزمِ غیر میں جانا کیا شروع

آہ گر پردہ نشیں وہ بتِ گلفام ہو
دیر میں کفر ہو کعبے میں اسلام ہو

رقص میں وہ نازنیں جسوقت گرمِ ناز ہو
نازِ خوباں چاہیئے پھر فرشِ پا انداز ہو

اسقدر راوے مروت مجھسے استغنا تجھے
جان دینی تھی مجھے پر دل نہ دینا تھا تجھے

تجکو شاباش تصور کے مصور دل پر
لکھدے اُس عالمِ تصویر کی تصویر مجھے

کیا جو دوستی میں تو نے ہم پر کسی فن سے
کوئی ایسی نہیں کرتا مریجاں اپنے دشمن سے

کہدو اُس چشم سے پرہیز نکر اُس سے مدام
تیرے بیمار کی جاں باعثِ پرہیز چلی

اُدھر ہے بادہ پیما بزم میں باہمدگر کوئی
اِدھر پیتا ہے اپنا دمبدم خونِ جگر کوئی

برہمن کافر و دیندار سبکو بھا گیا ایسا
خدائی میں اُسی بت کا جپے ہے نام ہر کوئی

جی ہی جاتا جو ترے لب پہ مسیحا میرے
مرتے مرتے نگہِ عاشقِ بسمل پڑتی

مت دکھا اے برقِ خرمن سوز طراری مجھے
آتشِ الفت کی ہے درکار چنگاری مجھے

کیا دن پھریں ہمارے گروہ پھرے سفر سے
لیل و نہار جنکے ہم دیکھنے کو ترسے

زلفوں کا جبکہ سودا دل کو ہوا وہ بولے
اپنا تو رونگٹا بھی خالی نہیں ہنر سے

دلِ پُرداغ کو چٹک کے کہا
چینیزیاں داغ دار کیوں آوے

ق
اکیلا دیکھکر کل مینے اُسکو جان کر پوچھا
ہمارا جانا بوجھا یا کوئی انجان جاتا ہے

ٹھٹک کر مسکرا کر یوں کہا ہٹ جا ارے ظالم
ترے سر کی قسم کوئی ابھی یہاں جان جاتا ہے

ثابت

ثابت ۔ منشی سید فضل حسین لکھنوی ابن سید مہدی حسین ابنِ میر زین العابدین عرف میر مغل (رسالدار عہد امجد علیشاہ بادشاہ اودھ) آپ کے حقیقی نانا سید محمد رضا ظہیر مرحوم شاعر مرثیہ گو ارشد تلامذہ مرزا دبیر مغفور سے تھے ۔ آپ کی ولادت ۱۵ رجب ۱۲۷۸ھ ہجری یوم جمعہ کو ہوئی (نظیرِ حسن تاریخی نام ہے) اردو ۔ فارسی ۔ عربی ۔ انگریزی وناگری کی

زبانوں سے واقفیت رکھتے ہیں ۱۸۸۳ء میں ریاست کوٹہ میں اولاً محرری جیل پر ملازم رہے۔ پھر ناظر عدالت صدر دیوانی کوٹہ مقرر ہوئے۔ اب سررشتہ دار عدالت سیشن جج ہیں۔ غزل گوئی میں منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی مرحوم سے اور مرثیہ گوئی میں مرزا محمد جعفر صاحب اوج لکھنوی سے تلمذ رکھتے ہیں ۱۳۱۱ ہجری میں زیارت کربلا و نجف اشرف وغیرہ سے بھی مشرف ہو چکے ہیں۔ آپ کا سفرنامہ منظوم موسوم بہ **ریاض فکر** چھپ کر شایع ہو چکا ہے۔ ایک میلاد منظوم اور بہت سے سلام و مرثیے و رباعیات موجود ہیں۔ باقی عاشقانہ کلام اکثر گلدستہ جات و اخبارات وغیرہ میں چھپتا رہتا ہے۔ دیوان چھپوانے کا کبھی خیال نہیں کیا۔ ورنہ کافی مصالحہ موجود ہے۔ ۶۰ سال کے قریب سن ہے۔ شعر بہت اچھا کہتے ہیں۔ طبیعت میں شوخی بھی ہے۔ جو کلام آپ نے عنایت کیا مع کلام بہم رسیدہ سابق کا چیدہ انتخاب حاضر کیا جاتا ہے۔

شبِ فرقت میں نیند آئے بھلا کیا
گذرتے ہیں تصور دل میں کیا کیا

تمھارے نازِ بیجا کیا ہیں اے جان
اٹھالیں ہم تو سر پر آسماں تک

منانا فرض ہے روٹھے قضا کی
عجب شوخی ہے کافر کی ادا میں

حسرتیں جب یاس سے دست و گریباں ہو گئیں
مشکلیں جتنی پڑی تھیں سب وہ آساں ہو گئیں

ایک عالم پر رہا ویرانۂ دل عمر بھر
بستیاں کتنی بسیں اور کتنی ویراں ہو گئیں

خاک پاتی عطرِ گل جنکی عرق جنکا گلاب
کیوں فلک وہ صورتیں مٹی میں پنہاں ہو گئیں

ہر خوشی کا باغ عالم میں تباہی ہے مآل
کھلکھلا کر جب ہنسیں کلیاں پریشاں ہو گئیں

صورتیں آنکھوں میں پھرتی ہیں وہ نقشے یاد ہیں
کیسی کیسی صحبتیں خواب پریشاں ہو گئیں

زندگانی سے کہیں بہتر ہے اُس عاشق کو موت
تیری زلفیں جسکے ماتم میں پریشاں ہو گئیں

کر کے مجھے جل سوزِ الفت جدا ہونے لگے
آگ بھڑکا کے جگر کی تم ہوا ہونے لگے

یارب یہ کون چٹکیاں لیتا ہے بار بار
پہلو میں یار ہے کہ دلِ بیقرار ہے۔

بے مجھے ل لینے دے اُس جانِ جان سے		جیا دم بھر کو اُٹھ جا درمیاں سے
عمر بھر کاتبِ اعمال رہے ہیں ہمدم		دیکھئے حشر میں دیتے ہیں گواہی کیسی
خدا جانے کوئی ارمان ہے یا تیر کا پیکاں		یہ حالت ہے کہ جیسے دل کوئی سینہ میں ملتا ہے
پچھلا پہر ہے چونک تغافل کے خواب سے		پہرہ بدل رہا ہے بڑھاپا شباب سے
دلِ ثابت تھا جب ثابت نہ آتا تھا نظر کچھ بھی		جو ٹوٹا شیشۂ دل سینکڑوں ہی جامِ جم نکلے
غرور و کبر سے نفرت ہے ضد خوشامد سے		پسند آئی سلامت روی کی چال مجھے
کسی ہنر کا تو کیا ذکر فکر ہے ثابت		کہ نقص میں بھی نہ حاصل ہوا کمال مجھے
دل سوا تجکو مجھے تیرے سوا کیا چاہئے		تجھکو آئینہ۔ مجھے آئینہ سیما چاہئے
احباب کے جلسوں کا جو سودائی ہے	رباعی	کچھ یاد ہے تجھے قبر کی تنہائی ہے
ثابت۔ یہ موت کا تعجب کیسا		مرنا جینے کی علتِ غائی ہے۔
پھل پائیں گے جو تخمِ کرم بو دیں گے	ر	مرقد میں یہ پھول بن کے خوشبو دیں گے
جنکے لئے چھوڑتا ہے مال اور منعم		مرنے پہ وہ مٹی بھی نہ تجکو دیں گے

ثاقب۔ منشی شہاب الدین خاں ساکن قصبہ سیوہارہ۔ درویش توکل پیشہ شاعر پُر گو اور خوش تقریر اور اُستاد نامور شاہ مبارک آبرو کے عقیدتمند و شاگرد تھے کبھی کبھی سراج الدین علیخان آرزو سے بھی مشورہ کر لیتے تھے۔ احمد شاہ ابدالی اور عالمگیر ثانی کے عہد میں زندہ تھے ایک پُرانے تذکرہ میں لکھا ہے کہ جس وقت افاغنہ درّانی نے مرہٹوں سے شکست پائی اسی زمانے میں ان کا انتقال ہوا۔ پُرگوئی کے باعث ایک ضخیم دیوان مرتب ہوگیا تھا۔ مگر ترتیب تذکرہ کے وقت صرف چند شعر دستیاب ہوئے جنکا انتخاب درج ذیل ہے فیلن صاحب نے اپنے تذکرہ میں ان کا ذکر بھی لکھا ہے۔ صرف نام میں غلطی کی ہے یعنی شمس الدین لکھا ہے۔ ورنہ بقیہ حالات وہی ہیں جو یہاں درج ہیں۔ ثاقب

مر گئے تو بھی کچھ نہ پوچھی بات		لے پہ ثاقب کا یار کہتے ہیں تو

ثاقب کی نعش اور قاتل نے آ پکارا	یہ کون مر گیا ہے کس کا ہے یہ جنازہ
مجھ سے بیدل کی اگر تصویر کھینچا چاہیے	اے مصور اس کے تئیں دلگیر کھینچا چاہیے
اک نگہ ترچھی ہی سے ہوتا ہے بس عالم کا کام	تجھ کو کا ہیکو میاں شمشیر کھینچا چاہیے

ثاقب

ثاقب - مرزا مہدی ولد مرزا انور علی بیگ استاد نواب محسن الدولہ - باشندہ لکھنؤ - شیخ ناسخ مغفور کے شاگرد تھے - صاحب دیوان گذرے ہیں - اِن کے شاگرد وہیں آغا علی شمس نامور ہوئے - یہ اُن کا کلام ہے -

ذکر بوسے کا جو آیا تو پڑا گال پہ نیل	مانگنا نظم ہوا تاب نہ لایا عارض
کس نے بوسے لئے کیوں آج ہو مرجھائے ہوئے	گل افسردہ کی صورت ہے تمھارا عارض
ہو گیا بارِ نگہ سے تیرا نیلا عارض	کس نے دیکھا ہے بتا دے کوئی ایسا عارض
شجرِ طور جو قامت ہے تو رخ شعلۂ طور	اے بت نورِ خدا کا ہے تمھارا عارض
مدح تیرے حسن کی کرتی زبانِ حال سے	رکھتی گویائی اگر تصویر پشتِ آئینہ
نہ کیونکر صاف ہوں بعد شہادت میں ستمگر سے	غبارِ دل - قاتل نے دھویا آبِ خنجر سے
ہوا محبوس میں جس دم جنوں نے پانوں پھیلائے	روانہ کشتیِ وحشت ہوئی بیڑی کے لنگر سے
قیامت قامتِ دلدار کے مضمون کہتے ہیں	نہیں کم آفتابی داغ سے خورشیدِ محشر سے
نہیں چشم توقع عہدگانِ عہد سے ثاقب	کسی نے پیاس اپنی کب بجھائی آبِ گوہر سے

ثاقب

ثاقب - نواب شہاب الدین احمد خان ثاقب مرحوم مہین پور عالی جناب نواب ضیاء الدین احمد خان صاحب والی لوہارو رئیس اعظم دہلی - مرزا نوشہ غالبِ مرحوم کے سسرال کے رشتے سے بھتیجے اور فن شعر میں شاگرد رشید تھے - چھوٹی سی عمر میں اپنی ذاتی علم و فضل اور خوش اخلاقی کی وجہ سے اچھا نام پایا تھا اور حکامِ وقت کی طرف سے آنریری مجسٹریٹی دہلی کے جلیل القدر عہدہ پر ممتاز تھے - صاف صاف عاشقانہ رنگ میں جس میں کچھ تصوف اور اخلاق کی بھی چاشنی ہوتی تھی اچھا کہتے تھے - کلام میں درد اور مزا ہے - مرزا غالب نہیں

بہت عزیز رکھتے تھے۔ استعداد علمی بھی معقول تھی۔ افسوس کہ عین عالمِ شباب میں ۹۔اپریل ۱۸۶۹ء مطابق ششم محرم الحرام ۱۲۸۶ھ ہجری یوم دوشنبہ بعارضہ تپ و اسہال ہنگام سپہر انتقال کیا اور حسب وصیت درگاہِ قدم شریف میں اپنے عم مرحوم نواب شمس الدین احمد خاں کے پہلو میں دفن ہوئے ۲۹ سال کی عمر پائی مرزا باقربان علی بیگ سالک نے تاریخ کہی ؎

از صدمۂ مرگ ثاقب والا جاہ	ہر سو ست صدائے نالہائے جاں کاہ
تاریخ وفات او چنیں سالک گفت	روز ششم مہ محرم صد آہ ۱۲۸۶ھ

آپ نے چار صاحبزادے اور ایک لڑکی یادگار چھوڑی۔ صاحبزادوں کو میراث پدری کے علاوہ شاعری بھی ارث میں ملی ہے۔

کیوں وعدہ کر دیے خبر آجاؤ کسی وقت
اُس عصر میں کہتے تھے اسے پیار سے طوفان
ہر شخص کا دل شہر میں کھنچتا ہے اُدھر کو
گھر بیاباں میں بنایا نہیں ہمنے لیکن
دی جگہ دیر میں ثاقب کو سمجھ کر میکش بھُر
لاتے زباں کو کام میں کرتے وہ ہم سے بات
سمجھے ہوئے تھے قبر کو ہم کنج عافیت
گرمی میں دل کو کھول کے بند قبا کہا
جو اس سے پہلے تھا یہ وہی خاکداں ہے اب
اسفندیار نامور اجاسپ کیا ہوئے
دیکھا ہے کسنے موسیٰ و فرعون کو یہاں
نے بت گری نہ بت شکنی قصہ مختصر
نفی وجود غیر ہے ثابت طریق حق

ہوں وصل کا خواہاں نہیں مشتاق جبر کا
بچپن کا ہے یہ نام مرے دیدۂ تر کا
پوچھے کوئی کیوں اور سے رستہ ترے گھر کا
جسکو گھر سمجھے ہوئے تھے وہ بیاباں نکلا
وہ عدو ہے بت و بتخانہ مسلماں نکلا
مجبور رہ گئے کہ سر سے وہاں نہ تھا
دیکھا تو یاں بھی امن و اماں کا مکاں نہ تھا
شکر خدا کہ ثاقب آشفتہ یاں نہ تھا
یارب وہ خاکیوں کی کرامت کہاں ہے اب
سننے کو ایک تذکرۂ ہفت خواں ہے اب
ہاں رود نیل روئے زمیں پر رواں ہے اب
صرف آزر و خلیل کا مذکور یاں ہے اب
آثار کی نمود بھی وہم و گماں ہے اب

کیوں ویسے آدمی نہیں آتے بروئے کار
آخر وہی زمیں ہے وہی آسماں ہے، اب

ہیں ظلم و معدلت کی حکایات اور بس
محتاج ہے جہاں میں نہ نوشیرواں ہے، اب

ضرب المثل ہے لیلی و مجنوں کا حسن عشق
اِسکا نہ کچھ پتا ہے نہ اُسکا نشاں ہے، اب

کیا کہہ رہا ہوں میں کہ یہ ہے اور وہ نہیں
توحید کے خلاف ہے جو کچھ بیاں ہے، اب

ہم قوتِ جذبِ دل دکھائیں
اور پھر وہ ہمارے گھر نہ آئیں

آتے نہیں یاں اگر نہ آئیں
اے کاش مجھے وہاں بلائیں۔

کیا چیر کے سینہ دل دکھائیں
کچھ حال سنو تو ہم سنائیں

ہم سینہ سپر کئے کھڑے ہیں
وہ شوق سے خنجر آزمائیں

جو کام میں غیر کے ہوں صرف
افسوس وہ دلربا ادائیں ہو

اے بخت کہاں تلک بُرائی
اے چرخ کہاں تلک جفائیں

ق

کل میں نے کہا کہ بندہ پرور
چہرے سے نقاب آپ اُٹھائیں

کہتے ہیں ادا شناس باہم
اچھا ہو جو رخ تو کیوں چھپائیں۔

بولے رووا و موسئے و طور
سُن لی ہو تو دیکھنے کو آئیں ہو

بسم اللہ ہم اٹھائیں پردہ
پراُن سے کہو کہ تاب لائیں ہو

شاید کہ ہے گرم نالہ ثاقب
چلتی ہیں شرر فشاں ہوائیں

خبر کسی کو گرچہ گھائل ہوئے ہیں
محبت میں ہم جملہ تن دل ہوئے ہیں

نہیں عقل سے عشق خالی کہ اسمیں
بڑے تجربے ہمکو حاصل ہوئے ہیں

تمنا نہیں ہمکو پروانگی کی
وہ اب غیر کی شمع محفل ہوئے ہیں

غلط فہم ہیں عاشقانِ مجازی
کہ محوِ تماشائے محمل ہوئے ہیں

رہیں گے گرفتار صورت پرستی
اگر حُسن معنے سے غافل ہوئے ہیں

نہ لپٹیں نہوں قتل انصاف یہ ہے
کہ ہم خود بدآموز قاتل ہوئے ہیں

ہمیں ذوقِ صحرانوردی ہے ثاقب
نہ سمجھو کہ جو پائے منزل ہوئے ہیں

دل کا سودا ہے خفا ہونیکی کچھ بات نہیں
گفتگو رہتی ہے بائع کو خریدار کے ساتھ

وائے پانی کی خبر لینے کی توفیق نہیں
کھیلنا جانتے ہیں مرغِ گرفتار کے ساتھ

چیر کے سینے کو وہ دیکھتے ہیں قتل کے بعد
اک چھری تیز لگی رہتی ہے تلوار کے ساتھ

خواہشِ وصل ہیں ثاقب کی کوئی دیکھے سیر
کچھ دعائیں بھی پڑھی جاتی ہیں اشعار کیساتھ

رنجش سے گر کہا ہو تو آیاں نہ نصیب
کافروں کو کہتے ہیں عشاق پیارے

ڈرتے ہیں وہ جہاں نظر آتا ہے گرد باد
سہمے ہوئے ہیں کیا مرے مشتِ غبار سے

فکرِ وصال و ہجر کا صدمہ اُٹھائیے
اِس چند روزہ زیست میں کیا کیا اُٹھائیے

بے لطف زندگی سے تو مرنا ہی خوب ہے
کیا فائدہ کہ نازِ مسیحا اُٹھائیے

آؤ نہ آؤ ہم بھی ہیں خوگر شکیب کے
جی چاہتا ہے ذوقِ تمنا اُٹھائیے

رکتے ہیں لوگ خلوتِ دشمن کا اہتمام
بے پردگی ہیں پردہ ہے پردہ اُٹھائیے

یہاں بھی خرقہ کو حسرتِ طوفانِ نوح ہے
ہاں بزم سے اُٹھائیے اچھا اُٹھائیے

بیٹھے ہیں ہم تو اب دلِ بے آرزو لئے
وہ دن گئے کہ داغِ تمنا اُٹھائیے

ثاقب وہ ضبطِ عشق کو سمجھے ہیں بے غمی
یہ روئیے کہ شورشِ دریا اُٹھائیے

اے کہن سال فلک دشمنِ جانِ دہلی
کیا ترے ہاتھ لگا کھو کے نشانِ دہلی

حیف صد حیف گئی شاہجہانی تعمیر
واے صد واے مٹی شوکت و شانِ دہلی

چاندنی چوک رہا نہ قلعہ بچا کیونکر
دلی والوں کو ہو جنت پہ گمانِ دہلی

اہلِ دلی نہ کریں بخت کا شکوہ کیونکر
بخت خاں جی ہوئے جب باج ستانِ دہلی

چاندنی چوک بگڑ کر وہ بنا از سرِ نو
کہ کہیں گے ہم اسے بختِ جوانِ دہلی

چوک کے باغ میں وہ رنگ ہے آرائش کا
کہ قسم کھائے ہے فردوس بجانِ دہلی

اہلِ ایراں یہ غزل سن کے کہیں گے بیشک
بو ثاقب مگر از اہلِ زبانِ دہلی

اک بوند اشک ناک نہ اسے چشم تر آئی
سینہ تو مرا چاک کیا اور ہوئے برہم
ہے بند در حجرہ مگر یار کے گھر کا
دم باقی ہے تدبیر کریں لانے کی اُسکے
چپ بیٹھے ہیں کچھ کرتے نہیں بات کسی سے

ہرگز نہ مری تجھ سے کچھ امید بر آئی
جب نوبت نظارۂ درد جگر آئی
جز زلف کی بُو تجھ میں نہ باد سحر آئی
احباب ابھی سے نہ کریں نوحہ سرائی
ثاقب سے کے مگر مرنے کی ان کو خبر آئی

ثاقب

ثاقب ۔ عالیجناب شیو پروہان مہاراجہ جے گوپال سنگھ ثاقب رئیس سندیلہ مصاحب خاص حضرت سلطان عالم واجد علی شاہ و داروغہ سرکار صاحب عالم جنرل مرزا فریدوں قدر خلف ارشد شاہ اودھ ۔ راجہ درگا پرشاد تعلقہ دار سندیلہ کے نزدیکی قرابت دار اور زبان فارسی سے بخوبی ماہر تھے ۔ نظم و نثر دونوں میں مہارت تامہ حاصل تھی ۔ حضرت سلطان عالم کی انپر خاص نظر عنایت تھی ۔ آپ سندیلہ کے معزز کایستھ خاندان کے رکن تھے شاہان اودھ کی سرکار میں انکے بزرگ مراتب جلیلہ پر سرفراز تھے ۔ چنانچہ یہ خود بھی بپاس حقوق خدمتگزاری بعد انتزاع سلطنت بادشاہ کے ہمراہ ہوئے اور برسوں وطن سے دور مٹیا برج میں قیام پذیر رہے اگرچہ آپ کو مشاہرہ قلیل ملتا تھا مگر صرف یہی ایک امر کہ آپ کو حضرت جہاں پناہ سے مہاراجگی کا خطاب عنایت کیا اس بات کا کامل ثبوت ہے کہ ان کی کسقدر وقعت مرکوز خاطر اقدس تھی ۔ ریختہ کم کہتے تھے جس زمانے میں داغ صاحب کلکتے گئے آپ بھی مشاعروں میں شریک رہے ۔ چند شعر حاضر ہیں ۔

عشق میں جز بیخودی عاشق کو حاصل کیا ہوا
کاہش بیجا اٹھاتے کھو کے نقد عقل و ہوش
حق تو یہ ہے دین و دنیا کی نہیں پروا کچھ

پوچھتا ہے اُسنے رہ رہ کے مرا دل کیا ہوا
عشقبازی کر کے ایدل اور حاصل کیا ہوا
ان بتوں کے عشق میں دل اپنا مائل کیا ہوا

ثاقب

ثاقب ۔ جناب مولوی نجم الدین صاحب سیوہاری مولف سیرۃ النعمان و رسوم جاہلیت آپکے والد کا نام محمد بخش تھا جو سیوہارہ ضلع بجنور کے باشندہ تھے ۱۸۶۵ء آپ کا سال

ولادت ہے۔ عربی فارسی کی استعداد اچھی ہے مدرسہ دیوبند کے سند یافتہ ہیں۔ اب کئی برس سے مطبع رفاہِ عام لاہور میں ملازم ہیں۔ فنِ سخن میں کبھی کسی سے مشورہ نہیں لیا۔ موزونیٔ طبع ہی مصلح ہو جاتی ہے۔ زبان کی تحقیق کا بھی شوق ہے۔ یہ کلام کا نمونہ ہے

تو مہِ آسمان ہے گویا	تجھ سے روشن جہان ہے گویا
جس زمیں پر ہے نقش پا تیرا	وہ زمیں آسمان ہے گویا
یوں تو دنیا میں اور بھی ہیں حسیں	تو حسینوں کی جان ہے گویا
روٹھنا بات بات پر ہر دم	دلربائی کی شان ہے گویا
دل تم نے لیا بہت اچھا کیا مگر	دل لیکے میری جان۔ دل آزار کیوں ہوئے

ثاقب ثاقب۔ منشی محمد نواز ثاقب۔ آپ کو حضرت احسان شاہجہانپوری سے تلمذ رہا ہے۔ ۱۸۹۳ء میں رسالہ گلچین گورکھپور کے دفتر میں ملازم تھے۔ خوش گو ہیں اور راجہ صاحب محمود آباد کے سرکار میں ملازم ہیں۔ یہ چند شعر اُن کے طبعزاد ہیں۔

لذتِ دردِ محبت نہ طبیبو پوچھو	کیوں دوا کرتے ہو تم دردِ جگر ہونے دو
جہاں کہے جسے اچھا وہی بشر اچھا	بُرا وہی ہے زمانہ جسے بُرا سمجھے
عجیب سے سرو پا ہے کلام واعظ کا	نہ ابتدا کوئی سمجھے نہ انتہا سمجھے

ثاقب ثاقب۔ مولانا نجم الدین احمد ثاقب بدایونی المخاطب بہ پہلوانِ سخن۔ آپ مولوی جمیل الدین احمد وکیل بدایونی کے صاحبزادہ ہیں ۱۲۸۵ھ ہجری میں بدایوں میں آپ کی ولادت ہوئی۔ عربی فارسی کی متعدد کتب اور فقہ۔ تفسیر۔ معقول منقول میں بھی آپ کی کافی استعداد ہے۔ سنِ شعور ہی سے شعر گوئی کا مذاق آپ کی طبیعت میں ہو گیا۔ ۱۸۸۹ء میں آپ گوالیار گئے۔ وہاں آپ کے ماموں مولوی غلام غوث وحید سرشتہ تعلیم میں ملازم تھے اور چونکہ آپ کو فنِ سخن سے ایک خاص رغبت تھی ان کے فیضانِ صحبت سے یہ بھی شعر کہنے لگے اور رفتہ رفتہ مشق کے ساتھ طبیعت کی امنگیں ترقی کرنے لگیں۔

آخر انہی کے اشارے سے دو ایک غزلیں حضرت داغ کی خدمت میں بھیجیں اور شاگرد ہو گئے۔ گوالیار میں کچھ عرصے قیام کے بعد اٹیہ میں جہاں آپ کے والد وکالت کرتے تھے چلے گئے وہاں سے تلاش معاش میں رامپور۔ دہلی۔ ریاست ہائے راجپوتانہ میں چکر لگا کر آخر کار بڑودہ پہنچے۔ اور میر احتشام علی خاں جاگیردار رئیس بڑودہ کے مصاحب ہو گئے۔ انہی کے کسی کام کے انجام دہی کے لئے ٹونک گئے اور وہاں پہنچکر حضرت ظہیر دہلوی کے فیضِ تلمذ سے بہرہ ور ہو کر زیادہ نام پایا حتیٰ کہ اب خود اُستاد مانے جاتے ہیں۔ راقم کی پہلے ۱۹۰۱ء میں بمقام دہلی ملاقات ہوئی پھر ۱۹۰۶ء ماہ جولائی اگست میں دورانِ قیام بمبئی اکثر ملاقات کے لئے تشریف لاتے رہتے تھے۔ پستہ قامت۔ زندہ دل حد درجے خلیق پابند وضع اور ملنسار شخص ہیں۔ آپ کی طبیعت ہمہ گیر واقع ہوئی ہے اکثر اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ اچھے مضامین کی تلاش الفاظ کا مناسب اور برمحل استعمال آپ کے کلام کا خاص جوہر ہے۔ زبان پر آپ کو حیرت انگیز قدرت حاصل ہے۔ طبیعت میں روانی اور خیالات کی تازگی قابل تعریف ہے۔ نہایت زود گو اور خوش کلام شاعر ہیں۔ تذکرہ خمخانۂ جاوید کی جو تقریظ آپ نے ارقام فرمائی ہے وہ آپکی حیرت انگیز قدرت و مشاقی فن کا قابلِ قدر نمونہ ہے۔ کوئی خاص وقت فکر سخن کا معین نہیں ہر وقت طبیعت حاضر رہتی ہے۔ اُستاد ظہیر انہیں بہت چاہتے ہیں۔ اور ان پر ناز کرتے ہیں۔ بارہا ایک ایک دن میں دو دو سو شعر کہنے کی نوبت آچکی ہے ایک دفعہ ٹونک میں کئی ماہ سے علیل اور صاحبِ فراش تھے آپ کے کسی تیماردار نے چند شعر محسن کاکوروی کے قصیدۂ نعتیہ کے پڑھے۔ اسی حالت میں آپ نے دو دن کے اندر تین سو شعر کا قصیدہ اُسی زمین میں کہہ ڈالا حضرتِ ظہیر نے بھی سُنا تو بیحد متعجب ہوئے۔ اور سخت ممانعت کی کیونکہ آپکی حالت واقعی خراب تھی۔ پہلوانِ سخن کا خطاب بھی انہیں کا دیا ہوا ہے جسکی وقعت اس لحاظ سے کہ اقلیم سخن کے سچے فرمانروا حضرتِ ظہیر کا عطیہ ہے۔ اور بھی گران قدر ہے

مولانا ثاقب اب پندرہ برس سے زیادہ تر بمبئی اور بڑودہ میں رہتے ہیں۔ ٹونک۔ احمد آباد۔ بڑودہ بمبئی میں اکثر موزوں طبع آپ کے شاگرد ہیں۔ جنہیں حضرت جادو۔ نامر قابل ذکر ہیں۔ اب کلام ملاحظہ ہو۔

میں وہ سالک ہوں کہ مسجودِ ملائک ٹھیرا
بن گیا نورِ ازل داغ جبیں سائی کا

مدام دست نگار اور دل بیمار رہا
وہ مست ہوں کہ جو غفلت میں ہوشیار رہا

ملا نہ بل سکے رہیگا وہ فتنۂ دوراں
ہُوا نہ ہو کے کسیکا یہ روزگار رہا

شہیدِ ناز کے دل کی رہی سہی حسرت
مٹاتے جاؤ یہ کیا دو قدم مزار رہا

تری وہ آنکھ کہ چوری نہ چھپ سکی اپنی
مرا یہ دل کہ خدائی کا رازدار رہا

تمام عمر رہی اسپہ آسماں کی نظر
جو دو گھڑی بھی کوئی آپ سے دوچار رہا

جان و دل پہلو بپہلو اُن کا پیکاں لیچلا
میزباں کے گھر کی رونق ایک مہماں لیچلا

دل کو فقر و لیں نگاہِ ناز کے آنا نہ تھا
پچلتے چلتے سر پہ کن اوچھوں کا احساں لیچلا

میں چراغ صبح تھا ظالم کہ تیری بزم سے
چشم گریاں سینہ بریاں دم پریشاں لیچلا

پھر خبر لینا کنکھیوں سے ذرا اسے مستِ ناز
پھر چُرا کر زخم دل سے کوئی پیکاں لیچلا

غنچہ غنچہ سے رُلانے کے لیئے وحشی ترا
چاک دل چاکِ جگر چاکِ گریباں لیچلا

غلط الزام ہے جرم شکایت ہائے دشمن کا
کہ فرطِ لاغری سے ہے خموشی نام شیون کا

تصور رخنہ پیدا ساز خلوت گاہ دشمن ہے
کہ چشم دوربیں سے ہے تماشا چشمِ روزن کا

رفتہ رفتہ گوشۂ دامن بنا دامانِ چشم
خواب مرگِ طفلِ اشک آخر یقینی ہو گیا

وہ سینہ طور بنے گا وہ چشم شوق کلیم
کہ جبکے سامنے تو بے نقاب آئے گا

یہ کہہ رہی ہے تری چشمِ شوخ کی گردش
کہ اب کوئی نہ کوئی انقلاب آئے گا

غربت پسند وہ ہوں کہ مضطر وطن میں تھا
آوارہ شکلِ بوئے گلِ تر وطن میں تھا

قسمت پھری نہ گردش پا سے جنوں کیساتھ
گویا سفر میں ہم سے مقدر وطن میں تھا

سخت جاں ہو کے آبرو کھوئی
آبِ خنجر میں ڈوب مرنا تھا

دور سے آئے تھے جنابِ کلیم
بے خودی کچھ تو پاس کرنا تھا

شانِ رحمت حساب سے پہلے
تجھکو عصیاں سے در گذرنا تھا

ایمیں ہیں دستِ بُردِ خزاں سے سخن کے پھول
مہماں ہیں کوئی دن کے چمن میں چمن کے پھول

محوِ بہارِ حُسنِ دل آرا ہوں اسقدر
ہر خارِ دشت سامنے آتا ہے بن کے پھول

اے شبِ ہجر جا نہیں ہو تری عمر دراز
رہ نہ جائے کوئی دُکھ درد کا پہلو دل میں

رکھیو آہستہ قدم اے فتنۂ پُر شورِ حشر
سو رہے ہیں کُشتۂ نازِ بتاں زیرِ زمیں

جانفزا کس درجہ ہے سیرِ عدم آباد بھی
جا رہا ہے جان دے دے کر جہانِ زیرِ زمیں

نگاہیں اُنکی بیعانہ ادائیں جان کا ہدیہ
جو کچھ لیتے ہیں وہ قیمت چکا کر مول لیتے ہیں

ٹھکانا ایسی خسّت کا کہ تکیے میں فقیروں کے
زمیں دو گز بھی مرمر کر تونگر مول لیتے ہیں

بنا رندوں کو بہکانیکی واعظ آج ڈالیں گے
کہ خشتِ خم پہ تعمیرِ ممبر مول لیتے ہیں

کوئی گاہک ملے تو بیچتے ہیں جوہرِ ذاتی
کوئی بیچے تو ہم اے دل مقدر مول لیتے ہیں

غلط ہے مفت کی پیتے ہیں کسدن حضرتِ واعظ
مگر ہاں عید کے وعدہ پر اکثر مول لیتے ہیں

تری تصویر کا اترا ہوا آئینہ ہے شاید
جسے ہم جانکر بختِ سکندر مول لیتے ہیں

متاعِ جان عاشق کی ہے قیمت اسقدر ہلکی
نگاہوں کے اشاروں میں ستمگر مول لیتے ہیں

ہمارے دام تو کھوٹے نہیں اے کاسۂ گردوں
وہی پھوٹا نکلتا ہے جو ساغر مول لیتے ہیں

عزیزوں سے زیادہ سنگدل ہے کون دنیا میں
کہ ہم تو جان دیتے ہیں وہ پتھر مول لیتے ہیں

ہوا ہے کس کا پردہ فاش یارب آج غربت میں
کنارِ دامنِ یوسف رفوگر مول لیتے ہیں

ایسی باتیں مرے ساقی کی ہیں چکنی چپڑی
شیخ و واعظ کے بھی ایمان پھسل جاتے ہیں

بھولی باتوں میں ہے اِن شعلہ رخوں کی وہ اثر
دل تو کیا چیز ہے پتھر بھی پگھل جاتے ہیں

توبہ توبہ ہے نہ مستوں کی نہ پیماں پیماں
بدلیاں دیکھ کے سب عہد بدل جاتے ہیں

محبت سے جہاں میں کوئی خطا رہ گئی نہو
بیٹھکر سینے میں اور پردہ نشیں یہ چھیڑ چھاڑ
آپ میں جب میں نہیں تو مجھ سے پردہ کیا ضرور
دل لیا تھا مجھ سے کن شرطوں پہ اے بندہ نواز
اور ہی عالم نظر آیا جہاں جھپکی پلک
چار دن جینے کی خاطر کون لے احسانِ غیر
نام لیوا تو ظہیر و داغ کا ثاقب بھی ہے

اے رحمتِ خدا مرے حق میں کمی نہو
دل کا چاہا کیوں ہوا آنکھوں کا چاہا کیوں نہو
تم بھری محفل میں اپنے آپ رسوا کیوں نہو
اب خدا لگتی کہو آخر تقاضا کیوں نہو
عاقبت بیں آنکھ میں دنیا تماشا کیوں نہو
توبہ توبہ وہ لبِ جاں بخشِ عیسیٰ کیوں نہو
وہ برا ہو یا بھلا ہو جا ہے جیسا کیوں نہو

مکافاتِ شکایتہائے بختِ نارسا تم ہو
دلِ نادیدہ شکلِ مدعا کے مدعا تم ہو
ہجومِ ناامیدی نے وہ ڈالی پردۂ غفلت
سمجھتا ہوں اسے بھی خواب۔ گر جلوہ نما تم ہو

ہوں تری خو لے تلون کہ کسی کل نہیں چین
جان دوں پھر بھی ہے مرنا بھی ہے مشکل مجھکو
شکوہ ہجر نہ تھا تذکرۂ وصلِ عدو
گالیاں دینے لگے کیوں سرِ محفل مجھکو
سخت جاں میں نہیں تم خنجرِ بے آب نہیں
منہ عبث موڑ لیا دیکھ کے بسمل مجھکو

میں غیر ہوں غیر کو نہ چاہو
جو عہد کیا ہے وہ نبا ہو
تم دل میں ہو دل مری بغل میں
کس طرح کہوں کہ بیوفا ہو
جب جان کہا تو ہنس کے بولے
ہاں صاف نہ کہدو بے وفا ہو
سچ کہتے ہیں تمہاری جان میں ہوں
کیوں جان سے اسقدر خفا ہو
ثاقب یہی حسنِ شاعری ہے
مضمون زبان میں ادا ہو

شبِ غم کیا کہوں یادِ خرامِ ناز کیا لائی
مری تقدیر کے سوتے ہوئے فتنے جگا لائی
کھلے گی ان کے فتنوں کی دکاں بازارِ محشر میں
خدا ہے گر کہیں سے کچھ رقم ملجائے بالائی
یونہی کیا کم تھی میری آہِ سوزاں جی جلانے کو
وہاں جا کر لگی میں اور یہ ظالم لگا لائی
صبا کچھ خاک میری بھی پڑی تھی کوئے قاتل میں
ادہر لا ہاتھ مٹھی کھول دیکھوں کیا اڑا لائی

قیامت پر یقیں ہے کچھ اجل سے کچھ پہ زور تھا
وہ آئیگی تو کیا لائے گی یہ آئی تو کیا لائی

وہ خود پردے میں کب بیٹھے وہ خود پردے سے کب نکلے
نظر تک شوخیاں لائیں مرے دل تک صفا لائی

جسکے دل میں ایک تیری یاد ہے
دونوں عالم سے وہی آزاد ہے

قید سے ظالم بھی کب آزاد ہے
دامِ فکرِ صید میں صیاد ہے

خود مسیحا بر سرِ بیداد ہے
اے اجل فریاد ہے فریاد ہے

ضلع کل ایسی کسی کی یاد ہے
دوست و دشمن سب کا دل آباد ہے

اپنے منہ سے آپ کہدیں نامراد
یہ مرادِ عاشقِ ناشاد ہے

مانا کہ آپ ہیں ستم ایجادیوں میں فرد
اچھا جو کوئی چال نئی آسماں چلے

جھونکوں میں آہِ سرد کے دم ہوگیا فنا
دوشِ نسیمِ صبح پہ ہم ناتواں چلے

خودنمائی بھی قیامت ہے خودآرائی بھی
تم بھی حیرت میں ہو سکتے ہیں تماشائی بھی

وصل میں چھیڑ دیا قصۂ دشمن ہنسنے
اب جماہی بھی انھیں آئیگی انگڑائی بھی

مذہبِ عشق میں کہتے ہیں جسے مجبوری
دوسرا نام اسی کا ہے شکیبائی بھی

تیری آنکھوں میں وہ مستی ہے کہ ملتے ہی نظر
بن گئی ساغرِ مے چشمِ تمنائی بھی

وہ نیچی نیچی نگاہوں میں کیا نہیں کرتے
حیا کے پتلے ہیں لیکن حیا نہیں کرتے

بُرائی پر تو زمانے کو کرلیا اپنا
بھلے کو آپ کسی کا بھلا نہیں کرتے

طریقِ عشق سے واقف نہ تھا مگر منصور
سمجھنے والے تو منہ سے کہا نہیں کرتے

عدو کے دل میں کہاں ہیں تمھارے تیرِ ادا
خطا معاف یہ ناوک خطا نہیں کرتے

امیدِ رحمت و شرمِ گناہ و خوفِ خدا
جو رند کرتے ہیں وہ پارسا نہیں کرتے

ہم اور کچھ نہیں کرتے قصور کرتے ہیں
رقیب کرتے ہیں کیا کچھ خطا نہیں کرتے

یہ حال اپنا ہوا غیرِ ہجر میں ثاقب
کہ غیر مرنے کی بھی ہے دعا نہیں کرتے

بوالہوس کی رسمِ الفت اور ہے
بندہ پرور میری حسرت اور ہے

جگ ہنسائی کی محبت اور ہے / عاشقی حضرت سلامت اور ہے
مٹ چکے سب فتنے تیری راہ میں / اک تھکی ماندی قیامت اور ہے

ثاقب

ثاقب۔ مرزا ذاکر حسین صاحب قزلباش لکھنوی۔ دورِ موجودہ کے ایک طبیعتدار خوش فکر شاعر ہیں۔ باوجود تلاشِ مزید حالات دستیاب نہیں ہوئے۔ معائنہ کلام سے پایا جاتا ہے کہ فکر رسا ہے۔ زبان صاف ستھری اور بندش چست ہے۔ ہر شعر میں بات پیدا کرنیکی کوشش کرتے ہیں۔ کلام بہم رسیدہ کا انتخاب حاضر ہے

گل و بلبل کی تباہی پہ خدا رحم کرے / دو گھڑی مل کے نہ بیٹھے تھے کہ صیاد آیا
درازی دامنِ محشر کی بھی معلوم ہو جاتی / اگر کچھ اور بڑھتا حوصلہ چاکِ گریباں کا
محبت کا سبق پڑھکر ہوئی دیوانگی حاصل / کتابِ عشق تھی تھا حاشیہ چاکِ گریباں کا
الفت کی آگ جب سے ہوئی ہمکنارِ دل / ہنستے ہیں برقِ طور پہ کیا کیا شرارِ دل
کیوں روئے بیخودی پہ برسنے لگا ہے نور / کس کی تجلیاں ہوئیں آئینہ دارِ دل
کرتا ہے ضبطِ آہ کو رخصت جگر کا درد / آخر ہے آج صحبتِ صبر و قرارِ دل
مرنا ترے فراق میں سہل اے صنم نہیں / یہ شکلِ انتظار ہے آنکھوں میں دم نہیں
اس یاوری بخت کے قربان اے کریم / وہ میری نبض دیکھتے ہیں مجھ میں دم نہیں
کہاں کہاں ہے ترا عشق رنگ لائے ہوئے / شفق کے خون ہی سے شامِ غم نہائے ہوئے
ہوائے عشق تھی یا صرصرِ فنا یارب / چراغ کس نے بجھائے ترے جلائے ہوئے
جگر کے زخم کا اور داغِ دل کا حال نہ پوچھ / یہی ہیں عشق و محبت کے گُل کھلائے ہوئے
سینہ میں اب مٹے ہوئے دل کا پتہ کہاں / اک داغ ہے کہ نقشِ تمنا کہیں جسے
کیا ہست و بودِ قطرہ و موج و حبابِ بحر / مجموعۂ خیال ہے دریا کہیں جسے
سینے میں نیشِ غم کے مزے لے رہا ہے دل / رگ رگ میں وہ خلش ہے کہ کانٹا کہیں جسے
اب علاجِ زخم و امتدار رہنے دیجئے / تیر کو سینے میں تا سوفار رہنے دیجئے
وصل کی دیکر زباں اتنی پشیمانی ہے کیوں / اب تو جو کچھ ہو چکا اقرار رہنے دیجئے

یک زباں ہیں سب علاج دردِ دل کے باب میں	جو ہے کہتا ہے اِسے بیمار رہنے دیجئے
وحدت و کثرت کا میں قائل نہیں اے اہلِ دیں	بندۂ عشقِ بتِ پندار رہنے دیجئے
یادگارِ عشق ہے یہ صحبتِ تیغ و جگر	اور دم بھر حلق پر تلوار رہنے دیجئے
رو دیے جب تک نہ نوائے ثاقبِ دردِ دل	آنکھ کو جب تک رہے خونبار رہنے دیجئے

ثاقب

ثاقب - مولانا مولوی محمد نواب خاں - نواب احمد علی خانصاحب رئیس مالیر کوٹلہ والئے حال کو زمانۂ نابالغی میں آپ فارسی اردو پڑھایا کرتے تھے - اب بھی اُسی ریاست کے دُعاگو ہیں - گاہ گاہ اپنے آقا کی فرمایش سے فکرِ سخن بھی کر لیتے ہیں - مالیر کوٹلہ کے مشاعروں میں چند غزلیں پڑھی تھیں اُنکا انتخاب درج ذیل ہے -

رباعی

عاشق تو ہیں لیکن نہیں ہرجائی ہم	ہیں جنسِ غم و درد کے سودائی ہم
سُنتے ہیں بگوشِ دل فغانِ بلبل	ہیں درد بھرے دل کے شیدائی ہم

کسیکو جان بھی دیدیجئے یہ خواہشِ دل ہے	ہم آمادہ ہیں مرنے پر اجل کہتی ہے مشکل ہے
اشاروں سے ہوئے طالب جب وہ دل کو کہا میں نے	یہی لے لیجئے لے دیکے اپنے پاس اک دل ہے
ابھی بیٹھا ہی تھا محفل میں میں آ کر کہ بول اُٹھے	اُٹھا دو اس کو بارِ خاطرِ اربابِ محفل ہے
بھلا مرہم سے کیا اے چارہ گر ہو زخمِ دل اچھا	یہ دل اپنا نگاہِ یار کے پیکاں سے بسمل ہے
بندھا ہے تارِ گیسو میں - پھنسا ہے پیچ کاکل میں	بلائیں دل کی گرد دیدہ بلاؤں پر یہ مائل ہے

ثاقب

ثاقب - شیخ غلام محمد شہاب الدین نام خلف شیخ حافظ سلام الدین نادر نبیرہ نواب حاجی محمد خاں مرحوم مدار المہام مارواڑ آپ کا خاندان اجمیر میں معزز و موقر مانا جاتا ہے - ابھی عنفوانِ شباب ہے اور تحصیل علم میں مشغول ہیں حضرت فصیح الملک داغ دہلوی کے رشید شاگرد نواب عبداللہ خاں مطلب مرحوم آپ کے حقیقی ماموں تھے - شعر و سخن سے ذوق ہے - مگر غزل گوئی کی طرف اسقدر رجحان نہیں جس قدر اخلاقی نظموں سے دلچسپی ہے - ہنگام ترتیب تذکرہ کچھ کلام خود ارسال کیا ان میں سے چھ شعر حاضر

سے کرُ جاتے ہیں۔

میکدہ میں دیکھ کے شغل حریفانہ مرا	خم سے کچھ سرگوشیاں کرتا تھا پیمانہ مرا
شیشہ میں خیالی صورتیں ہیں جلوہ گر	رو کش بزم سلیماں ہے پری خانہ مرا
روکتا دربان مگر شب کو بحسن اتفاق	بھیس از راہ تفنن تھا فقیرانہ مرا
دل نے الفت میں نہ کی اپنی خرابی پہ نظر	حسرت تعمیر سے ہے پاک کاشانہ مرا
سب کو نخل وادیٔ ایمن کا دیتا ہے نشان	پتا پتا ڈالی ڈالی ہر شجر اجمیر کا
نہیں ہے دعویٔ الفت مگر میں کہتا ہوں	زباں پہ نام ترا بار بار آتا ہے

ثاقب

ثاقب ۔ مولانا سید محمود حسن دہلوی خلف سید محمد یحییٰ خاں خلف نواب سید محمود خاں ۔آپ سادات کرام اور شرفاے دہلی میں سے ہیں۔ آپ کے حقیقی چچا سید محمد ذکریا خاں صاحب زکی غالب مرحوم کے رشید شاگرد اور صوبہ شمال مغرب میں ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس تھے ۔آپ کے بزرگوں کا وطن نیشاپور ہے سو وہاں سے شاہجہاں کے وقت میں کشمیر آئے اور کچھ عرصے بعد دہلی آکر دربار میں خدمات شایستہ پر مقرر ہوئے ۔آپ کے نانا میر سید علی سادات عربلہ سے دہلی میں موقر و ممتاز بزرگ تھے ۔ سید محمود حسن صاحب دہلی میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۸۱-۵ تک ۶ برس اپنے چچا کے زیر سایہ الہ آباد میں تعلیم پائی ۔جب انکی تبدیلی کے باعث دہلی واپس آئے تو اگرچہ عمر ۱۷ برس سے زائد نہ تھی مگر ذہن میں لیاقت اور معلومات کا اچھا ذخیرہ جمع کر لیا تھا ۔یہاں ایک ایکسال عربی سکول میں تعلیم پانے کے بعد انگریزی تعلیم سے بددلی پیدا ہوگئی اور سیاحت کا شوق دامنگیر ہوا راجپوتانہ کی مختلف ریاستوں میں دو تین سال پھرتے رہے اور سنہ۹۰ء میں کوٹہ کی ریاست میں ملازمت اختیار کر لی ۔چندہی روز بعد قانونی دستگاہ بہم پہونچا کر منظوری ریاست وہاں وکالت شروع کر دی ۔چونکہ زبان میں طلاقت اور ذہن میں رسائی اور جودت خوب نمایاں تھی وکالت میں اچھی کامیابی حاصل کی ۔معاش کی طرف سے اطمینان ہو جانے پر شاعری کی طرف توجہ کی ابتدا میں مولوی سید افضل حسین صاحب ثابت لکھنوی سے اصلاح سخن لیتے رہے پھر بذریعہ مکاتبت اپنے چچا جناب زکی سے مشورہ کرتے رہے اور

اُن کی وفات تک یہ مشغلہ زوروں پر رہا۔ کچھ کلام نقل تذکرہ کے ہنگام ارسال کیا اُسکا انتخاب درج کیا جاتا ہے۔ زبان صاف شستہ اور اُسمیں جابجا استعارات وندرتِ بندش واسلوب بیان سے تکلفات پیدا کرتے ہیں۔ شعر میں بات پیدا کرتے ہیں۔ اخلاقی مضامین لکھنے کا بھی شوق ہے۔ آدمی لئیق اور شریف اور باوضع ہیں۔ فن سخن سے اچھی دل بستگی ہے۔ اکثر احباب صحبت میں یہی چرچا رہتا ہے اب کلام ملاحظہ ہو۔

میں قیدی ہوں ازل سے عشق وناز حسنِ خوباں کا
مجھے شہید سمجھتے ہیں وہ اپنے روئے تاباں کا

لگا رہتا ہے پہرہ یاس و درد و رنج و ارماں کا
تماشا دیکھتا ہوں خود میں اپنی چشمِ حیراں کا

ادھر بھی ہو نگاہِ لطفِ ساقی ہو
دلِ ناشاد کو بھی شاد کرنا ہو

کہیں اہلِ وفا کا ذکر تو ہو
میں دیکھونگا نہ مجھکو یاد کرنا

ہمیں کیا خبر تھی کہ کیا کیجئے گا ہو
وفا کیجئے گا جب آپ کیجئے گا

وہ قتل یہ تو ذرا کیجئے گا ہو
نکل جائے دم وہ ادا کیجئے گا

وفا اُٹھ گئی اب زمانہ سے ثاقب
جو دل دیجئے گا خطا کیجئے گا

ثاقب بس اب تو گوشۂ عزلت میں بیٹھ رہ
مطلب کا اس زمانہ میں یارانہ رہ گیا

بقا میری اُسے منظور کب تھی قتل کیوں کرتا
لکھی تھی میری عمر جاوداں شمشیرِ قاتل پر

کام بن بن کے بگڑ جاتے ہیں یوں سب اپنے
بحرِ تدبیر میں گویا یہ حباب آتے ہیں

عالمِ زیست میں ملتی ہی نہیں غم سے نجات
کیا عدم سے ہم اُٹھانے کو عذاب آتے ہیں

کب نہیں آتے ہیں وہ جذبۂ دل سے کھنچ کر
جب تڑپتا ہے دلِ خانہ خراب آتے ہیں

خوف کرتے ہیں کسی کا نہ حذر کرتے ہیں
اہلِ دل عشق میں مردانہ بسر کرتے ہیں

تھے کبھی گلشنِ ہستی کے بھی گل لالہ ہو
جنکو پنہاں تہِ خاک آج بشر کرتے ہیں

طعنۂ غیر نہیں ہیں کہ جنہیں سن نہ سکو
ہم فقط تذکرۂ دردِ جگر کرتے ہیں

دل میں ہے آئینہ رویوں کا تصور ہر دم
عمر ہم عالمِ حیرت میں بسر کرتے ہیں

آہ و زاری کیا کروں ہیں دادخواہی کیا کروں
کون سنتا ہے بیان اپنی تباہی کیا کروں

کس بنا پر میں کروں شکوہ الٰہی کیا کروں
دل ہی میرا کچھ نہیں دیتا گواہی کیا کروں

جب فقیری میں ہی قابو سے نکل جاتا ہو دل
میری شامت آئی ہے میں لیکے شاہی کیا کروں

دل کمر بستہ وفا پر وہ جفا پر مستعد
جان پر ہے سخت آفت یا الٰہی کیا کروں

بے سروساماں ہوں ثاقب اور مجکو ایک دن
جانبِ ملکِ عدم ہونا ہے راہی کیا کروں

نیم جاں کرکے تم عاشق کو کدھر جاتے ہو
رقصِ بسمل کا ذرا ٹھیرو تماشا دیکھو

بزمِ اعدا میں بھی جا بناز نظر آئیں گے
تم اٹھا کر تو نقابِ رخِ زیبا دیکھو

کیا غضب تم نے کیا حضرتِ دل چھیڑ دیا
بے طرح بکھری ہے وہ زلفِ چلیپا دیکھو

شکر کے بعد شکایت ہے زباں پر ثاقب
یہ طریقہ نہیں تسلیم و رضا کا دیکھو

ہوا انجم و مہر و مہِ انور سے زیادہ
دو چار سے کیا تم تو ہو اکثر سے زیادہ

حسرت مری نکلی مگر ایسی کہ نہ نکلی
وہ آئے بھی تو ٹھیرے نہ دم بھر سے زیادہ

زنجیرِ زلف سے جو رہا ہیں وہ اور ہیں
عاشق کہیں نکلتے ہیں اس پیچ و تاب سے

اللہ رے جذبۂ کششِ عشق و شوقِ حسن
منصور ایک بات میں نکلا حجاب سے

گر سوزِ دل نہو تو مزا کیا ہے عشق کا
لذت پھلوں میں ہے طپشِ آفتاب سے

رکھا ہے کیا تاسف و افسوس کے سوا
دنیا بھی کم نہیں ہے وجودِ سراب سے

کونسا دل ہے نہ جس میں تری الفت ہوگی
کونسا گل ہے نہ جس میں تری نکہت ہوگی

چار ہوتے ہی گئے نذرِ دل و جاں ہم نے
شاید اُس شوخ کی آنکھوں میں کرامت ہوگی

حاصلِ جور و جفا لطفِ بقائے ابدی
تیرے شیدا کو نہ کیوں مرنے کی حسرت ہوگی

ذاتِ مطلق کے فدائی سے سروکار ہی کیا
ہوگی جھکنے لئے اے یار قیامت ہوگی

رات دن فکرِ حسینانِ جہاں رہتی ہے
تجکو ثاقب کبھی ان جھگڑوں سے فرصت ہوگی

واقعی قہرِ خدا عشقِ بتاں ہوتا ہے
دردِ دل دشمنِ دیں۔ آفتِ جاں ہوتا ہے

وائے وارفتگیٔ دل کہ تصوّر میں بھی
چشمِ گریاں دلِ بریاں متحیّر بے خود
چشمِ حیرت چاہیئے ذوقِ تماشا چاہیئے
سر میں سودا چاہیئے۔ دل میں تمنا چاہیئے
درد و رنج و یاس و ہجر و داغ و سودا چاہیئے
کشتۂ نازِ تغافل ہوں جنازے کو مرے
چشمِ عالم ہے طلسمِ نقشِ حیرت لا کلام
ہم بھی ہیں قدرت سے تیرے لطف کے اُمیدوار
اللہ اللہ سازگاری سوزِ حسن و عشق کی
امتحانِ عاشق و اغیار کیا دشوار ہے
اُن کی شرمِ بے محل نے کردیا خونِ سوال
کب تلک آخر یہ جوانی ثاقبِ عشرت گزیں

وہ یہاں ہوتے ہیں۔ لیکن یہ وہاں ہوتا ہے
اہلِ باطن کا یہ تمغہ یہ نشاں ہوتا ہے
اُسکا شیدا ہر نفس محوِ تجلےٰ چاہیئے
عشق کو کچھ آسرا۔ کوئی سہارا چاہیئے
ایک الفت کے لئے ساماں کیا کیا چاہیئے
آرزوؤں کا کفن حسرت کا کاندہا چاہیئے
ہر دم اس میں پیکرِ آئینہ سیما چاہیئے
ساقیٔ فیاض ادہر بھی جامِ صہبا چاہیئے
ورنہ پروانہ کو کیوں اُلٹی تمنا چاہیئے
پردہ سے باہر ذرا وہ روئے زیبا چاہیئے
کاش اتنا ہی وہ ظالم پوچھتا کیا چاہیئے
ابتواے مردِ خدا کچھ فکرِ عقبیٰ چاہیئے

ثروت

ثروت۔ نواب بخش اللہ خاں مرحوم خلف الرشید وزیر صاحب تدبیر نواب عماد الملک غازی الدین خاں وزیر احمد شاہ عالمگیر ثانی۔ خوجوان قابل۔ صاحب اخلاق و مروت اور رسائی ذہن اور عالی ہمتی کے باعث اقران و اماثل میں ممتاز تھے کبھی کبھی باقتضائے موزونیٔ طبع زبان اُردو میں شعر بھی کہا کرتے تھے قدرت اللہ شوق کا بیان ہے کہ صاحب دیوان تھے جو کچھ کلام نظر سے گذرا اس میں سے تبرکاً چند شعر یہاں انتخاب کرکے لکھے جاتے ہیں۔

ادائے نازِ شوخی میں ہے وہ آتش کا پرکالا
ترا چلنا ٹھہرنا دیکھنا مڑ مڑ کے لے ظالم
ہوا اس شعر وسے ہر گھڑی ثروت تو ہم محفل
صنم کی بزم میں جو مے کا جام چلتا ہے

نگہ برقِ درخشاں اور رو آتش کا پرکالہ
جسے دیکھو سو ہے سب مُو بمُو آتش کا پرکالہ
غضب ہے وہ ستمگر شعلہ خُو آتش کا پرکالہ
تو یہاں بھی خونِ جگر پی کے کام چلتا ہے

ثروت

ثروت - جناب نواب احمد علیخاں صاحب عرف پتن صاحب رئیس لکھنو توپ دروازہ شاگرد جناب نواب بندہ علی خاں زیبا مرحوم لکھنوی موزوں طبع سخن اور لکھنو کے ایک قدیم معزز خاندان کے رکن ہیں انجمن معیار میں یہ بھی شریک ہیں - مذاق سلیم اور طبیعت شگفتہ پائی ہے - حالات باوجود تلاش دستیاب نہیں ہوئے - مجبوراً اندراج انتخاب کلام پر اکتفا کی گئی -

سوزِ پنہاں سے مرے سینے میں دل کیا جل گیا
خانۂ حسرت پھنکا قصرِ تمنا جل گیا

تیری کاکل یاد آئی پڑگیا اک دل میں داغ
رات ہوتے ہی چراغ اے ماہ سیما جل گیا

کس جنوں دوست کا دم اے شبِ ہجراں نکلا
شب کے پردے سے جو دن چاک گریباں نکلا

وجہ تسکیں کی ترے تیر کا پیکاں نکلا
ہم جسے درد سمجھتے تھے وہ درماں نکلا

سُننے والے رو رہے تھے دل ہر اک غمگین تھا
اک مرقع رنج و ماتم کا مرا افسانہ تھا

کھونگا روزِ محشر کس لئے قاتل سے پرسش ہو
جفا دل کو پسند آئی جفا کو دل پسند آیا

کچھ ایسے اسکے سامنے جاتے رہے حواس
جو خاص مدعا تھا وہی دل میں رہگیا

آنے دیا نہ لب پہ ترے رعبِ حسن نے
جو کچھ سوال تھا دلِ سائل میں رہگیا

لیلی وہ خاکِ دشت تھی ہے یہ غبارِ قیس
جو کچھ لپٹ کے پردۂ محمل میں رہگیا

دردِ اظہار بھی کہنے سے ہوئی کچھ نہ کمی
آہ کرنا شبِ غم وجہ تسلی نہوا

زندہ کرتا تو کسی اور ادا پر مرتا
فکر کیا گر لبِ قاتل لبِ عیسیٰ نہوا

لاکھ چاہا نہ کیا اس نے مرض کا درماں
اور مری جان بھی دینے پہ وہ راضی نہوا

سینہ کو خانۂ ماتم تھا ازل سے بننا
تھا مرے دل کو تمناؤں کا گھر ہوجانا

فاتحہ پڑھتے نہیں گر قبر کو ٹھکرا ہی دو
پاس کچھ تو چاہئے وارفتۂ رفتار کا

ختم ہو عریانی کا کیا قاتل شہیدوں کو ترے
بس ہے بہت بہرِ کفن دامن تری تلوار کا

بیٹھ جاتا ہوں پسِ دیوار قصرِ یار اگر
ضد سے ہٹ جاتا ہے سایہ بھی تری دیوار کا

سامنے قاتل کے کیا جائے کوئی مشتاقِ دید
تشنۂ خوں ہے وہ اپنے تشنۂ دیدار کا

وعدہ بے درد کو آنے کا اگر یاد آیا　　درد بن کر مرے دل میں ستم ایجاد آیا
آنکھیں خود بند ہوئیں سو گئے غافل ہو کر　　اسقدر چین تہِ خنجرِ جلاد آیا

گلو ہے غیرتِ خورشید میرے ماہ تاباں کا　　سحر ہو شب کو کھل جائے اگر تکمہ گریباں کا
دلِ پرخون کی جانب ہے اشارہ چشمِ جاناں کا　　قبائے سرخ میں یہ خوب ہے تکمہ گریباں کا
جنوں میں چاک ہونا تو گریباں کا کہاں ممکن　　نہ ٹوٹا ناتوانی سے کبھی تکمہ گریباں کا
لئے جاتا ہے مجھ دیوانہ کا تو خط چراے قاصد　　گریباں پھاڑ لے یا کھول لے تکمہ گریباں کا
گریباں کھلتے ہی رازِ جنوں سب ہو گئے افشا　　کلیدِ قفلِ وحشت تھا مگر تکمہ گریباں کا
یہ شوقِ ذبح ہے اللہ اکبر دیکھ او قاتل　　کہ بیٹھا ہوں میں خود کھولے ہوئے تکمہ گریباں کا

جس طرح قبر میں جی چاہے لٹا دیں احباب　　رُخ رہے گا طرفِ کوچۂ دلبر اپنا

ہو بُرا بے خودیِ الفت کا　　دل کا جو راز تھا زباں پر تھا

نالہ کش تھا۔ درِ جاناں پہ ہوا دل خاموش　　لو جرس ہو گیا جا کر سرِ منزل خاموش
سب کو پروانہ بنایا ہے بنے ہیں خود شمع　　کیا تماشا ہے کہ محفل کی ہے محفل خاموش
حال ایذائے جراحت ہے تڑپنے سے عیاں　　گو مثالِ دہنِ زخم ہے بسمل خاموش

پوچھنے بیٹھے ہیں تصویروں سے حالِ عاشقاں　　آج ضد ہے مجھ سے باتیں پیکرِ بے جاں کریں

آئینہ ہے ہاتھ میں حالت تغیر کی یہ ہے　　جو نظر میں تھی ابھی دیکھا تو وہ صورت نہیں

زخم وہ رکھتے ہیں گل ہو گا نہ گلزاروں میں　　سیر کو آؤ کسی روز دلِ افگاروں میں
ہے اسی چرخ و زمیں میں دلِ پُر داغ اپنا　　ڈھونڈھوں نوروں میں الٰہی کہ اُسے تاروں میں

اس آئینہ میں ہمکو عکس ہی بنکر نظر آجا　　کہ رکھ کر سامنے دل طالبِ دیدار بیٹھے ہیں
ابھی دل سامنے اُنکے نہ لیجانا کہیں ثروت　　ابھی اُلجھی سی ہے زلف آئینے سے بیزار بیٹھے ہیں

سہتا ہوں جور کشورِ الفت میں بس نہیں　　عہدِ انقلاب ہے کہ چمن میں کوئی دادرس نہیں
ٹکرا کے سر کو مر گئے یا توڑیں تیلیاں　　صیاد یا ہم آج نہیں یا قفس نہیں

خنجر تو میرے حال پہ روتا ہے اشکِ خوں
اللہ رے سنگ دل تجھے آتا ترس نہیں

لازم ہے اس طرح سے مجھے صیاد قید رکھ
سمجھوں میں آشیانہ ہے میرا قفس نہیں

نگاہ ہونکا وفادارونکی وقتِ واپسیں عالم
ٹھہر کر تم مری بالیں پہ دم بھر دیکھتے جاؤ

جو کچھ ہے دعویٰ سنگیں دلی اچھا پچھاڑوں میں
جگر کا زخم اگر تم ہو ستمگر دیکھتے جاؤ

کیونکر محبت انکی مرے دلکو بار ہو
کس طرح گل کو رنگ بھلا ناگوار ہو

عرض اپنا حال آہ میں نالے میں کرچکا
اب کس طرح کہوں جو تمہیں اعتبار ہو

گونگی ہو کیوں زباں مری ایسی دعا کرو
نا آشنائے حرفِ شکایت ہی کیوں نہ ہو

ستم وہ کونسا ہے یاد جو تجھکو نہیں ظالم
جہاں ہو تو کہیں پھر اس زمیں پر آسماں کیوں ہو

دکھیں گے دستِ نازک گر رہے بانکے ستمگر کے
ندامت ہو گی لے شوقِ شہادت پھر مجھے مر کے

ہوئے پژمردہ یہ کس نے نگاہِ گرم سے دیکھا
ابھی تو پھول تازہ تھے مری تربت کی چادر کے

کسی صورت سے میری مشکل آساں ہو نہیں سکتی
کہ میں ہوں سخت جاں اور ہاتھ نازک ہیں ستمگر کے

یہ کس پہ غیظ آیا تھا جو سرخ آنکھوں کے ڈورے ہیں
نگہ کی تیغ سے آئے ہو کس کے دل کا خوں کر کے

نگاہِ شوق تو بیتاب شامِ وصل ہے ثروت
حیا کا حکم ہے آنچل نہ سینے سے ذرا سرکے

کہتے ہیں وہ ہماری طرف کیوں نگاہ کی
تو بس ہم اس خطا پہ گنہگار ہو گئے

عادتِ رحم بھی دکھلائے ستم کی خو بھی
ہنسکے پاس اپنے بٹھایا تھا رلا کے اٹھے

بیٹھکر وصف نقابِ رخِ روشن چھیڑا
حالِ دل ہم اسی پردے میں سنا کے اٹھے

اٹھ بھی گئے پہلو سے وہ یاں ہوش نہیں ہے
رکھا نہ کہیں کا مجھے اس بے خبری نے

عشاق کو تھا ناز بہت صبر پہ اپنے
چھڑوا دیا ظالم تری بیدادگری نے

دوائے زخمِ دل کیوں چارہ گر کی
نشاں تک مٹ گئی تیرِ نظر کی

چلے کیونکر کوئی تدبیر میری
مزاجِ یار ہے تقدیر میری

لاچار جوابِ نامہ قاصد کہ جا چکیں ہم
پیغام آرہے ہیں اب دمبدم اجل کے

مجھ تک آتے آتے دیکھوں نیتِ ساقی ہو کیا
میکشو ابتک تو رنگِ دورِ محفل ایک ہے

نہو رستہ تو پھر کیونکر مکینِ قصرِ غم نکلے
کوئی دلکا ہمارے پھوڑدے چھالا تو دم نکلے

رگیں لپٹی ہیں اے قاتل نشانی جانکر تیری
نکل آئے مرا دل بھی اگر تیرِ ستم نکلے

فلک سے خاک برسی ہو گیا عالم میں سناٹا
خدا جانے جنوں کے جوش میں کس طرح ہم نکلے

خشک ہو گا پھول بو رہ جائے گی
دل مرے گا آرزو رہ جائے گی

ہم جو پہلے قتل اے قاتل ہوئے
حسرتِ مرگِ عدو رہ جائے گی

سینہ پر زانوئے قاتل ہے گلے پر تیغِ تیز
وہ گھڑی جو اسوقت راحت سے ہے کبھی ایسی نہ تھی

آستاں پہ دیدیا اسنے جبیں سائی کا حکم
مہر کی اللہ نے قسمت کبھی ایسی نہ تھی

ثروت - حکیم سید محمد اطہر الدین حسن خلف مولوی امیر الدین متوطن تالگرام ضلع فرخ آباد۔ عربی وفارسی میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں۔ اور مدرسہ آرہ سے علم حدیث کی تکمیل کی سند حاصل کر چکے ہیں۔ فن طب میں آپ فرخ آباد کے نامور طبیب حکیم اصغر حسین صاحب کے شاگرد ہیں۔ کئی سال تک کانپور۔ اجمیر میں مطب کرنے کے بعد اب آپ اندور میں قیام فرما ہیں۔ ابتدائے سن شعور سے آپ کو شعر گوئی کا شوق ہے۔ ذہن میں رسائی اور تخیل میں بلند پروازی پائی جاتی ہے۔ دس بارہ غزلیں نظر سے گذریں انکا انتخاب حاضر کیا جاتا ہے۔ چستیِ بندش۔ صفائی زبان۔ اور اسکے ساتھ تلاش مضمون سب خوبیاں ان کے کلام میں بدرجۂ مناسب موجود ہیں۔

بٹھالو بزم میں ہم کو بھی صدقہ اٹھتے جوبن کا
تمہارے دوست ہیں ہم واسطہ دیتے ہیں دشمن کا

تم اپنی دوستی اور دشمنی کی جانچ خود کرلو
کہ میرے دوست بنکر تذکرہ کرتے ہو دشمن کا

پتلی ہماری آنکھ کہیں ٹھیرتی نہیں
دیکھو تو ایک کھیل ہے یہ بھی نگاہ کا

باتوں میں ہم اشاروں میں کہتے ہیں وہ مطیع
جادو بیاں زباں کا دہاں ہے نگاہ کا

فراقِ یار میں رحمت خدا کی چشمِ گریاں پر
تواترِ اشکِ باراں ریز کا طوفاں ہو طوفاں پر

بجا ہے گر کہیں جمشیدِ تختِ سرخوشی تجھکو
جھکی ہیں گردنیں شیشوں کی ساقی تیرے فرماں پر

ثروت

ہوا ہے کون دیوانوں میں آرائش پسند ایسا
بڑی مشکل سے یہ نعمت ملی ہے دستِ دلبر سے
علاجِ زخمِ بسمل میں بھی سفّاکی رہی شاملِ
کسے تشبیہ دوں یارب دو ابرِ دیدۂ تر سے
پریشاں دل ہوں ایسا گردشِ چرخِ ستمگر سے
اگر شوقِ شہادت میں کوئی بیہوش ہوتا ہے
بتوں کی یاد جسنے پائی اپنے گوشۂ دل میں
کیا ہے مفلسوں کے منہ نے شرمندہ اسے ایسا
کھلی وصفِ دہانِ تنگِ جاناں میں زباں میری
ہوا جو غرقِ بحرِ عشق میں وہ کب نکلتا ہے
دلِ عشاق کی کیا اصل ہے او فتنۂ دوراں
نہالِ قدِ جاناں میں ثمر نامِ خدا نکلے

کرا تو کر رہے ہیں خضر دامانِ بیاباں پر
گلے ملتا ہے میرا خونِ ناحق آبِ خنجر سے
جراحت پر مرے مرہم لگایا آبِ خنجر سے
نہ ساون اسقدر برسے نہ بھادوں اسقدر برسے
مجھے دورانِ سر ہوتا ہے ساقی دورِ ساغر سے
اُٹھا لیتے ہیں وہ دیدیکے چھینٹے آبِ خنجر سے
یہ سمجھو اُس نے سب کچھ پا لیا اللہ کے گھر سے
نہ ہرگز دور ہو گی منعموں زردی رخِ زر سے
طبیعت نکتہ داں ہو کر ہوئی ہے عیب داں میری
کہیں دریائے بے پایاں کا ڈوبا بھی اچھلتا ہے
قیامت جس سے بن جاتی ہے تو وہ چال چلتا ہے
ذرا دیکھے کوئی آکر تماشا سرو چلتا ہے

ہوئے بیٹھے ہیں زانو پر سرِ جانباز مقتل میں ٭ لہو کچھ ڈرتے ڈرتے دھو رہے ہیں آبِ خنجر سے

غیر اپنی ہی جب جما بیٹھے
وہ جو اُٹھے تو درد بھی اُٹھا ہو
مرنے والے کو دیکھ تو آؤ
لگا تیغ انداز کیا دیکھتا ہے
ہماری محبت تمہاری عداوت
خدا جانے اُس میں کیا دیکھتا ہوں
جدائی میں اے موت آجا کہ رو رو
بڑھ گئی کس درجہ حیرانی مری
سیکھی آئینے نے حیرانی مری

میری الفت کا نقش کیا بیٹھے
درد بیٹھا جو وہ ذرا بیٹھے
تم یہاں کر رہے ہو کیا بیٹھے
مری بے گناہی خدا دیکھتا ہے
خدا جانتا ہے خدا دیکھتا ہے
خدا جانے وہ مجھ میں کیا دیکھتا ہے
بہت دیر سے راستہ دیکھتا ہے
شکل ظالم نے نہ پہچانی مری
لے اُڑی کاکل پریشانی مری

ثریا

ثریا - منشی سید امیر علی متوطن قصبہ گوپامئو من مضاف اودھ - ۱۲۷۱ھ میں شباب کا عالم اور تحصیل و تکمیل علم طب کی طرف متوجہ تھے - گاہے گاہے شعر کہنے کا بھی اتفاق ہوجاتا تھا یہ ان کے اشعار ہیں -

جھوٹے وعدے بھی یاں غنیمت ہیں
اسمیں تسکین کچھ تو ہوتی ہے

مژدہ بوالہوس پہ وصیان نکر
جھوٹے موتی سدا پروتی ہے

ثریا

ثریا - والاجاہ آسمان قدر سید اسد علی مرزا بہادر ثریا خلف الرشید امیر الامرا نواب منصور علی خاں بہادر نواب ناظم بنگال وبرادر خورد نواب ناظم مرشدآباد مرحوم - آپ کی تعلیم اپنے برادر والاقدر نواب میر حسین علیخاں نواب بہادر مرشدآباد کے ساتھ انگلستان میں ہوئی - وہاں سے فارغ التحصیل ہوکر ہندوستان آئے تو زیادہ تر کلکتہ اور مرشدآباد میں قیام رہا - ہزار روپیہ ماہوار کا وثیقہ آپ کو سرکار سے ملتا تھا - شعر گوئی کا بھی شوق تھا یہ کلام کا انتخاب ہے -

میری وفا اور انکی جفا ہے عجیب راز
ہے دادرس کوئی نہ کوئی دادخواہ ہے

ہونٹوں پہ جان آئی ہے ہجر حبیب میں
اب حال انتہا سے زیادہ تباہ ہے

ٹھوکر لگا کے تم کہے گر غیرت مسیح
لبیک کہہ کے آؤں میں باہر مزار سے

ہزاروں آندھیاں آئیں پس مرگ
نہ اُٹھی خاک پر مجھ ناتواں کی

مٹایا اس طرح آخر فلک نے
نہ رکھی خاک تک مجھ بے نشاں کی

یہاں رہتا ہے جلوہ نور حق کا
جگہ دل میں نہیں عشق بتاں کی

ثریا

ثریا - عالی جناب شاہزادہ ثریا قدر مرزا محمد تقی علی بہادر المتخلص بہ ثریا ابن عالی جناب مستطاب معلی القاب ہز ہائینس شاہزادہ عالم وعالمیان یادگار اودھ پرنس سلیمان قدر مرزا محمد حسن علی بہادر دام اللہ اقبالہٗ برادر زادہ و خویش سلطان عالم حضرت محمد واجد علی شاہ جنت آرامگاہ - دسمبر ۱۹۰۳ء میں راقم تذکرہ سے بمقام لکھنو ملاقات ہوئی تھی - ۳۸ - ۳۹ سال کی عمر ہے دربار گورنری میں آپکا چھٹا نمبر ہے آپ کو سن طفولیت سے ہی ہر علم و ہنر کا شوق رہا کئی زبانیں جانتے ہیں اور صنعت و حرفت میں بھی

مہارت ہے ہر فن میں دستگاہ ہے۔ مصوری نقاشی خوش نویسی فنِ سپہ گری اور نظم و نثر میں اچھا ملکہ ہے۔ مرثیہ۔ واسوخت۔ قصائد۔ غزل وغیرہ جملہ اصنافِ سخن پر قادر ہیں علاوہ ازیں علم ہیئت و ہندسہ۔ نصائح و فلاسفی وغیرہ سے بخوبی واقف ہیں۔ آپ کا ذہنِ رسا و جودتِ طبع خداداد ہے۔ فنِ شعر کا مذاق و رانشا بلا ہے۔ اکثر مشاعرے بھی کرتے رہتے ہیں۔ زبان صاف روزمرہ سلیس نشست الفاظ مرغوب ہے۔ اکثر دشوار و سنگلاخ زمینوں میں بھی طبع آزمائی کی ہے جس سے ان کی مشاقی ظاہر ہے۔ ایک رسالہ آپ کے کلام کا شائع ہو چکا ہے۔ اسمیں سے چند شعر اپنے مذاق کے بموجب انتخاب کر کے پیش کرتے ہیں۔

کیا لطف روئے یار پہ ہے زلفِ یار کا	صبحِ حلب میں عکس ہے شامِ تتار کا
ترے زانو پہ سر اب ہے دشوار جو منظور جانا ہی تھا غیر کے گھر مانگا ابرو کا جو بوسہ تو کہا کھینچ کے تیغ آشیاں کس جا بنائے اپنا بلبل شاخ پر صحنِ گلشن سے نکل جانے تو دو صیاد کو اے ثریا مجو تھے نظارۂ گل میں ہزار	مری جاں ہوش میں آنا کسیکا عبث پھر ہمیں تھا بلانا کسیکا پھر تو فرمائیے کیا آپ نے ارشاد کیا! جا نہیں ملتی لدے ہیں اسقدر گل شاخ پر عندلیبو پھر چہکنا بے تامل شاخ پر ہاتھ سے صیاد کے جو کھا گئی جُل شاخ پر
ضیائے حسن کے تھے پہلے تو حجاب میں تیر سوال بوسۂ مژگاں پہ وہ کمان ابرو ترا جو مصحفِ رخ چوما اے کمان ابرو	اُٹھی نقاب گرے قلبِ آفتاب میں تیر لگا ہی بیٹھا نظر کا مجھے جواب میں تیر گناہ اُڑ گئے ہیں بن کے اس ثواب میں تیر
نہ ہے نصیب کہ وہ قتل کر کے ہاتھوں نہیں پھر بعد میرے دیکھنا پچھتاؤ گے ضرور جو وہ شاہِ خوبی ہمارا نہیں ہے ادھر صبر کا مجھکو یارا نہیں ہے	عوض حنا کے مرا خوں لگائے بیٹھے ہیں عاشق ملیگا مجھسا کوئی عمر بھر نہیں اگر سلطنت ہو گوارا نہیں ہے اُدھر وصل اُن کو گوارا نہیں ہے

چمکتا ہے افشاں کا تیری جو ذرہ
فلک پر کوئی ایسا تارا نہیں ہے
بجز وعدۂ وصلِ جاناں ہمارا
کوئی زندگی کا سہارا نہیں ہے
جو دی چیز کیا اوسکا دعویٰ وہ بولے
ہمارا ہے اب دل تمہارا نہیں ہے
میں اوروں کو چاہوں یہ سب ہے بدگمانی
جہاں میں کوئی تمسے پیارا نہیں ہے
کہا میں نے غیروں سے ملئے نہ صاحب
تو بولے تمہارا اجارا نہیں ہے
آپ جو چاہے کہہ لیجئے اپنی جا پر
پر نہ غیروں میں کیا کیجئے بدنام مجھے
یاد ہے عارض و گیسو کی ترے آٹھ پہر
کیا کہوں کٹتے ہیں کیونکر سحر و شام مجھے

غضب کی وہ بلا پر پیچ زلفِ عنبریں نکلی
پھنسا جو دل تو پھر صورت رہائی کی نہیں نکلی
گدا کے پاؤں کی کھا کھا کے ٹھوکر فرقِ شاہاں سے
بھری تھی زیست میں جو نخوتِ تاج و نگیں نکلی
نہیں تن پر کسی جا زخم گو کشتہ سراپا ہوں
وہ پر جوہر تری تیغ نگاہ سرمگیں نکلی
اٹھا بارِ امانت لے ثریا جز بشر کس سے
یہ مشتِ خاک راہِ حق تعالیٰ کی امیں نکلی
نہیں ہے یہ گردبادِ صحرا زبسکہ تھا زندگی میں شیدا
تلاش لیلیٰ میں بعد مردن بھی روحِ مجنوں بھٹک رہی ہے
خزاں گئی پھر بہار آئی وے اب تو صیاد دلسے رہائی
کہ بہر نظارۂ گلستاں قفس میں بلبل بلک رہی ہے

ثمر - مرزا علی خلف مرزا جعفر علی لکھنوی - آپ کو شیخ غلام ہمدانی مصحفی سے تلمذ تھا - غدر تک حیات تھے - زیادہ حال معلوم نہو سکا - اُردو فارسی دونوں زبانوں میں بقول صاحبِ تذکرہ سراپا سخن صاحبِ دیوان تھے - طبیعت کی مشاقی مندرجہ ذیل اشعار سے ظاہر ہے - مشکل زمینوں میں بھی صاف اشعار نکال کر اپنا زورِ طبع دکھایا ہے -

سب پڑھتے ہیں تربت پہ ترے کشتہ کی الحمد
رکھتے نہیں تم قبرِ وفا کوش پہ انگشت
آنکھوں سے ملتے ملتے جو اُس سیمتن کے پاؤں
آتے جو ہاتھ چومتے اُس گلبدن کے پاؤں
کوئے صنم سے جانا نہووے کبھی نصیب
ہو جائیں یا الٰہی مرے لاکھ من کے پاؤں
حد سے ہیں گذری یار کی وعدہ خلافیاں
پوجیں گے آج اُس بتِ پیماں شکن کے پاؤں

غم سے تڑپے ہے کوئی عشوہ سے مرگیا	چلتے ہیں کس طرح ترے نازواوا کے ہاتھ
رخسار یار پر ہے وہ ہر آج دست غیر	کیا گنج شایگاں ہے لگا اک گدا کے ہاتھ

ثمر۔ منشی احمد سعید خاں ثمر خلف سعد اللہ خاں۔ غدر سے پیشتر شاہجہان آباد میں رہتے تھے۔ اور حال معلوم نہو سکا۔ یہ اُنکے شعر ہیں۔

نگاہِ مست سے ساقی کی یہ سرور ہوا	کہ دل سے حسرت مے کا خمار دور ہوا
مثالِ آئینہ ہمسے کھُلی حقیقتِ حُسن	کہ ہمکو دیکھ کے اپنا تجھے غرور ہوا
دیکھتا تھا حُسن اپنا مجھکو آئینہ سمجھ	اور میں خوش تھا کہ یار ے مہرباں مجھپر ہوا
تھا امتحانِ عشق کے قابل ہے کون	بل بے ہمت اس ضعیفی میں گماں مجھپر ہوا
نگاہِ گرم کا تیرے ہے کچھ اثر الٹا	کہ غیر پر پڑی اور دل جلا دیا میرا
خلش مژہ کی نہ تھی کم کہ میرے زخموں پر	تبسم لبِ و لبِ نمک فشاں ہوتا

ثمر۔ نواب مرزا مہدی علیخاں صاحب۔ منصور نگر لکھنؤ کے ایک شریف خاندان کے ممبر ہیں۔ تلمذ کا حال معلوم نہیں ہوا کہ کس سے ہے۔ اب کلام ملاحظہ ہو۔

ہمیں سودا نہیں جو اُسکے کوچے سے کہیں جائیں	مبارک قیس کو یہ رات دن پھرنا بیاباں کا
حشر میں عاشقِ مظلوم کا خونِ ناحق	ہاتھ میں تھامے ہوئے دامن جلاد آیا
مرکے یہ جملہ عناصر کا جدا ہو جانا	زندگی ہے جسے کہتے ہیں فنا ہو جانا
قاتل سے نکی نہ میرے تڑپنے کی سیر ہائے	یہ درد مرتے دم دلِ بسمل میں رہگیا
حالِ مسافرانِ عدم کچھ نہ پوچھئے	لٹ کر متاع پہلی ہی منزل میں رہگیا
کہتی ہے شمع بزم جلوں یا کہ خاک ہوں	وہ نامراد ہوں کہ کسیکو الم نہیں
ستمگر جب کوئی تازہ ستم ایجاد کرتے ہیں	تو بہر امتحاں پہلے ہمیں کو یاد کرتے ہیں
ہم خوشی سے جان دیدیں آبرو قرباں کریں	دل وہی کچھ بھی جو یہ غارت گر ایماں کریں
ابروئے پُرخم کی جنبش کا فقط ہے انتظار	آپ اشارہ کیجئے ہم جان کو قرباں کریں

دم پر بنی ہے اور کچھ آزار بھی نہیں
بیمار عشق سا کوئی بیمار بھی نہیں

ملتے ہی نظر رنگ بدل جاتا ہے دل کا
اس آنکھ کے پردے میں کوئی شعبدہ گر ہے

ثمر

ثمر - منشی اودھ بہاری لال صاحب ثمر۔ لکھنؤ کے رہنے والے اور قوم کے کایستھ ہیں۔ کسی سرکاری مدرسہ میں معلم ہیں۔ ۴۰ برس کے قریب سن اور یہ کلام کا رنگ ہے۔

کیوں نہو مجھکو جستجو تیری
دل میں رہتی ہے آرزو تیری

رو رہ کے دیکھتا ہے ترچھی نظر سے مجھکو
خنجر لگا رہا ہے قاتل سنبھل سنبھل کر

وہ شہِ حسن ہیں عشاق ہیں ناچیز فقیر
اس سبب سے انہیں بھاتی نہیں سنگت انکی

ثمر

ثمر - جناب خواجہ فقیر محمد صاحب رئیس ڈھاکہ نوشق کہنے والوں میں ہیں۔ اور حضرتِ داغ دہلوی کے شاگرد جناب نسیم ہلسوی سے اصلاح لیتے ہیں۔

جس سے جی چاہے دل لگائیں آپ
دوست دشمن کو آزمائیں آپ

ہو چکی دید حضرت موسیٰ سے
ہوش میں لے جناب آئیں آپ

حال روشن ہو لن ترانی کا
رخ سے پردہ اگر اُٹھائیں آپ

ثنا

ثنا - میر شمس الدین ثنا۔ اصل وطن کشمیر تھا مگر یہ عظیم آباد میں رہا کرتے تھے۔ اور حضرتِ مشتاق کے شاگرد تھے۔ زیادہ حال معلوم نہو سکا۔ اٹھارویں صدی میں زندہ وسلامت موجود تھے۔

شبِ فرقت میں تیری نالہ و زاری ہے اور میں ہوں۔
جھپکتی پل نہیں آنکھیں ہیں بیداری ہے اور میں ہوں

چمن ہے خندۂ گل ہے مے و مینا ہے اور تو ہے
فغاں ہے نالہ ہے فریاد ہے زاری ہے اور میں ہوں

ثنا

ثنا - منشی ثنار اللہ خان فرخ آبادی۔ بڑے طباع اور ذہین شخص تھے۔ مرزا غالب و ذوق و مومن کے روشناس اور شیخ ناسخ لکھنوی کے شاگردوں میں تھے۔ آپ عرصے تک مرزا

سخاوت علی بیگ ضیا خلف مرزا حاتم علی بیگ مہر کی تحصیلداری ایٹہ کے زمانہ میں اُن کے پاس ایٹہ میں رہے۔ یہ ۱۸۵۳ء کا ذکر ہے۔ کچھ اشعار اُن کے لکھے جاتے ہیں۔

یہ توڑ وقت گریہ کیا سیلِ اشک نے
رہائی پا کے اُڑے ہم سفیر سوئے چمن
بن گئی میری شبِ ہجر تری زلفِ دراز
جلتا ہو ایک دم کا تو میں صبر بھی کروں
دل عشق میں گیا دلِ شیدا کو کیا کریں
اور ہیں بجھائیں پھونکیں جلائیں بتا جنوں
سناں پکڑی جگر نے اور بٹھایا دل نے پیکاں کو
حبِّ تپِ دوری جلا کر خاک کر دے گی ہمیں
کھاتا ہے چرخیاں مرے نالوں کے سامنے

دیوار قہقہہ کو جو دیکھا تو ڈر ہوا
ہم ایک رہ گئے تکتے قفس نہ و بالا
وصل کی رات سمٹ کر ہوئی جو ڑا سر پہ
آٹھوں پہر سلگتا ہے چولھے میں جائے دل
ہم ہو چکے تمام تمنا کو کیا کریں
صحرا میں ایک دامنِ صحرا کو کیا کریں
غرض دونوں نے رکھا اپنے اپنے گھر میں مہماں کو
آہ پھر چولھے میں ڈالیں گے تری تاثیر کو
پیلِ فلک کو رکھ لیا بھالوں کے سامنے

ثواب

ثواب ۔ میر سعادت علی مرحوم خلف میر شہاب الدین دہلوی اصلی وطن شاہجہان آباد تھا۔ مگر اپنے بڑے بھائی بہ تقریب ملازمت لکھنؤ میں مقیم تھے۔ اسلئے ان کی تعلیم و تربیت بھی وہیں ہوئی۔ احباب خوش مذاق کے فیضِ صحبت سے شعر کا بھی شوق ہو گیا۔ ابھی زیادہ مشق کی نوبت نہ آئی تھی کہ بھائی کا سایہ سر سے اُٹھ گیا اور فکرِ معاش نے فارغ البالی کا مزہ کھو دیا۔ کچھ عرصے اطراف و جوانب میں سفر کا اتفاق ہوا پھر چند سال دکن میں ایام گذاری کی۔ ۱۲۶۰ھ کے قریب جمعیت خاطر بہم پہونچا کر کرنال میں مستقلاً سکونت اختیار کی۔ اس سے زیادہ حال معلوم نہ ہو سکا یہ اُن کے کلام کا انتخاب ہے۔

کبھی ہے مردگانِ غم پہ احسان معجزِ قُم کا
ترے غم کی بدولت آگ یہ دل میں بھڑکتی ہے
تپِ دوری سے شعلے استخواں سے یوں نکلتے ہیں

کبھی حق نمک ہے زخمِ دل پر اُس تبسم کا
کہ گر اک آہ کھینچوں آب ہو زہرہ جہنم کا
پھکے جیسے ثواب آتش سے پارہ پارہ ہیزم کا

ج

جادو۔ نواب میر احتشام علی خاں صاحب بہادر خلف اکبر و جانشین نواب میر ابراہیم علیخاں صاحب بہادر ستو فا مرحوم ریاست بڑودہ گائکواڑ کے درجہ اول کے سردار ہیں۔ آپ نقوی موروثی سادات میں ہیں۔ آپکے اجداد کا وطن قصبہ سہسوان ضلع بدایوں قسمت روہیلکھنڈ متعلقہ ممالک متحدہ ہے۔ مگر اب عرصہ سے بڑودہ ہی میں قیام ہے۔ آپکے والد مہاراجہ بڑودہ کے مصاحب اعلے تھے۔ اُن کے اسلاف کو سرکار بڑودہ سے ایک معقول جاگیر عطا ہوئی تھی۔ جسپر آجتک جناب جادو متصرف ہیں۔ حضرتِ جادو ۵ ربیع الثانی ۱۳۲۵ھ کو بڑودہ میں پیدا ہوئے۔ ابتداءً کچھ کلام اپنے والد کو دکھایا بعدازاں سال ہا سال ثاقب بدایونی سے اصلاح لیتے رہے۔ پھر تیمنًا و تبرکًا چند غزلیں حضرتِ ظہیر دہلوی کی خدمت میں پیش کیں صاحبِ دیوان ہیں۔ مگر ہنوز دیوان طبع نہیں ہوا ہے۔ آپکے مورث میر سرفراز علی خانصاحب بہادر سہسوان سے اول بڑودہ میں آئے اور درجہ اول کی سرداری پر بہ جلدوئے بڑے بڑے اہم کارہائے ریاست کی انجام دہی کے فائز ہوئے۔ اُس وقت سے ابتک برابر ریاست میں سے وہی اعزاز و مراعات حاصل ہیں اور برٹش گورنمنٹ میں بھی ریاست کی مثل اعزاز ہے۔ ان کی عمر اس وقت ۴۰-۴۲ سال کے قریب ہے۔ مہاراجہ صاحب بڑودہ کی مصاحبت میں یہ بھی رہ چکے ہیں۔ کلام نہایت پاکیزہ۔ خیال بلند۔ تلاش اعلے۔ بندش چست۔ زبان صاف اور ستھری ہے۔ طبیعت میں شوخی بھی بقدر ضرورت و مناسب ہے۔ اپنے اُستاد کے رنگ میں کہتے ہیں اور ایک حد تک اُس میں کامیابی حاصل کی ہے۔ یہ اُنکے اشعار ہیں۔

کوئی دیکھے تو عالم میرے جذبِ شوقِ پنہاں کا قیامت جوششِ وحشت کی ہے ہنگامہ آرائی	ہوا ہے روکنا دشوار اب ناوک کو پیکاں کا کہ صبحِ روزِ محشر چاک ہے میرے گریباں کا

تنِ عریاں کو خارِ وحشت سے پیوند ہی کردے
تنِ مجروح بسمل کی وہ دعوت کرنیوالے ہیں
نہ کوئی پوچھنے والا نہ کوئی سننے والا ہے
اُڑے پھرتے ہیں ہم دوشِ صبا پر چار سُو جادوؔ
تو ہی مرگِ ناگہاں مشکل مری آسان کر
مُنہ مرا حیرت سے تکتے ہیں سرِ بزمِ عدو
وصل میں بھی لی نہ کروٹ میرے بختِ خفتہ نے
کوئے جاناں پاس ہے واماندہ میں ہوں اے صبا
مرتے مرتے میرے سر پر بارِ احساں دھر دیا
آئے ہیں ہنگامہ ہائے کوئے دلبر دیکھکر
ہے مزاجِ کشتۂ نازِ بُتِ محشر خرام
حسرتِ دیدار پوری سخت جانی سے ہوئی
ہو گئے بیتاب تم تو سنتے ہی ذکرِ عدو
کھل نہ جائے پردۂ عشقِ بُتِ پردہ نشیں
ہو نہ ہو آہِ رسا نے کچھ اثر پیدا کیا
ہے یہ مشکل کہ وفا داروں کا دستور نہیں
عشقِ پنہانِ عدو باعثِ رسوائی ہے
لیگئی لوٹ کے رونق مرے گھر کی شبِ وصل
دل سے آجائے زباں تک نہیں ممکن واعظ
وہ سنیں کان لگا کر یہ کہاں ممکن ہے
میں وہ ہوں جو روکشِ بادۂ حرماں ساقی

ٹھکانے ہی لگا دے اے جنوں ٹکڑا گریباں کا
مزہ جب ہے کہ زخموں سے ہو مُنہ پھیکا نمکداں کا
ہماری بیکسی ہے آئینہ گورِ غریباں کا
ہماری لاغری میں ہے اثر تختِ سلیماں کا
چین سے سو جائیں ہم تربت میں چادر تان کر
دیکھنا انجان وہ بنتے ہیں کیسے جان کر
سونے والے سو رہے مُنہ پر دوپٹہ تان کر
اب تو مشتِ خاک پر تو ہی ذرا احسان کر
آئے بالیں پر گھڑی ساعت کا مہمان جان کر
خاک جی بہلیگا سیرِ روزِ محشر دیکھکر
پاؤں رکھتا اس طرف اے شورِ محشر دیکھکر
دیر تک تڑپا کئے کوئے ستمگر دیکھکر
ورنہ دل دیتے ہیں سب اے بندہ پرور دیکھکر
اشک ریزی ہجر میں اے دیدۂ تر دیکھکر
ورنہ کیوں مضطر ہیں وہ جادوؔ کو مضطر دیکھکر
ورنہ میں ہجر میں مرنے سے بھی مجبور نہیں
وجہِ شہرت ہے وہی بات جو مشہور نہیں
کہ رخِ صبحِ جدائی پہ ذرا نور نہیں
الفتِ پردہ نشیں آرزوئے حور نہیں
میرا افسانۂ غم غیر کا مذکور نہیں
کہ مرے زخم کی قسمت میں بھی انگور نہیں

میں وہ ہوں کشتۂ یاس و تمنا میرے ماتم میں یہ کسی کے دامنِ شمشیر سے زخموں نے منہ ڈھانکا

حجتِ وعدۂ فردا پہ غضب ہے جادو — وہ یہ کہتے ہیں قیامت بھی تو کچھ دور نہیں

ملنے میں بھی آپ کا پتا ہوں — میں کوئے عدو میں نقشِ پا ہوں
محفل میں نگاہ کب ہے اون پر — اوروں کی نظر کو دیکھتا ہوں
آنکھوں میں بسی ہے شکلِ وحدت — آئینہ میں اُن کو دیکھتا ہوں
مجبوریِ عشق صُلحِ کُل ہے — دشمن سے بھی دوستی نبا ہوں
جادو مراَ مُدّعی ہے کافر — مومن میں اپنے وقت کا ہوں

عشق کو پردہ دری حُسن کی منظور بھی ہو — ورنہ موسیٰ ہوں وہی اور وہی طور بھی ہو
نحنُ اقرب سے کھلا صاف یہ مضموں یعنی — وہ رہے دل میں جو نزدیک بھی ہو دور بھی ہو
رہکے ہر شے میں نہاں ہو نہیں سکتی ظاہر — جتنے مختار ہو تم اُتنے ہی مجبور بھی ہو
کیف ہو نشۂ عرفاں کا دوچنداں واعظ — تیری تسبیح میں گر دانۂ انگور بھی ہو
کوئی دیکھے نظرِ اہلِ نظر سے جلوہ — آپ ناظر بھی ہو تم آپ ہی منظور بھی ہو
شہرتِ پردہ نشینی ہوئی شکلِ عنقا — تم جو نظروں سے ہو معدوم تو مشہور بھی ہو
کب ہوا رشک سے اظہارِ تمنا منظور — کب گوارا ہے زباں سے ترا مذکور بھی ہو
لن ترانی سے غرض جلوۂ جاناں کو نہیں — دیکھنے والوں کی آنکھوں میں مگر نور بھی ہو
قابلِ دید ہے حسرت بھی تمہاری جادو — دور منزل سے ہو اور ضعف سے مجبور بھی ہو

زیب و زینت سے انہیں فرصت نہیں ہر آئینہ — رات بھر ہے روئے دشمن اور دن بھر آئینہ
شکلِ خوبانِ جہاں رہتی ہے ہر دم دلنشیں — کچھ عجب رکھتا ہے خوبیٔ مقدر آئینہ
شکل خوب و زشت ہے اُس میں ہویدا صاف صاف — حق نمائی کا مگر رکھتا ہے جوہر آئینہ
معرکہ ٹھیرا ہے قاتل سخت جانی سے ضرور — خوں ٹپکتا ہے جو چشمِ جوہرِ شمشیر سے
اب بھی جذبِ سوزِ پنہاں کا مرے قائل نہیں — آب تک تو کھنچ گئی قاتل تری شمشیر سے

خوف ہے یہ ضعف سے کہ آزار سے — دب نہ جاؤں سایۂ دیوار سے

[illegible]

شاد ہوتے خواب میں دیدار سے	آنکھ لڑتی طالعِ بیدار سے
اب تو گر پڑتی ہے اُٹھ اُٹھ کر نظر	تھک گیا ہوں انتظارِ یار سے

کیوں نہ ہو اے جادوئے نازک خیال
طرزِ مومن ہے عیاں اشعار سے

کچھ اُس انداز سے دیکھا کہ رحم آ ہی گیا اُن کو	مری خوش قسمتی میری نگاہِ واپسیں نکلی
ہزاروں رنگ بدلے حادثاتِ دہر نے لیکن	نہ سر سے آسماں سرکا نہ پاؤں سے زمیں نکلی
کسی کا وصل کی شب ناز سے منہ پھیر کر کہنا	کہ نکلے دل کی حسرت اب بھی نکلی یا نہیں نکلی
قضا آئی جو فرقت میں ہوئیں سب مشکلیں آساں	کہ حسرت بن کے سینے سے مری جانِ حزیں نکلی
ہوئی جب آنکھ سے باہر دلِ بسمل میں جا بیٹھی	نگاہِ نازِ قاتل بھی عجب پردہ نشیں نکلی
بنایا آسماں اوجِ مضامیں سے اُسے جادو	زمانے میں نئی جب شعر کی کوئی زمیں نکلی
سرِ محفل نہ دیکھو تم کنکھیوں سے مری جانب	کہیں رکھدیں نہ تم پر کوئی تہمت رکھنے والے

جادو

جادو - منشی محمد رکن الدین جادو دہلوی خلف خان بہادر مولوی محمد انوار الحق مرحوم سابق میر منشی ریزیڈنسی راجپوتانہ - پہلے اپنے چچا ادیب مرحوم کے شاگرد اور تلون تخلص کرتے تھے - پھر حضرت داغ دہلوی مرحوم کے شاگرد ہوئے - علمی استعداد کافی ہے - مزاج میں وارفتگی زیادہ ہے - ریاست بھرتپور میں نائب میر منشی تھے - پھر ترک روزگار کر کے دہلی چلے آئے. اب سُنا ہے کہ پھر اپنی قدیم ملازمت پر بحال ہو گئے ہیں - جوان تیز طبع اور مزاج میں ظرافت خلقی ہے - مولانا عبد الحق محدث دہلوی کے خاندان سے ہیں - اپنے والد کے ہمراہ راجپوتانہ کی اکثر ریاستوں کی سیر کی ہے - یہ اُن کے کلام کا انتخاب ہے -

سمجھ لو اپنے دل میں پوچھنا کیا	ہماری آرزو کیا مدعا کیا
ہو جان کو گر ایک مصیبت تو رو دیجے	دل بھی یہاں رہا تو ترے اختیار کا
بیوجہ آسماں نہیں گردش میں رات دن	اسپر پڑا ہے صبر کسی بے قرار کا

دے کے دل آپکو لے جان چلے آتے ہیں
کس کو رہو کے میں کیا قتل لگے ہاتھ کہ وہ
دیکھکر مجکو وہ کہتے ہیں یہی ہیں جادو
عدو کو بیٹھکر پہلو میں میرے یاد کرتے ہیں
دلنواز آپ تو فرمایئے کیا دیتے ہیں
مر مٹا تیرا تصور بھی ہمارے دل پر
زندہ رہجاتے ہیں جی جاتے ہیں مرنے والے
وہ کیکے نوکِ مژگاں کی کماں اب چھیڑ چھاڑ
تم نہیں پہلو میں کیا دل نے بھی کی پہلو تہی
ہائے کیا ناشاد ہے جادو کہ جسکو بعدِ مرگ
جادو اب اغنیائے زمانہ کا ہے یہ حال
سنتا ہوں کہ مہمان وہ بت غیر کے گھر ہے
بالیں پہ سراسیمہ کوئی رشکِ قمر ہے

بیچکر دین مسلمان چلے آتے ہیں
ہاتھ ملتے ہیں پشیمان چلے آتے ہیں
یہ جو چپ چلتے ہوئے انسان چلے آتے ہیں
کبھی وہ شاد کرتے ہیں کبھی ناشاد کرتے ہیں
دل انھیں کا ہے کہ دل اہلِ وفا دیتے ہیں
مٹنے والے وہ بلا ہیں کہ مٹا دیتے ہیں
معجزے تیرے مسیحا کو جلا دیتے ہیں
ڈھونڈھتے ہیں زخم کوئی نیش زن ملتا نہیں
تم نہیں ملتے تو دل بھی جانِ من ملتا نہیں
عشق کی سرکار سے گور و کفن ملتا نہیں
دیتے نہیں فقیر کو ٹکڑا اٹھا کے ہاتھ
پتھر پڑیں اس پر کہ دعا کا یہ اثر ہے
او بے خبری تجھکو بتا کچھ بھی خبر ہے

رہے کمبخت کیا ٹھکانے سے
وہ اٹھا جو ہے زمانے سے
کیا زمانہ ہے دوستی کا تری

بن گئی دل پہ دل لگانے سے
روٹھتا ہے مرے منانے سے
دشمنی ہو گئی زمانے سے

جور میں بھی ترے اک چیز ہے لذت والی
گھونٹے داموں بھی نہ لوں دولتِ دنیا ہرگز
اُن کو دعوی تو ہے مجھسا نہیں دنیا میں کوئی

لطف کا جس میں مزا ہو وہ ستم اچھا ہے
کہ ورم سے مجھے یہ داغِ ورم اچھا ہے
لیکر آئینہ جو دیکھیں گے تو حیران ہونگے

جادو - منشی انور حسین صاحب جادو ۱۲۸۳ھ میں پیدا ہوئے۔ آپکی طبیعت خداداد آغازِ شباب سے شعر و سخن کی طرف متوجہ رہی ہے۔ سترہ اٹھارہ سال کی عمر میں حضرتِ جلال لکھنوی

م کاہیدہ اس قدر ہوں غمِ ہجرِ یار میں ✽ ڈھونڈے سے مجھے قضا تو آؤں قضا کے ہاتھ ✽ یارب مرے ہوں دستِ دعا اسقدر دراز ✽ میں چھین لوں فلک سے اثر کو بڑھا کے ہاتھ

جادو

کی شاگردی کا فخر حاصل کیا اُسی وقت سے بصیغۂ فوج ریاست رامپور میں ملازم رہے خدمتِ کارِ منصبی سے جسوقت فرصت ملتی تھی غزل گوئی میں مصروف رہتے تھے۔ بہت سا کلام جمع ہوگیا تھا پندرہ سولہ سال کا زمانہ ہوا کہ ایک پیر روشنضمیر کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہوگئے۔ ان کے فیضِ صحبت سے زیادہ فرصت کا وقت یادِ الٰہی میں صرف ہوتا ہے۔ یہانتک فقر کی جانب طبیعت راغب ہوئی کہ فوج کی ملازمت سے دست بردار ہوگئے۔ رات دن گوشۂ تنہائی میں یادِ خدا کرتے رہتے ہیں۔ اسی حالت میں وہ مجموعہ تصنیف تلف ہوگیا۔ وسن بارہ سال سے ایک مصرع بھی کہنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ دو سال ہوئے کہ احباب کے مجبور کرنے سے کبھی کبھی غزل کہہ لیتے ہیں ورنہ ہردم ذکرِ الٰہی میں مستغرق رہتے ہیں دنیوی ساز و سامان سے تنفر ہے گیروا کرتا گیروا تہبند زیبِ تن رہتا ہے۔ کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

نمایاں حسن کرتا ہے تو مجکو کیوں رُلاتے ہو
مہرِ روشن چھپا دیگا برسنا ابرِ باراں کا

اُڑائیں دھجیاں جب پیرہن کی دستِ وحشت نے
غبارِ کوئے جاناں نے تنِ عریاں مرا ڈھانکا

تصور نے ترے ظالم یہانتک تفرقہ ڈالا
کہ ملنا ہوگیا دشوار اب مژگاں سے مژگاں کا

خیالِ یار بچتا تھا اگر ایذا رسانی سے
دلِ مجروح میں تارِ نفس کا کیوں دیا ٹانکا

کسی فن میں تو کامل ہو بقولِ آتش اے جادو
نشاں رہتا نہیں ہے نام رہجاتا ہے آنکا

تمہیں اُلجھن ہے کیا اسکی اگر ہے پوچھنے والا تو ہمارا گیسوئے پیچاں مرے حالِ پریشاں کا

اللہ ری لاغری کہ مرا جسمِ ناتواں
حدِ گمان و وہم سے باہر نکل گیا

نادم ہو خالیا تھا کہ جادو زباں کٹی
اچھا ہوا کچھ اور نہ منہ سے نکل گیا

روئے جاناں کا تصور بنگیا انوارِ صبح
راتدن حاصل ہے آنکھوں کو مری دیدارِ صبح

اپنا اپنا بخت ہے اب دیکھو جاتا ہے کہاں
شام کا وعدہ ہے مجھسے غیر سے اقرارِ صبح

داغِ دل جلتا ہے دوزخ کا نمونہ ہو کر
چشمِ تر نے نہ بجھایا اسے دریا ہو کر

دیکھ لینا یہی رونا ہے تو آنسو میرے
ایکدن غرق کریں گے مجھے دریا ہو کر

جس اذیت کا نہ دنیا میں ٹھکانا ہو کہیں
دل میں آبیٹھے مرے میری تمنا ہو کر

آنکھیں تلووں سے ملیں میری زباں کاٹی گئی
حالِ غمگیں حالِ خستہ ایک ہے پھر فرق ہے
نیک و بد جادو کسی کا دیکھتا ہے کس لئے
فریاد آہ کے در سب بند ہو گئے ہیں
بیہوشیِ جنوں میں یہ بھی خبر نہیں ہے
عشقِ بتاں کے صدمے جو رونکی آرزو میں
نہ بیٹھو تھک کے اے جادو اُڑاؤ خاک جنگل کی
وہ دودِ دل یوں ہے مرے نالۂ شبگیر کے ساتھ
رہ گیا قتل کا ارمان دلِ قاتل میں تو
روح قالب سے تو پہلو سے مرا دل نکلے
فقر وہ چیز ہے جادو کہ گلیمِ درویش
کہا جب وصل ہو ممکن کوئی تدبیر ایسی ہے
جیسے تو آئینہ میں دیکھ کر ہے محوِ نظارہ
تنِ لاغر کو میرے دیکھ کر کہتا ہے وہ ظالم
کوئی سر ٹھوکروں سے ہے کسی کا سر ہے زانو پر
اُس خاکِ رہگذر میں میں ناتواں پڑا ہوں
دلکو قرار ہے نہ جگر کو قرار ہے
ترے مژگاں کے زخمی ایک حالت پر نہ شب دیکھے
بنا کر آئینہ تو دلکو اپنے دید یا میں نے
اسی کا نام عاشق ہے تلاشِ یار میں برسوں
مری آنکھوں سے ٹپکی خون ہو کر آرزو دل کی

کون دُنیا میں فغاں کرتا نہیں روتا نہیں
زخمِ دل ہنستا ہے اکثر میں کبھی ہنستا نہیں
جب سے تجھے اچھا بُرا اپنا نظر آتا نہیں
ضبطِ فغاں کی مُہریں میری زبان پر ہیں
بیٹھے ہیں ہم زمیں پر یا آسمان پر ہیں
دونوں جہاں کے جھگڑے اس ایک جان پر ہیں
کرو کچھ دشت پیمائی ابھی بیدست و پا یوں ہو
جیسے لپٹی ہوئی زنجیر ہو زنجیر کے ساتھ
بسملِ ناز کا دم کھینچ گیا شمشیر کے ساتھ
تری شمشیر کے ہمراہ ترے تیر کے ساتھ
ہمسری کرتی ہے دوشالۂ کشمیر کے ساتھ
وہ بولے تیرا مُنہ ایسا تری تقدیر ایسی ہے
مرے چشمِ تصور میں بھی اک تصویر ایسی ہے
مرے نقشِ کفِ پا میں بھی اک تحریر ایسی ہے
نصیب ایسا کسی کا ہے کوئی تقدیر ایسی ہے
نقشِ قدم کی صورت ہر اک مٹا رہا ہے
یا رب یہ کس بلا کی شبِ انتظار ہے
ہزاروں غمیاں دیکھے ہزاروں جاں بلب دیکھے
تماشا اسکی قدرت کا وہ دیکھے یا نہ اب دیکھے
کرے مثلِ فلک چکر نہ دن دیکھے نہ شب دیکھے
تری اُلفت نے مٹی میں ملادی آبرو دل کی

رفاقت اسکو کہتے ہیں محبت ایسی ہوتی ہے | رہی دل میں کبھی دل سے نہ نکلی آرزو دل کی

جالب۔ منشی سید بشارت علی دہلوی۔ انگریزی اور فارسی میں بھی کافی استعداد رکھتے ہیں۔ بڑے ذہین اور طبیعت دار شخص ہیں۔ اخباری دنیا میں خاصی شہرت حاصل ہے۔ مدرسہ چھوڑنے کے بعد سے مضمون نگاری کا مشغلہ ہے۔ پیسہ اخبار۔ اودھ اخبار۔ روزانہ دہلی۔ وطن۔ وکیل۔ شریف۔ مخزن۔ متعدد اخباروں میں اڈیٹری کر چکے ہیں۔ مگر کسی جگہ جمکر نہیں رہتے اس فن میں آپ کو خاصہ ملکہ ہے۔ نظم کیطرف توجہ کم ہے۔ آپ کو حضرت داغ دہلوی سے تلمذ حاصل ہے اور ایکمرتبہ چند ماہ اُن کی خدمت میں دکن میں بھی رہے ہیں۔ اب۔ ۴۰ سال کی عمر ہے اور امرتسر میں کسی اخبار کے اڈیٹر ہیں۔ چند غزلیں نظر سے گذریں انکا انتخاب حاضر ہے۔

کسی عاشق پہ جب بیداد کرنا | ہمیں بھی اُو ستمگر یاد کرنا

وارفتہ جو کسی کی کمر اور دہاں کے ہیں | اُنکو خبر نہیں کہ کہاں ہیں کہانکے ہیں

جنت کا حال کھلگیا دورِ شراب سے | اُس میکدے میں رند بھی سارے جہانکے ہیں

ہم کچھ ہلاک نہیں جو مریں حور و خلد پر | ایک بُت پچھان دیکھے تیرے ہندوستانکے ہیں

اے عندلیب تونے کہاں سے اڑالئے | یہ رنگ میرے نالۂ آتش فشاں کے ہیں

اُن سے اُمیدِ وفا بالکل فضول | اور اپنی تاب و تب بے فائدہ

حالِ دل کہنے پہ یہ پایا جواب | بس زیادہ بک بک نا اب بے فائدہ

اپنے بیماروں کو مرجانے بھی دے | تم ہوئے عیسیٰ لقب بے فائدہ

جالب اب گستاخ ہی بنجاؤ تم | لیسے کمسن کا ادب بے فائدہ

جالب خدا کیواسطے اس پھیر میں نہ آ | زلفوں میں پھنسکے دلکا نکلنا محال ہے

چھوڑ دے خودنمائیاں اتنی | کہیں تجکو نظر نہو جائے

اپنا مرنا بھی میں قبول کروں | غیر کا تو اگر نہو جائے

زلف و ابرو بھی یہ ہیں ہر دم	کہیں آپس میں شر نہ ہو جائے

جان

جان - جان علی جان۔ قرابتدار نواب بیرم خاں مغفور امیر عہد احمد شاہ بادشاہ۔ میر تقی میر کے شاگرد تھے اور آزادانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ایک شعر ملا درج کیا گیا۔

ذکر اس زلف کی درازی کا	صبح سے تا بہ شام ہوتا ہے

جان

جان - اشرف خاں جان۔ شاگرد شیخ غلام ہمدانی مصحفی۔ غازی الدین حیدر کے زمانے میں لکھنؤ میں رہتے تھے۔ دیوان مرتب ہو گیا تھا مگر اُسنے شہرت نہ پائی۔

دل دیکے تجھ کو یار ترا یار میں ہوا	البتہ یہ خطا ہے گنہ گار میں ہوا
مانند شمع نور ہے روشن خدا کرے	کاٹا جو تو نے سر تو سبکسار میں ہوا
اے داغِ سینہ باعثِ شہرہ ہوا ہے تو	مانند لالہ سب میں نمودار میں ہوا
ہر ہر قدم پہ پیچیگا دلکو مرے وہ شوخ	آفت ہوئی کہ مائلِ رفتار میں ہوا
نظارہ اُسکا کرتے ہی حیرت سی ہو گئی	دروازہ سے وہ نکلا تو دیوار میں ہوا
آنکھوں نے تیرے باغ میں رنگ کر دیا	نرگس کو جاکے دیکھا تو بیمار میں ہوا
بوسے لئے نشہ میں لبِ سرخ رنگ کے	غافل ہوا وہ شوخ تو ہشیار میں ہوا
اے جان مرے غریب کو تو دیکھ تو ذرا	بیگانہ ہو کے محرمِ اسرار میں ہوا

جان

جان - جانعالم خاں لکھنوی خلف نواب منور خاں مغفور۔ برادر خرد نواب روشن الدولہ ظفر خاں۔ فن سخن میں میر سوز مرحوم سے اصلاح لیتے تھے۔ نثر بھی خوب لکھتے تھے۔ فی الجملہ علوم عربیہ سے واقف تھے۔ خطِ نستعلیق و شکستہ میں یدطولیٰ حاصل تھا۔ یہ اُن کے اشعار ہیں۔

چھوڑ عارض دل نے گھیرا زلفِ مشکیں فام کا	صبح کا بھولا غنیمت ہے جو پہنچے شام کو
لگا خوبانِ نوخط سے یہ ملنے کو	گھسیٹا پھرے ہے مجھے کانٹوں میں دل اپنے
اُس سنگدل کے دل میں ذرا بھی نہ راہ کی	دُور اتنا اثر سدا رہی ہمت تیری آہ کی
بیٹھا ہوں یار آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے	جوں تابداں میں شیشۂ رنگیں دھرے ہوئے

جان صاحب

جانصاحب - میر یار علی ولد میر امن ۔ شاگرد نواب عاشور علی خاں لکھنوی۔ لکھنؤ انکا اصلی وطن تھا مگر آخر عمر میں بسبب ملازمت زیادہ تر رامپور میں رہے۔ زندہ دل خندہ پیشانی و نرمی مرنجان آزادمنش شخص تھے۔ فنِ شعر کا ہر اک شایق۔ ان کے نام اور طرز کلام سے واقف ہے ریختی کہنے کو اور بھی لوگوں نے اس کوچے میں طبیع آزمائیاں کیں مگر جو نام اُنھوں نے پایا وہ اور کسیکو حاصل ہوا۔ دراصل سعادت یار خاں رنگین اور سید انشا اس طرز کے موجد تھے۔ مگر اُنھوں نے جو کچھ کہا تفننِ طبع کے لئے۔ برخلاف اُنکے جانصاحب نے اپنی تمام عمر اسی خاص صنف میں بسر کر دی اور اپنی خاص روش میں اُستادی کا رنگ پیدا کیا جیسا کہتے اچھا تھے پڑھتے بھی خوب تھے۔ سُنا گیا ہے کہ مشاعروں میں زنانہ لباس سے شریک ہوتے تھے۔ اور پڑھنے میں وہ وہ ناز آفرینیاں کرتے تھے کہ سامعین ہنستے ہنستے لوٹن کبوتر بنجاتے تھے۔

۱۸۵۷ء میں ہر چند کہ لکھنؤ آباد اور شاہی برقرار تھی جانصاحب بہ تلاش معاش دہلی آئے اور یہاں سے پھر بھوپال پہونچے۔ مگر ناکام رہے۔ افسوس کا مقام ہے کہ لکھنؤ جیسے شہر میں جہاں شاہی میں ہُن برستا تھا انہیں معاش کی طرف سے کبھی دلجمعی حاصل نہیں ہوئی اسے شومیِ تقدیر کہو خواہ ناقدریِ فن۔ ۱۲۹۰ھ میں ۶۳ برس کی عمر تھی اور رامپور میں نواب کلب علی خاں کے دامنِ دولت سے وابستہ تھے۔ ۸۰ برس سے زیادہ عمر پاکر انتقال کیا۔ مستورات کے رسم و رواج۔ خیالات اور جذبات سے خوب واقف تھے۔ اور اکثر ایسے ہی مضامین نظم کرتے تھے۔ عورتوں کے روزمرّہ اور محاورات میں حیرت انگیز دسترس حاصل تھی۔ ان کے اشعار مخربِ اخلاق و خلاف تہذیب مضامین سے مملو ہیں اسی وجہ سے اب ایک عرصہ سے انکا کلام چھپنے کی ممانعت ہوگئی ہے عرصہ ہوا دو دیوان چھپے تھے ان میں سے کچھ اشعار منتخب درج کئے جاتے ہیں جو دائرہ تہذیب سے خارج نہیں۔

خصم وہ جو رُو نکالے بیاہ چوسر کا پانسہ ہے اگر دوزخ نہ تو تاقدر کرتا کون جنّت کی	بدی جس سے کریگا سامنا ہو دیگا ذلّت کا سہے رتبہ سُوم کی جنّت نے حاتم کی سخاوت کا

پڑھائی کیوں زلیخا مولوی صاحب نے یوسف کو
کیا خانہ خراب اسکو دکھایا کوچہ الفت کا

نہ پھینکا وصلانہ کھنکار سے چپ چپ چلے آئے
کسی کے گھر میں کوئی بے خطر نہیں آتا

کھلتی ہے جبھی ٹھوکریں کھانے کی حقیقت
سر پہ جو کوئی چاہنے والا نہیں ہوتا

یہ دل سوس کے چپ بھی رہا نہیں جاتا
گلا جو کرتی ہوں چاہت کا ہے مزہ جاتا

ہے منافع جو مسئلہ سے سوا
سود کھانا بھی اب حلال ہوا

مر گئی سوت مگر غم نہیں مجھو لا مجھکو
جانصاحب نہ کبھی دل سے یہ کانٹا نکلا

اُسکے قربان دو آنکھوں سے جو چار آنکھیں دیں
کرتی مضمون ہوں آتو کی دعا سے پیدا

مرزا مقیم سینکڑوں آتے ہیں جوہری
گوہر نے گھر کو جوہری بازار کر دیا

سہے میں دیتی ہوں لاڈو خانم قسم خدا کی یہ دیکھ لینا
نکال لونگی میں دو نو دیدے کیا کسی سے جواب اشارا

چھوٹے دیور سے مرے پردا کیا
باجی صاحب اوہی تم نے کیا کیا

بچی جو موئی میری دادا بہت رویا تو
مرنے پہ کھلی الفت ناشاد بہت رویا

ایک ایک نقطہ پر اجی لڑتے ہیں مردوے
محفل مشاعرہ کی اکھاڑا ہے بھیم کا تو

تیسرے دن نہیں جلتے ہیں کسیکے گھر سے
اور رہا تو بوا آجکا دن آجکی رات

قبر میں روح کو صدمہ ہوگا مرزا
سوت بچوں پہ اگر ہوگی خفا میرے بعد

کیا سخی اگلا زمانہ[1] تھا بوا منعیار کو
لاکھ توڑے دیدئے اک لاکھ کی زنجیر پر

نہ دیکھ دولھا کو ساس نندوں کے آگے گھونگٹ اٹھا اٹھا کر
نئی نویلی دولھن ہے بچی ابھی تو دو چار دن حیا کر

نکاحی بیاہی کو چھوڑ بیٹھے متاعی رنڈی کو گھر میں ڈالا
بنایا صاحب امام باڑہ خدا کی مسجد کو تم نے ڈھا کر

کیا زمانہ برا ہے اچھی بی
کوئی کرتا نہیں کسیکا پاس

[1] نواب آصف الدولہ کی فیاضی کی طرف اشارہ ہے

یہ حسن کے ہیں گاہک مردونکو خوب دیکھا
بتوا شراف کے جوہر مٹیں تکلیف سے کب

جان سولی پہ رہے گی مری بہتیا منصور
کچھ نہیں نرگس کو مرزا تمن بدن کالپنے ہوش

برسوں بجّی کو نہیں پیار کبھو کرتے ہیں
جو جو نہیں اُٹھائی تھیں مینے اُٹھالیاں

میری ماما نے نکالی ہے نئی مجھ سے چھیڑ
تل نہیں مانگ میں زنانی کے بڑ

آنکھ لڑتے ہی ہو گئی عاشق
سید اکل کھڑے ہیں بوا کائنات میں

اُٹھاتی جاکے عدالت میں ہیں بڑی رو لٹ
تم نہ آئیں دل بہت تڑپا ہمارا رات کو بو

جانصاحب میں نہوتے دو نگی بجّی کو سوار
یہ درشہ کا جھگڑا ہے سنو چھوٹی ممانی

ہے خدا کی شان وہ افضل النسا خانم بنے
روز پھر آتی ہے لونڈی مری ہا گرخالی

کمال منہ کا نوالا نہیں ہے بی نعمت
کیا ریختی کہکے کیا نام ہے پیدا

ہنستے بچے کو رلا دیتے ہیں کیا خو ہے بری
کرونگی دہوم سے شادی بوا نسبت تو ٹھیری ہے

یہ بات سچ ہے جسے جس سے پیار ہوتا ہے
یوسف بنا رہے گا بی بی غلام کب تک

زنگ میں لاکھ ہو چھپتی نہیں تلوار اصیل
بدنظر وہ ہیں نہ رکھونگی طرحدار اصیل

کام پر دیدہ کے کیا دل لگا ہے یار میں
پیار بھی کرتے ہیں تو کان میں تو کرتے ہیں

بس بس زبان روکو نہ دو مجھکو گالیاں
بھیجتی ہوں کہیں جاتی ہے یہ مردار کہیں

یہ کنہیا کھڑا ہے گوکل میں بڑ
موہنی تھی موئے کے کاجل میں

لیکن سمائی سبکی ہے شیخوں کی ذات میں
دوگانا کام تو جھوٹے گواہ کرتے ہیں

ذکر اہی گوئیاں رہا کیا کیا تمہارا رات کو
ونکو کیا سوتی تھی لائے ہو سواری رات کو

دو چار بڑے اپنے ہوں دو چار تمہارے
پھرتی تھی گلیوں میں جو رکھرنی فالسے

بھاڑ میں جائے کرایہ وہ کریں گھر خالی
خمیر حسینی کا بارہ برس میں اُٹھتا ہے

اے جان ترا عیب بھی بہتر ہے ہنر سے
اے کھلائی لے لے بازآئی میں انکے پیار سے

گلہرا ہے مرا اور منجھلی بھابی کی گلہری ہے
وہ لاکھ جان سے اُسپر نثار ہوتا ہے

بہو تم ہو خُسر کا مال جو ہے وہ تمہارا ہے
اماں جان کے اسمیں خصم کا کیا اجارہ ہے

انتخاب دیوان دوم

نرالا ہی نظر آیا اٹھا پردہ جو غفلت کا
تماشہ گاہِ عالم میں تماشا اُسکی قدرت کا

نکھٹو وہ نکلتا ہے خصم جسکو بتاتی ہوں
کسیکے پاس روٹی ہے نہ کپڑا میری قسمت کا

سوکن نے پائجامہ پہنا ہے گلبدن کا
پھولوں نہیں تُل رہا ہے کانٹا مرے چمن کا

سیدھا بنایا جانے بانکا جو ٹیڑھی بولے
شاہی میں لطف تھا کچھ لے بیٹو بانکپن کا

وحشی کو رام کرکے ایسی کتھا سُنائی
ہر دم دوگانہ کلمہ پڑھتی ہے برہمن کا

بتاوں لوٹنگا وہ چھوڑ دیں رنڈی کو خود بہتا
تم اپنی بائیں لٹ چھٹنے لگے جبدم گہن دہنا

صبر ہمکو کیا ہو شیریں شیر ہے بچتا پیا
دنکو جورو ٹی ٹی دھڑکا رہا پھر رات کو

کہیں ویسے گھٹنوں کے آگے نہ آئے
قسم جھوٹی سچی نہ کھا رہی دوگانا

وہ شور مار رنڈی ہوں نہ گورو نے ڈری میں
بھگدڑ میں قدم شہر سے باہر نہ نکالا

قسمت کا مری پھیر رہا دم کے مرے ساتھ
اِس راہ کا خالق نے بھی چکر نہ نکالا

بیٹی ہی نہیں کہنے میں وہ غیر کا بچہ
سچ پوچھو تو کیا زور ہو داماد پہ اپنا

سہرے دیکھے ہو چکے بچوں کے پیچھے ابوا
کوئی باقی ہی نہیں دل میں مرے ارمان ایک

اعمال نامہ میرا فرشتوں نے کھو دیا
صد شکر ہوگا حشر میں کیونکر حساب اب

بے ماں کے ضد اٹھاتے نہیں زینہار باپ
جورو کے مُنہ سے کرتے ہیں بچوں کو پیار باپ

بتو مثل یہ سچ ہے پسنہاری ماں بھلی
ہاتھ نہیں ہے ہو جو تونگر ہزار باپ

دل مُوا پیار جسے کرتا ہے کہتا ہے اُسے
اپنے ہاتھوں سے ہے خالق نے بنائی صورت

ایک دم بیٹھ کے تو جینے کا بھروسہ ہی نہیں
کرتے حاکم ہیں بلا قید کی میعاد عبث

اُڑیں یہ مرغ کبوتر بٹیر کنکوے لے
اُٹھے حرام ہیں پیسہ تو پالے کیا محتاج

خدا کو پیارے ہیں سید سے بھی وزیر بھی
جو ایک تیر کو بخشا تو اک کماں کو شرف

ہزار ریختی گو جان منہ چڑھائیں مرا تو
ملیگا ایسا نہ اُن کے فرشتہ خاں کو شرف

بنا سپاہی موا بیچا تھا تل شکر سے
خدا کی شان یہ پیدا کئے گرارے ڈھنگ

لالوں کی لال ہوں میں دونوں جگہ وطن میں
سسرال ہے بدخشاں میکہ مرا یمن میں

ریختی پڑھکے بڑھاپے میں مٹکتا ہے بوا
جاؔن صاحب کی اجی دیکھو حماقت نہ گئی

جاوید

جاوید- حکیم عبدالغنی خاں خلف سید نور خاں حسین اور نیک طینت شخص تھے حضرت منیر شکوہ آبادی مرحوم کے شاگرد اور فن طب میں دستگاہ رکھتے تھے ۱۲۹۰ سنہ ہجری میں موجود تھے یہ اُن کا کلام ہے۔

راس وچپ بیٹھے ہوئے ہیں غیر بزم عیش میں
دل مرا ٹھیرے کہاں خالی نہیں پہلو دوست

خموشی اس لئے دیوانگی میں ہمنے حاصل کی
خدا جانے وہ کیا پوچھے ہمارے مُنہ سے کیا نکلے

حضرتِ جاؔوید عشقِ چشم مست اچھا نہیں
خاک میں ملجائے گی یہ پارسائی آپ کی

جاوید

جاوید- مولوی سید محمد کاظم- لکھنوی شاگرد رشید واُستاذزادہ خورشید لکھنوی مرحوم- سید محمد جعفر اُمید مرحوم کے بیٹے ہیں- ان کے خاندان میں اکثر بزرگوں نے درجہ اجتہاد پایا ہے یہ بھی علمی استعداد زبردست رکھتے ہیں- اشعار سے کہنہ مشقی اور پختگی کا پتہ چلتا ہے- عیوب سے آپکا کلام پاک ہوتا ہے- ٹھمری وغیرہ کہنے کا بھی شوق ہے- یہ اُنکے کلام کا انتخاب ہے-

بنی تھی رہگذر میں قبر کیوں پامال ہونے کو
کوئی کس مُنہ سے اب شکوہ کرے اُس آفتِ جاں کا

اُداسی چارہ گر کے مُنہ پہ جب آتی ہوئی دیکھی
میں سمجھا یہ کہ ٹوٹا زخم کا میرے کوئی ٹانکا

کفن پہنے ہوئے خود چاندنی آئے مرے گھر میں
خدا عالم نہ دکھلائے شب مہتاب ہجراں کا

سُنا ہے مرکے باتیں خوب ہوتی ہیں فرشتوں سے
لحد جب بند ہوتی ہے تو دل کھلتا ہے انسان کا

جلا شباب میں جو دل بجھا وہ پیری میں
چراغ صبح تھا اب اسکا اعتبار نہ تھا

کسے غرض تھی کہ روتا ہمارے ماتم میں
کوئی لحد پہ بجز شمع اشکبار نہ تھا

ہزار بار رکھا ہاتھ اسنے سینے پر تو تو
کہ میرے دم کے نکلنے کا اعتبار نہ تھا

حد سے افزوں ہے یہ کہکر میں بھی اک مشکل میں تھا
سب سہی پر درد اتنا تھا کہ میرے دل میں تھا

تیر سینے میں ہے گر مہماں تو راحت دوں اسے
خود نکل کر یہ سکھے میں بھی کسیکے دل میں تھا

حالِ دُنیا پوچھتے ہیں اہلِ محشر تو سُنیں
مرنے جینے کا مزہ سب کوچۂ قاتل میں تھا

اُٹھائیں دستِ نازک سے وہ خنجر ذبح ہوتا ہوں
میں کرلوں امتحاں انکا وہ کرلیں امتحاں میرا

خدا محفوظ رکھے سیکڑوں وسواس آتے ہیں
وہ ہنس ہنس کے دیکھیں زخمِ قلبِ خونچکاں میرا

درِ جاناں پہ اگر حسرتیں بھی مر گئیں دل بھی
پہنچکر آج منزل پر لُٹا ہے کارواں میرا

کہیں ایسا نہ ہو مر جاؤں لیکن حسرت ہی حسرت میں
جو لینا ہو تو لے لو سب سے پہلے امتحاں میرا

نہ جانے وصل میں کیا تھا ہوا ہے ہجر میں کیا
جو پھول کل تھے وہ کانٹے ہیں آج بستر پر

مر کے دکھلایا کہ اسکا نام ہے انجامِ عشق
کام کہتے ہیں جسے وہ کر گئے ناکامِ عشق

عبث دل لو نہیں کدورت کو دوست رکھتے ہیں
یہ آئینہ ہیں بھلا کب غبار کے قابل

لیسے ستمگروں سے پڑا تھا مقابلہ
ہم نے شباب میں بھی نہ دیکھی بہارِ دل

مردہ وہ حسرتیں ہیں جو تھیں غمگسارِ دل
ویراں ہے مثلِ گورِ غریباں مزارِ دل

تصور سے دلِ ناشاد اپنا شاد کرتے ہیں
جنھیں تم بھول جاتے ہو وہ تمکو یاد کرتے ہیں

ہماری عمر آخر کٹ گئی ساری اسیری میں
یہی سنتی چلی آئی کہ اب آزاد کرتے ہیں

کون کہتا ہے کیا تھا تُنے وعدہ وصل کا
عذر مجھکو کچھ نہیں جھوٹی قسم کھاتے ہو کیا

پروانہ غم میں شمع تھی رنج و ملال میں
دونوں غریب رات کو تھے ایک حال میں

پھر شرمگیں نگہ سے ادھر دیکھ لے ذرا
فرق آنے نہ پائے گا تری حسن و جمال میں

اسکو ہماری فکر نہ کچھ ہمکو اسکی فکر
دل اپنے حال میں ہے تو ہم اپنے حال میں

دل میں کبھی تو آنکھوں میں رہتے ہو تم کبھی
اب میں ہوں بیقرار کہ تم بے قرار ہو

مرنے کی اک امید پہ جی جائیں بے نصیب
تم بھی کسی کے غم میں اگر سوگوار ہو

پانی کی اور رائے ہوا کا کچھ اور حکم ہے
اب کس طرف سفینۂ عمرِ رواں چلے

جاہ

جاہ - راجہ جنگ بہادر خاں کے۔سی۔آئی۔ای۔ راجہ نان پارہ اودہ۔ طبقہ تعلقہ دارانِ اودہ میں بڑے ممتاز اور مُعتمد رئیس گذرے ہیں۔ اپنی بیدار مغزی ہوشیاری اور خوش انتظامی سے ریاست کے ہر صیغے میں نمایاں ترقیاں کیں۔ رعایا اور حکام دونوں کو خوش رکھا۔ ۱۳۱۴ھ میں آپ کا دوسرا دیوان چھپا تھا اُسمیں سے چند شعر انتخاب کر کے لکھے جاتے ہیں۔ غزلوں کی نسبت دوہے اور ٹھمری کہنے کا زیادہ شوق تھا۔ آدمی فقیر دوست۔ سادہ مزاج اور خلیق تھے ۱۸۹۱ء میں انتقال کیا۔ مال و جنس کے علاوہ ایک کروڑ روپیہ نقد خزانہ میں اپنے جانشین صاحبزادے کیلئے چھوڑا۔ اب اُنکا بھی انتقال ہوگیا اور ریاست زیر انتظام کورٹ آف وارڈ ہے۔

سُرمہ بنا ہے کوہ تجلی حُسن سے	کیا رنگِ ناز طور پر اے جاں دکھا دیا
سوزِ فراق آتش رخسار یار نے	تو عشق کی لگا کے مجھے کیوں جلا دیا
بسمل تڑپ تڑپ کے یہ کہتا ہے شوق میں	اک ہاتھ اور کیوں نہ ستمگر لگا دیا تو
ہیں حسینانِ جہاں سامنے سب تیرے خجل	چہرۂ حور کہوں یا رُخ پر نور کہوں
ہو قریب رگِ جاں گو ہو نہاں نظر وں سے	اس ادا سے تمہیں نزدیک کہوں دور کہوں

جاہ

جاہ - نواب سید بنیاد حسین خاں جاہ رئیس اعظم کانپور۔ آپ نواب سید احمد حسین خاں سالک مغفور کے فرزند رشید اور نواب معتمد الدولہ وزیر غازی الدین حیدر اول بادشاہ اودہ کی اولاد امجاد سے ہیں چنانچہ شاہ موصوف نے جو وثیقہ اولاد نواب معتمد الدولہ کے لیے مقرر فرمایا تھا اُس سلسلہ میں زائد از ایک ہزار روپیہ ماہوار آپ کو بھی وثیقہ ملتا ہے۔ اسکے علاوہ زمینداری و دیگر جائداد بھی معقول آپکے ورثہ میں آئی ہے۔ علوم متعارفہ میں اچھی دستگاہ رکھتے ہیں۔ فن سخن میں حضرت امیر مینائی سے مستفید ہیں۔ پہلے وقر تخلص فرماتے تھے۔ اب جاہ تخلص کرتے ہیں۔ ماہ صیام ۱۲۸۰ھ آپ کا سال ولادت ہے۔ آپ کی تصانیف سے دو دیوان شایع ہو چکے ہیں۔ اور بیاض نوحجات۔ اقتباس الانوار بطور کشکول اور کتاب ہجر شین بھی چھپ گئی ہیں۔ شعر شاعری کا شبانہ روز مشغلہ رہتا ہے اور حق یہ ہے کہ آپ کا مذاق شاعری نہایت صحیح و شستہ ہے۔ عادات و اخلاق میں بھی اپنے بزرگان

محتشم کے قدم بہ قدم ہیں اور رؤسائے قدیم کی ایک عمدہ یادگار۔ اب کئی سال سے مرثیہ گوئی کا بھی شوق ہے۔ کئی برس سے اب اکثر لکھنؤ میں قیام رہتا ہے۔ کلام فصاحت التیام کا انتخاب ملاحظہ ہو

شام سے وصل میں جاگا جو مقدر اپنا / صبح تک یار کے زانو پہ رہا سر اپنا

حیا جاتی تو نکلے دل سے ارماں وصلِ جاناں کا / یہ قیدی منہ تکا کرتا ہے زنداں میں نگہباں کا

لہو میں لوٹتے ہیں کشتگانِ خنجرِ الفت / عروسِ مرگ غازہ ملتی ہے خونِ شہیداں کا

متاعِ حسن کی میزاں ہیں آنکھیں عشق بازوں کی / انھیں پلّوں میں سونا تُلتا ہے رخسارِ جاناں کا

عدم کا راہ رو اب راستے میں رک نہیں سکتا / کفن پایا کہ پروانہ ملا شہرِ خموشاں کا

دمِ رخصت کہاں الفت گئی تھی یاد کر ظالم / جھٹک دینا وہ ہاتھوں کا چھڑا لینا وہ داماں کا

بتوں کی ہے یہ گلی جاہ دیکھ بھال کے چل / سنبھل کے چل دلِ بیتاب کو سنبھال کے چل

نقاب ڈال کے چل چال کچھ سنبھال کے چل / ارے یہ عرصۂ محشر ہے دیکھ بھال کے چل

رخسار گلرخوں کے بھی قدرت خدا کی ہیں / کیا کیا کھلے ہیں گُل چمنِ کائنات میں

شیریں زباں ہو تم نہیں زیبا ہیں گالیاں / کیوں دو کسی کو زہر ملا کر نبات میں

حوروں سے کم نہیں ہیں حسینانِ دہر بھی / جنت کے پھول ہیں چمنِ کائنات میں

دلہائے داغدار کو دے زلف میں جگہ / روشن چراغ ہوں ترے گیسو کی رات میں

جو تڑپائے گا فرقت میں دلِ اندوہگیں مجھکو / اگل دیگی دفینہ کی طرح فوراً زمیں مجھکو

بینا نہیں ہے چشمِ بصارت اگر نہ ہو / آنکھیں ہیں دیکھنے کی جو نورِ نظر نہ ہو

آفت کا سامنا تھا بڑی خیر ہو گئی / دل جاچکا تھا بیچ میں چلمن اگر نہ ہو

ظلم کی عادت بڑی ہی جور و جفا کی خو بڑی / مشقِ سفاکی بڑی ہے جتنا ستمگر تو بڑا ہے

کچھ راستے ملے جو اشارہ کریں حضور / تیغِ نظر چلے تو چھٹے بھیڑ راہ کی

ہجر میں دے نہ سکا ساتھ ہمارا کوئی / دل جگر دونوں میں نکلا نہیں اپنا کوئی

عاشقوں ہی پر ہے سارا زور تیرا اے جنوں / قیس دیوانہ ہوا لیلیٰ نہ دیوانی ہوئی

آپ کے جاتے ہی پھر رخصت ہوا صبر و قرار / پھر شکستِ رنگ کی رخ پر بحالی ہو گئی
جب ہوئے گویا لبِ رنگیں بڑھا حسنِ کلام / غازۂ روئے سخن ہونٹوں کی لالی ہو گئی
یاد میں اُس مہروش کے ہجر میں کیں گریباں / لیلئ شب دھوپ کھا کر اور کالی ہو گئی
سامنے اس روئے روشن کے نہ آیا جب فروغ / ایسی سمٹی چاندنی چاندی کی تھالی ہو گئی

جاہ ۔ جناب سکندر جاہ صاحب لکھنوی تلمیذ جناب ثاقب بدایونی۔ حالات باوجود کوشش دستیاب نہیں ہوئے۔ کلام بہم رسیدہ سے چند شعر منتخب ہو کر درج ہوئے۔

ساقی ترے کرم کو بہت دیر ہو گئی / لیتا خبر کہ نشۂ مے ہے اُتار پر
اللہ رے نازِ حسن تری بے نیازیاں / دو پھول بھی چڑھانے نہ آئے مزار پر
ہمارا مال وہ ایک ایک کر کے مول لیتے ہیں / کبھی دل مول لیتے ہیں کبھی سر مول لیتے ہیں
خدا کی یاد میں فانی کہاں ہیں حضرتِ زاہد / یہ حورانِ جناں ہستی مٹا کر مول لیتے ہیں
خدا حافظ ہے اِن عشاق کا بازارِ اُلفت میں / جنوں کا حسن ایماں تک مٹا کر مول لیتے ہیں
ہمنشیں چھیڑ کے گذرے ہوئے افسانے کو / اور دیوانہ بنا دیتے ہیں دیوانے کو
تجھ پہ قربان جو ہوتے مجھے دیکھا سرِ بزم / شمع جل جل کے جلانے لگی پروانے کو
عمر بھر ناصحِ نافہم جو سمجھائے گا / راہ پر لا نہ سکے گا ترے دیوانے کو
آ گئے اس دلِ مضطر کے کہے میں ہر بار / ہم یگانہ ہی سمجھتے رہے بیگانے کو
مر نہ جاؤں کہیں گھٹ گھٹ کے قفس میں صیاد / کب سے بیچین ہوں گلشن کی ہوا کھانے کو
دیکھو ہو جائے نہ محفل میں قیامت برپا / کچھ ہنسی کھیل نہ سمجھو مرے تڑپانے کو
بیطرح سر مرے نالوں نے اٹھا رکھا ہے / کیا فلک سے ہے کوئی تازہ بلا آنے کو
محتسب دیدۂ بد بیں سے جو دیکھے اے جاہ / اپنی آنکھوں میں چھپا لوں ابھی میخانے کو
رشکِ اغیار کی اک عمر خلش مٹ نہ سکی / یہ وہ کانٹے ہیں کہ سینے سے نکالے نہ گئے
بیکسی کہتی ہے نشا ہونگی لحد پر اے جاہ / کچھ بھی دنیا سے یہ حسرت کے سوا لے نہ گئے

جدت - منشی محمد عزیز الرحمن خاں نام - جدت تخلص - آفریدی سپاہ خیل پٹھان وطن فرخ آباد - خلف الصدق محمد عبد الرحمن خانصاحب ہیڈ کلرک و مترجم عدالت ججی فتحگڈھ ضلع فرخ آباد - چونکہ ان کے والد ماجد حضرت پیران پیر دستگیر کے بدل معتقد اور نیاز گیارہویں کے پابند تھے اس واسطے ان کا تاریخ گیارہ ماہ پیران پیر کو پیدا ہونا خاندان میں نہایت مبارک خیال کیا گیا۔

آپ شاعری میں حضرتِ داغ دہلوی کے شاگرد ہیں - ذیل کے ناول اُنکی تصانیف سے ہیں جن میں سے چند طبع ہو چکے ہیں - ماہ کامل - بدر - میاں بی بی کا مکالمہ - رشیداً مجیداً - غیرہ وغیرہ مدت تک اخبار انیس ہند میرٹھ - اودھ پنچ - لاہور پنچ - آگرہ پنچ وغیرہ کی نامہ نگاری کرتے رہے - ذیل کا منتخب کلام اُن کی جولانی طبع کا نمونہ ہے۔

قتل محب کو بے خطا عجب کیا
یہ تو کہئے آپ نے پھر کیا کیا
کوسا کاٹا گالیاں دیں آپ نے
میں نے جھوٹوں بھی کبھی شکوا کیا

مرضِ عشق کا بیمار جو اچھا ہوگا
لبِ جاں بخش سے اعجازِ مسیحا ہوگا
تم ملو غیر سے میں تم سے ملوں خوب کہی
کوئی مجھ سا ہی اگر ہوگا تو ایسا ہوگا

میں نے پوچھا جو مزاج اُنکا تو یہ فرمایا
آپ کی جان کو ہر وقت دعا کرتے ہیں
مُنہ کو آنچل سے چھپاتے ہیں بُرا کرتے ہیں
کوئی پوچھے تو بھلا آپ یہ کیا کرتے ہیں
واعظا کون ہے تو ہمکو ڈراتا کیوں ہے
جس کے بندے ہیں اُسی کی تو خطا کرتے ہیں
اُن کی آمد کی خبر جب سے سنی ہے قاصد
رات دن بیٹھے ہوئے در کو تکا کرتے ہیں

جو دیکھا گیسوئے پُر شکن کو تو عالمِ پیچ و تاب میں ہوں
نکیلی پلکوں نے چھانا تن کو بلا کے قہر و عذاب میں ہوں
نہ جان و تن کی خبر ہے مجکو نہ فکر درد جگر ہے مجکو
یہ بیخودی کا اثر ہے مجکو کہ جیسے شغلِ شراب میں ہوں

رہا وعدوں پہ کوں اپنے نہ قایم تو
ادہر تو دیکھئے آنکھیں ملا کے
بجھائیگی ہماری آہ جالی
جلیں گے آپ بھی ہمکو جلا کے
سنی جو رنجِ فرقت کی کہانی تو
بہت روئے گلے مجکو لگا کے

سوال وصل پر بولے وہ جدت — دغا کرتے نہیں گھر میں بُلا کے
چالیں چلتے ہیں نئی حشر اُٹھانیکے لئے — تُربتِ عاشقِ ناشاد مٹانیکے لئے
سُن کے یہ مژدۂ جاں بخش ہوا شادی مرگ — کہ وہ آئیں گے جنازے کو اُٹھانیکے لئے
آپ کی خاکِ قدم کاش مجھے ملجائے — سُرمۂ دیدۂ بےخواب بنانے کے لئے
ہائے رنے حسرتِ دیدار کہ مرتے مرتے — اُنکو اغماض رہا شکل دکھانے کے لئے
چال اٹھکیلیوں کی چلتی ہوئی آئی بہار — نیند سے سبزۂ خفتہ کو جگانے کے لئے

جدت ۔ جناب مسعود رضا ساکن ۔ مدد پور ۔ بھاگل پور ۔ معلوم نہیں کہ تلمذ کس سے ہے ۔ اشعار ذیل سے پایا جاتا ہے کہ طبیعت دار شخص ہیں اور روزمرہ زبان پر اچھی دسترس ہے ۔ جدت

یہ ڈھٹائی نہیں تو پھر کیا ہے — کج ادائی نہیں تو پھر کیا ہے
ہمسے نفرت ہے غیر سے الفت — بیرزائی نہیں تو پھر کیا ہے
ہم ہیں مشتاق اور تم بیزار — یہ رُکھائی نہیں تو پھر کیا ہے
میں کشیدہ ہوں تم کشیدہ ہو — یہ لڑائی نہیں تو پھر کیا ہے
اُس کے در تک نہ پہونچو گے جدت — جب رسائی نہیں تو پھر کیا ہے

جدت ۔ مستری محمد ابراہیم مقیم شملہ شاگرد شوکت میرٹھی ۔ شعر خاصہ کہہ لیتے ہیں ۔ استعارہ بندی کی طرف زیادہ میلان ہے ۔ یہ کلام کا رنگ ہو ۔ جدت

دل مسکن حبیب تھا دل کا نشاں نہ تھا — حیرت کا ہے مقام مکیں تھا مکاں نہ تھا
کس کی چشمِ مست نے دلپر چلائی تیغِ ناز — زخم کے انگور میں بھی ہے مزہ انگور کا
شیخ صاحب گر مئے انگور پینا ہے حرام — کیسے جائز کر دیا کھانا تمہیں انگور کا؟
یہ کھاول سنے کہ میں بھی ساتھ اسی کے جاؤنگا — لے کے خط مجھسے جو رخصت نامہ بر ہونے لگا
وہ مجکو قتل کر کے یہ کہتا ہے غیر سے — چکھو تو تم بھی خنجرِ فولاد کا مزہ
سینے میں یادِ دوست ہو اور دم لبوں پر ہو — ایسی اگر ہو یاد تو ہے یاد کا مزہ

انساں ہے مبتلائے ہوس روح کا ہے قول	مشکل ہے تیرا چھوٹنا دنیا کے جال سے

جدید۔ منشی سید محمد مہدی صاحب جدید لکھنوی آپ حضرت تعشق مرحوم کے حقیقی بھتیجے اور جناب محمد مرزا اُنس کے پوتے ہیں۔ گویا خاندانی شاعر و مرثیہ گو ہیں ۱۲۸۵ھ ہجری سال ولادت ہے۔ تیرہ سال کی عمر سے شعر کہتے ہیں۔ پڑھتے بھی خوب ہیں۔ محرم کے زمانہ میں حسب معمولِ خاندان اکثر بیرونجات میں جاتے ہیں۔ چنانچہ اب کئی سال سے دکن تشریف لیجاتے ہیں۔ حضور نظام کی خدمت میں بھی باریاب ہو چکے ہیں۔ مذاق سخن بہت شستہ اور درست ہے۔ مشق سخن کا پوچھنا ہی کیا۔ رہی غزل گوئی وہ مرثیہ کے مقابلہ میں کیا چیز ہے۔ آپ کی زباندانی کی تعریف فضول ہے کیونکہ وہ ان کے خاندان کا حصہ ہے۔ اسکے علاوہ نزاکتِ خیال اور مضمون آفرینی بھی آپ کے کلام میں موجود ہے۔ بہرحال ان کا کلام ہر طرح پاکیزہ اور ستھرا ہے۔ سن شریف ۴۰ سال کے قریب ہے۔ آپ کو مرثیہ گوئی میں جناب تعشق سے تلمذ ہے اور اب تو آپ لکھنؤ میں خود استاد مانے جاتے ہیں۔

دل ہوا خوں جو ترے تیر کا پیکاں نکلا	طرفہ ماتم ہوا جب گھر سے یہ مہماں نکلا
وہ نہ آئے مرے لاشہ پہ بھی اللہ کرے	یہ تو کہنے میں نہ آئے کوئی ارماں نکلا
حسن وہ چیز ہے ہر ایک جگہ ہوتی ہے قدر	سبب رونقِ زنداں مہِ کنعاں نکلا
ہے حسرت سے نظر کی دلِ مایوس کی سمت	جب سنا یہ کہ کسی کا کوئی ارماں نکلا
اے زہے جوشِ جنوں اُٹھ سے اسیری کی ہوس	دم بھی نکلا تو قریب درِ زنداں نکلا
قاتل نہ تُو نے تھم کے تڑپنے کی سیر کی	جو کچھ تھا حوصلہ دلِ بسمل میں رہگیا
اُسکی نگاہِ ناز میں تیزی زیادہ ہو	اک تیر تھا کہ آکے مرے دل میں رہگیا
دریا گھٹا یہ دیکھ کے اُس بحرِ حسن کو	دھبہ سا ایک دامنِ ساحل میں رہگیا
دنیا میں گرچہ میں نہ رہا تو نہیں سہی	ذکرِ وفا تو یار کی محفل میں رہگیا
آخر کسی سے راہِ محبت نہ طے ہوئی	ہر ایک تھک کے عشق کی منزل میں رہگیا
عمر سب نفس کی طاعت میں بسر کی میں نے	ہائے افسوس کبھی دن نہ خدا یاد آیا

دل کو تاراج کیا تو نے قیامت کردی
تیرا ارماں بھی تھا اسمیں ترا راز بھی تھا

ضبط وحشت کا ہے دشوار ذرا حضرت قیس
فخر کی بات نہیں آبلہ پا ہو جانا

وہ یہ کہتے ہوئے آتے ہیں مری لاش کیساتھ
چاہیے حق محبت سے ادا ہو جانا

ایسا ہے یار حسن رخ لاجواب کا
دریا میں ایک پھول پڑا ہے گلاب کا

جاتے ہیں اس خیال سے خود لیکے اپنا خط
ہم انتظار کر نہ سکیں گے جواب کا

عشق میں خاطر سبھوں کی چاہیے یکساں کریں
دل کے سو ٹکڑے برائے ناوک مژگاں کریں

زخم میرے دل سوزاں کے سے جاتے ہیں
جلتے جاتے ہیں وہ ٹانکے جو دیئے جاتے ہیں

اب خبر لیجئے لاش اٹھتی ہے مجبور ہوں میں
سب مجھے آپکے کوچے سے لئے جاتے ہیں

موت سو مرتبہ آ آکے پلٹ جاتی ہے
الٹی سانسیں ترے بیمار لئے جاتے ہیں

ظلم سے اپنے پشیمان ہوا وہ سفاک
آج ٹانکے مرے زخموں میں دیئے جاتے ہیں

اسیران کہن اس ڈر سے کب فریاد کرتے ہیں
کہیں گے آپ یہ سب شکوہ بیداد کرتے ہیں

ترے آنے کا ذکر او بانی بیداد کرتے ہیں
یہ باتیں بہر تسکین دل ناشاد کرتے ہیں

جہاں میں عاشق و معشوق لاکھ چھوٹتے ہیں
کہیں جو رشتۂ الفت ہیں وہ بھی ٹوٹتے ہیں

مثال نشۂ مے نشۂ جوانی تھا
گیا شباب تو اب ہاتھ پاؤں ٹوٹتے ہیں

رباعی

والی کو یہاں کے شاد و خرم رکھیں
دشمن کو سدا ذلیل و برباد رکھیں
اسلام کا ہے ملک دعا مانگ جدید
محشر تک اسکو حیدرآباد رکھیں

آزمائے کوئی سوز عشق کی تاثیر کو
آبلے پڑ جائیں گر چھو لے مری تصویر کو

یہ نالہ پوچھتا ہے مجھ حزیں سے
ملادوں آسمانوں کو زمیں سے

تیرے بیمار بگڑتے ہیں برا مانتے ہیں
اب کبھی کوئی یہ کہتا ہے کہ حال اچھا ہے

ہے نئی ضد کہ پریشان کرینگے گیسو کو
جب سنیں گے دل بیمار کا حال اچھا ہے

بجا ہے اب جو کہیں لوگ اُن کو ہرجائی — تمام خلق کی آنکھوں میں ہیں سمائے ہوئے
نہ اُٹھی ایک سے تکلیف مرے لاش اٹھانیکی — ہوئیں جب بند آنکھیں کیفیت دیکھی زمانے کی
فکر میں بیٹھے ہیں در پر مری لاش آئی ہے — دل سے فرماتے ہیں کیسی مری رسوائی ہے
پھول گر ہو جائیں یہ خوش قسمتی — آپ کانٹے میرے حق میں بو چکے

جدید

جدید - جناب محمد امیر صاحب بلگرامی شاگرد جناب مرزا حاتم علی صاحب مہر ۱۸۹۰ء تک حیات تھے - باوجود تلاش زیادہ حالات معلوم نہ ہو سکے -

عشق کی جب پر عنایت ہو گئی — ہوش زائل عقل رخصت ہو گئی
کیا نظر آیا انہیں آئینے میں — کسکو دیکھا کیسی حیرت ہو گئی
خواب میں آیا نظر اُنکا جمال — عین ہشیاری یہ غفلت ہو گئی
کس پر یرو پر ہوئے عاشق جدید — کیا ہوا کیوں زرد صورت ہو گئی

جذب

جذب - میر عزت اللہ عرف میر بھکاری - مقیم دہلی - بریلی کے معززین میں سے تھے - علوم رسمی سے آگاہ اور اکثر فنون سے واقف تھے - سرکار کمپنی کی طرف سے عہدۂ جاسوسی پر مقرر تھے اور اسی ذریعہ سے سیر و سیاحت میں مصروف رہتے تھے - وسط ایشیا کے نواح میں بخارا کے قریب مارے گئے طبیعت موزوں پائی تھی شعر و سخن کی طرف توجہ تھی - یہ اشعار اُنکے ہیں -

واں صفائی و خود نمائی ہے — یاں مری جان کی صفائی ہے
اے فلک مجھ سے اتنی بے مہری — یہ ترے دل میں کیا سمائی ہے
یاں ہوئے ہم تو جاں بحق تسلیم — واں ابھی عشق آزمائی ہے
جو کہ حلقہ بگوش نتھ کے ہیں — ناک میں اُن کی جان آئی ہے
جذب چل دیکھ آستانۂ یار — ہم ہیں اور اُس کی جبہ سائی ہے

جذب

جذب - مولوی عابد حسین صاحب جذب شاگرد منشی خلیل احمد صاحب وجد سلیم المذاق اور طباع شاعر تھے - کلام سے مشاقی ٹپکتی ہے - زیادہ حال معلوم نہیں ہوا - یہ اشعار اُنکے ہیں -

تا زیست تیری سمت خیالِ بشر نہ تھا
تو تھا جدھر گماں بھی کسی کا اُدھر نہ تھا

تیرے سوا کسی کا مرے دل میں گھر نہ تھا
انسان کیا بلا ہے پری کا گزر نہ تھا

ساقی یہاں تو شیشہ و ساغر کا ذکر کیا
خُم کا یہ حال ہے اِدھر آیا اُدھر نہ تھا

اس سے تو گور تک بھی نہ پیچھا چھٹا مرا
دشمن تھا جان کا مرے دردِ جگر نہ تھا

مرتے ہی میرے جا کے ملو گے رقیب سے
ان قدموں کی قسم یہ گماں آپ پر نہ تھا

جب تک عزیز جان تھی ہر چیز کا تھا خوف
مرنے پہ باندھتے ہی کمر کچھ خطر نہ تھا

کس زندگی پہ جذب اکڑتے تھے صبح شام
جھونکا ہوا کا تھا اِدھر آیا اُدھر نہ تھا

جذب

جذب۔ حکیم علی حافظ جذب باشندۂ حکیم آباد۔ دورِ موجودہ کے شاعر ہیں۔ چند شعر درج کیے جاتے ہیں۔

گر نہ تھا گھر میں چراغ اپنے تو اچھا نہ سہی
داغ ہی سینے میں ہوتا کہ اُجالا ہوتا

جذب کیوں ناز حسینوں کے اُٹھانے پڑتے
دل ہی قابو میں جو اے حضرتِ والا ہوتا

دل آ جائے تو اعلیٰ اور ادنیٰ سب برابر ہیں
جو بیخود ہو وہ کیا دیکھے بلندی ہے کہ پستی ہے

چل اے دل ہم بھی کچھ سودا کریں بازارِ خوباں میں
سنا ہے آجکل جنسِ محبت خوب سستی ہے

نہ تو پھولوں کی چادر ہے نہ کوئی شمع ہے روشن
مزارِ بیکساں پر کس قدر حسرت برستی ہے

جرأت

جرأت۔ مرزا مغل خلف عبد الباقی خاں ابن حمید الدین خاں ساکن نجچہ۔ مرزا رفیع السودا کے شاگردوں میں سے تھے۔ زندہ دل۔ شیریں گفتار اور نہایت قابل شخص تھے۔ بریلی میں انتقال کیا۔ زمانۂ وفات صحیح معلوم نہیں البتہ یہ معلوم ہے کہ سنہ ۱۸۴۴ء میں مر چکے تھے۔ یہ اُن کا کلام ہے۔

بھلا تو مجھ سے تو کہہ کیا ہوا ہے تجھے اے دل
جو اس طرح سے تو رہتا ہے بیر کے لال پڑا

نپٹ ہی حال پریشاں ہے آج سنبل کا
چمن پہ آہ یہ کس زلف کا وبال پڑا

کیوں نہ ہوویں جان و دل سے ہم نثارِ آئینہ
عکس ہے مکھڑے کا تیرے ہم کنارِ آئینہ

روبرو ہوتے ہی مفتوں کرلیا اُس شوخ کو	دیکھیو ٹک غور سے جرأت تو کار آئینہ
غیروں کا گر میں شکوہ یارو کروں عبث ہے	سو دشمنوں کا دشمن دل ہے یہ پاس میرے
جوں برگِ گل جھڑے ہیں گلشن میں زیرِ گلبن	لختِ جگر پڑے ہیں یوں آس پاس میرے

جرأت

جرأت - یحییٰ امان عرف قلندر بخش - اکبر آبادی مشہور ہیں مگر انکے باپ حافظ امان خاص دہلی کے رہنے والے تھے تمام تذکروں میں لکھا ہے کہ ان کے خاندان کا سلسلہ رائے امان عہدہ دار محمد شاہ سے ملتا ہے۔ دہلی میں گھنٹہ گھر کے قریب رائے امان کا کوچہ اُنہیں کا بنایا ہوا ہے۔ جرأت جعفر علی حسرت کے شاگرد تھے۔ فن شعر کے علاوہ نجوم اور موسیقی میں اچھی دسترس حاصل تھی۔ ستار خوب بجاتے تھے۔ میاں جرأت ۱۲۱۵ھ میں دہلی سے لکھنؤ پہنچے اور مرزا سلیمان شکوہ خلف شاہ عالم ثانی کی سرکار میں ملازم ہوگئے۔ وہاں میر انشاء اللہ خاں اور مصحفی سے اکثر صحبتیں رہتی تھیں۔ ایک مرتبہ تنخواہ میں دیر ہوئی حسن طلب میں ایک غزل کا مقطع کہا ؎

جرأت اب بندہ ہے تنخواہ تو کہتے ہیں یہ ہم	کہ خدا دیوے نہ جبتک تو سلیماں کب دے

فارسی کا ترجمہ ہے "تا خدا ندہد سلیماں کی دہد" پھر کچھ عرصے بعد نواب حافظ رحمت خاں کے بیٹے نواب محبت خاں کی سرکار میں زمرۂ شعرا منسلک ہوگئے۔ اُسوقت میں یہ شعر کہا ؎

بسکہ گلچیں سے تھے سدا عشق کے ہم بستاں کے	ہوگئے نوکر بھی تو نواب محبت خاں کے

جناب جرأت کے واقعات زندگی میں یہ قابل افسوس واقعہ ہے کہ عین جوانی میں آنکھوں سے معذور ہوگئے تھے۔ بعض کا یہ قول ہے کہ یہ حادثہ چیچک سے ہوا۔ بعض مشہور کرتے ہیں کہ پہلے یہ اندھے نہ تھے بعض موقعوں پر شوخیِ عمر کے اقتضا سے شوقیہ اندھے بنے پھر دیکھتے دیکھتے فی الواقع نابینا ہوگئے۔ اگرچہ بصارت ظاہری سے معذور رہے۔ مگر رنگین اور پُر تکلف مضامین خوب سوجھتے تھے۔ اُس زمانہ کے لوگوں نے جو اُن کے حالات لکھے ہیں اُن سے پایا جاتا ہے کہ ان کے اور ان کے ہم عصر شعرا۔ انشا۔ قتیل وغیرہ کی امرا ایسی قدر کرتے تھے کہ گھر میں رہنے نہ پاتے تھے۔ آج ایک امیر کے ہاں ہیں دوسرے دن دوسرے امیر وہیں آئے اور اپنے

ساتھ سوار کرا کر لے گئے۔ چار پانچ دن وہاں رہے کوئی اور رئیس آئے وہ لے گئے۔ جہاں جاتے ضروری عیش و آرام سے زیادہ عیش کے سامان مہیا ہوتے۔ رات دن قہقہے چہچہوں میں وقت گزارتے بلبل و طوطی کی طرح طبیعت موزوں ازل سے لائے تھے انکے کلام خاص جوہر معاملہ بندی ہے جسنے انکی حیات ہی میں انکا نام خوب چمکا دیا۔ عاشقی کے راز و نیاز اور کوچۂ عشق کی راہوں سے باخبر تھے۔ اسی لئے جو کچھ زبان قلم سے نکلتا تھا دلوں میں گھر کر لیتا تھا۔ کلام صاف شستہ بندش چست۔ ان کے اشعار سرتاسر نیچر کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ اور پھر مزا یہ کہ لطف محاورہ کو کہیں ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ باوجود کم علمی کے فن شعر کا ایسا ملکہ راسخہ حاصل تھا کہ بڑے بڑے معرکوں میں کبھی کسی ہمعصر سے دب کر نہیں رہے۔ بلکہ بیشتر تو یہی ہوا کہ میدان ان کے ہاتھ رہا۔ ۱۲۲۵ھ میں انتقال کیا۔ شیخ ناسخ نے انتقال کی تاریخ کہی ؎

جب میاں جرأت کا باغِ دہر سے	گلشن فردوس میں جانا ہوا
مصرع تاریخ ناسخ نے کہا	ہائے ہندوستان کا شاعر موا

غزلگوئی میں میاں جرأت میر تقی میر کی طرز کے معتقد تھے اور ان کی فصاحت و سادگی پر انہوں نے اپنی شوخی اور بانکپن کا حاشیہ ایسا چڑھایا کہ جسنے پسندِ عام اور شہرتِ دوام کا تمغہ حاصل کر لیا انکی حیات ہی میں کلام کی دھوم مچ گئی۔ بازاروں میں لوگ شعر پڑھتے پھرتے تھے اور خاص علمی صحبتوں میں بھی اکثر اشعار شوق سے پڑھے اور سنے جاتے تھے ان کی طرز خاص انہیں کا ایجاد ہے۔ ان سے تین ضخیم دیوان یادگار رہے۔ راقم تذکرہ کے کتب خانہ میں جو انکی تصانیف کا ذخیرہ ہے اسکی کیفیت یہ ہے کہ ایک ضخیم کلیات کامل ۴۰۰ صفحہ کا دوسرا کلیات نہایت خوشخط اور صحیح نواب جھجر کے کتب خانہ کا قریب ۱۰۰۰ صفحہ کا اور اسی طرح ۳ نسخے اور متفرق عمائد کے کتب خانوں کے موجود ہیں۔

حضرت جرأت کی زندہ دلی اور ہر دلعزیزی کے لطائف اور ظرائف اکثر لوگوں کے زبانزد ہیں اسلئے یہاں صرف ضروری حالات کے اندراج پر اکتفا کیا گیا ؎

انتخاب کلام جرأت

شمع ساں کس نے مجھے پھولتے پھلتے دیکھا
ہوں میں وہ نخل کہ دیکھا بھی تو جلتے دیکھا

تجھکو ہم اسلیئے کہتے تھے کوئی دم مت جا
چل بسے ہم نہ ترے چلتے ہی چلتے دیکھا

اِس کا بیمار نہ نکلا کبھی گھر سے جرأت
گھر سے تابوت ہی آخر کو نکلتے دیکھا

جستجو میں دل کے بہلانیکی جی کھونا پڑا
جو ہنسی کی بات بھی اُسکا ہمیں رونا پڑا

کوئی دل مانگے تھا۔ تو کہتے تھے ہم مُنہ دہو رکھو
سو یہ کہتے کہتے اب اشکوں سے مُنہ دہونا پڑا

دل کے لیجانے ہی جی تن سے ہمارے نکلا
جی لگانیکا تھا ارمان سو بارے نکلا

غرق ہو بحرِ محبت میں جو ہے طالبِ دُر
کہ نہ موتی کبھی دریا کے کنارے نکلا

اب گذارا نہیں اس شوخ کے در پر اپنا
جسکے گھر کو یہ سمجھتے تھے کہ ہے گھر اپنا

پوچھو نہ کچھ سبب مرے حالِ تباہ کا
الفت کا ہے ثمر یہ نتیجہ ہے چاہ کا

تیرے مریضِ غم کی زباں پر نہیں کچھ اور
اک تار بندھ گیا ہے مگر آہ آہ کا

تشبیہ کس مزے سے ہیں لذت کو اُسکی دو لب
کچھ دل ہی جانتا ہے مزا دل کی چاہ کا

مت یہ گھبرا کر کہو اب یاں سے بندا جائیگا
کوئی مر جائیگا صاحب آپکا کیا جائیگا

رات کیا کیا ہے مجھے ملال نہ تھا
خواب کا تو کہیں خیال نہ تھا

بزم میں گُل کہ مست ہے اُسکی یارو
کون ایسا نظر آیا کہ جو مدہوش نہ تھا

چین کیا ہو جہانِ ہستی میں خاک
جو یہاں آیا مکدر ہی گیا

غمِ فراق سے جرأت نہ اسقدر گھبرا
کہ وصل صبح نہیں ہے تو شام ہو دیگا

گرمی سے رُخ کی یوں دلِ دیوانہ جلگیا
شعلے سے جیسے شمع کے پروانہ جل گیا

لکھتے ہی سوزِ غم نہ فقط خامہ جل گیا
لو مرغ نامہ بر بھی معہ نامہ جل گیا

مر گیا کل ہی جرأتِ بیمار
تو عیادت کو اُسکی آج آیا

لگتی نہیں پلک سے پلک وصل میں بھی آہ
آنکھوں کو پڑ گیا ہے مزا انتظار کا

چشم وا کرتے ہی نرگس کی طرح کملائیے
چمن دہر کا کچھ ہم نے نظارا نہ کیا

کوئی چاہا نہیں مجھکو بھی مُنہ لگاتا آہ
برنگ نے مرے نالوں میں گر اثر ہوتا

فصلِ گل گرچہ ہزار آئی پر اپنا جرأت
دلِ پژمردہ نہ جوں غنچۂ تصویر کھلا

کس گھڑی سے وہ ہمیں در پہ نظر آیا تھا
سر ٹپکتے ہیں پڑے ہم پسِ دیوار اپنا

لبِ ساغر سے ملامت لبِ گلگوں اپنا
غنچہ ساں رشک سے کب تک میں پیوں خوں اپنا

کیسا پیغام آکے یہ تو نے صبا دیا
مثلِ چراغِ صبح جو دل کو بجھا دیا

گر لگی آتش ہمارے دل و جگر کو کیا ہوا
اشک پیہم کیوں تھم رہے ہیں چشمِ تر کو کیا ہوا

یہی کہتا ہوں جب سے اے جرأت
کوچۂ یار مجھ سے چھوٹ گیا

کس بیاباں میں آہ لائے نصیب
گل و گلزار مجھ سے چھوٹ گیا

جوں حباب اس بحر میں ہستی کی سنتے ہی ہوا
ٹکڑے ٹکڑے سو جگہ سے اپنا پیراہن ہوا

چین اس دلکو نہ اک آن ترے بن آیا
دن گیا رات ہوئی رات گئی دن آیا

گو پھول پھول کر اب تو دیکھتی ہے بلبل
گلشن کا پر نظارا معلوم ہو رہیگا

اور تو کیا مشغلے ہیں ہجر میں تیرے مگر
دل کی بیتابی سے سو سو بار اٹھنا بیٹھنا

اُسکی اک آواز تو سن لیویں اُٹھتے بیٹھتے
گر میسر ہو پسِ دیوار اُٹھنا بیٹھنا

جام سے کچھ نہیں اب ہمکو طلب اے ساقی
بس تری آنکھ دکھانے ہی نے بیہوش کیا

کیوں ہو حیراں سے کیا آئینہ دیکھا پیارے
کچھ تو بولو کہ کس نے تمہیں خاموش کیا

بھری ہے حسرتِ دیدار دل میں دم ہے آنکھوں میں
خدا کیواسطے جلدی اب آ بیداد گر آنا

گئے وہ دن کہ واں جاتے تھے اور پردہ اٹھاتے تھے
میسر اب نہیں چوری چھپے بھی بات کر آنا

کون دیکھیگا بھلا اس میں ہے رسوائی کیا
خواب میں آنے کی بھی تمنے قسم کھائی کیا

اب بھی لے ساقیِ گلفام ہمیں بھول گیا
سبکو بھر بھر کے دیئے جام ہمیں بھول گیا

جب تلک دل نہ لیا تھا تو کبھی آتا تھا
دل کے لیتے ہی وہ خود کام ہمیں بھول گیا

کوئی ایسی نہ شب گذری جو ٹوٹے تار رونیکا ہوا ہے شمع ساں جب سے مجھے آزار رونیکا
سبھی باغ جہاں میں مثل گل خنداں ہیں پر جیتا فلک نے شبنم آسا ایک ہمیں کو کار رونیکا
یہی رونا ہے گر منظور جرأت تو بینائی سے تو معذور ہوگا

یا وہیں کا ہو رہے گا یا عدم کو جائیگا پھر نہیں پھرنے کا اس کوچے میں اب جو جائیگا
گلشن گیتی میں جو آوے گا کیا پاویگا یاں غنچہ ساں کچھ اور اپنی گانٹھ کا کھو جائیگا
رو بروئے سوز غم ہے یوں تن لاغر مرا حال جو شعلے کے آگے ہو خس و خاشاک کا
گر کرے پرواز اوج عرش پر جرأت تو کیا خاک میں ملجائے گا آخر یہ پتلا خاک کا
گردے آئینہ پا تاب ہے جلا دیکھ لو تم حسن یہ آپ کا جھ خاک لب سے چمکا
صبح ہوتے ہی جو وہ غائب ہوا مہتاب سا وصل کی یہ رات تھی یا ہمنے دیکھا خواب سا
یہ سواد شہر اور ایسا کہاں حسن ملیح شش جہت میں ملک دیکھا ہی نہیں پنجاب سا
شعلۂ برق و شرر کو ہمنے دیکھا پر کوئی بیقراری میں نہ دیکھا اس دل بیتاب سا
رخ جو پردے سے مرے رشک قمر کا نکلا نہیں معلوم کہ یہ چاند کدھر کا نکلا
زلف و رخ کی جو گیا یاد میں دل کھو جرأت شام تک بھی نہ پھر آہ سحر کا نکلا
کیا خلل آپس میں یہ اے شوخ پرفن کر دیا دلکو میرا اور مجھکو دل کا دشمن کر دیا
دل جو غم کھایا کیا وہ غم مجھے کھاتا رہا جب تلک جیتا رہا میں دل لیے دکھ پاتا رہا
کیا خزاں نے رنگ گلشن کا یہ بلبل کر دیا ہوتے ہی روشن چراغ گل کو جو گل کر دیا

برہم کبھی قاصد سے وہ محبوب نہوتا گر نام ہمارا سر مکتوب نہوتا
خوبان جہاں کی ہے ترے حسن سے خوبی تو خوب نہوتا تو کوئی خوب نہوتا
شمع ساں جسنے کی زبان دراز اسکا قصہ ہی مختصر دیکھا

ہم اسیران قفس کیا کہیں خاموش ہیں کیوں راہ لگ اپنی چل لے باد صبا تجھکو کیا
نکلے ہے بیخودی ہی کا کلمہ زباں سے زاہد بھی بزم بادہ کشاں میں بہک گیا

خجل ہوں باغباں سے میں نہالِ خشک ہوں ایسا
نہ بیٹھا کوئی سایہ میں نہ کچھ مجھ سے ثمر پایا

مُو نہ سمجھو تن پہ میرے یہ نکلتا ہے دھواں
دل نہیں پہلو میں اک دہکے ہے انگارا پڑا

پر وہ مت منہ سے اُٹھا نازِ ہزار
مجھ میں اوسان نہیں رہنے کا

گُل کو کیا روتی ہے تو اے بلبل
یہ گلستان نہیں رہنے کا

سینے میں آج نالۂ دل کی صدا نہیں
ہے ہے قفس سے مرغِ خوش آہنگ اُڑ گیا

وہی بجھے گا جیسے زخم دل کو
جگر پر جب کہ اک ناسور ہو گا

ہستی ہے جوں حباب پہ ہم غافلوں کو آہ
کتنا کچھ اعتبار ہے بے اعتبار کا

آوارہ یوں ہوا کہ صبا اور نسیم نے
پایا کہیں نہ کھوج ہمارے غبار کا

جرأت اب اُسکے آنے سے بالکل ہوئی جو یاس
احوال کیا کہوں دلِ اُمیدوار کا

رتبہ گل بازی کا رو لا کاش تو پاتا
ہاتھوں سے جو گرتا تو وہ آنکھوں سے اُٹھاتا

کلمہ پھرے ترا جسے دیکھے تو بھر نظر
کافر اثر یہ ہے تری کافر نگاہ کا

سوزِ دل سے حال یہ تھا شب تپِ غمناک کا
صبح بستر پر جو دیکھا ڈھیر تھا اک خاک کا

نزع میں بھی تری صورت کو نہ دیکھا افسوس
مرتے مرتے بھی نہ ارمان نظر کا نکلا

بسکہ لکھی تھی میں حالت دلِ گم گشتہ کی
کھو کے قاصد مرا مکتوب کہیں بیٹھ رہا

کیا اُس گھر میں چرچا جسنے ہے گریہ و زاری کا
الٰہی صبر اُسکی جان پر اس بیقراری کا

کی میکشی جو ہمنے ترے بن تو کیا کہیں
شعلے اُٹھے یہ دل سے کہ میخانہ جل گیا

نہ کچھ حقیقتِ یعقوب پوچھو کنعاں میں
بغیر یوسفِ مصری جو کارواں پہنچا

پھر کہو سوتے میں بوسہ کیوں لیا تو نے مرا
گو ہے تہمت پر مزا کیسا ہے اس بہتان کا

اُدھڑ جاتے ہیں ٹانکے بخیۂ زخمِ جگر کے سب
تصور جبکہ گذرے ہے کسی کے مسکرانے کا

خدا جانے کریگا چاک کس کس کے گریبانکو
ادا سے اُنکا چلنے میں اُٹھا لینا یہ داماں کا

یہ وفا کی سینے تس پر مجھے کہتے بیوفا ہو
مری بندگی ہے صاحب یہ بڑا خطاب لٹا

نہ آیا اس فلک کو اور کچھ آیا تو یہ آیا
گھٹانا وصل کی شب کا بڑھانا روز ہجراں کا

ق

عزیزو کیا حقیقت پوچھتے ہو تم گئے جرأت کی
عجب احوال دیکھا ہم نے کل اس خانہ ویراں کا

پڑے ہے تھے موئے سرتا پا لباس تن تھا عریانی
بچھایا بستر اتھا خاک پر خار مغیلاں کا

کبھی اُٹھ دوڑتا تھا گاہ کانٹوں پر وہ لوٹتا تھا
نہ تھا کچھ ہوش اس وحشی کو اپنے جسم اور جاں کا

نہ کرتا تھا کسی سے بات لیکن اک یہی مطلع
ہوا ورد زباں تھا اس مریض درد ہجراں کا

کچھ ایسا کر گیا بیہوش جانا مجھکو جاناں کا
نہ جی کو ہوش ہے دل کا نہ دلکو ہوش ہے جاں کا

جگر سے نکلے ہیں شعلے سرشک آنکھوں سے
چلے یہ ملکے کہاں کاروان آتش و آب

بلائیں ہاتھوں نے میرے جو لیں تمہاری رات
بلائیں ہاتھوں کی لیتا رہا میں ساری رات

شب فراق کٹے کس طرح سے اے جرأت
یہ رات وہ ہے کہ کہتے ہیں جسکو بھاری رات

بلبل سنے نہ کیونکہ قفس میں چمن کی بات
آوارہ وطن کو لگے خوش وطن کی بات

سر دیجے راہ عشق میں پر منہ نہ موڑئے
پتھر کی سی لکیر ہے یہ کوہکن کی بات

چلی آتی ہے تا دامن صبح پیری
جوانی کی گنوا مت بے خبر رات

دل ملا جس سے ہے آنکھیں بھی ملاؤ اس سے
ہم سے کرتے ہو لگاوٹ کے اشارات عبث

فردا یہاں سے کوچ ہے بس ہمنے شب کی شب
جوں شبنم اس چمن میں کیا ہے قیام آج

مرہم پذیر کون سا ہے گھاؤ جو نہیں
پر ایک زخم تیغ زباں کا نہیں علاج

دل کو اے عشق سوئے زلف سیہ فام نہ بھیج
رہزنوں میں تو مسافر کو سر شام نہ بھیج

بھڑکے ہے آتش غم یہ اپنے تن کے اندر
ہر دم نئی تپش ہے داغ کہن کے اندر

گردش سے طالعوں کی جوں مردمان دیدہ
گویا ہے شام غربت صبح وطن کے اندر

یہ سوز عشق سے ہے تپش اپنی جان پر
اک آہ کی تو پڑ گئے چھالے زبان پر

کیا جانئے کیا لائے فلک پیکر گل پر
بے وجہ نہیں روتی ہے شبنم سر گل پر

ہم اس طرح رہے یاران رفتگاں سے دور
غریب جوں کوئی رہ جائے کارواں سے دور

شامِ فرقت یا الٰہی یہ کدھر سے آگئی — مر چلے ہم اس بلائے ناگہاں کو دیکھکر

گیا وہ دل بھی پہلو سے کہ جس کو — کبھی روتے تھے چھاتی سے لگاکر

اگرچہ اور بھی ہیں خوبرو پر حُسن کا تیرے — جہاں میں شور ہے ایسا نمک ہے تیرے چہرے پر

وہ ہنس ہنس کے کافری چشمِ تر پر — نمک چھڑکے ہے زخم ہائے جگر پر

آتشکدہ میں دہر کے رہ سرنگوں کہ یاں — جُوں شمع سر اُٹھاتے ہی لگتی ہے سر کو آگ

جل کے آغازِ شبِ وصل ہی میں خاک ہوئے — شکلِ پروانہ ہوا اپنا یہ انجامِ وصال

ہے یہ مشکل کہ ملیں اُس بُتِ مغرور سے ہم — دوسرے تیسرے دیکھ آتے ہیں ٹک دور سے ہم

مثلِ آئینہ باصفا ہیں ہم — دیکھنے ہی کے آشنا ہیں ہم

دل کے ہاتو نے لے میاں جرأت — زندگانی سے بھی خفا ہیں ہم

نقشِ پا تیرے برنگِ گل نظر آئے مجھے — یہ حنا ہے یا رنگے ہیں خونِ بلبل سے قدم

ہے یہ اُسکے نقاب کا عالم — ماہ پر جوں سحاب کا عالم

ایکدن کا ہو جو رونا تو کہیں جرأت ہم — یاں تو روتے ہی کٹے زیست کے ایام تمام

کیا کہیں فرقت میں تری آہ اے آرامِ جاں — کن دکھوں سے کاٹتے ہیں آہ ساری رات ہم

اک نالہ کھینچ بلبلِ مسکین رہ گئی — گلچین چمن سے لیگئے گل توڑ کر تمام

ق

کل واقفِ کار اپنے سے کہتا تھا وہ یہ بات — جرأت کے جو گھر رات کو مہمان گئے ہم

کیا جانے کمبخت نے کیا مجھپہ کیا سحر — جو بات نہ تھی ماننے کی مان گئے ہم

خیالِ خواب کہاں سوزِ غم سے جلتے ہیں — تمام رات پڑے کروٹیں بدلتے ہیں

ق

رکھیں ہیں سوختۂ عشق سوزشِ ازلی — کچھ آجکل سے نہیں سوزِ غم سے جلتے ہیں

بسانِ اخگر و برق و شرار و شمع و چراغ — یہ دل جلے تو نصیبوں کے جلتے بلتے ہیں

دخترِ رز کی ہے جو کچھ عشوہ گری شیشے میں — کسنے اس ناز سے دیکھی ہے پری شیشے میں

ہو کے آزردہ جو وہ ہم سے پرے پھرتے ہیں — ہاتھ ہم اپنے کلیجے پہ دھرے پھرتے ہیں

خانہ پرور قفس ہم ہیں اسیر اے صیاد
تو بتا دے ہمیں پرواز کسے کہتے ہیں

بعد مرنے کے مری لاش پہ لانا اسکو
ابھی مت پوچھ کہ اعجاز کسے کہتے ہیں

ناتوانی پہ بھی اپنا زور چلتا ہی نہیں
دل پہ سو صدمے ہیں لیکن دم نکلتا ہی نہیں

اسکے شمع حسن سے دل تھا منور اب تو آہ
ایک مدت سے چراغ اس گھر میں جلتا ہی نہیں

قدم میں ناتواں جب اسکے کوچے سے اٹھاتا ہوں
تو شکل نقش پا ہر ہر قدم پر بیٹھ جاتا ہوں

دل ہی اس کافر کا پتھر ہو تو کوئی کیا کرے
ورنہ ایسی آہ سوزاں بے اثر میری نہیں

اب تو دن رات کے رونے کی بدولت آوا ے
پانی پی پی کے لگے کوسنے ہمسائے ہمیں

ایک گھر میں بھی کبھی ملکے نہیں بیٹھے ہیں
ہم کہیں بیٹھتے ہیں آپ کہیں بیٹھتے ہیں

اے ستم ایجاد کب تک یہ ستم دیکھا کریں
تو کرے غیروں سے باتیں اور ہم دیکھا کریں

کچھ تو نکلے آرزو دشنام دے تلوار کھینچ
چشم حسرت سے کہاں تک دمبدم دیکھا کریں

عجب درد و فرقت سے غم دیکھتے ہیں
نہ سنتے تھے کانوں سو ہم دیکھتے ہیں

آنے کی خبر نے ان کے لیکن
آتا نہیں اعتبار دل کو

عبث انگڑائیاں لے لیکے کیوں جی ملتے ہو آنکھوں کو
بھلا یہ بھی تو گھر ہے سو رہو گر نیند آئی ہو

ق
ایسے بیدردوں کے مجھکو دام میں لایا ہے چرخ
کوئی تو کہتا ہے اسکے توڑ کر پر چھوڑ دو

اور کوئی بیدرد یوں کہتا ہے بیدردی سے آہ
جو تماشا دیکھنا ہے ذبح کرکر چھوڑ دو

ق
میں کہا دیکھی ہے میں نے خواب میں اک رویا
دوستو مجھ سے کہو اس خواب کی تعبیر کو

آہ اس مذکور کو سنتا تھا وہ قاتل کہیں
آن پہنچا سر پہ میرے کھینچکر شمشیر کو

جی دیا ہے ہمنے تو پہلے ہی ترے ناز کے ساتھ
اپنا انجام ہوا عشق کے آغاز کے ساتھ

گئے دنیا سے الفت میں ثمر دیکھا تو اتنا کچھ
جلا دل آہ میں ہمنے اثر دیکھا تو اتنا پھر

قیس و فرہاد کی تھی ایک ہی منزل لیکن
وہ بیاباں کی گیا راہ وہ کہسار کی راہ

نہ وہ دن ہیں نہ وہ راتیں نہ وہ چرچے نہ وہ باتیں
کسے اس گلشنِ دلکش ہمارے سیرِ خوش آوے
تنگ دل کے جو ہاتھوں سے تھا میں جینے سے
مت پوچھ اشک میرے یوہیں ہیں تسلسل
کلیدِ آہ سے قفلِ لبِ خاموش کھلجاوے
چڑھا اک ساغرِ مے کچھ تو آنکھوں میں لگا کہنے
احوال کچھ نہ پوچھ کہ کل نبض پر مری
کیجو فغاں تو عندلیب نالہ و گزارش سے
جب سے چلے حسرت بھرے کوچے سے ہم دلدار کے
مجھکو منظور ہے سیرِ شبِ مہتاب تو پی

نہ مطرب ہے نہ ساقی ہے نہ شیشہ ہے نہ پیالا ہے
کہ غیر از داغِ حسرت یاں کوئی گل ہے نہ لالا ہے
ہوئے جدا نہ موئے پر بھی ہاتھ سینے سے
یہ ہار موتیوں کا اسے آستیں نہ ٹوٹے
تو بستہ ہے پھر جو اپنے دلمیں جوش کھلجاوے
پیئے اور ایک دو پیالے تو وہ بیہوش کھلجاوے
رکھتے ہی ہاتھ چھوٹ گئیں نبضیں طبیب کی
صورتِ گل ہزار دل اپنے ہوں پاش پاش سے
روئے ہم کیا کیا گلے ملکر در و دیوار سے
گر زیادہ نہیں اک جام مئے ناب تو پی

نہ ہمدم کوئی ہے نہ اب ہمنشیں ہے
نہیں آہ و زاری یہ بیوجہ جرأت

بُرے وقت کا کوئی ساتھی نہیں ہے
گرفتار شاید ترا دل کہیں ہے

چھوڑا گلزار سے دُور اور پرِ بلبل کترے
نقدِ دل کھو کے جو بیتابیٔ الفت پائی
تو نے اس باغ میں دم بھرنے کی مہلت پائی
وصل کے دن بھی ہیں کانپ اُٹھتا ہوں بیٹھے بیٹھے
پختہ مغزانِ جنوں میں آپ کو کہتا ہے تو

ہائے صیاد جفا پیشہ نے کیا گل کترے
بس غنیمت ہے بڑی ہمنے یہ دولت پائی
اے صبا ہمنے تو اتنی بھی نہ مہلت پائی
یاد آتے ہیں وہ صدمے جو شبِ ہجراں کے
ہم تو دیوانے ہیں جرأت اس خیالِ خام کے

ہم بھی اس باغ جہاں میں شب کی شب مہماں ہیں
مثلِ شبنم صبح کو گریہ کناں اُٹھ جائیں گے

تھا جی میں یہ کہ مجھ سے بگڑ جاے اسلئے
پر کیا کہوں کہ اپنا سا منہ لے کے رہ گیا

ق

میں نے کہا کہ غیر سے پھر تم میاں ملے
آنکھیں ملا کے جو یہ کہا اُسنے ہاں ملے

دُور چھوڑا ہمیں گلشن سے یہ رونق ہی ہر جا	کہ سزاوارِ اسیری بھی نہ ہم ہائے ہوئے
دلِ وحشی کو خواہش ہے تمہارے در پر آنے کی	دوانہ ہے ولیکن بات کہتا ہے ٹھکانے کی
چاہ کی چتون مری آنکھ اُسکی شرمائی ہوئی	تاڑ لی محفل میں سب نے سخت رسوائی ہوئی
اُس پردہ نشیں سے کوئی کس شکل بر آئے	جو خواب میں بھی آئے تو منہ ڈھانک کر آئے
چھوڑا اپنے گرفتاروں کو صیاد سمجھ کر	جاتی نہ رہے جان رہائی میں کسیکی
جی خاک میں ملایا تمہارے فراق نے	اچھا غرض سلوک کیا ہم سے آپ نے
ہے کسکا جگر جس پہ یہ بیداد کروگے	لو دل تمہیں ہم دیتے ہیں کیا یاد کروگے
بھلا پھر اُسکے اُٹھانے میں کیوں نہ دیر لگے	کسی کی موت لیکے جو انتظار میں آئے
نہ پوچھ مجھ سے وہ عالم کہ صبح نیند سے اُٹھ	جب انکھڑیوں کو وہ ملتے ہوئے خمار میں آئے
سرسری اُسنے ملاقات ہے گاہے گاہے	صحبتِ غیر میں گاہے سرِ راہے گاہے
رونے میں اور آتشِ الفت بھڑک اُٹھی	اب اس لگی کا دل سے بجھانا محال ہے
غم بہت دنیا میں ہیں پر عشق کا غم اور ہے	ہے اسی عالم میں لیکن اس کا عالم اور ہے
غم سے گھٹتا یہ مرا سب میں بڑھا جاتا ہے تجھے	جب مجھے دیکھتا ہے دیکھنے جاتا ہے تجھے

جرأت

جرأت - پیر محمد مراد آبادی۔ مرغ نامہ آپ کی تصنیف سے مشہور و معروف ہے پس اک شعر آپ کا ملا جو تبرکاً درج کیا جاتا ہے ۔

بس اے قاصد تری معلوم ہوئی لسانی	روبرو اوسکی زباں کو بھی ہلایا نہ گیا

جرار

جرار - مرزا حسین بیگ جرار باشندۂ فیض آباد شاگرد رشید تدبیر الدولہ منشی اسیر لکھنوی فن سپہ گری کا شوق تھا مرد قانع اور آزاد منش تھے۔ عربی فارسی کی استعداد اچھی تھی۔ فن سخن کے دلدادہ اور اپنے استاد سے نہایت الفت رکھتے تھے۔ انکی وفات کے بعد انکی وصیت کے بموجب حضرت اسیر نے جملہ کلام نظرثانی فرماکر سنہ ۱۲۹۰ھ میں چھپوا دیا۔ دیوان میں سے کچھ اشعار منتخب ہوکر حوالۂ قلم ہوئے۔ رسائی فکر اور خوش گوئی کلام سے ہویدا ہے

اسیرانِ قفس جب ہو گئے بیدست و پا چھوڑا
کتر کر بال و پر صیاد گر چھوڑا تو کیا چھوڑا

ہٹی جب تاب و طاقت روح کیونکر جسم میں ٹھیرے
شکستِ بادشاہ ہے فوج نے جب مورچہ چھوڑا

خال پہ مظلوم کے ظالم کو کب آتا ہے رحم
نالۂ بلبل سے دل دُکھتا نہیں صیاد کا

خفا صیاد و گل آزردہ گلچیں دشمنِ جاں ہے
اب آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا انجام بلبل کا

شیخ عمامہ و جُبہ جو پہنکر آئے
ہنس پڑے رند کہ ہولی کا تماشا آیا

کوئی اتنا تو پوچھے نزع میں جاکر سکندر سے
کہ چھوڑا گھر میں کیا ہمراہ اپنے لیچلا کیا کیا

بر آئی کچھ تری اُمید ای شیریں جو دُنیا میں
تو تجھکو شیر سے لازم ہے قبرِ کوہکن ہونا

بہار آئی ہے ایک عالم نظر آتا ہے گلشن پر
جوانانِ چمن نازاں ہیں کیا کیا اپنے جوبن پر

عشقِ گُل سے ہے عجب رفعت و شانِ بلبل
تخت ہے تختۂ گُل آہ نشانِ بلبل

جان صدقے کرے سر قدمونپہ وارے بلبل
خون کیونکر سرِ قاتل سے اُتارے بلبل

ہوا چُھریوں سے اپنوں ہی کے مجروح
شہیدِ تیزیٔ تیغِ زباں ہوں

گل سے نہ کام ہمکو غنچے سے اس چمن میں
بوئے وفا ہو جس میں اُس دلکو ڈھونڈتے ہیں

زہر ہے آبِ بقا عشق کے بیماروںکو
دمِ عیسیٰ ہے دمِ تیغ دلِ افگاروںکو

عوض نیکی کا نیکی ہے بدی کا ہے بدی بدلا
مثل ہے دودھ کا ہے دودھ اور پانی کا پانی

مریضِ عشق کیسا قبر کے مردے جلا دیتے
جو کہکر قم باذنی آپ اک ٹھوکر لگا بیٹھے

جوشِ جنوں نے رنگ اُڑائے بہار کے
داغوں نے گُل چراغ کئے لالہ زار کے

زاہد اگر ہے طالبِ جامِ مئے طہور
کھلوا دے مے سے روزے کسی بادہ خوار کے

بلبلونمیں شور ہیں باہم مبارکباد کے
کیا بہار آئی پھرے دن گلشنِ ایجاد کے

ذرۂ بیقدر کو خورشید سے کیا ہمسری
کیوں نہوں جرار صدقے حضرتِ اُستاد کے

جری۔ منشی محمد ابراہیم خاں تلمیذ حبیب کنتوری حیدر آباد دکن کے رہنے والے اور دورِ موجودہ کے ایک موزوں طبع شاعر ہیں۔ نسیمِ دکن میں چند غزلیں نظر سے گذریں اُنکا

جری۔

انتخاب حاضر ہے۔

طاقت نہیں جو صدمۂ فرقت اُٹھاؤں میں	بس اب ملادے خاک میں آسماں کہیں
ناصح کو سوزِ آتشِ فرقت کی کیا خبر	دوزخ جلے جو دیکھ لے یہ گرمیاں کہیں
الفت ہوئی ہے جب سے کسی رشکِ ماہ سے	بنتے ہیں آسمان مری دودِ آہ سے
تڑپے نہ کس طرح صفتِ برق دل مرا	بسمل ہوا ہے یہ تری تیغ نگاہ سے

جعفر - میر جعفر زٹل۔ ان کے حالات لکھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ ہر ایک صاحب مذاق آپ کی یاوہ گوئی سے واقف ہے اور اگرچہ ان کا کلام اس پایہ کا نہیں ہے کہ اس تذکرے میں اُسے جگہ دیجائے مگر صرف اسلئے کہ اُردو کے ایک مشہور اور ابتدائی شاعر تھے اسلئے ان کا ذکر نہ کرنا ہمارے التزام کے خلاف ہوتا۔ یہ بزرگ نارنول کے سادات سے تھے زٹل گوئی کے سوا کسی قسم کی شاعری کو پسند نفرماتے تھے۔ چنانچہ انکا یہ مقولہ تھا کہ اگر میں کوشش کرکے مہذب اور عمدہ شعر کہوں تو بھی سعدی شیرازی یا فردوسی نہیں بن سکتا اس لئے زٹل کہونگا کہ تمام عالم میں مشہور ہو جاؤں۔ ایک مدت تک شاہزادہ معظم محمد اعظم شاہ بہادر کی سرکار میں بزمرۂ خواصان ملازم رہے۔ ان کے زٹل کہنے کا یہ عام دستور تھا کہ جب کسی کے گھر جاتے تو ایک کاغذ پر صاحب مکان کی تعریف لکھتے اور ایک پر ہجو۔ اگر وہاں جاکر ان کا مطلب پورا ہو جاتا اور صاحب خانہ خوش اخلاقی سے ملتا تو وہ تعریف کا کاغذ دیدیتے۔ اور اگر کہیں اسکے برعکس معاملہ ہوتا تو پھر کیا تھا وہی ہجو لکھی لکھائی تیار ہوتی۔ اُنکے حوالے کرکے اپنی راہ لیتے۔ ان کا کلیات یادگار ہے مگر غیر مطبوعہ۔ مشہور ہے کہ جب عالمگیر بادشاہ کا انتقال ہوا اور آپ کے قدیم محسن اعظم شاہ تخت نشین ہوئے۔ اکثر شعراء دربار نے سکے کہے اور پیش کئے مگر کوئی پسند خاطر والا نہ ہوا۔ میر جعفر نے فی البدیہہ سکہ سر دربار تصنیف کرکے پڑھا جسپر خلعت فاخرہ و فیل مع ایک لاکھ روپیہ انعام بادشاہ نے عنایت کیا اور خاص و عام نے داد دی۔ وہ سکہ یہ ہے سہ

نگینِ سلیماں کہ تابندہ بود	ہمیں اسمِ اعظم بر وکندہ بود

دربار سے واپسی کے وقت وہ تمام روپیہ جو انعام میں ملا تھا راستہ میں فقرا اور مساکین کو تقسیم کر دیا۔ جب فیلبان نے کہا کہ مجھے حضور نے کچھ عنایت نہیں کیا ہاتھی اُسے دیکر گھر چلے گئے۔ تمام و کمال اُن کا کلام ہجو و فحش سے بھرا ہوا ہے۔ چونکہ اس زمانے میں فارسی کا مذاق بکثرت تھا اس لیئے زیادہ حصہ ان کے فحش کلام کا بھی اس زبان میں ہے مگر اکثر الفاظ و اسما اُردو کے اس میں شامل ہیں۔ چند اشعار اُن کے لکھے جاتے ہیں جو فحش و بیہودگی سے پاک ہیں۔ آپ نے بادشاہ جمجاہ فرخ سیر کا سکہ جلوس بھی نظم کیا ہے جو ذیل میں درج ہے۔ سکہ کیا ہے۔ اُن کے خلقی تمسخر کا نمونہ ہے ؎

سکہ زد بر گندم و موٹھ و مٹر	بادشاہ طسمہ کش فرخ سیر
یہ جعفر زٹلی نے کیا کیا	کہ مکھی کو دل سے کے بھنیا کیا
کشتی جعفر زٹلی در بھنور افتادہ است	ڈبکو ڈبکو ہمی کند و ریک توجہ پار کن
کھکڑ لگا دیوار کو کہ جعفر اب کیا کیجیے	خطرہ پڑا بازار کو کہ جعفر اب کیا کیجیے
گھوڑا تو تیر النگ ہے کوئی نہ تیرے سنگ ہے	چلنا پڑا بازار کو کہ جعفر اب کیا کیجیے

جعفر ۔ مرزا جعفر بخت بہادر جعفر نبیرۂ برادر مرزا قادر بخش صاحب بہادر صابر گورگانی ۱۸۷۲ء میں حیات تھے اور بنارس میں رہتے تھے۔ فن سخن میں غالباً اپنے نامور بزرگ حضرت صابر سے مشورہ لیتے تھے۔ چند غزلیں ہنگام ترتیب تذکرہ نظر سے گذریں اُنکا انتخاب حاضر ہے کلام سے پایا جاتا ہے کہ تلاش مضمون و الفاظ اچھی اور بندش چست ہے۔

نشہ میں راحت ملی ہر جام پر انکار میں	لطف دُونا ہو گیا ساقی تری تکرار میں
سرو ہو کر ہر شر رقبا ہے سونیکی ٹولی	حسن پرستی ہے ہماری آو آتشبار میں
عیسیٔ مریم کی یہ موج نفس بنجائیگی	میرا دم آئیگا گر قاتل تری تلوار میں
ناخنِ وحشت نے جعفر ہمکو عریاں کر دیا	تار تک باقی نہ تھا زخمِ دامن جار میں

روز جب واں سے گمانِ جرم پر تعزیر ہو
کیا عجب اثباتِ بے جرمی مری تقصیر ہو

کوئی کوچہ شہر میں آباد اسکا سا نہ ہو
پاس پاس ایسا ہمارا خانۂ زنجیر ہو

چشم نے دیکھا تمہیں رونا تھا پر یہ کہو
دل جو ہے بیتاب اُسکی کس طرح تدبیر ہو

پہلے پھیرے وصل پیچھے مجھکو گردن مارنا
کچھ تو کہنے کے لئے ثابت مری تقصیر ہو

نامہ بر بھر خدا اتنا نکر تو اضطراب
ایسی جلدی حالِ دل کیونکر انہیں تحریر ہو

اپنے مطلب پر تجھے پھیرا کروں دن رات میں
تیری گردش میرے قبضہ میں جو اے تقدیر ہو

اُڑکے جانے کو ہوئیں طیار اسے جعفر وہاں
وصل پر راضی جو مجھ سے وہ بتِ بے پیر ہو

ہم انکے شوقِ قتل میں مدام خوار رہے
جگر میں اپنے چھپے خار خار خار رہے

نہاں جو سینے میں کچھ سوزِ عشقِ یار رہے
جگر پر آبلوں سے صورتِ انار رہے

پسِ فنا بھی عدو کے لئے مرے غم میں
شبِ وصال بھی آئے تو سوگوار رہے

الٰہی مر کے جیوں لاکھ بار مرنے کو
کہ آرزوے دلِ قاتل کی برقرار رہے

ہم ایسے قاتلِ عالم سے کیوں ملیں جعفر
جو کچھ بھی اپنی طبیعت پہ اختیار رہے

جعفر - نواب جعفر حسین صاحب المعروف بہ اعزن صاحب لکھنوی باوجود تلاش آپکے حالات دریافت نہو سکے کلام بہم رسیدہ کا انتخاب حاضر ہے۔

نکالا برہمن نے دیر سے واعظ نے مسجد سے
محبت تیری کافر دشمنِ دنیا و دیں نکلی

نہ کعبہ مجھکو خوش آیا نہ دیر برہمن مجھکو
مرے سجدے کے قابل کوئے جاناں کی زمیں نکلی

جسے دیکھو نظر آتا ہے محویت کے عالم میں
پری نکلی کہ شیشے سے شرابِ آتشیں نکلی

رقیبوں نے لئے ہے قبر کی جا انکے کوچے میں
ہمارے دفن کرنے کو نہ تھوڑی سی زمیں نکلی

جعفر - نواب جعفر حسین خاں بہادر مخاطب بہ نواب صف افگن جنگ بہادر - آپ ریاست حیدر آباد دکن کے جاگیر دار اور منصبدار ہیں اور وہاں کے مشاعروں میں شرکت کرتے رہتے ہیں۔ یہ کلام کا خلاصہ ہے۔

اکدم میں پاش پاش ہوا وہ بزنگِ گل	جس دل پہ تیغِ ناز کا اک وار چل گیا
اے آسماں وہ بدلجائے ڈر یہ ہے	کچھ ڈر نہیں جو ہم سے زمانہ بدل گیا
اٹھنے کا قصد یار نے پہلو سے جب کیا	دل میرا اُن کے قدموں پہ گر کے مچل گیا

جعفر۔ صاحبزادہ جعفر علی خانصاحب خلف اصغر نواب ابراہیم علی خانصاحب مرحوم فرمانروائے مالیر کوٹلہ۔ رئیس حال نواب احمد علیخاں کے حقیقی چھوٹے بھائی ہیں۔ آپنے چیف کالج لاہور میں تعلیم پائی ہے۔ اب ۲۶ برس کی عمر ہے۔ ریاست سے ۲۵ ہزار روپیہ سالانہ وظیفہ مقرر ہے آپ کی شادی پنڈراول کے ایک معزز خاندان میں ہوئی ہے۔ شعروسخن کا نیا نیا شوق ہے کچھ غزلیں ہنگام ترتیب تذکرہ موصول ہوئیں انکا انتخاب حاضر ہے۔

جو بات ہے خیر میں وہ کیا شر میں نہیں	رباعی	کیا چیز ہے جو قبضۂ داور میں نہیں
جعفر تو خدا کو گوشۂ دل میں ٹٹول		باہر تجھے کیا ملیگا جو گھر میں نہیں
الہی خیر ایسی آفتوں میں زیست مشکل ہے		اُدھر لاکھوں ادائیں ہیں اِدھر تنہا مرا دل ہے
نہ بیٹھے چین آتا ہے نہ لیٹے چین آتا ہے		کچھ اس انداز پر لے ہمنشیں بیتاب دل ہے
کچھ اس انداز سے دیکھا کہ اب تڑپا نہیں جاتا		نگاہ ناز قاتل بھی ادب آموزِ بسمل ہے
جوانی جا رہی ہے ولولے سب مٹتے جاتے ہیں		شکستِ رنگ پیغامِ وداعِ حسرتِ دل ہے
وہ لیتے نوک کی ہیں دل کو رکھکر نوکِ خنجر پر		کہ جس دل پر اُچھلتے تھے بہت تم کیا یہی دل ہے
مسل ڈالو کو چٹکی میں تنک کر ناز سے بولے		بہت غمزہ نکالا تھا مرا دل ہے مرا دل ہے

سمجھ لیں گے وہ خود ہی انتہائے شوقِ وصلت کو
تم اتنا کہدو اے جعفر کہ میرے پاس بھی دل ہے

جعفری

جعفری۔ دہلوی۔ میر باقر علی مرحوم جعفری۔ فخر الشعرا میر نظام الدین ممنون کے چھوٹے بھائی اور ملک الشعرا میر قمر الدین منت کے خلفِ اصغر تھے۔ فنِ سخن میں اپنے بھائی سے مشورہ کرتے تھے ۱۲۴۵ھ میں سفر مکہ کی راہ میں انتقال کیا۔ یہ انکے اشعار ہیں ؎

آرام وعدہ کی شب اک دم کبھو نہ آیا
آیا نہ چین دل کو جب تک کہ تو نہ آیا

اس نالۂ رسا کی دیکھو دراز دستی
کب دامنِ مسیحا یہ جا کے چھو نہ آیا

کہیں جسم گر ہو گیا دُود دل کا
تو اک روز چرخِ فنا نیم ہو گا

نہ خوباں سے مل جعفری دیکھا اتنا
کہا مان کہتا ہوں بدنام ہو گا

سب سے مٹے نقشِ خیالاتِ جہاں بعدِ فنا
داغِ الفت ایک زیبِ صفحۂ دل رہ گیا

تیغ یوں دل میں خیالِ نگہِ یار نہ کھینچ
ناخدا ترس تو کعبے میں تو تلوار نہ کھینچ

تو ہے گر عرش پہ نالہ بھی نہیں تجھ سے کم
آپ کو دور ہیں اے آہِ شرربار نہ کھینچ

بے سرو پا چمن و دشت میں عالم کے نہ پھر
ناز ہر گل نہ اٹھا منتِ ہر خار نہ کھینچ

جعفری

جعفری - شیخ جعفر علی جعفری متوطن دادری۔ نواب دہلی میں نواب ججھر کے ملازم اور قصبہ دادری کے قاضی زادوں میں تھے غدر سے پیشتر حیات تھے۔

الہی ہر گھڑی ہر زخمِ دل سے خوں ٹپکتا ہو
شہیدِ ناز ہوں میں آہ کس دستِ حنائی کا

اے دل خیالِ زلفِ بتاں کیونکہ چھوڑ دوں
وحشی ہوں اور پاؤں میں زنجیر بھی نہیں

شق جا بجا سے ہو گئی اک دم میں سب زمیں
تڑپا جو تیرا کشتۂ الفت مزار میں

مر گئے اس جستجو میں سینکڑوں خانہ خراب
جعفری عشقِ بتاں ہند کا گھر دور ہے

جگر

جگر - نواب سید بہادر علی خاں صاحب لکھنوی۔ آپ لکھنو کے ایک شریف خاندان کے رکن اور حضرتِ جلال لکھنوی کے نامور شاگرد ہیں۔ فنِ سخن سے طبیعت کو قدرتی مناسبت ہے۔ بندش صاف سلجھی ہوئی اور تلاشِ مضمون اچھی ہے۔ شعر کے حسن و قبح سے خوب ماہر ہیں۔ ہر شعر میں کوئی بات پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کلام منتخب ملاحظہ ہو۔

غش کسی کو آگیا کوئی گرا دل تھام کر
ایک ہی جلوے میں یہ عالم تھا بزمِ یار کا

اسکے زانو پہ جو سر ہے ہوش میں آتا نہیں
بیخودی میں کر رہا ہوں کام میں ہشیار کا

سوئے در آنکھیں مری وا دیکھکر بولا وہ شوخ
مرنے والا شوق دل میں لے گیا دیدار کا

مرے جینے کے لئے کافی ہیں جلوے اے صنم
توڑ ڈالیں بیڑیاں یہ جوشِ وحشت بڑھ گیا
اسکو کہتے ہیں محبت تام اسکا ہے وفا
نہ نکلی جاتے دم بھی دید کی حسرت نہ بھولوں گا
جنوں کا جوش نہ تھا موسمِ بہار نہ تھا
رُکا تھا آنکھوں میں دم سامنے آ کے دیکھ لیا
جب نظر شیخ کو وہ شوخ پر پڑا او آیا ہو
قتل بے قتل سکتے ہو گئے سب محفل میں
قبر پر میری وہ آتا ہے خدا خیر کرے
ہجر میں نالۂ دل میرا جو دمساز بھی تھا
جسکا افشا ہوا اس وحشتِ دل کے ہاتھوں
کونسی چیز نہ دلکش تھی مرے دلبر کی
وہ مست تھے کہ بنے ہیں ہماری خاک کے جام
اے چرخ ستا کر ہمیں تو شاد نہو گا
ہم جسے سمجھے تھے مہماں وہ مہمان نہ رہا
وہیں جائے نہیں منظور جو میرا ہونا
کہتا ہوں دیکھ کے پہلو میں عدو کے اسکو

تیرے کوچے کی زمیں سایہ تری دیوار کا
قید میں لیلیٰ نہ اکدن تیرا دیوانہ رہا
خاک ہو کر بھی قریبِ شمع پروانہ رہا
ٹھہر جانا وہ آنکھوں میں نکلکر جسم سے جاں کا
مگر کب اپنا گریبان تار تار نہ تھا
نہ کہتا اب کہ تجھے میرا انتظار نہ تھا
پھر نہ تسبیح نہ توبہ نہ خدا یاد آیا
اس ادا سے وہ مرا بانیِ بیداد آیا
کیا کوئی تازہ ستم اور اُسے یاد آیا
رازِ دل کرتے کو افشا ہی غماز بھی تھا
عشق اُس پردہ نشیں کا تھا مرا راز بھی تھا
غمزہ بھی ناز بھی تھا عشوہ بھی انداز بھی تھا
خُم شراب ہے گنبد ہمارے مدفن کا
کچھ تیرا بھلا اے ستم ایجاد نہو گا
بن گیا سینے میں دل یار کا پیکاں نہ رہا
ہو رہے اس دلِ شیدا کو ہے جسکا ہونا
ہائے کیا چیز ہے تقدیر کا اچھا ہونا

جفا سے کیا اُسے اندیشہ جینے
دیا دل آپ کو قاتل سمجھکر

جفا وہ ہم وفا اپنی نہ چھوڑیں
مر کے اپنا فیصلہ خود اے شبِ ہجراں کریں
دل سنبھالیں جان کو ٹھہرائیں یا تھامیں جگر

یہی ہیں عہد و پیماں درمیاں میں
عشق کی سب مشکلیں ہم آپ ہی آساں کریں
ایک ہم آفت زدہ کیا کیا شبِ ہجراں کریں

ساتھ غیروں کے عیادت کو مری آتے ہو کیوں
جو نہ سمجھے ناصحو پھر اُسکو سمجھاتے ہو کیوں

کوئی دم کا مہماں ہوں مجھکو تڑپاتی ہو کیوں
ساتھ دیوانے کے دیوانے بنے جاتی ہو کیوں

تمکو ہم سے ہے اگر بیتابیٔ دل کا گلا
ہمکو تم سے یہ شکایت ہے کہ یاد آتے ہو کیوں

سمجھے ہیں دل کے دینے کا انجام موت ہے
موجود ہو تو اے شبِ ہجراں ابھی سے ہیں

عبث پھراتا ہے رندوں کے سر کو اے واعظ
اگر درست ہے نیّت تو مے حرام نہیں

بس آنسو آنکھوں میں بھر لاؤ لیکے ٹھنڈی سانس
ہمارے قتل کا کچھ اور انتقام نہیں

محبت اُس سے کرنا جان کو روگ اِک لگانا ہے
مگر تیری خوشی ہم اے دلِ ناداں کرتے ہیں

زمین کوئے جاناں عاشقوں کی قدر لازم ہے
کہ یہ برباد ہو ہو کر تجھے آباد کرتے ہیں

مجھکو سنا کے غیر سے اُس شوخ نے کہا
دونوں کا فیصلہ ہے ترے ایک تیر پر

ہمکو قرار آئے جو تو بیقرار ہو
بیتاب پھر نہ دل نہ جگر بیقرار ہو

غور سے دیکھو تو ہر جا جلوۂ جانانہ ہے
آنکھ اگر ہو ایک زاہد کعبہ و بت خانہ ہے

شیخ جی وہ ایک ساغر لیکے ساقی سر پہ ہے
کیوں تکلف کرتے ہو یہ صحبتِ رندانہ ہے

ہیں گواہی میں اُدھر ہر روز جز ناز و غرور
اس طرف اک دل ہے وہ بھی بیخود و دیوانہ ہے

ایک مدت سے لبالب ہو رہا ہے اے جگر
بس چھلکنے کو ہماری عمر کا پیمانہ ہے

وہ رکھکر ہاتھ سینے پر تڑپ کو کِس کی کھوینگے
ہمارا دل زخود رفتہ ہے اسکو کیا خبر ہو گی

کسی سے یہ اشارے ہیں کسی کی شمعِ محفل کے
کہ تیری زیست بھی گھل گھل کے جل جل کر بسر ہو گی

چلا ہے کوئی جاناں میں تو اے دل یہ بتاتا جا
ہمارے مرنے جینے کی تجھے کیونکر خبر ہو گی

دل و جگر میں ہے جھگڑا تمہارے پیکاں پر
کسی کا ہو رہے یہ کچھ تو فیصلہ ہو جائے

اثر دل کا تڑپنا کچھ نہ کچھ دکھلا ہی دیتا ہے
تماشا بن گئے خود رقصِ بسمل دیکھنے والے

یقیں اپنی محبت کا نہیں آتا اگر ان کو
تو سینہ چاک کرکے دیکھ لیں دل دیکھنے والے

راحت زمانہ بھر کی مصیبت کو جان سے
ترا کہا جو اے دلِ شیدا کرے کوئی

جگر۔ نواب مرزا محمد عباس علیخاں بہادر معروف بہ مرزا بہادر رئیس لکھنؤ خلف میرزا محمد آغا علیخاں بہادر ناظم عہد شاہی۔ تحصیل علم کے بعد اپنے آبائی رسوخ کے ذریعے سے اودہ کی سول سروس میں نامزد ہو گئے تھے۔ اور درجہ بدرجہ ترقی کر کے ڈپٹی کمشنری کے عہدے پر پہنچے پھر اپنے والد کی وفات کے بعد پنشن لے کر خانہ نشین ہو گئے اب ۵۵-۵۶ سال کر قریب عمر ہے اور لکھنؤ میں بکمال فارغ البالی بسر اوقات کرتے ہیں۔ اور وہاں کے عمائد میں شمار کئے جاتے ہیں۔ زبان کی خوبی بندش کی عمدگی خیال کی بلندی طبیعت کی شوخی۔ مذاق کی شستگی کے علاوہ ان کے کلام میں ایک خاص بات یہ ہے کہ بیان کا طریقہ نہایت دلچسپ ہے۔ یہ ان کے اشعار ہیں۔

تمہارے رخ پہ دلِ زار کب نثار نہ تھا
تمہاری یاد میں کس دن یہ بیقرار نہ تھا

شکوہ کریں ہم کس سے بھلا بےخبری کا
سایہ بھی تو ملتا نہیں اُس رشکِ پری کا

ہشیار ہو موقع نہیں بیداد گری کا
اب وقت مریضوں سے نہیں بےخبری کا

رُخ زرد ہیں لب خشک ہیں نمناک ہیں آنکھیں
یہ حال پتہ دیتا ہے دردِ جگری کا

مصروف رہے آپ مرے کام میں تا دن
کیونکر ہو ادا شکر یہ اس دردِ سری کا

سمجھا ہو تغافل کو جو اک حسن کی زینت
ایسے سے جگر کیا ہو گلہ بےخبری کا

صاف ظاہر ہے مرے گھر کا بیاباں ہونا
تم چلے آؤ تو آساں ہے گلستاں ہونا

اس سے بہتر کوئی تدبیر رہائی کی نہیں
دیکھے دل زلف کو پھر سلسلہ جنباں ہونا

شعلہ رو ان سے کے ہوئے زینتِ محفل شب کو
خوب آتا ہے انھیں شمعِ شبستاں ہونا

چھوڑ دو چارہ گرو مجکو خدا پر اب تم
غیر ممکن ہے مرے درد کا درماں ہونا

میری تقدیر میں لکھا تھا یہی روزِ ازل
دیکھے دل آپ کو یوں بے سر و ساماں ہونا

مشکلیں سب ہوئیں آسان جگر کی صد شکر
ایک باقی ہے فقط مرگ کا آساں ہونا

نتیجہ زندگانی کا ہے کچھ دنیا میں کر جانا
خیالِ موت بیجا ہے وہ جب آئے تو مر جانا

غضب ہے اُس ستمگر نے نہ اپنی بات تک پوچھی
بڑی مشکل سے اتنا قُرب تجھ سے آج حاصل ہے

جان تو پہلے ہی نذرِ روئے زیبا ہو چکی
ہماری نظروں میں جب سے وہ ہیں سمائے ہوئے

حجاب قتل پہ میرے اجی ادھر دیکھو
اُٹھائیں تیغ تو وہ دستِ نازنیں سے کہیں

بنائے یا کہ بگاڑے خدا میں قدرت ہے
نہ مسرت ہمیں اچھی نہ ملال اچھا ہے

جب ادہر دیکھتا ہے درد جگر بڑھتا ہے
کہتے ہو غیر سے ملنے کی شہادت کیا ہے

رُخ روشن پہ تیرے یوں دلِ دیوانہ آتا ہے
سنبھالے سے کہیں مچلا ہوا دل بھی سنبھلتا ہے

مجھے وہ دیکھکر محفل سے یہ کہتے ہوئے اُٹھے

دل وجاں دین وایماں جسکو ہمنے عمر بھر جانا
ہماری ذبح میں ظالم کہیں جلدی نہ کر جانا

اب فدا کیا آپ پر اپنا تن بجاں کریں
ہم اپنی آنکھونکو عالم سے ہیں چھپائے ہوئے

ذرا سی بات پہ کیوں ہو نظر جھکائے ہوئے
اسی اُمید پہ ہم سر کو ہیں جھکائے ہوئے

ہمیں بنائینگے وہ کیا جو ہیں بنائے ہوئے
آپ راضی رہیں جس میں وہی حال اچھا ہے

دشمن جاں ہے تری شوخ نگاہی کیسی
اپنی آنکھوں ہی سے دیکھا تو گواہی کیسی

کہ جیسے شمع کی جانب کوئی پروانہ آتا ہے
بھلا کب راہ پر کہنے سے یہ دیوانہ آتا ہے

جگر ہے نام جسکا لو وہی دیوانہ آتا ہے

جلال

جلال۔ مولوی جلال الدین صاحب جلال ساکن قدیم لکھنؤ شاگرد رشید شیخ امام بخش ناسخ مرحوم۔ آپ کی عمر کا بڑا حصہ بنارس میں گذرا۔ ۱۸۶۵ء میں زندہ وسلامت موجود تھے۔ طباع اور خوش کلام سخنور تھے۔ یہ آپکے اشعار ہیں۔

کیوں اُلجھتا ہے یہ محبوب سے زاہد صورت پرست
جذبِ لذت سے یہ محو روئے جاناں ہو گئی

مِل گیا یاں رشتۂ تارِ نفس زنار میں
لب ہمارے بنکے بوسہ رہگئے رخسار میں

ترا جامِ مے ہو گیا آفتاب
ضیا اپنے عارض کی دیکھی جو رات
کھُلے صبحدم اُن کی چوٹی کے بار

شب بزم عشرت سحر ہو گئی
جھجک کر یہ بولے سحر ہو گئی
معطر نسیم سحر ہو گئی

ضیا جو اڑی اُنکے عارض کی رات میں بوسہ پر اُنسے جو روٹھا رہا لبوں سے وہ لب ملکے کہنے لگے	ق	فلک پر پہونچکر قمر ہو گئی تو شب جھڑوں میں بسر ہو گئی جلال اب تو بو لو سحر ہو گئی	

جلال

جلال - ان صاحب کا نام معلوم نہیں نہ زیادہ حال کھلا - فیض آباد کے رہنے والے اور طبقہ دوم کے آخر شعرا میں تھے - یہ اُن کے اشعار ہیں -

تنگ احوال سے اب تو ترے شیدائی کا اب تلک بازار میں بیٹھے ہیں جبکی دید کو دل دیا مفت اب اُس آئینہ رو کو افسوس ایک عالم ہو خریدار نہ کیوں سوجھی ہے کیا ہوا میں نے جو ٹک جانب ابرو دیکھا		آ کے ٹک دیکھ تماشا تو تماشائی کا کیوں نہ آیا آہ کیا سوجھی یہ اُس بے دید کو میں تو حیران ہوں جلال اس تری دانائی پر بیٹھتے جب کہ وہ یوسف سر بازار لگے اتنی ہی بات پہ تم کھینچنے تلوار لگے

جلال

جلال - سر آمد شعرائے باکمال حکیم سید ضامن علیصاحب جلال لکھنوی ولد حکیم اصغر علی لکھنوی شاگرد رشید رشک و برق لکھنوی سادات عظام میں سے ہیں اور خاندان میں کئی پشت سے طبابت کا سلسلہ جاری ہے - ان کے والد اپنے وقت کے مشہور طبیب تھے اور اُن کے دادا سید حسین علیخاں صاحب مرحوم حکیم شفائی خانصاحب مرحوم کے فن طب میں شاگرد تھے اور شفاخانۂ شاہی لکھنو میں ملازم تھے اُسی سلسلہ سے اِن کے والد کو پنشن ملا کی اور ان کے انتقال کے بعد جناب جلال کے منجھلے بھائی حکیم سید ثامن علی صاحب کو نصف پنشن یعنی پندرہ (۱۵) روپیہ ماہوار مقرر ہوئی اِس وقت آپ کا دم غنیمت اور یادگار سلف سمجھا جاتا ہے اور واقعی اساتذہ متاخرین اور گلشن رامپور کے نامی شعرا میں ایک حضرت جلال ہی باقی ہیں، خدا ان کے انفاس میں برکت دے سنہ ۱۲۵۰ ہجری میں سید ضامن علیصاحب پیدا ہوئے پل آہنی کے اُس طرف لکھنو میں ایک مشہور محلہ ہے جس کا نام پار ہے اُن کے بزرگ اُس محلہ میں رہتے تھے اور وہی ان کا مولد ہے ۱۲۷۱ء میں اُس مکان کو چھوڑنا پڑا

کیونکہ اُس محلّہ کے بہت سے مکانات بالکل منہدم اور تباہ ہوگئے۔ بقول مرزا محمد جعفر صاحب اَوج سلمہ اللہ تعالےٰ ؎

یہ ہوا کیسی چلی اِس تنگنائے دہر میں	شہر جنگل ہوگئے آبادیاں بن ہوگئیں

سید ضامن علیصاحب نے نواب آصف الدولہ کے مدرسہ میں تعلیم پائی۔ لیکن شاعری کے شوق نے کتب درسیہ کی تکمیل نہونے دی۔ میبذی تک عربی پڑھی اور فارسی کی درسیات بجائے خود دیکھی۔ جناب مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی رسالہ معیار جلد ا نمبر ۲ میں ان کی شاگردی کا حال اسطرح رقم فرماتے ہیں۔

"حکیم صاحب ہمیشہ سے فنانی الشعر رہے۔ کوئی شوق سوا اسکے ہوا ہی نہیں۔ ابتدا میں امیر علیخاں ہلال شاگرد رشک کو اپنا کلام دکھایا وہ عرصہ تک اصلاح دیتے رہے چونکہ ان میں قابلیت اور مناسبت فطری موجود تھی چندہی غزلوں کے بعد آپکی طبیعت میں ایک رنگ جداگانہ پیدا ہوگیا جب ہلال نے انکے کلام اور اپنی اصلاح کا اندازہ کرلیا تو خود انہیں میر علی اوسط صاحب کے پاس لے گئے اور اُن کا شاگرد کرادیا۔ یہ مدت تک اُن کے زیر اصلاح رہے۔ اتفاق سے اُن کو سفر عراق پیش آیا۔ ہنوز ان کا کلام محتاج اصلاح تھا اسلیئے اُنھوں نے فتح الدولہ برق سے مشورہ کرنا شروع کیا"

سید ضامن علیصاحب جلال کی شوخی طبیعت اور مشق نے آپکے کلام کو شہرت دی اور اُس صحبت میں شریک ہونے لگے جو خواجہ اسد آفتاب الدولہ قلق کے مکان پر ہر ہفتہ کو ہوا کرتی تھی۔ اس میں بڑے بڑے مشاہیر مثل شیخ امداد علی بحر و شیخ امان علی سحر و اسیر۔ امیر و سید نادر علی تجو شریک ہوتے تھے۔ مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی اس صحبت کا فوٹو اس طرح کھینچتے ہیں۔

"حکیم صاحب (یعنی حکیم سید ضامن علیصاحب جلال) بھی اس صحبت کے جزو اعظم تھے اِس بزم میں یہ سب شاعر جن کا اوپر ذکر آچکا ہے) اپنا اپنا کلام پڑھتے اور جہاں کسی سے لغزش

لغزش ہوتی تھی فوراً اعتراض ہوتا تھا اور اُس پر بحث کی جاتی تھی۔ مگر انصاف پسند شعرا باہم ایسے شیر و شکر تھے کہ کسی کی ایرادوا اعتراض پر شکر رنجی نہ ہوتی تھی۔ پہلے یہی صحبت خاص مصاحب منزل میں ہوا کرتی تھی۔ پھر آفتاب الدولہ قلق کے مکان پر آٹھ سات برس برابر رہی اُس کے بعد منشی مظفر علی صاحب اسیر نے اِس صحبت کو اپنے مکان پر منعقد کیا۔ اِس زمانے میں حکیم صاحب رامپور چلے گئے "

۱۲۷۲ہجری میں نواب یوسف علی خاں صاحب والی رامپور نے جناب جلال کو طلب کیا اور اُن کی بہت قدر و منزلت کی۔ لیکن نواب صاحب کی عمر نے وفا نہ کی اور حکیم صاحب کے پہنچنے سے دو مہینے بعد اُن کا انتقال ہو گیا۔ اور نواب کلب علیخاں مسند نشین ہوئے جنکی قدردانی و سخن فہمی نے بڑے بڑے شاعروں کو رامپور کھینچ لیا اور روزانہ مشاعرے ہونے لگے حکیم صاحب بھی اُن جلسوں کے جزو اعظم تھے۔ حضرت جلال خلد آشیان نواب کلب علیخاں کے آخر عہد تک رامپور میں قیام پذیر رہے۔ لکھنؤ اور دلی اُجڑ کر رامپور میں اہلِ کمال و اہل فن کا مجمع تھا اور نواب خلد آشیاں کی زندگی تک وہ گلزار ہرا بھرا رہا۔ اُس چمن کے ایک پھول آپ بھی ہیں مدت تک بزمرۂ شعرائے عالی قدر ممتاز رہے۔ حضرت امیر مینائی اور حضرت داغ دہلوی مرحوم و مغفور اور حضرت جلال مدظلہ میں اکثر صحبتیں گرم رہتی تھیں اور ان تینوں صاحبوں میں ایک خاص خلوص و محبت کا برتاؤ جاری تھا۔ اِن تینوں صاحبوں کی ہم طرح غزلیں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ تینوں اپنے اپنے رنگ میں پختہ۔ تینوں اپنے اپنے خیال میں راسخ۔ اِن صاحبوں کی یک جہتی اور ہم مشقی ناسخ و آتش و آباد کے زمانے کو یاد دلاتی ہے کہ جس طرح اُنکی غزلیں ہم طرح ہیں اسی طرح اکثر ان کی غزلیں ایک ہی قافیہ ردیف میں موجود ہیں۔ اور سب پر طرہ یہ کہ آپس میں ربط و اتحاد اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ اکثر ایک ہی جگہ اور ایک ہی صحبت میں تینوں نے غزل کہی۔ کوئی قافیہ کوئی نکال لے گیا۔ کوئی مضمون کسی کا حصہ ہو گیا۔ کسی زمین میں کسی کی غزل بڑھ گئی۔ حضرت جلال کے مسلم الثبوت اُستاد ہونے میں کسکو کلام

ہوسکتا ہے۔ علمی قابلیت کے علاوہ آپ اِس فنِ خاص میں محققانہ اور مجتہدانہ رتبہ رکھتے ہیں اور تمام اصنافِ سخن پر قدرت حاصل ہے ہر رنگ میں آپ کا کلام موجود ہے۔ کہیں تشبیہ ہے کہیں خیال گوئی کسی جگہ عاشقانہ رنگ ہے تو کہیں محض معاملہ بندی ہے۔ اگرچہ یہ بات کم و بیش سب شعرا میں ہوتی ہے کہ ذہن کی مجبوری یا قافیہ کی رعایت سے جہاں جو موقع آتا ہے وہاں اُس رنگ میں وہ کہے بغیر نہیں رہتا۔ مگر انکے ہاں یہ بات بالتخصیص پائی جاتی ہے۔

حضرت داغ کو حیدرآباد تشریف لیجانے کے بعد انکی جدائی کا کمال افسوس و رنج تھا چنانچہ ایک مقطع میں یوں فرماتے ہیں ؎

اے داغ ہے دکن سے بہت دور لکھنؤ		ملتے امیر احمد و سید جلال سے	

مالنج مرحوم کے خاندان شاعری کی زندہ یادگار ہیں۔ خاص ٹکسالی لکھنوی زبان کے سکے اِسی فرمانروائے اقلیمِ سخن کے حکم سے جاری ہوتے ہیں۔ آپکے فیضانِ سخن سے کامیاب ہونیوالے جا بجا ہندوستان میں موجود ہیں منجملہ اُنکے یاس لکھنوی اور احسان شاہجہانپوری۔ ضیا دہلوی۔ جناب انگر رئیس اجی گڈہ اور جناب سیف سربرآوردہ شاعر اور صاحبِ دیوان ہیں۔ آپ کی تالیف و تصنیف سے اُردو ادب میں کئی مفید رسالے مثل دستور الفصحا۔ افادۂ تاریخ۔ مفید الشعراء۔ منتخب القواعد۔ شائع ہو چکے ہیں۔ اور چار دیوان غزلوں قصیدوں کے چھپ چکے ہیں۔ سرمایۂ زبانِ اُردو (لغت) بھی آپکی ایک قابلِ قدر تالیف ہے۔

بعد انتقال نواب خلد آشیاں آپ کی پنشن سرکار رامپور سے بند ہو گئی تھی۔ اب سنا گیا ہے کہ چند سال سے پھر موجودہ نوابصاحب رامپور نے وہ پنشن جاری فرمادی ہے۔ پیرانہ سالی و امراضِ لاحقہ کیوجہ سے آپ کئی برس سے خانہ نشین ہیں ریاست مانگرول کاٹھیاواڑ کے قدردان رئیس کے اصرار پر آپ کئی برس وہاں بھی قیام فرما رہے۔ آپکی عمر اس وقت (۱۳۲۵ھ ہجری) قریب پچھتر برس کے ہے۔ لیکن طبیعت کی شوخی جوانی کا رنگ دکھاتی ہے اِس کیفیت کو خود یوں بیان فرماتے ہیں ؎

بُت پرستی جلال پیری میں		نادم او بندۂ خدا نہ ہوا	

آپکا حال کاتب کو دیا جا چکا تھا کہ آپکی وفات حسرت آیات کی خبر لکھنؤ سے آئی۔ آپکے صاحبزادے حکیم سید مہدی کمال فنِ سخن میں معقول مہارت رکھتے ہیں۔ فی الحال نواب صاحب بہادر والئ رامپور کی مصاحبت میں ہیں۔ تذکرہ "خمخانہ جاوید" کی جلد اول کے آخر میں جناب جلال و جناب کمال دونوں کے قطعات تاریخ طبع ہو چکے ہیں۔ جناب جلال نے بعمر ۷۶ سال بتاریخ ۲۰۔ اکتوبر ۱۹۰۹ء انتقال فرمایا۔ اُنکے مرنے سے بزم سخن کی رہی سہی رونق بھی خاک میں مل گئی۔ اب اُنکے کلام کا انتخاب درج کیا جاتا ہے۔

(انتخاب دیوانِ اول)

کوئے جاناں سے نہ پھر کر دلِ ناشاد آیا
بے مروت کو نہیں بھول کے بھی یاد آیا

طاقت نے سنبھالا نہ تحمل نے دمِ ہجر
سب دعوی ہی کرتے تھے کوئی کام نہ آیا

ہم تھوڑے ہی سے جرم میں شرمائے ہیں کیا کیا
اِک جرعۂ مے پی کے عرق آئے ہیں کیا کیا

لکھنے جو لگے یار کو ہم شوقِ ملاقات
پہلوۓ دلِ بیتاب نے بتلائے ہیں کیا کیا

نہ خوف آہ بتوں کو نہ ڈر ہے نالوں کا
بڑا کلیجہ ہے ان دِل دُکھانے والوں کا

پائی راحت ترے خنجر ہی کے نیچے قاتل
پھر جو ٹھہرا تو یہیں کچھ دلِ بسمل ٹھہرا

خاص ہم پر وہ جور کرتے ہیں
یہ بھی پہلو ہے مہربانی کا

اہلِ دل کے لیئے راحت نہیں اِس سے بڑھکر
جنکو سمجھا ہے وہ بے درد دُکھانا دل کا

تجھ سے ہے مری شکوہ خدا کیا؟
کہ میں نا چیز کیا میری دعا کیا؟

آیا نہ تا زبانِ قلم حرفِ مدعا
دل ہی میں تھا کہ یاس نے مجھکو سنا دیا

کہہ کے وہ اُٹھ گئے کہ مشکل ہے
سہل کرنا تمھاری مشکل کا

دل کسی کے عشق میں اچھا ہوا جاتا رہا
داغ تھا اک مِٹ گیا۔ اِک درد تھا جاتا رہا

کیا تم سے کہیں کہ مر کے مٹ پر
کیا لطف رہا ہے زندگی کا

مل گئی خاک میں ہر چند اُٹھی اُٹھ نہ سکی
تیری ٹھوکر نے قیامت کو سنبھلنے نہ دیا

بہت ہے نالے اپنے اگر بے اثر ہیں
ہے تو دل کسی کا دکھایا نہ جائے گا

(ر) مدت کے بعد منہ سے لگی ہے جو چھوٹ کر
توبہ بھی ساغر پہ گرتی ہے کیا ٹوٹ ٹوٹ کر

(ک) فلک تیرے جگر کے داغ ہیں ہم
مٹائے جا مٹانا ہے جہاں تک

(ن) مجھ سے سیدھا مری تقدیر کو ہو لینے دو
پھر بتا دوں گا کہ یوں ترچھی نظر کرتے ہیں

اندازۂ طلب سے دیا بڑھ کے جب دیا
کم حوصلہ ہمیں ہیں وہاں کچھ کمی نہیں

صنم کی بے نیازی کہہ رہی ہے
نہیں کچھ فرق بندے میں خدا میں

(و) رندوں کی مذمت سے تجھے فائدہ زاہد؟
نیکوں کو نہ بد کہہ کے گنہگار خدا ہو

سو بار دل سے جاؤ چلے آؤ لاکھ بار
تم ہو یہ کوئی نکلی ہوئی آرزو نہ ہو

یہ ہوا آکے تری بزم میں حاصل مجھکو
دل کو میں کھو کے دو عالم سے چلا دل مجھکو

غیروں کو تو پلائی ہے ہم پر چھڑک ہی دے
ساقی بچی کھچی جو سبو میں شراب ہو

(ی) کہتی ہے جلتی ہوئی شمع یہ پروانے سے
کچھ لگی دل کی جو بجھتی ہے تو جل جانے سے

رہ کے میرے دل میں راحت کو پریشانی ہوئی
خواب کو گھر کرکے آنکھوں میں پشیمانی ہوئی

بولا وہ صنم حشر میں سنکر مری فریاد
اللہ سے ڈرتا نہیں یہ کتنا نڈر ہے

اب یہاں رکھتے ہیں کیوں ہاتھ ترا رکھا ہے
دل تو ہم لیگئے اب سینے میں کیا رکھا ہے

نظارہ محو کر دیتا ہے حسن حیرت افزا کا
حسینوں کا تماشائی تماشا ہو ہی جاتا ہے

نہ ہو برہم جو بوسہ بے اجازت لیلیا میں نے
چلو جانے دو بیتابی میں ایسا ہو ہی جاتا ہے

وائے اس دور رسیدہ کی بھی تنہائی پر
بیکسی پوچھتی ہو جس سے کہ حال اچھا ہے

اب کسی سے یہ کہیں گے کہ ہیں رنج ہی دے
شاد ہونے کی تمنا میں تو ناشاد رہے

کعبہ ہو بتکدہ ہو عرش بریں ہو دل ہو
جو مکان جلوہ گہ یار رہے آباد رہے

سنتے ہیں تغافل سے بڑی دیر لگے گی
ہنگامۂ محشر کو جگانے میں ہمارے

ہنسی روکی گئی اُن سے نہ مجھ سے تھم سکے آنسو
برابر ایک سی دونوں طرف بے اختیاری تھی

قلقِ دل کا دُعا کو کارگر ہونے نہیں دیتا
دُعا جب مضطرب خود ہو اثر پھر اسمیں کیا ٹھہرے

کھول کر بال پریشان نہ کر روح کو تُو
او مرے سوگ کے پرشے میں سنور نیوالے

(ا) انتخاب دیوان دوم

بھیجنا خط کا تھا پیامِ اَجل
اِنتظارِ جواب نے مارا

جب رو چکا میں دل کی جلن اَور بڑھ گئی
نِکلی چمک کے دُھوپ جہاں مینہ برس گیا

رُخ پر کبھی نمود ہوا رنگ بن کے عشق
بُو ہو کے پیرہن میں کبھی اپنے بس گیا

فرقت میں درد ایک میرا ہمنشیں رہا
اُٹھے بھی کھڑا ہوا تو یہیں کا یہیں رہا

غیر اپنوں سے بنایا جلوہ گاہِ یار میں
آنکھ نا محرم ہوئی جب دن سے دل محرم ہوا

پتا کیونکر لے قاتل کسی پیکان کا تیر سے
لگا جو تیر آ کر ہو گیا جزوِ بدن اپنا

کوئی دامن جنوں میں کھینچتا ہے آستیں کوئی
اُتارے لیتے ہیں خارِ بیاباں پیرہن اپنا

دیدنی تھی نزع میں اپنی نگاہِ یاس بھی
یار سا لے دیدہ تک محوِ تماشا ہو گیا

گر پڑا یوں تھام کر دل کو میں اُنکے سامنے
وہ بھی یہ کہتے ہوئے دوڑے اِسے کیا ہو گیا

(د) اپنا جسے یہ شیخ و برہمن نہ کر سکے
آیا ہے ہمکو وہ بتِ بیگانہ خو پسند

(ر) ہنس کے بولا یاد دلوائے جو شب کے اختلاط
بھول جاتے ہیں ہم ایسے خواب اکثر دیکھکر

چھنتا رہا جو حالِ دلِ پاش پاش پر
کیا روئیگا وہ کشتۂ حسرت کی لاش پر

آرزو ہے کہ بلا کر اُسے دل میں رکھئے
صاحبِ خانہ جو بن جاتا ہے مہماں ہو کر

نزع میں اِس لئے کھولے ہوئے بال آئے ہیں
رُوحِ عاشق کی جو نکلے تو پریشاں ہو کر

قتلِ عالم کو کیا پھر وہ نہ ٹھہرے قاتل
بھولے بن کر کہیں چھوٹے کہیں ناداں ہو کر

(ض) نہ دیکھنے پائے آنکھ اُنکو اگر اُٹھے بھی نقابِ عارض
ہوئی نگاہوں کی اتنی کثرت کہ بن گئیں خود حجابِ عارض

کہاں یہ بُوئے سنبل چمن میں کہاں یہ نکہت گلِ چمن میں
اُنھیں کا گیسو مثالِ گیسو اُنھیں کا عارض مثالِ عارض

اُٹھے ہیں لطفِ وصال کا جب کہ تم اُٹھا دو وصال کی شب
حیا کا پردہ فرہ کی چلمن حجابِ دیدہ نقابِ عارض

(ن)
بانکپن تیرا کسی اور ستمگر میں نہیں
تجھ میں جو نوک ہے قاتل ترے خنجر میں نہیں

اللہ رے تیرگی کہ بہ رنگِ شبِ فراق
تارے گنا کیا ہوں میں روزِ سیاہ میں

نقشِ قدم پکارتے ہیں راہِ عشق میں
مٹ جائیں جو چلے جسے نام و نشاں کے ہیں

دیکھے ہیں ایک ہی سے تغیر مآل میں
معشوق کے مزاج میں عاشق کے حال میں

حیران سے ہیں دونوں کسی کے خیال میں
آنکھ اپنے رنگ میں ہے تو دل اپنے حال میں

کونسا دام نہاں شیخ کے جامہ میں نہیں
پیچ ایسا بھی کوئی ہے کہ عمامے میں نہیں

(و)
حشر میں چھپ نہ سکا حسرتِ دیدار کا راز
آنکھ کم بخت سے پہچان گئے تم مجھکو

نہ دیکھے جائیں جس سے بیٹھا پہلو میں داغِ دل
وہ میرا کیوں بنے دلسوز مجھپر مہرباں کیوں ہو

تجھسا بھی یار دلبرِ بیگانہ خو نہیں
اپنا کرے ہزار کوئی تجھکو تو نہ ہو

اللہ رے بیخودی کہ وہ پہلو میں بیٹھکر
لیجائیں دل نکال کے ہمکو خبر نہ ہو

وہ رنج کیا کہ جس سے نہ راحت ہو عشق میں
وہ درد کیا جو دل کی تڑپ کی دوا نہ ہو

معشوق ہی نہیں ہے جو عاشق سے بے حجاب
تیور نہ بدلے روٹھ نہ جائے خفا نہ ہو

کیا رشک ہو کہ ہجر میں خود چاہتے ہیں ہم
نالہ بھی گوشِ یار تک اپنا رسا نہ ہو

دکھایا اُسنے جلوہ اور کسی نے کچھ نہیں دیکھا
گواہی اسکی دینی ہوگی جاکر میری حیرت کو

(ی)
نجات ہو گئی ناصح سے عمر بھر کے لیے
اُسی کو بھیجدیا یار کی خبر کے لیے

ڈھونڈھ دیتے ہیں اُس بت کو کہیں سے اے شیخ
تم خدا ترس سے تھے اک کام ہمارا کرتے

شغل گر ڈھونڈتے ہو جی کے بہلانے کے لیے
دل میں آ بیٹھو کلیجہ مرا ملنے کے لیے

سونچ کر رنج دیجئے دل کو
اِس میں پہلو ہیں میری راحت کے

بے نشاں ہوئے ہیں بھی اپنے تمھاری شہرت
تم مٹاتے ہمیں ہم نام تمھارا کرتے

تڑپ تڑپ کے جو عاشق تمام ہوتا ہے
تمھاری نیم نگاہی کا نام ہوتا ہے

آنکھوں میں جگہ کی اُدھر آئے اُدھر آئے
دل لیکے صنم چلتے ہی پھرتے نظر آئے

میری تڑپ نے یار کی شوخی نے بزم میں
تصویر کھینچ دی ہے سوال و جواب کی

تیرے سب ناز ہیں گو زندہ ہی کرنے والے
ڈھونڈ لیتے ہیں بہانہ کوئی مرنے والے

کافر و مومن جسے دونوں نہ اپنا کر سکیں
برہمن مجھکو بت بیگانہ ایسا چاہیئے

کہتا ہے یہ دل جب سے گیا ہے کہیں قاصد
کیا ہو گئے ہیں تم جو کچھ اچھی خبر آئے

میکدے کی خاک تک نے ٹولیئے یہ دلمیں ہے
کس خرابانی کی مٹی اپنی آب و گل میں ہے

ہم کعبہ میں آکر یہ دعا کرتے ہیں اے شیخ
بت لے کے نکلے کوئی اللہ کے گھر سے

لو بند کئے لیتے ہیں ہم دیدۂ مشتاق
اب دیکھیں تو آجاتے ہو تم دلمیں کدھر سے

خواب غفلت ہی ہے بہتر کہ ہم آغوش ہے یار
آنکھ کھلنے پہ یہ سامان رہے یا نہ رہے

میخانہ پوچھتا تھا کہ میں خانۂ خدا
بہکا کے لائے حضرت زاہد کدھر مجھے

قدموں سے ہم لگے ہوئے تھے یا جدا ہوئے
مہندی تھے اُنکی پاؤں کی اک نقش پا ہوئے

لو جی گئے جو آکے کہا تم نے مر کہیں
اچھی گھڑی کے کوسنے ہمکو دعا ہوئے

(انتخاب دیوان سوم)

غمِ دلدار جب آتا ہے دل خوش ہو کے کہتا ہے
مرا سرمایۂ عیش و نشاطِ زندگی آیا

سنبھالا درد نے فرقت میں دلکو بھی جگر کو بھی
اُدھر گھبرا کے جا نکلا ادھر مضطر کبھی آیا

کیا تھی کیسی ترچھی نظر کچھ نہ پوچھئے
اِک تیر تھا کلیجے کے جو پار ہی رہا

کیا نیند ہوشیار تھی اُسکی شب وصال
سوبھی گیا وہ فتنہ تو بیدار ہی رہا

پوچھتے کیا ہو کہ کیا چیز ہے آنا دل کا
دین و دنیا سے اسے کہتے ہیں جانا دل کا

بولے ہنسکر جو کہا رو کے فسانہ دل کا
دل لگی سمجھے تھے کیا آپ لگانا دل کا

عشق میں ہم یہ نصیحت کیئے رکھتے ہیں جلال
رازداں کو بھی نہ تم بھید بتانا دل کا

وہ دل کیا جان بھی لیکر کہیں گے
کہ تو کیا اور تیرا حوصلا کیا؟

عدو کو خوش ہیں ناشاد رکھنا
ذرا اے چرخ اِس کو یاد رکھنا

مرا دل لیجئے تم بھولے تو بھولے
ستم ہے بوسہ دے کر یاد رکھنا

بندوبست اپنا کیا خاک اُٹھے گھر میں غیر نے
میں نہیں میرا خیال آتا رہا جاتا رہا

اگلے معشوقوں کا ذکر آیا جو اُس بیمہر سے
ہنسکے بولا اب وہ دستورِ وفا جاتا رہا

کوئی ایسی بھی جفا ہے کہ وہ اُسمیں نہیں
لطف ہم سے کوئی پوچھے تری بیدادوں کا

دونوں آنکھیں ہیں جلال اشک فشاں فرقت میں
ایک ساون کا سماں رکھتی ہے اک بھادوں کا

مجھے جان دیکے اتنی بخدا خوشی نہ ہوتی
مرے مرنے کا ذرا بھی جو تمھیں ملال ہوتا

سرگرم شوقِ دید ہے پھر کوئی طور پر
تم بھی جلے کو اور جلاتے تو خوب تھا

(ر) عاشق سے اگر دور ہی رکھنا تھا الٰہی
جنت میں نہ رکھا اُسے کیوں حور بنا کر

الگ دل کے داغوں سے ہیں دلکی پھانسیں
یہ نکلے ہیں کانٹے گلستاں سے بچکر

جل بجھا وہ اور یہ جلتی رہی
شمع سے کیا کر گیا پروانہ چال

وہ جو آئے ہیں ز خود رفتہ ہوا
چل گیا یہاں سے صاحب خانہ چال

(ن) دم مرا کہتا ہے نکلوں گا اکدن اپنے ساتھ
میں تمھاری حسرتِ دل کے مددگاروں میں ہوں

بچاتے ہیں تمھیں الزام سے تم پر جو مرتے ہیں
ادا پر جان دیتے ہیں قضا کا نام کرتے ہیں

دیئے جائیں وہ ہمکو گالیاں جھوٹا کہے جائیں
ہماری تو یہ خو ہے بوسے لیکر مکرتے ہیں

(و) غمخوار بھی ہو حسرتِ دل جاں نثار بھی
سب کچھ ہو جان کا مری لیکن عذاب ہو

درد دل کا ہے ترقی پہ اگر ہونے دو
جاؤ تم حال مرا نوعِ دگر ہونے دو

بگڑے کوئی اوروں سے بنے جان پہ اپنی
عاشق ہی کے سر آتی ہے آفت ہو کسی کی

اکیلے کا کہیں دو سرکشوں سے زور چلتا ہے
دوپٹہ لاکھ سینے پر سنبھالو کب سنبھلتا ہے

مارا تمھارا مرے بے پردہ ہونے والے
اب تو مُنہ کھولدے مُنہ ڈھانک کے رونیوالے

دل نے طوفان محبت میں اُٹھائے کیا کیا
خضر ہی ٹھیرے مرے ناؤ ڈبونیوالے

خوبرویوں کے بگڑنے میں بھی ہیں لاکھ بناؤ
کہیں اچھوں کی کوئی بات بُری ہوتی ہے

آئے شب وعدہ کوئی اور آپ کے پلٹ جائے
یوں بھی کسی کم بخت کی قسمت نہ الٹ جائے

سی رہیں گے گریباں کو ہم - یہ تو بتا دو!
کسطرح رفو ہیں ہو دل تم سے جو پھٹ جائے

کھنچکے ملتے ہیں - مگر وہ ہمسے ملتے ہیں ضرور
کیا شک اے جذبِ محبت تری تاثیر میں ہے

اِک گلا غیر کا جس میں ہیں وہ دستِ نازک
ایک گردن مری جو طوقِ گلو گیر میں ہے

(انتخاب دیوانِ چہارم)

دلبری کی تو ادائیں تھیں انوکھی اُن کی
جاں ستانی کا بھی انداز نرالا ہوتا

شرم کو آپ کی اللہ سلامت رکھے
شوخیوں نے تو مجھے مار ہی ڈالا ہوتا

سامنے میرے حیا نے انھیں آنے نہ دیا
خاک میں نیچی نگاہوں سے ملانے نہ دیا

مرنے دیتی نہیں امیدِ وصالِ جاناں
دل کے آنے نے نہیں جان سے جانے نہ دیا

اِک قدم جانا جنھیں دشوار تھا
شوق لیکر سیکڑوں منزل گیا

رہتا ہے کلیجے میں نہاں دردِ محبت
یہ چوٹ وہ ہے جسکو اُبھرنا نہیں آتا

کیوں حشر کے فریادیوں سے ڈرتے ہو اتنا
کیا ظلم کئیں کرکے مکرنا نہیں آتا

کلیجہ کوئی تھام کر رہ گیا ہے
اُدھر جانے والے اِدھر دیکھ لینا

فلک ترستے ہونگے خیابونکی صورت
دکھائیگی جو چشمِ تر دیکھ لینا

تماشا مری بیقراری کا آکر
شبِ وعدہ تم رات بھر دیکھ لینا

اُسکی سی کہنے لگے دیکھئے ناصح لئے آپ
جائیے جائیے بس حضرت من دیکھ لیا

صدقے دلِ ستم زدہ کی آن بان پر
(ر)
بگڑے بن گئی گو اُسکی جان پر

جب آتے ہیں تڑپتے کوئی قاتل سے نکلتے ہیں
جگر تھامے سنبھالے دل کو بسمل سے نکلتے ہیں

دکھلائیگے ایک آنسو بھی کھینچیں ہمنے لاکھ آہیں
دُھوئیں کیا بے اثر اپنے بجھے دل سے نکلتے ہیں

عشق جس دل میں ہو کیونکر نہ شرر اس سے اٹھیں
چوٹ کھاکر جو نہ دے آگ وہ پتھر ہی نہیں

ہمہ تن آرزو و شوق و تمنا میں ہوں
لاکھ جھگڑے ہیں مرے ساتھ وہ تنہا میں ہوں

پوچھا میرا کہ لی کس نے جگر میں چٹکی
اُس دل آزار کا شوخی سے یہ کہنا میں ہوں

پوچھ تو جاتے ہیں آپ آکے کبھی میرا مزاج
اپنا بیمار ہی رکھیے یونہیں اچھا میں ہوں

جلا کر رکھتی ہے اُمیدِ وصل اے ہمنشیں برسوں
رہے گو جاں بلب عاشق مگر مرتا نہیں برسوں

نہ جیتے جی ملی راحت نہ بعدِ مرگ اُلفت میں
فلک کی کیا شکایت ہمکو پیسا کی زمیں برسوں

نہ دینا تھا نہ بوسے لب بلب ہو کر دیئے اُسنے
اِسی اُمید میں لب پر رہی جانِ حزیں برسوں

ہمنے مانا مرنے والوں کو قضا آتی نہیں
کیا تمھیں بھی جان لینے کی ادا آتی نہیں

ہجر کی شب ہو گئی گویا ہر آفت کی سپر
اِس بَلا کے خوف سے کوئی بلا آتی نہیں

کونسا دل ہے کہ جس دلمیں نہیں گھر اُن کا
سب کے مہمان بھی ہیں پھر کہیں جاتے بھی نہیں

لَنْ تَرانی ہے سرِ طور تو موسیٰ ہی سے ہے
ہم جو ایسے نہیں سُنتے تو سُناتے بھی نہیں

سوال سُنکے مرا چُپ ہی کچھ جواب نہیں
یہ کیا کہ ہاں ہے نہ او شوخ بیحجاب نہیں

جو پوچھا وصل میں محجوب کیوں اے دلربا تم ہو؟
تو شوخی سے وہ بول اُٹھے کہ کتنے بیحیا تم ہو

کسیکا آکے میت پر ہماری ناز سے کہنا
کہو بیگانہ ہو تا آشنا اب ہم ہیں یا تم ہو

تیغِ ادا کو دیکھو دل کی سپر کو دیکھو
تیرِ نگہ کو دیکھو میرے جگر کو دیکھو

دیکھو نہ آئینے میں اپنی نظر کو دیکھو
حالت ہے کیا ہماری پہلے اِدھر کو دیکھو

روزِ سیہ سے میرے انساں پناہ مانگے
بدتر ہے شامِ غم سے رنگِ سحر کو دیکھو

نالہ کھنچتا ہے تو اک دل میں چبھن ہوتی ہے
اشک رکتے ہیں تو آنکھوں میں کھٹک ہوتی ہے

جلال آتا ہے کب کوئی پسِ مرگ
اجل بھی دوست ہے بس جیتے جی کی

لازم ہے چشم و دل کو تدبیر اپنی اپنی
پھر عشق جو دکھائے تقدیر اپنی اپنی

نامہ مجھے وہ بھیجیں پہنچے مرے عدو کو
لکھا یہ اپنا اپنا تقدیر اپنی اپنی

عاشق کے سامنے دمِ آخر تو آیئے
پردہ اُٹھا دیئے ملک الموت ہٹ گئے

مرض ہے یا قضا کیا جانے کیا ہے؟
یہ دردِ لا دوا کیا جانے کیا ہے؟

جگر کا درد ہی کھویا نہ کی دل کی تڑپ زائل
ہم تمہیں سے پوچھتے کس مرض کی پھر دوا تم ہو

نہیں معلوم کیا کہتی ہے غیرت	تقاضا شوق کا کیا جانئے کیا ہے؟

جلال- مولوی سید الٰہی بخش عرف ملا جلال عظیم آبادی- آپ پٹنہ کے سادات عظام سے تھے اور حضرت داغ دہلوی کے تلامذۂ رشید میں آپ کا شمار تھا- فارسی زبان میں آپکی لیاقت قابلِ امتثال تھی اور اس زبان میں شعر بھی خوب کہتے تھے- اردو کی طرف توجہ بہت کم تھی- محض پاسخاطر احباب سے کبھی ایک آدھ غزل کہہ لیتے تھے- سالہاسال بمبئی اور حیدرآباد دکن میں اپنے استاد کی خدمت میں رہے اردو کلام میں بھی صفائی اور شوخی کے علاوہ مضمون کی حلاوت ایک خاص مزہ دیتی ہے- بندش بھی بہت چست طرز بیان کا سلیقہ اچھا تھا ۴۴ برس کی عمر میں اوائل ۱۹۰۷ء میں انتقال کیا- کلام پراگندہ ہوگیا بصد دشواری چند غزلیں بہم پہنچیں اُن کا انتخاب درج ذیل ہے- فقیرانہ روش اختیار کر رکھی تھی-

نہ کیونکر دل سیہ اشتیاق ہو ہر بار نشتر کا	مرا غمخوار نشتر اور میں غمخوار نشتر کا
تپاں رہتا ہے دل سینے میں پہلو میں جگر مضطر	کہیں آزار خنجر کا کہیں آزار نشتر کا
ترے قدموں کی ٹھکرائی ہوئی ہے	کرے تجھ سے قیامت سامنا کیا
قیامت ہی کے دن وہ پاک ہوگا	جو کچھ جھگڑا ہے رند و پارسا میں
دمِ رخصت رہی جاتی ہیں افسوس	تمنائیں دلِ درد آشنا میں
کبتک غمِ فراق کا صدمہ سہا کرے	اب بیقرار یہ دلِ بے اختیار ہے
رہروانِ رہِ تسلیم تھکے ہیں ہرچند	پھر یہ ہمت کہ کمربستہ ہیں چلنے کے لئے

جلیس

جلیس- نواب سید محمد مہدی علیخان بہادر الموسوی نیشاپوری مرحوم خلف نواب سید علی نقی خان بہادر صمصام الدولہ ناصر الملک شوکت جنگ متخلص بہ غمی و ناصر- جناب جلیس ۱۲۴۵ھ میں بمقام لکھنو پیدا ہوئے اور ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۰۰ھ میں بعارضۂ فالج وہیں انتقال فرمایا- اور نور باڑی مدفن خاندان نیشاپور میں پیوند زمین ہوئے- آپ کو شیخ امام بخش ناسخ مرحوم سے تلمذ تھا- آپکے صاحبزادے نواب سید عسکری مرزا خاں بلیغ اور سید محمد جعفر خان

ریاض لکھنؤ میں موجود ہیں۔ کلام باوجود تلاش نہ مل سکا صرف چند شعر ملے وہ حاضر ہیں۔

خود بخود آپ جو تشریف مرے گھر لائے	آ گیا آج یہ اے جانِ جہاں کیا دل میں
ربط غیروں سے ہے منظور کہ ہمسے صاحب	سچ بتا دیجئے جو کچھ ہے ارادہ دل میں
یکتائی کا دعوی تجھے اے یار بجا ہے	تجھسا کوئی دنیا میں نہ ہوگا نہ ہوا ہے
زاہد بخدا ہوں میں دل وجاں سے تصدق	دیکھا نہیں اُس بُت کا مگر نام سُنا ہے

جلیس

جلیس ۔ محمد جلیس آپ بدایوں کے رہنے والے تھے۔ اٹھارویں صدی کے آخر میں آپکا عالم شباب تھا اور اکثر رباعیاں کہا کرتے تھے۔ جو کلام نظر سے گذرا اس میں سے یہ رباعی منتخب ہو کر درج کی جاتی ہے۔

غیروں کو دکھا کے یہ رنگیلی آنکھیں	کیوں کرتے ہو ہمپہ نیلی پیلی آنکھیں
جیدھر یہ پھریں کریں ہیں قتل مردم	آفت ہیں غضب تری کٹیلی آنکھیں

جلیس

جلیس ۔ منشی سید ابو محمد لکھنوی خلف الصدق جناب بلیس و نبیرہ میر انیس۔ غزل اور مرثیہ گوئی دونوں میں جناب پیارے صاحب رشید سے اصلاح لیتے ہیں۔ زبان صاف اور فصیح۔ بندش چست مضمون بلند الغرض تمام خوبیاں آپکے کلام میں موجود ہیں مسودہ کاتب کے پاس جا چکا تھا کہ رسالۂ معیار سے آپکے بیوقت انتقال کی خبر معلوم ہوئی۔ جناب جلیس بڑے بامذاق اور دوست پرست شخص تھے آپنے بعارضہ یرقان ۲۴ جمادی الاول ۱۳۲۵ سنہ کو انتقال کیا اور اپنے دادا میر انیس کے پہلو میں دفن ہوئے۔ گذشتہ تین چار سال میں انھوں نے بڑی شہرت حاصل کر لی تھی۔ انکے خاندان کے عقیدتمندوں کو ان سے بڑی اُمیدیں تھیں مگر سب پر انکی بیوقت وفات سے پانی پھر گیا۔ مشفقی و محبی مسٹر حامد علیخاں صاحب نے ازراہ عنایت چند غزلیں ارسال کیں ہدیۂ ناظرین کیجاتی ہیں۔

تھا میں اس حالت میں دیکھا جسنے وہ غمناک تھا	صبح محشر کا گریباں تا بہ دامن چاک تھا
ہجر میں ہر طرح کا سامانِ راحت تھا بہم	تو جو پہلو میں نہ تھا اک بیوفا سب خاک تھا

سیر گلشن میں نہ آیا کچھ تمھیں عاشق کا دھیان
بہار آئی ہے دل مائل ہوا وحشت کے ساماں پر
نظر بدلی کہ بل آیا گیسوؤں میں چشم ہوئی ابرو
سراپا سوختہ ہوں کشتۂ برقِ تبسم ہوں
ہوئے ہیں قید جیسے عاشقِ چشم بتاں تیرے
ہوئے ہیں غیر کے نقشِ قدم سیلِ فنا مجکو
جفا کس لطف سے کرتا ہے مجھپر چارہ گر بن کے
اسیری میں بھی مجکو دھیان ہے دل کی تسلی کا
جلیس اچھی نہیں ہے خوش بیانی بزم عالم میں
کیا مر کے بھی اُلفت کے نام کو روشن
مجھے غرور ہے اس کا کہ دل ہے سینے میں
خموش رہ نہیں سکتا قفس میں کوئی گھڑی
کسی جگہ یہ ہے بلبل کہیں ہے پروانہ
تمھارے مصحفِ رخسار میں ہے یہ تحریر
اسکو کہتے ہیں کشش یہ جذب کی تاثیر ہے
صبح ہوتے ہوتے جلکر خاک ہو جائینگے ہم
لیچلی ہے کھینچکر صحرائے وحشت کیطرف
یہ بھلا کوئی غزل گوئی کی صورت ہے جلیس
دعا قبول نہیں ہم سے عشق بازوں کی
تو رحیا ہے نقاب اُٹھے ہوئے بیٹھے ہو تم
گدائے عشق سمجھ کے ذرا نگاہ ملے

جن کو تم صد برگ سمجھے ہو دلِ صد چاک تھا
نظر میری کبھی زنجیر پر ہے گاہ زنداں پر
جوانی آئی واں یاں آفتیں آئیں دل و جاں پر
جلا جاتا ہے کیونکر ہاتھ رکھوں قلبِ سوزاں پر
ہیں اک عالم کی آنکھیں روزنِ دیوارِ زنداں پر
ٹھہر سکتا نہیں دم بھر زمینِ کوے جاناں پر
نظر ہے زخمِ دل پر ہاتھ ظالم کا نمکداں پر
کہ نقشہ کھینچتا ہوں زلف کا دیوارِ زنداں پر
کہ یہ باتیں گراں ہیں دوست و دشمن کے دل جاں پر
چراغِ گورِ غریباں بنی وفا میری
انھیں ہے ناز بہت زلف ہے رسا میری
پسندِ خاطرِ صیاد ہے صدا میری
نئی ہے عالمِ نیرنگ میں وفا میری
کہ چاہیے دلِ بیمار کو ہوا میری
ایک ہی جا قلب میں سوفار و نوکِ تیر ہے
آج اے دل قصدِ ضبطِ نالۂ شبگیر ہے
آپکے دیوانے کو موجِ ہوا زنجیر ہے
دل ہمارا رنج و غم کی آجکل تصویر ہے
جو بندے بُت کے ہیں سُنتا نہیں خدا اُنکی
چاندنی شرما رہی ہے بام پر آتے ہوئے
زکوٰۃ حُسن کی بوسہ خدا کی راہ سے

قتل سے محروم ہوں میں ضعف کی تاثیر سے
سو قدم پہ اٹھ کے گرتا ہوں ہوائے تیر سے

تشنہ کامان محبت پر انھیں رحم آگیا
سب کے دل ٹھنڈے کیئے آبِ دمِ شمشیر سے

کیا تعجب ہے جو حسن و عشق کی تاثیر سے
دوست کو آواز آئے دوست کی تصویر سے

جلیس **جلیس** - منشی محمد مبین - قصبہ مچھلی شہر ضلع جونپور کے باشندے اور حضرت احسان شاہجہانپوری کے شاگردوں میں درجۂ امتیازی رکھتے ہیں - چند سال ہوئے "بہارِ سخن" نامی ایک پرچہ بھی جاری کیا تھا جو چند ماہ نکلکر بند ہوگیا فارسی استعداد معقول اور طبیعت کا رنگ یہ ہے -

دل پستے ہیں جس چال میں وہ لغزشِ پا ہے
ساقی تری رفتار میں مستانہ ادا ہے

گھونگھٹ میں تڑپتی ہے اُن آنکھوں کی شرارت
بے چین وہ ارمان بھرے دل کے لیئے ہے

بتوں پر جان جاتی ہے حسینوں پہ فدا دل ہے
مری مٹی میں خاکِ کشتگانِ عشق کا دل ہے

دلِ مجروح کو تڑپا دیا بلبل کے نغموں نے
نمک پاشِ جراحت باغ میں شورِ عنادل ہے

صراحی سے نہ کچھ مطلب نہ مینا کی مجھے خواہش
یہاں خونِ تمنّا سے لبالب ساغرِ دل ہے

قیامت میں جلیس اب ان بتوں کو کیا کریں رسوا
کسی سے کیا کہیں کیونکر مرے ہیں کون قاتل ہے

جلیل **جلیل** - منشی علی مرزا صاحب جلیل - باوجود تلاش آپ کا حال اسیقدر معلوم ہوا کہ آپ زمانۂ غدر میں لکھنؤ میں زندہ سلامت موجود تھے - یہ آپ کا کلام ہے -

غیر ممکن ہے کہ اُسکو وہم محشر دیکھیں
جو نہ دیکھا ہو اُسے آنکھ سے کیونکر دیکھیں

کل کا پتلا ہوں اشاروں سے نگہ کے مجکو
جسطرف آپکا جی چاہے پھرا کر دیکھیں

چشمِ ساقی میں مُروّت کا ذرا نام نہیں
کیا ندیدوں کی طرح جانبِ ساغر دیکھیں

ہے عجب تاثیرِ عشقِ ابروے خمدار کی
درد بھی اُٹھ کر دکھاتا ہے چمک تلوار کی

چین سے سوئے نہ کیونکر رات بھر وہ مستِ ناز
لے گیا ہے نیند میرے دیدۂ بیدار کی

وا ہوئیں غفلت سے آنکھیں دیکھکر موئے سفید
صبح ہوتے ہی دکانیں کھلتی ہیں بازار کی

جلیل **جلیل** - شاعر بے عدیل فاضل نبیل فخر زمن حافظ جلیل حسن خلف مولوی حافظ عبدالکریم صاحب

مانکپور کے رہنے والے اور حضرت امیر مینائی مرحوم کے شاگرد رشید و جانشین مشہور ہیں۔ قریب ۴۰ سال کے عمر ہے۔ نہایت متین و مہذب اور خاموش آدمی ہیں۔ ۲۰ برس کی عمر میں منشی صاحب کے شاگرد ہوئے عرصۂ دراز تک بلکہ منشی صاحب کے آخر زمانے تک دفتر امیر اللغات کے سکرٹری رہے۔ اپنے بزرگ استاد کے ہمراہ حیدرآباد دکن گئے اور بعد انتقال حضرت امیر مینائی مرحوم آج تک وہیں اقامت پذیر ہیں۔ مہاراجہ کشن پرشاد بہادر پیشکار و مدار المہام حیدرآباد دکن کی سرکار سے سو روپیہ وظیفہ پاتے ہیں۔ اور اکثر حیدرآباد کے نو مشق شعرا آپ سے فن سخن میں مستفید ہوتے ہیں۔ منشی صاحب کی وفات کے بعد مرحوم کے بعض تلامذۂ نامی مثل حضرت ریاض۔ مضطر۔ وسیم۔ وغیرہ نے جناب جلیل کو منشی صاحب کا جانشین قرار دیا۔ چنانچہ اب وہ اسی لقب سے لکھے جاتے ہیں اور اکثر تلامذۂ حضرت آپ سے مشورۂ سخن کرتے ہیں۔ فارسی کی استعداد زبردست ہے اور عروض و قوافی میں خاص دخل رکھتے ہیں۔ الغرض شاعری کے متعلق جتنی معلومات ضروری ہیں آپ اُن سے بخوبی بہرہ ور ہیں۔ کلام کا پایہ نہایت بلند ہے ساری اُستادانہ ترکیبیں پائی جاتی ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ سادگی بیاں و صفائی زبان کے ساتھ ساتھ بلند پروازی اور نازک خیالی دو متضاد صفتیں آپکے کلام میں جمع ہوئی ہیں جو بہت ہی کم کسی کے کلام میں ہوا کرتی ہیں۔ اشعار میں بانکپن کے ساتھ ایک خاص مزہ ہے جو سامع کے دل کو اپنے جادوانہ اثر سے تڑپا دیتا ہے۔ اگرچہ ان کے اکثر اشعار رعایت لفظی اور محاورہ بندی سے باہر نہیں ہوتے مگر بندش کی چستی اور بیان کی ملاست اُس نامطبوع رنگ کو نہایت دلچسپ بنا دیتی ہے اور بے اختیار مُنہ سے تعریف نکلتی ہے۔ آجکل دنیائے شاعری میں آپ امتیازی نظر سے دیکھے جاتے ہیں اور حقیقت میں اسی قابل ہیں۔ مذاق سخن نہایت پاکیزہ اور ستھرا ہے جسکی جلا نے انکی خداداد طبیعت کو اور بھی چمکا دیا ہے۔ حضرت امیر نے جسقدر اسکے کلام کی تہذیب اور اصلاح میں محنت کی اس سے بہت زیادہ اُس کا نتیجہ بھی دیکھ لیا۔ بلاغت حسنات

خوش مذاقی۔ شوخی۔ مضامین عالی کی بلند پروازی ان میں سے کونسی شے ہے جسکی بالتصریح تعریف کی جائے۔ سبھی کچھ ہے اور اپنے اپنے محل اور موقعہ پر ان میں سے ہر چیز کا بقدرِ ضرورت ایک مناسب طریقے سے صرف ہے۔ اکثر اشعار انکے ناخن بدل زن اور لذتِ عشق چشیدہ دلوں کو تڑپا دینے والے نظر آئے۔ آپکی طبیعت ہمہ گیر اور پُرگو واقع ہوئی ہے۔ نیکدلی اور انکسار منشی صاحب کے فیضانِ صحبت کا اثر ہے اور غالباً اسی ایک صفت نے اُنھیں منشی صاحب کا جائز جانشین بنوا دیا۔ ایک دفعہ راقم تذکرہ کو آپنے تحریر فرمایا کہ "کوئی امتیاز خاندانی علمی و عملی ایسا نہیں ہے جو قابلِ ذکر ہو سوائے اسکے کہ حضرت امیر مینائی قدس سرہٗ کی خدمت میں مدتِ دراز تک رہنے کا اتفاق ہوا ہے ع جمالِ ہمنشیں درمن اثر کرد + وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم +" جوانِ صالح اور پابند مذہب ہیں۔ خدا انکی عمر میں برکت دے اور اُس رتبۂ شاعری کو پہنچائے جو انکے استادِ مرحوم کو حاصل تھا۔ اصنافِ سخن پر وہی قدرت اور قبضہ حاصل ہو۔ آپ کا دیوان ابھی شائع نہیں ہوا مگر غزلیں برابر رسالوں میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ رسالہ محبوب الکلام جو مہاراجہ مدار المہام کی زیر سرپرستی شائع ہوتا ہے اسکا اہتمام آپ ہی سے متعلق ہے۔ باعتبار قدردانی فن یہ امر قابلِ مسرت ہو کہ کاملِ دس سال کی امیدواری کے بعد اوائل سنہ رواں ۱۹۱۱ء میں حضور نظام نے مہاراجہ مدار المہام کی پُرزور سفارش پر آپکی قدر افزائی فرمائی اور آپ زمرۂ شعرائے دربار میں محسوب ہو کر اب پانچسو روپیہ ماہوار مشاہرہ پاتے ہیں۔ جناب امیر کے صاحبزادے منشی لطیف احمد اختر کا بھی جن کا ذکر خیر جلد اول میں آچکا ہے اسی سلسلے میں چارسو روپیہ ماہواری منصب پر تقرر ہوا ہے۔ اب انتخاب کلام ملاحظہ ہو۔

بیوفا یار با وفا نہ ہوا	دل ہوا دل کا مدعا نہ ہوا
لوٹ ہیں غنچے بھی اُن پرشِل دل	ہنس کر اک جب کو دیکھا کھل گیا
ہائے کیا لذت بھری تھی تیغ ناز	زخم روتے ہیں کدھر قاتل گیا

بتوں کو چھوڑ کے نام خدا لگے رٹنے / جلیل آج یہ دل میں تمہارے آئی کیا
بلبل کی بہار میں نہ پوچھو / منہ چومتی ہے کلی کلی کا
درد والے کو ڈپٹتے ہیں پرائی آگ میں / لو جو اٹھی شمع سے پروانہ جل کر رہ گیا
کچھ نہ جانا ہم نے کب چمکی تری برق جمال / اسقدر جانا کہ دل پہلو میں جل کر رہ گیا

جب ترے عشق کا پھندہ مری گردن میں رہا / پھر برابر ہے قفس میں کہ نشیمن میں رہا
کبھی اس گل کا لیا بوسہ کبھی اس گل کا / اے جنوں مشغلہ اپنا ہی گلشن میں رہا
صبح ہوتے ہی ہوا جامہ دری میں مصروف / ہائے وہ ہاتھ جو شب بھر تری گردن میں رہا
لوگ آرام کی خاطر رہے دنیا میں خراب / اور آرام چھپا گوشۂ مدفن میں رہا
پھول بنکر مرے اشعار بٹے یاروں میں / داغ بنکر مرا مضموں دل دشمن میں رہا
چاک دامانی یوسف تو کوئی بات نہ تھی / ہائے وہ چاک زلیخا کے جو دامن میں رہا
دونوں خواہاں کہ تری تیغ مری ہو کے رہے / مرتے مرتے یہی جھگڑا اسر و گردن میں رہا
قیس و فرہاد کا بھرتے رہے بہروپ جلیل / یہی سودا تھا یہی کھیل لڑکپن میں رہا

مانگے جاینگے تجھکو تجھ سے ہم / منہ میں جبتک زبان ہے گویا

مژہ کی پھانس چبھنے سے مزا پورا نہیں آتا / یہ بڑھکر تیر ہوتی - تیر دل کے پار ہو جاتا
یہاں تو ہے غرض اس سے کہ جینے کا سہارا ہو / وہ ملتے یا نہ ملتے وصل کا اقرار ہو جاتا
ترے جلوے سے غش آتا نہیں موقوف موسیٰ پر / یہ وہ مے ہے کہ جو پیتا وہی سرشار ہو جاتا
کیا چلکر مجھے بسمل تو کیا تعریف ناوک کی / تری چٹکی میں رہتا اور دل کے پار ہو جاتا
ہمارا طائر دل مرغ دست آموز ایسا ہے / جو تم چمکارتے چٹکی بجاتے یار ہو جاتا
تم وہاں پاس ہو نہیں موقع حجاب کا / کیوں لو ہٹا لو پھول سے منہ پر نقاب کا
آتے ہی سبزہ باغ دکھا کر ہوا ہوا / جھونکا تھا اک صبا کا زمانہ شباب کا
تصویر اُن کی سارے مرقع کی جان ہے / گویا چمن میں پھول کھلا ہے گلاب کا

اُس برق وش کو تو کہیں دم بھر نہیں قرار
کس پر پڑے گا صبر مرے اضطراب کا

بچپن کہاں تک اُن کی اُمنگوں کو روکتا
آخر کو رنگ پھوٹ ہی نکلا شباب کا

دل نے کیا ہے فتنۂ محشر سے مشورہ
تو خاکِ راہِ دوست ہو میں خاکِ پائے دوست

اللہ اللہ کوئے جاناں کی زمیں ہے وہ زمیں
سیکڑوں بیٹھے ہیں گھر چھوڑے جہاں میری طرح

پرتوِ رخ کا تماشا جلوہ گہ ہیں دیکھئے
لوٹتی پھرتی ہیں ہر سُو بجلیاں میری طرح

ستم ہے مبتلائے عشق ہو جانا جواں ہو کر
ہمارے باغِ ہستی میں بہار آئی خزاں ہو کر

ستم ڈھاتے ہیں تیرِ ناز دل میں میہماں ہو کر
رہے تو دردِ دل ہو کر جو نکلے تو فغاں ہو کر

یہی عالم ہے گر جوشِ جنوں میں خاک اڑانیکا
زمیں بھی سر پہ اک دن آ رہیگی آسماں ہو کر

حسیں ہیں اُنکو ہر صورت سے اپنا کام کر جانا
بگڑ کر مسکرا کر گرم ہو کر مہرباں ہو کر

ہستی و عدم دونوں ہمارے ہی تو گھر ہیں
اُس گھر میں سے چلے جائینگے اِس گھر سے نکلکر

رکھے جاتے ہیں قاتل کی ادا پر
کہیں مُنہ پھر نہ زخموں کے سیئے جائیں

ہماری ہے خطا یا پیارے مُنہ کی
جو کہتا ہے مرے بوسے لیئے جائیں

تو سلامت ترے انداز پہ مرنیوالے
موت کا بھی کہیں احسان لیا کرتے ہیں

موت ہے مفت میں بدنام حقیقت یہ ہے
دل جو لیتے ہیں وہی جان لیا کرتے ہیں

آج سُنتے ہیں وہ اپنا مدعا کہنے کو ہیں
کون جانے دل میں کیا ہے مُنہ پہ کیا کہنے کو ہیں

وہ زبانِ تیغ سے کیا جانے کیا کہنے کو ہیں
ہم لبِ زخمِ جگر سے مرحبا کہنے کو ہیں

پا کے اُن کو بڑھ گئی ہے اور بھی کچھ آرزو
کل تجھے کیا کہنے کو ہم اور آج کیا کہنے کو ہیں

ساری دُنیا جانتی ہے جیسے ہیں حضرت جلیل
جان دیتے ہیں بتوں پر پارسا کہنے کو ہیں

بہار ہے ترے کشتوں کی سادہ رنگی پر
کوئی چراغ کوئی گُل سرِ مزار نہیں

دوہائی ضبط کی آنسو پئے نہیں جاتے
بھرے ہوئے مرے دو جام چھلکے جاتے ہیں

بالائے آسماں نہیں زیرِ زمیں نہیں
راحت ہے جس کا نام وہ اے دل کہیں نہیں

اتنے سے دل کو دی ہے وہ اللہ نے تڑپ | چاہے تو مجھکو عرش پہ رکھدے اچھال کے

عبث یہ فکر مجھے ہے کہ کون ساتھ چلے | اٹھو گے تم تو قیامت نہ اٹھ کھڑی ہوگی

محبت سے جو پیش آؤ تو دل پر کیوں نہ ہو قبضہ | یہ وہ جادو ہے جس سے غیر اپنا ہو ہی جاتا ہے

چُن چُن کے غیر قتل ہوئے مٹ گئی خلش | کانٹے ہٹائے تم نے محبت کی راہ سے

منہ کے مزے کو ہے یہ فقط اپنی میکشی | دل میں ہزار بار ہے توبہ گناہ سے

ہم کیا کہیں کسی سے کہ دیکھا ہے کیا وہاں | نکلے ہیں ہوش کھو کے تری جلوہ گاہ سے

بھیدی نے گھر کے دل کا پتا دیدیا تجھے | میری نگاہ مل گئی تیری نگاہ سے

جان جاتی ہے کسی کی تو بلا سے جائے | انکو اس بات کی ضد ہے کہ مری بات رہے

نامہ ابھی لکھا نہیں قاصد گیا نہیں | لیکن امید و یاس میں جھگڑا ابھی سے ہے

پامال جنکی ہے وہی چلکر اٹھائیں گے | خود اٹھ کھڑی ہو اتنی قیامت نہیں رہی

آنچل جو ڈھلا شانے سے وہ ہنسنے نہ سنبھلا | مچلے ہوئے دل کو کوئی کس طرح سنبھالے

یہاں تو خواب کا آنا خیال میں بھی نہیں | ہمارے خواب میں آنیکی تم نے خوب کہی

فیضِ صبا یہ ہے کہ جو گذری قریب سے | کچھ پھول جھڑ گئے دہنِ عندلیب سے

کیا دیکھ لیا قیس نے کہتا ہے جو سب سے | لیلیٰ مری آنکھوں میں ہے محمل میں نہیں ہے

فتویٰ دیا ہے مفتی ابرِ بہار نے | توبہ کا خون بادہ کشوں کو حلال ہے

رُکی رُکی جو چھری دست نازنیں میں رہی | تڑپ تڑپ کے تمنا دلِ حزیں میں رہی

عجیب لطف سے کٹتی ہے تیغِ قاتل کی | کبھی کمر میں کبھی دست نازنیں میں رہی

یہ تعظیم اللہ اللہ اُس صنم کی | جھکی پڑتی ہیں محرابیں حرم کی

انھیں عادت نہیں لذت ستم کی | اُدھر شمشیر ادھر تقدیر چمکی

جمال سید علی شمس جمال قادری عرف شاہ مرشد علی بغدادی شاگرد جلال لکھنوی شعر خاصہ کہہ لیتے ہیں [illegible] موزوں طبع شاعر ہیں [illegible] بندش ترکیب بیان سب چیز ٹھیک

مجموعی اچھی ہیں۔ یہ کلام کا انتخاب ہے۔

دوا سے دردِ محبت یہاں دوچند ہوا
مسیح خود مرے پاس آ کے دردمند ہوا

کسی صنم کی نہ پروا رہی خدا کی قسم
یہ بے نیاز تمہارا نیاز مند ہوا

حسن اے خدا بتوں کو جو تو نے دیا دیا
ایسے بتوں کا عشق مجھے کیوں بھلا دیا

الٰہی ہم تو نکلے بوستاں سے
نکالا جائے گلچیں بھی وہاں سے

خون سے میرے مکرنا ہوا ثابت اُن کا
جھوٹ مہندی نے یہ دی سچی گواہی کیسی

دل لبھاتی ہے اُن آنکھوں کی سیاہی کیسی
موہنی رکھتی ہے وہ سحر نگاہی کیسی

جمیل

جمیل۔ نواب علی نقی خاں صاحب مرحوم عرف ننھے آغا صاحب خلف الرشید آغا برہان الدین حیدر موسوی نیشاپوری رئیس اعظم فیض آباد نصیر الدین حیدر اور محمد علیشاہ کے عہد میں لکھنؤ میں امیرانہ بسر کرتے اور بیش قرار وظیفہ پاتے تھے۔ خاندان شاہی سے قرابت قریبہ رکھتے تھے تفنن طبع کے طور پر شعر بھی کہہ لیتے تھے ایک قدیم بیاض سے یہ چند شعر منتخب ہوئے۔

وہ نزع میں آئے ہیں کہ لینے دے کچھ اُن سے
لِلّٰہ ذرا تھم جا اے دردِ جگر اتنا

ضعیفی میں تو ایسے ظلم کرتا ہے جوانوں پر
اگر اے پیر گردوں تو جواں ہوتا تو کیا ہوتا

جان لے گا کہ کرے گا دلِ جاناں میں اثر
کیا کرے گا یہ مرا دردِ جگر آج کی رات

جنوں تیری بدولت اسقدر صحرا نوردی کی
کہ دامن رہ گیا کانٹوں میں آخر دھجیاں ہو کر

جمیل اس کا سبب کیا ہو کہ آزردہ پھرے وہاں سے
گئے تھے کوچۂ قاتل کو تم نوشاہاں ہو کر

نحیف فرقتِ جاناں نے کر دیا ایسا
قضا بھی پھر گئی سو بار آ کے بستر پر

اے نالۂ شبگیر دکھا حسنِ اثر آج
وہ چاند سا منہ خواب ہی میں آئے نظر آج

اندوہِ شبِ غم سے کبھی جان نہ بچتی
لیتی نہ اگر بیخبری میری خبر آج

کیوں خاک اُڑاتے ہوئے پھرتے ہیں بگولے
کس بے سر و ساماں کا ہوا دنیا سے سفر آج

جب طلب کرتا ہوں بوسہ رخِ روشن کا جمیل
نیچی کر لیتا ہے شرما کے وہ دلدار آنکھیں

جمیل

جمیل جمیل الدین نام شیخ پور انواح فرخ آباد کے رہنے والے تھے۔ خوش کلام اور اچھا کہنے والوں میں تھے میر احسان الدین ممنون کے شاگرد تھے اور بعض تذکرہ نویسوں کے قول کے بموجب میر نظام الدین ممنون سے بھی اصلاح لی تھی۔ جوان قابل۔ وجیہ۔ عاشق مزاج اور خوش اخلاق رند مشرب تھے۔ قدرت اللہ شوق کے تذکرہ میں ان کا کلام نظر سے گزرا اس میں سے چند شعر انتخاب ہوکر درج تذکرہ کیے جاتے ہیں بعض غزلوں میں تمنا تخلص بھی کرتے تھے۔

جبہہ سا دیکھ مجھے نقش قدم پر اپنے
سرگراں ہو کے کہا خاک پہ سر مار پڑا

رونا آتا ہے ہمیں دیکھ کے احوال جمیل
حالت نزع میں ہے کل سے وہ بیمار پڑا

نہ اٹھا گو چوایا منہ میں پانی اسکے شبنم نے
ہوا بیہوش یہانتک دیکھ کر غنچہ دہن تیرا

آنکھوں کا اس پری کے پھڑکنا نجائیگا
وحشی ہیں یہ غزال بھڑکنا نجائیگا

بارش کو چشم تر کی کروں ضبط گو جمیل
بجلی کا آہ کی یہ کڑکنا نہ جائیگا

ہمسے یوں نظریں چرانا غیر سے ہو چار چشم
آپسے ہمکو یہی ہے ای بت عیار چشم

ہو صید مرغ دل از بس وہ صید انداز ہے
پنجۂ مژگاں جس کا چنگل شہباز ہے

پا بگل حیرت سے ہے سرو گلستاں رست کہہ
کس قیامت قد کا یاں قمری خرام ناز ہے

اسکی فوج غمزہ سے ہر روز ہے یہ دو بدو
کچھ جمیل خستہ جاں بھی زور ہی جانباز ہے

شرمندہ اس مژہ سے فقط اب نہ تیر ہے
ابرو کے دور میں بھی کماں گوشہ گیر ہے

دامن سے لگ گیا ہے مگر اسکی اے نسیم
مشت غبار اپنا جو رشک عبیر ہے

کاہیدہ اسقدر ہے یہ بیمار ہجر میں
ق　آتا جو دیکھنے کو صغیر و کبیر ہے

بستر پہ جسم زار کو اسکے فتادہ دیکھ
لیجائے ہے گماں کہ تار حریر ہے

جمیل۔ جمیل الدین جمیل ابن شیخ حفیظ الدین باشندۂ تھانیسر۔ یہ اشعار ایام نابالغی کے ہیں۔ حداثت سن کے سبب مضامین مشتخر خیز ہیں۔ غدر سے پیشتر شہر دہلی میں تعلیم پاتے تھے بعد کا کچھ حال معلوم نہ ہو سکا۔ چند شعر حاضر ہیں۔

چڑھا ہی لیتا اڑنگے پہ اُس ستمگر کو	جو آج کو میں زبردست پہلواں ہوتا
تو نے دیکھی ہیں غیر کی آنکھیں	تیری نظروں میں کب سمائینگے ہم
کہا میں نے کہ اک دن تو ذرا چہرہ دکھا دیجے ق	اسی کیواسطے اتنا ذلیل و خوار پھرتا ہوں
تو ہنس ہنسکر لگا کہنے کہ یوسف تو نہیں کچھ میں	کہ ہر اک کو دکھاتا جلوۂ دیدار پھرتا ہوں
لبِ لال اُس کا ہے مسی آلود	اور کچھ پاں کی سی لالی ہے
لال تو ہے پہ ہے یہ صُمٌّ بُکمٌ	چٹکی سرمہ کی اُسنے کھالی ہے

جمیل

جمیل منشی سید جمیل احمد جمیل ابن منشی سید امتیاز علی سہسوان ان کا وطن اور ۱۲۷۶ھ ہجری سالِ ولادت ہے۔ آپنے صبا و تسلیم اور منیر شکوہ آبادی سے اُردو میں اور زبانِ فارسی میں افتخار الشعرا خان محمد خان شہیر تلمیذ غالب مرحوم سے مشق بہم پہنچائی بسبب ملازمت بھوپال آپکی عمر کا زیادہ تر حصہ رؤسا نامدار و والیۂ ریاست کی ثناگستری میں بسر ہوا۔ چنانچہ بیشمار قصائد و قطعات اور مسدسات و ترکیب بند وغیرہ آپکی تصنیف سے ہیں اشعار میں زبان اور محاورہ کی صفائی کا زیادہ خیال رکھتے ہیں۔ بندش اور اسلوب بیان کا سلیقہ بھی بُرا نہیں۔ یہ اُنکے اشعار ہیں ؎

بارِ عصیاں نہ گنہ گار اُٹھا کر لیجا ئیں	اے خدا راہ میں لُٹ جاے یہ ساماں اُن کا
کچھ بلبلوں کو یاد ہیں کچھ قمریوں کو حفظ	عالم میں ٹکڑے ٹکڑے مری داستاں کے ہیں
کہتے ہیں وہ نگاہ کی زد پر جگر نہ ہو	کیا خوب واں تو تیغ ہو اور یاں سپر نہ ہو
یہ کاوشیں نہیں مژۂ سینہ دوز کی	دیکھو تو میرے دل میں کہیں نیشتر نہ ہو
اے جذب عشق بات بنجائے شبِ فراق	ایسا نہ ہو ہم آہ کریں اور اثر نہ ہو
محشر میں کیوں یہ شورِ تظلم ہے ہر طرف	دیکھو کہیں یہاں بھی وہ بیدادگر نہ ہو
مجکو دکھا کے غیر کو بوسہ نہ دیجئے	بیداد ہو ستم ہو مگر اسقدر نہ ہو
تیغ نگہ کا وار ہے کچھ دل لگی نہیں	کہدو کوئی جمیل سے سینہ سپر نہ ہو

بہت اُس گُل کے بلبل ہیں اُلجھتے کیوں نہیں اُسنے — مجھی پر خار کھائے بیٹھے ہیں کانٹے بیاباں کے
دہشت عبث ہے خلق کو روزِ شمار کی — ہو گی سحر نہ میری شبِ انتظار کی
کیوں ناگوار ہمکو جفائیں ہوں یار کی — ہمدم یہی تو یار کی باتیں ہیں پیار کی
اچھی کہی کہ آپ نہ چاہا کریں ہمیں — گویا کہ ہے یہ بات مرے اختیار کی
آخر چلے نہ آئے چلی شوخیوں کی کیا — دیکھی کشش ہمارے دلِ بیقرار کی
آنکھیں ہیں اور نظارۂ صیادِ گلعذار — حاصل ہے ہمکو سیر قفس میں بہار کی
شہرت پہ وصلِ غیر کی مجھ پر عتاب ہے — لیتے نہیں خبر نگہِ شرمسار کی
مجھسا گناہ گار بھی بخشا گیا جمیل — کیا شانِ عفو ہے مرے آمرزگار کی

میری ہمدردی کا ثمرہ دیکھئے پائینگے کیا — بے اثر تدبیر ہوگی تو نہ شرمائیں گے کیا
ہوں میں ناکامِ ازل وہ میرے کام آئینگے کیا — دوست غمخواری میں میری سعی فرمائینگے کیا
زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ جائینگے کیا

ہاتھ باندھے اور جھکائے ہم رہیں سر کب تلک — بات ڈر ڈر کر کریں با دیدۂ تر کب تلک
تاک میں ہو دم سنو گے کان دھر کر کب تلک — بے نیازی حد سے گزری بندہ پرور کب تلک
ہم کہیں گے حالِ دل اور آپ فرمائینگے کیا؟

خیر سے سمجھے ہوئے ہیں وہ محبت کو گناہ — سیدھے سادے ہیں حقیقت پر نہیں انکی نگاہ
اسکو میں بھی مانتا ہوں ہیں وہ میرے خیرخواہ — حضرت ناصح گر آئیں دیدہ و دل فرشِ راہ
پر کوئی اتنا تو سمجھا دو کہ سمجھائیں گے کیا

انکی ابرو دیکھی ہے شمشیر سے بھاگینگے کیوں — کھائی ہیں چوٹیں نظر کی تیر سے بھاگینگے کیوں
عاشق بدنام ہیں تشہیر سے بھاگینگے کیوں — خانہ زادِ زلف ہیں زنجیر سے بھاگینگے کیوں
ہیں گرفتارِ وفا زنداں سے گھبرائیں گے کیا

جمیل

جمیل - ان کا نام اور حال معلوم نہیں ہوا اتنا معلوم ہے ایک مولوی صاحب سندیلے کے رہنے والے

اور جناب اسیر کے شاگردوں میں تھے ۱۳۰۳ھ ہجری میں موجود تھے یہ اُنکے اشعار ہیں ؎

گیسوئے یار سے دیکھے نہیں بڑھکر گیسو	سُنبلِ باغِ جناں سے بھی ہیں بہتر گیسو
اُسلئے لٹکائے گئے خوب ہوا خوب ہوا	بل کی عاشق سے لیا کرتے تھے اکثر گیسو
کون سا حسن خدا نے نہ دیا اُس بُت کو	خالِ مشکیں خطِ شبرنگ معنبر گیسو

جمیل — **جمیل** - میر محمد سجاد صاحب لکھنوی - باوجود کوشش آپکے حالات دستیاب نہیں ہوئے صرف اتنا معلوم ہوا ہے کہ دور موجودہ کے شاعر ہیں -

یہ نزاکت دیکھنا کرتا ہوں جب بوسہ کا قصد	سُرخ ہوجاتا ہے رنگ اُس شوخ کے رخسار کا
کروٹیں لاکھوں بدلتا ہوں پہ نیند آتی نہیں	رات بھر مجکو ستاتا ہے تصور یار کا
دیکھیں تو آپ آکے کہیں لالہ زار دل	دکھلا رہی ہے رنگِ گلستاں بہارِ دل
سُن کے نامِ وصل آخر اتنا شرماتے ہو کیوں	جانِ جان شکلِ عروس نو جُھکے جاتے ہو کیوں
یہ بھی کہتے ہو کہ میرے کام کا بالکل نہیں	پھر مرا دل اپنی مٹھی میں لیئے جاتے ہو کیوں
جنوں کا جوش کم ہوتا ہے صحت ہوتی جاتی ہے	یہ خارِ دشت کارِ نشترِ فصاد کرتے ہیں
جلوہ جو دیکھا طور پہ غش کھا کے گر پڑے	کھینچے کچھ ایسا تو حضرتِ موسیٰ ہوس نہیں
مطمئن رہنا نہ اے غافل سرائے دہر میں	قبر ہے تیرا مکاں دنیا مسافر خانہ ہے

جمیل — **جمیل** - منشی محمد حسین صاحب جمیل مرحوم - آپ ضلع میرٹھ کے باشندے تھے - مگر بسبب ملازمت عرصۂ دراز تک ملتان میں سکونت پذیر رہے آپ وہاں کی کسی عدالت میں نقل نویس اور مثل خواں تھے - کئی برس ہوئے چالیس بیالیس برس کے سن میں انتقال کیا حضرت داغ دہلوی سے آپ کو فنِ سخن میں تلمذ تھا نعت کہنے کا بھی شوق تھا - چنانچہ عاشقانہ اور نعتیہ دونوں دیوان آپکے شائع ہوچکے ہیں -

اُٹھانا بارِ محبت مُحال کیسا ہے؟	نہ سوچے پہلے سے اسکا مآل کیسا ہے

کبھی سپر کبھی کاندھے پہ کبھی سینے پر	اک طلسمات کا عالم ہے ڈوپٹہ کیا ہے

جمیل

جمیل - جناب میر تراب علی صاحب خلفِ میر ریاست علی مرحوم سابق مہتمم باورچیخانہ نیازات سرکارِ عالی نظام - زمانۂ حال کے شعراء میں ہیں - خلاصۂ کلام ملاحظہ ہو

ترا جمال میں دیکھوں یہ مجھ میں تاب نہیں	حسین لاکھوں ہیں لیکن ترا جواب نہیں
بھروسہ کر کے کرم پہ تیری اے مولا	گناہ اتنے کیئے ہیں کہ کچھ حساب نہیں
ہمارے خط کو جو دیکھا تو بولے قاصد سے	جواب یہ ہے کہ اسکا کوئی جواب نہیں
بعد مردن بھی تمھاری جستجو درکار ہے	مٹ گئے پھر بھی تمھاری آرزو درکار ہے
جسپہ دنیا لوٹ ہے جسمیں کہ ہے حسنِ ملیح	اُس پہ مرتا ہوں اُسی کی آرزو درکار ہے

جنگ

جنگ - منشی جنگ بہادر صاحب جنگ شہر میرٹھ کے رہنے والے خاندانی شخص تھے - عدالت کلکٹری و محکمۂ بندوبست میں عرصہ تک ناظر رہے سرکاری ملازمت سے قطع تعلق کرنے کے بعد مشہور اخبار انیس ہند کی اڈیٹری کا کام قابلیت سے انجام دیا - کسیکی شاگردی نہیں کی - آپ کو انگریزی و فارسی میں بھی کچھ دسترس تھی سخن سنجی - حاضر جوابی ان کا خاص حصہ تھا - ۶ - اپریل ۱۹۰۷ء کو پورے پچاس سال کی عمر میں بمقام لاہور دنیائے فانی کو خیرباد کہا - آپکی تصنیف و تالیف سے کئی کتب مثل چمنستانِ دلچسپ - چمنستانِ معرفت و چمنستانِ صحت وغیرہ شائع ہو چکی ہیں آپکے دو صاحبزادے شاد و رنگ موجود ہیں - کلام کا نمونہ درجِ ذیل ہیں -

سُن کے آمد کی خبریاں بیخودی طاری ہوئی	اُنکے آنے نے مرے جانیکا ساماں کردیا
دل میں حسرت کا ہے خوں ڈھیر ہے ارمانوں کا	کیا بُرا حال ہوا ہے مرے مہمانوں کا
خونِ ارماں کا شبِ وصل بھی کیا کیا نہ ہوا	دل مرا غنچۂ تصویر تھا - گویا نہ ہوا
پاسِ الفت رہا مجنوں کو بیاباں میں بھی	آہوئے چشم کوئی آہوئے صحرا نہ ہوا
جگر میں گیا دل [illegible] کر	اُٹھا درد بھی [illegible] پہلو بدل کر

مرے ساتھ ہے انقلابِ زمانہ	بدل دونگا دنیا کو کروٹ بدل کر
پڑی ہے اوس نالوں سے مرے بلبل کے شیون پر	گرا دو مسکرا کر برق تم پھولوں کے خرمن پر

جنوں **جنون**۔ شاہ غلام مرتضیٰ متخلص بہ جنوں متوطن عظیم آباد و پٹنہ ہمعصر مرزا رفیع السّودا مہذب صورت پاکیزہ سیرت نہایت خوش مذاق۔ اکثر فنوں میں قابل اور کامل۔ بڑھاپے میں نابینا ہو گئے تھے مگر مشقِ سخن میں وہی انہماک تھا۔ نواب مصطفیٰ خان شیفتہ لکھتے ہیں کہ ان کا وطن آلہ آباد تھا اور زہد و تقویٰ میں مشہور تھے۔ دیوانِ ریختہ بھی مرتب کیا تھا انتخاب درج کیا جاتا ہے

کب ماہ اس نمک میں ہمسنگ ہے تمھارا	حقا کہ حسنِ یوسف پاسنگ ہے تمھارا
آنکھیں بھی چڑھ رہی ہیں منہ بھی اُتر رہا ہی	کچھ رنگ ان دنوں میں بیرنگ ہے تمھارا
مجھ گریباں چاک کو تو اُس کا دامن گیر کر	اِس طرح نقشہ اُتار اُسکی مری تصویر کا
مرشدِ کامل ہے درِ عشق ہر مذہب کے بیچ	میں تو کافر ہوں اگر قائل نہوں اِس پیر کا
وہ آنکھ دے کہ جس سے دیکھیں جمال تیرا	یارب جنوں کے منہ پر اِس در کو باز کرنا
پہنچا کوئی کعبے سے کوئی دیر سے پہنچا	تھی جس پہ تری مہر وہی خیر سے پہنچا
طوف باصدق و صفا کیجے دلِ آگاہ کا	میرے مذہب میں یہی ہے حج بیت اللہ کا
مرتا ہوں غمگساری جواب نہیں تو پھر کب	اے یار مجھسے یاری جواب نہیں تو پھر کب
اے جنوں مصرع ترا سودا کے ہے زنجیر پا	قید سے تیری نہیں ہو سکے اب آزاد ہم
دشمن جاں ہو گئی آخر یہ بینائی مجھے	جو بلا کہتے سو ان آنکھوں نے دکھلائی مجھے
تری چشم مست سے ساقیا یہ سیاہ مست جنوں ہوا	کہ مٹے وہ آتشہ طاق پر جو دھری تھی وہ پنج پھر رہی

جنوں **جنون**۔ فخر الاسلام نام دہلی کے مشائخ میں سے تھے اور میر ممنون دہلوی کی شاگردی سے بہرہ یاب تھے۔ ایک شعر اُن کا بلا اور قابلِ درج تذکرہ معلوم ہوا۔

اُٹھی جو شرم تو دونوں ہی دل ملے نکلے	بجز حجاب یہاں کچھ نہ فاصلے نکلے

جنوں **جنون**۔ نواب سراج الدولہ علی محمد خاں بہادر سردار جنگ مرحوم رئیس اعظم فیض آباد خلف

نواب محتشم الدولہ مدبر الملک مرزا باقر علی خاں بہادر فتح جنگ مرحوم۔ نواب فتح جنگ مرحوم کے والد ماجد نواب حسین علیخاں بہادر بانس بریلی اور روہیل کھنڈ کے صوبہ دار تھے۔ اور یہ خود نصیر الدین حیدر کے وزیر نواب روشن الدولہ کے داماد تھے۔ نواب سراج الدولہ نے اوائل مشق سخن میں خواجہ آتش سے اصلاح لی۔ اُنکی وفات کے بعد حضرت اسیر لکھنوی کو اپنا کلام دکھایا۔ آپکی تصانیف سے دو دیوان چھپے ہوئے موجود ہیں۔ شعر خاصہ کہتے تھے تشبیہ اور استعارہ بندی (جس کا اُس زمانے میں زیادہ رواج تھا) کی پابندی آپکے کلام سے مترشح ہے۔ رعایات لفظی کے اسیر تھے۔ نازکخیالی اور زبان کی طرف توجہ کم تھی۔ تاہم کلام میں صفائی اور پختگی پائی جاتی ہے۔ اب انتخاب کلام ملاحظہ ہو۔

حاجیو جاؤ مبارک تم کو کعبے کا سفر
خود مرے پہلو میں گھر موجود ہے اللہ کا

مَیں مسلماں تھا وہ شائد مجھے کافر سمجھا
مصحفِ رُخ کو کبھی ہاتھ لگانے نہ دیا

راحت کی طلب گر دلِ ناشاد کرے گا
کیا جانے فلک کیا ستم ایجاد کرے گا

بوسے کے وعدے پر مرا دل یار لے گیا
یوسف کو مفت مول خریدار لے گیا

مر کر مَیں شوقِ ابروئے خمدار لے گیا
راہِ عدم میں خوف تھا تلوار لے گیا

کیا کیا خیالِ یار نے دھوکے نہیں دیئے
کس روز اُس پہ حور و پری کا نہ شک گیا

زندگی ہجر میں تھی موت سے بدتر تیری
اپنے جینے کی خدا سے میں دعا کیا کرتا

اگر اے آسمان کچھ بسرِ انصاف تو ہوتا
قبائے گل میں تارِ اشکِ بلبل سے رفو ہوتا

اسی مُنہ پر مسیحائی کا دعویٰ آپ کرتے ہیں
کہ بیمارِ غم ہجراں کا درماں ہو نہیں سکتا

زلفِ شب رنگ کو دکھلا کے وہ یہ کہتے ہیں
شب یہ بھاری ہے مرے ہجر کے بیماروں پر

تکلیف دست و بازوے نازک کو تا نہ ہو
ابروِ خدا نے اُسکو دیئے ہیں بجائے تیغ

کیا کہوں وصل میں ہوتی ہے جو عاشق کو خوشی
حق بجانب ہے جو پروانہ ہوا شادیِ مرگ

آمدِ پیکِ اجل بھی ہوئی قاصد نہ پھرا
لب پہ جاں آئی وہ لایا ابھی پیغام نہیں

ظلم سے یار نے چھینا نہ وفا سے پہلے
دل مرا لے لیا وعدے کے دلاسے پہلے

ہاتھ کب آتا تھا مضمونِ دہن
یہ معمہ حل ہوا ادراک سے

شجر نکلا نہ کشتِ عشق میں تخمِ تمنا سے
خدا جانے کہ زیرِ خاک اِس دانے پہ کیا گزری

شراب عید کے دن شوق سے پئیں زاہد
حرام تیسرے فاقہ حلال ہوتا ہے

گالیاں دیکر سخی داتا نہ بنئے مہرباں
دق سمجھئے گا مجکو وہ جو کچھ کہوں درکار ہے

حق تو یہ ہے کہ بہائم سے بھی وہ بدتر ہے
جس بشر کو کہ تمیزِ حق و باطل نہ رہے

نالے وہ پر اثر ہیں دلِ بیقرار کے
گلشن میں ہوش اُڑتے ہیں سُنکر ہزار کے

غلغلہ ہے فیضِ ساقی کا چلو اے میکشو
میکدے سُنتے ہیں ان روزوں دھرم سالے ہوئے

بے سبب ہیں وہ اگر روٹھ کے جانیوالے
گر کے قدموں پہ منالیں گے منانے والے

نہ ہوگی حور کے زانو سے بھی مومن کو یہ راحت
ملی راحت ہمارے سر کو جو خشتِ سرِ خم سے

خاموش ترے سامنے غنچہ کا دہاں ہے
حسرت سے تیری آنکھوں کو نرگس نگراں ہے

جائے حیرت جلوۂ معبود ہے
چشم سے پنہاں ہے پھر موجود ہے

(انتخاب از جلد دوم)

نکرتا گر فلک مجبور اسکو
خدا جانے یہ بندہ کیا نہ کرتا

میں اُسکی خود نمائی کا ہوں کشتہ میری تربت پر
لگاؤ جائے سنگِ قبر آئینہ سکندر کا

گو ضبط سے میں کچھ نہ کہوں چہرے سے مرے
جو اُس پہ قلق ہے وہ نہاں ہو نہ سکیگا

کیا عالم کے چشموں میں تجکو ڈھونڈکر پیدا
نہ تیری سی ہوئیں آنکھیں نہ میری سی نظر پیدا

عشقِ لب جاں بخش میں ہونٹوں پہ رہا دم
اعجازِ مسیحا مرے کچھ کام نہ آیا

کیوں نہ ہو اُسکی اداؤں سے مرا کام تمام
نہ لیا شرم سے عاشق کا کبھی نام تمام

بظاہر گو کہ ہجو صورتِ میخوار رہتے ہیں
بکارِ خویش دیوانے ترے ہشیار رہتے ہیں

کس لئے حشر یہ برپا ہے قیامت کیوں ہے
قُم بإذنی وہ کہیں ہوش میں ہم آتے ہیں

کھا یا جنوں یہ تیر نگہ کس کا راہ میں	جو دل پکڑ کے بیٹھ گئے ایک آہ میں
خط دیکھے نامہ بر سے بھی پہلے رَوانہ ہو	کچھ شوقِ دل کا سبب جُدا کارخانہ ہے
کیا خوف ہمکو گرمئی خورشیدِ حشر سے	سر پر ترا سحاب کرم شامیانہ ہے
شکوہ تیرا کروں معاذ اللہ	میری جانب سے یہ گماں نہ رہے
وطن کی سمت گئے چُھٹ کے قافلے والے	میں پا شکستہ تڑپتا ہوں کارواں کیلئے
جو کہ تقدیر میں تھے رنج و محن دیکھ چکے	کیسے کیسے ستم چرخ کہن دیکھ چکے
باغباں سیر کو آئے تھے بس اب جاتے ہیں	جلوہ حسن عروسانِ چمن دیکھ چکے

جنون

جنون۔ میر فضل علی دہلوی شاگرد میر امانی اسد و شیخ ولی اللہ محب۔ پہلے مست تخلص کرتے تھے۔ محرم الحرام میں کتاب خوانی کیا کرتے تھے۔ یہ اُن کے اشعار ہیں۔

دیکھا سرائے سینہ کو لے کر چراغ دل	دل سوز ایک بھی نہ ملا غیر داغ دل
باندھ کر تلوار جب آیا نظر میرے تئیں	ہو گئی معلوم قاتل کی کمر میرے تئیں
ہوں میں وہ شہباز جسکی سیر گہ تھا لامکاں	عشق نے تیرے کیا بے بال و پر میرے تئیں
یار سے کھیو یہ قاصد کہ جو آنا ہے تو آ	ہم تو جائیں چلے دنیا سے یہ ارمان رہے

جنون

جنوں۔ میر مہدی خلفِ میر عباس عرف میر مغل فیض آبادی مقیم لکھنؤ۔ میر رضی رضا کے چھوٹے بھائی اور رشک لکھنوی کے شاگرد تھے یہ اُنکے اشعار ہیں۔

گویا کہ گھڑی نور کی رکھی ہے کمر میں	ایسی ہے منور تری اے رشکِ قمر ناف
کسی سے تارے نہیں دیکھے چاند میں اب تک	تمھارا چاند سا چہرہ ہے اور ستارے گال
رخسار دونوں مہر ہیں ابرو ہلال ہیں	گر مانگ کہکشاں ہے تو ماہِ مبیں جبیں
گو وصلِ یار تھا پہ لڑائی نہیں گئی	میری اور اُسکی خوب لڑی رات بھر زبان

جنون

جنوں۔ سید رحمت علی صاحب جنون بریلوی شاگرد حکیم نیاز احمد خان صاحب ہوش آپ شیعہ مذہب تھے اور ۱۲۷۱ھ میں بریلی میں موجود تھے شعر خوب کہتے تھے اور وہاں کے مشاعروں

میں شریک ہوا کرتے تھے۔ چند غزلیں نظر سے گذریں اُن کا انتخاب حاضر ہے۔

جبتک نہ ہاتھ شربت دیدار آئیگا
تجھکو بخار اے دل بیمار آئیگا

ابرو کے پاس خواب میں دیکھی ہے چشم مست
تعبیر یہ ہے کعبہ میں میخوار آئے گا

پھر نگاہِ یار کا چھیڑوں گا ذکر میں
لیتا ہوا جو نوک کی سوفار آئیگا

دہانِ زخم کو بوسہ تو خنجر کا میسر ہو
خدا کیواسطے قاتل لگا اک اور بھی چرکا

ہو کے بسمل بھی محبت تیغ قاتل کی ہے
ہر دہانِ زخم نے بوسہ لیا تلوار کا

دید کے قابل ہے رحم اُن کا کہ وقت نزع وہ
پانی ٹپکاتے ہیں میرے حلق میں تلوار کا

مرگ کے بعد ہوا خانۂ تربت پُر نور
شمع کا کام کیا داغ نے روشن ہوکر

جان دی مر مر کے میں نے حسرتِ دیدار میں
خاک سرمہ بن کے پہنچی کیوں نہ چشم یار میں

کیوں نہیں لیتی مریضِ ہجر کی آکر خبر
موت کو بھی موت آئی کیا فراقِ یار میں

عشق نے برباد کردی حسن کی دولت جنون
کوڑیوں کے مول یوسف بک گیا بازار میں

اے صنم یہ نہ سمجھنا کہ ہیں ہم خانہ بدوش
اب خدا چاہے تو ہمیں ترے گھر کرتے ہیں

پہلے دینار کے ملتے ہیں ہمیں درہم داغ
آسماں سے جو کبھی خواہشِ زر کرتے ہیں

ذبح اپنے ہیں اگر قاتل سے کچھ تاخیر ہو
ہر رگِ گردن ہماری قتل کو شمشیر ہو

بعدِ مردن بھی اگر آوارگی یوں ہی رہی
خاک اپنی دیکھئے کس کس کے دامنگیر ہو

کوئی تو زلفوں کو چھیڑے گالیاں ہم پر پڑیں
ہم گنہگاروں میں ٹھیریں غیر سے تقصیر ہو

نامہ بر دیتا ہے دھوکا میں نہ مانونگا کبھی
سر قلم کردوں جو اُسکے ہاتھ کی تحریر ہو

تمہارے کوچے میں پاتے ہیں ہم پتا دلکا
اگر ہنسی میں لیا ہو تو اب عطا ہو جائے

فنا کے بعد پریشانیاں نہ اپنی گئیں
ہوا چمن میں رہے دشت میں غبار رہے

وہ چشم مست سے دیکھے کبھی جو ایک نظر
تو میں تو کیا ہوں کہ زاہد کو بھی خمار رہے

کیا ہے بولنا موقوف بوسۂ رُخ پر
غضب ہے چوم کے مصحف گناہگار رہے

جنون

جنوں۔ شیخ محسن علی صاحب عرف کلن متخلص بہ جنوں متوطن بنارس شاگرد مرزا صابر گورگانی۔ ان کا صرف اسقدر حال معلوم ہوا ہے کہ سنہ ۱۲۷۴ھ میں زندہ تھے۔ فن شعر میں اپنے اُستاد کی روش کے پیرو تھے۔ اب کلام ملاحظہ ہو۔

تجھ سے وہ سر بسر ہو جس میں سب یہ آبلے پُر ہو ۔۔۔ عقل ہو تدبیر ہو تقریر ہو تحریر ہو
جُرم پر بوسہ کے حکم قتل ہے بے منصفی ۔۔۔ جسکی ہو جیسی خطا ویسی اُسے تعزیر ہو
ہوتی ہے اُلفت سے اُلفت کسطرح نکلے کوئی ۔۔۔ دشت وحشت میں جو اک خار دامنگیر ہو
کچھ تو ہوگی دل کو تسکین ہجر میں یہ ہی سہی ۔۔۔ بھیجدو اپنی تمہارے پاس گر تصویر ہو
ق
مجھے ہو قسمت تمام عشق دل سے پسند ۔۔۔ کہ تا کسی کی کسی سے نہ کم بہار رہے
برنگ لالہ دل و سینہ و جگر پہ مرے ۔۔۔ مدام داغ جُدائی کے چار چار رہے
دیدیا کیا یہ مسیحا نے دوا سے پہلے ۔۔۔ کہ شفا کیسی گئی جان قضا سے پہلے
زلف کو چھونے نہ پائے تھے کہ پہنی زنجیر ۔۔۔ خوب تعزیر ملی ہمکو خطا سے پہلے
کبھی عیسیٰ کا میں طالب ہوں کبھی قاتل کا ۔۔۔ دیکھوں کون آئے مرے پاس قضا سے پہلے
نزع کے دم ملک الموت سے جھگڑا ہو پڑا ۔۔۔ آپ آئیں جو مرے پاس قضا سے پہلے
کیا ترے ابروے پُر خم سے مقابل ہوگا ۔۔۔ ماہِ نو بحث تو لے ناخن پا سے پہلے
پر لگیں پاؤں کے بدلے جو بلائے وہ یار ۔۔۔ اے جنوں اُڑ کے ابھی جاؤں ہوا سے پہلے
مجھے نفع کرتی محبت مگر ۔۔۔ تری بے نیازی ضرر ہوگئی

جنون

جنوں۔ عالیجناب خان بہادر قاضی عبدالجمیل صاحب جنوں تلمیذ جناب مرزا اسد اللہ خان غالب رئیس اعظم بریلی انکے بزرگ شاہانِ مغلیہ کے عروجِ سلطنت کے زمانہ میں مصر سے دہلی میں آئے بادشاہِ وقت نے بہت قدر و منزلت کی اور ہمیشہ مناصبِ جلیلہ پر ممتاز رہے کبھی مختلف شہروں کے صوبہ رہے کبھی سفارت کا معزز اور نازک کام انجام دیا پھر بانس بریلی کے قاضی رہے۔ شاہانِ دہلی و صوبہ اودھ میں جو اہم اُمور

اور نزاعات ہوجاتے وہ سب اِنکے توسط سے طے ہوتے تھے جسکے صلے میں خطابات وجاگیریں وخلعتِ فاخرہ سے سرفراز ہوتے رہے۔جب رہیل کھنڈ فتح ہوا تو نواب شجاع الدولہ وزیر الممالک نے اپنے شقہ میں ایک بیش بہا سند عطا فرمائی۔اوائل دورِ انگلشیہ میں بھی آپ نہایت باوقروبارسوخ رہے ؀

قاضی صاحب ممدوح ۱۲۵۱ھ ہجری میں پیدا ہوئے ۱۸ برس کی عمر میں فارسی وعربی کی تکمیل کی۔مختلف علوم عربیہ میں مہارت بدرجۂ کمال تھی۔آپ کو مرزا نوشہ غالب مرحوم سے تلمذ تھا۔مرزا کو اپنے لائق شاگرد سے مہر مفرط تھی اُنکے ہر ہر خط کے ایک ایک فقرہ سے محبت ٹپکتی تھی۔کہیں لکھتے ہیں "آپ کی ارادت میرا ذریعہ فخر وسعادت ہے" کسی جگہ ارقام ہے "اگر قوتِ ناطقہ پر کچھ بھی تصرف باقی ہوتا تو آپ کی تعریف میں ایک قصیدہ۔اور آپکے کلام کی تعریف میں ایک رباعی کہتا" تاریخ گوئی میں بھی ملکہ تھا افسوس کہ اپنا کلام سب تلف کردیا اُنکے احباب کی زبانوں پر یا مرزا نوشہ کے خطوط میں جو کچھ مِل سکا وہ جمع فرماکر شفیقی ومکرمی قاضی محمد خلیل صاحب نے عنایت کیا۔درج تذکرہ کیا جاتا ہے۔

جو تجھ سے ہمکو ملا کافر و بید میں ہی ملا
نہ ہوا حشر وہ بیوجہ گوارا گل کا
کہاں یہ تاب کہ آنکھیں ملا سکوں تجھ سے
دیکھکر اُس بُت کو کیا کہیئے کہ کیا یاد آگیا
میں جو رخصت ہوکے اُن سے پھر گیا تو یوں کہا
ہے سرِ شام ہی سے بھاری رات
سحر سے ہی تھا گلہ جور و تغافل ایجان
کیجیئے شکوہ وہم تیغ نگہ کا کیونکر
سامنے سے یوں نکل جاتے ہیں وہ

جسکو دیکھا اُسے غارتگرِ ایماں دیکھا
ہم نہ کہتے تھے نکر سیرِ گلستاں دیکھا
کہ اک نگہ میں دگرگوں ہے حال محفل کا
ہمکو اُسکی بے نیازی سے خدا یاد آگیا
کیوں گئے کیوں آئے کیا بھولے تھے کیا یاد آگیا
ہائے کیسی کٹے گی ساری رات
تم پشیماں نکرو مجکو پشیماں ہوکر
کہ مرے تن پہ کوئی زخم نمودار نہیں
اُن سے گویا کچھ شناسائی نہیں

اُنھوں نے آئینہ دیکھا تو مَیں نے مُنہ اُن کا
بیمارِ عشق کو نہ لگا ہاتھ اے طبیب
بس ہی لطف و عنایت ستم و جور ہی ہو
گرم کیوں ہوتے ہو اغیار کے آگے مجھ پر
تاب و طاقت سے دیا فرقتِ جاناں میں جواب
گالیاں کھا کے رہوں چُپ یہی بات اچھی ہو
آیا نہ اُن کو تفرقۂ جان و دل پسند

حواس ہوش بجا واں نہیں تو یاں بھی نہیں
کچھ دردِ سر نہیں ہو کہ اچھا ولے سے ہو
غم تو یہ ہے کہ نہیں حال کا پُرساں کوئی
آگ میں ڈال دیئے پر یوں نہ جلایا کیجے
بارِ غم ناز نہیں ہے کہ اُٹھایا کیجے
گر بگڑتا ہوں تو وہ اَور بناتا ہے مجھے
دل لیچکے تھے جان بھی اب آکے لیچلے

ہو نہ موقوف جنبشِ مژگاں
ہجر میں کون تھا مرا ہمدرد
بل بے شوخی اُس نگاہِ ناز کی

ابھی خواہش ہے زخمِ کاری کی
کچھ ترے غم نے غمگساری کی
ایک برچھی سی جگر میں لگ گئی

جنون **جنوں**۔ مولوی محمد عمر جنوں ابن مولٰنا حاجی محمود میاں صاحب ساکن ریاست مانگرول صوبۂ کاٹھیاواڑ۔ آپ کی عمر اب پچاس برس کے قریب ہے شیخ محمد حسین میاں اور اُنکے بھائی جہانگیر میاں کے عہدِ ریاست میں اِنھوں نے اور انکی شاعری نے تربیت۔ اور پرورش پائی۔ یہ خود نواب صاحب مذکور سے اُستادزادگی کی خصوصیت رکھتے ہیں۔ نواب مرحوم کی ریاست اگرچہ مختصر تھی مگر نہایت بامروّت اور سیرچشم رئیس تھے اہل علم اور باکمال آدمیوں کے قدردان اور اُردو شاعری کا اعلیٰ مذاق رکھتے تھے۔ چنانچہ اُنکی فیاضیوں کا ایک کرشمہ یہ بھی تھا کہ نواب فصیح الملک مرزا داغ۔ حکیم ضامن علی جلال۔ منشی امیر اللہ تسلیم اور جناب شمشاد لکھنوی سے اُستادوں نے مانگرول جیسے دُور اُفتادہ مقام کو گاہ گاہ اپنے قدوم میمنت لزوم سے رشکِ گلزار کیا اور وہاں اُردو شاعری کا چمن لگایا۔ نواب کے شوق اور مصاحبت کیوجہ سے جناب جنوں کو بھی اس فن کی طرف توجہ ہوئی آپنے حضرت جلال لکھنوی سے استفادہ کیا۔ حضرت تسلیم نے جب ان کا مختصر دیوان ملاحظہ

کیا تو تاریخ کہی ۵۵ھ زہے رفعتِ فکرِ استادِ فن ٭ جنون زباں دان وشیریں سخن٭ ٭
میلانِ خاطر صیغہ جوڈیشل کیطرف رہا اور ریاست میں موافق قانون برٹش عدالتوں کی وکالت کرتے
رہے۔ علاوہ اسکے میر منشی گری اور دیگر معزز عہدوں پر مامور رہے۔ بالفعل ریاستِ
مذکور میں دیوانی جج و ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ و رجسٹرار کے معزز عہدوں پر ممتاز ہیں۔ مگر اس
سال اُن کے ممدوح گرامیقدر کا اچانک انتقال ہونیسے دل خستہ اور جگر فگار ہیں اور
خود انھوں نے مصنفِ تذکرہ کو لکھا کہ "وہ رئیس کیا رحلت کر گئے ہمکو بے موت مار گئے۔
لطفِ زندگی جاتا رہا۔ اب تو شاد باید زیستن نا شاد باید زیستن کا نقشہ ہو گیا"۔ اُنکا یہ کلام ہے

محبت تیرا سمائے دلمیں ایسا ہو نہیں سکتا
خدا کا گھر جو ہوتا ہے کلیسا ہو نہیں سکتا
یہ وہ دھاگے ہیں انساں کو پھنسا لیتے ہیں دم بھر میں
کسی معشوق کا اقرار سچّا ہو نہیں سکتا
چلا لو اپنے کشتہ کو خرام ناز سے اُٹھو
مسیحائی کا دعویٰ اور اتنا ہو نہیں سکتا
ذرا سینے پہ اپنا دستِ نازک رکھ کے پھر دیکھو
غلط ہے عشق کا بیمار اچھا ہو نہیں سکتا
اُتارو شرم کا بُرقع جو آئے ہو ہنسو بولو
بھری ہے تم میں وہ شوخی کہ پردا ہو نہیں سکتا
نگاہِ ناز کا دلپر کچھ ایسا چل گیا جادو
کہ اب تو وہ کسی پہلو سے سیرا ہو نہیں ہو سکتا
جنوں دیوانے ہو اسکو جو تم اپنا سمجھتے ہو
کسی کی اصل کیا ہو وہ کسیکا ہو نہیں سکتا

سینے میں جا کے دل ہی کو تاکا غضب کیا
قرباں نگاہ یار تری دیکھ بھال کے
چلنا وہ جھوم جھوم کے سینہ اُبھار کر
انداز ہائے رے تری مستانہ چال کے
کسی کا نیچی نگاہوں سے مُسکرا دینا
سمجھنے والا سمجھتا ہے غیر کیا سمجھے
خفا نہ ہو جو لیا بوسہ چشمِ میگوں کا
مجھے نے مست کیا ہے پلا پلا کے مجھے
ستاؤ جتنا جی چاہے مگر یہ بھی تو سُن رکھو
وہی طرزِ جفا اچھی ہے جس میں کچھ ادا نکلے
ہماری وضعداری ہمکو اُف کرنے نہیں دیتی
گلا گھونٹے وفا آکر جو مُنہ سے کچھ گلا نکلے
فلک وہ چاند کا ٹکڑا جو آئے پھر ستا لینا
کہ تیرے دلکا بھی اچھی طرح سے حوصلا نکلے

خاک جا لپٹی کس کے دامن سے	کون گزرا یہ میرے مدفن سے
اک اشارے ہیں دل کو لے لینا	کوئی سیکھے تمھاری چتون سے
اُٹھے پہلو سے وہ جو وصل کی رات	جسم سے جی نکل گیا سن سے
مجکو رونا اُسی کا ہے ہمدم	میرے ہوتے ملیں وہ دشمن سے

جوّاد

جواد۔ سید جواد علی صاحب شاگرد ہنر و بقا غازی پوری۔ دور موجودہ کے شاعر ہیں۔ جو کلام نظر سے گزرا اُس کا خلاصہ حاضر ہے۔

عیاں ہے سینے سے نور آفتاب داغ ہجراں کا	کرن خورشید کی ہر تار ہے میرے گریباں کا
میسر ہو نہ جبتک شربت دیدار جاناں کا	دوا بیکار ہے بچتا نہیں بیمار ہجراں کا
جو یاقوت لب رنگین کبھی اُس شوخ کے دیکھے	لہو ہو ہو کے بہ جاے جگر لعل بدخشاں کا
نہ شوق سیر گلشن ہے نہ ذوق وحشت پیمائی	ترے وحشی کو خوش آیا ہے رہنا ابتو زنداں کا
اے ستمگار ہوا اب تو کلیجہ ٹھنڈا	لے تڑپ کر ہوا بسمل ترا قاتل خاموش
طے نہ جبتک ہو رہ عشق رہے نالہ کشی	جرس دل ہو پہنچکر سر منزل خاموش

جوان

جواں۔ مرزا نعیم بیگ متخلص بہ جواں شاہ جہاں آبادی باشندۂ کوچۂ چیلاں دہلی ملازم خاص مرزا سلیمان شکوہ فن سخن میں حضرت مصحفی کے شاگرد تھے۔ آپ خوش رو وجیہ جوان تھے۔ طبع موزوں اور اس فن کے مناسب پائی تھی۔ جوانی میں لکھنؤ جاکر صاحبعالم کے ملازم ہوئے اور مصحفی اور انشا کے مطارحات میں شریک رہے۔

پہلو میں دل اپنے کو بھی غمخوار نپایا	یہ خوبی قسمت کہ کوئی یار نپایا
ازبسکہ ہوئی گرمی خورشید قیامت	کوچے میں ترے سایۂ دیوار نپایا
ظلم و ستم و جور سبھی ہمنے اُٹھائے	جب اور کوئی تجھسا طرح دار نپایا
ہم بیچتے آئینۂ دل تیرے ہی ہاتھوں	پر ہمنے تجھے اس کا خریدار نپایا
یہ ان دنوں جو ہمسے اتنی رکھائیاں ہیں	شاید کسی نے کچھ کچھ باتیں سکھائیاں ہیں

اے عندلیب سچ کہہ کیا فصلِ گل پھر آئی	فوجِ جنوں کی ہم پر کیسی چڑھائیاں ہیں
کس بے ادب نے تم سے گل بازی آج کی ہے	آنکھیں تمھاری پیارے کیا سخت آئیاں ہیں
کسکو اپنی سفارش کیواسطے اُس پاس	جو لیکے جاؤں تو اُس کا وہ آشنا نکلے

جوان

جوان۔ محب اللہ نام۔ دہلی کے رہنے والے میر عزت اللہ عشق کے شاگرد تھے معلم گری کیا کرتے تھے اور فنِ طب سے بھی لگاؤ تھا۔ یہ اُنکے اشعار ہیں۔

تو بہت ہوگا پشیماں بات اُس کا گر لگا	فکر میں تیرے دِلا پھرتا ہے بازی گر لگا
حامی ہیں بدعتوں کے امیر و غریب سب	یارو یہ رہ گئے ہیں مسلمان آج کل
چشم و ابرو کا گرفتار نہ رکھا صد شکر	عشق نے اپنی طرف راہ بتائی مجکو

جوان

جوان۔ بابو ہزاری لال صاحب جوان شاگرد منشی غلام حسین صاحب قدر ۱۸۷۴ء میں لکھنؤ میں موجود تھے اسکے سوا زیادہ حال معلوم نہ ہو سکا۔ یہ کلام ہے۔

ہم تم سے کوئی روزِ ازل رخنہ گر نہ تھا	انسان تو چیز کیا ہے ملک کا گزر نہ تھا
کیا کیا عذابِ ہجر مری جان پر نہ تھا	تیرے بغیر گور سے کم مجکو گھر نہ تھا
پتھر کا تیرا دل ہے تو فولاد کا جگر	اسپر بھی میرا نام کوئی بے اثر نہ تھا
ہم چھپ کے پیتے کیوں رمضاں میں بھلا شراب	واعظ کا خوف کیا جو خدا ہی کا ڈر نہ تھا

جودت

جودت۔ صاحبعالم مرزا سکندر شاہ۔ آپ حضرت بہادر شاہ ثانی کے فرزند دوئم مرزا شاہرخ بہادر کے زجہ تمام مرشد زادوں میں لائق ترین اور جوہر قابل تھے صاحبزادے ہیں۔ محکمہ میونسپل کمیٹی دہلی میں بعہدہ انسپکٹری گشت مامور تھے۔ پھر علی گڑھ محمڈن کالج میں بورڈنگ کے منتظم رہے۔ اب ۶۵ سال کے قریب عمر ہے۔ مرزا قادر بخش صابر مرحوم کے تلامذہ میں ہیں۔ زبان ٹکسالی اور اسی چار دیواری کے اندر کی ہے جہاں سے نکل کر اردوئے معلّی نے فروغ پایا۔ مذاقِ سخن بھی اچھا ہے۔ بندش چست اور سب طرح درست ہے مگر کم گو بہت ہیں۔ کبھی کبھی دوستوں کے اصرار سے طبع آزمائی کر لیتے ہیں

اپنے شوق سے کچھ نہیں کہتے - یہ اُن کے کلام کا انتخاب ہے ؎

جوشِ وحشت میں مرا پھر دلِ ناشاد آیا
کونسا دشت ہے باقی جو اِسے یاد آیا

میرے گریہ کا طوفاں ہی کہ ہے تو یہ جوش میں دریا
حبابِ چشم ہے میرا کہ ہے سرپوش میں دریا

میری باتوں سے عدو محفل میں سب کٹ کٹ گئے
شکر ہے رنگِ بیاں غیروں کو خنجر ہوگیا

رکھتے ہیں اپنی نظر میں آپ عاشق کا قصور
جُرم اے جودت مرا مجھ سے بھی بڑھکر ہوگیا

یہ تو ہم پہلے ہی بس جان بچکے تھے جی میں
عشق جب دل میں ہی پھر جان کا بچنا کیسا

دل لگی سمجھے ہوئے ہیں ابھی الفت کو رقیب
دیکھنا ہوتا ہے دشوار نبھانا کیسا

عشق کی مجھ سے حقیقت کوئی پوچھے جودت
جان کھو بیٹھنا ہے دل کا لگانا کیسا

رواں آنکھوں سے اشکِ خوں کے مر دنرات بہتے ہیں
لہو کا اِک یہی دیکھا ہے اپنے ہوش میں دریا

سب نے چھوڑا نہ چھوڑا پر غم نے
اس رفاقت کو دیکھتے ہیں ہم

جان تک کی نہیں ہے کچھ پروا
دل کی ہمت کو دیکھتے ہیں ہم

جان و دل آپ پہ قرباں کیے بیٹھے ہیں
آپ ہم موت کا ساماں کیے بیٹھے ہیں

ہزار دشمنِ جاں اپنا آسماں بنجائے
سمجھ لوں اُس سے اگر کوئی مہرباں بنجائے

جو سُن لے نام نہ لے پھر وہ عشق کا یارب
مرا فسانہ یہ عبرت کی داستاں بنجائے

دل میں مرے مٹ گئی فغاں کی
اَب خیر نہیں ہے آسماں کی

بھولے نہ کبھی حقیقت اپنی
یہاں رہ کے خبر رکھی وہاں کی

ق

نکلے جو خودی کے جال سے ہم
اور چھوڑ دی راہ این وآں کی

ہر وصف میں ذات ہی کو پایا
سب اُٹھ گئی دوئی درمیاں کی

وصل میں کیونکہ شکایت ہو ستم کی اُسکے
کل شب ہجر میں ہم اُسکے بھی خواہاں ہونگے

دیکھکر حسنِ صنم رام ہوں اے جودت
ایسے بچتے تو بہت کم ہی مسلماں ہونگے

بل جبیں پر بھی ہیں زلفوں میں بھی معلوم نہیں
وہ ہیں بگڑے ہوئے یا زلف پریشاں ہے

افسوس ہے کہ ہمکو ملاقات بھی نصیب | ضایع ہے وقتِ واپسیں جودت نہیں ہوئی
اِس تجاہل کے ہیں قربان کہ وہ رشکِ مسیح | آکے خود پوچھتا ہے درد کا درماں ہمسے
کسکو نقاب اُٹھتے ہی حیرت نہیں ہوئی | لو حشر میں بھی اُنکو ندامت نہیں ہوئی

جودت - محمد شیث جودت ساکن میرٹھ شاگرد مولانا شوکت - ۳۴ - ۳۵ برس کی عمر ہے اور علمی استعداد معقول حاصل ہے - کچھ کلام نظر سے گزرا اُس کا انتخاب درج ذیل ہے

ازل سے جو کہ کجرو ہیں کبھی سیدھے نہیں ہوتے | کھنچی شانہ ہیں لیکن نہ نکلا زلف پیچاں کا
خود سیہ بختی پہ اپنی کھاتے ہیں ہم پیچ و تاب | کیوں بلا بن کر لپٹتے ہیں ترے گیسو ہمیں
ہر رنگ میں زاہدوں کے مکاری ہے | صورت میں خضاب کے سیہ کاری ہے
ہو کعبہ میں چوم کر نہ پتھر کو شباب | توحید کو یہ بات بہت بھاری ہے

جودت - جناب سید فضل حسین عرف میر منشی صاحب - یہ آجکل کی شاعر اور انجمن معیار کے ایک رکن ہیں - کلام میں شوخی اور طبیعت میں رنگینی ہے - چند غزلیں ملیں اُن کا انتخاب درج تذکرہ کیا جاتا ہے -

دفن کے وقت اقربا میں ذکر یا و سانہ تھا | گور میں میں تھا - دہانِ گور پر افسانہ تھا
آپکی جب تک عنایت تھی عدو بھی دوست تھے | آپ جب برہم ہوئے ہر آشنا بیگانہ تھا
آج سب ہے ساقی محفل کل سی کیفیت نہ تھی | گو وہی شیشہ وہی مے تھی وہی پیمانہ تھا
پیاپے دورِ جام مے سرِ محفل پسند آیا | ترا لطف و کرم ساقی دریا دل پسند آیا
نہ تھی اُمید جبکی تم سے وہ الفاظ سنوائے | ہمیں بھی آج اپنا اضطرابِ دل پسند آیا
طلب ہی مجھہ سراپا داغ کی اس بزمِ عشرت میں | یہ گلدستہ سپے آرایش محفل پسند آیا
خدا جانے وہ کیا سوچے ہیں کیا انجام ہوتا ہے | ابھی اس دل سے نفرت تھی ابھی دل پسند آیا
اللہ رے جذب شوقِ شہادت کہ وقتِ ذبح | خنجر لپٹ کے شہ رگِ بسمل میں رہ گیا
پھیلا ہوا ہے ہاتھ عبث طمع مال میں | جو کچھ بلا وہ کب کفِ سائل میں رہ گیا
اُٹھ اُٹھ کے بیٹھ بیٹھ کے طے راہِ عشق کی | ہر گام پر یہ سمجھا کہ منزل میں رہ گیا

جودت **جودت** منشی جا و بیر سہائے متخلص بہ جودت ولد منشی بنواری لال صوفی ذات کایستھ آپ کا اصلی مسکن موضع مان پور شہر گیا سے ایک میل پورب ہے مگر اب چند سال سے گیا میں بود و باش اختیار کی ہے آپ عرصہ تک گورنمنٹ پلیڈر گیا کے سرکاری محرر رہے آپکی عمر اسوقت یعنی ۱۹۰۸ء تک قریباً یکاون برس کے ہوگی سید فصیح الدین حشر اور حکیم عابد علی کوثر کے شاگرد ہیں۔ آپکی چند غزلیں جو دستیاب ہوئیں اُن کا انتخاب حاضر ہے

اُنکی آنکھوں پہ چڑھے کیا دل کسی بیتاب کا ۔۔۔ پنجۂ مژگاں سے قطرہ کب اُٹھا سیماب کا
آنکھ بھر آتی ہے جودت یاد میں اُس مست کی ۔۔۔ دیکھتا ہوں جب بھرا ساغر شرابِ ناب کا
طور پر برق جو چمکی ہوسے موسیٰ بے ہوش ۔۔۔ جلوۂ رُخ کے سوا اس میں کوئی راز بھی تھا
کج ادائی نے تمھاری یہ اثر دکھلایا ۔۔۔ پڑ گئے زلفِ سیہ فام میں خم آپ سے آپ
اب وہی قاتل وہی سفاک ہیں خونریز ہیں ۔۔۔ کانپ اُٹھتے تھے جو خونِ مرغِ بسمل دیکھ کر
بحرِ ہستی میں نکر ایّامِ پیری کا ملال ۔۔۔ لوگ خوش ہوتے ہیں کشتی قربِ ساحل دیکھ کر
نشانِ نقشِ پائی رفتگاں پایا نہ عالم میں ۔۔۔ اُڑائی منزلوں کی خاک گردِ کارواں ہو کر
دمِ آخر تھی کیوں حیرت کی صورت چشمِ بسمل میں ۔۔۔ نظر آتا تھا کیا آئینۂ شمشیرِ قاتل میں
نظر آیا جو نہ مقتل میں وہ قاتل مجکو ۔۔۔ کر دیا شوقِ شہادت ہی نے بسمل مجکو
تمنّا ہے قدمبوسی مبارک خاکساروں کو ۔۔۔ کہ اب وہ روندتے ہیں مٹنے والوں کے مزاروں کو
عدو کو بھی ہے دعوی سرفروشی کا تو بہتر ہے ۔۔۔ اُنھیں کو آزما لو پہلے پھر ہم جاں نثاروں کو

دیدۂ پُرنم سے جو گریا درمانِ دلِ بیتاب کا ۞ اضطراب آئینہ سے ظاہر تھا سیماب کا ۞

جودت **جودت** منشی عبداللہ چاؤش حیدرآبادی۔ شاگرد منشی نادر علی برتر زیادہ حال معلوم نہو سکا۔ کلام حاضر ہے۔

کہنا کسیکا وصل میں یہ چھیڑ چھیڑ کر ۔۔۔ ہوگا نصیب پھر نہ یہ دن دیکھنا کبھی
واعظ نصیحتوں سے تری فائدہ ہے کیا ۔۔۔ یہ رند بھی ہوئے ہیں کہیں پارسا کبھی
دکھا دینگے تمھیں اک روز ہم فرقِ حق و باطل ۔۔۔ یہ دعوی جسقدر ہے مدّعی کا امتحاناً ہے
پئے وصلِ صنم اب ہر چہ بادا باد دل میں ہے ۔۔۔ کرونگا کوششیں میں کوششوں کی انتہا ناک ہے

جوش

جوش - رحیم اللہ دہلوی عرف رحمو - بے پڑھے لکھے آدمی تھے مگر مبدء فیاض سے طبیعت موزوں عطا ہوئی تھی اُسی کی بدولت شعر و سخن میں اپنی فکر رسا کے جوہر دکھاتے تھے پہلے مرزا فدوی کے شاگرد ہوئے اُنکی وفات کے بعد مصحفی سے شرف تلمذ حاصل کیا - آزاد منش یارباش بے تکلف آدمی تھے اکثر ہولی کے زمانے میں دوسرے آزادوں کی تقلید میں جابجا گلی گلی کوچے کوچے غزل خوانی کرتے پھرتے تھے ۱۷۹۳ء میں بمقام دہلی موجود تھے یہ اُنکے اشعار ہیں

ظرف پیا اپنے نظر کر تو ابھی لڑکا ہے	مُنہ صراحی سے نہ او دلبر میخوار لگا
ہیں سے جو کہا تجھ بن کیا کیا نہ الم گزرا	بولا کہ ابے تیرا روتے ہی جنم گزرا
دریا مری آنکھوں سے نت جاری لہو کا ہے	بے درد تو کیا جانے کیا حال کسو کا ہے

جوش

جوش - میر وارث علی مرحوم جوش شاگرد شیخ امام بخش ناسخ - اوائل اُنیسویں صدی میں لکھنؤ میں زندہ سلامت موجود تھے - تذکرہ سراپا سخن سے کلام تحت نقل ہوا ؎

کاکل شبگوں نہیں لے جان جاں بالائے سر	ہے چراغ روئے روشن کا دھواں بالائے سر
ہم فقیروں کے ہولے سلطنت سر میں نہ آئے	گر ہما آکر لگائے آشیاں بالائے سر
تیر جو تیرا لگا ہے سر پہ او ناوک فگن	ہے دہان زخم میں گویا زباں بالائے سر
کیا خفا ہوتے ہیں کہتے ہیں نکل جاؤں کہاں	تو نے نالوں سے اٹھایا ہے مکان بالائے سر
جوش وحشت میں ہوا ای جوش یہ سودا ہمیں	پھاڑ کر دستار رکھیں دھجیاں بالائے سر

جوش

جوش - شیخ نیاز احمد معروف بہ اللہ دیا جوش - خواص مرزا فخرو ولیعہد حضرت ذوق کے عزیز ترین اور رشید شاگردوں میں تھے - کرانہ ضلع مظفر نگر اصلی وطن تھا مگر دہلی میں سکونت اختیار کی تھی - طباعی - ذہانت سخن فہمی اور نکتہ سنجی میں یگانہ آفاق تھے ۱۲۷۱ھ میں بعمر ۲۵ سال انتقال کیا - شعر بہت خوب کہتے تھے اور از سرتاپا اُستاد کے رنگ میں ڈوبے ہوئے تھے سو ہی زبان - وہی بندش - وہی لطف محاورہ غرض سارے اسلوب وہی تھے - موت سے چند روز پہلے شاعری سے توبہ کی اور اپنا دیوان جلا دیا اُستاد

سلہ بعض لوگ اس شعر کو صاحب میر آلم خلف میر درد کا بتاتے ہیں ؎

ذوق نے جب یہ سنا تو بیحد رنج کیا۔ کیونکہ تمام تلامذہ میں انھیں کو قابل ترین طباع سمجھتے تھے۔

کیوں غل ہے مری نعش پہ نوحے کی صدا کا		رونے کا نہیں وقت یہ ہو وقت دعا کا
پوچھے کوئی کیا میں نے بگاڑا تھا صبا کا		اُس کوچے میں اُسنے جو اڑایا میرا خاکا
غش آگیا ہے سنتے ہی ذکر اُسکی جفا کا		در پردہ مزا چکھتے ہیں ہم روز فنا کا
آنسو کا کوئی تار نظر آئے تو آئے		وحشت میں مرے تن پہ کہاں تار قبا کا
حاصل نہ ہوا وصل میں مقصود کہ مجکو		پاس اُن کا رہا اور اُنھیں پاس حیا کا
کہتے ہیں کہ یاروں نے طبیبوں کو بُلا کر	قطعہ	کل حال دکھایا ترے بیمار جفا کا
بیطاقتی و ضعف سے یہ حال تھا اُس کا		سر پر نہ اُٹھا سکتا تھا احسان دوا کا
چلا لئے نبض پھر جوشش خدا جانے تھا اندار		کیا حال ہے آج اُس ہدف تیر قضا کا
کیونکر وہ ہاتھ آئے کہ یاں زور و زر نہیں		لے دے کے ہو اک آہ سو اُس میں اثر نہیں
ہے ڈر یہی کہ تو نہ پشیماں ہو بعد قتل		ورنہ ہمیں تو مرنے کا کچھ اپنے ڈر نہیں
قسمت سے درد بھی تو ہوا ہمکو وہ نصیب		جس درد کا کہ چارہ نہیں چارہ گر نہیں
کیا کرتے ہم کہ دل ترا نازک ہے تا نہیں		اچھا ہوا کہ نالے میں اپنے اثر نہیں
قسمت ہی میں نہیں ہی شہادت وگرنہ یہاں		وہ زخم کو نسا ہے کہ جو کارگر نہیں
سجدے میں کیوں پڑا ہی ارے اُٹھ تو شراب پی		اے جوشش میکدہ ہے خدا کا یہ گھر نہیں

جوشش۔ منشی نظام الدین خلف وجیہ الدین پنجابی۔ شگفتہ طبیعت پائی تھی۔ آپ علیگڈھ میں رہا کرتے تھے یہ اُنکے اشعار ہیں:۔ جوشش

بار اُتارا ہے دوش سے سر کا	ہے یہ احساں تمھارے خنجر کا
ہے پرستش سنگ کی عشق بتاں میں بندگی	جاویں گر کعبہ تو پہلے سنگ اسود چوم لیں
سر کو تہ تیغ رکھ کے میرے	ثابت قدمی کا امتحاں لو

جوشش۔ شاہ خلیل الدین احمد جوشش محرر رجسٹری ضلع مونگیر شاگرد نساخ خلف مولوی جوشش

شاہ محمد اصغر مرحوم باشندہ منگیر ضلع پٹنہ اور حضرت مخدوم شرف الدین احمد کی اولاد میں تھے ۱۲۷۵ھ میں موجود تھے یہ اُن کا کلام ہے ۞

لن ترانی کی نہ لیں جوش سے کچھ یاد بھی ہے	اُسنے دیکھا نہیں پردے میں حضور آپکو کیا
ساری دنیا سے بے خبر پایا مرا خط لا کے دے قاصد عدو کو	جسکو عالم میں باخبر دیکھا یہی تقدیر کا میرے لکھا ہے

جوش۔ نواب احمد حسن خان جوش معروف بہ اچھے صاحب خلف نواب محمد مقیم خان بہادر مقیم ابن نواب محبت خاں محبت خلف حافظ الملک نواب رحمت خاں والی روہیلکھنڈ۔ نواب ظفر یاب خاں راسخ مرحوم اور نواب عاشور علیخاں عاشور سے اصلاح لی تھی ان کے دو دیوان مسمی بہ گلدستہ سخن معروف بہ بہارستان جوش اور چمنستان جوش اور ایک قصہ فسانۂ جوش نامی شائع ہو چکے ہیں اوائل عمر سے شاعری کا شوق اور ارباب کمال کی صحبت کا ذوق تھا طبیعت رسا تھی۔ عاشقانہ مضامین خوب باندھتے تھے گاہ گاہ فارسی میں بھی غزل کہہ لیتے تھے۔ اخیر عمر میں حضرت اسیر کے تلامذہ میں داخل ہوئے۔ کٹرہ نواب محبت خان لکھنو میں رہتے تھے ۱۲۴۳ھ میں پیدا ہوئے ۶۰ برس دنیا کی ہوا کھا کر لکھنو میں انتقال کیا۔ آپکے مطبوعہ کلام کا مکمل انتخاب درج ذیل ہے ملاحظہ ہو ۞

نازاں نہ ہو اس شکل پہ لو آئینہ دیکھو بلبل نے شاخ گل پہ نشیمن بنالیا سچ کہتے ہیں کہ نام محبت کا ہے بُرا	کیا کہتے ہو تم میرا مقابل نہیں ملتا۔ ہم نے بھی کوئے یار میں مسکن بنالیا اُلفت جتا کے دوست کو دشمن بنالیا
زباں دی منہ میں ہر اک چیز کا اُسکو مزہ بخشا دامن حضرت یوسف کے اُڑائے پُرزے میکدے میں کل تو میرے ساتھ تھا شغلِ شراب	کہانتک شکر ہو مجھسے ادا خالق کے احساں کا پاس عصمت تجھے اُس وقت زلیخا نہ ہوا آج یہ شیخ مزوّر پارسا کیونکر ہوا

حسرتیں مُردہ دلوں کی کبھی زندہ ہوئیں
نام رکھا ہے عبث تم نے مسیحا اپنا

غیر ممکن ہے جو موقوف ہو رونا اے جوش
کس نے دیکھا ہے کہ بہتا ہوا دریا ٹھیرا

لن ترانی کیوں سنائی تو نے مجکو اے صنم
عاشقوں میں تھا ترے موسیٰ عمراں نہیں تھا

تیغِ قاتل کو اے دلِ مجروح
دہنِ زخم سے دعا دینا

تشنۂ آبِ تیغ ہیں او ترک
تھوڑا پانی ہمیں پلا دینا

بیٹھنا تم نہ میری تربت پر
فاتحہ کو تو ہاتھ اُٹھا دینا

خضر گم کردہ راہ ہیں اے جوش
چاہیئے راستہ بتا دینا

لبِ میگوں کو ترے بادۂ احمر سمجھا
گردشِ چشم کو میں گردشِ ساغر سمجھا

ترک کر اے دل یہ ہر دم سوئے جاناں دیکھنا
مفت میں جاتی رہیگی ایک دن جاں دیکھنا

اُسکی آنکھیں لے گئیں دل سے مرے صبر و قرار
ہو گیا کیا خانۂ آباد ویراں دیکھنا

تم نے کیں مجھپہ جفائیں لاکھوں
میں نے منہ پر ایک کا شکوہ نکیا

کیوں نہ یکتا اُسے کہیتے جسنے
اپنا ثانی کوئی پیدا نہ کیا

دیکھکر قد کو ترے شمشاد ہوتا ہے پا بگل
روئے روشن کو ترے دیکھے تو ہو جائے گل آب

ہجرِ ساقی میں وہ دریا میری آنکھوں سے بہا
آسماں جس میں نظر آیا مجھے مثلِ حباب

دل خون ہے اِس غم سے عقیقِ یمنی کا
دیکھا جو لبوں کو ترے اے غنچہ دہن سرخ

جاگا یہ دمِ ذبح مقدر تہِ خنجر
تھا پیشِ نظر عارضِ دلبر تہِ خنجر

آئینۂ زانو میں جو ابرو کا پڑا عکس
قاتل نظر آیا مجھے خنجر تہِ خنجر

کہہ رہا ہے یہ دہانِ زخم سے نخچیر پھر
کیا مزا ہے او کماں کش پھینک اِدھر اک تیر پھر

جز غمِ عشق بنا کوئی نہ غمخوار اپنا
جز اجل کوئی عیادت کو نہ آیا سر پر

آج میخانے میں یہ غل کر رہے ہیں میفروش
بادۂ رنگیں بیا شامید تا دارید ہوش

بندے ہیں تیری ہی اچھے یا بُرے ہیں جیسے ہیں
شرم رکھ لے ہم گنہگاروں کی تو ہے پردہ پوش

کبھی کی یہ تو نکل جاتی تن سے فرقت میں — فقط تمھارے ہی آنے کی ہے یہ جان مشتاق

دورِ فلک نے ہمکو گو خاک میں ملایا — ہے قدرداں کے آگے وہی وقار اپنا

مجھ جاں بلب کے پاس سے جاتے ہو گھر کہاں — پھر تم کہاں یہ عاشقِ خستہ جگر کہاں

کہتے ہیں کیا حضور کہ آئیں گے وقتِ صبح — اِس شب کو خاتمہ ہے ہمارا سحر کہاں

کس سے کہیں گے دل پہ جو آئینگی آفتیں — پہلو سے اُٹھ کے جاتے ہو ای سیمبر کہاں

اُس بُت کے پاس تو یہیں پہنچا دے گر مجھے — آنکھوں سے میں لگاؤں ابھی برہمن کے پاؤں

ہمیں خدا نے بنایا ہے بت پرستی کو — بتا تو شیخ ترا کیا گناہ کرتے ہیں

قضا ٹھہر جا مکاں کے باہر نہ قصد آنیکا تو یہاں کر — شفا ہی جنکی زباں کے اندر قریب اب وہ آچکے ہیں

دِلا نہ مایوس اسقدر ہو تڑپ تڑپ کر نہ جان تو کھو — ضرور آئیں گے آج شبکو قسم خدا کی وہ کھا چکے ہیں

نہ مرنے سے ڈرے ہم عشق کامل اسکو کہتے ہیں — تصدق تم پہ کردی جان تک اسکو کہتے ہیں

پھر کس طرح یقین ہو کہ ہے دل سے دلکو راہ — مرتے ہیں جسپہ ہم اُسے مطلق خبر نہیں

ابر میں چاند گر نہ دیکھا ہو — رُخ پہ زلفوں کو ڈال کر دیکھو

بعد مرنے کے وصل ہوتا ہے — جوش تم بھی کسی پہ مر دیکھو

دل و دنیا و دیں تو دیجئے اک جان باقی ہے — خدا کے واسطے ہاں ای بتو راضی ہیں ہم لیلو

پائیں گے مراد اپنی خریدار کبھی تو — نکلے گا وہ یوسف سر بازار کبھی تو

کام آئیں ہوا ہے نفسِ سرد کے جھونکے — اُڑ جائے نقابِ رخِ دلدار کبھی تو

مر مر کے اگر شام تو رو رو کے سحر کی — یوں زندگی ہمنے تری دُوری میں بسر کی

دل مائل زلف و رخ جانانہ ہوا ہے — سودائی ہے۔ نادان ہے۔ دیوانہ ہوا ہے

تیغ ابروئے ہلالی سے جگر بسمل ہے — ناوک و عشوہ و انداز کا زخمی دل ہے

بندوں کے حرفِ عجز ہیں اللہ کو پسند — مجرم جو منفعل ہو خطا کچھ نہ پوچھئے

رہو خوشی سے بتو اس کو اپنا گھر جانو — بنا ہے کعبۂ دل سا مکان تمھارے لیئے

تمھاری زلف کا بوسہ اگر لیتے تو ہم لیتے	یہ سودا سر کو اپنے بیچکر لیتے تو ہم لیتے
وہ ہاتھ لگا دے کہ شہیدوں میں ہو شامل	عاشق ہیں تیرے آبِ دمِ تیغ کے پیاسے
صنعت رنگِ حنا پر مجھے رشک آتا ہے	رنگ اپنا ترے ہاتھوں پہ جما رکھا ہے
مریضانِ رخ گیسو کو تیرے دیکھکر ای بت	کوئی کہتا ہے سایہ ہے کوئی کہتا ہے سکتا ہے
قیس سے کہدو کہ ہٹ جائے یہ لیلیٰ کا ہے حکم	آنے پائے نہ پس پردہ محمل کوئی
لختِ جگر طعام ہے پانی ہے خونِ دل	اپنے مریضِ غم کی غذا کچھ نہ پوچھیے
اگر چشمِ حقیقت بین سے نظارہ کرے کوئی	نظر نورِ خدا حسنِ رخ اصنام میں کئے
چشمِ دل کھولکے نظارۂ لیلیٰ کر لے	قیس سے کہدو کہ سب پردہ محمل اُٹھے
کو شمع کی جس رونق محفل سے لگی ہے	پروانہ ہو جاں اُس پہ ہی دل سے لگی ہے
کسکی طاقت ہے کہ تیرا مدح خواں ہو اے کریم	آپ ہی حامد ہے تو اور آپ ہی محمود ہے
ان آنکھوں کی بدولت دل پہ آفت آہی جاتی ہے	نظر کوئی نہ کوئی اچھی صورت آہی جاتی ہے
اگر حرص و ہولے باغِ عالم سے جدا ہوتے	تو پھر کیا فرق تھا اے مشر کو بندے خدا ہوتے
قبر پر میری گُل تازہ چڑھانے آئے	اور یہ کام بجز بادِ سحر کس کا ہے
مرنے کے بعد چین سے سوئے لحد میں ہم	جبتک کہ زندگی رہی اندوہگیں رہے
شکل وہ نور کی لے زہرہ جبیں پائی ہے	چشمِ انجمن سے فلک تیرا تماشائی ہے
حسن کہتے ہیں اسے عشق اسے کہتے ہیں	آپ اپنا وہ صنم محو خود آرائی ہے

جوش

جوش - جناب منشی محمد عبدالکریم صاحب مقیم بمبئی شاگرد حضرت سہیل سورتی - دَورِ موجودہ کے شاعر اور اس طرح سخن طرازی کرتے ہیں -

آنکھ وہ ہے جسکو تیری جستجو درکار ہے	دل وہی ہے جسکو تیری آرزو درکار ہے
ہے محب درکار تجکو یا عدو درکار ہے	میرا تو کہنا یہی ہے مجکو تُو درکار ہے
لیجئے میخانے ہیں ہی آگیا وقتِ نماز	حضرت واعظ کو اب ظرفِ وضو درکار ہے

جسکے نیچے خار ہوں وہ گل مرے کس کام کے
تیری سی خو مجکو تو تیری سی بُو درکار ہے

ناز ہو انداز ہو شوخی ہو یکتائی بھی ہو
چار چیزیں جس میں ہوں وہ خوبرو درکار ہے

جوش

جوش منشی محمد جان کلرک دفتر اگزیکیٹو انجینیر شاگرد نواب عبداللہ خان مطلب مرحوم۔

عاشق و معشوق کا شکوہ ہی کیا جھگڑا ہی گیا
تم گلے سے لگ گئے سارا گلہ جاتا رہا

اک نگاہ شوخ صبر و ہوش و طاقت لیگئی
لُٹ گئے جو کچھ ہمارے پاس تھا جاتا رہا

دل کا بھید اے جوش ہم پر کچھ نہ آخر تک کھلا
عمر بھر یہ تو یونہیں آتا رہا جاتا رہا

جوش

جوش۔ محمد اسمعیل خان نام متوطن ماہپورہ ضلع چھپرہ۔ آپ مولانا مولوی منشی خواجہ عبدالرؤف صاحب عشرت لکھنوی کے شاگرد ہیں آپکے والد کا نام محمد ولید اد خان صاحب ہے آپ کا آبائی پیشہ زمینداری ہے۔ خوش فکر اور تیز طبیعت ہیں علاوہ ازین حافظ قرآن بھی ہیں اور فارسی اور علوم عربی میں کامل دستگاہ حاصل ہے عمر ۲۳ سال ہے فی الحال لکھنو میں قیام پذیر ہیں چند اشعار جو آپکے دستیاب ہوئے ہدیۂ ناظرین ہیں

نفسِ سرد سے اُلفت کا مداوا نہ ہوا
داغ دل مرہم کافور سے اچھا ہوا

یہ سُن کے کہ شیدا ہوں میں اِک ماہ جبین پر
اِترا کے وہ بولے کہ یہ مرتا ہے ہمیں پر

وصل کی رات بھی دھڑکن میں بسر ہوتی ہے
شام سے اُن کو یہ ضد ہے کہ سحر ہوتی ہے

یہ حسین آنیکو کس منہ سے کہیں وصل کی شب
نہ وہیں ہوتا ہے اِنکے نہ کمر ہوتی ہے

جوش

جوش۔ نواب محی الدین علیخاں صاحب ابن حکیم منصور علیخان صاحب جاگیر دار آپکے دادا صاحب حکیم حاذق حکیم رضا علی خاں دہلی کے باشندے تھے بعد غدر یہاں تشریف لائے۔ بعہد حکومت نواب ناصر الدولہ بہادر والی دکن موردِ الطاف سلطانی و خطاب و منصب و جاگیرات سے سرفراز ہوئے سلسلہ بسلسلہ یہ جاگیر بحال ہے۔ فقیر منش با اخلاق شخص ہیں علم عربی و فارسی میں لایق اور فن شاعری سے زیادہ مذاق رکھتے ہیں اِس وقت ۲۸ سال کی عمر ہے اصلاحِ سخن نواب فصیح الملک داغ دہلوی سے لیتے تھے آنکے

انتقال کے بعد حضرت ظہیر دہلوی کو کلام دکھاتے ہیں۔ کلام ملاحظہ ہو +

پیش حق جب حشر میں ہونا پڑا	اشک غم سے منہ ہمیں دھونا پڑا
ساقی نے یوں تو سب کو دی اقسام کی شراب	میرے لیئے تھی گردش ایام کی شراب
جب میکدے میں بیٹھکے واعظ پئیں گے جام	ڈالیں گے ہم زمین پہ ترے نام کی شراب
کچھ ہم بھی جذب الفت کا اثر پہچان جاتے ہیں	نظر ملتے ہی انداز نظر پہچان جاتے ہیں
لحد میں داغ دل اپنے منور ہوتے جاتے ہیں	عیاں اخگر کے پردے سے اختر ہوتے جاتے ہیں
زباں پر بلبلوں کی شور ہے اب کسی آمد کا	چمن میں پھول کیوں جامہ سے باہر ہوتے جاتے ہیں
بیساختہ دہن سے جو نالے نکل گئے	گھر سے وہ اپنے دل کو سنبھالے نکل گئے
شوخیاں آنکھوں میں ہیں انکی قیامت دل میں ہے	اک قیامت ظاہرا ہے اک قیامت دل میں ہے
تیرے کوچے میں ایسے ضعف سے شوریدہ سر بیٹھے	جگر کو تھام کر اٹھے تو دل کو تھام کر بیٹھے
خبر کچھ بھی نہیں اے جوش تمکو اپنے عشق کی	عجب حالت تمھاری ہے جدھر بیٹھے ادھر بیٹھے

جوشش

جوشش۔ جوشش تخلص۔ شیخ محمد روشن نام۔ آپ جسونت رائے ناگر کی اولاد پٹنہ کے باشندے اور طبقہ دوم کے آخر شعرا میں تھے۔ خوش لیاقتی آپ کی افزوں از تحریر ہے نظم ریختہ میں آپ کو کمال حاصل تھا اور معنی بیگانہ سے طبیعت کو بیحد لگاؤ تھا چاشنی درد کی آپکے کلام سے ظاہر اور علم عروض سے بخوبی ماہر تھے آپنے حضرت میر درد کے کلام کا اتباع کیا اور اُن کو بخوبی نباہا۔ طرز سخن نہایت پسندیدہ و مرغوب اختیار کیا تھا۔ اسلوب بیان دلکش اور مؤثر ہے بندش نہایت صاف اور مضمون خوب نکالتے تھے

انتخاب اُنکے دیوان کا یہ ہے +

کس طرح سے اوصاف ہو خلاق جہاں کا	قدرت نہ قلم کی ہے نہ مقدور زباں کا
عاشق کو ہے کب جلوۂ معشوق کی طاقت	مہتاب کو دیکھے۔ نہیں مقدور کتاں کا
عنقا کی طرح گو کہ نشاں وہ نہیں رکھتا	ملتا ہے پتہ نام ہی سے اسکے نشاں کا

پیتا ہے گر تو بادۂ عشرت سمجھ و لے
جوشش بڑا ہے دردِ سر اُسکے خمار کا

دیکھکر رنگِ صنم تیری جفا کاری کا
کوہکن ہو تو نہ دم مارے وفاداری کا

چشم پُر آب ہے۔ لب خشک و دماغ آشفتہ
روز عالم ہے غرض دلکی گرفتاری کا

جی سیر ہیں گلزار کی تن کنجِ قفس ہیں
یہ صید گرفتار ادھر کا نہ ادھر کا

سر اُسکی تیغ سے جب تک جُدا نہ ہوویگا
کسی طرح سے حق اُس کا ادا نہ ہوویگا

دل و جگر ہی پہ آفت نہیں فقط جوشش
جو ہے یہی ترا رونا تو کیا نہ ہوویگا

ہم سا ہی وہ ہوگا سادگی ہیں
یا ور جو تری قسم کرے گا

جوشش مت رو دل و جگر کو
کس کا کس کا تو غم کرے گا

اُسکی آنکھوں کو دیکھیں سے جوشش
مُنہ تو دیکھو شراب خواروں کا

اِس ادا کا تری ہوں دیوانہ
دیکھنا مجھکو اور چھُپ جانا

اُسکی رنجش کا تجھے خوف عبث ہی جوشش
ہو چکا ہے وہ اسی طرح سے سو بار خفا

نہ پھولتے ہیں شگوفے نہ غنچے کھلتے ہیں
چمن میں شور پڑا کس کے مسکرانے کا

جیسا کہ دلپہ زخم ہے اُسکے خدنگ کا
گلشن میں ایک گل نہیں اِس آب و رنگ کا

کل جو اُسے دیکھکر ہو گئے ہم بے خبر
ہنس کے وہ کہنے لگا پھر بھی ادھر دیکھنا

مزا دکھاؤں تجھے تیری بیوفائی کا
اگر نہو وے مجھے پاس آشنائی کا

قیس پھرتا جو رہا دشت میں دیوانہ تھا
اُسکو لیلیٰ ہی کے دروازے پہ مرجانا تھا

گر یونہیں یہ دل درپئے آزار رہے گا
اک روز نہ اک روز مجھے مار رہے گا

کل بزم میں سب پر نگہ لطف و کرم تھی
اک میری طرف تو نے ستمگار نہ دیکھا

جز چشمِ بتاں میکدۂ دہر میں جوشش
ہمنے تو کسی مست کو ہشیار نہ دیکھا

اوروں کی عیب جوئی اپنا ہنر نہیں ہے
اپنی ہی عیب جوئی یہ ہے ہنر ہمارا

نگاہِ لطف سے دیکھا ہی غنیمت ہے
سلام اُسنے ہمارا لیا۔ لیا نہ لیا

کس سے ہوئی ہے دوستی ایسی کہ ان دنوں
آنا ہمارا دل پہ ترے شاق ہو گیا

لگا دی دل میں آگ اے آہ سوزاں کیا کیا تو نے
جلا دیتا ہے اپنے ہاتھ سے بھی کوئی گھر اپنا

شب فرقت ہی بیتابیٔ دل ہے درد پہلو میں
نظر آتا نہیں ہمکو تو بچنا تا سحر اپنا

غش آ گیا وہ سامنے میرے جہاں ہوا
مجھ کو تو وصل یار میسر کہاں ہوا

ہزار پیار کرے گا ہزار چاہے گا
میری طرح نہ کوئی تجھ کو یار چاہے گا

کوئی اس غمکدے میں اپنی غمخواری نہیں کرتا
دیا ہے ایک کو دل وہ بھی دلداری نہیں کرتا

نہ شکل شیشہ آتی ہے نظر نے جام کی صورت
رہی زیر فلک پھر کون سی آرام کی صورت

دیکھتے ہم ہیں اور ان آنکھوں میں کیا ہوتی ہے
خون کے پیاسے ہیں وہ اور تشنۂ دیدار ہم

کرے ہیں جور کا شکوہ تیرے ہی یار آپس میں
جہاں مل بیٹھتے ہیں آشنا دو چار آپس میں

ہجوم عاشقاں دیکھوں ہوں اپنے یار کے در پر
مجھے چلتی نظر آتی ہے اب تلوار آپس میں

آج ہے عزم شکار اس کا یہ معلوم نہیں
خوف سے مر گئے یا صید حرم جیتے ہیں

بیکسی سے یہی گلہ ہے مجھے
تھام لیتی ہے دست قاتل کو

جی میں جس وقت کہ مضمون کمر آتا ہے
بسکہ نازک ہے مجھے باندھتے ڈر آتا ہے

رباعی

کچھ کام نہیں ہمیں وفا سے
تو ہاتھ نہ کھینچیو جفا سے
کل سب سے گلے ملے تم
تھے ہم بھی تو صورت آشنا سے

قطعہ

نہ کوئی دوست ہے نہ کوئی میرا دشمن ہے
ایک یہ دل ہے غرض دوست ہی یا دشمن ہے

ایک دن کا ماجرا ہے میں بیٹھا تھا سیر کو
دیکھتا کیا ہوں کہ جھگڑا بر سر بازار ہے

برہمن کہتا ہے بتخانے میں ہے ذات خدا
شیخ کہتا ہے غلط کعبہ ہی میں وہ یار ہے

اس میں اے جوشش بول اٹھا سنتے ہی شیخ و برہمن
جانے دو اپنی طرف دیکھو یہ کیا تکرار ہے

ممکن نہیں کہ دیکھئے روئے شگفتگی
جبتک برنگ غنچہ گریباں نہ پھاڑیئے

جاہ و حشم کی خواہش دولت کی آرزو ہے
دو دن کی زندگانی بس پر یہ جستجو ہے

صورت پرست ہوں میں مانند آئینے کے
کہتا ہوں دردِ دل تو وہ کہتا ہے کیا مجھے

جو کچھ ہے میرے دل میں میرے روبرو ہے
چپ رہیئے بس زیادہ نہ باتیں بنایئے

کشورِ عشق میں رسوا سرِ بازار ہوئے
دیکھا ہے جب سے زلف کو شانے کے ہاتھ میں

اُسکے ہاتھ آپ بکے جسکے خریدار ہوئے
جوشش ہمارے دل کو عجب پیچ و تاب ہے

اے عشق مجھے خوار کیا۔ کیا کیا تو نے
رسوا سرِ بازار کیا۔ کیا کیا تو نے

اُس رخِ صاف کے آگے جو کوئی آتا ہے
آیئنہ اپنا ہی مُنہ دیکھنے لگ جاتا ہے

رباعی

گر جان دے کوئی پر نہ اُس کے ہونگے
جی شوق سے لینگے اُس کا جسکے ہونگے
جوشش نہ رکھو ان بتوں سے امیدِ وفا
یہ کس کے ہوئے ہیں اور کسکے ہونگے

دن میں سو سو بار تیرے کوچے میں آنا مجھے
اس میں سودائی کہے کوئی کہ دیوانہ مجھے

جوشش ۔ میر شجاعت علی جوشش مرحوم ۔ میرزا حاتم علی بیگ مہر مرحوم کے دوستوں میں سے تھے ۔ ایک تذکرہ میں ان کا نام دوست علی درج کیا گیا ہے یہ اُنکے شعر ہیں ۔

اے چرخ بیکسی پہ ہماری نظر نکر
جو کچھ کہ تجھسے ہو سکے تو درگزر نکر
پہنچا دے اُس گلی میں اگر تجھسے ہو سکے
اِس خاک کو نسیم سحر دربدر نکر
اُس حسنِ صندلی کی ثنا اور تیرا مُنہ
دیوانہ کیوں ہوا ہے تو یہ دردِ سر نکر
جوشش یہ بستی رہنے کے قابل نہیں رہی
چکا ہی چل یہاں سے کسیکو خبر نکر

جوگی ۔ بابو اللہ یار خاں کے والد صوبہ دار حمید خاں صاحب ۔ فوجی ملازمت کی وجہ سے اطراف دکن میں عرصہ تک مامور رہے ۔ جوگی صاحب ۱۸۸۵ء میں بمقام پونا پیدا ہوئے مگر اُنھوں نے لاہور آکر ہوش سنبھالا اور لاہور کے اسلامیہ سکول میں انٹرنس تک تعلیم پائی ۔ بعض شعراء و زباں دان اصحاب کی ہم بزمی سے شعر گوئی کا شوق پیدا ہوا ۔ اِس فن میں حضرت آغا شاعر دہلوی کے شاگرد ہیں ۔ اگرچہ ابھی مبتدی اور نومشق ہیں مگر ذہن سلیم اور طبیعت رسا پائی ہے کچھ عرصے سے گانے کی حفاظت

وحمایت میں ایک رسالہ گنُو ماناکے نام سے جاری کیا ہے۔ فی الجملہ ایک خلیق کل اور آزاد خیال جوان ہیں۔ مندرجۂ ذیل اشعار اُنکی طبع رسا کا خاص انداز ظاہر کرتے ہیں۔

ساقی مہوش بیا محفل جما برسات کی	جام بھر بھر کر پلا آئی گھٹا برسات کی
مُردے جی اُٹھتے ہیں جس سے ہے فضا برسات کی	روح کی تاثیر رکھتی ہے ہوا برسات کی
زاہدوں کو قدر کیا ہوگی بھلا برسات کی	پی کے تھوڑی سی کبھی دیکھیں فضا برسات کی
ہو بُرا وحشت کا اُسنے یار سے رکھا الگ	ابکے جوگی جی نے بھی جنگل میں جا برسات کی
ہنسی ہنسی میں نہ برپا فساد ہو کوئی	عدو سے کہدو زباں کو سنبھال کر بیٹھے
گزرتے بچ کے ہیں جوگی سے ہر خیال اُنھیں	گدائے حسن ہے شاید سوال کر بیٹھے
اے فلک دیکھ مری آہ رسا آئی ہے	جان پر تیری زمین سے یہ بلا آئی ہے
آسماں کیا ہے مری آہ رسا کے سامنے	بُلبُلے کی کیا حقیقت ہے ہوا کے سامنے
کہتے ہیں مجھ اسیر زلف کو وہ	کہ یہ جوگی نہیں سپیرا ہے

جولان **جولان۔** بہادر علی شاہ جولاں۔ ساکن شاہجہاں آباد۔ دنیا داری کی حالت میں آپ کا نام رمضانی تھا۔ فن تیر اندازی میں یگانۂ روزگار تھے یہ ایک شعر آپکا ملا کہ درج کیا جاتا ہے

کنج قفس میں دیکھ کے بے بال و پر مجھے	اے ہمصفیرو چھوڑ گئے تم کدھر مجھے

جولاں **جولاں۔** میر حسن علیخان نام ملک دکن کے رہنے والے اور طبقۂ دوم کے آخر شعرا میں تھے۔ ہر ایک شخص سے باوجود اخلاق اور حسن سلوک کے ساتھ پیش آتے تھے یہ اُنکا کلام ہے

اب ایسی جام میں ساقی شراب ارغوانی بھر	کہ جسکو دیکھکر زاہد کے منہ میں آئے پانی بھر
تری صورت ہی کیا کھینچے جو تو اُس شوخ کی صورت	ہمارے روبرو ہرگز تو ایسا دم نہ مانی بھر
ہوا ہے ابر ہے ہر سو گل و گلزار خنداں ہے	صراحی میں تو اب ساقی شراب ارغوانی بھر

ایک قصیدے کی تمہید میں یہ چند اشعار ہیں۔

صبحدم گزرا مری خاطر میں ناگہ یہ خیال	سیر گلشن کیجیے تا دور ہو دل سے ملال

جا کے ہیں سیر چمن میں یک بیک دیکھوں تو کیا	عارضِ گل پر ہیں بکھرے زلف سے سنبل کے بال
نرگسِ شہلا تھی اپنی چشمِ مخموری پہ مست	لالۂ حمرا دکھاتا تھا اُسے اپنا جمال
اور لباسِ زعفرانی بر میں تھا صابر کے گئے	اُو دے جوڑے پر تھا نافرمان کے حسن کمال

جولان　**جولان**۔ درویش وارستہ مزاج آزاد منش الف شاہ وطن بدایوں تھا لیکن بریلی اکثر رہتے تھے۔ جب عالم فقر اختیار کیا۔ سیاحی میں مشغول رہنے لگے اور پھر پھرا کر آگرہ ضرور آتے تھے۔ فنِ سخن میں خواجہ آتش لکھنوی سے مستفیض تھے ۱۲۶۴ھ میں ۷۰ سال سے زیادہ عمر تھی آگرہ میں راہی ملکِ بقا ہوئے یہ اُن کا کلام ہے۔

ہم وہ ہیں صید وفا کیش کہ خوں روتے ہیں	ٹوٹ جاتا ہے تڑپنے سے اگر دام اپنا
کیا بتائیں کہ ہے کہاں مسکن	کوئے قاتل میں رہا کرتے ہیں
اُٹھایا ہے گلی سے اُس پریرو کی اگر مجکو	تو لیچل وحشتِ دل اب جدھر چاہے اُدھر مجکو
بزنگِ گل جو کشتوں کا ترے ہر زخم خنداں ہے	ترا کوچہ ہے اے سفاکِ عالم یا گلستاں ہے
معشوق پر بھی ہوتی ہے تاثیر چاہ کی	چٹکی کلی جو بلبلِ بیدل نے آہ کی
ترکِ الفت میں بھی مُنہ تجھ سے نہ موڑا میں نے	آنا جانا تیرے کوچے کا نہ چھوڑا میں نے
آپنے عہد وفا بارہا تو ڑے سو بار	اسپہ بھی رشتۂ الفت کو نہ توڑا میں نے
خاک سے واں کی ہوا چشمۂ زمزم پیدا	جس جگہ دامن ترا اپنا نچوڑا میں نے
توسنِ عمرِ رواں کا مری حافظ ہے خدا	لجۂ عشق میں ڈالا ہے یہ گھوڑا میں نے
سینکڑوں رنج اُٹھائے ہیں بتوں کے جولاں	عشق کے نام سے اب کان مروڑا میں نے

جوہر　**جوہر**۔ کوئی بزرگ بریلی کے باشندے اور اوائل اُنیسویں صدی میں حیات تھے ایک قدیم تذکرے میں آپ کا کچھ کلام نظر سے گزرا اُس میں سے یہ دو شعر پسند آئے درج تذکرہ کیے گئے

ہے دستِ شانہ زلف بت خود پسند پر	یا یہ چڑھا ہے چور لپٹ کر کمند پر
تجھ بن ہے خراب زندگانی	دل پر ہے عذاب زندگانی

جوہر- امیر خوشحال لالہ مادھورام کوٹھی وال خلف الرشید لالہ جواہر مل ساہوکار رئیس فرخ آباد
آپ کا خاندان شمالی ہند کے ساہوکاروں میں ایک نہایت برگزیدہ و باوقر گھرانہ سمجھا جاتا ہے آبائی تمول و فضیلت
علمی کیساتھ شعر بھی خوب کہتے- دن رات یہی ذکر و اذکار رہتے- عروض و قافیہ سے بخوبی ماہر- اور عیب
و ثواب شعر سے باخبر- منشی اسمٰعیل حسین مُنیر کے تلامذہ میں جوہر فرد اور خود استادانہ
قابلیت رکھتے تھے- کبھی کبھی بطور سیر و سیاحت دہلی و لکھنو و اکبر آباد وغیرہ گئے
اور وہاں مہینوں قیام کیا- ۱۸۵۷ء کے دربار قیصری دہلی میں شامل ہوئے تھے- انکی
ذات والاصفات سے اکثر اہل ہنر کو فیض پہنچتا تھا- اشعار عجیب کیفیت آمیز ہوتے ہیں
جن کے پڑھنے سے پڑھنے والے اور سننے والے دونوں کو لطف حاصل ہوتا ہے-
اور دونوں کے دلوں پر برابر اثر پڑتا ہے- شعراء کے بڑے قدر دان اور محسن تھے-
چنانچہ منشی مُنیر مرحوم بھی انھیں کیوجہ سے اکثر فرخ آباد میں رہے- بہادر شاہ کے آخر
زمانۂ سلطنت میں مختار شاہی کا عہدہ بھی ان کے لیئے تجویز ہوا تھا- اِنکے کلام میں دلچسپی
و دلکشی ہونے کے علاوہ ہر شعر ناخن بدل ہے- انکی طرز خاص معاملہ گوئی ہے- اور
جدت سے خالی نہیں- زبان بہت صاف اور شستہ بے تکلف لکھتے ہیں- بہرحال انکے
مستند اور قادر الکلام شاعر ہونے میں کسی کو شک نہیں ہوسکتا- اوائل چودھویں صدی ہجری
میں انتقال کیا- آپ کا دیوان شائع ہوچکا ہے- اب آپکے کلام کا انتخاب درج کیا جاتا ہے

جن نگاہوں سے لیا ہے دلِ شیدا میرا
رات جاتی ہے مان لو کہنا!

ڈھونڈتا ہے انھیں تیروں کو کلیجا میرا
دیر سے دل ہے بے قرار اپنا

میرے نو ابروئے پُر خم نگہ برگشتہ
ہم نے ٹیڑھا جسے دیکھا اُسے خنجر جانا

آتی ہے اُس کے کوچہ سے آواز دردناک
ہم ہوں کہ دل ہو کوئی تو دونوں میں مرگیا

تجھے تو دیکھ کے ہوتا ہے رنج اے جوہر
بتا تو عشق میں کس کے ترا یہ حال ہوا

کس کے دلِ شکستہ کے ماتم میں اے کریم
ابتک سیاہ پوش ہے کعبہ خلیل کا

بس چلو جاؤ- لگاوٹ نکرو- دیکھ لیا! — کوئی بیدرد زمانے میں نہ تمسا ہوگا

وصف لکھا ہے جو ابروئے بتِ دلخواہ کا — میرے مطلع پر ہے دھوکا سبکو بسم اللہ کا

وصفِ حسنِ پاک کی تحریر سے اے شمعِ طور — صفحۂ دیواں میں ہے عالم تجلی گاہ کا

اخترِ اقبال جب چمکا کیا سجدہ تجھے — عرش کا تارا ہے ہر ذرّہ تری درگاہ کا

تو جو کاہیدوں کو غالب اہلِ رفعت پر کرے — ہیں وے کوہِ گراں کو بوجھ برگِ کاہ کا

ہیں تری درگاہ میں ہمدوش فقر و سلطنت — مرتبہ یکساں نظر آیا گدا و شاہ کا

روز کہتے تھے "کبھی غیر کے گھر دیکھ لیا؟" — آج تو آنکھوں سے اے رشکِ قمر دیکھ لیا

آہوں سے آگ لگا دینگے دلِ دشمن میں — چھپ کے رہتے ہیں جہاں آپ وہ گھر دیکھ لیا

ہمسے پردہ ہے کہیں چاندنی کی سیر میں ہیں — کھل گیا حال بس اے رشکِ قمر دیکھ لیا

کون سوتا ہے کسی ہجر میں نیند آتی ہے — خواب میں کس نے تمھیں ایک نظر دیکھ لیا

آنکھیں سلوادیں مگر ذوقِ تصور نہ گیا — گو نظر بند ہوئی تو بھی اُدھر دیکھ لیا

بچ گیا نقدِ دل اسبجے تو نظر سے اُسکی — آئیگا پھر بھی اگر چور نے گھر دیکھ لیا

ق
جب کہا میں نے نہیں کوئی چلو میرے گھر — خوب رستے میں اِدھر اور اُدھر دیکھ لیا

بولے چلنے میں نہیں عذر مجھے کچھ لیکن — خوف یہ ہے کسی مفسد نے اگر دیکھ لیا

زلفیں اُلجھی ہوئیں نیند آنکھوں میں بگڑی ہوئی صبح — باسی جوبن بھی ترا وقتِ سحر دیکھ لیا

اِتنی سی بات پر آنکھیں نہ نکالو صاحب — کیا خطا کی تمھیں جوہر نے اگر دیکھ لیا

کیا یاد کرکے روؤں کہ کیسا شباب تھا — کُچھ بھی نہ تھا- ہوا تھی- کہانی تھی- خواب تھا

اَب عطر بھی ملو تو تکلف کی بُو کہاں — وہ دن ہوا ہوئے کہ پسینہ گلاب تھا

محمل نشیں جب آپ تھے لیلی کے روپ میں — مجنوں کے بھیس میں کوئی خانہ خراب تھا

پیری میں ایک ہی سے ہمیشہ رہینگے دن — وہ اور تھا زمانہ جسے انقلاب تھا

تیرا قصوروار خدا کا گناہ گار — جو کچھ کہ تھا یہی دلِ خانہ خراب تھا

ذرّہ سمجھ کے یوں نہ ملا مجکو خاک میں
اے آسمان میں بھی کبھی آفتاب تھا

آزمان سب نکال لے دنیا ہے چار دن
باقی جو رہ گیا وہ پھر اے یار رہ گیا

کیا پوچھتا ہے ہجر کی شب کی مصیبتیں
اکثر نکل نکل کے دم اے یار رہ گیا

کیا پوچھتا ہے حال رہی دل کی دل ہی میں
کچھ کہتے کہتے نزع میں بیمار رہ گیا

مستوں نے بس میں رحمت حق کو بھی کر لیا
رندوں میں گھر کے ابر گہر بار رہ گیا

کیوں مضطرب ہیں شام سے ای جوہر آج آپ
کہیے تو کس گلی میں دل زار رہ گیا

ٹھیری جو وصل کی تو ہوئی صبح شام سے
بت مہرباں ہوئے تو خدا مہرباں نہ تھا

چنگ و رباب و مطرب و ساقی و جام مے
سب عیش ہیچ تھا جو تو ای جان جاں نہ تھا

کیا جانے کسکے دھوکے سے لپٹا لیا مجھے
کہدوں میں تیرے جی کی تو اس دم یہاں نہ تھا

کیونکر قسم پہ آج مجھے اعتبار آئے
کس دن خدا تمھارے مرے درمیاں نہ تھا

توڑا جو پھول بلبل شیدا کے سامنے
کیا تیرے دل میں درد کچھ ای باغباں نہ تھا

یاد آتے ہیں جوانی کے مزے پیری میں
قدرت اللہ کی تھا وہ بھی زمانہ کیسا؟

پھینکیے دل کی طرف تیر نظر بسم اللہ
دیکھیں تو آپ اٹھاتے ہیں نشانہ کیسا؟

غیر ممکن ہے جو ٹھنڈا ہو کلیجہ ان سے
اور وہ آگ لگائیں گے بجھانا کیسا؟

آخر اک روز تو پیوند زمیں ہونا ہے
جامۂ زیست نیا اور پرانا کیسا؟

دھوپ میں جلتے ہیں خمخانوں کے سوبیوالے
آ گیا اے مرے اللہ زمانا کیسا؟

غیر کے دل کو مئے عشق سمجھ کر دینا
جام کم ظرف ہے منہ تک نہ کہیں بھر دینا

بیوفا ذات حسینوں کی ہے ای حضرت عشق
دل کو دینا تو ذرا سوچ سمجھکر دینا

مینہ برستا ہے ہوا چلتی ہے خوب اے ساقی
مے اڑے پیتے ہی ایسا کوئی ساغر دینا

کہتے پھرتے ہیں یہ کوچے میں بر باد دل کے
خانہ برباد ہیں رہنے کو کوئی گھر دینا

درد سر کا نہ شب وصل چلے گا فقرہ
دم دلاسے یہ کسی اور کو جا کر دینا

یار بنا رہے ہیں محبت کے فقط اے ساقی
یہ بھی ہے ڈھنگ کوئی بادہ کشی کا کیا خوب

شیشۂ جس دل سے اُسی آنکھ سے ساغر دینا
یہ کسی اَور کو مُنہ پھیر کے ساغر دینا

فریاد کرے کس سے گنہگار تمھارا
اللہ بھی حاکم بھی طرفدار تمھارا

پریوں کی تو کیا اصل جو حوریں نظر آئیں
دیکھے نہ اُدھر طالبِ دیدار تمھارا

خورشید جو دن کو ہو تو مہتاب ہو شبکو
دنیا میں اُجالا ہے سب اے یار تمھارا

حوروں کو تمنا ہی پریزادوں کو حسرت
ملتا ہے کسے سایۂ دیوار تمھارا

کعبہ کی تو کیا اصل ہے اُس کوچے کے آگے
جنت ہو تو جائے نہ گنہگار تمھارا

دردِ دلِ عاشق کی دوا کون کرے گا
سُنتے ہیں مسیحا بھی ہے بیمار تمھارا

جوہر تمھیں نفرت ہی بہت بادہ کشی سے
برسات میں دیکھیں گے ہم انکار تمھارا

اُسنے پھر کر بھی نہ دیکھا میں اسے دیکھا کیا
دیدیا دل راہ چلتے کو یہ میں نے کیا کیا

دیر و مسجد پہ نہیں موقوف کچھ اے غافلو
یار کو سجدے سے مطلب ہے کہیں سجدا کیا

گُل نو کیا خارِ وطن بھیجے نہ تحفے میں کبھی
دوستوں نے مجھسے غربت میں سلوک اچھا کیا

کل خدا آگاہ ہے جیسا تمھارے واسطے
منتظر آنکھیں رہیں دل رات بھر تڑپا کیا

اے دلِ ناداں تجھے سمجھائے کوئی کس طرح
تو جو چاہے گا کرے گا اور جو چاہا کیا

رازِ الفت اب نہیں چھپتا چھپائے سے مرے
بس چلا جب تک مرا مُنہ ڈھانپکر رویا کیا

یار پر الزام کیسا اے دلِ خانہ خراب
جو کیا تجھ سے تری قسمت نے اُسنے کیا کیا

دیوانہ و آوارہ و سرگشتہ و مجنون
القاب مجھے خط میں لکھے جاتے ہیں کیا کیا

اِک رات کبھی چین سے سوئے نہ لپٹ کر
ہم نام ہی سُنتے ہیں دلارام کسیکا

دیکھتے رہتے ہیں دن رات وہ اپنا جوبن
لوٹتا ہے مزے آئینہ مقابل ہوکر

حسن وہ شے ہے کہ گاہک ہے زمانہ جس کا
آنکھ ہر ایک کی پڑتی ہے طرحداروں پر

آتشِ گل سے مناسب ہے حذر اے بلبل
ہاتھ رکھتا ہے کوئی جان کے انگاروں پر

تیرے خطِ سبز و لبِ جاں بخش کی کیا بات — وہ خضر کے ہمسر یہ مسیحا کے برابر
تا صبح تیرے ہجر میں ہم کروٹیں بدلا کیے — رکھا ہے تکیہ رات بھر گاہے اِدھر گاہے اُدھر
چار آنکھیں ہوتے ہی برچھی جگر پر چل گئی — بات کچھ منہ سے نہ نکلی رہ گئے ہم دیکھ کر
ہم سے چھپا کے آنکھ لڑاؤ گے تم کہاں — سب حال پوچھ لیں گے تمہاری نظر سے ہم
دیکھو ہماری آنکھ بھی اپنی نگاہ سے — تم کس نظر سے دیکھتے ہو کس نظر سے ہم
معاذ اللہ اس آزردگی کا کیا ٹھکانا ہے — جو پوچھا یار سے کب تک نہ بولو گے کہا برسوں
اُسی پر جان جاتی ہے جو پتلا ہے تلوّن کا — مہینوں دشمنِ جاں، مہرباں دو دن، خفا برسوں
وہی خونِ شہیدِ ناز اب پامال ہوتا ہے — رہا بن کر جو تیرے ہاتھ میں رنگِ حنا برسوں

کیوں نہ گھبرائے قبر میں تنہا — رات دن جو رہا ہو یاروں میں
وقت پر چپ رہیں معاذ اللہ — کہنے والے کہیں ہزاروں میں
تم جو آ جاؤ ایک دم کے لیے — جان پڑ جائے بے قراروں میں

وہی دن ہیں تو تو بیگانوں سے بدتر ہو گیا — اب میں تیرا اے دلِ ناآشنا کوئی نہیں
اپنے مطلب کی محبت رہ گئی ہے آج کل — کیا زمانہ ہے کسی کا اے خدا کوئی نہیں

بوئے گل سونگھ کر بگڑتے ہیں — یہ پری رو ہوا سے لڑتے ہیں
دل بچے شہرِ حسن میں کیونکر — لوٹ ہوتی ہے ڈاکے پڑتے ہیں
یوں نہیں ملنے کے وہ غیر کے گھر — چور کو گھات سے پکڑتے ہیں
نامہ بر نا امید آتا ہے — ہائے کیا سست پاؤں پڑتے ہیں
کون جیتے تمہاری آنکھوں سے — شاہ سے بھی یہ چور لڑتے ہیں

یہ واعظ کیسی بہکی بہکی باتیں ہم سے کرتے ہیں — کہیں چڑھ کر شرابِ عشق کے نشے اترتے ہیں
محبت کیجیے ظاہر نہ مجھ سے بندہ درگزرا — بڑے میرے نصیب اللہ مجھ پر آپ مرتے ہیں
نہ آ جایا کرو اغیار کی اُلفت جتاتے ہیں — وہ تم پر کیوں بھلا مرنے لگے فاقوں سے مرتے ہیں

ہر اک موسم میں کشتِ آرزو سرسبز رہتی ہے
تردّدِ غیر کو ہوگا یہاں تو چین کرتے ہیں

یہ جوڑا کھولنا بھی پیچ سے خالی نہیں اُن کا
اُلجھ جاتا ہے دل جب بال شانوں پر بکھرتے ہیں

تکلف کے یہ معنی ہیں سمجھ لو بے کہے دل کی
مزا کیا جب ہمیں نے یہ کہا تم سے کہ مرتے ہیں

اپنی اپنی فصل میں ہر راگ دیتا ہے بہار
ہولی کا ہولی میں ساون کا مزا برسات میں

مینہ برستا ہے۔ گھٹا چھائی ہے چلتی ہے ہوا
ہائے کیا اندھیر ہے تم ہو جدا برسات میں

دیر کر رکھی ہے کیا ساقی پلا بھی دے شراب
کیسی ہے چھائی ہوئی اُودی گھٹا برسات میں

جھومتے آتے ہیں کیا ابرِ سیاہ
نشہ میں چور یہ متوالے ہیں

ناتوانی کے سبب اے وحشت
خار بھی میرے لئے بھالے ہیں

اِس طرح جھوم کے چلئے نہ حضور
سب کہینگے کہ یہ متوالے ہیں

شبِ وصال جو مطلب کی میں نے بات کہی
کہا کہ ہوش میں آ کر شعور کی باتیں

دوشالہ ڈال کے لاشے پہ آتے ہیں منعم
ابھی نہیں گئیں اُن کی غرور کی باتیں

یہ نہ کہئے عشق میں تجھ سا کوئی کامل نہیں
مہربانی آپ کی بندہ تو اِس قابل نہیں

ڈھونڈا کیئے جب کوئی تم سا تبھی چین آئیگا
ہم بھی اپنی فکر میں رہتے ہیں کچھ غافل نہیں

تھی محبت یا نہ تھی اگلی نہ باتیں کیجئے
رنج ہوگا مفت میں اب اِس سے کچھ حاصل نہیں

روز کی ایذا گئی۔ جھگڑا چکا قصہ مٹا
وہ تمھارا دل نہیں اب وہ ہمارا دل نہیں

بندہ پرور ان کچی باتوں سے کچھ حاصل نہیں
یہ تو ہم بھی جانتے ہیں آپ کا وہ دل نہیں

دو ہی دن میں یہ ستم ہوش رُبا ہوتے ہیں
کل کے ترشے ہوئے بُت آج خدا ہوتے ہیں

شوق سے بھیجئے ہمراہ رقیبوں کے شراب
ہم چلے بزم سے کیوں آپ خفا ہوتے ہیں

دل میں رہتے جو مرے اور ہی کچھ ہو جاتے
یہ وہ کعبہ ہے کہ بُت جس میں خدا ہوتے ہیں

جوہر اُلفت بھی ہے کیا چیز کہ سن سن کے حسین
دلمیں خوش ہوتے ہیں ظاہر میں خفا ہوتے ہیں

میں نے جو یہ کہا تمھیں الفت مری نہیں
گردن جھکا کے ناز سے بولے کہ جی نہیں

توجسکو چاہے خاک سے مسند نشیں کرے | ہے بیحساب فیض ترا کچھ کمی نہیں
چھوٹی سی عمر میں انھیں بوسہ عزیز ہے | ویڑا اسلئے بھی بات کچھ ایسی بڑی نہیں
لِللہ اور بھی مے گلگوں کے جام دے | ساقی ابھی تو پیاس ہماری بجھی نہیں
ہیں صفائی میں برابر ترے زانو دونوں | نظر آتے ہیں ہمیں ایک سے پہلو دونوں
ضعف میں مجکو اٹھاتے ہیں وہ اپنے در سے | اے غم و یاس پکڑیو میرے بازو دونوں
یہ جانتا ہوں مگر کیا کروں طبیعت کو | کہ مے حرام ہے سلے واعظو حلال نہیں
پھانس کر دل کو دیا کرتی ہے جھٹکے لاکھوں | زلفِ پیچاں کو تری یاد ہیں لٹکے لاکھوں
کفر و دیں میں ہے خلش برہمن و شیخ سے بچ | اس دو راہے میں مسافر کو ہیں کھٹکے لاکھوں
وصل بھی شعلہ رخوں کا نہیں جینے دیتا | جلتے ہیں شمع سے پروانے پٹکے لاکھوں
شوقِ مے رندوں سے کچھ پوچھ نہ اے پیرمغان | دل میں آتا ہے چڑھا جائیے مٹکے لاکھوں
زہر بھی کھاتے ہیں سر بھی کاٹتے ہیں عشق میں | اے محبت بے بسی میں لوگ کیا کرتے نہیں
ہوگئے ہیں منفعل پر اب بھی غم کھاتے ہیں روز | آپکے بیمار پرہیز غذا کرتے نہیں
بھانپ ہی لینگے اشارہ سرِ محفل جو کیا | تاڑنے والے قیامت کی نظر رکھتے ہیں
کبھی آئے نہ عیادت کو مسیحا ہو کر | آپ ایسی ہی مریضوں کی خبر رکھتے ہیں
تجھسا کوئی جہان میں نازک بدن کہاں | یہ پنکھڑی سے ہونٹ یہ گل سا بدن کہاں
جوش و خروش ساتھ جوانی کے چلدیئے | وہ موسمِ بہار وہ دیوانہ پن کہاں
اپنا دوپٹہ اسنے دیا مجکو بعد مرگ | ملتا ہے بے نصیب کے ایسا کفن کہاں
معشوقِ بے نمک کو کوئی پوچھتا نہیں | حسنِ ملیح کے ہیں نمک خوار سینکڑوں
بوسہ ملا کسے لب جاں بخشِ یار کا | اس آرزو میں مرگئے بیمار سینکڑوں
جسکو ہوا یہ عارضہ وہ جان سے گیا | دیکھے ہیں ہمنے عشق کے بیمار سینکڑوں
تمسا تو ہم کو ایک بھی ملنا محال ہے | ہمسے تمھیں جہان میں ہیں اے یار سینکڑوں

جب موافق کبھی ہوتا ہے زمانہ اے دل / سنگریزے بھی نصیبوں سے درم ہوتے ہیں
یوں محبت سے جو چاہے کوئی اپنا کر لے / جو ہمارا نہ ہوا اُسکے کہیں ہم ہوتے ہیں
دوست دو چار نکلتے ہیں کہیں لاکھوں میں / جتنے ہوتے ہیں سوا اُتنے ہی کم ہوتے ہیں
اِس میں کیا حرج ہے کہدیجیے آنیکے لیئے / جھوٹے وعدوں سے بھی خوش آپکے ہم ہوتے ہیں
آج اے مرگ کھلی ہستئ موہوم کی اصل / کچھ سمجھتے تھے ہم اِس شے کو مگر کچھ بھی نہیں
واہ اے ابر کرم واہ مرے دریا دل / ہر طرف آپ برستے ہیں ادھر کچھ بھی نہیں
وہ بھی کیا لوگ ہیں دنیا میں خدا کے بندے / جنکو دل توڑتے ہیں خوف و خطر کچھ بھی نہیں
کچھ نہیں ہے تو ڈوپٹے میں چھپاتے کیا ہو / پھر یہ کسواسطے پردہ ہے اگر کچھ بھی نہیں
تصور زلف کا ہے اور میں ہوں / بلا کا سامنا ہے اور میں ہوں
بتوں کو کیوں دیا یہ قد و قامت / قیامت میں خدا ہے اور میں ہوں
قرآنِ رُخ کے چھونے کی جو آرزو کریں / پہلے وہ آبِ دیدۂ تر سے وضو کریں
غافل نہ پاؤں توڑکے بیٹھیں ترے فقیر / ملجائیگا کہیں نہ کہیں جستجو کریں
اپنی کہیں کہ اِس دلِ خانہ خراب کی / تم کو جو ہو پسند وہی گفتگو کریں
مُنہ تک بھری ہے شیشۂ دلمیں شرابِ عشق / رنگت چھپائیں اِسکی کہ پوشیدہ بُو کریں
اپنی خودی مٹائیں تو پائیں رہِ وصال / کھوئیں جو آپ کو وہ تری جستجو کریں
پیرِ مغاں تو مست ہے آپ اپنے حال میں / کس سے سوالِ شیشہ و جام و سبو کریں
ملجائے زاہدوں کو اگر مفت کی شراب / اِنکے بڑے ہیں پیٹ یہ خالی سبو کریں
دامن جدا ہے چاک گریباں جدا ہے چاک / کسکو سئیں بتائیے کسکو رفو کریں
دیکھنا کیا سحر ہے چشمِ فسوں پرداز میں / جسکو دیکھا ہیں ڈالا اک نگاہِ ناز میں
لائیگی رنگ اپنی محبت کبھی ضرور / ایسی بھی بات ہے کہ ترے دلمیں گھر نہو
چبھتے ہیں خارِ دشت تو کہتی ہے بیکسی / حضرت کدھر ہے دھیان تمہارا یہ گھر نہو

ہو گی ضرور صبح تری اے شبِ فراق
ہمکو نصیب دیکھئے ہو یا سحر نہ ہو

تیوری میں بل نہ ڈال چھری سے حلال کر
جوہر ترے نثار خفا اس سے تو نہ ہو

ق

اِس شان سے وصل کی ہے خواہش
ایسا موقع بھی اے خدا ہو

بوسہ جو لیا جھجک کے بولے
دیکھو نہ کوئی دیکھتا ہو

دو دو و ساغر ہوں دو دو شیشے
دُہرا دُہرا ہر ایک مزا ہو

بہکی بہکی ہوں اُسکی باتیں
ساقی ساقی پکارتا ہو

بوسہ بوسہ میں مانگتا ہوں
اچھا اچھا وہ کہہ رہا ہو

سینہ سینے سے گال گال
زانو زانو تلے دبا ہو

نکھری نکھری ہو ساری محفل
ٹھنڈی ٹھنڈی وہاں ہوا ہو

مسکی مسکی ہو اُس کی انگیا
شرما شرما کے ڈھانکتا ہو

اُجلی اُجلی سی چاندنی میں
گورا گورا بدن کھلا ہو

لپٹا لپٹا لوں اُسکو جوہر
بس بس دیکھو وہ کہہ رہا ہو

نیند آنکھوں میں بھری ہے کہاں رات بھر رہے
کسکے نصیب تم نے جگائے کدھر رہے

شب جیسی گزری دن بھی گزر جائیگا میرا
جائیں وہیں حضور جہاں رات بھر رہے

جوہر ابھی سے توبہ مے خیر ہے تمھیں
صحبت پری رخوں کی ہے دن ہیں شباب کے

کیا بتائیں مزاج کیسا ہے
ہم کہاں دل کہاں خدا جانے

یوں تو منہ دیکھے کی ہوتی ہے محبت سبکو
جب میں جانوں کہ مرے بعد مرا دھیان رہے

جسکے پامال ہیں کھائینگے اُسی کی ٹھوکر
کہدیا ہٹ کے چلو او فتنۂ محشر رہے

گلے لگا کے شبِ وصل کس ادا سے کہا
نہ ہوتی تجھ سے محبت تو پیار کیوں کرتے

کیا بتاؤں کس طرح دل آگیا
کیا کہوں کیونکر محبت ہوگئی

کیا پوچھتے ہو حسرتِ دیدار بعد مرگ
تا چند منتظر مری آنکھوں میں دم رہے

میرے ہوتے نگہِ قہر رقیبوں کی طرف
دیکھئے دیکھئے یہ تیر خطا ہوتا ہے

بھولے پن میں بھی کیسے نہیں ہوتے یہ حسیں
چھوٹے سے سن میں گھمنڈ انکو بڑا ہوتا ہے

جان لیکر پھر جلایا تھا تو لازم تھا وصال
کیا خبر تھی مجکو دم دے کر خفا ہو جائینگے

غیروں سے تو فرصت تمھیں دن رات نہیں ہے
ہاں میرے لیئے وقتِ مُلاقات نہیں ہے

عاشق کے لیئے موت سے بہتر نہیں تدبیر
وہ شوق سے کوسیں یہ بُری بات نہیں ہے

خط لکھا یار نے رقیبوں کو
زندگی نے دیا جواب مجھے

ناوک میں راستی ہو - کجی ہو کمان میں
ٹیڑھی اگر بھویں ہوں تو سیدھی نظر رہے

کیا پُوچھتے ہو غیر سے جانی مرے دلکی
معلوم مجھی کو ہے کہانی مرے دلکی

دریافت نکر اے بتِ مینوش مرا حال
ہے شیشۂ صد پارہ نشانی مرے دلکی

تڑپ رہا ہے دل اِک ناوکِ جفا کے لیئے
اُسی نگاہ سے پھر دیکھئے خدا کے لیئے

فرماتے ہیں کہ ہم ترے فقروں میں آچکے
جو لوگ مُنہ سے کہتے ہیں وہ زہر کھا چکے

کیوں مزا دیکھ لیا دل کی کشش کا تمنے
پھر کہوگے کہ ترے گھر مری پیزار چلے

اِتنا کوئی پُوچھے مرے قاتل سے خدارا
باقی کوئی اب اَور تو ارمان نہیں ہے

جوہر - منشی سیّد کاظم حسین صاحب جوہر لکھنوی ۱۸۸۲ء میں زیر سایۂ عاطفت سلطانِ عالم واجد علیشاہ مٹیا برج کلکتہ میں رہتے اور ماہتاب الدولہ سیّد علیجان خان درخشاں مصاحبِ شاہی سے فنِ شعر میں استفادہ کرتے تھے - یہ کلام کا خلاصہ ہے ؎

شوخیاں مجنوں سے ایسی ناقۂ لیلیٰ انکر
ڈھونڈتا پھرتا ہے بیچارہ کہ محمل کیا ہوا

اِس مرتبہ ہے فقر کی دولت سے دل غنی
قاروں کے گنج کو بھی سمجھتا ہوں مال کب

صبح فرقت کا وہ دھڑکا ہی کہ دم پر ہے بنی
تیرے عاشق کا ہے دُنیا سے سفر وصل کی رات

ہیں لبِ جان بخش کے بوسے نصیب
زندگانی کا مزا پاتی ہے روح

کیوں نہ تکلیف ہو کاجل سے تری آنکھوں کو
واقعی رات گراں ہوتی ہے بیماروں پر

اُس قمر نے اپنے رُخ پر تل بنایا تل کے پاس
دو ستارے یک بیک چمکے مہ کامل کے پاس

عاشق ابرو ہوں کوئی تیغ چلکر نذر دوں
ہاتھ خالی جاؤں میں کیونکر بھلا قاتل کے پاس

دیکھ تو پردہ اُٹھا کر لیلیٰ ناقہ سوار
قیس خود رفتہ کھڑا ہی دیر سے محمل کے پاس

کھائی آخر کو در قاتل پہ تیغِ آبدار
کشتیٔ عمر رواں ڈوبی مری ساحل کے پاس

زندگانی کا مزا تجھسے ہے مہ رُو میرے
فقر و فاقہ ہو تو ہو پاس ہو پر تُو میرے

جوہر۔ جناب مرزا احمد شاہ بیگ صاحب مُراد آبادی قانونگو تحصیل ٹھاکردوارہ ضلع مُراد آباد۔ آپ کو منشی انوار حسین صاحب تسلیم سے تلمذ رہا ہے۔ عمر اس وقت ۵۸ سال کے قریب ہے۔ تاریخ گوئی میں آپ کو ایک خاص ملکہ حاصل ہے۔ غزل کہنے کا کم اتفاق ہوتا ہے۔ باوجود تلاش زیادہ کلام بہم نہ پہنچا۔ ناچار اسی قدر کلام پر اکتفا کیا گیا *

جما ہوا ایسا ہے مژگاں کا چشمِ دلبر پر
کہ ٹوٹتے پڑتے ہوں جس طرح رند ساغر پہ

بنا کر آئینہ خود ہیں کیا حسینوں کو
ہزاروں خون ہوے گردنِ سکندر پر

خدا کی شان ہے کوئی تو چین سے سوئے
کوئی تڑپتا رہے ساری رات بستر پہ

نہ چھوڑ دزدِ غم جاں فراغ بال مجھے
ملا ہے تو ہی الم میں شفیق حال مجھے

چہ ذقن کی ترے چاہ ہے مرے یوسف
غلام ہوں سرِ بازار بیچ ڈال مجھے

تمام کام کیا یاس و ناامیدی نے
اُمیدِ وصل ذرا آن کر سنبھال مجھے

میں مغبچہ پہ فدا ہوں وہ دخترِ رز پہ نثار
ملے ہیں حضرتِ ناصح شریکِ حال مجھے

وہ ساتھ غیر کو اپنے لگا کے لائے ہیں
ہوئی ہے ہجر سے بدتر شبِ وصال مجھے

جوہر۔ منشی محمد سیف اللہ خاں۔ آپ اسلام آباد کے باشندے اور اُستادِ وقت منشی امیر اللہ تسلیم کے دامنِ فیض سے وابستہ ہیں۔ چند غزلیں نظر سے گزریں

اُن کا انتخاب حاضر ہے ✤

چارہ گر قہر کیا تُو نے لگا کر مرہم	ہائے زخموں کو ذرا اور اُبھرنے نہ دیا
رکھتا ہیں ہے پاؤں زمین پر غرور سے	اُس رشکِ حور کا ہے دماغ آسمان پر
حضرتِ عشق جو سچ پوچھئے ہیں قہر کی چیز	رنگ ہر رنگ میں اپنا یہ جما لیتے ہیں
خوش نگاہوں کا نگاہوں میں سماناہی غضب	دیکھتے دیکھتے دل صاف چُرا لیتے ہیں
ہاں سُن کے مضطرب کہیں وہ فتنہ گر نہ ہو	فریاد بھی وہ کیجئے جس میں اثر نہ ہو
دامِ اُلفت سے رہائی عمر بھر دشوار ہے	گر رہائی دے مجھے صیاد اپنے ہاتھ سے
قتل کرنے کے لئے کیا کم ہی یہ ترچھی نظر	رکھدے قاتل خنجر فولاد اپنے ہاتھ سے

جوہر شفیقی و مکرمی حکیم معشوق علیصاحب شاہجہانپوری۔ وکیل درجۂ اول ریاست بھوپال آپ شاہجہاں پور روہیلکھنڈ کے ایک معزز خاندان کے رکن ہیں اور ایک عرصہ سے ریاست بھوپال میں سکونت پذیر ہیں۔ اور اپنی عالمانہ قابلیت و استعداد کے خیال سے جوہر قابل مانے جاتے ہیں معلومات علمی نہایت اچھی اور وسیع ہیں۔ اور فنِ سخن سے تو گویا عشق ہے۔ بھوپال میں شعر شاعری کا چرچا ان کے دم سے ہے۔ اکثر مشاعرے بھی کرتے رہتے ہیں۔ عنفوانِ شباب میں دہلی آکر نواب اسد اللہ خان غالب کے فیضِ صحبت سے بہرہ ور ہوئے تھے اور فخرِ تلمذ بھی حاصل کیا تھا۔ کئی ماہ تک اُن کی خدمت میں حاضر رہ کر اصلاح لی۔ نظم و نثر دونوں میں دستگاہِ کامل حاصل ہے۔ جدت پسند و معنی خیز طبیعت اس فن کے مناسب پائی ہے۔ کلام نہایت پاکیزہ اور لطافت کا پہلو لئے ہوئے ہوتا ہے۔ سِن شریف اب ۶۰ سال کے قریب ہی۔ سُنا ہے کہ اب حیدرآباد دکن میں کسی محکمہ میں ملازم ہوگئے ہیں۔ راقمِ تذکرہ سے عرصہ سے رسل و رسائل کا سلسلہ جاری ہے مگر افسوس کہ باوجود متعدد اقراروں کے کلام ارسال نہیں کیا۔ ناچار جو کلام متفرق رسالوں میں نظر سے گزرا اُس کا انتخاب درجِ تذکرہ کیا گیا ✤

جوہر

دیکھی کبھی خزاں۔ کبھی موسم بہار کا
کیا اعتبار ہو چمن روزگار کا

بوئے وفا نہ رنگِ محبت گلوں میں ہے
بگڑا ہے نیل کیا چمن روزگار کا

یارب یہ سچ ہے بات کہ محشر کی صبح سے
دامن سِلا ہوا ہے شب انتظار کا

ساقی نہیں ہے ساغر و پیمانہ تو نہو
چُلّو ہی بھر دے آج تو مجھ بادہ خوار کا

جاں نکلی نہ فرقت کی اذیت سے شب ہجر
مر مر گئے ہم تا سحر ارمانِ قضا میں

کیا تجھ پہ تصدق کرے اے بادشہِ حسن
جز نام خدا کچھ نہیں کچکولِ گدا میں

ان ترچھی نگاہوں سے بچیگا کوئی کیونکر
ہے تیغ قضا قبضۂ انداز و ادا میں

ٹھیری ہے بس اب لختِ جگر پر بسر اپنی
ٹکڑے ہی دو چار ہیں کچکولِ گدا میں

حیراں نکیوں دیکھنے والے ہوں سرِراہ
آئینے کی ضو ہے ترے نقشِ کفِ پا میں

کیا اور جفا کا کوئی ارمان ہے باقی
کیوں آئے ہیں وہ بزم عزائے شہدا میں

گردن پہ وہ رکھ رکھ کے اُٹھا لیتے ہیں خنجر
کچھ کچھ ہے محبت کی جھلک طرزِ جفا میں

بربادیٔ گلشن پہ ہیں گل چاک گریباں
پیدا اثرِ درد ہے غنچوں کی صدا میں

بارِ ستم و جور فقط دوسنے اُٹھایا
اِک میں ترے پامالوں میں ہوں ایک حنا ہے

آئی جو جوانی تو سکھائی ہوئی آئی
یہ ناز۔ یہ انداز۔ یہ شوخی۔ یہ حیا ہے

ہمیں دے ساغرِ مے ہم سے لے دعا ساقی
کہ کام آئے گا تیرے لیا دیا ساقی

پڑینگے لینے کے دینے نہ مانگ قیمتِ مے
جو کوئی مستی میں تجھ سے اُلجھ پڑا ساقی

میکدے میں ساغر و مینا سے مہمانی ہوئی
شیخ کی رندوں میں آکر آبرو پانی ہوئی

کیا لطافت ہے نہیں پڑتا ہے آئینہ میں عکس
سچ تو یہ ہے خلقت اُس مہوش کی لاثانی ہوئی

کر گیا ہنگام آرایش اثر جادوئے حسن
اُنکو سکتہ اور آئینہ کو حیرانی ہوئی

جو لہو پی پی کے رہتے تھے وہ اب پیتے ہیں پھول
فصلِ گل میں یہ مئے گلگوں کی ارزانی ہوئی

پھر بلا میں اِس دلِ بیتاب نے ڈالا مجھے
پھر کسی زلفِ شبگوں کا ہوا سودا مجھے

اُستخواں کیا خاک تک باقی نہیں ہو ہڈیں
دیکھنے والا ہوں میں بھی تو کسی خوش چشم کا
خود بخود جوہر سے ملنے کو چلا آئے وہ شوخ
مزا دیوانہ پن کا وادیٔ وحشت میں جب آئے

آسیائے چرخ نے اِس طرح سے پیسا مجھے
یوں نہ تو آنکھیں دکھا اے نرگسِ شہلا مجھے
اے فسونگر ایسا کچھ بتلا دے اِک لٹکا مجھے
نہ دامن خار سے چھوٹے نہ چھوٹے خار دامن سے

جوہر

جوہر شیخ محمد عبد العزیز ولد شیخ محمد عبد الرحمٰن - رئیس غازی پور ۱۲۸۸ھ ہجری میں پیدا ہوئے دس برس کی عمر تھی کہ داغ یتیمی نصیب ہوا یعنی شفیق باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا - موروثی قرضہ کی ادائگی میں جائداد نیلام ہوگئی - ۱۲ برس کی عمر تک غازی پور ہی میں تعلیم و تربیت پائی - پھر ۱۳۰۱ھ ہجری میں جون پور جا کر مولوی محمد محسن جون پوری اور مولوی ہادی حسن سے عربی و فارسی پڑھی - ورنیکلر اسکول سے مڈل کا امتحان بھی پاس کیا ہے - ہندی - ناگری - بنگلہ - انگریزی بھی بقدر ضرورت جانتے ہیں - اِسی زمانے میں شاعری کا شوق ہوا - پہلے پہل غبار جون پوری سے مشورۂ سخن کیا - پھر ۱۳۰۴ھ ہجری میں حضرت امیر مینائی مغفور سے شرف تلمذ حاصل کیا - فنِ عروض سے بھی واقف ہیں - ایک ضخیم غیر مطبوعہ دیوان آپ کا تیار ہے - اپنے قرب و جوار میں اچھے شاعر خیال کیئے جاتے ہیں - اکثر جوان شائق سخن آپ کے شاگرد بھی ہیں - حافظہ اِس بلا کا ہے کہ اُساتذہ کے ہزارہا شعر ازبر ہیں - عاشق مزاج اور حسن پرست طبیعت پائی ہے مجموعتًہ اِن خاص جذبات کا اثر آپ کے کلام میں بھی پایا جاتا ہے - عاشقانہ اور پردرد مضامین کے علاوہ زبان بھی صاف ہے اور طرز بیان بھی عمدہ ہے - وسیع الاخلاق ہر دلعزیز - بامذاق - منکسر المزاج - ذہین - حلیم - ملنسار - آزادی پسند - برجستہ گو اور گانے کے شائق ہیں - صوم و صلوٰۃ کے نہایت پابند اور معزز سوسائٹی کے بیٹھنے والوں میں ہیں - آپ کا خاندان غازی پور کے اعلیٰ طبقہ کے رؤسا میں شمار کیا جاتا ہے - انتخاب کلام درج کیا جاتا ہے *

پریوں کا شیفتہ ہے جوہر نہ حور عین کا
دیوانہ ہے ازل سے اِک شوخ مہ جبین کا

رُوٹھی ہے یارِ جاناں اُجڑا ہے دل ہمارا
یہ رنگ ہے مکان کا وہ رنگ ہے مکین کا

آرزوؤں کا لگا رہتا ہے میلا دل میں
دیکھ لو آکے کسی دن یہ تماشا دل میں

کر دیا تیرِ مژہ نے ترے رخنہ دل میں
آرزو دل میں ہے غم دل میں تمنا دل میں

اے خوشی تُو ہی بتا تجھکو جگہ دوں کیونکر
چھاؤنی چھائے پڑا ہے غمِ دنیا دل میں

پُوچھو نہ حال منزلِ گیسوئے یار کا
رہزن تو سینکڑوں ہیں کوئی رہنما نہیں

کچھ دیر آپ اور رہیں جلوہ گاہ میں
کہتی ہے چشمِ شوق ابھی جی بھرا نہیں

واہ رے قاتل کی شان اللہ رے ترچھی نظر
ایک خنجر آنکھ میں ہے ایک خنجر ہاتھ میں

حشر میں بھی جھُومتے پھرتے ہیں متوالے ترے
شیشۂ مے ہے بغل میں اور ساغر ہاتھ میں

ڈھونڈتے ہیں وہ کہیں ملتا نہیں میرا مزار
خشک ہوتی جاتی ہے پھولونکی چادر ہاتھ میں

پوشیدہ محبت کے کھُلے راز ہمیں سے
دنیا میں ہوا عشق کا آغاز ہمیں سے

وہ شوخ نظر دیکھ کے نرگس کو یہ بولا
یاری ہے تو لڑ کر یہ نظر باز ہمیں سے

بجلی کی تڑپ قابلِ تعریف ہے لیکن
سیکھے ہیں تڑپنے کے یہ انداز ہمیں سے

رُک رُک کے دمِ ذبح یہ چلتی ہے گلے پر
تلوار بھی کرتی ہے تری ناز ہمیں سے

چمکا کبھی وہ رخ کبھی زلفوں میں چھپ گیا
دن ہو گیا کبھی تو کبھی رات ہو گئی

اب ہم ہیں اور ساقی و پیمانہ و شراب
توبہ تو نذرِ پیرِ خرابات ہو گئی

نیرنگیاں ہیں جلوۂ قدرت کی ہر طرف
دُنیا مری نظر میں طلسمات ہو گئی

جور و جفا کے بعد پشیماں ہوئے جو تم
اچھا کیا تلافیٔ مافات ہو گئی

جوہر بتوں کے عشق میں سب کچھ ہوا مگر
ایمان بچ گیا یہ بڑی بات ہو گئی

کہہ رہا ہے سرِ محفل یہ کسی کا جلوہ
دل ہو پیارا تو مرے پاس نہ آئے کوئی

ناز جس پر ہے اُسی پر ستم و جور بھی ہوں
میں نہیں کوئی تو مجکو نہ ستائے کوئی

ہے پاس بھری آنکھوں میں چلتا ہوا جادو	جو بات ہے بسمل میں وہ قاتل میں نہیں ہے
آراستگی بزم ہے عشاق کے دم سے	جب ہم نہیں کچھ بھی تری محفل میں نہیں ہے

جوہر **جوہر** ۔ منشی جواہر سنگھ مقیم ریاست ریوان بندیل کھنڈ۔ آپ بریلی کے باشندے ہیں اور منشی موسیٰ حسین اختر سے تلمذ رکھتے ہیں۔

اللہ اللہ کس بلا کی ہے تری برقِ جمال	تابِ نظارہ نہ لایا طور جل کر رہ گیا
خم بہ خم گیسوئے پیچاں کوٹیئے جاتے ہیں کیوں	آپ کچھ فرمائیں تو یہ جال پھیلاتے ہیں کیوں
دل کے لیتے وقت تو اللہ ری بے باکیاں	اب سوالِ وصل سُنکر آپ شرماتے ہیں کیوں

جوہر **جوہر** ۔ منشی جواہر سنگھ جوہر خلف منشی بختاور سنگھ راقم ذی استعداد اور باکمال سخنور تھے۔ فارسی کی استعداد عالمانہ تھی اور شعر بھی اس زبان میں خوب کہتے تھے مولوی ناگل محمد خان ناطق سے تلمذ تھا۔ اُردو میں خواجہ وزیر کے ارشد تلامذہ میں انھیں سمجھنا چاہیئے۔ آپ قوم کے کایستھ اور راجہ لالجی بہادر کے (جو سرکار امجد علیشاہ اور واجد علیشاہ میں سلطنتِ اودھ کے بخشی فوج تھے) حقیقی خواہرزادہ تھے۔ انتزاعِ سلطنتِ اودھ کے بعد جب وہ سلسلہ درہم و برہم ہوا تو مہاراجہ سر درگبجے سنگھ والیٔ بلرامپور نے ازراہِ قدردانی اپنے پاس بُلا کر رکھا۔ اور رفقائے خاص میں داخل کیا۔ اور مدۃ العمر اپنے پاس سے جُدا نہ ہونے دیا۔ تصوف اور وحدانیت کی طرف طبیعت کا خاص رجحان تھا۔ نہایت پُرگو اور خوش کلام سخنور تھے۔ آپ کی طبیعت کی آمد کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ پانچ دیوان آپ کی تصنیف سے شائع ہوئے جن میں سے دو مطبع نولکشور میں اور تین مطبع رفاہ عام سیالکوٹ میں چھپے ہیں۔ ایّامِ ضعیفی میں بس بارہ برس ہوئے کہ آپ کا انتقال ہو گیا۔

اصل مطلب ایک ہے آگاہ و ناآگاہ کا	ہے الحمد کا ترجمہ عربی میں لفظ اللہ کا
دیکھیے جو بنا ہوا شان صنعت ربّ حفیظ	طاقِ ابروئے بُتاں گنبد ہے بسم اللہ کا

کسکو ہے اُسکے فروغِ شمع وحدت کی نظر
ایک موسیٰ ہی تھا پروانہ تجلّی گاہ کا
پسند عاشقان نغمہ ہے یہ رو و مصیبت کا
کہ بزم عیش میں گاتے ہیں مضموں سوزِ فرقت کا
پری و حور ہیں نا جنس کیا لطف آدمیت کا
بشر ہیں ہم بشر سے ہے مزہ اپنی طبیعت کا
خدا نے لذتیں دنیا میں دیں تم بد سمجھتے ہو
نتیجہ زاہد و اچھا نہیں کفرانِ نعمت کا
خدا کا بیٹا یا معشوق کہنا کفرِ مطلق ہے
منزّہ سب سے ہے رُتبہ خداوندِ حقیقت کا
اُلوہیت ۔ فنا ۔ تخلیق ۔ شانیں خاص اُسکی ہیں
پرستش کرتے ہیں ہم نام رکھکر اُسکی قدرت کا
صنم بھی اُسکے مظہر ہیں کروں سجدہ نکیوں جوہر
نظر آتا ہے جو کچھ ہے نمونہ اُسکی قدرت کا
ترے ہنسنے نے کر دی عشرتِ صبحِ وطن پیدا
دکھایا لطفِ مستی نے تری شامِ غریباں کا
نکالے جانے پر جنّت سے گر ہی نسل آدم کی
گذر ممکن نہیں اے شیخ پھر جنت میں انساں کا

منجم کوئی ایسی رات ہوگی
کہ آئے وہ مہرِ کامل ہمارا

قصیدہ اے شیخ دیں ثابت نہیں منصور و سرمد کا
اناالحق حسن سنّت ہے اَنا بے میم احمد کا
جس جلوے نے تھا طور شرارت سے جلایا
دیکھا جو تجھے مجکو دوبارہ نظر آیا
دیکھا جو بڑھ کے شوق سے اک راہبر نہ تھا
پہنچا وہاں میں خضر کا جس جا گزر نہ تھا
گردش سے آسماں کی کسی جا مفر نہ تھا
کس سر زمیں پہ یہ فلکِ فتنہ گر نہ تھا
میں عشق سے وہ حسن سے بیہوش دونوں تھے
جو کچھ ہوا معاف کوئی باخبر نہ تھا
کیوں طاقِ کعبہ رخنۂ دیوار کعبہ ہے
زاہد جو اُس کا تیرِ نظر کارگر نہ تھا
کچھ اور ہی مزہ ہے نئے شوق و ذوق کا
جو لطف پہلے دن تھا وہ روزِ دگر نہ تھا
ٹھہرا وصال وعدۂ فردائے حشر پر
دل کو یہاں تحمّلِ روزِ دگر نہ تھا
سوتے فتنہ کو جگانے کو ہوا تو پیدا
کی تری آنکھوں نے کیفیتِ جادو پیدا
آفتِ جاں ہوا عالم کے لیئے تو پیدا
کس بلا کے ہوئے چشم و رخ و گیسو پیدا
وہ جوانی کے مزے دلبر کم سن میں کہاں
غنچہ جبتک کہ نہ ہو گل نہ ہو خوشبو پیدا

بڑھ گئی اُسکی حقیقت جو ہوا واصل بحق ٭ جزو سے کل ہو گیا قطرہ سے دریا ہو گیا ٭
جہاں سر سبز ہی کیفیت فصل بہاری ہو ٭ زمین و آسماں اک جام و مینا ہی زمرد کا

مست عاشق کو تری بوئے دہن کرتی ہے
ایک غنچے سے نہ ایسی ہوئی خوشبو پیدا

دونوں ہاتھوں سے بلائیں تری لیتا ہے حسن
چہرے پر تیرے لیے یہ بُت نہیں ابرو پیدا

دل ابھی آپکے کوچے میں تڑپکر پہنچے
ہو جو پہلو سے نکل جانے کا پہلو پیدا

فیضِ انوارِ ازل حصے میں ہے اوّل سے
جُملہ مخلوق سے پہلے ہوئے ہندو پیدا

شکلِ آئینہ گزر خلوتِ اصنام میں ہے
شکرِ خالق ہے کہ جوہر ہوئے ہندو پیدا

دل مےٴ عشق سے مسرور ہوا خوب ہوا
جام خالی تھا یہ معمور ہوا خوب ہوا

خواب میں وصل سے مسرور ہوا خوب ہوا
کچھ تو بارے غمِ دل دُور ہوا خوب ہوا

مجکو مارا تو نے اے بیداد گر اچھا کیا
قصۂ طولِ محبت مختصر اچھا کیا

یہ حسن و ناز نہ پریوں میں ہے نہ حوروں میں
خدا کی شان ہے پیدا کیے بشر کیا کیا

شراب و صحبتِ احباب و باغ و رقص و سرود
مدام عیش میں جوہر ہوئی گزر کیا کیا

جلد لا ساغرِ الماس میں ساقی مےٴ لعل
موتی برساتا ہوا ابر گہر بار آیا

تیرا عاشق یہ رندِ مست ہوا
شیخ ملحد لحد پرست ہوا

تپ فراق میں تن ہے یہ دردمند اپنا
جُدا جُدا ہوا جاتا ہے بند بند اپنا

یکتائی پہ ہے ناز تو اتنا بھی رہے یاد
ہمسا مجھے تو تمکو بھی مجھ سا نہ ملے گا

جوہر سا کہیں ڈھونڈ نکالو تو بتا دیں
عاشق بھی ہو شاعر بھی ہو ایسا نہ ملیگا

بھولے ہیں ہمصفیر بھی مجکو کہ تا قفس
مژدہ بھی کوئی لیکے نہ آیا بہار کا

خار کی طرح ملی باغِ جہاں میں تقدیر
جس سے لپٹوں وہ چھڑا لیتا ہے دامن اپنا

اللہ نے نکالا ضلالت سے شیخ کو
کعبہ سے عزم جانبِ کوئے بتاں کیا

جگانے صبح وہ بالیں پہ بے نقاب آیا
اُٹھو بھی صبح ہوئی سر پر آفتاب آیا

ہے ہار جو شبنم کا بھی ہو پیرہن ان کا
نازک ہے چنبلی سے بھی زیادہ بدن اُن کا

ایک بوسہ لیکے عاشق شادماں ہو جائیگا
او بتِ گلفام کیا تیرا زیاں ہو جائیگا

ہر شیخ و شاب شکل کا دیوانہ ہو گیا
کعبہ تمھارے جانے سے تبخانہ ہو گیا

مجھے اِن جھوٹے وعدوں پر یقین آئیگا کب آیا
ملیگا وہ قیامت میں تو سمجھونگا کہ اب آیا

ہم آئے عشقبازی کو تم آئے دلنوازی کو
کوئی اس عالم اسباب میں کب بے سبب آیا

کیا آئے کیا چلے ہیں نظر بھر کے دیکھ لوں
ٹھیرو کہ حوصلہ دلِ بسمل میں رہ گیا

نہ کوئی رہا ہے نہ کوئی رہے گا
فقط ایک حرفِ نکوئی رہے گا

خیالِ زلف سے ہے دیدۂ پُر آب میں سانپ
ترے دکھانے کو یہ بند ہیں حباب میں سانپ

یہ عشقِ افعیٔ گیسو کی دیکھئے تاثیر
کہ رات بھر نظر آتے ہیں مجکو خواب میں سانپ

ارغوانی شراب کا ہو دَور
آئی رندانِ بادہ خوار بسنت

ہو کے آیا ہے زرد پوش وہ گل
سر سے ہے پاؤں تک نثار بسنت

جوہر نہ بچے گا کوئی نہ دنیا میں جان لو
موت از برائے عالم و عالم برائے موت

میرے مرض کا کچھ نہیں غیر از فنا علاج
دم لیکے غم یہ جائیگا ہے اِس کا کیا علاج

کثرت سے اختلاف کی ہیچ کس کو جانیئے
مصنوعی سب ہیں قصۂ دین و کتاب شرع

سب کھینچتے ہیں نالۂ گرم اُسکے واسطے
اِک شمع نے لگائی ہے یہ انجمن میں آگ

مانندِ شمع ہوگا مرا شعلہ پیرہن
مرنے پہ سوزِ دل سے لگیگی کفن میں آگ

کب کسی گلبن میں پھولے اسقدر یکبار گل
چشمِ گل۔ لبِ گل جبینِ گل۔ گوشِ گل رخسار گل

صبر آ ہی جائیگا اے ناصحو!
تھک کے خود ہو جائیگا ناچار دل

دیکھنے کو دو ہیں آنکھیں در حقیقت اک ہے نور
ایک ہی جلوہ ہے اُس کا کافر و دیندار میں

غضب ہے مئے سے کیفیت لبِ جاں بخش جاناں میں
خضر دوڑو بجھا لے۔ لگ گئی آگ آبِ حیواں میں

داد اس ظلمتکدہ سے کوئی کیا پائیگا خاک
دن کو شمع جلتی ہے اندھیر ہے درگاہ میں

بعید عقل ہے احترام دیر و حرم
مکان ساختہ خود کو کیا سلام کریں

نالوں کا میرے رنگ اُڑ آیا فغان میں
بلبل کہیں کانٹے نہ پڑیں تیری زبان میں

بھڑکی گلوں سے آتشِ دل ہجرِ یار میں　پھک جائے باغ آگ لگے اس بہار میں

کچھ نہیں ماتم زدوں کو لطفِ سامانِ بہار　گل ہیں خنداں باغ میں شبنم ہے گریاں باغ میں

طوف ور تیرا جو ہو گبر و مسلماں کو نصیب　بت پرستی چھوڑ دیں تربت پرستی چھوڑ دیں

حبذا شہر و دیار لکھنؤ　دیکھئے باغ و بہارِ لکھنؤ

پوچھتے ہیں مجکو یوں قاصد سے وہ　جوہر تحصیلدار لکھنؤ

جس کا عاشق ہوں سوا اسکے نہ دیکھوں غیر کو　باغ جنت میں بھی ہیں تنہا نجاؤں سیر کو

قیدِ آب و گل سے جوہر کہدو وہ آزاد ہے　چھوڑ و سجدہ کرنا اے خانہ پرستوں طاق کو

دیکھتا ہے صبحدم وہ چہرا انور آئینہ　بن گیا ہے مطلعِ خورشیدِ خاور آئینہ

گردشیں ہیں تام روزی سے زمانے کے لیئے　ہے امامِ سبحہ تک گردش میں دانے کے لیئے

سبحۂ صد دانہ میں اعدادِ حق پیدا نہیں　حق کو بھولا شیخ ناحق آٹھ دانے کے لیئے

غیب سے جوہر مدد ہوتی ہے ہمت چاہیئے　مستعد رہیئے مقدر آزمانے کے لیئے

جو ہے جری بحکمِ خدا لازوال ہے　شہباز ہے حرام کبوتر حلال ہے

جائز نہیں از دو صوم مئے پرتگال ہے　زاہد حرام تیسرے فاقے حلال ہے

گر نہ ہو حاصل کسی سے مدعا بے دل نہ ہو　آدمی کو ربِّ اعلیٰ پر توکّل چاہیئے

بوئے فرحت بھی تو پہنچے روشنی سے روح کو　قبرِ بلبل پر چراغِ روغنِ گل چاہیئے

وہ بادہ خوار ہوں پہنچوں گا جب لبِ کوثر　تو دینگے ساقیٔ کوثر بھی بھر کے جام مجھے

ہوں دونوں مستِ بادہ تو دونا سرور ہو　تم بھی پیو جو خاطرِ مہماں عزیز ہے

کہیں کیا جو فراقِ یار میں دم پر گزرتی ہے　ہمارا دل ہی واقف ہے جو کچھ ہم پر گزرتی ہے

الٰہی موت بہتر ہے جہاں میں نامرادی سے　مرادِ دل نہ حاصل ہو تو پھر کیا خاک جینا ہے

زیارت کو حسین آتے ہیں جوہر میرے مرقد پر　یہ مشہد ہے۔ نجف ہے۔ کربلا ہے یا مدینا ہے

دل ناشگفتہ رہ گیا کوشش ہزار کی　اس باغ میں ہوا ہی نہ آئی بہار کی

کیفیت اور ہے لبِ میگوں سے آب کی	ہے تیرے جھوٹے پانی میں مستی شراب کی

جوہر - سید محمد جان جوہر خلف الرشید سید لال محمد صاحب خواجہ معین الدین چشتی قدس اللہ سرہ کے درگاہ شریف کے خدام میں شامل ہیں۔ اصلی وطن اجمیر ہے۔ حضرت اختر سہارنپوری تلمیذ مولنا ظہیر دہلوی کے خوشہ چین ہیں۔ اردو کے سوا علوم فارسی وعربی کی بھی تحصیل کی ہے ۲۷-۲۸ برس کی عمر ہے۔ کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

عیادت کو مری تم آئے تو احسان ہی کیا ہے	مصیبت میں خبر انسان کی انسان لیتے ہیں
اللہ رے حجاب کہ کہتے ہیں وصل میں	دیکھو ذرا کہ شمع کہیں دیکھتی نہ ہو
نہ رکھیئے حشر پر جھگڑا نہ رکھیئے	ہمارا فیصلہ جو ہو یہیں ہو
جس سے فتنے ہوں عیاں ایسی روش ہے کس کی	جس سے محشر ہو بپا ایسا چلن کس کا ہے

جوہر - جناب سید محمد حسین صاحب زید پوری - آپ زمانۂ حال کے شعرا میں سے ہیں اور آپ کا کلام رسالۂ معیار میں شائع ہوتا ہے - باوجود تلاش زیادہ حالات ہمیں معلوم نہ ہوسکے - نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

ہم بقائے ابدی اپنی فنا کو سمجھیں	ہو میسر جو غبارِ درِ جاناں ہونا
جبکہ اخفا ہے مری چشمِ تصور سے محال	پھر ہے بیکار ترا پردے میں پنہاں ہونا
ہے کئی دن سے یہی شغل مریضِ غم کا	آپ ہی سوچنا کچھ آپ ہی گریاں ہونا
جذبۂ عشق زلیخا میں جو ہوتی تاثیر	سہل تھا دامنِ یوسف کا گریباں ہونا
لے چلی بادِ صبا ساتھ مرا مشتِ غبار	کس گلستاں کی ہے قسمت میں بیاباں ہونا
لوگ حیرت میں ہیں بیجاں ہے یا بیہوش ہے	آج نالہ کش ترا کچھ اس طرح خاموش ہے
سر ہے وہ سر جس میں سودائے وفا کا ہے وجود	دل ہے وہ دل جس میں الفت کا کیسی جوش ہے
ہو بھلا تیرا لگا دے آج منہ سے خُم کا خُم	تشنہ لب مدت سے اے ساقی ترا مینوش ہے
بحرِ حسنِ یار میں پیدا ہے طوفانِ شباب	اک قیامت کا تلاطم ہے غضب کا جوش ہے

ہے کچھ ایسا ہم اسیرانِ چمن کا اشتیاق	ایک مدت سے قفس کھوئے ہوئے آغوش ہے
ہم سمجھتے تھے یہیں ہوئیں گے جوہر جاں نثار	کوچۂ قاتل میں اک عالم کفن بر دوش ہے

جوہری

جوہری- لالہ نکند لال صاحب المتخلص بہ جوہری ساکن قصبہ کاکوری ضلع لکھنو (اودھ) آپ عرصۂ دراز سے حیدر آباد دکن میں کسی محکمہ میں نائب مددگار ہیں۔ مذاق طبیعت اچھا ہے زبان شستہ ہے مشق بھی خاصی ہے۔ تلمذ کا حال معلوم نہیں کہ کس سے ہے۔ مگر صاحب دیوان ہیں۔ غزل کے علاوہ مصرع لگانے کا سلیقہ بھی خوب ہے۔ دیوانِ مطبوعہ نظر سے گزرا۔ اس کا انتخاب ملاحظہ ہو +

ہوش و خرد و تاب و تواں عشق سے بھاگے	ثابت قدم اِس راہ میں اِک دل نظر آیا
دل ہیں و نزہیں شکایت سے بھرے	منہ مرا آپ نہ کھلوائیے گا
رہے آباد میخانہ ہماری تو دعا یہ ہے	بسائیں دیر و کعبہ جا کے شیخ و برہمن اپنا
گلشن زندان سے ہمکو سوئے کوئے دوست	نخل طوبیٰ ہے قد دل جوئے دوست
سمجھتا ہے جسے اسے جوہری دوست	عدوئے جاں ہے اُس سے دل سمجھکر
کرنے لگے باتوں میں وہ اعجازِ مسیحی	لعلِ لبِ جاں بخش پہ مرجانے کے دن ہیں
بیوجہ زلزلہ نہیں اس سطح خاک کو	ہے دفن مضطرب کوئی زیرِ زمیں کہیں
نہ روح کا ہے بھروسہ نہ اعتبار بدن	ہوا حباب میں ہے یا حباب شیشے میں
دل تو جلتا ہے مگر آہ و فغاں کچھ بھی نہیں	آگ یہ کیسی لگی ہے کہ دھواں کچھ بھی نہیں
لگا کے وار وہ حیرت میں مجکو سکتا ہے	میں آنکی تیغ وہ میرے جگر کو دیکھتے ہیں
نہ آنکھیں چار کرو اک نظر ادھر دیکھو	ادھر نگاہ کرو ہم ادھر کو دیکھتے ہیں
مال و زر کیا نقدِ جاں نذرِ رہِ عقبیٰ کروں	یہاں مجھے رہنا نہیں کیوں خواہشِ دنیا کروں
آپکے امروز فردا میں ہوا فردائے حشر	آج کیا میں اعتبارِ وعدۂ فردا کروں
ہیں بات بات پہ نازاں کیے دم بدم سو سو	ہر ایک ناز میں کرتے ہیں وہ ستم نئے نئے

حالِ قیس و وامق و فرہاد پر کیا منحصر
درد کا قصہ الم کی داستاں ہو کوئی ہو

مجھے تو صحبتِ مے سے ہے بیخودی مقصود
سرور ہو کہ نہ ہو کچھ خمار ہو کہ نہ ہو

تمہارے ہاتھوں سے برباد ہو جو خاک مری
تو اوج پر مرا مُشتِ غبار ہو کہ نہ ہو

یہ دل آئینہ حالِ جہاں ہے تمکو دیتے ہیں
ہمیں اک جام مے دو اسکے بدلے جامِ جم لیلو

میرے سوالِ وصل کا اُلٹا جواب ہے
غصہ ہے جھڑکیاں ہیں غضب ہے عتاب ہے

پُرخوں ہے دل تو چشم پُر از آبِ ناب ہے
وہ شیشۂ شراب یہ جامِ شراب ہے

ربط ایسا ہو تو کس طرح نہ آرام سے لے
گور کو سمجھوں میں تن گور مجھے جان سمجھے

جسم کو دل کو جگر کو نہ ہو کیوں روح عزیز
مالکِ خانہ بھی ہے سمجھو تو مہمان بھی ہے

وعدۂ یار گزر جائے گا مر جائیں گے
ملک الموت سے کہدو کہ تقاضا کیا ہے

جگر سے دل سے بدن سے تو ہو چکی رخصت
لبوں پہ جاں ہے ترا انتظار باقی ہے

ہم نہ سرکش سے جھکیں وہ نہ جُھکے گر پہلے
خم ہو تیغ تو یاں جھکتا ہے کب سر پہلے

جوہری۔ لالہ شیو پرشاد صاحب رئیس فرخ آباد۔ آپ فرخ آباد کے ایک قدیم اور نامور گھرانے کے رکن ہیں۔ آپکے والد لالہ مادھو رام جوہر کو فنِ سخن میں خاص ملکہ حاصل تھا۔ منشی منیر شکوہ آبادی کے شاگرد رشید تھے۔ لالہ صاحب کو فنِ سخن اس طرح میراث میں ملا ہے۔ کچھ کلام نظر سے گزرا اُس میں سے چار شعر درج ذیل ہیں ؎

ہم کہیں کے نہ رہے ہائے دل آجانے سے
تجھے جو اپنے نظر آنے لگے بیگانے سے

ہوش انکے بھی اُڑائے ہیں پریزادوں نے
آج ناصح بھی نظر آتے ہیں دیوانے سے

واعظو! ہمسے نہ کچھ اسکی حقیقت پوچھو
آئے ہیں نورِ خدا دیکھ کے بتخانے سے

تمھیں تدبیر نکالو کوئی صورت اِسکی
دلِ بیتاب سمجھتا نہیں سمجھانے سے

جویا۔ حسین علیخان ملیح آبادی۔ چکلادار۔ گویا کے ہمعصر تھے۔ صاحب دیوان اور خاصہ کہتے تھے۔ تین شعر آپ کے نمونتاً درج ذیل کیئے جاتے ہیں ؎

کس طرح جا کے کوئی یار کے در پہ بیٹھے ... یار تو ایک طرف دیتے ہیں دربان اٹھا

صفائی قلب کی چاہے تو ہے ترکِ ہوس بہتر ... ہتھیلی پر اگر ہو شمع تو ضبطِ نفس بہتر

بے گنہ سینکڑوں دل زلف نے پابند کیے ... یہ تو اندھیر بہت آپ کی سرکار میں ہے

جویا

جویا۔ نواب مہدی علیخان عرف چھمّن صاحب۔ رئیس لکھنؤ۔ آپ نواب بندہ علیخاں زیبا مرحوم کے نامور شاگردوں میں ہیں۔ شعر گوئی کی اچھی مہارت حاصل۔ زبان۔ بندش ترکیب بیان سب اچھے ہیں۔ مضمون شگفتہ اور اسلوبِ بیان دل آویز ہے یہ اشعار ان کے ہیں ٭

نحیف و زار گو ہو مثلِ مجنوں نام کر جانا ... رہِ الفت سے مانندِ نگہ جویا۔ گزر جانا

حدودِ عشق تک دشوار تھی اپنی نظر جانا ... پسند آتا نہ کیوں آغاز ہی میں ہمکو مر جانا

کسی کی تیغِ غم نے خوں کیا ہے جن کا مدت تک ... بتا دے چارہ گر ممکن ہے ان زخموں کا بھر جانا

ہر اک تارِ نفس سے رشتۂ الفت ہے وابستہ ... دمِ آخر سرِ بالیں ذرا دم بھر ٹھہر جانا

پریشاں ہو گی کاکل غیظ آئینے پر آئے گا ... دمِ زینت بری ہے میرے مرنے کی خبر جانا

سوائے کم سنی کے اور اے قاتل سبب کیا ہے ... کہ خود ہی ذبح کرنا خود ہی میرے خوں سے ڈر جانا

ابھی کم سن ہو موئے زلف جس طرح ہیں رہنے دو ... جوانی خود بتا دیگی انھیں آ کر سنور جانا

حیا پرور ہے قاتل کیوں نہ رکھوں ہاتھ سینے پر ... نہیں اچھا کسی کے دیکھتے زخموں پر نظر جانا

سختیاں کیا کیا اٹھائی ہیں بتوں کے عشق میں ... لیکن ایسے سخت جاں ہیں ہم قضا آتی نہیں

کرینگے جبہہ سائی آستانِ یار پر جا کر ... ضرور اک دن مٹا دینگے لکھے کو ہم مقدر کے

ہے دمِ نزع نہ بالیں سے سرک او ظالم ... اب گوارا نہیں دم بھر کی بھی فرقت تیری

زندگی میں بھلا نجات کہاں؟ ... مر کے چھوٹیں گے ہجر کے غم سے

سمجھتے تھے کہ نیند آ جاتی ہے ٹھنڈی ہواؤں میں ... کسی کے ہجر میں دی جان آہِ سرد بھر بھر کے

لطف سے دکھلا رہا ہے نشۂ حسن شباب ... سرخ ہیں آنکھیں بھی انکی چال بھی مستانہ ہے

مے پرستی کر رہا ہوں کفر و ایماں چھوڑ کر	اُلفت اک ساقی سے ہے مذہب مرا رندانہ ہے

جہاندار۔ صاحب عالم و عالمیاں میرزا جہاندار شاہ عرف میرزا جواں بخت ولی عہد حضرت شاہ عالم ثانی۔ بڑے سخی۔ خلیق۔ اور با مروّت شاہزادے تھے۔ جملہ علوم و فنون کے سرپرست اور قدردان تھے۔ دلیری اور جوانمردی کا یہ عالم تھا کہ ایک روز شکار گاہ میں ہاتھی بگڑ گیا۔ چاہا کہ سونڈ سے پکڑ کر وار کرے۔ مگر شاہزادے نے مہلت ندی اور ایک ہی ضرب شمشیرِ خارا شگاف سے اُس کا کام تمام کر دیا۔ علو العزمی بھی حد سے زیادہ تھی۔ دہلی سے نکلے تو پندرہی روز میں بیس تیس ہزار آدمیوں کی جمعیت لکھنؤ پہنچتے پہنچتے فراہم کر لی۔ جن دنوں میں کہ حضرت شاہ عالم صوبۂ بہار میں تھے۔ احمد شاہ ابدالی نے آپ کو دلّی میں تخت نشین کر دیا۔ آٹھ دس سال تک کاروبار سلطنت کو نہایت فراست اور دانائی سے انجام دیتے رہے۔ بعد مراجعت حضرت شاہ عالم مرہٹوں کا تسلّط ہوا اور اُنکے نائب شاہ جی کے ظلموں سے تنگ آکر یہ دہلی چھوڑنے پر مجبور ہوئے اور لکھنؤ پہنچے۔ نواب آصف الدولہ نے آداب و خدمت گذاری کے تمام مراتب ادا کیئے۔ خواصے میں بیٹھنا۔ گھڑیوں ہاتھ باندھے سامنے کھڑے رہنا۔ اور ایک اِک الائچی یا گلوری کی بخشش پر دس دس مرتبہ مجرہ گاہ سے آداب بجا لانا۔ برس روز قیام لکھنؤ کے بعد آپنے بنارس میں سکونت اختیار کی اور سرکار اودھ سے پچیس ہزار روپیہ ماہوار بطور نذرانہ مقرر ہوگئے جسکے عوض میں انجام کار صوبۂ اودہ نے علاقہ سرکار انگریزی کے تفویض کر دیا۔ چنانچہ وارن ہیسٹنگز کے انتظام کے بموجب آپ کو خزانۂ انگریزی سے برابر پنشن ملتی رہی۔

فنِ شعر پر طبیعت اس قدر مائل تھی کہ ہر ماہ میں دو مرتبہ اپنے دولتخانے پر بزم مشاعرہ منعقد فرماتے تھے اور شعرائے باکمال وبا وقار کو اپنے چوبدار بھیج بھیج کر مشاعرے میں بلواتے تھے۔ پھر آنے والے مہمانوں کے ساتھ نہایت لُطف اور گرمجوشی سے پیش آتے تھے۔ سنہ ۱۲۰۱ ہجری میں آپنے انتقال فرمایا۔ انڈیا آفس لندن میں آپ کا وہ دیوان مُسمّٰی بہ

"بیاضِ عنایت مرشدزادہ" جو وارن ہیسٹنگز کو آپ نے مرحمت فرمایا تھا موجود ہے۔ ایک تذکرہ بھی تصنیف کیا تھا۔ آپ کی اولاد کا سلسلہ بنارس میں اب تک موجود ہے۔ تین صاحبزادے۔ میرزا خرم بخت۔ میرزا شگفتہ بخت اور میرزا عالیقدر۔ آپکی یادگار رہے۔ انتخاب آپکے کلام کا یہ ہے۔ ملاحظہ ہو:

مرگِس کے انتظار میں یہ بے اجل گیا
آنکھیں جو یوں کھلی رہیں اور دم نکل گیا

رعنائی تیری دیکھ کے لے سروِ باغِ حسن
جوں لالہ دل پہ کھاتے ہیں سب گلعذار داغ

آتش پہ میرے دلکی جہاندار جوں سپند
چاہوں جو ٹھیرے کر نہیں سکتا قرار داغ

رہے اک شب جو اس ماتم کدے میں
بسانِ شمع رو رو کر چلے ہم

اکیلے تھے ہم اب اک فوجِ غم ہے
ترے در سے مع لشکر چلے ہم

رہے در پر بتاں کے ہم جہاندار
خدا حافظ تمھارا گھر چلے ہم

ٹھان لیتے ہیں وہ پہلے ہی سراپنا دینا
تیرے کوچے میں جو اے شوخ قدم رکھتے ہیں

ترے عشق کے حب سے پالے پڑے ہیں
ہمیں اپنے جینے کے لالے پڑے ہیں

آخر گل اپنی صرفِ درِ میکدہ ہوئی
پہنچے وہاں ہی خاک جہاں کا خمیر ہو

کونسی بات تری ہم سے اُٹھائی نہ گئی
پر جفا جو تری ناحق کی لڑائی نہ گئی

قصد ہر چند کیا سیکھنے کا بلبل نے
وضع نالے کی مرے اُس سے اُڑائی نہ گئی

چھوڑا ملاپ یار کا اغیار کے لیئے
ترکِ شمیم گل میں کیا خار کے لیئے

میرا دلِ فگار بھی کچھ گل سے کم نہیں
منظور ہو جو گوشۂ دستار کے لیئے

اُس زلفِ عقدہ گیر کا اک تار اے صنم
بس ہے جہاں کے سبحہ و زنار کے لیئے

اُس بت کا وصل غیروں کی قسمت میں تھا نصیب
تھا ہجر ایک آہ جہاندار کے لیئے

میں اور تری نصیحت مانوں یہ دخل کیا ہے
ناصح تو مجکو ناحق اب کیوں خفا کرے ہے

بیمارِ عشق جاں بر اب تک کوئی ہوا ہے
تو اے طبیب ناحق میری دوا کرے ہے

پچھتائے گا تو اکدن سُنتا ہے ای جہاندار	دیتا تو ہے دل اُسکو لیکن بُرا کرے ہے

جہانگیر

جہانگیر - میر جہانگیر لکھنوی - اصل وطن ان کا دہلی تھا مگر اپنی عمر کا بڑا حصہ لکھنؤ میں گزارا اسی لیئے لکھنوی کہے جاتے ہیں - مرد شجاع اور دلیر تھے - فارسی اُردو دونوں زبانوں میں فکر سخن کرتے تھے - آرام و آسایش سے اپنی زندگی بسر کی - آخر عمر میں وطن پلٹے اور مرضِ مالیخولیا میں مبتلا ہو گئے - ایک روز مولٰنا شاہ عبد العزیز کے وعظ میں میر شاہ علی کو جن کا تخلص درویش تھا زخمی کرنے کے باعث قید کئے گئے اور مجلس ہی میں انتقال کر گئے - ۱۲۲۸ھ ہجری میں موجود تھے - یہ اُن کا کلام ہے -

وہ کافر مرا درد کیا جانتا ہے	جو گزرے ہے مجھپر خدا جانتا ہے
محبت جسے کہتے ہیں وہ ہے مشکل	سو وہ ایسی باتوں کو کیا جانتا ہے
غم و درد و ہجراں سے واقف نہیں تجھ	یہ ناصح فقط مغز کھا جانتا ہے
یہانتک ہو اُس پر دلِ زار مفتوں	جو گالی بھی دے تو دعا جانتا ہے
ہنساتا ہے ہر اک کو وہ شوخ ظالم	جہانگیر کو ہی رُلا جانتا ہے

جہانگیر

جہانگیر - صاحب عالم و عالمیاں مرزا جہانگیر شاہ پسر دوئمی اکبر شاہ ثانی بادشاہ دہلی - اِنکی والدہ نواب ممتاز محل ملکۂ دوران اور بادشاہ کی چہیتی بیگم تھیں اِسی لیئے اکبر شاہ اِنکو بہت چاہتے تھے - اِنکی ولیعہدی کے لیئے بھی بہت کوشش کی گئی مگر ناکامیاب رہے یہ مرشد زادے بہت آوارہ مزاج اور خودسر تھے جب اپنی حرکات ناشائستہ کی پاداش میں نظر بند ہو کر الہ آباد بھیجے گئے تھے تو اُنکی والدہ نواب ممتاز محل نے یہ منت مانی تھی - کہ میرزا جہانگیر چھوٹ کر آئیں گے تو خواجہ بختیار کاکی کے مزار پر پھولوں کا چھپر کھٹ اور غلاف چڑھاؤنگی - جب مرزا جہانگیر چھوٹ کر آئے تو اُنکی والدہ نے اپنی منت پوری کی بڑی دھوم سے چھپر کھٹ اور چھپر کھٹ میں پھول والوں نے اپنی ایجاد سے ایک پھولوں کا پنکھا بھی لٹکا دیا تھا - حضرت خواجہ صاحب کے مزار پر چڑھایا - بادشاہ کی خوشی کے

سبب سے قلعہ کے لوگ اور شہر کی خلقت بھی جمع ہو گئی - گویا ایک بڑا بھاری میلا ہو گیا
بادشاہ کو یہ میلا بہت پسند آیا - ہر برس ساون کے مہینے میں مقرر کر دیا - چنانچہ اب تک
پھول والوں کا میلا دہلی میں ہر سال ہوتا ہے - میرزا جہانگیر تھوڑے دنوں کے
بعد پھر اپنی بدکرداری کے باعث نظر بند ہو کر الہ آباد بھیجے گئے وہاں رات دن شراب
میں مخمور رہتے تھے آخر کار ۱۸۳۲ء میں انتقال کیا - انکی والدہ نے نواب مختار الدولہ
(سر سید احمد خان کے ماموں) کو الہ آباد بھیجکر لاش منگوائی اور حضرت نظام الدین
اولیا کی درگاہ میں دفن کی - اُس پر ایک نہایت خوبصورت مجّر بنوا دیا - انھیں کے پہلو میں
مرزا نیلی انکے چچا اور مرزا بابر انکے بھائی دفن ہیں - مرزا جہانگیر کی صرف ایک بیٹی تھی - وہ
مرزا فخرو ولیعہد بہادر شاہ سے منسوب ہوئی - مرزا ابو بکر اُسی کے بطن سے تھے - مندرجۂ
ذیل غزل انکے نام سے مشہور ہے +

گر یار نہو ساقی پیمانہ ہوا تو کیا	معمور شرابوں سے میخانہ ہوا تو کیا
ہم عشق کے ہیں بندے مذہب سے نہیں واقف	گر کعبہ ہوا تو کیا بتخانہ ہوا تو کیا
جب درد نہو دلمیں کیا عشق مزہ دیوے	کہنے کو بھلا کوئی دیوانہ ہوا تو کیا
اِس عشق کی آتش سے جلتے ہیں سبھی کوئی	گر شمع ہوئی تو کیا پروانہ ہوا تو کیا

جہانگیر

جہانگیر - سردار کیسرا سنگھ - آپکا وطن امرتسر اور ۲۱ دسمبر سنہ ۱۸۷۲ء تاریخ ولادت ہے آپکی ابتدائی تعلیم
ایبٹ آباد ہزارہ میں ہوئی جہاں آپکے والد سردار بوٹا سنگھ ہیڈ ڈرافسمین تھے - کچھ عرصہ لاہور
میں پڑھ کر آخر سنہ ۱۸۹۳ء میں آپنے رڑکی کالج سے امتحان سب انجینیری کی سند حاصل
کی اور محکمۂ تعمیرات میں ملازمت اختیار کی - میرٹھ - دہلی - مراد آباد - علیگڈھ - رامپور -
گورکھپور میں کئی کئی سال رہے - اثنائے قیام میرٹھ میں حضرت بیان یزدانی سے
رامپور میں حضرت امیر مینائی سے اور رڑکی میں پنڈت امراؤ سنگھ حباب شاگرد مرزا
غالب سے خوب صحبتیں گرم رہیں - سنہ ۱۹۰۲ء میں سرکاری ملازمت ترک کر کے ریاست کشمیر

ہیں ملازم ہوئے۔ اب پھر پنجاب چلے آئے۔ اور ستلج سرٹئے ڈویژن کے صیغۂ
آبپاشی میں سپروائزر ہیں۔ ۳۷ یا ۳۸ برس کی عمر ہے۔ آزادمنش زندہ دل نوجوان ہیں
راقم تذکرہ کے ملاقاتیوں میں ہیں۔ شعر کہنے کا سلیقہ اچھا ہے۔ بندش چست۔ تراکیب درست
مذاقِ سخن لطیف۔ کلام سے مشاقی کا پتہ چلتا ہے۔ مزاج میں شوخی وظرافت خلقی ہے۔
ابتدائے مشق میں حضرت آزاد دہلوی کو چند غزلیں دکھائی تھیں۔ اسی سلسلۂ تلمذ کے
باعث حضرت ذوق مرحوم سے خاص عقیدت رکھتے ہیں۔ کلام کا انتخاب درج ذیل ہے۔

شیخ کو کہتے تھے سب خشک مزاج
ہنسکے فرمایا جو کی وصل کی خواہش اُن سے

وحشت زدہ جہانگیر۔ اے شاہِ خوبرویاں
دیکھیں سگے اُنکو وا اور محشر کے سامنے

یہ ناز یہ غرور لڑکپن میں تو نہ تھا۔
وہ مُنہ پھیر لیتے ہیں انجان ہوکر

جہانگیر اور رام رنگی۔ الہیٰ
نہیں گر ترے کھینچ لانے کے قابل

جہانگیر اور مے سے پرہیز؟ بیشک
شیخ کو لیجا کے اِک دن اپنا ضامن کردیا

کہیں بھُولے ہی سے وہ شوخ نشانہ باندھے
ملکِ دل لٹنے دیا کرنسکے کچھ افسوس

دیر و حرم میں شیخ و برہمن کے واسطے

اُس کا دامن تو بہت تر نکلا
ہم سے جو نِکلا اسی بات کا سائل نکلا

ہوکر اسیرِ اُلفت تیرے حضور آیا
دینگے حساب جب ستم بے حساب کا

آفت ہے زندگی میں زمانہ شباب کا
یہ بیگانگی! جان پہچان ہوکر؟

بنی کیا یہ اُسپر مسلمان ہوکر
یہ دل پھر ہے کس کام آنے کے قابل

یہی بات ہے مان لینے کے قابل
عمر بھر پیتے رہے ساقی سے لیکر وام ہم

ہم اِس اُمید میں نخچیر بنے پھرتے ہیں
نام کو ہم بھی جہانگیر بنے پھرتے ہیں

ہم جن کو پُوجتے ہیں وہ پتھر ہی اور ہیں

رازِ دل کر نہ فاش کہنا مان
چشم مشتاق کیا سمجھتی ہے

دیکھ چشم پُر آب! کہتے ہیں
آپ جسکو نقاب کہتے ہیں

اب وہ کھل کھیلے ہیں خدار کھے
تو نے پی ہو کبھی تو بتلاؤں

کسکو شرم و حجاب کہتے ہیں
شیخ اسکو شراب کہتے ہیں

حسن و شوخی ہیں غضب۔ مہر و وفا کا پتلا
آپ کے ڈھونڈا ہے وہ دلبر جسے کہتے ہیں

ساقی! مجھے بس تیری قسم اور نہ لوں گا
دو جام کی عادت تھی سو پلوا گئیں آنکھیں

کس طرح اے زمیں تجھے اکمل کہوں میں
کابل جہاں کے تجھ میں سمائے چلے گئے

میخانہ کوئی گھر تو جہانگیر کا نہیں
آئے دو جام اپنے اُڑائے چلے گئے

میں تو عقلمندوں سے حسینوں کے خوب واقف ہوں
مجھے بھی ایسے ہی لوگوں سے کام رہتا ہے

سو یا پڑا ہے سبزۂ خودرو کے سایہ میں
اے لالہ رُو یہ گور ہے تیرے شہید کی

بیکسی کو مری اللہ سلامت رکھے
یہ کسیکو مری تربت کا پتہ دیتی ہے

دیکھا کرو کسی کی طرف تم بھی پیار سے
گر چاہتے ہو تم کو نہ دیکھا کرے کوئی

حق بات پر بھی دار پہ منصور کھچ گیا
مقدور کیا ہے عشق میں لب وا کرے کوئی

کہتے ہیں جان دینی تو ادنی سی بات ہے
پھر اور کس طرح انھیں چاہا کرے کوئی

اِس جوانی میں لڑکپن کی ادا باقی ہے
ابتک آنکھوں میں وہی شرم و حیا باقی ہے

دل گیا۔ جان گئی۔ دین گیا۔ دنیا بھی
اب بھی لیکن وہ محبت کا مزا باقی ہے

بہت اُلفت جتانیکا مزہ کچھ تو نے دل چکھا
گئی آئی ہوئی اُن سے جو تھی صاحب سلامت بھی

رُخ ہے رنگیں تو لب مسی آلود
تُو تو سوسن بھی ہے گلاب بھی ہے

جہانگیر! گھبرا گئے ایسے جلدی
محبت ہے یہ کچھ حکومت نہیں ہے

وحشی بن بن کے گئے سوئے بیاباں کتنے
گھر محبت نے کیئے آپ کی ویراں کتنے

یوں اگر ملنے میں اک طرح کی رسوائی ہے
خط کتابت کی بھی کیا تم نے قسم کھائی ہے

کوئی ایسا نہیں ملتا کہ ملا دے اُس سے
یوں تو اپنی بھی زمانے سے شناسائی ہے

کبھی وہ بھولی بھولی اُنکی صورت یاد آتی ہے
کبھی پھر وہ نگاہِ مہر و اُلفت یاد آتی ہے

کبھی وہ چھیڑنا وہ مسکرانا یاد آتا ہے	کبھی شوخی کبھی اُنکی شرارت یاد آتی ہے
بتوں میں بے نیازی تھی ہم اپنے دمپہ نازاں تھے	اب اُنکو دیکھ کر اللہ کی قدرت یاد آتی ہے
نہ تم میں دلبری تھی اور نہ جانبازی پہ ہم مائل	تمھاری سادگی۔ اپنی طبیعت یاد آتی ہے
طبیعت جوش پر تھی اور نصیبہ اپنا یاور تھا	جہانگیر اب ہمیں وہ اپنی حالت یاد آتی ہے

جھمن۔ جھمن ناتھ۔ قوم سے کایستھ اور دہلی کے قدیم باشندے تھے۔ اِنکے بزرگ ہمیشہ سرکار شاہی میں ملازم رہے۔ نواب امیرالامرا ضابطہ خان بہادر کی سرکار میں اِنکے بڑے بھائی عہدۂ منشی گری پر مامور تھے۔ فنِ سخن میں لالہ جھمن ناتھ کی طبیعت نہایت موزوں و مناسب واقع ہوئی تھی۔ فارسی۔ اُردو دونوں زبانوں میں فکر سخن کیا کرتے تھے۔ اور اکثر صنائع و بدائع میں شعر کہا کرتے تھے۔ اکثر غزلیں اور قطعے مدح اُمرا میں ذو بحرین کہے ہیں۔ بعضوں کی مدح ایسی کی ہے کہ ہر مصرع سے اگر ایک ایک حرف لیتے جاؤ تو نام ممدوح کا مکمل آتا ہے۔ اور ہر مصرع سے تاریخ سال نکلتی ہے۔ اور کچھ غزلیں صنعت عاطلہ اور منقوطہ میں بھی کہی ہیں۔ بہار دانش کو بھی منظوم کیا ہے۔ افسوس ہے کہ بااین ہمہ کمالِ فن نانِ شبینہ سے بھی محتاج تھے۔ راجہ اجیت سنگھ بہادر ہرچند چاہتے تھے کہ ان کا افلاس مبدل بفلاح ہو مگر ان کی وارستہ مزاجی اور بے پروا طبیعت نے قبول نکیا۔ خلقۃً نہایت مسکین اور غریب نہاد طبیعت پائی تھی۔ کبھی کبھی اپنے اشعار خواجہ میر درد علیہ الرحمۃ کو بغرض اصلاح دکھا لیتے تھے سنہ ۱۱۹۰ ہجری میں موجود تھے یہ اُن کا کلام ہے۔

قطعہ

دل جوں سپند عشق کی آتش سے جل گیا	اِک آہ کھینچتے ہیں مرا دم نکل گیا
اشک ہوتے ہی تو لڑا اسقدر رسوا ہوا	یہ تو لڑکا حضرتِ مجنوں کا بھی باوا ہوا
یہاں مختار جو باجاہ آیا	برائے قتل خلق اللہ آیا
نہ تھے کچھ شاہ جی نے شاہ حاجی	وہ نادر شاہ تھے یہ شاہ آیا

ہے مفتخر بسند والا گلاب رائے
یہ گاؤ تکیہ رکھے ہے لالہ گلاب رائے

سب چیز نست ہے جو چڑھیں لوگ اُسکے گھر
بھر دیوے کف میں لولو رلا لا گلاب رائے

بلبل لڑیں ہیں محل سرا اُسکی میں مُدام
کیا لال بیٹا ماں نے یہ پالا گلاب رائے

مانگے جو کوئی موتی کا دانہ تو اُسکو پھر
دیتے ہیں اپنی سونے کی مالا گلاب رائے

شاباش اُسکی ماں کو جو ایسا جنا ہے پوت
جیوے وہ اُس کا کھیلنے والا گلاب رائے

جانکی ** جانکی - جانکی پرشاد ملیح آبادی - بختیار پوری - آپ کو فارسی سنسکرت اور بھاشا میں اچھی خاصی مہارت ہے - شعر بھی فارسی اُردو اور ہندی تینوں زبانوں میں کہتے ہیں - اِس وقت آپکی عمر ۹۰ سال کی ہے - حواسِ خمسہ میں ابتک کوئی فرق نہیں - گھر کے آسودہ ہیں - قوم کے کھتری اور نہایت خلیق وبامروت انسان ہیں - آپ کے تین شعر نمونتاً درج کیئے جاتے ہیں -

زاہد تو کس گھمنڈ پہ کہتا ہے وسدم
معلوم ہوگا حشر میں پینا شراب کا

ہم بادہ نوش بحرِ محبت میں غرق ہیں
دارِ فنا کو سمجھے ہیں عالم ہے خواب کا

جب میں جاتا ہوں رقیبوں کو اُٹھا دیتے ہیں
بارِ منت سے مرے سر کو جھکا دیتے ہیں

* دہلی میں سراوگیوں کا خاندان معروف بہ گلاب رائے مہر چند مشہور و معروف ہے *

** آپ کا نام ترتیب کے خلاف درج ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے حالات اور کلام ہمارے پاس اُس وقت پہنچے کہ ردیف "ج با الف" چھپ چکی تھی - لہذا بے ترتیبی کو اس سے بہتر سمجھا کہ آپ کا نام درج تذکرہ ہونے سے رہ جائے *



چ

چکبست

چکبست پنڈت برج نراین صاحب وکیل ہائیکورٹ آپ قوم کے کاشمیری پنڈت ہیں لفظ چکبست آپکا عرف ہے تخلص شروع سے رکھا ہی نہیں لہذا حیران ہیں کہ آپکو شعر و شاعری کی انجمن میں کس خطاب سے مخاطب کریں اور یارانِ سخن سنج سے کیا کہکر تعارف کرائیں آپکی زندگی کے مختصر حالات بارہا دریافت کیے اکثر اوقات تو جواب بے جواب رہا اور جواب آیا تو جواب صاف آیا۔ چونکہ اکثر رسالوں میں آپکا کلام عرف کو تخلص قرار دیکر درج ہوتا ہے ناچار ہم بھی ایسا ہی کرنے پر مجبور ہیں۔ آپکے خط کا خلاصہ قابلِ تحریر ہے آپ لکھتے ہیں

"جنابِ والا تسلیم۔ آپ نیازمند کے سوانحی حالات دریافت کرتے ہیں حیران ہوں کہ کیا لکھوں۔ اوّل تو میں ضابطہ شاعر ہی نہیں ہوں تخلص کا بھی گنہگار نہیں ہوں چکبست میرا عرف ہے نہ کہ تخلص سولہ سترہ برس سے شعر و سخن کا مذاق ضرور ہے لیکن ایک دیوان بھی تیار نہیں ہے ایسی حالت میں مجھے باضابطہ شاعروں کے زمرے میں داخل کرنا ہی بیکار ہے مگر خیر مجموعہ میں تو میرا نام آہی گیا۔ آپکو زندگی کے حالات کیا لکھوں لکھنؤ وطن ہے عمر تقریباً اٹھائیس سال ہے اپنے دوستوں کا دل بہلانے کو کبھی کبھی شعر کہہ لیتا ہوں پرانے رنگ کی شاعری یعنی غزلگوئی سے ناآشنا ہوں لیکن اسی کیساتھ میرا عقیدہ یہ ہے کہ محض نئے خیالات کو توڑ مروڑ کر نظم کر دینا شاعری نہیں ہے میرے خیال کے مطابق خیالات کی تازگی کے ساتھ زبان میں شاعرانہ لطافت اور الفاظ میں تاثیر کا جوہر ہونا ضرور ہے لیکن میں پھر آپکو لکھتا ہوں کہ میں قدردانِ سخن ہوں سخنور نہیں ہوں جسکا نام شاعری ہے وہ اور چیز ہے جو بہرحال مجھے نصیب نہیں۔" چار ترکیب بند جو آپنے بھیجے اُنکے علاوہ اور کلام بھی مختلف رسائل میں نظر سے گزرا۔ اسمیں شک نہیں کہ اکثر بند صد درجہ مؤثر اور پُردرد ہوتے ہیں لطف صفائی اور سادگی سے خالی نہیں مگر خیال کی بلند پروازی اور شوکتِ الفاظ بہت زیادہ ہے آپکے ایوانِ سخن میں جدھر نظر اٹھا کر دیکھئے قدرتی مناظر کے سین مختلف جذبات کے فوٹو۔ حبِّ وطن۔ ادبِ اخلاق کی دلفریب تصاویر تو کثرت سے دکھائی دیتی ہیں محض حسن و عشق کے چرچے بہت کم۔ واقعات کے نظم کرنے میں آپکی قابلیت اور مشاقی مسلم ہے ایک چھوٹا اور معمولی واقعہ بیان کیجئے تو پہلو بدل بدل کر کئی کئی بند مسلسل لکھ جاتے ہیں تشبیہات خوب برتتے ہیں بعض جگہ اسلوب بیان میں ایسی روانی اور دلکشی ہوتی ہے کہ اساتذہ کے کلام کا دھوکا ہوتا ہے رامائن کے جو سین آپنے نظم کیے ہیں اُنکی دلچسپی اور دلفریبی حدِ توصیف سے باہر ہے کاش یہی

رباعیات

یہ قوم ذرا عاقبت اندیش نہیں
پہلے کی ترقی سے ہیں کتنے پیچھے
سودا تو ہے نوش کا سرِ نیش نہیں
افسوس ہمیں کچھ بھی پس و پیش نہیں

بیکار تعلّی سے ہے نفرت مجکو
لوں دادِ سخن نہیں یہ عادت مجکو
کس واسطے جستجو کروں شہرت کی
اِک دن خود ڈھونڈ لیگی شہرت مجکو

دیگر

بوگل کے لیئے ہے گل ہے شبنم کے لیئے
اِک ربط ہے انتظامِ عالم کے لیئے
لیکن ہے مرا شباب ماتم کے لیئے
غم میرے لیئے ہے اور مَیں غم کے لیئے

دیگر

آبادی ہے اصل میں نہ ویرانہ ہے
شادی کا یہ گھر ہے نہ عزا خانہ ہے
واللہ نہ مُبتدا ہے اِسکی نہ خبر
دُنیا اِک ناتمام افسانہ ہے

تغزل

فنا کا ہوش آنا زندگی کا دردِ سر جانا
اَجل کیا ہے؟ خمارِ بادۂ ہستی اُتر جانا
مقامِ کوچ کیا ہے منزلِ مقصود تک ہووے
قیامت تھا سرائے دہر میں دو دن ٹھہر جانا
بہت سودا رہا واعظ تجھے نارِ جہنم کا
مزا سوزِ محبت کا بھی کچھ اے بے خبر جانا
مصیبت میں بشر کے جوہرِ مردانہ کُھلتے ہیں
مُبارک بزدلوں کو گردشِ قسمت سے ڈر جانا
سدھاری منزلِ ہستی سے کس بے اعتنائی سے
تنِ خاکی کو شاید روح نے گردِ سفر جانا
دردِ دل- پاسِ وفا- جذبۂ ایمان- ہونا
آدمیت ہے یہی- اور یہی انساں ہونا
زندگی کیا ہے؟ عناصر میں ظہورِ ترتیب
موت کیا ہے؟ انہی اجزا کا پریشاں ہونا
ہمکو منظور ہے اے دیدۂ وحدت آگیں
ایک غنچہ میں تماشائے گلستاں ہونا
جس طرح خُم سے کسی جام کا ٹکڑا نکلے
یوں ہے گردوں سے مہِ نو کا نمایاں ہونا
سر میں سودا نہ رہا- پاؤں میں بیڑی نہ رہی
میری تقدیر میں تھا بے سروساماں ہونا
صفحۂ دہر پہ مُہرِ یدِ قدرت سمجھو
پھول کا خاک کے تودے سے نمایاں ہونا
ہو بیاضِ سحرِ نور پہ دل کیا مائل
یاد ہے دفترِ انجم کا پریشان ہونا
کل بھی وہ کل جو ہے فردائے قیامت زاہد
اور پھر اسکے لیئے آج پریشاں ہونا
پاؤں زنجیر کے مشتاق ہیں اے جوشِ جنوں
ہے مگر شرط ترا سلسلہ جُنباں ہونا
گُل کو پامال نہ کر لعل و گہر کے مالک!
ہے اِسے طرۂ دستارِ غریباں ہونا

ہے مرا ضبطِ جنوں جوشِ جنوں سے بڑھکر
ننگ ہے میرے لئے چاک گریباں ہونا

مری بیخودی ہے وہ بیخودی کہ خودی کا وہم و گماں نہیں
یہ سرورِ ساغرِ مے نہیں یہ خمارِ خوابِ گراں نہیں

جو ظہورِ عالمِ ذات ہے یہ فقط ہجومِ صفات ہے
ہے جہاں کا اور وجود کیا جو طلسمِ وہم و گماں نہیں

یہ حیاتِ عالمِ خواب ہے۔ نہ عذاب ہے نہ ثواب ہے
وہی کفر و دیں میں خراب ہے جسے علمِ رازِ جہاں نہیں

نہ وہ خم میں بادہ کا جوش ہے نہ وہ حسنِ جلوہ فروش ہے
نہ کسی کو رات کا ہوش ہے وہ سحر کو شب کا سماں نہیں

یہ زمیں پہ جن کا تھا دبدبہ کہ بلند عرش پہ نام تھا
اُنھیں یوں فلک نے مٹا دیا کہ مزار تک کا نشاں نہیں

آب و دانے سے قفس کے کچھ ہمیں اُلفت نہیں
بے پروبالی سے اپنی عاشقِ صیاد ہیں

کچھ اور ہے وہ شاعرِ معجز بیاں نہیں
جسکے سخن سے رنگِ طبیعت عیاں نہیں

اظہارِ درد غیر سے کرتے ہیں بوالہوس
ہمکو دماغِ نالہ و آہ و فغاں نہیں

کیا دیکھتے ہی دیکھتے دُنیا بدل گئی۔
واللہ وہ زمیں نہیں وہ آسماں نہیں

دل ہی کی بدولت رنج بھی ہے دل ہی کی بدولت راحت بھی
یہ دنیا جسکو کہتے ہیں دوزخ بھی ہے اور جنت بھی

ارمان بھرے دل خاک ہوئے اور موت کے طالب جیتے ہیں
اندھیر ہے اس دُنیا پہ ہمیں آتی ہے ہنسی اور رقت بھی

یا خوفِ خدا یا خوفِ سقر ہیں وہی بیاں تیرے واعظ!
اللہ کے بندے دلمیں تیرے ہے سوز و گداز و محبت بھی

جب تک ہے جوانی کا عالم کیا عیش کی مستی رہتی ہے
جب پیری موت کی لائی خبر پھر زہد بھی ہے اور طاعت بھی

گرتے ہی زمیں کے دامن میں اے طفل یہ رونا دھونا کیا
دُنیا میں اگر تو آیا ہے یاں رنج بھی ہے اور راحت بھی

ہر دم ہے طبیعت کو اُلجھن اک یاس کا عالم طاری ہے
یہ سانس نہیں اک کانٹا ہے یہ زیست نہیں بیماری ہے

بارِ اندوہ و الم کا کہیں ہلکا ہو جائے
پھر بہار آئے الٰہی ہمیں سودا ہو جائے

عرش سے فرش تلک چھائی ہے تاریکیٔ جہل
آگ دُنیا کو لگا دو تو اُجالا ہو جائے

ظاہرا ہستیٔ ناچیز بشر ہے کیا چیز
یہ وہ قطرہ ہے جو بڑھ جائے تو دریا ہو جائے

یوں نہ انسان کا برگشتہ مقدر ہو جائے
میں اگر پھول اٹھاؤں تو وہ پتھر ہو جائے

دل کیے تسخیر بخشا فیضِ روحانی مجھے
حبِ قومی ہو گیا نقشِ سلیمانی مجھے

منزلِ عبرت ہے دُنیا اہلِ دُنیا شاد ہیں
ایسی دلجمعی سے ہوتی ہے پریشانی مجھے

جانچتا ہوں وسعتِ دل حملۂ غم کیلئے
امتحاں ہے رنج و حرماں کی فراوانی مجھے

قوم کا غم مول لیکر دل کا یہ عالم ہوا
یاد بھی آتی نہیں اپنی پریشانی مجھے

ذرہ ذرہ ہے مِری کشمیر کا مہماں نواز
راہ میں پتھر کے ٹکڑوں نے دیا پانی مجھے

کس کو غم ہے جو کرے مرثیہ خوانی میری
رو رہی ہے مِرے مرقد پہ جوانی میری

دولت

کہتے تھے بزرگ کو سخن سنج پُرانے
اُن لوگوں کے ہمراہ گئے اُنکے زمانے

وہ فلسفہ و علم و ادب اب ہیں فسانے
بدلا ہے نیا رنگ زمانے کی ہوا نے

دولت سے ہے اب زینتِ کاشانۂ تہذیب
کہتے ہیں اِسے شمع جلوخانۂ تہذیب

مٹ جانے پہ بھی نام و نشاں رہتا ہے اس سے
سرچشمۂ اُمید رواں رہتا ہے اِس سے

تازہ چمنِ تاب و تواں رہتا ہے اِس سے
پیری میں بھی انسان جواں رہتا ہے اِس سے

ہر رنگ میں یہ تازگیِ قلب و جگر ہے
ہے صلح میں شمشیر لڑائی میں سپر ہے

کوشش کبھی زردار کی جاتی نہیں بے سُود
رہتا ہے سدا سایہ فگن طالعِ مسعود

انسان کی نیت میں اگر شر نہ ہو موجود
ہر ہاتھ میں آسکتی ہے کلیدِ درِ مقصود

کب گوہرِ اُمید کو رولا نہیں اِس نے
تھا کونسا در بند جو کھولا نہیں اِس نے

ہوں طالبِ تحقیق کہ دلدادۂ تعلیم
خم سامنے دولت کے ہے سبکا سرِ تسلیم

سُنتے ہیں اُنھیں کے لئے ہے کوثر و تسنیم
یاں جو رہِ مولا میں لُٹاتے ہیں زر و سیم

دُنیا ہی میں کچھ ذکر نہیں تازہ ہے اسکا
دربار میں اللہ کے آوازہ ہے اِسکا

لیکن وہ زر و مال نہیں قابلِ تحسیں
اِنساں کو بنا دے جو شکم پرور و خود بیں

زردار وہ ہے جس میں شرافت کے ہوں آئیں
ہو بزمِ محبت کے لیئے باعثِ تزئیں

سرسبز رہے قوم یہ انعام ہو اُس کا
باراں کی طرح فیض و کرم عام ہو اُسکا

مانا ہوسِ زر ہے بشر کے لیئے عادت
لیکن نہیں دنیا میں فقط اک یہی نعمت
کچھ اور بھی جوہر ہیں عطا کردۂ قدرت
غمخواری و دلجوئی و ہمدردی و اُلفت
زر آپ نہیں دشمنِ اخلاق و ادب ہے
جو حد سے گزر جاتی ہے وہ اسکی طلب ہے

جو لوگ مئے حرص سے دنیا میں ہیں سرشار
جینے کی لطافت سے نہیں اُنکو سروکار
مانندِ گدا زر کے ہیں ہر وقت طلبگار
آزاد کہاں دامِ طمع میں ہیں گرفتار
محروم مئے عیش سے یہ خستہ جگر ہیں
مالک نہیں زر کے ہیں فقط بندۂ زر ہیں

دولت وہ ہے مجبور کی جو عقدہ کشا ہو
اکسیر ہو دردِ دلِ بیکس کی دوا ہو
آئینۂ اخلاق و محبت کی جِلا ہو
ظلماتِ فلاکت کے لیئے آبِ بقا ہو
یوں فیض کے چشمے ہوں رواں باغِ وطن میں
جیسے کرمِ ابرِ گہربار چمن میں

ہر صبح گلستاں میں بصد شانِ فصاحت
بلبل گلِ رنگیں سے یہ کرتی ہے حکایت
دیکھو چمن آرائے دوعالم کی عنایت
گھٹتی کبھی دیکھی نہیں فیاض کی دولت
گو کم دُرِ خوش آب لٹاتا نہیں ہوتا
خالی کبھی شبنم کا خزانہ نہیں ہوتا

مانا سببِ شوکت و اجلال ہے دولت
پر مفلس و بیکس بھی نہیں قابلِ نفرت
ادنیٰ سے ملے جھک کے یہ اعلیٰ کی ہے عظمت
ہیں نشۂ زر سے نہ جھکے چشمِ مروّت
مغرور ہو اسے شانِ شرافت نہیں کہتے
کچھ گھٹتے اسے حسنِ شرافت نہیں کہتے

کس اوج پہ خورشیدِ جہانتاب ہے معمور
دل تیرگیٔ کبر سے کوسوں ہے مگر دُور
گو خاک نہیں ذرۂ ناچیز کا مقدور
دیتا ہے اسے جام سے اپنے یہ مئے نور
یا ماہ کا اس اوج پہ کیا فیض عیاں ہے
ہر خانۂ مفلس کے لیئے شمعِ مکاں ہے

یا باغ میں کھلتا ہے دمِ صبح گلِ تر
کیا کیا اسے ہوتے نہیں اعزاز میسّر
بنتا ہے عروسانِ جہاں کے لیئے زیور
دستار میں گوشہ کی رہا کرتا ہے اکثر
لیکن نہ کسی وضع پہ اس ڈھنگ سے دیکھا
بیکس کی لحد پر اسے جس رنگ سے دیکھا

خاکِ ہند

اے خاکِ ہند تیری عظمت میں کیا گماں ہے
دریائے فیضِ قدرت تیرے لئے رواں ہے
تیری جبیں سے نورِ حسنِ ازل عیاں ہے
اللہ رے زیب و زینت کیا اوجِ عزّ و شاں ہے
ہر صبح ہے یہ خدمت خورشیدِ پُر ضیا کی
کرنوں سے گوندھتا ہے چوٹی ہمالیا کی

اس خاکِ دلنشیں سے چشمے ہوئے وہ جاری
چین و عرب میں جن سے ہوتی تھی آبیاری
سارے جہاں پہ جب تھا وحشت کا ابر طاری
چشم و چراغِ عالم تھی سرزمیں ہماری
شمعِ ادب نہ تھی جب یوناں کی انجمن میں
تاباں تھا مہرِ دانش اس وادیِ کہن میں

گوتم نے آبرو دی اس معبدِ کہن کو
سرمد نے اس زمیں پر صدقے کیا وطن کو
اکبر نے جامِ اُلفت بخشا اس انجمن کو
سینچا لہو سے اپنے راناؔ نے اس چمن کو
سب سور بیر اپنے اس خاک میں نہاں ہیں
ٹوٹے ہوئے کھنڈر ہیں یا اُنکی ہڈیاں ہیں

دیوار و در سے اب تک اُن کا اثر عیاں ہے
اپنی رگوں میں اب تک اُنکا لہو رواں ہے
اب تک اثر میں ڈوبی ناقوس کی فغاں ہے
فردوسِ گوش اب تک کیفیتِ اذاں ہے
کشمیر سے عیاں ہے جنت کا رنگ اب تک
شوکت سے بہہ رہا ہے دریائے گنگ اب تک

اگلی سی تازگی ہے پھولوں میں اور پھلوں میں
کرتے ہیں رقص اب تک طاؤس جنگلوں میں
اب تک وہی کڑک ہے بجلی کی بادلوں میں
پستی سی آگئی ہے پر دل کے ولولوں میں
گل شمعِ انجمن ہے گو انجمن وہی ہے
حُبِّ وطن نہیں ہے خاکِ وطن وہی ہے

برسوں سے ہو رہا ہے برہم سماں ہمارا
دُنیا سے مٹ رہا ہے نام و نشاں ہمارا
کچھ کم نہیں اجل سے خوابِ گراں ہمارا
اک لاشِ بے کفن ہے ہندوستاں ہمارا
اسکے بھرے خزانے برباد ہو رہے ہیں
ذلت نصیب وارث غفلت میں سو رہے ہیں

اے صورِ حبِّ قومی اس خواب سے جگا دے
بھولا ہوا فسانہ کانوں کو پھر سنا دے
مُردہ طبیعتوں کی افسردگی مٹا دے
اُٹھتے ہوئے شرارے اس راکھ سے دکھا دے

حُبِّ وطن سمائے آنکھوں میں نور ہوکر	سر میں خمار ہوکر دل میں سرور ہوکر
شیدائے بوستاں کو سرو سمن مبارک	رنگیں طبیعتوں کو رنگِ سخن مبارک
بلبل کو گل مبارک گل کو چمن مبارک	ہم بیکسوں کو اپنا پیارا وطن مبارک
غنچے ہمارے دل کے اِس باغ میں کھلینگے	اِس خاک سے اُٹھے ہیں اِس خاک میں ملینگے
ہے جوئے شیر ہمکو نورِ سحر وطن کا ہے رشکِ مہر ذرّہ اِس منزلِ کہن کا	آنکھوں کی روشنی ہے جلوہ اِس انجمن کا تلتا ہے برگِ گل سے کانٹا بھی اِس چمن کا
گرد و غبار یاں کا خلعت ہے اپنے تن کو	مر کر بھی چاہتے ہیں خاکِ وطن کفن کو

رامائن کا ایک سین

(راجہ رامچندر جی کا ماں سے رخصت ہونا)

رخصت ہوا وہ باپ سے لیکر خدا کا نام منظور تھا جو ماں کی زیارت کا انتظام	راہِ وفا کی منزلِ اوّل ہوئی تمام دامن سے اشک پوچھ کے دل سے کیا کلام
آخر ہے کچھ حدِ ستم و ظلم و جور بھی	ہم کو تو اس دیکھ کے غم ہوگا اور بھی
دل کو سنبھالتا ہوا آخر وہ خوش خصال دیکھا تو ایک در میں ہے بیٹھی وہ خستہ حال	خاموش ماں کے پاس گیا صورتِ خیال سکتہ سا ہو گیا ہے یہ ہے شدتِ ملال
تن میں لہو کا نام نہیں زرد رنگ ہے	گویا بشر نہیں کوئی تصویرِ سنگ ہے
کیا جانے کس خیال میں گم تھی وہ بیگناہ جنبش ہوئی لبوں کو بھری ایک سرد آہ	نورِ نظر پہ دیدۂ حسرت سے کی نگاہ لی گوشہائے چشم سے اشکوں نے رخ کی راہ
چہرہ کا رنگ حالتِ دل کھولنے لگا	ہر موئے تن زباں کیطرح بولنے لگا
آخر اسیرِ یاس کا قفلِ دہن کھلا اِک دفترِ مظالمِ چرخِ کہن کھلا	افسانۂ شدائدِ رنج و محن کھلا وا تھا دہانِ زخم کہ بابِ سخن کھلا
دردِ دلِ غریب جو صرفِ بیاں ہوا	خونِ جگر کا رنگ سخن سے عیاں ہوا

روکر کہا خموش کھڑے کیوں ہو میری جاں / میں جانتی ہوں جس لئے آئے ہو تم یہاں
سب کی خوشی یہی ہے تو صحرا کو ہو رواں / لیکن میں اپنے منہ سے نہ ہرگز کہوں گی ”ہاں“
کس طرح بن میں آنکھوں کے تارے کو بھیج دوں / جوگی بنا کے راج دلارے کو بھیج دوں

دنیا کا ہو گیا ہے یہ کیسا لہو سفید / اندھا کیے ہوئے ہے زر و مال کی امید
انجام کیا ہو کوئی نہیں جانتا یہ بھید / سوچے بشر تو جسم ہو لرزاں مثالِ بید
لکھی ہے کیا حیاتِ ابد ان کے واسطے / پھیلا رہے ہیں جال یہ کس دن کے واسطے

لیتی کسی فقیر کے گھر میں اگر جنم / ہوتے نہ میری جان کو سامان یہ بہم
ڈستا نہ سانپ بن کے مجھے شوکت و حشم / تم میرے لال تھے مجھے کس سلطنت سے کم
میں خوش ہوں پھونک دے کوئی اس تخت و تاج کو / تم ہی نہیں تو آگ لگا دوں گی راج کو

کن کن ریاضتوں سے گزارے ہیں ماہ و سال / دیکھی تمہاری شکل جب اے میرے نونہال
لائے دلہن جو بیاہ کے شادی ہوئی کمال / آفت یہ مجھ پہ آئی ہوئے جب سفید بال
چھٹتی ہوں ان سے جوگ لیا جن کے واسطے / کیا سب کیا تھا میں نے اسی دن کے واسطے

ایسے بھی نامراد بہت آئیں گے نظر / گھر جن کے بے چراغ رہے آہ عمر بھر
رہتا مرا بھی نخلِ تمنا جو بے ثمر / یہ جائے صبر تھی کہ دعا میں نہیں اثر
لیکن یہاں تو بن کے مقدر بگڑ گیا / پھل پھول لا کے باغِ تمنا اجڑ گیا

سرزد ہوئے تھے مجھ سے خدا جانے کیا گناہ / منجدھار میں جو یوں مری کشتی ہوئی تباہ
آتی نظر نہیں کوئی امن و اماں کی راہ / اب یاں سے کوچ ہو تو ملے منزلِ پناہ
تقصیر میری خالقِ عالم بحل کرے / آسان اس غریب کی مشکل اجل کرے

سن کر زباں سے ماں کی یہ فریادِ درد خیز / اس خستہ جاں کے دل پہ چلی غم کی تیغ تیز
عالم یہ تھا قریب کہ آنکھیں ہوں اشک ریز / لیکن ہزار ضبط سے رونے سے کی گریز
سوچا یہی کہ جان سے بیکس گزر نہ جائے / ناشاد ہم کو دیکھ کے ماں اور مر نہ جائے

پھر عرض کی یہ مادرِ ناشاد کے حضور
مایوس کیوں ہیں آپ الم کا ہے کیوں وفور
صدمہ یہ شاق عالمِ پیری میں ہے ضرور
لیکن نہ دل سے کیجیے صبر و قرار دور
شاید خزاں سے شکل عیاں ہو بہار کی
کچھ مصلحت اسی میں ہو پروردگار کی

یہ جعل یہ فریب یہ سازش یہ شور و شر
ہونا جو ہے سب اسکے بہانے ہیں سر بسر
اسباب ظاہری ہیں نہ ان پر کرو نظر
کیا جانے کیا ہے پردۂ قدرت میں جلوہ گر
خاص اسکی مصلحت کوئی پہچانتا نہیں
منظور کیا اُسے ہے کوئی جانتا نہیں

راحت ہو یا کہ رنج خوشی ہو کہ انتشار
واجب ہر ایک رنگ میں ہے شکر کردگار
تم ہی نہیں ہو کشتۂ نیرنگ روزگار
ماتم کدہ میں دہر کے لاکھوں ہیں سوگوار
سختی سہی نہیں کہ اُٹھائی کڑی نہیں
دنیا میں کیا کسی پہ مصیبت پڑی نہیں

دیکھے ہیں اس سے بڑھکے زمانے نے انقلاب
جن سے کہ بیگناہوں کی عمریں ہوئیں خراب
سوزِ دروں سے قلب و جگر ہو گئے کباب
پیری مٹی کسی کی کسی کا مٹا شباب
کچھ بن نہیں پڑا جو نصیبے بگڑ گئے
وہ بجلیاں گریں کہ بھرے گھر اُجڑ گئے

ماں باپ منہ ہی دیکھتے تھے جن کا ہر گھڑی
قائم تھیں جن کے دم سے اُمیدیں بڑی بڑی
دامن پہ جن کے گرد بھی اُڑکر نہیں پڑی
ماری نہ جن کو خواب میں بھی پھول کی چھڑی
محروم جب وہ گل ہوئے رنگِ حیات سے
اُنکو جلا کے خاک کیا اپنے ہات سے

کہتے تھے لوگ دیکھ کے ماں باپ کا ملال
ان بیکسوں کی جان کا بچنا ہے اب محال
ہے کبریا کی شان گزرتے ہی ماہ و سال
خود دل سے دردِ ہجر کا مٹتا گیا خیال
ہاں کچھ دنوں تو نوحہ و ماتم ہوا کیا
آخر کو رو کے بیٹھ رہے اور کیا کیا

پڑتا ہے جس غریب پہ رنج و محن کا بار
کرتا ہے اُس کو صبر عطا آپ کردگار
مایوس ہو کے ہوتے ہیں انساں گناہگار
یہ جانتے نہیں وہ ہے دانائے روزگار
انسان اُسکی راہ میں ثابت قدم رہے
گردن وہی ہے امرِ رضا پر جو خم رہے

اور آپ کو تو کچھ بھی نہیں رنج کا مقام
ہوتے ہیں بات کرنے میں چودہ برس تمام
اور یوں کہیں بھی رنج و بلا سے مفر نہیں

بعدِ سفر وطن میں ہم آئیں گے شاد کام
قائم امید سے ہی ہے دنیا ہی جس کا نام
کیا ہوگا دو گھڑی میں کسی کو خبر نہیں

اکثر ریاض کرتے ہیں پھولوں پہ باغباں
لیکن جو رنگِ باغ بدلتا ہے ناگہاں
رکھتے تھے جو عزیز انھیں اپنی جان کی طرح

ہے دن کی دھوپ رات کی شبنم انھیں گراں
وہ گل ہزار پردوں میں جاتے ہیں رائیگاں
ملتے ہیں دستِ یاس وہ برگِ خزاں کی طرح

لیکن جو پھول کھلتے ہیں صحرا میں بیشمار
دیکھو یہ قدرتِ چمن آرائے روزگار
ہوتا ہے اُن پہ فضل جو ربِّ کریم کا

موقوف کچھ ریاض پہ انکی نہیں بہار
وہ ابر و برف و باد میں رہتے ہیں برقرار
موجِ سموم بنتی ہے جھونکا نسیم کا

اپنی نگاہ ہے کرمِ کارساز پر
جنگل ہو یا پہاڑ سفر ہو کہ ہو حضر
اُس کا کرم شریک اگر ہے تو غم نہیں

صحرا چمن بنے گا وہ ہے مہرباں اگر
رہتا نہیں وہ حال سے بندے کے بیخبر
دامانِ دشت دامنِ مادر سے کم نہیں

برسات

یاد دلواتی ہے میں نوشی فضا برسات کی
بندھ گئی ہے رحمتِ حق سے ہوا برسات کی
اُگ رہا ہے ہر طرف سبزہ درو دیوار پر
دیکھنا سوکھی ہوئی شاخوں میں بھی جان آگئی
ہوں شریکِ بزم سے زاہد بھی تو بہ توڑ کر
اصل تو یوں ہو کسی معشوق کا جب لطف ہے
وہ پپیہوں کی صدائیں اور وہ موروں کا رقص
پار اتر جائینگے بحرِ غم سے رند بادہ نوش

دل بڑھا جاتی ہے آ آ کر گھٹا برسات کی
نام کھلنے کا نہیں لیتی گھٹا برسات کی
انتہا گرمی کی ہے اور ابتدا برسات کی
حق میں پودوں کے مسیحا ہے ہوا برسات کی
جھومتی قبلہ سے اٹھی ہے گھٹا برسات کی
چاندنی ہو رات کو دن کو گھٹا برسات کی
وہ ہوائے سرد اور کالی گھٹا برسات کی
لے اڑیگی کشتئ مَے کو ہوا برسات کی

خود بخود تازہ اُمنگیں جوش پر آنے لگیں
وہ دُعائیں میکشوں کی اور وہ لطفِ انتظار
ہیں یہ سمجھا ابر کے رنگین ٹکڑے دیکھ کر
ناز ہو جسکو بہارِ مصر و شام و روم پر

دل کو گرمانے لگی ٹھنڈی ہوا برسات کی
ہائے کن نازوں سے چلتی ہو ہوا برسات کی
تخت پریوں کے اُڑا لائی ہوا برسات کی
سرزمینِ ہند ہیں دیکھے فضا برسات کی

چمن منشی رنجیت سنگھ خلفِ منشی سردار سنگھ قوم کے ماتھر کایستھ دلّی محلہ چیزہ خانہ کے باشندے کوئی ۳۰ یا ۳۱ سالہ نوجوان ہیں۔ مولانا آسخ دہلوی سے آپ کو تلمذ ہے اور بہ سلسلۂ معاش دلّی کی مینونسپل کمیٹی ہیں جمعداری پر معمور ہیں۔ تھوڑا بہت شعر گوئی کا شوق بھی ہے۔ نمونۂ کلام درج ذیل ہے ؏

حُسن پردے میں چھپے کیا کہ نکلجاتی ہے
عاشقِ رخِ صبیح نہ چاہِ ذقن کے ہیں
بعدِ فنا بھی جوشِ جنوں کا اثر یہ ہے
تمھارا کون ہے شیدا کہ حسن والوں کا
بلبل کو روئے یار پہ گل کا خیال ہے
عشقِ مژہ میں سانس بھی لینا محال ہے
ذکرِ وصالِ غیر سے چڑتے ہو کس لیئے
حورانِ خلد کھیلینگی جنّت میں ہولیاں
یہ چھیڑ بھی نئی ہے کہ سینے پہ دھر کے ہاتھ
حورانِ خلد پہ جو مٹیں کیا غرض ہمیں
یہ کہکر توڑ ڈالا اُس بت خود سر نے آئینہ
سمجھکر سوچکر دل کو مٹانا یا درکھیئے گا

روشنی مہر کی بادل سے برابر باہر
ہم تو فریفتہ ترے اِک بانکپن کے ہیں
ٹکڑے تمام اُڑے ہوئے اپنے کفن کے ہیں
کوئی تو چاہنے والا ضرور ہوتا ہے
پروانے کی نگاہ ہیں شمع جمال ہے
تنکا بھی ہو ادھر سے اُدھر کیا مجال ہے
سچ ہو کہ جھوٹ ہو یہ ہمارا خیال ہے
تیرے شہیدِ ناز کی مٹّی گلال ہے
سہتے ہیں اِس میں اَور کسی کا خیال ہے
دلّی میں اے چمن کیا حسینوں کا کال ہے
ہمارے رُخ سے ملتا ہو تمھارے دل سے ملتا ہو
وہ دل جو دل سے ملجائے بڑی مشکل سے ملتا ہے

آپنے ایک قطعۂ تاریخ بھی حضور قیصرۂ ہند کی وفات حسرت آیات کے متعلق کہا ہے

جو نذرِ ناظرین کیا جاتا ہے ؎

قطعہ

سچ تو یوں ہے ملکۂ وکٹوریہ بھی اے چمن	بخیریت جمشید و صدرِ شکِ سکندر ہو گئی
آ گئے حور و ملک بھی مرحبا کہتے ہوئے	بھیڑ سی دروازۂ خلدِ بریں پر ہو گئی
چوم کر وکٹوریہ کے پاؤں ہاتف نے کہا	قیصرِ ہندوستاں جنت کی قیصر ہو گئی

۱۹۰۱ء

چمن

چمن - منشی شادی لال صاحب ۔ سنہ ۱۸۸۳ء میں ایک رسالہ مسمیٰ بہ گلدستہ شعرا شائع ہوتا تھا۔ اس میں انکا کلام نظر سے گزرا - دیگر حالات ولدیت اور وطن مالوف کا پتہ باوجود تلاش ظاہر نہیں ہوا۔ کلام کا انتخاب درج ذیل ہے

مدت کے بعد مجھپہ جو فضلِ خدا ہوا	پھر آشنا وہی بتِ ناآشنا ہوا
جو دل کہ دامِ زلفِ صنم سے رہا ہوا	شادا اپنی مخلصی سے نہ وہ غمزدا ہوا
گویا لحد پہ یار یہ بعد فنا ہوا	گھبرا کے جان عشق میں دیدی تو کیا ہوا
ابھرا نہ بحرِ عشق کا ڈوبا کبھی چمن	یہ امتحاں تو بیشتر و یار ہا ہوا

چناں

چناں - شیخ مزاح الدولہ خانصاحب لکھنوی - آپکے حالات باوجود کوشش کے کچھ معلوم نہیں ہوئے مگر کلام سے ظاہر ہے کہ ظرافت آپ کی طبیعت میں کوٹ کوٹکر بھری تھی صاحب دیوان ہیں آپکے دیوان کا انتخاب جو سنہ ۱۳۱۷ ہجری میں مطبع اعجاز محمدی لکھنؤ میں چھپا ہے ہماری نظر سے گزرا۔ اسی انتخاب سے چند شعر اخذ کر کے بطور نمونہ ہدیۂ ناظرین کیئے جاتے ہیں۔

اثر تھا بارِ غمِ ہجرِ یارِ پُرفن کا	مرے پلنگ کا کھٹمل تلا کئی من کا
گلے میں ڈالدے میرے بھی عشق کا پٹہ	کہ میں نے دیکھ لیا طوق تیری گردن کا
دھواں نکلتا ہے ہر بار ساتھ نالے کے	نہ کیوں گماں ہو دلِ سوختہ پہ انجن کا
وہ آج قبر کو کھدوا کے لے گیا تختے	نشاں مٹا گیا بے رحم میرے مدفن کا
ہوا لیلیٰ! یہ ناداری سے عالم تیرے عریاں کا	کہ آخر اُسنے باندھا پھاڑ کر دامن بیاباں کا
ٹپکتی ہے ثقالت بھی سخن سے سرگرانی بھی	کٹھل ہوں باغِ جنت کا دھتورا باغِ رضواں کا

دیکھنا پھر تُو بکے گی دھیلے دھیلے عندلیب
اور انڈے جھوجھ میں دو روز سیلے عندلیب

پہلے تھے آپ نہایت لاغر
مجکو رکھ لیجئے دربانوں میں
دیجئے ہاتھ سے اپنے نہ شراب
خاک سُنتے نہیں فریاد میری
چھیلا کیا ہیں ناخنِ غم سے دل وجگر

ابتو مجھ سے کہیں طیار ہیں آپ
حضرتِ عشق کی سرکار ہیں آپ
نہ کہے کوئی کہ کلوار ہیں آپ
آجکل صورتِ دیوار ہیں آپ
بجتی رہی وہاں پہ ستاری تمام رات

سُنتے ہیں بال کو کم کاٹتی ہے تیغِ اصیل
تھا زمانہ کہ کبھی تیغ بکف رہتا تھا
تھک گئے ہیں لیٹتے ہیں یارا ہم
قتل کا جو خوف تھا جاتا رہا
یہ مجنوں پوچھتا تھا ساربان سے
بڑھا یہ خوف رعب جانجاں سے

راس سے ہم پھرتے ہیں اوڑھے ہوئے کمبل قاتل
ہاتھ میں ابتو لیئے پھرتا ہے موسل قاتل
کب سے بیٹھے ہیں پسِ دیوار ہم
کل چُرا لائے تری تلوار ہم
میاں یہ اونٹ لائے تم کہاں سے
مریضِ عشق تک آہ نہ کھانسے

اے چناں وہ ابھی سُن لیں تو نکالیں آنکھیں
قتل کر کے بال نوچے اُسنے یہ کہکر مرے
یہ قولِ قیس تھا گر ہو گا حسن و عشق میں جھگڑا

گر کہوں آپکے بکرے سے غزال اچھا ہے
وہ سزائے عاشقی تھی اور یہ جرمانہ ہے
اُسی جانب کو میں ہونگا مری لیلی جدھر ہوگی

ح

حاتم

حاتم - شیخ ظہور الدین خلف فتح الدین ۱۱۱۱ھ ہجری میں پیدا ہوئے - لفظ ظہور ہی تاریخ ولادت ہے - خاص دہلی کے رہنے والے سپاہی پیشہ آدمی تھے - نواب عمدۃ الملک امیر خان صوبہ الہ آباد کی رفاقت میں چند سال گزارے - آخر عمر میں تعلقات ظاہری سے کنارہ کشی کر لی تھی - نہایت متین اور مہذب بزرگ اور شعرائے طبقۂ دوم میں سر برآوردہ تھے - مرزا رفیع سودا ان کے شاگرد تھے اور ایسے شاگرد تھے جن پر استاد کو فخر تھا - اور اکثر اُنکے ذکر پر یہ مصرع پڑھا کرتے تھے ع رتبۂ شاگردی من نیست استادِ مرا سعادت یار خان رنگین - محمد امان نثار - تاباں - مکند رائے فارغ بھی اِنکے شاگردوں میں تھے - شاہ صاحب کے مزاج میں ظرافت بہت تھی - قلعۂ دہلی کے نیچے شاہ تسلیم ایک آزاد منش فقیر کا تکیہ تھا - وہاں اکثر نشست رہتی تھی - شاہ حاتم اپنے آخر زمانے میں اُردو زبان کی درستی کی طرف بھی متوجہ ہوئے تھے - اور بہت سے غیر مانوس اور غیر فصیح الفاظ ترک کر دیئے تھے - مگر افسوس ہے کہ اُنکے معاصرین نے اِس طرف کافی توجہ نہیں کی ورنہ اُسی زمانے میں اُردو کی موجودہ فصاحت کی بنیاد قائم ہو جاتی - اگرچہ شاہ حاتم نے بہت سے الفاظ ترک کیے - مگر دوسرے شعرا نے اُنکو نہ چھوڑا - جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک شخص کا محدود مگر مفید خیال زیادہ پھیلنے نہ پایا اور دوسرے لوگوں کی بے پروائی نے پُرانے اور نئے محاوروں کی تفریق نہ کی - اور الفاظ کو یہ آزادی اور وسعت دی کہ اُن کا اثر دوسری پشت تک قائم رہا - شاہ حاتم اپنے ترک کردہ الفاظ کی نسبت خود لکھتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے "خوشہ چینِ خرمنِ سخنورانِ عالم - بصورت محتاج و بمعنی حاتم - کہ از ۱۱۲۹ھ تا ۱۱۶۹ھ کہ چہل سال باشد - عمر دریں فن صرف کردہ - در شعر فارسی پیرو مرزا صائب و در ریختہ ولی را استاد میداند - اول کسیکہ دریں فن دیوان ترتیب نمودہ او بود

فقیر دیوان پیش از نادرشاہی در بلاد ہند مشہور دارد۔ بعد ترتیب آن تا امروز کہ سنہ ۳ عزیزالدین عالمگیر ثانی باشد ہر رطب و یابس کہ از زبان ایں بے زبان برآمدہ داخل دیوانِ قدیم نمودہ کلیات مرتب ساختہ۔ از ہر ردیف دو سہ غزلے واز ہر غزل دو سہ بیتے ورسالے مناقب و مرثیہ۔ وچند مخمس ومثنوی از دیوان قدیم نیز داخل نمودہ بہ "دیوان زادہ" مخاطب ساختہ۔ وسرخی غزلیات بسہ قسم منقسم ساختہ۔ یکے طرحی۔ دوم فرمایشی۔ سوم جوابی۔ تا تفریق آن معلوم گردد۔ ومعاصرین فقیر۔ شاہ مبارک آبرو۔ وشرف الدین مضمون۔ ومیرزا جانجانان مظہر۔ وشیخ احسن اللہ احسن۔ ومیرزا شاکر ناجی۔ وغلام مصطفی یکرنگ ست ولفظ "در" و"بر" از والفاظ وافعال دیگر کہ در دیوانِ قدیم خود تقید دارد۔ ودرین ولا از دہ دوازدہ سال اکثر الفاظ را از نظر انداختہ والفاظ عربی وفارسی کہ قریب الفہم وکثیر الاستعمال باشند وروزمرۂ دہلی کہ مرزایانِ ہند وفصیحانِ رند در محاورہ آرند منظور دارد۔ زبانِ ہندی بھاکا راموقوف کردہ محض روزمرہ کہ عام فہم وخاص پسند باشد اختیار نمود۔ وشمۂ ازان الفاظ کہ تقید دارد بیان می آرد چنانچہ عربی وفارسی مثلاً تسبیح راتسبی وصحیح راصحی وبیگانہ رابگانہ و دیوانہ رادوانہ ومانند آن۔ یا متحرک راساکن وساکن را متحرک۔ مَرَض را مَرْض۔ ونیز الفاظ ہندی مثل نین وجگ ونت وغیرہ یا اودھر را اودھر وکدھر را کیدھر کہ زیادتی حرف باشد۔ یا بجاے "پر" "پہ" یا "یہاں" رایاں و"وہاں" را واں کہ در مخرج تنگ بود یا قافیہ را باڑا رہندی مثل گھوڑا و بورا و دھڑ وسرو مانند آن۔ مگر ہائے ہوز را بدل کردن باالف کہ از عام تا خاص در محاورہ دارند بندہ دریں امر بتابعت جمہور مجبور است۔ چنانچہ بندہ را بندا وپردہ راپردا وآنچہ ازین قبیل باشد۔ وایں قاعدہ راتاکے شرح دہد مختصر کہ لفظے غیر فصیح انشاء اللہ نخواہد بود" اس عبارت کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو خیال ناسخ وآتش یا ذوق ومومن کے وقت میں پیدا ہوا تھا اس کی ابتدا ایک صدی پیشتر ہو چکی تھی۔ فرق صرف اتنا ہی ہے کہ آخر خیال قائم ہونے کے بعد عام وخاص

سب میں اُسکی پابندی اور لحاظ کیا گیا۔ اور بے چارے شاہ حاتم کی بات اُن کے مُنہ اور زبانِ قلم سے نکل کر دیوانِ زادہ تک محدود رہی۔ بہرحال اصلاحِ زبان کے خیال کرنے والوں میں پہلا نمبر شاہ حاتم کا ہے۔ دو تین اُردو کے اور ایک فارسی دیوان ان سے یادگار ہے۔ مضمون اِن کے صاف عاشقانہ عارفانہ ہیں۔ شعر آپس کی باتیں۔ زبان شستہ و رفتہ۔ البتہ زبان کی ابتدائی حالت ہونے کے سبب زائد الفاظ مثل اب اور یہاں کے اکثر آجاتے ہیں۔ شاہ حاتم نے اپنے دیوان کے دیباچے میں اپنے شاگردوں کی فہرست لکھی ہے ۴۵ ناموں میں سب کے سرتاج مرزا رفیع السودا ہیں۔ ۹۶ برس دنیا کی ہوا کھا کر ماہ رمضان ۱۲۰۷ھ ہجری کو دہلی میں انتقال کیا اور وہیں دلّی دروازے کے باہر دفن ہوئے۔ مگر مصحفی کا قول ہے کہ ۸۳ برس کی عمر پاکر ۱۱۹۶ھ ہجری میں فوت ہوئے۔ بہرحال اب اُن کے کلام کا انتخاب درج کیا جاتا ہے +

مثالِ بحر موجیں مارتا ہے تُو نہیں تو کُنجِ تنہائی میں ہے	کیا ہے جسنے اِس جگ سے کنارا بوریہ کا نقش ہم پہلو مرا
شورِ دریا تک ملاحت کا تری پہنچا ہے شور فیضِ صحبت کا تری حاتم عیاں ہے ہند میں کعبہ و دیر میں حاتم سمجھا غیرِ خدا فقیروں سے سُنا ہے ہم نے حاتم ہجر کی زندگی سے موت بھلی مسافر اٹھ تجھے چلنا ہے منزل آبِ حیات جا کے کسی نے پیا تو کیا نے حسرتِ گلگشت نہ پرواز کی طاقت جسکو دیکھا سو یہاں دشمنِ جاں ہے اپنا	بے نمک آگے ترے لب کے نمکداں ہوگیا طفلِ مکتب تھا سو عالم بیچ تاباں ہوگیا کوئی کافر نہ کوئی ہم نے مسلماں دیکھا مزا جینے کا مرجانے میں دیکھا کہ جیسے سب کہیں وصال ہوا بجے ہے کوچ کا ہر دم نقارا مانندِ خضر جگ میں اکیلا جیا تو کیا صدقے میں ترے کیا مجھے آزاد کریگا دل کو جانے تھے ہم اپنا سو کہاں ہے اپنا

حاتم بکس کا تجھ بن کون ہے ؟
کون ہوئے جو نہ ہوئے تو مرا

قاصد کی زباں سے اسکے آگے
پیغام و سلام کچھ نہ نکلا

اُسکے قدموں سے لگی رہتی ہے دن رات حنا
خوب دنیا میں بسر کرتی ہے اوقات حنا

حاتم عجیب رسم ہے اقلیم عشق کی
پاؤں کے ہاتھ لگتے گنہ گار ہو گیا

ہاتھ مت کھینچ جنوں تجکو مرے سر کی قسم
ایک جب تک بھی رہے تار گریبان کے بیچ

زلف و چشم و خال و خط چاروں ہیں دشمن جان کے
حق رکھے ایمان سلامت ایسے کفرستان کے بیچ

ایک دن ہاتھ لگایا تھا ترے دامن کو
ابتلک سر ہے خجالت سے گریبان کے بیچ

حاتم جہاں کو جان کے فانی خدا کو چاہ
اللہ بس ہے اور یہ باقی ہے سب ہوس

کسیکو آپ سے گر آشنا کرے معشوق
تو پہلے اسکو سبھوں سے جدا کرے معشوق

ہم سے ہو زر و سیم کی تدبیر سو کیا خاک
دنیا میں بڑی چیز ہے اکسیر سو کیا خاک

اتنی بھی آسماں نے فرصت کبھی نہ دی ہائے
جو بیٹھ کر نکالیں دل کا غبار ہم تم

رباعی

ان سیمبروں کے ساتھ سونا معلوم ؟
قسمت میں لکھی ہے خاک سونا معلوم ؟
حاتم افسوس ہائے وا امروز گزشت
فردا کی رہی امید سونا معلوم ؟

تو اذیت پیشہ دشمن ہے بغل میں دل نہیں
دور ہو پہلو سے صحبت کے مری قابل نہیں

تمہارے غنچۂ لب کے شوق میں گلشن کی سب کلیاں
چمن میں سن خبر آنے کی استقبال کو چلیاں

زلفوں کے بل بتانا آنکھیں چرا کے چلنا
کیا کچھ ادائیاں ہیں کیا کم نگاہیاں ہیں

تم تو بیٹھے ہوئے یہ آفت ہو
اٹھ کھڑے ہو تو کیا قیامت ہو

مفلسی اور مزاج اے حاتم
کیا قیامت کرے جو دولت ہو

آتا ہے اب نشے کیطرف جی کبھو کبھو
ساقی نگاہ مست ادھر بھی کبھو کبھو

کعبہ و دیر میں اے شیخ تفاوت کیا ہے
دونوں ان گھر کا وہی ایک ہے صاحب خانہ

حسن اور عشق ترے فیض قدم کے صدقے
دونوں آباد ہیں ہم گلشن و ہم ویرانہ

دو چار اب تجھسے کیونکر ہوتی ہم چشمی کے دعوے
کہ نرگس کی چمن میں دیکھکر گردن ڈھلکتی ہے

کہتے ہیں سبھی مہر بتاں خوب نہیں ہے
سننا ہی نہیں یہ دل گمراہ کسیکی

بیخود اس دور میں ہیں سب حاتم
ان دنوں کیا شراب سستی ہے

کیوں سب سے تجھے چھپا نہ رکھوں
جان ہے - دل ہے - دل کا انتر ہے

کاملوں کا یہ سخن مدت سوں مجکو یاد ہے
جگ موں بے محبوب جینا زندگی برباد ہے

بے مدد زلفوں کی اسکے حسن نے قیدی کیا
صید دل بے دام کرنا صنعت استاد ہے

ملک دل آباد کیوں کرتا ہے حاتم کا خراب
اے مری بستی خوش آتی ہے تجھے ویرانگی

ہر صبح اٹھ بتوں سے مجھے رام رام ہے
زاہد تری نماز کو میرا اسلام ہے

اس آئینہ طلعت کی اب ہم سے یہ صورت ہے
ظاہر میں صفائی ہے باطن میں کدورت ہے

لام نستعلیق کا ہے اس بت کافر کی زلف
ہم تو کافر ہوں اگر تابع نہوں اسلام کے

ہیں ناتواں ہوا اسقدر کہ مدت سے
نہ لب سے نالہ - نہ سینے سے آہ نکلے ہے

زبان خلق بھی حاتم عجب تماشا ہے
جادھر وہ نکلے ادھر واہ واہ نکلے ہے

کروں قربان جی کو اس گھڑی اسوقت اس پل کے
کہ جسدن جس گھڑی تو آ کر آوے میر گھر چلکے

حاتم - نواب محمد حاتم علیخان انعام دار موضع آسیر دکن - فن سخن میں آپ کو مولانا نادر علی برتر سے تلمذ ہے - نمونۂ کلام یہ ہے ؀

بزم عدو میں مجھ سے ملاتے نہیں نظر
انجان یوں ہیں جیسے نہ تھا آشنا کبھی

کچھ بھی علاج وحشت خاطر نہ ہو سکا
آئی شمیم زلف نہ باد صبا کبھی

حاتم سے آج ہو گئے نا آشنا تو کیا
وہ بھی تمھارے چاہنے والوں میں تھا کبھی

حاذق - استاد الخاقان مقرب السلطان عالیجناب نواب آغا مرزا بیگ خان دہلوی المخاطب بہ نواب سرور جنگ سرور الملک بہادر - آپ کو نواب اسد اللہ خان غالب مرحوم سے قرابت قریبہ حاصل ہے - صغر سنی میں آپ حضرت غالب کے بھانجے و پچی

مرزا عباس بیگ کے پاس لکھنؤ چلے گئے اور اُنھیں کی زیر نگرانی تعلیم و تربیت پائی۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ نواب سر سالار جنگ بہادر اول کے عہد میں دکن پہنچے اور حضور نظام حال کے اُردو اتالیق مقرر ہوئے اور اس تعلق سے آیندہ مدارج اعلیٰ اور کامیابی کی بنیاد پڑی ۱۸۸۴ء میں جب بندگان عالی با اختیار ہوئے آپ کو خطاب و مناصب سے سرفراز فرمایا اور عہدۂ پیشی (سکرٹری) یعنی مقرب ذاتی اعلیحضرت پر ممتاز ہوئے۔ چنانچہ تیرہ سال کاہل خلوت و جلوت میں حضرت کے ہمراز و دمساز رہے ۱۸۹۷ء میں مسٹر پلوڈن رزیڈنٹ سے ناچاقی کے سبب مستعفی ہونا پڑا۔ کچھ دن دہلی۔ علیگڑھ اور شملہ میں رہے اب چند سال سے اجمیر میں بود و باش رکھتے ہیں۔ اِنکے صاحبزادے نواب ذوالقدر جنگ بیرسٹر حیدرآباد میں ایک معزز عہدہ پر ممتاز ہیں۔ اِس وقت آپکی عمر ۶۰ برس کے قریب ہے اُردو شعر گوئی کا بھی شوق ہے کبھی کبھی تفنناً اس طرف بھی توجہ ہو جاتی ہے۔ با ایں ہمہ طبیعت میں روانی اِس بلا کی ہے کہ دقیق مضامین پر بے تکلف عبور کرتے چلے جاتے ہیں۔ بندش نشست الفاظ۔ مصرعوں کی چپیدگی۔ ردیف کا اچھے پہلو کے ساتھ چپک جانا۔ یہ ساری باتیں اُنکے کلام میں موجود ہیں۔ راقم تذکرہ کو آپ کی خدمت میں ۱۸۹۷ء کو بمقام شملہ نیاز حاصل ہوا تھا۔ آپکی بھتیجی راجہ صاحب نانپارہ مرحوم کی اہلیہ ہیں اور صاحبزادی نواب سربلند جنگ جج ہائیکورٹ نظام سے منسوب ہیں۔ نواب سرور جنگ کو اب بھی مع لواحقین سو ہزار روپیہ ماہوار کے قریب ریاست و صیغۂ صرف خاص سے ملتا ہے۔ علاوہ ازیں مختلف مقامات میں بیش قیمت جائداد آپکی پیدا کردہ ہے۔

رہا ہے رشکِ کعبہ یہ دلِ اندوہگیں برسوں
یہ اپنے نام کی تاثیر ہے تم سے شکایت کیا
لگی جب آگ سینے میں تو ہم سمجھے خطا ہی
ہوئیں مشہور اب شہباز اور آشوب عالم ہیں

رہی ہے صورتِ زیبا کسی کی دلنشیں برسوں
چڑھی ہے جب سے تیوری چھٹے ہیں آتشی ایسے سو
کہ نکلا مہر وش سمجھے تھے جسکو مہ جبیں برسوں
وہ آنکھیں جو رہیں موسوم چشم سرمگیں برسوں

بہت ہے قدردانِ شاہِ دکن حاذق چلو جلدی
عبث بیٹھے رہے تم گھر میں مغموم و حزیں سوں

نہیں حیدر آباد دہلی سے کچھ کم
یہاں بھی ہیں جادو بیان کیسے کیسے

ہمسے ملا کرو تمھیں لبِ بتا ئینگے
غیروں سے مت ملو وہ ستمگر بنا ئینگے

سُرمے سے وہ بھوؤں کو ملاتے ہیں لو غضب
دو نیمچوں کا ایک وہ خنجر بنا ئینگے

دل کے پھپولے پھوڑینگے یوں بیٹھ کر الگ
تصویر ہم رقیب کی بے سر بنا ئینگے

چڑھ چکا ہے زاہدایاں نشۂ جامِ الست
چھیڑ مت ظالم ہمیں ستانہ خواب آنیکو ہے

اکتسابِ بیخودی از چشمِ مستِ نازنیں
محفلِ رنداں میں ساقی بیحجاب آنیکو ہے

پھر کیا ہے میرے ساقی نے درِ میخانہ باز
لو میاں گردش میں پھر جامِ شراب آنیکو ہے

پھر سُلگ اُٹھا جگر آہوں کی پھر چھائی گھٹا
بر سرِ طوفان پھر چشمِ پُر آب آنیکو ہے

یہ ستم برپا کیا تیری نگاہِ شوق نے
حاذقِ ہشیار پھر اُنکو حجاب آنیکو ہے

قطعہ

مگر تو نے بھی اے بُت سامری فن
خدا کی قسم کیا ہی دھوکا دیا ہے

وہ دل جب پہ تھے مجکو سو ناز ظالم
اُسے تو نے کیسا نکمّا کیا ہے

یہ دل ہے وہ دل لاڈلا اک جہاں کا
یہ دل ناز و نعمت کا پالا ہوا ہے

یہ دل نورِ چشمِ حسینانِ عالم
یہ دل جلوہ گاہِ بتِ خود نما ہے

یہ دل کاشفِ رازِ مطلوب طالب
مرا مدّعی ہے ترا مدّعا ہے

یہ دل مایۂ فخرِ صاحبدلاں تھا
جسے تو نے وقفِ کلیسا کیا ہے

کھلونا نہیں ہے جو کھیلو گے اِس سے
مری جان یہ دل ہے جو تم نے لیا ہے

تجھے ہم تو سمجھے تھے ہشیار حاذق
ترے دل کا جانا اچنبھا ہوا ہے

حاذق — غلام حضرت خانصاحب خلف الصدق جناب غلام حسین خانصاحب از اولاد اخوند بیاض خان افغان حنفی المذہب عمر تقریبًا چالیس سال کی ہے۔ الموڑے کے رامزے کالج میں عربی و فارسی زبان کے پروفیسر ہیں۔ حاذق صاحب کی عمر تقریبًا ۴۵ سال کی حاذق

تھی جب آپکے والد ماجد کا انتقال ہوا۔ کوئی ذریعۂ معاش نہ تھا اور بارِ علائق بہت تھا تحصیل وتکمیل علوم و فنون ضروریہ ریاست رامپور میں اپنے والد کی حیات میں کر چکے تھے۔ چونکہ فطرۃً علم دوست واقعہ ہوئے تھے شوق برابر افزونی پر تھا۔ فکرِ تحصیل معاش سے جو وقت بچ رہتا تھا اُس میں ہمیشہ باکمالوں کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ سنِ طفلی سے موزوں طبع تھے اوائل میں مختلف اُستادوں کو اپنا کلام دکھایا۔ لیکن طبیعت کسی باکمال اُستاد کی جویا تھی۔ بالآخر عالیجناب منشی امیر اللہ صاحب تسلیم لکھنوی مدظلہ مقیم رامپور سے استفادہ سخن کرنے لگے۔ کلام نہایت پاکیزہ اور عیوبِ شاعری سے مبرا ہے۔ فارسی اُردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے ہیں۔ جملہ اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ فارسی نثر میں ایک رسالہ موسوم بہ سحرِ حلال بصنعتِ غیر منقوطہ آپکی تصنیف سے شائع ہو چکا ہے۔ ایک مسدس مسمّٰی بہ "لمعات الصواعق" مسلمانوں کے تنزل پر لکھ کر شائع کر چکے ہیں۔ کلام کا نمونہ ہدیۂ ناظرین ہے

درد کرتا تھا مرے پہلو میں رہ رہ کے خلش / ہاتھ رکھنے سے کسی کے آج کچھ کم ہو گیا
خامشی اُس کم سخن کی ذکرِ اعدا سے گئی / غیر کا شکوہ مجھے اکسیرِ اعظم ہو گیا
تذکرہ وصلِ عدو کا میرے آگے ہائے ہائے / اور بھی دردِ رقابت کے لیئے سم ہو گیا
تیری کیفیت ہے کیا۔ کیسا ہے دل کیا حال ہے / پوچھنا یہ اُن کا زخمِ دل کو مرہم ہو گیا
کس طرح ٹوٹیں۔ نہیں بلبل کے بس کی تیلیاں / آہنی صیاد نے کی ہیں قفس کی تیلیاں
قیدِ ہستی میں کڑی سہتا ہوں اس اُمید پر / مرگ کھولیگی کبھی میرے قفس کی تیلیاں
اہلِ دانش جھیلتے ہیں دہر میں قیدِ شدید / آہنی ہوتی ہیں طوطی کے قفس کی تیلیاں
دیکھئے کب ہو رہا تن کے قفس سے مرغِ روح / ٹوٹیں کسدن دیکھئے تارِ نفس کی تیلیاں
نہا دھو کے بتانِ خوش ادا جب دم نکھرتے ہیں / بشر کیا حور و غلماں بانکپن پر انکے مرتے ہیں
غضب کے شوخ فقرے ہیں کہ نقشہ کھینچ دیتے ہیں / دمِ تقریر مقراضِ زباں سے گل کترتے ہیں
اُٹھا کر ہاتھ وہ میری طرف غیروں سے کہتے ہیں / خدا کی شان یہ بھی دم مری اُلفت کا بھرتے ہیں

وہ کمسن ہیں انھیں مشقِ جفا کو چاہیئے مدت
ابھی تو نام سنکر خنجر و پیکاں کا ڈرتے ہیں

کیا زندگی ہے عشق کا جب سلسلا نہو
عاشق نہ ہو کسی پہ کسی پہ فدا نہ ہو

دریا کی موج شرم سے کیوں آب آب ہے
ساحل پہ اس نے آبی ڈوپٹہ چھپا نہو

رُک رُک کے دیکھتے ہیں وہ اپنا خرام ناز
پھر پھر کے دیکھتے ہیں کوئی دیکھتا نہو

وہ تخلیہ ہو جسمیں نہ آئے خیالِ غیر
اک تم ہو ایک میں ہوں کوئی دوسرا نہو

حاذق سخن کا لطف ہے پیشِ سخن شناس
اسکو سناییں کیا جو اُسے جانتا نہو

قدر و لجو کہ چشم دلستاں سے
پیدا ہو دیکھئے محشر کہاں سے

تمھاری پیاری باتوں کا ہوں مشتاق
کہو کچھ تو لبِ معجز بیاں سے

دلِ مضطر کی بیتابی کا عالم
کہوں کس طرح میں اور کس زباں سے

خیالِ عارضِ گلرنگِ ساقی
نہیں کچھ کم شرابِ ارغواں سے

عدو کے سامنے کہتے ہیں مجھ سے
بس اب تشریف لیجاؤ یہاں سے

حاذق حاذق - جناب منشی محمد فخر الدین برہانپوری تلمیذ حضرت بقا غازی پوری - زمانۂ حال کے شعرا میں ہیں اور اس طرح طبع آزمائی کرتے ہیں -

زاہد و تم کو ہے جب باغِ جناں کی خواہش
ہمکو دنیا میں بلا کوچۂ جاناں ہو کر

دیکھ پائیں جو ترے مصحفِ رخ کو کافر
سب لگیں پڑھنے ترا کلمہ مسلماں ہو کر

ابر اٹھا ہے بہار آئی ہے میخانوں میں
مئے گلرنگ بھری جاتی ہے پیمانوں میں

شیخ ہا تسبیح نہیں ہاتھ سے چھوٹی دم بھر
کیا خدا تیرا ہے نادان انھیں دانوں میں

اے خدا تیرا ہی جلوہ ہے بتوں سے ظاہر
تیری ہی شان نظر آتی ہے بتخانوں میں

جان دینے کے لیئے لوٹتے ہیں ایک پہ ایک
شمع وہ آگ لگا دیتی ہے پروانوں میں

شیخ و واعظ کا جدا حشر ہو لے داور حشر
کہیں چھپ چھپ کے نہ ملجائیں یہ میخواروں میں

پلاؤ حضرت حاذق کو لے رندو تو ہم جانیں
خدا والے ہیں میخانے سے بچ بچ کر نکلتے ہیں

حافظ

حافظ- کریم الدین صدیقی از نبیرۂ شاہ محمد اعظم قدس سرہ متوطن قصبۂ بچھراؤں-

ہے صحبتِ ناقص سے زیاں اہلِ صفا کو	موتی کا سدا رشتے سے سوراخ جگر ہے
کیا پوچھو ہوا حال کو حافظ کے کہ یارو!	اُس کا تو کچھ احوال ہر ایک لحظہ بتر ہے

حافظ

حافظ- منشی سید ممتاز علی صاحب خلفِ میر اعجاز علی ۱۲۷۸ھ سالِ پیدائش ہے ذہنِ رسا کی اعانت سے اپنا سلسلۂ نسب مادری و پدری حضرت آدم تک نکالا ہے- پچیس روپیہ مشاہرہ پر عہدۂ روبکاری نائب دوم بھوپال پر مامور ہیں- منشی فدا علی فارغ و گرم تخلص کے شاگرد ہیں- تذکرۂ آثار الشعرا و تاریخ بھوپال انکی تصنیف سے ہیں- اِس تذکرہ میں اپنے اشعار کا انتخاب پچپن صفحوں پر درج کیا ہے- طبیعت کا رنگ اِن چند شعروں سے ظاہر ہے-

چشمِ سرشار میں کیا سحر بھرا ہے تیری		لینا اے ساقی گلرو مجھے چکر آیا
تصور اس میں رہتا ہے شب روز		ہمارا قلب ہے مسکن کسی کا
کیوں ڈراتے ہو مجھے یارو کہ کرتی ہے ضرر	قطعہ	آبجیواں سے سمجھتا ہوں میں ادنی اثر شراب
کیونکہ ہے اِس کا نتیجہ رنج و فکر دائمی		اور ہے عیش و سرورِ تازہ کا جوہر شراب
اشکوں نے تکل کر کیا ابرازِ محبت		لڑکے تھے چھپایا نہ گیا رازِ محبت
الماس کی نہ دُر کی- نہ گوہر کی احتیاج		ہے خاکِ آستانۂ دلبر کی احتیاج
پہنچے ہم کوئے یار تک لیکن		کیا بتائیں کہاں کہاں ہو کر

حافظ

حافظ- حافظ خلیل الدین حسن ساکن پیلی بھیت خواہر زادہ حضرت قاضی محمد ممتاز حسن صاحب ممتاز- آپ کو تلمذ بھی غالباً اُنھیں سے رہا ہے- حال باوجود تلاش صرف اسقدر معلوم ہوا کہ ۱۳۰۲ء میں حیات تھے ٭

وہ میں- وہ ننگے پاؤں وہ چھالے وہ بن کہاں؟	چُبھتا ہوا وہ دل میں ہر اک خار کیا ہوا!
حافظ ہے یاد کچھ تجھے روزِ الست کی	مرد خدا وہ عہد وہ اقرار کیا ہوا؟
مے سے خالی جو کبھی سامنے ساغر آیا	دل مرا شیشۂ صہبا کی طرح بھر آیا

دفن ہونے دے نہیں میرا جنازہ وﷲ!	تیرے کوچے تلک اے یار میں مر کر آیا
جان دینے میں وہ آرام ہے اللہ اللہ	خواب اِک بات میں مجکو تہِ خنجر آیا
پردہ پوشی کی صفت ہے یار کی تلوار میں	جسم عریاں چھپ گیا سب زخمِ دامندار میں
نام پر دولت کے مرتے ہیں بخیلاں جہاں	شیرۂ جاں ڈالتے ہیں شربتِ دینار میں
ملتے ہی تارِ نظر کے عمر کا رشتہ کٹا	سچ تو یوں ہے تیغ کا ڈورا ہے چشمِ یار میں

رشتۂ الفت کا اولا سے بھی ادھر کو کر ہے
شب کو بھی پہنچا ادھر جو کچھ سے وہ دلدار آیا

حافظ

حافظ۔ تاجر نامور حافظ شیخ بخش الٰہی صاحب رئیس دہلی و تاجر کلکتہ۔ آپ شیخ احسان اللہ دہلوی تاجرِ کلکتہ و مالکِ "اخبار دار السلطنت" کے فرزند رشید ہیں۔ اپنی اُولو العزمی اور تاجرانہ قابلیت کیوجہ سے اپنے ہمعصر تاجروں میں ممتاز ہیں۔ یوں تو ہر قسم کی سوداگری آپکے کارخانے میں ہوتی ہے مگر سگرٹ کی فروخت کا بہت اعلیٰ پیمانہ پر انتظام ہے۔ دہلی اور کلکتہ میں آپکا بڑا رسوخ اور اچھی شہرت حاصل ہے۔ کلکتہ میں آپنے اہلِ اسلام کی رہایش کے لیئے ایک عالیشان مسافرخانہ تعمیر کیا ہے۔ اب ۵۵ برس کے قریب عمر ہے۔ کچھ کلام نظر سے گزرا اُس کا انتخاب درج ذیل ہے۔

میں نمانوں گا کبھی تیری نصیحت ایسی	زاہد اکرتا ہے تو مجھ سے یہ تقریر عبث
دیکھ تصویر مصوّر سے یہ بولا وہ شوخ	نہ ملے جو مری صورت سے وہ تصویر عبث
از رہِ فخر یہ کہتے ہیں تجارت پیشہ	کیمیا بھی ہے عبث اور ہے اکسیر عبث
قتلِ عاشق کو فقط ترچھی نظر ہے کافی	تیر و پیکاں ہیں عبث خنجر و شمشیر عبث

حافظ

حافظ۔ حافظ عبد الصمد صاحب شاگرد خواجہ میر تقی خانصاحب بہار لقا لکھنوی۔

خانۂ دل میں تصوّرِ غیر کا آنے نہ دے	پاسباں کس واسطے ہے دیدۂ بیدار کا
کام کس دن آئیگی معجز نمائی پھر تری	اے مسیحا دم ہے آنکھوں نہیں ترے بیمار کا

حافظ

حافظ۔ شیخ حافظ عبد الرزاق دہلوی۔ نواب سعید الدین احمد خان صاحب طالب دہلوی کے شاگرد رشید ہیں۔ تاریخ گوئی میں آپ کو اچھا ملکہ حاصل ہے اور اس فن سے اچھے

ماہر ہیں۔ زبان اور نشستِ الفاظ خوب ہے۔ ابتدائے مشق کا کلام نظر سے گزرا اُسکا انتخاب حاضر ہے ؎

ضبطِ اسرارِ نہانِ عشق اور ظرفِ بشر	بحرِ طوفان خیز اور کوزہ کے اندر رکھدیا
ہمنے کی لختِ جگر سے میہمانی عشق کی	آگے حضرت کے جو تھا ہمکو میسّر رکھدیا
سجدہ گاہِ سرکشانِ دہر ہے یہ آستان	تیرے در پر آکے ہر مغرور نے سر رکھدیا
اُسکے آنے کی خبر تھی کہ اجل آپہنچی	شوقِ نظارہ کا ارمان نکلنے نہ دیا
بخت برگشتہ گر نہ ہو جائے	یاریوں بے خبر نہ ہو جائے

حافظ۔ حافظ میاں خورسند محمد خانصاحب از خوانین بھوپال۔ آپ میاں ارجمند محمد خان سلیم کے چھوٹے بھائی ہیں۔ اِس فن میں منشی عبد العزیز اعجاز رقم کے شاگرد ہیں ۲۷،۲۸ برس کی عمر ہے اور یہ کلام کا رنگ ہے۔ حافظ

ولا بے راہ ہم سے ہو نہ جانا	کہیں غیروں کی باتوں میں نہ آنا
نگاہِ ناز ابھی کہہ رہی ہے	مرا خالی نہیں جاتا نشانا
گم گشتہ زخود دل ہے مرا روزِ ازل سے	اے بیخبری مجکو ہوئی ہائے خبر آج

حافظ۔ حافظ فدا احمد مجددی۔ شاگرد حضرت داغ دہلوی۔ آپ رامپور کے رہنے والے اور موزوں طبع لوگوں میں ہیں زیادہ حال معلوم نہیں۔ یہ اُنکے اشعار ہیں ؎ حافظ

وہ جھلک دور سے اپنی جو دکھا دیتے ہیں	ایک پُتلا مجھے حیرت کا بنا دیتے ہیں
کم ہو عشق ہمارا کبھی تیرے دل سے	کبھی دیتے ہیں تو یہ مجکو دعا دیتے ہیں
کیا اور کوئی روزِ جزا ہوگا اسکے بعد	کہتے ہو تم جو حشر میں شکوا یہاں نہیں
طوف کرتے ہیں سینکڑوں عاشق	کعبہ اُس بت کا گھر نہ ہو جائے

حافظ۔ منشی ظہور احمد نام۔ سردل ضلع میرٹھ کے رہنے والے ہیں اور نواب فصیح الملک مرزا داغ مرحوم کے شاگرد۔ شعر خاصہ کہہ لیتے ہیں۔ چند شعر حاضر کیئے جاتے ہیں ؎ حافظ

تمھاری باتیں تو بیشک ہیں پیار کے قابل
تمھارے قول نہیں اعتبار کے قابل

بچایا کثرتِ عصیاں نے مجکو دوزخ سے
مرے گناہ نہ ٹھیرے شمار کے قابل

نہ بھول اے دلِ ناداں تو اُنکی باتوں پر
بتوں کی چاہ نہیں اعتبار کے قابل

اب جستجو ہے چرخ کو مٹ جائے نام تک
ہم مٹ گئے تو کیا ہوا جھگڑا مٹا نہیں

ہیں بیحساب جرم الٰہی تو کیا ہُوا
اندازۂ کرم سے تو تیرے سوا نہیں

چاہیئے فرق نہ آجائے مسیحائی میں
آپکے سامنے دم میرا اُلجھانے سے

حافظ - محمد محب اللہ معروف بہ منشی حافظ عبدالرحمن باشندۂ مرادآباد - اوائل سنِّ شعور سے مزاج میں آزادی زیادہ رہی اور اکثر سیر و سیاحت کا اتفاق رہا - شدہ شدہ قصبۂ راسین متعلق ریاستِ بھوپال میں حافظ محمد اسحاق خاں فرخ آبادی ناظم ضلع مشرقی کے پاس پہنچ گئے اور کچھ یوم اُنکے پاس رہے - اور اطمینانِ خاطر بہم پہنچا کر اپنا کلام مرتب کرکے ۷ جزو میں سنہ ۱۳۱۵ھ میں شائع کردیا - اب دیوان کا لب لباب ملاحظہ ہو - کچھ قصائد بھی اپنے ممدوح کی تعریف میں لکھے ہیں - بظاہر کوئی بات قابلِ ذکر آپکے کلام میں نہیں پائی جاتی -

دل اہلِ دل کا کعبہ سے رتبہ میں کم نہیں
یہ خاص گھر خدا کا ہے وہ گھر خلیل کا

دیتا ہے روز رنج نئے گردشیں نئی
اے چرخ کج شعار ترا ہم نے کیا کیا

ہے جلوہ دیر و کعبہ میں اُسی محبوب کا حافظ
نزاعِ باہمی ناحق ہے یہ شیخ و برہمن میں

چرچے تمھارے حُسن کے نزدیک دور ہیں
شیدا ترے جمال کے انسان و حور ہیں

نہیں خوف محشر کی سختی کا ہمکو
محبت کے صدمے اُٹھائے ہوئے ہیں

آمد ہے گل کی ہووینگے دیوانے پھر اسیر
حدّاد دُور دُور سے بُلوائے جاتے ہیں

خونِ دل ہے شراب سینہ کباب
حضرتِ غم کی میہمانی ہے

اےجاں یہی ہے شرطِ مروت کہ تجھپہ ہم
جانِ حزیں فدا کریں اور تو جفا کرے

حالی - اعجاز بیان سعدی ہندوستان - سخن سنج و سخن فہم - بیعدیل و نظیر - شمس العلماء

خواجہ الطاف حسین صاحب حالی سلمہ اللہ القدیر۔ آپکے والد خواجہ ایزد بخش پانی پت ضلع کرنال کے باشندے تھے۔ چنانچہ وہیں ۱۸۳۷ء کے قریب آپ کی ولادت ہوئی۔ مگر نوعمری کے زمانے سے اکثر دہلی میں رہے۔ اور عنفوانِ شباب ہی میں نواب مصطفےٰ خان شیفتہ رئیس جہانگیر آباد کے صاحبزادوں کی تعلیم آپکے سپرد ہوئی۔ اُس زمانے میں جو کچھ کہا اُس میں نواب صاحب مذکور الصدر سے اصلاح لی۔ اِسی تعلق سے آپ کو مفتی صدرالدین خاں آزردہ۔ نواب ضیاءالدین خاں نیّر و رخشاں اور حضرت غالب مرحوم کی خدمت میں باریابی کے اکثر موقعے ملتے رہے۔ آپ دہلی کے اُن معرکۃ الآرا مشاعروں میں شریک ہوئے ہیں۔ جنکے دیکھنے والے بھی اب مفقود ہوئے جاتے ہیں۔ آپنے مرزا غالب کو دیوان عام دہلی کے شاہی مشاعروں میں فارسی اور اُردو دونوں زبانوں میں غزل پڑھتے سُنا ہے کچھ عرصہ حضرت شیفتہ سے اصلاح لینے کے بعد آپ حضرت غالب کے حلقۂ تلمّذ میں داخل ہوئے۔ مہینوں نہیں بلکہ برسوں مرزائے مرحوم کے فیض صحبت سے مستفیض ہوئے ہیں۔ آپکی عالی دماغی اور سخن فہمی اُس زمانے میں بھی اپنے جوہر دکھاتی تھی۔ طبیعت میں شعر کا جیسا صحیح مذاق اب ہے اُس وقت بھی موجود تھا۔ شاہجہاں آباد میں اُس زمانے میں کیسے کیسے جید عالم اور قابل سخنور اور سخن گو موجود تھے مگر وہ سب مولٰنا کی قدر و منزلت کرتے تھے آپکی عربی استعداد عالمانہ ہے۔ فارسی تو عربی کے تابع ہی ہے اُس کا تو ذکر ہی کیا۔ عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں آپنے فکر سخن کیا ہے۔ آپ مرزا غالب کی آخری علالت اور وفات کے موقعے پر دہلی میں موجود بلکہ اُنکی تجہیز و تکفین میں شریک تھے۔ اُنکی وفات پر آپنے اور مرزا قربان علی بیگ سالک مرحوم۔ اور میر مہدی حسین مجروح مرحوم تینوں رشید شاگردوں نے ایک ساتھ مرثیے لکھے ہیں اور وفات کی تاریخیں کہی ہیں۔ مگر انصاف یہ ہے کہ جو رتبہ و مقبولیت مولانا حالی کے اِس مرثیے کو حاصل ہوئی ہے وہ کسیکو نصیب نہیں ہوئی۔ اور اس میں شک بھی نہیں کہ وہ مرثیہ ہر حیثیت سے آپکے تمام کلام میں ایک

عجب امتیازی فرق رکھتا ہے۔ ہر مصرع مؤثر۔ ہر شعر پُر درد۔ ہر بند لاجواب ہے۔ اسی طرح جو مرثیہ آپنے سلطان الحکماء حکیم محمود خانصاحب مرحوم کی وفات پر لکھا آپکے تمام کلام میں ایک بلند و عالی رتبہ رکھتا ہے۔ یہ مرثیہ درد۔ اثر۔ اور واقعات زندگی کے نوش اسلوب بیان اور قدیم دہلی کی طرز معاشرت کا ایک دلکش پہلو اس صفائی اور خوشنمائی سے دکھاتا ہے کہ اسکی توصیف حدِ بیان سے باہر ہے۔ مرزا غالب مرحوم علاوہ شاگردانہ خصوصیت اور عزیز رکھنے کے اِنکی سخن فہمی و سخن سنجی اور مدارج علمی کیوجہ سے کسی قدر ان کا لحاظ و ادب بھی کیا کرتے تھے۔ اور انکو بھی مرزا سے کمال عقیدت و محبت تھی۔ اور یہ دونوں باتیں مرزا اور اُنکے اُن فارسی قطعوں سے بخوبی ظاہر و ہویدا ہوتی ہیں جو ایک خاص موقعے پر مرزا کی آزردگی کی وجہ سے لکھے گئے تھے جو یادگار غالب میں چھپ گئے ہیں۔ اور اِنھیں کے بعد صفائی ہوگئی تھی۔ مرزا کے بعد مولٰنا حالی کا پھر دلی میں جی نہ لگا۔ رہنے کو اُنکے بعد عرصہ تک رہے مگر ہمیشہ دل برداشتہ اور برخاستہ خاطر۔

عرصے کے بعد لاہور میں بسبب تعلقاتِ ملازمت آگئے اور یہاں مدت تک باحسن الوجوہ اپنی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ عاشقانہ شعر گوئی کے ترک کرنے اور مسدس مدو جزر کے لکھنے کی بنیاد لاہور ہی آکر پڑی ہے۔ اِنکے آنیسے پیشتر نیچرل شاعری کی داغ بیل پنجاب کی سرزمین میں پڑ چکی تھی۔ اُس پر مولانا حالی کاربند ہوئے۔ چنانچہ اسکے بعد کا جو کلام ہے وہ نیچرل اور دوسرے رنگ میں ہے۔ گویا شعر کی دنیا ہی بدل دی گئی ہے۔ لاہور سے چل کر پھر مولانا دلی پہنچے اور عربی اسکول میں مدتوں مدرس علوم مشرقی رہے۔ علاوہ مسدس اور مناجاتِ بیوہ کے اور بھی متعدد مفید نظمیں لکھی ہیں علیگڈھ کالج کے سوا آپ اور بھی اسلامی انجمنوں میں شامل ہو کر اپنے نصائح و ہدایات سے پُر کلام سے ناظرین کو محظوظ فرمایا کرتے ہیں۔ نثر میں بھی تعلیم نسواں کے متعلق آپ نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام مجالس النسار رکھا ہے۔ اِس میں بالکل عورتوں کی زبان

عورتوں کے محاورات برتے ہیں۔ مجالس النسا عورتوں کی ضروری تعلیم واصلاح کے لیئے نہایت مفید اور کارآمد ثابت ہوئی ہے۔ اور اُس کے اثر سے اکثر خاندانوں میں عورتوں کی تعلیم کا سلسلہ عموماً ہندوستان میں اور بالخصوص دلی میں شروع ہوا۔ آپ کو مسئلہ تعلیم ذکور واناث کی طرف ہر وقت اور ہر زمانے میں خاص توجہ رہی اور اسی کوشش میں دلچسپی کے ساتھ مصروف رہے اور ہیں۔ حیات سعدی بھی آپ کی تالیف ہے جو عرصہ ہوا چھپ چکی ہے۔ اس میں شیخ سعدی شیرازی علیہ الرحمہ کی سوانح عمری اور سیر وسیاحت کے واقعات مفصل اور مشرح طور پر درج ہیں۔ اور اُنکے اقوال کا تعلیم یافتہ جماعت پر جو اثر اُنکی زندگی اور وفات کے بعد سے آج تک ہوا اُس پر بحث کی ہے۔ اور اُنکی نظم ونثر کے وہ شعر اور وہ فقرے بھی لکھے ہیں جو اُنھوں نے عربی زبان سے ترجمہ کیئے ہیں۔ اور اُنکے شاعرانہ تبحر کی خوبی اور نظم ونثر کی عمدگی نہایت خوش اسلوبی اور لیاقت کے ساتھ ملک کے سامنے پیش کی ہے ؛

اپنے مقدمۂ دیوان میں جو شعر وشاعری پر بحث لکھی ہے اور اساتذۂ عرب ویورپ کا موقع موقع سے مقابلہ حال وخیالات اور شعر کے اثر کی کیفیت لکھی ہے وہ دیکھنے سے متعلق ہے۔ کمی ہے تو صرف یہ کہ اُمّ الالسنہ سنسکرت کے مشاہیر شعرا اور اُنکے یادگار کارناموں کا ذکر نہیں کیا جس کا غالباً یہ سبب ہے کہ حضرت کو سنسکرت کی معلومات سے استفادہ کرنے کا موقع نہیں ملا۔

آپ سنہ ۱۸۸۹ء میں سرسید احمد خاں۔ مولانا شبلی نعمانی وغیرہ کے ساتھ حیدرآباد دکن بغرض فراہمی چندہ علی گڑھ کالج کی طرف سے گئے تھے اُس وقت وہاں کے مدار المہام نواب سر آسمان جاہ بہادر تھے۔ وہاں آپنے کئی نظمیں پڑھیں جو چھپ کر شائع ہو چکی ہیں اُس کے تھوڑے عرصے بعد یا اسی زمانے میں آپ کا ماہوار وظیفہ بھی ریاستِ دکن سے مقرر ہو گیا۔ جسکے بعد آپ بار ملازمت سے بالکل سبکدوش اور دست کش ہو گئے ؛

سوانحعمری یادگار غالب یعنی اپنے استاد نواب اسد اللہ خان غالب مرحوم کی سوانح عمری بھی آپ نے لکھی ہے جس میں اُنکی لطیفہ گوئی بذلہ سنجی اور خصلت وطرز معاشرت وغیرہ کے علاوہ اُنکی اُردو وفارسی نظم ونثر کی خوبیاں اور نازکخیالیاں علحدہ علحدہ دکھائی ہیں اور ساتھ ہی اِس کے اُن کے کلام کا موازنہ اُساتذۂ ایران سے کیا ہے۔ اور اُسکے حل طلب اور دقیق اشعار کے معنے اور اُسکے ساتھ اُنکی ندرت وجدت بیان کرکے اُنکی فارسی قابلیت کا وہ بلند وبالا رتبہ جو عام نگاہوں سے پوشیدہ تھا اور جسکو اُس زمانے میں اُسکے ماننے والے بھی دیکھ اور سمجھ نہ سکتے تھے نہایت واضح معقول اور دلنشیں طور پر اُس کا منظر نظروں کے سامنے پیش کرنا۔ انصاف یہ ہے کہ یہ مولانا حالیؔ جیسے قابل اور وقیع شخص کا کام تھا اور انھیں کو مبدء فیاض سے یہ دل ودماغ عطا ہوا ہے۔

سر سید احمد خاں مرحوم کی زندگی ہی سے اُنکی سوانح عمری لکھنی شروع کردی تھی۔ جو اُنکے انتقال کے بعد بڑی ضخامت میں شائع ہوئی۔ جس کا نام "حیاتِ جاوید" ہے۔ اور جس میں سر سید کے تمام حالات مشرح ومفصل تحریر کیئے ہیں۔ ۱۹۰۴ء میں گورنمنٹ عالیہ نے مولٰنا کو خطاب شمس العلماء سے سرفراز کیا۔ جو انکی تعلیمی خدمات کے اعتبار سے ہر طرح زیبا اور مناسب ہے۔ مولٰنا حالی کچھ عرصے سے نواب فصیح الملک مرزا داغ مرحوم کے کلام کا انتخاب فرما رہے ہیں جسکے شائع ہونیکا ہر ایک مشتاقِ سخن کو نہایت اشتیاق سے انتظار ہے۔ دلی کا نام اب آپکے اور حضرت ظہیر کے دم سے روشن ہے۔ یہی دو کامل یادگار شعرائے سلف کہلانے کے اہل ہیں۔ کئی سال سے زیادہ تر وطن میں قیام پذیر رہتے ہیں گو دہلی بھی اکثر آتے رہتے ہیں۔ راقم تذکرہ کو بچپن سے آپکی خدمت سراپا برکت میں نیاز حاصل ہے از بس خلوص ونوازش کا اظہار فرماتے رہتے ہیں۔ اب طرز کہن وجدید کے کلام کا انتخاب ملاحظہ ہو۔

رخ جہانسوز تیرا دیکھا نظارہ افروز جس چمن میں	نہ بلبل وگل ہیں وہ ان تعلق نہ سرو قمری میں پیار دیکھا

جو لاکھ میں ایک پر کہیں کچھ کھلا بھی قسمت سے بھید تیرا
رلا نہ کھوج اُس کا پھر کسیکو ہزار ڈھونڈا ہزار دیکھا

لگن میں تیری نکل گئے جو نہ جھجکے دریائے پُرخطر سے
گئے وہ کو و آنکھ بند کرکے نہ وار دیکھا نہ پار دیکھا

خبر نہیں یہ کہ کیا ہی کیسا ہے کون ہے اور تو کہاں ہے
یہ اپنے میں اور تجھ میں ہمنے علاقہ اک استوار دیکھا

سلوک ہیں تیرے سب سے یکساں وہ گبر و ترسا ہوں یا مسلماں
نہ اُن سے کچھ تیرا بیر پایا نہ اُننے کچھ تیرا پیار دیکھا

اے عشق تو نے اکثر قوموں کو کھا کے چھوڑا
جس گھر سے سر اُٹھایا اُسکو بٹھا کے چھوڑا

رایوں کے راج چھینے شاہوں کے تاج چھینے
گردن کشوں کو اکثر نیچا دکھا کے چھوڑا

لاگ اور لگاؤ دونوں ہیں دلگداز تیرے
پتھر کے دل تھے جنکے اُنکو رلا کے چھوڑا

افسانہ تیرا رنگیں رُوداد تیری دلکش
شعر و سخن کو تو نے جادو بنا کے چھوڑا

دیکھا اسے امید ہمسے کچھ نہ تو کن رہ
تیرا ہی رہگیا ہے نے دیکھے اک سہارا

توفیق سے نے ہمیشہ لی تنت پر خبریاں
جب ناؤ ڈگمگائی پاس آ گیا کنارا

افسوس! اہلِ دیں بھی مانند اہلِ دنیا
خودکام و خودنما ہیں خودبیں ہیں اور خودآرا

اُلفت میں دمبدم کچھ لذت ہے بڑھتی جاتی
چھوڑے گا کھا کے شاید عاشق کو غم تمھارا

دِلّی سے نکلتے ہی ہُوا جینے سے دل سیر
گویا نہ رہا اب کہیں دنیا میں ٹھکانا

لی ہوش میں آنے کی جو ساقی سے اجازت
فرمایا خبردار کہ نازک ہے زمانا

جہاں میں حالی کسی پہ اپنے سوا بھروسا نہ کیجیے گا
یہ بھید ہے اپنی زندگی کا بس اسکا چرچا نہ کیجیے گا

اِسی میں ہے خیر حضرتِ دل کہ یار بھولا ہوا ہے ہمکو
کرے وہ یاد اسکی بھول کر بھی کبھی تمنا نہ کیجیے گا

لگا و تم میں نہ لاگ زاہد نہ دردِ اُلفت کی آگ زاہد
پھر اور کیا کیجیے گا آخر جو ترکِ دنیا نہ کیجیے گا

اے عشق دل کو رکھا دنیا کا اور نہ دیں کا
گھر ہی بگاڑ ڈالا تو نے بنا بنایا

چوریوں سے دیدہ و دل کی نہ شرمایا کبھی
چھپکے چھپکے نفسِ خائن کا کہا کرتا رہا

نفس میں جو ناروا خواہش ہوئی پیدا کبھی
اُسکو چیلے دِل سے گھر گھر کر رو اکرتا رہا

ہوئے تم نہ سیدھے جوانی میں حالی
مگر اب مری جان ہونا پڑے گا

دل میں باقی ہے وہی حرصِ گناہ
پھر کیے سے اپنے ہم پچھتائیں کیا؟
دلکو سب باتوں کی ہے ناصح خبر
سمجھے سمجھائے کو اب سمجھائیں کیا؟

راحت کا جہاں میں یونہی اک نام ہے گویا
راحت کی تلاش اک طمعِ خام ہے گویا

تھا کچھ نہ کچھ کہ پھانس سی اک دلمیں چُبھ گئی
مانا کہ اُسکے ہاتھ میں تیر و سناں نہ تھا
رونا یہ ہے کہ آپ بھی ہنستے تھے ورنہ یاں
طعنِ رقیب دلپہ کچھ ایسا گراں نہ تھا

کچھ تو ہے قدر تماشائی کی
ہے جو یہ شوق خود آرائی کا
مدد اے جذبۂ توفیق کہ یاں
ہو چکا کام توانائی کا
بزمِ دشمن میں نہ جی سے اُترا
پوچھنا کیا تری زیبائی کا

اغماض چلتے وقت مروت سے دور تھا
رو رو کے اور ہم کو رُلانا ضرور تھا
تھی ہر نظر نہ محرمِ دیدار ورنہ یاں
ہر خار نخلِ ایمن و ہر سنگ طور تھا
روزِ وداع بھی شبِ ہجراں سے کم نہ تھا
کچھ صبح سے ہی شامِ بلا کا ظہور تھا
دُردی کشانِ بزمِ مغاں کا نہ پوچھ حال
اک ایک رند نشۂ وحدت میں چور تھا
سنگِ گراں ہے راہ میں تمکینِ یار کا
اب دیکھنا ہے زورِ دلِ بیقرار کا
آؤ مٹا بھی دو خلشِ آرزوئے قتل
کیا اعتبار زندگیِ مستعار کا

قلق اور دل میں سوا ہو گیا
دلاسا تمھارا بلا ہو گیا
وہ اُمید کیا جسکی ہو انتہا
وہ وعدہ نہیں جو وفا ہو گیا
ہوا رُکتے رُکتے دم آخر فنا
مرض بڑھتے بڑھتے دوا ہو گیا

دل سے خیالِ دوست بھلایا نہ جائیگا
سینے میں داغ ہے کہ مٹایا نہ جائیگا
بتکو ہزار شرم سہی مجھکو لاکھ ضبط
اُلفت وہ راز ہے کہ چھپایا نہ جائیگا
اے دل رضائے غیر ہے شرطِ رضائے دوست
زنہار بارِ عشق اُٹھایا نہ جائیگا
مے تند و ظرفِ حوصلۂ اہلِ بزم تنگ
ساقی سے جام بھر کے پلایا نہ جائیگا

کیوں چھیڑتے ہو ذکر نہ ملنے کا رات کے
پوچھینگے ہم سبب تو بتایا نجائے گا

بگڑیں نہ بات بات پہ کیوں - جانتے ہیں وہ
ہم وہ نہیں کہ ہمکو منایا نجائے گا

مقصود اپنا کچھ نہ کھلا لیکن اس قدر
یعنی وہ ڈھونڈتے ہیں کہ پایا نجائے گا

جھگڑوں میں اہلِ دین کے حالی پڑیں نہ آپ
قصہ حضور سے یہ چکایا نجائے گا

کچھ اپنی حقیقت کی گر تجکو خبر ہوتی
میری ہی طرح تو بھی غیروں سے خفا ہوتا

یہ لطف بناوٹ میں دیکھا نہ سنا قاصد
اَن پڑھ تو ہے تو یہ کچھ پڑھتا تو بلا ہوتا

گر صاحب دل ہوتے سن کر میری بیتابی
تمکو بھی قلق ہوتا اور مجھ سے سوا ہوتا

جو دل پہ گزرتی ہے کیا تجکو خبر ناصح!
کچھ ہمسے سنا ہوتا پھر تو نے کہا ہوتا

جو جان سے درگزرے وہ چاہے سو کر گزرے
گر آج نہ تم آتے کیا جانئے کیا ہوتا

کاش اِک جام بھی سالک کو پلایا جاتا
اِک چراغ اور سرِ راہ جلایا جاتا

چُپ چپاتے اُسے دے آئے دل اک بات پہ ہم
مال منہگا نظر آتا تو چکایا جاتا

شب کو زاہد سے نہ مُٹ بھیڑ ہوئی خوب ہوا
نشہ زوروں پہ تھا شاید نہ چھپایا جاتا

دل نہ طاعت میں لگا۔ تب تو لگایا غمِ عشق
کسی دھندے میں تو آخر یہ لگایا جاتا

اُسنے اچھا ہی کیا حال نہ پوچھا دل کا
بھڑک اُٹھتا تو یہ شعلہ نہ دبایا جاتا

عشق سُنتے تھے جسے ہم وہ یہی ہے شاید
خود بخود دل میں ہے اک شخص سمایا جاتا

اب تو تکفیر سے واعظ نہیں ہٹتا حالی
کہتے پہلے سے تو لے دیکے ہٹایا جاتا

جنکے معبود حور و غلماں ہیں
اُن کو زاہد خدا سے کیا مطلب

جس دل کو قیدِ ہستیٔ دُنیا سے تنگ تھا
وہ دل اسیرِ حلقۂ زلفِ بتاں ہے آپ

اِک جرعۂ شراب نے سب کچھ بھلا دیا
ہم ہیں اور آستانۂ پیرِ مغاں ہے آپ

یہ ہیں واعظ اسپہ مُنہ آتے ہیں آپ
ناصحِ قوم اِسپہ کہلاتے ہیں آپ

بس بہت طعن و ملامت کر چکے
کیوں زباں رندوں کی کھلواتے ہیں آپ

گو جوانی میں تھی کج رائی بہت
پر جوانی ہمکو یاد آئی بہت

زیرِ بُرقع تُو نے کیا دکھلا دیا
جمع ہیں ہر سُو تماشائی بہت

جاں نثاری پر وہ بول اُٹھے مری
ہیں فدائی کم تماشائی بہت

ہم نہ کہتے تھے کہ حالی چپ رہو
راست گوئی میں ہے رُسوائی بہت

کس سے پیمانِ وفا باندھ رہی ہے بُلبل
کل نہ پہچان سکے گی گُلِ تر کی صورت

اپنی جیبوں سے رہیں سارے نمازی ہشیار
اِک بُزرگ آتے ہیں مسجد میں خضر کی صورت

شوق میں اُسکے مزا درد میں اُسکے لذّت
ناصحو! اُس سے نہیں کوئی مفر کی صورت

اُنکو حالی بھی بُلاتے ہیں گھر اپنے مہمان
دیکھنا آپ کی اور آپکے گھر کی صورت

یقیں ہے کہ ہم جبکو سمجھے ہیں مَرنا
یہی ہو تو ہو زندگانی کی صورت

گو کہ حالی اگلے اُستادوں کے آگے ہیچ ہے
کاش ہوتے ملک میں ایسے ہی اَب دو چار ہیچ

گر دردِ دل سے پائی بھی اے چارہ گر شفا
آتی ہے دل کی موت نظر اس شفا کے بعد

کرتے رہے خطائیں ندامت کے بعد ہم
ہوتی رہی ہمیشہ ندامت خطا کے بعد

آخر کو ماننا پڑا اے نفسِ خیرہ سر
تیرا بھی حکم کم نہیں حکمِ قضا کے بعد

در گزر گر نہیں کرتا وہ گنہگاروں سے
تو بڑا اور کوئی ہوگا خدا اے زاہد

ہم دکھا دینگے کہ زُہد اور ہے نیکی کچھ اَور
کچھ بہت دُور نہیں روزِ جزا اے زاہد

میں تو سَو بار ملوں دل نہیں ملتا تجھ سے
تو ہی کہہ اس میں ہے کیا میری خطا اے زاہد

پیاس تیری بُوئے ساغر سے لذیذ
بلکہ جامِ آبِ کوثر سے لذیذ

جبکا تُو قاتل ہو پھر اُسکے لیئے
کونسی نعمت ہے خنجر سے لذیذ

دوست ایک عالم کے پر مطلب کے دوست
ایسے یاروں سے حذر یارو حذر

گو ہو شفا سے یاس پہ جبتک ہے دم میں دم
بن آئیگی نہ درد کا درماں کیئے بغیر

گو مے ہے تُند و تلخ پہ ساقی ہے دِلرُبا
اے شیخ! بن پڑیگی نہ کچھ ہاں کیئے بغیر

دل نہیں روشن تو ہیں کس کام کے — سو شبستاں میں اگر روشن ہیں جھاڑ
تم نے حالی کھول کر ناحق زباں — کر لیا ساری خدائی سے بگاڑ

یاں دے چکی جواب امیدِ جوابِ خط — واں نامہ بر نے یار بھی پایا نہیں ہنوز

جیتے جی موت کے تم منہ میں نہ جانا ہرگز — دوستو! دل نہ لگانا نہ لگانا ہرگز
کوچ سب کر گئے دلی سے ترے قدرشناس — قدر یاں رہ کے اب اپنی نہ گنوانا ہرگز
تذکرہ دہلیٔ مرحوم کا اے دوست نہ چھیڑ — نہ سنا جائیگا ہم سے یہ فسانا ہرگز
ڈھونڈتا ہے دلِ شوریدہ بہانے مطرب — درد انگیز غزل کوئی نہ گانا ہرگز
صحبتیں اگلی مصور ہمیں یاد آئینگی — کوئی دلچسپ مرقع نہ دکھانا ہرگز
لیکے داغ آئیگا سینہ پہ بہت اے سیاح — دیکھ اس شہر کے کھنڈروں میں نہ جانا ہرگز
چپے چپے پہ ہیں یاں گوہرِ غلطاں تہِ خاک — دفن ہوگا کہیں اتنا نہ خزانا ہرگز
مٹ گئے تیرے مٹانے کے نشاں بھی اب تو — اے فلک اس سے زیادہ نہ مٹانا ہرگز
جسکو زخموں سے حوادث کے اچھوتا سمجھیں — نظر آتا نہیں اک ایسا گھرانا ہرگز
ہمکو گر تو نے رلایا تو رلایا اے چرخ — ہم پہ غیروں کو تو ظالم نہ ہنسانا ہرگز
یاں سے رخصت ہو سویرے تو کہیں عیش و نشاط — نہیں اس دور میں اب تیرا ٹھکانا ہرگز
کبھی اے علم و ہنر گھر تھا تمہارا دلی — ہمکو بھولے ہو تو گھر بھول نہ جانا ہرگز
شاعری مر چکی اب زندہ نہوگی یارو! — یاد کر کر کے اسے جی نہ کڑھانا ہرگز
غالب و شیفتہ و نیر و آزردہ و ذوق — اب دکھائے گا یہ شکلیں نہ زمانا ہرگز
مومن و علوی و صہبائی و ممنون کے بعد — شعر کا نام نہ لیگا کوئی دانا ہرگز
کر دیا مر کے یگانوں نے یگانا ہمکو — ورنہ یاں کوئی نہ تھا ہم میں یگانا ہرگز
داغ و مجروح کو سن لو کہ پھر اس گلشن میں — نہ سنے گا کوئی بلبل کا ترانا ہرگز
رات آخر ہوئی اور بزم ہوئی زیر و زبر — اب نہ دیکھو گے کبھی لطف شبانا ہرگز

یُونہی گزرے تو سہل ہے لیکن   فُرصتِ غم کو بھی ثبات نہیں
قیس ہو۔ کوہکن ہو۔ یا حالی   عاشقی کچھ کسی کی ذات نہیں

یاں بھی ہے کون ومکاں سے دلِ وحشی آزاد   جسکو ہم قید سمجھتے ہیں وہ زنداں میں نہیں
آدمی ہو تو کبھی پاس محبت کے نجائے   اب بھی کہتے ہیں کہ ہم غیر کے نقصاں میں نہیں
میں تو میں غیر کو مرنے سے اب انکار نہیں   اک قیامت ہے ترے ہاتھ میں تلوار نہیں
کل خرابات میں اک گوشے سے آتی تھی صدا   دل میں سب کچھ ہے مگر رخصتِ گفتار نہیں
دیکھتے ہیں کہ پہنچتی ہے وہاں کونسی راہ   کعبہ و دیر سے کچھ ہمکو سروکار نہیں
کچھ پتہ منزلِ مقصود کا پایا ہم نے   جب یہ جانا کہ ہمیں طاقتِ رفتار نہیں
بات جو دل میں چھپائے نہیں بنتی حالی   سخت مشکل ہے کہ وہ قابلِ اظہار نہیں
فصلِ خزاں کمیں میں ہے صیاد گھات میں   مُرغِ چمن کو فرصتِ سیرِ چمن کہاں

میرے دل میں ہو گو مجھسے نہاں ہو   مجھے بھی ڈھونڈ لینا تم جہاں ہو
تقاضائے محبت ہے وگرنہ   مجھے اور جھوٹ کا تم پر گماں ہو!
مجھے ڈالا ہے سو وہم وگماں میں   بہت کیوں آج مجھپر مہرباں ہو

دل کو کس طرح سمجھئے کہ وہی ہے یہ دل   وہ امیدیں ہیں نہ ارماں۔ وہ امنگیں ہیں نہ چاؤ
یار کو یار سمجھتا ہے نہ تو غیر کو غیر   تُو تو اچھا ہے مگر تیرے بُرے ہیں برتاؤ
دوست ہوں جسکے ہزاروں وہ کسیکا نہیں دوست   سچ بتا تجکو کسی سے بھی ہے دنیا میں لگاؤ
اے شرافت تجھے بکنا ہو اگر مفت تو بک   آجکل کیجئے کیا ہے یہی بازار کا بھاؤ
ایک ہی دوست اور اُس سے ہمیں چھڑواتے ہو   ناصحو! اب تمھیں دشمن کہیں یا دوست بتاؤ
اُسکے نالوں نے کیا بزم کو آخر بے لطف   ہم نہ کہتے تھے کہ حالی کو نہ محفل میں بلاؤ

درِ فیضِ حق بند جب تھا نہ اب کچھ   فقیروں کی جھولی میں اب بھی ہے سب کچھ
یہ طبلِ تہی ہیں جو ہنکارتے ہیں   جنھیں کچھ خبر ہے وہ کہتے ہیں کب کچھ

بزمِ ماتم تو نہیں بزمِ سخن ہے حالی — یاں مناسب نہیں رو رو کے رُلانا ہرگز

درد اور درد کی ہو سب کے دوا ایک ہی شخص — یاں ہے جلاد و مسیحا بخدا ایک ہی شخص

جمگھٹے دیکھے ہیں جن لوگوں کے اِن آنکھوں نے — آج ویسا کوئی دے ہمکو دکھا ایک ہی شخص

لینے دو چین کوئی دم اَے منکر و نکیر — آئے ہیں آج چھوٹ کے قیدِ گراں سے ہم

کہتے ہیں جسکو جنّت وہ اک جھلک ہے تیری — سب واعظوں کی باقی رنگیں بیانیاں ہیں

بنتے ہیں غیر اپنے ہوتے ہیں رام وحشی — اُلفت کی بھی جہاں میں کیا حکمرانیاں ہیں

فضل و ہنر بڑوں کے گر تم میں ہوں تو جانیں — گر یہ نہیں تو بابا وہ سب کہانیاں ہیں

ہے جستجو کہ خُوب سے ہے خوب تر کہاں — اب ٹھیرتی ہے دیکھئے جا کر نظر کہاں

ہیں دَورِ جامِ اوّلِ شب میں خودی سے دُور — ہوتی ہے آج دیکھئے ہمکو سحر کہاں

اک عُمر چاہیئے کہ گوارا ہو نیشِ عشق — رکھی ہے آج لذّتِ زخمِ جگر کہاں

یارب اِس اختلاط کا انجام ہو بخیر — تھا اُسکو ہم سے ربط مگر اس قدر کہاں

کون و مکاں سے ہے دلِ وحشی کنارہ گیر — اِس خانماں خراب نے ڈھونڈا ہی گھر کہاں

ہم جس پہ مر رہے ہیں وہ ہو بات ہی کچھ اور — عالم میں تجھ سے لاکھ سہی تُو مگر کہاں

بس ہو چکا بیاں کسل و رنج و راہ کا — خط کا مرے جواب ہے اَے نامہ بر کہاں

ہوتی نہیں قبول دُعا ترکِ عشق کی — دل چاہتا نہ ہو تو زباں میں اثر کہاں

حالی نشاطِ نغمہ و مے ڈھونڈتے ہو اب — آئے ہو وقتِ صبح رہے رات بھر کہاں

اگر چھوڑا کمندِ جذبۂ عشق زلیخا نے — نہ رہنے دیگا حسنِ خُود نما یوسف کو کنعاں میں

تصوّر نے بھلایا تیرے حُسن شادی و غم کو — نہ کچھ کلفت ہے زنداں میں نہ کچھ راحت شبستاں میں

زباں تقریر سے قاصر قلم تحریر سے عاجز — نہ پوچھو ہمسے کیا دیکھا ہے ہمنے بزمِ رنداں میں

مجکو تم سے ہے اعتمادِ وفا — تمکو مجھ سے پہ التفات نہیں

رنج کیا کیا ہیں ایک جان کے ساتھ — زندگی موت ہے حیات نہیں

یوں ہی گزرے تو سہل ہے لیکن
قیس ہو - کوہکن ہو - یا حالی

فرصتِ غم کو بھی ثبات نہیں
عاشقی کچھ کسی کی ذات نہیں

یاں بھی ہے کون و مکاں سے دلِ وحشی آزاد
آدمی ہو تو کبھی پاس محبت کے نجائے
ہیں تو ہیں غیر کو مرنے سے اب انکار نہیں
کل خرابات میں اک گوشے سے آتی تھی صدا
دیکھتے ہیں کہ پہنچتی ہے وہاں کونسی راہ
کچھ پتہ منزلِ مقصود کا پایا ہم نے
بات جو دل میں چھپائے نہیں بنتی حالی

جسکو ہم قید سمجھتے ہیں وہ زنداں میں نہیں
اب بھی کہتے ہیں کہ ہم غیر کے نقصاں میں نہیں
اک قیامت ہے ترے ہاتھ میں تلوار نہیں
دل میں سب کچھ ہے مگر رخصتِ گفتار نہیں
کعبہ و دیر سے کچھ ہمکو سروکار نہیں
جب یہ جانا کہ ہمیں طاقتِ رفتار نہیں
سخت مشکل ہے کہ وہ قابلِ اظہار نہیں

فصلِ خزاں کمیں میں ہے صیاد گھات میں
مرغِ چمن کو فرصتِ سیرِ چمن کہاں

میرے دل میں ہو گو مجھسے نہاں ہو
تقاضائے محبت ہے وگرنہ
مجھے ڈالا ہے سو وہم و گماں میں

مجھے بھی ڈھونڈ لینا تم جہاں ہو
مجھے اور جھوٹ کا تم پر گماں ہو؟
بہت کیوں آج مجھپر مہرباں ہو

دل کو کس طرح سمجھئے کہ وہی ہے یہ دل
یار کو یار سمجھتا ہے نہ تو غیر کو غیر
دوست ہوں جسکے ہزاروں وہ کسیکا نہیں دوست
اے شرافت تجھے بکنا ہو اگر مفت تو بک
ایک ہی دوست اور اس سے ہمیں چھٹواتے ہو
اسکے نالوں نے کیا بزم کو آخر بے لطف

وہ امیدیں ہیں نہ ارماں - وہ امنگیں ہیں نہ چاؤ
تو تو اچھا ہے مگر تیرے برے ہیں برتاؤ
سچ بتا تجکو کسی سے بھی ہے دنیا میں لگاؤ
آجکل کیجئے کیا ہے یہی بازار کا بھاؤ
ناصحو! اب تمھیں دشمن کہیں یا دوست بتاؤ
ہم نہ کہتے تھے کہ حالی کو نہ محفل میں بلاؤ

درِ فیضِ حق بند جب تھا نہ اب کچھ
یہ طبلِ تہی ہیں جو بنکارتے ہیں

فقیروں کی جھولی میں اب بھی ہے سب کچھ
جنہیں کچھ خبر ہے وہ کہتے ہیں کب کچھ

یہ ہے میر مجلس کہ چینی کی مورت؟
حقیقت محرم اسرار سے پوچھ
وفا اغیار کی - اغیار سے سن
دلوں میں ڈالتا ذوقِ اسیری
ہے اُنکی دوستی پر ہمکو تو بدگمانی
عاشق کے دلکو ٹھنڈک جو تیری آگ میں ہے
اُمیدِ وصل سے ہے کچھ جی چھڑائے دیتا
ہر حکم پر ہوں راضی ہر حالمیں ہیں خوش
صبر و سکوں سے ہمکو یہ بھی نبیڑنے دے
پھر یہ بناتے ہستی ہے، تیرے بعد ویراں
دیکھا جمالِ جاناں آنکھوں نے اور دل نے
اِک نکتہ کے بیاں سے سر بر نہونگے حالی

ٹٹولو تو ہیچ اور جو دیکھو تو سب کچھ
مزا انگور کا میخوار سے پوچھ
مری الفت در و دیوار سے پوچھ
کمندِ گیسوئے خمدار سے پوچھ
وہ ہمکو دوست سمجھیں یہ اُنکی مہربانی
دیتا نہیں وہ لذّت پیاسے کو سرد پانی
جو کچھ سنا ہے ہمنے مشّاطہ کی زبانی
کچھ ہے اگر تو یہ ہے دنیا میں شادمانی
تھوڑی سی رہگئی ہے اے کاہشِ نہانی
ہی تو بھی اب غنیمت اے ضعف و ناتوانی
کیا جانے کِس ادا سے کی اُسنے دِلستانی
چلتا نہیں کسیکا یاں لافِ نکتہ دانی

کہدو کوئی ساقی سے کہ ہم مرتے ہیں پیاسے
درگزرے دوا سے تو بھروسے پہ دعا کے
کبک و قمری میں ہے جھگڑا کہ چمن کس کا ہے
وصل کا اُسکے دلِ زار تمنائی ہے
قطعِ اُمید نے دل کر دیا یکسو صد شکر
قوتِ دستِ خدائی ہے شکیبائی میں
بات سچی کہی اور اُنگلیاں اُٹھیں سبکی
جب یہ کہتا ہوں کہ بس دنیا پہ اب تُف کیجئے
بہت کام لینے تھے جس دل سے ہمکو

گر مے نہیں دے زہر ہی کا جام بلا سے
درگزریں دعا سے بھی دعا ہے یہ خدا سے
کل بتا دیگی خزاں یہ کہ وطن کس کا ہے
نہ ملاقات ہے جس سے نہ شناسائی ہے
شکل مدت میں یہ اللہ نے دکھلائی ہے
وقت جب آکے پڑا ہے یہی کام آئی ہے
سچ میں حالی کوئی رسوائی سے رسوائی ہے
نفس کہتا ہے ابھی چندے توقّف کیجئے
وہ صرفِ تمنّا ہوا چاہتا ہے

وفا شرطِ الفت ہے لیکن کہاں تک
دل اپنا بھی تجھسا ہوا چاہتا ہے

جسکو غصے میں لگاوٹ کی ادا یاد رہے
آج دل لے گا اگر کل نہ لیا یاد رہے

یاد آؤ گے بہت لطف سمجھ کر کیجے
اِس بھلائی کا ہے انجام بُرا یاد رہے

شیخ! یاں شرمِ گنہ شوق بھلا دیتا ہے
توبہ اُنکی ہے جنھیں اپنی خطا یاد رہے

چارہ گر کار باندازۂ تدبیر نہیں
کیجیو ہمت اگر وقتِ دعا یاد رہے

ابھی جانا نہیں حالی نے کہ کیا چیز ہیں وہ
حضرت اِس لطف کا پائینگے مزا یاد رہے

کر دیا خوگرِ جفا تو نے
خوب ڈالی تھی ابتدا تو نے

کر کے بیمار دی دوا تو نے
جان سے پہلے دل لیا تو نے

اِبتدائے وفا ہے سر دینا
میری دیکھی نہ انتہا تو نے

دل سے قاصد بنا کے وعدۂ وصل
اور کھویا رہا سہا تو نے

دور ہو اے دلِ مآل اندیش
کھو دیا عمر کا مزا تو نے

ایک بیگانہ وار کر کے نگاہ
کیا کیا چشمِ آشنا تو نے

دل وہیں کھو کے آئے تھے سویرے
یاں بھی سب کچھ دیا خدا تو نے

وصلِ جاناں محال ٹھیرایا
قتلِ عاشق روا کیا تو نے

تھا نہ جز غم بساطِ عاشق میں
غم کو راحت فزا کیا تو نے

خوش ہے اُمیدِ خلد پر حالی
کوئی پوچھے کہ کیا کیا تو نے

جیتے جی رکھ نہ فراغت کی توقع نادان
قیدِ ہستی میں میری جان فراغت کیسی

حق وفا کے جو ہم جتانے لگے
آپ کچھ کہہ کے مسکرانے لگے

حشر تک یاں دل شکیبا چاہیئے
کب ملیں دلبر سے دیکھا چاہیئے

ہے تجلی بھی نقابِ روئے یار
اُسکو کن آنکھوں سے دیکھا چاہیئے

وہاں پرسش نہ یاں تابِ سخن ہے
محبت ہے کہ دل میں موجزن ہے

بہت لگتا ہے دل صحبت میں اُسکی　　وہ اپنی ذات سے اک انجمن ہے

دھوم تھی اپنی پارسائی کی　　کی بھی اور کس سے آشنائی کی

منہ کہاں تک چھپاؤ گے ہم سے　　تم کو عادت ہے خود نمائی کی

لاگ میں ہیں لگاؤ کی باتیں　　صلح میں چھیڑ ہے لڑائی کی

ملتے غیروں سے ہو ملو لیکن　　ہم سے باتیں کرو صفائی کی

نہ ملا کوئی غارتِ ایمان　　رہ گئی شرم پارسائی کی

بختِ ہمداستانیٔ شیدا　　تو نے آخر کو نارسائی کی

صحبتِ گاہ گاہیٔ رشکی　　تو نے بھی ہم سے بیوفائی کی

موت کی طرح جس سے ڈرتے تھے　　ساعت آپہنچی اُس جدائی کی

جدید

نہ عیشِ کیخسروی رہیگا نہ صولتِ بہمنی رہیگی　　رہیگی اے منعمو تو باقی دیئے کی کچھ روشنی رہیگی

رہیگی کس طرح راہ ایمن کہ رہنما بن گئے ہیں رہزن　　خدا نگہباں ہے قافلوں کا اگر یہی رہزنی رہیگی

قبولیت کی کرو نہ پروا جو چاہو مقبولِ عام ہونا　　جو ڈول ڈالو گے حسنِ ظن کا تو تم سے یاں بدظنی رہیگی

بگاڑ مذہب نے جو ہیں ڈالے نہیں وہ تا حشر مٹنے والے　　یہ جنگ وہ ہے جو صلح میں بھی یونہی ٹھنی کی ٹھنی رہیگی

صفائیاں ہو رہی ہیں جتنی دل اُتنے ہی ہو رہے ہیں میلے　　اندھیرا چھا جائیگا جہاں میں اگر یہی روشنی رہیگی

جو چھوڑے میراث کچھ نہ حالی تو اس سے دلتنگ ہوں نہ وارث　　رہینگے ہر حال میں غنی وہ جو نیّت اُنکی غنی رہیگی

ایضاً

نفس کی فرماں روائی ہو چکی　　خود پسندی خود نمائی ہو چکی

قطرہ آب دریا میں جا ملنے کو ہے　　تیری میعاد اے جدائی ہو چکی

جلتے ہیں جبریل کے شہپر جہاں　　بے پروں کی واں رسائی ہو چکی

دیکھنا ہے تجکو اب اے جذبِ عشق　　عقل کی زور آزمائی ہو چکی

دیر میں بھی لیجے قسمت آزما　　مسجدوں میں جبہہ سائی ہو چکی

خود بڑا بن کر دکھاؤ آپ کو　　باپ دادا کی بڑائی ہو چکی

ہے ضرورت زاہد اب تشہیر کی / شہرتِ زہدِ ریائی ہو چکی

ق

ہے چڑھائی علم کی مذہب پہ اب / شرک و بدعت کی چڑھائی ہو چکی

فلسفے سے اسکی اب مٹھ بھیڑ ہے / سفسطے سے ہاتھا پائی ہو چکی

رہ گئی ہے مذہب و ملت کی جنگ / ملک و دولت کی لڑائی ہو چکی

ہو نہ مذہب کی صفائی جب تلک / اہلِ مذہب کی صفائی ہو چکی

اب نہیں سننے کا اے حالی دماغ / بس بہت ہذیاں سرائی ہو چکی

ایضاً

مستیٔ جہل میں غفلت کا نشا اور سہی / شبِ تاریک میں گھنگھور گھٹا اور سہی

دوستو! روگ بظاہر نہیں جانے والا / ہو چکیں ختم دوائیں تو دعا اور سہی

گر گنہ عفو کی اُمید پہ کرنا ہے خطا / ہیں جہاں لاکھ گنہ ایک خطا اور سہی

شہ کو ہے خوفِ عدو خوفِ اجل خوفِ زوال / کہدو اے بے خبر اک خوفِ خدا اور سہی

بے وفا کونسی خوبی ہے نہیں جو تجھ میں / وصف اتنے ہیں جہاں ایک وفا اور سہی

ترک دُنیا کے علائق تو کیے سب زاہد / گر مناسب ہو تو اک ترکِ ریا اور سہی

مدرسے میں نہ ملا کچھ تو نہ توڑ آس اے دل / اِک درِ دولتِ ساقی پہ صدا اور سہی

رباعیات

غیروں کو اپنا بنانا

گر چاہتے ہو کہ جیتے جی بھلے کہلاؤ / اپنوں کو سلوکِ نیک سے پرچاؤ

پر مدِ نظر ہو گر حیاتِ ابدی / بیگانوں کو آشنا بناؤ! جاؤ!!

دامِ محبت

ہے جنکو کہ صیدِ دلِ انساں کا خیال / لازم ہے کہ پھیلائیں محبت کا جال

اُستاد کو یاد ہو اگر حب کا عمل / تعطیل میں بھی نہ چھوڑیں مکتبِ اطفال

شکوک بقدر ترقی علم بڑھتے ہیں

بڑھتا جاتا ہے جسقدر علمِ بشر / کرتے جاتے ہیں شک خیالات میں گھر

ہوتی جاتی ہے دُھندلی اُتنی فضا	جتنی کہ وسیع ہوتی جاتی ہے نظر

زندہ اور مُردہ قوموں میں فرق

اقوام میں زندگی کی ہے رُوح جہاں	چونک اُٹھتے ہیں اک ہاں پہ ہاں پیر و جواں
کرتی نہیں وہی مردہ قومیں وہ کام	جو کام اک کارٹون کرتا ہے وہاں

غیروں کا سہارا تکنا

اُترو دریا سے اپنے بل تیر کے پار	کب تک تیروگے ہو کے تونبوں پہ سوار
تم ڈوبنے کے یہ کر رہے ہو ساماں	غیروں کا سہارا تکنے والو ہشیار!!

دولت مفید بھی ہے اور مضر بھی

دولت خرمن بھی برقِ خرمن بھی ہے	یہ تیر کی بھال بھی ہے جوشن بھی ہے
تھوڑا سا ہے اس میں شر تو ہی خیر بہت	گر سانپ ہے یہ تو سانپ کا من بھی ہے

قلتِ احتیاج

دولت کی ہوس۔ اصل گدائی ہے یہ	ساماں کی حرص بے نوائی ہے یہ
حاجت کم ہے تو بادشائی ہے یہ	اور کچھ نہیں حاجت تو خدائی ہے یہ

احسان بے منت

احسان کے ہے گر صلہ کی خواہش تمکو	تو اس سے یہ بہتر ہے کہ احساں نہ کرو
کرتے ہو جو احسان تو کر دو اُسے عام	اتنا کہ جہاں میں کوئی ممنون نہ ہو

حامد

حامد۔ مرزا آغا جان نام۔ لکھنو کے رہنے والے اور صبا لکھنوی کے شاگرد تھے ۱۲۶۶ھ ہجری کے گلدستۂ شعرا میں انکی غزل چھپی تھی۔ اُسی سے یہ انتخاب درج کیا جاتا ہے۔

لوٹے مزے وصال کے ہر دم تمام شب	سونے دیا نہ سوئے ذرا ہم تمام شب
فرقت میں کیا کہوں جو گزرتی ہے صبح تک	رہتا ہے دل کا اور ہی عالم تمام شب
بستر پہ منہ لپیٹ کے پڑتے ہیں ہجر میں	مُردے کی طرح رہتے ہیں بیدم تمام شب

رہتا ہے کیا تصورِ مژگاں سحر تلک
مصروفِ سیرِ ماہ رکھا اُس نگار کو
حامد کسی طرح نہیں آتا ہے دل کو چین

سُولی پہ دل کو دیکھتے ہیں ہم تمام شب
دیکھا کیا میں حُسن کا عالم تمام شب
رہتی ہے اُنکی یاد جو ہردم تمام شب

حامد- شیخ حامد حسن خانصاحب حامد کنبوہ نزیرنگلوی شاگرد حضرت ہوش ۱۸۷۰ء میں جو بریلی میں مشاعرے ہوا کرتے تھے اُن میں شریک تھے- زیادہ حال معلوم نہ ہوسکا چند غزلیں ہاتھ آئیں اُنکا انتخاب پیش کش ہے۔

ثابت ہے جذبِ دل سے کہ وہ یار آئیگا
کام آئیگا اگر تو دلِ زار آئے گا
بُلبُل کی قید کا اُسے اُسدم کُھلے گا حال
صیّاد جب بلا میں گرفتار آئے گا
مرے چھکّے نہ چھوٹیں ربع مسکون میں بھلا کیونکر
وہ جائے غیر کے گھر سیکھنے جب کھیل چوسر کا
مُردے ہوجاتے ہیں زندہ سُنکے اے عیسیٰ نفس
نام کیا قُم ہے تری پازیب کی جھنکار کا
پار جو ہوتا ہے رہتا ہے وہ زندہ حشر تک
واہ کیا ہے گھاٹ اے قاتل تری تلوار کا
مرحبا دستِ جنوں اچھّی دکھائیں تیزیاں
تار تک باقی نہ چھوڑا دامنِ کہسار کا
کس کماں ابرو نے مارا تیر بتلاؤ مجھے
زخمِ تن ہردم جو دم بھر تا رہا سُوفار کا
فصلِ گل میں بھی یہ صیّاد ونکے بلبل پہ ہیں ظلم
جب رہا کرتے ہیں وہ کاٹ کے پر کرتے ہیں
لطف حاصل تب ہمیں اے قاتلِ بے پیر ہو
تیغ تو تو ہو سینہ میں ترا ابرو تیر ہو
وقت لکھنے کے اگر اُس مصحفِ رُخ کی ہو یاد
پھر تو جو نامہ لکھوں قرآن کی تفسیر ہو
ہوا ہوں حسرتِ دیدار میں عجب کیا ہے
جو بعدِ مرگ بھی وا چشمِ انتظار رہے
جو اشک و آہ نے امداد کی تو چل نکلے
ہمیشہ نالے مرے ریل پر سوار رہے
پنجۂ مرگ میں صیّاد نے پھنسکر یہ کہا
ہائے تائب نہ ہوا کیوں میں جفا سے پہلے

کسی طرح مٹتی نہیں دل سے یہ
محبت بھی داغِ جگر ہو گئی
عبادت کی اے شیخ یا پی شراب
یہ عمرِ دو روزہ بسر ہو گئی

دہن سانپ کا موتیوں سے بھرا	پسینے میں کاکل جو تر ہو گئی

حامد۔ مولوی حامد علیخان حامد خلف حافظ غلام علیخاں باشندۂ شاہ آباد ضلع ہردوئی زیادہ حال معلوم نہ ہو سکا کلام ملاحظہ ہو ؎

ہنگام ذبح بھی میری وحشت کا زور ہے	بڑھتے ہیں ہاتھ دامن جلّاد کے لیئے
وہ صبر دوست ہوں کہ اسیری میں بھی کبھی	کی بددعا زباں سے نہ صیّاد کے لیئے
آزاد ہے دل وسوسۂ ہر دو جہاں سے	ہے ہمکو تعلق نہ مکیں سے نہ مکاں سے
کہتے ہیں مجھے اہل جہاں آپ کا عاشق	اے مشفق من آپ بھی کچھ کہیئے زباں سے
اس میکدۂ دہر میں بیہوش ہوں ایسا	معلوم نہیں کون ہوں آیا ہوں کہاں سے

حامد۔ نواب حامد حسین خاں بہادر رئیس لکھنؤ۔ آپ نواب امین الدولہ مغفور وزیر حضرت امجد علیشاہ کے پوتے اور نواب اشرف الدولہ احمد حسن خاں کے فرزند رشید تھے۔ بعد غدر کے سرکاری ملازمت اختیار کی اور ترقی پاکر سب ججی کے عہدے پر ممتاز ہوئے۔ دس گیارہ برس ہوئے انتقال فرمایا۔ ازل سے موزوں طبع لائے تھے۔ اور فن شعر میں تدبیر الدولہ منشی اسیر سے تلمذ تھا۔ معانی آفریں طبیعت پائی تھی۔ زبان۔ بندش۔ اور ترکیب سب وصف انکے کلام میں موجود ہیں۔ نتائج افکار سے چند شعر حاضر کیئے جاتے ہیں ؎

چلّا رہی ہے روح یہ لیلیٰ کی نجد میں	یارب یہیں تو تھا مرا مجنوں کہاں گیا
چمن کو چھوڑ کے مقتل میں آ رہے بلبل	جو دیکھ لے مرے گلہائے زخم تن کی بہار
سلام آج سے بس ہمارا ہی صاحب	تمھارا اگر رنگ محفل یہی ہے
وہ حسرت دلمیں پنہاں تھی جو جیتے جی نہیں نکلی	جو نکلی بھی تو مر مر کے بوقت واپسیں نکلی
چمک میں چاند سے وہ چند قاتل کی جبیں نکلی	ضیائے روئے انور غیرت ماہ مبیں نکلی
کہیں ہم جستجو کرتے پھرے اور یہ کہیں نکلی	جو تھی آسایش دنیا وہ سب زیر زمیں نکلی

یہ کسنے پاؤں رکھا ہو کہ چشم اہلِ عالم میں
بلندی ہی میں فلک سے بھی کہیں بڑھکر زمیں نکلی

اِسے کہتے ہیں دلجوئی لگا کر تیغ وہ بولے
ابھی نکلی تمنا تیر سے ولکی یا نہیں نکلی

فشارِ قبر نے جب ہڈیاں پیسیں ہُوا ثابت
فلک کی چکّیوں سے بھی کہیں بڑھکر زمیں نکلی

نہ لائی سوزشِ فرقت کی جبدم تاب سینے میں
جلا کر دل جگر کو مُنہ سے آہِ آتشیں نکلی

سوالِ وصل میں کس ادن سے آیا یہ علول کا
رہوصف ہاں کے تمہارے منہ سے جب نکلی نہیں نکلی

حامدؔ۔ منشی حامد حسین قادری نام۔ حامد تخلص۔ والد کا نام مولوی احمد حسن صاحب وطن قصبہ بچھراؤں ضلع مُرادآباد۔ منشی امتیاز احمد خانصاحب رازؔ رامپوری سے تلمذ ہے۔ اُن کے والد عدالتہائے ریاستِ رامپور میں وکیل ہیں۔ عرصۂ دراز سے یہیں قیام ہو۔ کلام میں مزا اور طرزِ اداء مضمون میں اچھا سلیقہ ہو۔ مذاقِ شعر شستہ اور زبان صاف ہو۔ آپکے کلام کا انتخاب درج ذیل کیا جاتا ہے۔

ہوتی رہتی ہے خلش درد کی اکثر دل میں
رہ گیا ہو نہ کہیں ٹوٹ کے نشتر دل میں

جو مزا تیری جفا میں ہو کسی شے میں نہیں
گھر بنا لیتے ہیں یہ خنجر و نشتر دل میں

میرا ذمہ جو اُسے کچھ بھی خبر ہو اسکی
آپ آئیں تو سہی غیر سے چھپکر دل میں

کبھی ہنستا ہوں تیری دُھن میں کبھی روتا ہوں
یاس رہتی ہے تمنا کے برابر دل میں

یہ بڑا حُسن ہے تصویر میں اُسکی حامد
گھر بنا لیتی ہے آنکھوں سے اُتر کر دل میں

نکالا آج اسے تو کل اُسے شانِ تلوّن نے
بدلتے رہتے ہیں ہر روز نقشے اُنکی محفل کے

بہت بیزار ہوں جینے سے تُو ہی مہربانی کر
کہ اُٹھ سکتے نہیں ای موت مجھ سے ناز قاتل کے

الٰہی کیا کروں راہِ محبت کس طرح طے ہو
کھڑے ہو جاتے ہیں آگے پہاڑ آ آ کے مشکل کے

ترے تیروں نے ای ناوک فگن کیا اُنکو چھیڑا ہی
یہ آخر پھوٹ کر رونے لگے کیوں آبلے دل کے

کہیں تو بھی نہ تڑپے او تماشا دیکھنے والے
ارے ظالم نہ کھا چرکے نگاہِ یاسِ بسمل کے

نہ برما اُسکو تیروں سے ستمگر میں نہ کہتا تھا۔
کہ ساتھ اشکوں کے اب آنے لگے ٹکڑے ہیں دل کے

تمھاری تیغ کا احساں نہ کیونکر میرے سر پر ہو
کہ حسرت قتل کی اُسنے نکالی ہے گلے مل کے

وہ تیری تیغ ہے آئیگا جس سے چین حامد کو — وہ تیرا تیر ہی نکلینگے جس سے حوصلے دل کے

مقدر کے بل سب نکل جائیں گے — وہ بدلے تو ہم بھی بدل جائیں گے
شب وصل ہوگی تو اے آسمان — یہ انداز تیرے بدل جائیں گے
یہی سوزِ غم ہے تو عاشق کہاں — غریب اک نہ اک روز جل جائیں گے

لحد سے اُٹھینگے ظالم دیکھ لوں میں تیری صورت بھی — جو آیا ہی تو کر دے چال سے برپا قیامت بھی
ترا غصہ بھی مجکو یاد ہے تیری عنایت بھی — مری آنکھوں میں پھرتی ہی یہ صورت بھی وہ صورت بھی
جب آئے ہجر کے دن گھر مرے تو ساتھ ہی آنکلے — چلی آئی سمٹ کر ساری دُنیا کی مصیبت بھی
اُٹھا ہی درد اُنکا جب کبھی نشتر لگانے کو — تو دلمیں پھانس بنکر چُبھ گئی ہی اُنکی حسرت بھی
اب اُنسے سامنا ہوتا ہے تو مُنہ پھیر لیتے ہیں — کہاں کی رسم اُلفت چھوڑ دی صاحب سلامت بھی
تمھاری یاد جب چرکے لگاتی ہی مرے دلمیں — کھٹک کرتا ہے پیدا کس مزے کی خارِ حسرت بھی
جناب شیخ کیا کچھ آڑ میں تقوے کی کرتے ہیں — کوئی کیا اُنکو جانے آپ ہی ہیں حضرت بھی
پشیمانی ذریعہ ہو گئی بخشش کا اے واعظ — بہے جب اشک تو بہنے لگا دریائے رحمت بھی
تری محشر خرامی نے لگائیں ٹھوکریں کیا کیا — بڑے مشکل سے سنبھلے آج فتنے بھی قیامت بھی
کہا قاصد سے کہنا عمر بھر یونہی بسر ہوگی" — کہاں کا خط - ہمارا پڑھ چکے وہ خطِ قسمت بھی
یہ کون آتا ہی یا وہ آتے ہیں شاید سیرِ گلشن کو — خبر کے ساتھ ساتھ اُڑنے لگی پھولوں کی رنگت بھی
بسر ہوتی ہے اپنی زندگی کس لطف سے حامد — خدا رکھے مزے کی چیز ہے دردِ محبت بھی

نہ مانونگا تمھاری یاد ہی تڑپا گئی ہوگی — اِسی نے آکے چٹکی لی کلیجے میں یہی ہوگی
چلا یہ کون میرے پاس سے راہِ محبت میں — یہ کسنے ساتھ چھوڑا ! بیمروت زندگی ہوگی؟
پھرا کرتا ہے یہ کیوں میکدے کے گرد راتونکو — کہیں زاہد نے جھلکی دختِ رز کی دیکھ لی ہوگی
بتونکو چھوڑ حامد نورِ ایماں دل میں پیدا کر — یہی وہ چیز ہے مرقد میں جس سے روشنی ہوگی

حامد۔ محمد حامد علیخانصاحب نقلنویس عدالت سب ججی سلطانپور اَودھ چند شعر درج ذیل ہیں

خود اپنے ظلم پہ ظالم تو منفعل ہو گا! | جو دیکھنے مرا حالِ خراب آئے گا
اثر کیا جو مرے جذبۂ محبت نے | اُسے جفاؤں سے خود اجتناب آئیگا
یہ دَور پھر بھی غنیمت ہے گو ہے پُر آشوب | اب آگے اور بھی اِس سے خراب آئیگا

حامد بیرسٹر بریلی حامد

حامد مشفقی و محبّی مسٹر حامد علیخاں صاحب بیرسٹرائٹ لا خلف حکیم امجد علیخاں صاحب مرحوم ڈپٹی کلکٹر۔ آپ کے بزرگ عہد سلطنتِ مغلیہ میں اعزاز و احترام کے ساتھ مناصبِ جلیلہ پر معزز و ممتاز رہے ہیں۔ آپکا خاندان عرصۂ دراز سے قصبۂ امروہہ میں سکونت پذیر ہے اور اِس خاندان میں طبابت کا سلسلہ کئی پشت سے نہایت نیکنامی اور شُہرت کے ساتھ جاری ہے۔ آپکے مورثِ اعلیٰ مولانا شیخ سماء الدین سلطان بہلول لودھی کے زمانے میں دہلی میں رونق افروز تھے۔ سکندر لودھی اور ابراہیم لودھی کے عہد میں آپکے مورث نصیر الدین شیخ الاسلام کے جلیل القدر عہدے پر ممتاز تھے۔ اِسی طرح مفتی جمال خاں۔ مفتی دولت اُستادِ خواجہ میر دردؔ مرحوم۔ نواب اعظم الدین خان۔ حکیم فیروز علیخاں منصبدار پانصدی آپکے اجداد میں نامور ہوئے۔ حکیم قوام الدین خاں حکیم علویخاں کے شاگرد اور اُنکے بیٹے حکیم امام الدین خان عالمگیر ثانی کے عہد میں شاہی طبیب تھے اور حکیم الملک کے خطاب سے متنخر تھے۔ آپکے پردادا حکیم غلام علیخاں صاحب دلّی چھوڑ کر امروہے جا بسے اور معالجات کی بدولت اچھی شہرت حاصل کی۔ اسیطرح آپکے دادا حکیم ابو علیخاں صاحب نے بھی خاندانی اعزاز کو قائم و برقرار رکھا۔ آپکے والد ماجد حکیم امجد علیخاں صاحب جو ایامِ غدر میں شاہجہاں پور میں تحصیلدار تھے اور بعدہٗ ڈپٹی کلکٹر بھی رہے صاحب اخلاق حسنہ تھے۔ جون سنہ ۱۹ء میں رہگرائے عالم باقی ہوئے۔ آپ ۱۶ دسمبر سنہ ۱۸۶۱ء میں بمقام بریلی (روہیلکھنڈ) پیدا ہوئے۔ فارسی عربی اور انگریزی تحصیل کی۔ اپریل سنہ ۱۸۸۰ء میں لندن جاکر سند بیرسٹری حاصل کی۔ انگریزی زبان میں کمال لیاقت رکھتے ہیں۔ اور اُس زبان میں بھی صاحبِ تصانیف نظم و نثر ہیں۔ ۲ نومبر سنہ ۱۸۸۵ء میں ہندوستان واپس آئے اور بیرسٹری شروع کی۔ آپکے مفصل حالات مختلف انگریزی

اور اُردو رسالوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ لکھنؤ میں میر نفیس جیسے صاحب کمال سے آپکے مراسم تھے اور میر صاحب موصوف آپکے معترف رہتے تھے۔ شعر و سخن سے اُنکو ایسی وابستگی ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ حامد علیخاں صاحب کو فن شعر میں شیخ علی حزیں صاحب لکھنوی شاگرد مظفر علیخاں صاحب اسیر سے تلمذ ہے۔ راقم تذکرہ کے مخلص بے ریا ہیں۔ ہمیشہ عنایت و امجات سے جنھیں خلوص و شرافت۔ مہر و محبت کے دفتر کہنا دیا ہے۔ عزت افزائی فرماتے رہتے ہیں۔ آپ لکھنؤ کی علمی جماعت کے سربرآوردہ ممبر ہیں۔ اور اپنی ہر دلعزیزی۔ خوش اخلاقی۔ زندہ دلی کی وجہ سے تعلیم یافتہ سوسائٹی کی رُوحِ رواں ہیں۔ شیعہ جماعت کے بارسوخ اور باوقر رکن سمجھے جاتے ہیں۔ کلام ہدیہ اصحاب ذوی الاحترام ہے ؂

پیری میں کوچ حُسن جوانی کا کر گیا	آئی خزاں بہار کا موسم گذر گیا
اشکوں کے ساتھ بہنے لگا آرزو کا خوں	تیرِ نگاہِ یار جو دل سے گزر گیا
دُنیا مقامِ غم ہے خوشی نام کو نہیں	جو اس مکاں میں رہنے گیا نوحہ گر گیا
اُنکے مزاج میں بھی تلوّن غضب کا ہے	رنگِ زمانہ ہے اِدھر آیا اُدھر گیا
نہ کئے نرم دلِ سخت بتوں کے تو نے	تجھسے کچھ کام نہ آہِ دلِ سوزاں نکلا

جب تک کہ تجھے یاد مرا نام نہ آیا	او بھولنے والے مجھے آرام نہ آیا
دولت کو نکر جمع کہ پچتائیگا منعم	کس کام کا وہ زر جو ترے کام نہ آیا
جو دوست کی مرضی ہو وہ مرضی ہو ہماری	اچھا وہ نہ آیا جو لبِ بام نہ آیا
اے چرخ عوض ظلم کے گردش ہی تجھکو	مجکو جو ستایا تجھے آرام نہ آیا
ساقی کا یہ احسان نہ اُٹھتا کبھی ہمسے	اچھا ہوا ہم تک جو کوئی جام نہ آیا
اللہ ہی نگہبان ہو اس دل کا کہ جسپر	تو نے بھی دھرا ہاتھ تو آرام نہ آیا
کیا خوب بسر عمرِ دو روزہ ہوئی حامد	صد شکر کسی کا کوئی الزام نہ آیا

حالت تھی نزع کی کہ یہ فرقت کا درد تھا	بجیں تھے ہاتھ پاؤں مرا جسم سرد تھا

بدلی ہزار شکل مگر شکل تھی وہی
صیاد بھی تڑپنے لگا تھا قفس کے پاس
تو بھی جگر کو تھام کے بیتاب ہو گیا
کیونکر نہ ہو یہ جذبِ محبت کا تھا اثر
تیری نگاہ میں یہ کشش کس بلا کی تھی
کس کس جگہ بتاؤں تمھیں پوچھتے ہو کیا
رگ رگ میں اپنے بھر دیئے تھے عشق کے مزے

الٹا جو لفظِ درد کو تب بھی وہ درد تھا
اس درجہ نالۂ دلِ بلبل میں درد تھا
دل کا ہمارے درد ترے دل کا درد تھا
بے چین ہم بھی تھے جو مرے دل میں درد تھا
ہمراہ دل کے جانے پہ بیتاب درد تھا
دل میں، جگر میں، سینے میں پہلو میں درد تھا
دل سے سوا عزیز مجھے دل کا درد تھا

یہ داغِ رنج و غم دلِ بسمل میں رہ گیا
جو ساتھ ساتھ آئے تھے وہ سب چلے گئے
آنکھوں کا حسن خون سے بسمل کے بڑھ گیا
آنکھیں لڑا کے آنکھوں میں سب کچھ وہ کہہ گئے
کھلتا ہے دل میں روز گلِ داغ اک نیا
فکرِ رسا سے بات نکلتی ہے بات میں
کرتا ہے قدسیوں کے بھی دل پر عجب اثر
کس منہ سے دوستوں کے بھلا رازداں ہیں ہم
ممکن نہ ہو گا شربتِ دیدارِ یار کیا
منت سے بھی منانے تو میں اس کو کیا کروں
باغِ جہاں میں سیر کی فرصت کہاں ہمیں
دل کی شگفتگی سے عجب میرا حال ہے
کچھ نہ تھا ہمراہ بیت وہ فقط ہمراہ تھے
ابتدائے عشق ہی میں افراطِ جوشِ جنوں

دھبہ لہو کا دامنِ قاتل میں رہ گیا
تنہا فقط میں گور کی منزل میں رہ گیا
کیا رنگ تھا کہ دیدۂ قاتل میں رہ گیا
جو دل کا مدعا تھا وہی دل میں رہ گیا
المختصر یہ ثمرہ ہے عمرِ دراز کا
کیونکر تمام وصف ہو زلفِ دراز کا
تیرا ادا و ناز سے پڑھنا نماز کا
دشوار جب چھپانا ہو اپنے ہی راز کا
پیغامِ مرگ ہے مرضِ انتظار کیا؟
اے دل کسی کے دل پہ مجھے اختیار کیا
آئے بہار کیا جو نہ آئے بہار کیا
کٹتی ہے اک طرح سے خزاں کیا بہار کیا
رو دیئے دشمن جنازے پر یہ ساماں دیکھ کر
بھاگتا ہوں سوئے صحرا شکلِ انساں دیکھ کر

کیا اجارہ اس میں حامدؔ ہ جسے جو چاہے دے
حریصِ دولتِ دنیا نہ اتنا ہو منعم

وہ یاد کرتے ہیں لیکن کبھی بلاتے نہیں
جواب دیتے ہیں وہ سیدھی بات کا ٹیڑھا

کچھ احتیاج نہیں خط کے لکھنے کی قاصد
جو میرے دل میں ہو اُنکی زبان پر ہو وہی

تناسب ہے ترے اعضا میں سر سے پاؤں تک ایسا
تری قدرت کا ای خالق یہ ادنیٰ سا نمونہ ہے

پڑھا کرتے ہیں تربت پر مری وہ فاتحہ آکر
جوانی ہے مئے اُلفت کے وہ سرشار بیٹھے ہیں

مری غم کی کہانی نے تغیر یہ کیا پیدا
تو ہی واقف ہے بس یارب یہ مرتے دم ندامت ہے

دمِ آخر تجھے دیکھا جہاں کے رنج سب بھولا
جنسِ اُلفت کی دُکاں کھولکے بیٹھے تو کوئی

یہی حالت تمھاری ہو جو دم بھر دیکھتے جاؤ
دفن ہیں کیا کیا شہیدِ داغ اُلفت جا بہ جا

کسی نرگس کا متوالا کوئی مستانہ آتا ہے
کسی سے بُغض ہے رشک و کدورت ہے نہ کینہ ہے

کرجتا کو سُنا دیتے ہیں جو دلپر گزرتی ہے
تمھارے حُسن کے چرچے ہمارے عشق کے قصے

یہ سرخی آگئی چہرہ پہ کیسی مرہنواسے کے
رشک کرتا ہے عبث انساں کو انساں دیکھکر

غنی جو دیکھے ہیں اُنکو گدا سمجھتے ہیں
ہمارے ذکر کو ہم سے سوا سمجھتے ہیں

سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ کیا سمجھتے ہیں
وہ خوب دلکا مرے مدعا سمجھتے ہیں

وہ بے کہے ہوئے مطلب مرا سمجھتے ہیں
نظر پڑتی ہو جن لوگوں کی اُن پر صاد کرتے ہیں

کہ ہم اس عالم ایجاد میں ایجاد کرتے ہیں
خدا آباد رکھے روح کو جو شاد کرتے ہیں

نہ وہ ہشیار بیٹھے ہیں نہ ہم ہشیار بیٹھے ہیں
یہی اغیار تھے پہلے جواب غمخوار بیٹھے ہیں

اَدائے حق سے میں تیرے بہت مغرور جاتا ہوں
وہیں چھوڑے جہاں کے غم تھے اب مسرور جاتا ہوں

جمع دم بھر میں خریدار ہوئے جاتے ہیں
ذرا تم ہاتھ رکھکر قلبِ مضطر دیکھتے جاؤ

کوہ و صحرا و چمن میں لالہ پیدا کیوں نہو
دکھاتا سیرِ عالم دیکھیے دیوانہ آتا ہے

دل اپنا صاف ہر سب سے ہمیں یارانہ آتا ہے
ہمیں اپنی ہی بیتی کا فقط افسانہ آتا ہے

دو عالم کو جو آتا ہے یہی افسانہ آتا ہے
دمِ آخر لطف شاید رُخ جانانہ آتا ہے

چمن کے پتے پتے پر عجب فرحت برستی ہے
ریاضت عمر بھر وہ کی کہ جس پر ناز ہے حامد

آتشِ غم کا پتہ دیتی ہیں آہیں اپنی
تیری قدرت کا تماشا کوئی ہم سے پوچھے

تیرے دیدار کو مجموعۂ عالم کھینچے
جنکا تکیہ ہے توکّل پہ قناعت شیوہ

رازِ سر بستہ رہا سب یہ طلسمِ عالم
اپنے سودے کا سبب ہیں جو معنبر زلفیں

بات کے ہونگے دھنی اور بھی دُنیا میں بہت
کسی کی دید کے طالب ہوئے عبث موسیٰ

ہمیں تو عشق و حیاتِ اَبد برابر ہیں
آنکھیں فلک پہ جھپکی ہیں خورشید و ماہ کی

اِک حرف بھی رہے گا نہ لے کاتبِ عمل
شمشیرِ غم کا خلق میں ہے ہر طرف عمل

ہنگامِ ذبح صورتِ قاتل تو دیکھئے

ودیگر

اُڑاتا خاک صحرا کی کوئی دیوانہ آتا ہے
ابھی کمبخت دلکا کچھ ہمیں افسانہ آتا ہے

آگ دیکھی ہے جہاں ہم نے دھواں دیکھا ہے
ایک ذرّے میں دو عالم کا سماں دیکھا ہے

تجکو دیکھا ہے تو سارا ہی جہاں دیکھا ہے
ایسے ہی لوگوں کو پیری میں جواں دیکھا ہے

یوں تو کہنے کو کہیں سارا جہاں دیکھا ہے
اُنھیں زلفوں میں علاجِ خفقاں دیکھا ہے

ایک حامد کو مگر ہمنے بھی ہاں دیکھا ہے
جو آرزو کہ نکلتی وہ آرزو کرتے

نہ مرتے تم پہ تو جینے کی آرزو کرتے
اللہ رے چمک تری برقِ نگاہ کی

دھوتا ہوں آب اشک سے فردِ گناہ کی
ملتی نہیں خوشی کو کوئی جا پناہ کی

تصویر بن گئی مرے حالِ تباہ کی

حباب - جناب مولٰنا حافظ سیّد محمد صائم علی صاحب مُراد آبادی - آپ رامپور میں ملازم ہیں ساٹھ روپے ماہوار پاتے ہیں - ستر سالہ ضعیف العمر شخص ہیں - نمونۂ کلام درج ذیل ہے ؀

ایک وہ ہیں کہ بسر کرتے ہیں کاشانوں میں
ایک ہم خاک اُڑاتے ہیں بیابانوں میں

نہ ملا تیرا نشاں ہمکو کہیں بھی اے دوست
ڈھونڈا جا جا کے بہت مسجد و بُت خانوں میں

دیکھکر ہجر میں افسوس نقاہت میری
وہ خفا ہیں کہ اُڑائی ہے نزاکت میری

حباب

حباب - ناظمِ باکمال ناثرِ عدیم المثال پنڈت امراؤ سنگھ صاحب حباب خوشہ چین خرمنِ کمال نواب اسد اللہ خان غالب مرحوم و مغفور۔ آپ رڑکی کالج میں بیس پچیس برس تک مدرس سیاقی رہے۔ ملازمت کے ساتھ ہمیشہ شوق شاعری و انشا پردازی کو بھی نباہتے رہے۔ کئی برس ہوئے آپنے ایک اخبار بھی جاری کیا تھا جس میں زیادہ تر آپ ہی کی نظم و نثر کے اعلیٰ نمونے درج ہونے تھے۔ مگر زمانے کی نا قدر دانی سے وہ اخبار چند ہی ماہ جاری رہ کر بند ہو گیا۔ غزل گوئی میں آپ کو اچھا ملکہ حاصل ہے۔ تصوف اخلاق اور وحدانیت کے اکثر مضامین آپکے کلام میں پائے جاتے ہیں۔ بلندیٔ مضمون اور نزاکتِ خیال کے ساتھ آپکی طبیعت میں شوخی اور جدت بھی بقدر مناسبت موجود ہے۔ آپ کا مذاق نہایت شستہ اور قابلِ تقلید ہے۔ اب کئی برس سے پنشن پاتے ہیں۔ ۶۵ برس کی عمر پاکر سنہ ۱۹۰۹ء میں بمقام لاہور انتقال کیا

بہائے بحر جو ہے گوہرِ خوش آب سے ہے	دُرِ سرشک سے ہے آنکھ بے بہا دریا
گلشن میں گدگدی سے نسیمِ سحر کی آج	گُل ہنس دیا تو غنچہ بھی کچھ مسکرا دیا
نسیمِ صبحِ بہاراں سے نرم تھی مری نیند	خروشِ بلبلِ نالاں سے اُڑ گئی مری نیند
نگاہِ دیدۂ بیہوش ہیں ہم	صدائے نالۂ خاموش ہیں ہم
جنوں تعلیم تھی کیا بزمِ شب جو صبح ہوتے ہی	گریباں پھاڑتے گھر سے تمہارے ہمنشیں نکلے
غل کرتا ہوا مژدۂ آزادی کا	زنداں سے رہا ہو کے اسیر آتا ہے
ہے ساتھ جو توشۂ توکل بخدا	آزادِ غمِ جہاں فقیر آتا ہے
بیتابی و اضطراب کا نقش مٹا	اے موجِ حباب دستگیر آتا ہے

حبیب - مولوی سید کاظم کنتوری نواح لکھنؤ کے رہنے والے ہیں۔ اور اپنے آپ کو یادگار خاندانِ ناسخ مرحوم لکھتے ہیں۔ آپکے مرسلہ حالات سے پایا جاتا ہے کہ آپکے بزرگ ساتویں صدی ہجری میں نیشاپور اور خراسان سے فیض آباد اودھ میں آکر مقیم ہوئے اور پھر شدہ شدہ کنتور میں جو لکھنؤ اور فیض آباد کی راہ میں واقع ہے اقامت اختیار کی۔ آپکے مورث سید جمال الدین کو

تغلق بادشاہ کے عہد میں بروٗلی اودوھ کا تعلقہ جاگیر میں ملا جبیب صاحب کے دادا سید حمایت حسین وزیرالممالک نواب سعادت علی خاں کے مصاحب رہے اور کرنل بیلی ریذیڈنٹ کے اُستاد تھے۔ نانا میر لطف اللہ قدر کنتوری شیخ ناسخ کے شاگرد تھے۔ میر خدا بخش جنکی کربلا تال کٹورہ لکھنؤ میں اُبتک موجود ہے آپکے نانا میر لطف اللہ کے حقیقی نانا تھے۔ الغرض آپ کا خاندان ہمیشہ علم وفضل کیوجہ سے ممتاز رہا ہے۔ آپ ۱۴ ذیقعدہ ۱۲۶۷ھ میں بمقام کنتور پیدا ہوئے ۱۵ برس کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے۔ اُس زمانے میں شعر گوئی کا شوق ہوا۔ پہلے اپنے نانا قدر کنتوری سے اصلاح لی پھر ۱۲ برس کی عمر میں سید حسین صاحب عشق شاگرد ناسخ مرحوم کو سات برس اپنا کلام دکھایا۔ اسکے بعد اُنھوں نے فرمایا کہ اب تم کو اصلاح کی حاجت نہیں۔ آپ کی تصنیف سے دو دیوان مطبوعہ۔ مخمس حبیب بر ترکیب بند شکوۂ ہند حالی۔ مدح محبوب مدحیہ نظام۔ مکاتبات فارسی۔ ایمانِ حبیب۔ مجموعۂ مراثی مطائبات حبیب غیر مطبوعہ موجود ہیں۔ آپ دس برس کی عمر میں اپنے والد کے ساتھ لکھنؤ گئے۔ چونکہ آپکے والد کی معاش کم تھی اس لیئے صغیر سنی ہی میں روزگار کی ضرورت محسوس ہوئی جودھویں سال مولوی غلام حسنین کنتوری کی صاحبزادی سے جو انکے خالو تھے نکاح ہوا۔ اُنھیں کے ہمراہ آگرہ اور گوالیار کے سفر کا اتفاق ہوا۔ ۲۱ برس کی عمر میں بہ تلاشِ روزگار ریاست چرکھاری اور وہاں سے اندور گئے مگر جلد ہی واپس آگئے۔ ۲۵ برس کی عمر میں بنارس اور کلکتہ کا سفر کیا جب ہگلی پہنچے تو وزیر السلطان منشی امیر علیخاں کے صاحبزادے نواب اشرف الدین احمد خان متولی امام باڑہ نے اپنا مہمان کیا اور اُنکے والد وزیرالسلطان بھی بڑی مہربانی سے پیش آئے اور راجہ امیر حسن خان رئیس محمود آباد سے سفارش کی۔ چنانچہ یہ وہاں تین سال ملازم رہے پھر ۲۸ برس کی عمر ۱۲۹۶ھ میں بحالتِ بیماری اپنے بھائی سید محمد عسکری عادل کو ساتھ لیکر حیدر آباد کے عازم ہوئے۔ کچھ دنوں وہاں کے اُمراء کے ہاں ملازمت کی۔ انجام کار ۱۲۹۹ھ میں سردار عبدالحق دلیر جنگ نے قدر دانی فرما کر ساٹھ روپیہ ماہوار پر مصاحب رکھ لیا اُنکے

ولایت چلے جانے پر انھیں کے بھائی نواب امیر یار جنگ سیّد سراج الحسن صاحب تعلقہ دار بیدر نے اپنے پاس بلالیا اور سررشتہ دار مقرر کر دیا- وہاں سے ترقی پاکر آپ ۱۳۱۸ھ میں سررشتہ دار معتمد مدار المہام سرکارعالی محکمۂ کوتوالی پر مقرر ہوئے- وہاں سے دو سو روپیہ پر صوبہ داری بیدر کے سررشتہ دار مقرر ہوئے- آخر عمر میں ہوم سکرٹری سرکار نظام کے میر منشی بھی مقرر ہوگئے تھے- شعر و سخن سے طبیعت کو قدرتی لگاؤ تھا- معنی خیز طبیعت واقع ہوئی ہے اور اکثر استعارے و تشبیہ کی پابندی کرتے ہیں- علمی قابلیت خاصی ہے- علاوہ وہبی استعداد عام معلومات پر بھی حاوی ہیں جسکی انکے کلام میں جگہ جگہ جھلکیاں نظر آتی ہیں- علاوہ ازیں فکر رسا اور ذہن ذکی خداداد ہاتھ آیا ہے- ان چیزوں کی امداد سے جسقدر بلند پایہ شعر کہیں تھوڑا ہے- کلام میں علاوہ عاشقانہ کے وہ رنگِ خاص بھی بھرا ہوا ہے جس سے گزشتہ زمانے کے شعرا نے دلوں کو تسخیر کر لیا تھا- اور صوفیہ کے کلام میں عموماً اور عوام الناس کے کلام میں بھی کہیں کہیں پایا جاتا ہے- یعنی تصوف کا رنگ- علاوہ ازیں تمام اصناف سخن پر قدرت حاصل ہے- بالخصوص قصائد خوب لکھے ہیں اور تغزل میں بھی مسائل دقیق اور نکات غریب اچھے پیرایہ میں باندھ جاتے ہیں- زبان سلیس- بندش چست ہے جس سے انکی کہنہ مشقی کا ثبوت ملتا ہے- بڑے خلیق ملنسار- نیک نہاد شخص تھے- حیدرآباد دکن میں اکثر لوگ انکے شاگرد تھے- اور وہاں کے شعرا میں نظر امتیاز سے دیکھے جاتے تھے- راقم تذکرہ سے اکثر خط و کتابت رہتی تھی- افسوس کہ تخمیناً پچاس برس کے سن ۱۹۰۹ء میں انتقال فرمایا- آپکے صاحبزادے جناب ضامن بھی شعر و سخن کا اچھا مذاق رکھتے ہیں- اب کلام مرسلہ کا انتخاب ملاحظہ ہو*

حسن جب صورت گر ذوقِ خود آرائی ہوا
ہر بت بیباک گرم لافِ یکتائی ہوا

اک جہاں شیدا ہے صورت آشنا کوئی نہیں
سب کو اپنا کر لیا کس کا وہ ہرجائی ہوا

دستِ قدرت نے دکھائیں ایسی شکلیں کھینچکر
کوئی از خود رفتہ اور کوئی تماشائی ہوا

بڑھا رتبہ یہاں تک خود فراموشی میں عرفاں کا
کہ محراب حرم ہے عکس میرے طاقِ نسیاں کا

شکایت کیا ہی بیمہری کی اُس سے حبیب دل آیا
نہیں جھکتا کوئی اُس سے جھکے جبتک نہ خود انساں
نہ پوچھو حال کچھ ناکامیوں سے ضعفِ ہمت کا
دلِ پُر آرزو کا خوں نکر اے یاس تو ناحق

کوئی اعزاز کرتا ہے بھلا ناخواندہ مہماں کا
رکوع و سجدہ سکھلاتا ہے خم محراب طاعت کا
کرینگے امتحاں اکبار لیکن اور قسمت کا
سمجھ اتنا کہ سرمایہ ہے یہ اک بے بضاعت کا

ہے خبر کس کو تلوّن آپ کا
آگے چلکر رنگ کیا کیا لائے گا

محبت میں تری خونِ دلِ ناشاد ہونا تھا
ہو جب تن پر سرِ جلاد آکر بیڑ کاں کاٹے
پیری میں جانگسل ہیں جوانی کی حسرتیں
تم رہو گھر میں پھریں ڈھونڈتے ہم غیروں میں
پرتوِ عشق پڑا ہوگا مقرر دیکھو!
چلے رفتہ رفتہ ایسے کہ نہ خاک تھی نہ ہم تھے

تاسّف کیا ؟ ہوا جو اے ستم ایجاد ہونا تھا
اسیروں کو تمھارے اِس طرح آزاد ہونا تھا
وہ وقتِ کیف تھا یہ ہے عالم خمار کا
بدگماں ہوگا نہ ہمسا کوئی غافل ہوگا
داغ یاں سینہ پہ ہے چہرے پہ واں تل ہوگا
کہ جو لوگ دفن کرتے کسی جا مزار ہوتا

کرے کیوں نہ بے چین وعدہ کسیکا
قیامت ہے امروز فردا کسیکا

کہتے ہیں سُن سُن کے ہاں پھر کیا ہوا
میری توبہ کیا تھی توبہ اے غفور
ایک منزل ہے عدم کی ایکدم کا راستہ
پوچھو عاشق سے غم عشق میں لذت کیا ہے

حال میرا اِک فسانہ ہوگیا
تیری رحمت کو بہانہ ہوگیا
آگے جانیوالے ہمسے آگے بڑھجائینگے کیا
تلخ ہوتا تو نہ اِس شوق سے کھایا جاتا

چلے آپ اللہ رے بے نیازی
نہ دیکھا کہ قدموں پہ ہے سر کسی کا

بھلا ہو جس کام میں کسی کا تو اُس میں وقفہ نکیجیگا
وہ مجھ سے فرما رہے ہیں ہنسکر ہمیشہ ملنے کی آرزو پہ
آگے اُنکے جب کبھی ہمنے کیا اظہارِ عشق
دریا ہی میں رہتا تھا قطرہ کی طرح شامل

خیالِ زحمت نکیجیے گا ملالِ ایذا نکیجیے گا
ملال ہوگا محال شے کی کبھی تمنا نکیجیے گا
ہنسکے بولے خیر اک دن امتحاں ہو جائیگا
غافل نہ حباب آسا یاں تجکو ابھرنا تھا

الفت میں کوئی دل کے سوا راز داں نہ تھا
رسوا کرے گا اُسپہ مجھے یہ گماں نہ تھا

گھٹینگی خواہشیں اے دل تو حاصل مدعا ہوگا
ذرا یہ بھیڑ چھٹ جائے تو پیدا راستہ ہوگا

خدا سے مانگ ایدل شرم کر بندونکی منت سے
جو حاجتمند ہے ہردم وہ کیا حاجت روا ہوگا

ہوس ہے رہنما ہر دم درِ ارباب دولت کی
قناعت کہتی ہے بیٹھو خدا ہے کارساز اپنا

تمام کامونکا راستی پر ہمیشہ دار و مدار دیکھا
فساد نیت میں جسکی پایا ہر ایک صحبت میں خوار دیکھا

توبہ کی سزا دیتے ہیں یارانِ قدح نوش
بے مانگے ہمیں دور میں ساغر نہیں ملتا

وہ جواں ہونگے تو ٹوٹینگے فرشتوں کے وضو
ایک دن چاہِ زنخداں چہ بابل ہوگا

درد و ایذا و غم و غصہ و بدنامی و رنج
کشورِ عشق میں ہوتے ہیں محاصل کیا کیا

سامنے رندوں کے ناصح بے اثر ہے وعظ و پند
آپنے کہنے کا جو حق تھا کہا کس نے سنا

رات دن چین نہیں سوزِ محبت سے مجھے
شمع ہوتا تو فقط شب کو جلایا جاتا

نہ سر ہے کوئی تیرے سودے سے خالی
نہ دل تیرے قبضے سے باہر کسی کا

بادۂ ناب تو روشن گرِ دل ہے واعظ
اسکے پی لینے سے ایماں میں خلل کیا ہوگا

موسمِ گل دیکھکر ایسا خوشی کا جوش ہے
آپ نہیں پھولی سماتی پیرہن میں عندلیب

سہانے وقت ہیں اے دل دمِ طلوع و غروب
سماں دکھاتی ہے قدرت کا دھیمی دھیمی دھوپ

تھا اشتیاقِ ابروئے دلبر تمام رات
دیکھا کیا میں خواب میں خنجر تمام رات

اپنے بندوں کو دیا ہے جسقدر اللہ نے
کچھ نہ کچھ اسکے سوا ہے ہر بشر کی احتیاج

اِن بتوں میں آئے شانِ کبریائی ہے محال
ہو نہیں سکتا ہے ہرگز بندہ پرور جھوٹ سچ

سمجھو نہ برا ہے خطا کار کو ولیسر
راضی جو درگزر پہ ہوا التجا کے بعد

وہ کوشش کیجئے رہجائے نامِ نیک محشر تک
مزا یہ ہے کہ موت آئے حیاتِ جاوداں ہوکر

اثرِ نغمۂ دلکش کی کہوں کیا حالت
ہوش کھو دیتا ہے انسان کے جادو ہوکر

دل کو ہے رنجِ فراقِ رفتگاں شام و سحر
میرے یوسف کو ہے یادِ کارواں شام و سحر

ہے یہ زورِ آمدِ فصلِ بہار اَب کے برس
مست ہیں زاہد بھی مثلِ بادہ خوار اب کے برس

داغ بھی زخمِ جگر کا نہ رہا
تھی یہ قاتل کی نشانی افسوس

کون زخمِ خنجرِ ابرو کا شاہد تھا حبیب
ہار جاتے تم کلیجہ پر اگر ہوتا نہ داغ

کھل گیا ناکامیوں سے ہے سبب دوسرا
کوششیں سب اک طرف ہیں اور مقدر اک طرف

بے سبب کوئی اُٹھائیگا بھلا کیا تکلیف
دلکو ہوتی ہے محبت میں گوارا تکلیف

غیر حاکم ہو تو اُسکی جوتیاں سیدھی کریں
ننگ ہے قومی حکومت کی اطاعت آجکل

لہو تھمتا نہیں زخمِ جگر کا
نہ اچھے ہونگے اب اے چارہ ہم

قولِ ناصح سنکے واں دوڑیں رساکے توڑ کر چھوٹ * واں جالیں ہیں یاں مستی کی بلاسے توڑ کر چھوٹ *

اُٹھائے ہیں وہ صدمے ہنسنے ملکر ان حسینوں سے
جو لیتا ہے کوئی نامِ محبت اُنتو ڈرتے ہیں

ہر اک سوال کا دیتے ہو تم جواب "نہیں"
یہ ظلم وہ ہے کہ جس کا کوئی حساب نہیں

شگفتگی مرے دل کی ہے تیرے لطف کیساتھ
ہر ایک فصل میں پھولے یہ وہ گلاب نہیں

تنک ظرفوں کو دولت سے تمتع ہو نہیں سکتا
سدا با وصفِ قربِ بحر خاک اُڑتی ہے ساحل میں

خفا بھی ہیں وہ اور دل سے مری اُلفت کے قائل بھی
جفائیں کرتے جاتے ہیں پشیماں ہوتے جاتے ہیں

سازِ جمعیتِ دل کا سر و ساماں میں نہیں
بے نیازی جو ہے درویش میں سلطاں میں نہیں

روشنی رہتی ہے کہتے ہیں دیئے کی تا حشر
ظلمتِ شب کا گزر خانۂ احساں میں نہیں

فطرت کو ناپسند ہے سختی بیان میں
پیدا ہوئی نہ اِس لیے ہڈی زبان میں

تجلی گاہِ انوارِ حقیقت دیکھنے والے
فروغِ ظاہری کو بھی کہیں خاطر میں لاتے ہیں

وہ لطفِ صحبت وہ پیاری باتیں بھلا نہ کس طرح یاد آئیں
ہمیشہ ڈھونڈینگی تمکو آنکھیں ہوگئے ہو ایسے نہاں نظر میں

تری یاد میں جب سے بیٹھے ہیں پیارے
دو عالم سے دل کو اُٹھائے ہوئے ہیں

اپنے جس بندے کو چاہے دے چمن آرائے دہر
کچھ اجارہ زاہدوں کا باغِ رضواں میں نہیں

نہ اُٹھائے سختیِ ہجر گر تو وصال کا بھی مزا نہیں
نہ ہوا مرض میں جو مبتلا کبھی اُسکو قدرِ دوا نہیں

وہ جفا زمانے نے ہم پہ کی کہ خیال جس کا نہ تھا کبھی
یونہیں تھی مشیتِ ایزدی ہمیں کچھ کسی سے گلا نہیں

کھینچے گی خاک ہوگا ٹھکانا جہاں کہیں	دو گز زمین تو دیگا کبھی آسماں کہیں
دن رات ہے احباب کو کد بیخ کنی میں	بگڑی میں وہ بگڑے ہیں جو تھے ساتھ بنی میں
تقدیر میں جو تھا وہ ہوا۔ رنج سے حاصل	عقلِ بشری رہتی ہے عاجز شدنی میں
نگاہِ قہر سے تم نے گرائی جب بجلی	دل و جگر یہ پکارے جلا دیا ہمکو
دل جگر لے جانِ جانِ اہلِ وفا سے دیکھ لو	جتنا جی چاہے انھیں ہر دم ستا کے دیکھ لو
سچ کہو چاہنے والوں کا گلہ ہو کہ نہ ہو	وعدہ کر لیتے ہو تم سب سے وفا ہو کہ نہ ہو
نہ کی میری حاجت روائی بتوں نے	خدا سے بھی کی ان کی طاعت زیادہ
انھیں خوں رُلاتا ہے اکثر زمانہ	جو ہیں خوگرِ عیش و عشرت زیادہ
ہزاروں صورتیں پیدا ہیں اک آشفتہ حالی سے	نئی دنیا بسی ہے دل میں اشکالِ خیالی سے
پڑے تھے نقشِ پا بن کے نہ سنگِ راہ تھے ظالم	تجھے کیا بل گیا آخر ہماری پائمالی سے
لیجئے چھوڑ کے مرقد میں چلے یار و عزیز	آج کہتا نہیں "اللہ نگہباں" کوئی
گناہ لائے ہیں مجرم بنا کے تیرے حضور	جو راہزن تھے ہمارے وہ راہبر نکلے
ہمیشہ خلق میں گزری ہے ایکساں کسکی	انھیں کا شکر ہے ارمان جسقدر نکلے
کہتی ہے اجل آ مری آغوش کے پالے	سب کر چکا۔ دنیا سے بس اب دلکو اٹھا لے
گھر سے ہمیں یوں گردشِ قسمت نے نکالا	تلوے سے کوئی کانٹے کو جس طرح نکالے
رحم آئیگا ان سے نہ مرض کو نہ قضا کو	بیسود ہیں آہیں مری بیکار ہیں نالے
سمجھے تھے ہم اک مشغلہ الفت کو بتوں کی	معلوم نہ تھا جان کے پڑ جائینگے لالے
عمر گزری کسکو روداد اسیری یاد ہے	اب قفس گھر ہے ہمارا ہمنشیں صیّاد ہے
رات دن کی دل لگی وہ ہر گھڑی کی چھیڑ چھاڑ	خیر تم بھولے تو بھولے مجکو ابتک یاد ہے
چھو ملیں سے گئے سب بے مہر آرزو تیری	ہے انکی خاک کے ذرّوں کو جستجو تیری
عدم کو گئے نوجوان کیسے کیسے	نہ پوچھو چھٹے مہرباں کیسے کیسے

گرا جب آنکھ سے دامن میں بے پروائے اشک پہنچائی خاک میں ملنے سے آبرو تیری ٭

رو رہے ہو رو رہے شراب وصل جاناں شام سے
صبح تک وقتِ ظلم کی ہے سے غبار راستا تو ہو

جب دل بیتاب تڑپا ساتھ ہی چھلکا دیا
ہم بارہ رو سے واقف آ بدار راستا تو ہو

اشک بے پوچھیں اسے دامان سے وہ دو کر عمر جان
قافلہ رو رو سے چشم اشک بار راستا تو ہو

کسیکا تو ایفا بھی کرنا تھا آخر — کیئے عہد اے جانِ جاں کیسے کیسے
نجانے دیا داغِ شیریں سخن کو — دکن میں بھی ہیں قدرداں کیسے کیسے
مٹے لاکھ پھر لکھنؤ لکھنؤ ہے — سخنداں ہیں اب بھی وہاں کیسے کیسے

غلط ہے گر کہوں کچھ غم نہ تھا آغازِ اُلفت میں — کہ اک تشویشِ انجامِ محبّت دل کو کیا کم تھی
نکلتی کیوں نہ بتخانے سے زاہد شکلِ آمرزش — یہاں بھی دلمیں کیا تیری طرح یادِ خدا کم تھی
جانے میں جان آنے میں عاشق کا دل ہے — تیغِ قضا کبھی ہے طلسمِ ادا کبھی
ہر آرزوئے مردہ ہو راحت فزائے حال — ملجائیں گر ترے لبِ معجز نما کبھی
یاں بندگی سے کام ہے اے شیخ و برہمن — دَیر و حرم سے ہے نہ تعلق۔ نہ تھا کبھی
آفتِ جان ہجر میں وحشت کی سرتابی رہی — دلکو بیتابی رہی آنکھوں کو بےخوابی رہی
عمر بھر حالتِ دلِ مضطر کی سیمابی رہی — چشمِ دریا بار گردش تیری دولابی رہی
برقِ کشتِ آرزو ہے گرمیٔ بازارِ حسن — جنسِ اُلفت کی ہمیشہ اِس میں نایابی رہی
سالہا یادِ لبِ رنگیں میں رویا اشکِ خوں — مدتوں رنگت میری آنکھوں کی عنابی رہی
کب چھٹا اشکِ ندامت سے سیہ کاری کا رنگ — صاف ہوکر بھی مری فردِ عمل آبی رہی

دیوان دوم

ہر داغِ دل بنا حجرِ اسوَدِ حرم — جلنے سے مثلِ طور یہ گھر محترم ہوا
چینِ جبینِ دلیلِ کدورت ہے دیکھئے — خطِّ غبار جو ہے رہِ تیغِ ستم ہوا
گہ وصل کی دعا تھی۔ کبھی شکرِ التفات — اکثر خدا کے سامنے ذکرِ صنم ہوا
ابرو کا بوسہ لینے سے اخلاص بڑھ گیا — یہ سورہ آج خنجرِ قاتل پہ دم ہوا

کر کے آئے تھے یہ ساماں مرے تڑپانے کا — نام آتے ہی لیا آپنے گھر جانے کا
اے نقاہت تو وہ گئے بزم سے اب کیا ہے یہاں — تو ہی کردے کوئی ساماں مرے اُٹھوانے کا
خوبئیں مہر و محبت کی عزیزوں میں حبیب — دل نہ کیوں بندۂ احساں رہے بیگانے کا
عقل کہتی ہے نہ رکھ وادیٔ اُلفت میں قدم — وحشتِ دل کا تقاضا ہے کہ چل کیا ہوگا

ہمنے مانا کہ یہ وعدہ نہیں جھوٹا لیکن
ہوتی رہتی ہیں خطاؤں پہ خطائیں مالک
دوئی میں یکدلی کا رنگ پیدا ہو نہیں سکتا
قسم کھا کر نوشتہ مجھکو دو یہ دل کا سودا ہے
یہ ارمان خانہ زادِ دل ہیں تم گر محرم دل ہو
زمین و آسماں کا فرق ہے ادنیٰ و اعلیٰ میں
رہی کچھ دن یونہی گر اپنی اپنی فکر یاروں کو
شب غم ہوگی روئے شاہدِ مقصد سے نورانی
بیخودی سے اِنتشارِ دل بدلجاتا تو میں
شاہد آزاری تھی آئینِ محبت کے خلاف

تم سے پہلے اگر آجائے اجل کیا ہوگا
شکر میرا ترے احساں کا بدل کیا ہوگا
شناسا غیر کا تیرا شناسا ہو نہیں سکتا
زبانی کہنے سُننے پر بھروسا ہو نہیں سکتا
چھپاؤں کس طرح مالک سے پردا ہو نہیں سکتا
چمک سے ہمسر خورشید ذرہ ہو نہیں سکتا
تو کوئی تا قیامت پھر کسی کا ہو نہیں سکتا
قمر سے اِس اندھیرے میں اُجالا ہو نہیں سکتا
خزف کو لعل سے بہتر سمجھتے ہیں یہاں گاہک * حبیب اظہر دُرِ معنی کا سودا ہو نہیں سکتا +
گوہر مقصود ہر تارِ نفس میں کھینچتا
ورنہ بلبل گل کو بھی کنج قفس میں کھینچتا

جچے نہ آنکھ میں جو شے وہ دلپسند نہیں
بڑے شکوہ سے نکلے گا شوقِ دید ترا
بنائے ذرّہ کو خورشید چشم مہر تری
ہے جو صنعتِ صانع حبیب حسن پرست
کریگا طائرِ مضموں تو کہاں پرواز
حبیب صید ہے تیرا الم سے طائرِ فکر

ہر ایک طرح مقدم ہے انتخابِ نظر
چلینگے مردم دیدہ بھی ہمرکابِ نظر
خوشا نصیب جو ہوجائے فیضیابِ نظر
ترے نصیب میں زاہد نہیں ثوابِ نظر
ہے شاہبازِ خیال اپنا آسماں پرواز
مگر دکھاتے ہیں بازوئے خونچکاں پرواز

عدم سے جانیوالے درد کی منزل سے نکلے ہیں
چھٹے گا لختِ دل کیا اب خیالِ یار کا دامن
اگر ہے عشق کامل مر کے بن خاکِ درِ جاناں
نہ کیوں مژگانِ جاناں پر گماں ہو خونِ ناحق کا
ملی کچھ روز راحت ہمکو برسوں جھیل کر زحمت

رُکیں مژگاں پہ کیا گھبرا کے آنسو دل سے نکلے ہیں
یہی دو چار ٹکڑے تھے بڑی مشکل سے نکلے ہیں
طریقے منزلت کے سب اسی منزل سے نکلے ہیں
ہزاروں تیر ایسے سینۂ بسمل سے نکلے ہیں
بڑی کاہش میں قطرے شہد کے حنظل سے نکلے ہیں

چلے آتے ہیں وہ دیکھا بھی کچھ سلئے مُردم دیدہ
نہیں کہتا ہو کچھ کوئی کہے کیا کسنے کیا دیکھا
الٰہی کون آتا ہے کہ استقبال کو جس کے
مرے مضمون خذف ریزے نہیں ہیں جوہر کانی
ہمیں معلوم ہیں الفت کے کوچے خضر کیا جانے
نہ آئیگی کسیکو تا قیامت شوخیاں اُنکی
حبیب اُس درد کے پہلو کو اہلِ درد سمجھیں گے

دیگر

یہ رونا ہے محبت کا یہ آنسو دل سے نکلے ہیں
ہزاروں ہو کے بیخود دیار کی محفل سے نکلے ہیں
نظر آنکھوں سے نکلی اور ارمان دل سے نکلے ہیں
ولولہ نہیں گھر کر رہیگے یہ مقرر دل سے نکلے ہیں
یہ گلیاں دلکو آتی ہیں یہ رستے دلسے نکلے ہیں
نظر سے آنکھ کے پردو نہیں چھپکر دلسے نکلے ہیں
نہیں اشعار پر کالے ہمارے دلسے نکلے ہیں

غم فزا کیوں ہو نہ بادِ رفتگاں میرے لیئے
منزلوں روتا گیا ہے کارواں میرے لیئے
چارہ گر اچھا ہے دردِ بے نشاں میرے لیئے
گھر کا بھیدی چور ہے زخم نہاں میرے لیئے
ہر ورق دیوان کا ہے سرچشمۂ آبِ حیات
جمع ہیں اسبابِ عمر جاوداں میرے لیئے
سُرمہ کا و نالہ آبروئے کشیدہ سے ملا
میری خاطر ہیں یہ ناوک یہ کماں میرے لیئے
دیکھنا شوخی اُڑا کر کہتے ہیں وہ مشتِ خاک
اِس طرح تم ہو سکو گے بے نشاں میرے لیئے
خاک بر سر مادرِ گیتی رہے گی حشر تک
اشکِ خوں روئیگا برسوں آسماں میرے لیئے
لُطفِ فکر نکتہ سنجانِ فرنگ آیا حبیب
خوب لایا میرا ضامن ارمغاں میرے لیئے

حبیب - محمد حبیب الرحمٰن نام - ولد محمد نیاز حسین - حضرت شیخ مجددِ الفِ ثانی کی اولاد میں ہیں - اُردو فارسی دونوں زبانوں میں فکرِ سخن کرتے ہیں اور مرزا حسین علیخاں شاداں سے مستفید ہیں - حسن طبیعت کی بدولت اپنے استاد کے شاگرد رشید ہیں - تذکرۂ انتخاب یادگار کی ترتیب کیوقت انکی عمر چوبیس برس کی تھی اِس حساب سے اِس وقت ان کی عمر چھپن ستاون سال کی ہونی چاہیئے - یہ اُسکے اشعار ہیں *

وصل کی شب کہتے ہیں مجھسے کہ دیکھا تمنے کچھ
شمع کے آغوش میں پروانہ جل کر رہ گیا
جوشِ وحشت سے وصال اپنے مقدر میں نہیں
کہ وہ مہماں ہے اگر گھر میں تو ہم گھر میں نہیں

بے حجابانہ چلے آؤ عیادت کو مری	کہ شبِ غم کے سوا کوئی مرے گھر میں نہیں
ہوگئے کیا جورِ سب ختم آسماں کے اے حبیب	آج کیوں سر پہ مرے کوئی بلا آئی نہیں

حبیب

حبیب - منشی حبیب الرحمن - ابھی آپ رامپور میں تحصیلِ علوم میں مصروف ہیں - فنِ سخن میں آپ کو حضرت امیر اللہ صاحب تسلیم سے تلمذ ہے - ۲۲ - ۲۳ سال کی عمر ہے اور یہ آپکا کلام ہے

کہتے ہیں تیر لگا کر دلِ پُر خوں سے یہی	ہنسنے تو ایک بھی قطرہ نہ لہو کا دیکھا
کسکو چاہوں ہیں کلیجے سے لگاؤں کس کو	کہ ترے تیر کو بھی خوں کا پیاسا دیکھا
لطفِ دیدار کہاں پردۂ بیہوشی ہیں	تم نے دیکھا بھی تو کیا حضرتِ موسیٰ دیکھا

حجام

حجام - عنایۃ اللہ عرف کلو - اصل وطن تو سہارنپور تھا مگر ساری عمر دلی میں ہی رہے - اور ہمیشہ موتراشی سے بسرِ اوقات کرتے رہے - شعر و سخن کا شوق تھا - اور اس فن میں میر رفیع السودا کے شاگرد تھے - مولانا فخر الدین سے ارادتِ باطن رکھتے تھے - مصحفی کا قول ہے کہ اچھا شعر کہتا تھا تو اُسکے خیالات بال سے زیادہ باریک ہوتے تھے اور تمام دلی کے شعراء اُسے پسند کرتے تھے اکثر اُسکے اشعار پر شاباش ہوا کرتی تھی - مقطع میں وہ اپنے پیشے کا فخر بطور ظرافت اِس طرح بیان کرتا تھا کہ سامعین کو فریفتگی پیدا ہوتی تھی - خاص و عام اُس کو پسند کرتے تھے - مولانا فخر الدین کی ڈاڑھی میں شگل اور جبہ کو خضاب لگاتا تھا - مولانا نے جو اُس کے پیرو مرشد تھے اُسکو دستار اور پوشاک دی تھی وہی پہنتا تھا - اِس واسطے اُسکے ہم محلہ اُسکو شاہجی کہتے تھے " بہر حال تمام پُرانے تذکرہ نویسوں نے شیخ عنایت اللہ کی تعریف لکھی ہے اور حقیقت میں اپنے کلام کی حیثیت سے وہ اسی قابل تھے - بقول مسٹر ایف فیلن صاحب سنہ ۹۳ لو میں اُنکی عمر پینتیس ۳۵ برس کی تھی اور اُنکے تذکرے کی ترتیب سے بہت پہلے اُن کا انتقال ہو چکا تھا - یہ اشعار کا انتخاب ہے +

روز رُخسار سے کے لیتا ہوں مرے خوبوں کے	بہتر اس شغل سے حجام ہنر کیا ہوگا
جینا نظر اپنا تو ستمگر نہیں آتا	بے وصل ترے سو یہ میسر نہیں آتا

آجکل کے خوبرو دیکھے تو ہیں یہ سکھ سچے	ان تلک حجام ہی پہنچے نہ یہ حجام تک
خط آئینے بھی اپنی رسائی نہیں ہے واں	حجام کس طرح سے ملیں کیا ہنر کریں
دیکھ عاشق کی ترے رسوائیاں	عشق کی لوگوں نے قسمیں کھائیاں
رقیبوں پر میاں پڑتا ہی تب سو سو گھڑے پانی	بلا حجام کو جس روز تم حمام کرتے ہو
ہے جی میں کہ اک روز میں ان آنکھوں سے پوچھوں	بچتے نہیں کس واسطے بیمار تمھارے
اس کا وش مژگان کا گلہ مجھ سے عبث ہے	یہ آنکھوں پہ بوسے ہوئے ہیں خار تمھارے
اس شوخ کے کوچے میں نجایا کرو حجام	چھن جائینگے اک روز یہ اوزار تمھارے
آنکھوں کو اس کی شاعر جبدم غزال باندھے	پھر ایسے وحشیوں کو کسکی مجال باندھے
کل میاں حجام سب کا مونڈتے پھرتے تھے سر	آج اس کوچے میں انکی بھی حجامت ہوگئی

حرق

حرق - میر حسن مرزا نام - میر اشرف علی مرحوم رئیس ڈھاکہ کے نواسہ اور میر علی آشنا وغلام حیدر مجیب کے شاگرد تھے - سنہ ۱۲۵۸ھ میں نساخ کے "سخن شعرا" کی ترتیب کیوقت جوان تھے - یہ انکے اشعار کا انتخاب ہے ؞

بخدا ترک آرزو کے سوا	دل میں گر کوئی آرزو بھی ہو
تمھیں صورت کا غرہ ہے تو یاں دلکی محبت ہے	تمھارا حسن مہنگا ہے تو کسکی جان سستی ہے
ایک بندے کی بھی جاں بخشی نہ کی	لے بتو تم سے خدائی ہوچکی

حرمان

حرمان - محمد میاں برادر کلاں علی محمد خان فرحت مراد آبادی - اس سے زیادہ حالات آپکے معلوم نہیں ہوئے - نمونۂ کلام میں تین شعر درج ذیل ہیں ؞

داغ فرقت دلپہ میرے یار جانی دے گیا	حیف وہ دلسوز اپنی یہ نشانی دیگیا
دیکھ میری الفتوں کو دوست دشمن یہ کہیں	نام الفت کا ش یارب اس جہاں سے دور ہو
لے عزیزو حال پر اسکے ہے ہر دم جائے رحم	جو جدا یاروں سے ہو اور دور ہو دلدار سے

حریف

حریف - جناب سید محمد عبد اللہ صاحب حسینی چشتی وکیل درجۂ دوم تلمیذ حضرت داغ

دہلوی۔ زیادہ حالات معلوم نہیں۔ نمونۂ کلام درج ذیل ہے۔

فزوں سمجھتے ہیں فردوس کی بہار سے ہم	کہیں بچائینگے زنہار کوئے یار سے ہم
خطا نہیں ہے اگر کچھ قصور ہو جائے	بغل میں تم ہو تو باہر ہیں اختیار سے ہم
بہار آتے ہی لُطفِ خلش گیا گزرا	مزے خزاں ہی میں لیتے تھے نوکِ خار سے ہم
آئی ہے ابکے مثال نئے رنگ سے بہار	ہے شوقِ میکشی دلِ پرہیزگار میں

حزیںؔ۔ میر محمد باقر صاحب دہلوی۔ محمد شاہی عہد کے شاعر۔ میرزا جانجاناں مظہرؔ کے مرید اور شاگرد تھے۔ چنانچہ اُنکے دیوان میں جہاں کہیں اُستاد کا ذکر آتا ہے اُس سے کمال اخلاص وعقیدت کا پتہ لگتا ہے۔ لطفؔ اور شوقؔ کے تذکروں میں اِن کا بہت سا کلام نظر سے گزرا۔ طبیعت معنی یاب اور فکر رنگیں رکھتے تھے۔ مصائب روزگار سے تنگ آکر بربنائے افسردہ خاطری ترک وطن کرکے عظیم آباد جارہے تھے۔ ایک دیوان معہ قصاید یادگار موجود ہے جس میں سے چند غزلوں کے منتخب شعر ذیل میں درج کیے جاتے ہیں +

خوب سوجھا ہے مزا عشق میں رسوائی کا	معتقد دل سے ہوں اِس دلکی میں دانائی کا
دلبروں میں سے لیا ڈھونڈ سجن تجھسے کوں	میں دوانا ہوں اِن آنکھونکی شناسائی کا
جس طرح جی چاہتا ہے ہو نہیں سکتی حزیں	حضرتِ استاد یعنی شاہِ مظہرؒ کی ثنا
شیریں نے دی تھی دلیں کچھ اک کوہکن کو جا	اُسنے بھی جی کو دیکے حق اُس کا ادا کیا
نالاں نہیں ہے جور و جفا سے تری حزیں	جو تونے اُسکے حق میں کیا سو بجا کیا
اے حزیں شکر کہ ہے مصحفِ ارباب جنوں	فیض سے حضرتِ استاد کے دیوان میرا
یہ کہہ کے باغ سے رخصت ہوئی بلبل کہ یا قسمت	لکھا تھا یوں کہ فصلِ گل میں چھوٹے آشیاں اپنا
جو ہیں آنکھوں کے مخمور اُنکو میخانے سے کیا نسبت	نگہ کے ہیں جو تشنہ اُنکو پیمانے سے کیا نسبت
یہ آہو رام تھے مجنوں کے سب لیلیٰ کی خاطر سے	وگرنہ اِن پریزادوں کو دیوانے سے کیا نسبت
خبر لے یا نہ لے صیاد اُنکو دام میں مرنا	گرفتاروں کو تیرے آب اور دانے سے کیا نسبت

ہُوا ہے تو حزیں دیوانہ اِن شہری غزالوں کا
تجھے صحرا سے اب کیا کام ویرانے سے کیا نسبت

ہم کمر یار کی سُنتے ہی رہے ہیں لیکن
ہرگز اس بات کا ہم پر نہیں ہوتا اثبات

حزیں اِن شعلہ رُخساروں سے مت جی کو لگا ہرگز
ہوئی آخر کو پروانے کے جلنے کی لگن باعث

اُسیر نہیں ہوا ہے یہ دل مُبتلا عبث
ناصح تلک اُسکو دیکھ تب مجھے مت ستا عبث

وہ نگاہ مست ہے اِس چشم گریاں کا علاج
مے سے ہوتا ہے خمار مے پرستاں کا علاج

دیکھنے میں اُسکے کب آتی ہیں ایسی صورتیں
دیکھ کر تجکو نہ ہو آئینہ حیراں کس طرح

نہیں رہنے کے خوباں تجھ سے آخر آشنا ہرگز
اِنھوں پر بھولکر اے دل نہو مجھسے جُدا ہرگز

نہو لے باغباں بلبل کو مانع گُل کے ملنے سے
نہیں رہنے کی گلشن میں بہار آخر سدا ہرگز

سزا پائی نا آخر چاہنے کی ہم نہ کہتے تھے
کہ ان خوباں سے اے دل جی کو اپنے مت لگا ہرگز

خوبرو شاید مزا پاتے ہیں اپنے جور سے
اسقدر جو انکو ہوتی ہے ستانے کی ہوس

بیخبر ہوتے ہیں جو کہ عشق کی لذت سیتی
وہ نہیں رکھتے مزے سے زندگی کے اطلاع

کیونکہ مجکو ہو تسلی جان اوعدے سے ترے
خوب رکھتا ہے مرا دل دل سے تیرے اطلاع

بجھ گیا تھا مرگ سے مجنوں کے اُلفت کا چراغ
داغ نے میرے کیا روشن محبت کا چراغ

خجل رکھتی ہے ہمکو ناتوانی جور کے منہ سے
یہ تھوڑا سا لہو اُس تیر مژگاں کے نہیں لائق

دل دیکر اپنا کیوں عبث افسوس اب کھاتا ہے دل
جانا رہا جب ہاتھ سے پھر ہاتھ کب آتا ہے دل

آتے ہی نو بہار دھڑکتا ہے جی کہ ہائے
پھر شور و شر کرے گا یہ خانہ خراب دل

غم نے لیا ہے گھیر مجھے یاں تلک کہ اب
دیتا ہے ساتھ دینے سے مجکو جواب دل

ملنے کے دن جو اشک نکلتے ہیں کچھ نہ پوچھ
نکلے ہے دیکھنے کو ترے ہو کے آب دل

غم نے لیا ہے گھیر مجھے یاں تلک کہ اب
دیتا ہے ساتھ دینے سے مجکو جواب دل

ہاتھ اُس کا ایسکہ نازک ہے نہیں لاتا ہے تاب
توڑتے ہیں گل کے جاتا ہے لچک جوں شاخِ گل

فصلِ گل آخر ہوئی کیا دیکھ ہونگے شاد ہم
کچھ کرا ے صیاد اب ہونگے نہیں آزاد ہم

زندگانی تلخ ہوجاتی ہے ہم پر کیا کریں
کیوں نہ ہووے شاد ہم سے حضرتِ مجنوں کی روح
کچھ نہ آخر چل سکا بس ان زبردستوں سیتی
اُس بے وفا کے عشق سے کچھ مجکو جس نہیں
ویراں ہوا خزاں سے چمن یاں تلک کہ اب
کچھ کہا شاید اُس نے قاصد سے
ان بتوں کے دیکھنے کا جو کوئی مائل نہیں
لطف سے سرسبز کر اپنی محبت کا چمن
قرض لیویگی صبا تیرے شہیدوں سے لہو
لوگ کہتے ہیں ہمیں اس دل کے سمجھانے تئیں
بے طرح کرتا ہے دست اندازیاں زلفوں سے یہ
نام سے اوروں کا اُس سے حال دل کا جا کہوں
حساب ہم سے وفا کا ہمیشہ لیتے ہو
بے طرح دیوانگی پر عشق میں آیا ہے دل
بے طرح ہم مبتلا پاتے ہیں خوباں کا اسے
کچھ محبت میں نہیں عاشق بچاروں کا گناہ
میں چاہتا ہوں عشق چھپاؤں پہ کیا کروں
دامِ اُلفت کی رہائی خوش نہیں آتی مجھے
روزِ باراں کیوں نہ لے زاہد کہوں سے کو حلال
راحت نہ دیکھے ہاتھ میں پاؤں گا ایک دم
وفا میری اگر جور و جفا تجکو نہ سکھلاتی

حسرتوں کو اپنی جب کرتے ہیں جی میں یاد ہم
عشق کے صحرا کو رکھتے ہیں حزیں آباد ہم
لیگئے یہ دل کو اور کرتے رہے فریاد ہم
پاؤں تلک بھی ہائے مجھے دسترس نہیں
چاہیں کہ جل مریں تو کہیں خار و خس نہیں
دل پہ میرے سے وہ اضطراب نہیں
زندگانی سے اُسے واللہ کچھ حاصل نہیں
خشک رہتا ہے وفا بن جان! اُلفت کا چمن
تب کرے گی حشر میں رنگیں قیامت کا چمن
کیونکہ سمجھاویں کہو ہم ایسے دیوانے کے تئیں
اس طرح کیوں سر چڑھاتا ہی سجن شانے کے تئیں
اس طرح شاید سُنے وہ میرے افسانے کے تئیں
اور اپنے جور و تعدی کا کچھ شمار نہیں
دیکھیے اب زندگی کا کیا مری اسلوب ہو
دیکھیے اب اس دوانے دل کی کیا تدبیر ہو
ونکی گردن پر پڑے سب ان دکھے ماروں کا گناہ
رسوا کرے ہے خلق میں یہ چشمِ تر مجھے
ایک دم اُس سے جدائی خوش نہیں آتی مجھے
اسقدر بھی پارسائی خوش نہیں آتی مجھے
جب تلک کہ میرے ساتھ یہ خانہ خراب ہے
تو کیا آرام سے یہ زندگانی ہائے کٹ جاتی

مجھے کہتا ہے تیرا دل کہاں ہے؟	قیامت شوخ میرا بدگماں ہے
آئینہ خوباں کے مُنہ پر خودستائی کیا کرے	جب ضیا عارض کی دیکھے خودنمائی کیا کرے
بے طرح دل پر گراں آنے لگے ہیں جور و ظلم	دیکھئے مجھ سے تری یہ بیوفائی کیا کرے

حزیں۔ فخرالمتاخرین شیخ علی حزیں اصفہانی فارسی کے اُن اُساتذہ میں سے تھے جن کو مرزا غالب جیسے نازک خیال بھی مانتے تھے۔ ناظرین کو حیرت ہوگی کہ ان بزرگ کا تذکرہ اُردو شعرا میں کیسا۔ مگر نہیں گزشتہ زمانے میں اہل فن و کمال کسی زاوی میں بند نہ رہتے تھے۔ اور ہر قسم کا مذاق رکھتے تھے۔ آپکی ولادت اصفہان کے ایک صاحب ثروت وجاہ خاندان میں ۱۱۰۳ھ میں ہوئی آپنے آپنے والد کی وفات کے بعد زرخطیر جو بزرگوں کا اندوختہ تھا لہو و لعب میں ناعاقبت اندیشی سے برباد کر دیا۔ ذاکر شعرا اور نامی مرثیہ گویوں کو دُور دُور سے بلا کر ملازم رکھا اور ہر فن میں اُن سے استفادہ کیا۔ چونکہ خود جوہر قابل تھے کچھ عرصہ میں ملکہ راسخہ ہر فن میں حاصل کر لیا۔ جب تمام سرمایہ ختم ہوگیا تو فکر معاش سے تنگ آکر وطن کو خیرباد کہہ کر ہندوستان کا رخ کیا۔ ایران اور افغانستان کے مختلف مقامات کی سیر کرتے ہوئے اول سندھ آئے پھر وہاں سے ملتان اور لاہور کے راستے سے دہلی وارد ہوئے۔ نادرشاہ اُنھیں ایام میں دارالخلافہ کو لُوٹ کر گیا تھا۔ عام بدنظمی اور بے اطمینانی کیوجہ سے اُنکی لیاقت اور قدر و منزلت کے مطابق اُنکی مدارات نہ ہوئی قومیت کیوجہ سے لوگ بدظن رہے تاہم اتنا ہوا کہ نواب عمدۃ الملک امیر خان نے بادشاہ کے حضور میں پیش کر کے کچھ جاگیر ولادی یہ واقعہ ۱۱۵۴ھ کا ہے۔ دلی میں ۱۰ سال قیام کے بعد آصف الدولہ کے وقت میں بنارس چلے گئے اور بقیہ عمر عیش و عشرت و کمال فارغ البالی سے بسر کی مشہور ہے کہ دو جن اُنکے تابع فرمان تھے اور جملہ ضروریات مہیا کر دیتے تھے۔ مزاج میں نفاست اور دماغ میں بوئے امارت حد درجے کی تھی۔ علم موسیقی کے بڑے قدردان تھے۔ شاعری میں اپنے وقت کے صائب سمجھے جاتے تھے مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی میں درجۂ کمال حاصل تھا سودا اور

خان آرزو وغیرہ اِنکے ہمعصر تھے۔ سودا سے جب ملاقات ہوئی اور شیخ نے مرزا سے شعر پڑھنے کی فرمایش کی اُس وقت مرزا نے اپنا یہ شعر سنایا تھا۔ ؎

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں	تڑپے ہے مُرغ قبلہ نُما آشیانے میں

یہ شعر سُن کر شیخ نے بہت تعریف کی تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ فقرہ کہا تھا "در پوچ گویانِ ہند ہم ہستی"۔ شیخ نہایت بذلہ سنج اور ظریف تھے۔ اکثر ایک چھوٹی سی پلنگڑی پر بیٹھے رہتے تھے۔ اتفاق سے ایک مرتبہ کوئی معمّر سفید ریش شخص اِنکے پاس آیا۔ شیخ نے بزرگ صورت دیکھکر اپنے پاؤں جو پلنگڑی پر پھیلے ہوئے تھے سمیٹ لیے اور اُن بزرگ سے نام پوچھا۔ وہ بیچارے اُمّی محض قوم کے جُلاہے تھے اپنے عامیانہ اور اُمیانہ لہجے میں بولے "اِمّی سَفُ دُیوسُف" شیخ اِس لہجے میں نام سُنکر مسکرائے اور پاؤں پھیلاتے ہوئے یہ کہا "اگر تو اِیٔ سَفُ ہستی من پائے خود چرا کشیدم" شیخ کی تصانیف سے ایک ضخیم کلیات موجود ہے جس میں کئی دیوان اور مثنویاں وغیرہ مع اپنی سوانح عمری کے درج ہیں۔ ایک اِن کا لکھا ہوا فارسی تذکرہ انگریزی میں بھی ترجمہ ہوا ہے ۱۱۶۶ھ میں انتقال کیا اور اپنے بنائے ہوئے حجرے محلّہ فاطمان میں دفن ہوئے جو آجتک زیارت گاہِ انام ہے۔ چند اشعار ریختہ درج کیے جاتے ہیں ناظرین انکی زبان کا خیال نکریں کیونکہ وہ زمانہ نہ تھا یہ دیکھئے کہ خیالات کس قسم کے ہیں۔ وھو ہذا +

آوے نہ رشک کیونکہ مجھے برگ پان ستی		لیتا ہے کیا مزے وہ سجن کی زبان ستی
یوں آپڑے قفس میں نہ پہنچے گلوں تلک		نکلے تھے کس اُمید پہ ہم آشیاں ستی
جیتا ہوں کو عشق کی کیونکر کروں میں ضبط		ہوتا نہیں ہے صبر دلِ ناتواں ستی
ہم جانتے ہیں عشق کے درد و الم کی قید	دیگر	رہتے ہیں شاد اپنے ہم آہ و فغاں ستی
شب فرقت میں سچ ہے نیند عاشق کی اچٹتی ہے		غضب کی رات ہوتی ہے بڑی مشکل سے کٹتی ہے
ہمارا حال سُنکر اور بھی غصہ میں وہ آئے		بنی باتیں بگڑ جاتی جب قسمت اُلٹتی ہے

لہو روتا ہوں پہروں تیغ ابرو کے تصوّر میں
نئی صورت سے اپنی آجکل اوقات کٹتی ہے

دکھاوے مجمع خوباں میں دلکو کیا کوئی عاشق
یہ وہ بازار ہے قیمت جہاں ہر شئے کی گھٹتی ہے

فقیرانہ صدا اسنکر مری درباں سے کہتے ہیں
یہ کیوں آتا ہے در پر کچھ یہاں خیرات بٹتی ہے

خدا کاٹے یہ دن فرقت کا ہے روز قیامت ہے
میں کب سے دیکھتا ہوں رات بڑھتی ہے نہ گھٹتی ہے

زمیں کو نقش پائے یار سے رتبہ ملا ایسا
تبرک کی طرح اب خاک اس کوچہ کی بٹتی ہے

حزیں جب میں صفائی کو گیا اُن پاس یوں بولے
نہیں ملتے ہیں ہم برسوں طبیعت جس سے ہٹتی ہے

حزیں دہلوی۔ میر بہادر علی حزیں خلف میر نجف علی نبیرۂ مستقیم الدولہ میر علی بخش خان خوشنویس شاہی۔ ملازم سرکار میرزا فخرو ولیعہد شاگرد نواب زین العابدین خان عارف۔ عالی خاندان اور عمائد شہر سے تھے۔ وادیٔ شاعری کے عمدہ شہسوار تھے۔ زبان میں روانی بیان میں سلاست فکر میں رسائی اور بندش میں چستی جیسی ہوتی چاہیئے موجود ہے۔ غدر کے بعد ۱۲۸۵ھ میں انتقال کیا۔ یہ اُنکے کلام کا انتخاب ہے *

میرا احوال زبوں اُن پہ کھلے گا کیونکر
سامنے آئینگے جب وہ تو سنبھل جاؤں گا

سے یہی رونا تو خط کا ہے کو لکھا جائے گا
جو کہ لکھتے جائینگے اشکوں سے مٹتا جائیگا

اک تماشا جان کر قاتل اگر ٹھیرا رہا
ہم بھی تڑپے جائینگے جتنا کہ تڑپا جائیگا

نہ مرے ہجر میں تیرے تو مرینگے کس دن
سخت جاں دہر میں ہمسا کوئی کمتر ہوگا

سب ناز ہے ہیں بے بیجا و بجا اُن کے
بنتی نہ حزیں اُن سے گر ہیں بھی جدا ہوتا

جل جل کے آخرش تپش غم کے ہاتھ سے
اک داغ رہگیا مرے پہلو میں جائے دل

دنیا کی حسرتیں ترے گوشہ میں آگئیں۔
اللہ رے وسعتیں تری لے تنگنائے دل

سبو منہ سے لگا ئینگے اب اتنا صبر ہے کسکو
کہ بھر بیٹے خم سے مے شیشے میں اور شیشے سے ساغر میں

شعلہ و بسمل و سیماب کو ہم دیکھ چکے
تیرے دل سا تو حزیں ایک بھی بیتاب نہیں

رنج پہنچے جو حزیں اُن سے تو راحت سمجھو
ہے غنیمت کہ تمھیں یاد تو کر لیتے ہیں

یوں کہیے رخنہ ڈالیئے اُنکے حجاب میں — آ پچھے بُرے کا حال کُھلے کیا نقاب میں

حزیں کس سے توقع ہو وفا کی — نہو اُمید جب اپنی ہی جان کی

اے سوزِ عشق روز نیا داغ ہا بکے — اِس سے تو آگ تن میں لگا ایکبار وے

بیخودی کھو کے لیئے سر پہ ہزاروں جھگڑے — توبہ مئے سے ہوئے ہم تو پشیماں اُلٹے

مرتے مرتے جو اُنھیں دیکھ لیا ایک نظر — پھر جو دیکھا تو نہ دل میں کوئی حسرت پائی

اثر جو آہ میں پایا تو ہو گئی تسکیں — وہ بیقرار ہوئے آگیا قرار مجھے

بلا سے گر نگاہوں میں ہیں سبکے — سُبک ہو کر تو ہم اُٹھے جہاں سے

دلِ گم گشتہ ہاں وقتِ مدد ہے — خجل کرنا نہ چشمِ خوں چکاں سے

حزیں حزیں۔ صاحب عالم میرزا خجستہ بخت بہادر دہلوی ۱۲۴۸ھ میں موجود تھے۔ نہایت نرم دل شیریں گفتار اور ستودہ اطوار شخص تھے۔ کبھی کبھی فکر سخن بھی کیا کرتے تھے۔ یہ اُن کے اشعار ہیں

کروں کیا وصف میں اُس شعلہ رو کے قد و قامت کا — بھبھوکا ہے دُھواں ہے اور ٹکڑا ہے قیامت کا

چُھپا مکھڑے کو میری شوق کی آتش کو بھڑکایا — کروں میں کیا بیاں اُس شوخ کی اپنی شرارت کا

ہر اک بال اُسکی زلفوں کا ترا دشمن ہوا ہے اب — مزا ہو سلے دلِ محزوں مزا ہے یہ محبت کا

حزیں کو قتل کر تو شوق سے قاتل یہ راضی ہے — نہ لے پر اپنے منہ سے ہر گھڑی تو نام رخصت کا

حزیں حزیں لکھنوی۔ نواب محمد علیخاں بہادر حزیں ابن آغا زین العابدین خان رئیس لکھنؤ شاگرد آتش مرحوم * یہ چند شعر حاضر ہیں۔

کوئی اُس بُت کی خبر لاتا نہیں — سلے خدا دم بھی نکل جاتا نہیں

کسقدر دلچسپ ہے ملکِ عدم — جو وہاں جاتا ہے پھر آتا نہیں

پھر لبوں پر آرہی ہے جانِ زار — جذبۂ دل پھر اُنھیں لاتا نہیں

اُف رے ضعف و صدمۂ دردِ جگر — طائرِ جاں سے اُڑا جاتا نہیں

حزیں حزیں۔ میر علی حسین لکھنوی۔ صرف اتنا حال معلوم ہے کہ آتش کے شاگرد تھے اور ۱۲۸۴ھ

میں لکھنؤ میں زندہ و سلامت موجود تھے۔ اُس زمانے کی مطروحہ غزلوں کا انتخاب درج ذیل ہے

جوبن ڈھلا غرور وہ اے مہرباں گیا
خود ملتجی ہوئے تو مرا امتحان گیا۔

گردش میں جائے امن نہ ممکن ہوئی مجھے
سر پہ یہ آسمان رہا میں جہاں گیا

پہنچا با کھینچ کھانچ کے یاروں سے گور تک
منزل پہ کس عذاب سے میں ناتواں گیا

آتش مرے تو بولے گل اندام اے حزیںؔ
اب بوستاں سے بلبلِ ہندوستاں گیا

یہ بوالہوس کا کام ہے سونا فراق میں
جھپکے نہ آنکھ اور دلِ پُرغم تمام شب

منزلِ گور کا کچھ دھیان نہ تھا اے منعم
آکے دنیا میں مکاں تو نے جو بنوائے بہت

ملتا ہے روز اُس پہ بھی کہتا ہے آدمی
کل کا بھی رزق دے مجھے پروردگار آج

دستِ وحشت سے جو اُلجھا دامنِ صحرا کوئی
دھجیاں اُڑ جائینگی میرے گریباں کیطرح

رخِ مہتاب نہ ہے مہر کی تنویر پسند
دل کے آئینے کو ہے یار کی تصویر پسند

اللہ رے لاغری کہ میں بیٹھا ہوں سامنے
مقتل میں ہو رہی ہے گنہگار کی تلاش

دل کو ہمارے ظلم اُٹھانے کا ہے مزہ
رہتی ہے اک نہ ایک ستمگار کی تلاش

حزین

حزیںؔ۔ صاحبزادہ غلام محی الدین خان حزیںؔ خلف نواب احمد یار خان امیرؔ۔ نواب رامپور کے عزیزوں میں تھے۔ حضرت امیر مینائی لکھنوی نے تذکرۂ انتخاب یادگار میں جو ان کا حال و کلام لکھا ہے وہ درج کیا جاتا ہے۔ شاعر خوش مذاق ہیں مضامین عاشقانہ پیدا کرنے میں طاق ہیں۔ چونسٹھ برس کی عمر ہے۔ اخوندزادے احمد خان مرحوم غفلت کے شاگرد نامور۔ کلام انکا مقبولِ اہلِ ہنر۔ یہ چند شعر انکے درج تذکرہ ہوتے ہیں۔ جب کہ ۱۲۹ سنہ ہجری میں انکی عمر ۶۵ برس کی تھی تو اس وقت اِنکی زندگی کی کیا اُمید کی جا سکتی ہے۔ تحقیق کرنے پر بھی کوئی حال معلوم نہیں ہوا۔ یہ اُن کا کلام ہے ؎

دیا جو یار نے بوسہ تو اشتیاق بڑھا
دوا سے اور بھی بیمار دردمند ہوا

ایک عالم کو میسر ہے شب روزِ وصال
میرا جس دن سے شب ہجر نے گھر دیکھ لیا

شبنم کے اشک دیکھ کے رقت ہوئی ہیں	چٹکا جو کوئی غنچہ کہا ہم نے ہائے دل
بہار آئی چمن میں نہ آپ آئے یہاں	پھرا زمانہ۔نہ لیکن پھرے ہمارے دن
گنگ بہتر ہے زباں اس نالۂ شبگیر سے	ناک میں دم آگیا ہے آہ بے تاثیر سے

حزین

حزین۔ مولوی صفدر علی بیگ صاحب حزین باشندۂ الور شاگرد میرزا قادر بخش صاحب گورگانی۔ آپ ریاست الور میں مہاراجہ شیودان سنگھ کے وقت میں مدرس فارسی تھے شعر گوئی کا بھی شوق تھا۔ یہ آپ کا کلام ہے ؎

کہا جو میں نے کہ تم شمع بزم خوبی ہو	تو میرے حال پہ شب بھر وہ اشکبار رہے
نہ دی ادب نے ہمیں رخصت پیام وصال	ہزار بار گئے وہ ہزار بار رہے
گلہ کی جائے نہیں اپنی اپنی قسمت ہے	کہ ہم تو رنج رہے اور عدو سے پیار رہے
حزیں خاک سر کو ہکن سے اسکو بنائیں	شکستہ اپنا چراغ سر مزار رہے

گئی نقد بوسے کے بدلے میں جان	ہوس فائدے کی ضرر ہو گئی
خراماں ہوئے تم جدھر ناز سے	قیامت بپا اک ادھر ہو گئی
ہوا دل سا مونس جو غم میں حزیں	شکستہ ہماری کمر ہو گئی

حزین

حزین۔ شیخ علی حزیں لکھنوی۔ شاگرد جناب اسیر لکھنوی۔ آپکے اِس مشہور و معروف نام سے نامزد ہونے کی جو وجہ آپ ہی کی نگارش سے معلوم ہوئی وہ یہ ہے کہ آپ کی ولدیت سے پیشتر بعض وجوہ سے آپکے والدین چند سال کے لیئے بنارس میں رہنے پر مجبور ہوئے شیخ علی حزیں اصفہانی کا مزار بھی وہیں فاطمان بنارس میں واقع ہے۔ جب آپکی والدہ حاملہ ہوئیں تو عالم رویا میں کسی بزرگ نے انھیں ہدایت فرمائی کہ جو بچہ تیرے شکم میں ہے اسکا وہی نام رکھیو جو فاطمان میں دفن ہے۔ چنانچہ بعد پیدائیش آپ کا وہی نام رکھا گیا آپکے والد مرحوم و مغفور کا نام دراصل شیخ حیدر تھا۔ لیکن نواب روشن آرا بیگم نے جو خاندان شاہی سے تھیں بوجہ اپنا دادھ بھائی ہونے کے آپکے والد صاحب کو بجائے شیخ کے نواب کے خطاب

سے متفخر کیا تھا۔ آپکے بزرگوں نے دلی سے نکل کر فیض آباد میں سکونت اختیار کی اور اٹھارہ سال وہاں رہکر پھر لکھنؤ چلے گئے۔ اُس وقت سے تا حال وہیں بود و باش ہے۔ آپکی علم عربی کی تحصیل سدرہ تک ہے۔ جب آپ فیض آباد میں تھے تو پندرہ سال کی عمر تک آپنے میزان اور فصولِ اکبری جناب مولنا قاری سیدی امیر علیخاں صاحب اور مولنا حکیم محمد مرزا صاحب سے پڑھیں اسکے بعد جب لکھنؤ پہنچے تو علم نحو عربی کتب درسی شرح جامی تک جناب مرحمت الدولہ سید غضنفر علیخاں صاحب حکیم سے پڑھیں۔ اور فارسی حضرت تدبیر الدولہ مدبر الملک سید مظفر علیخاں صاحب اسیر سے پڑھی۔ اور فنِ شعر بھی اُنھیں سے حاصل کیا۔ اُستاد موصوف کی خدمت میں آپ ۳۵ سال تک رہے بلکہ تا زیست جُدا نہ ہوئے۔ منجملہ کلام ایک دیوان غزلوں کا اور ایک سلاموں کا مرتب ہے جو ابھی تک طبع نہیں ہوئے ہیں۔ سفر بھی آپنے ہندوستان کے اضلاع مشرقی و مغربی میں بہت کچھ کیا ہے۔ ملک کے عجائبات اچھی طرح دیکھے بھالے ہیں۔ اِس وقت آپکی عمر تقریبًا ساٹھ سال کی ہے شعر گوئی میں اچھی مہارت حاصل ہے کلام میں میں متانت اور صفائی دونوں چیزیں موجود ہیں۔ جو دو تین غزلیں ہمیں شفیقی مسٹر حامد علیخاں بیرسٹر کی معرفت ملیں اُن کا انتخاب درج ذیل کیا جاتا ہے ؂

تمھارے بام پہ چڑھ جاتے ناتوانی میں	ہماری آہ اگر ہوتی نردباں کی طرح
اُس تیغ سے بچے کوئی کیا قتل گاہ میں	رکھتے ہیں سب کو دیدۂ جوہر نگاہ میں
کیونکر نظر پڑے تنِ خاکی میں شکل روح	صورت سوار کی ہے نہاں گردِ راہ میں
آنکھوں سے دیکھو آئینے میں خطِ سبز کو	چھوڑو کبھی تو آہوؤں کو اِس گیاہ میں
رہیں پردے میں بھی نیچی نگاہیں	حیا کہتی ہے چشمِ سرگیں سے
نگاہِ یار سے بچنے کی راہ مشکل ہے	یہ تیغ وہ ہے کہ جس سے پناہ مشکل ہے
ہجوم غم ہے یہاں تک کہ آہ مشکل ہے	یہ بھیڑ چار طرف ہے کہ راہ مشکل ہے
حیا نے اُن کو بٹھایا ہے ایسے پردے میں	کہ دیکھنا ہمیں اب اک نگاہ مشکل ہے

یہ حال اب تو ہے شوخی و بد مزاجی کا
کہ چار دن بھی اب اُن سے نباہ مشکل ہے

نجائیگا مرے دل سے خیالِ خط اُن کا
کہ کہربا سے چھٹے رل کے کاہ مشکل ہے

یہی ہے نالۂ ناقوس کا جہاں میں شور
فروغِ اشہد ان لا الٰہ مشکل ہے

دکھاؤ غیر کو دنداں نہ تم مسی مل کر
اُسے تمیزِ سفید و سیاہ مشکل ہے

صراطِ حشر سے باریک تر ہے کوچۂ عشق
سمجھ سمجھ کے قدم رکھنا یہ راہ مشکل ہے

ملا سکے کوئی کیا آفتاب سے آنکھیں
تمھارے چہرے پہ ٹھیرے نگاہ مشکل ہے

کہاں اُمید کہ وہ خود مجھے سلام کریں
جھکے گدا سے سرِ بادشاہ مشکل ہے

سرِ مزار یہ مصرع ہو اے حزیں کندہ
کسی سے اُنس ہے آساں نباہ مشکل ہے

دیگر

نہیں معلوم یہ کیسی ہنسی تھی زخمِ بسمل کی
لہو ہر دیدۂ جوہر سے روئی تیغ قاتل کی

سفر میں راہ کٹ جاتی ہے آسانی سے مشکل کی
مسافر کو جو راحت یاد آجاتی ہے منزل کی

ترے در پہ چراغِ داغِ دل کسنے جلایا ہے
ہوئی ہے روشنی پروانہ اُس پر ماہِ کامل کی

خیالِ یار جانے پر جو ہو جاتا ہے آمادہ
پلٹ کر روک لیتی ہیں تمنائیں مری دل کی

زمیں پر فخر کیا ہے آسماں پر ہر جگہ پھیلی
ترے آنے سے رونق بڑھ گئی اسدرجہ محفل کی

سمجھتا ہے وہ رشکِ عیدگہ میدانِ مقتل کو
گلے جھک جھک کے جس سے ملتی ہو شمشیر قاتل کی

ہوا ہے نورِ خط سے حسنِ رخ شامِ جوانی میں
سحر ہونے نہ پائی ہو گئی گل شمع محفل کی

اُٹھے دنیا سے رفتہ رفتہ کیا کیا ہمنشیں میرے
پریشانی بڑھی گھٹنے سے جمعیت کے محفل کی

پھُنکے گا جس گھڑی ہو گی قیامت کیا قیامت پر
بھری ہے صور میں آواز میرے نالۂ دل کی

نظیر اُس کا نہیں ہے بعد احمد کے خدائی میں
کہ جسنے ہر بشر کی اے حزیں آسان مشکل کی

دیگر

مری زباں سے بھی پھول جھڑتے ہیں شمع محفل بھی گلفشاں ہے
روش روش پر جو پھول ہنستے ہیں اُنہیں کیا شاخِ زعفراں ہے

تمام ذرّے بنے ہیں انجم جو جادہ ہے رشکِ کہکشاں ہے
زمیں پہ رکھا ہی پاؤں کسنے کہ سربلندی سے آسماں ہے

سگِ نعال اپنی جا ہو لیکن ذلیل بھی ہیں جلیل بھی ہیں
اُدھر سے دیکھو تو صدر سمجھو اِدھر سے دیکھو تو آستاں ہے

جو کیں تصور میں بند آنکھیں تو سیر ساتوں فلک کی دیکھی
ہے بزم کثرت کی ایک صورت نہیں ہے تجکو نگاہ وحدت
خزیں ہے تائید رب قادر کہ ہو نہیں شاہ نجف کا زائر

اگرچہ زانو پہ سر ہے لیکن نظر ہماری کہاں کہاں ہے
کہاں نہیں ہے وہ ماہ طلعت نپوچھ مجھسے کہ وہ کہاں ہے
ہوا یہ پیری میں مجکو ظاہر کہ بخت میرا ابھی جواں ہے

حسام۔ چودھری حسام الدین، ولد چودھری سعادت علی باشندۂ سلیم پور پرگنہ گوسائیں گنج توابع لکھنو۔ کرامت علیخاں **فسرخ** کے شاگرد اور صاحب دیوان فارسی وریختہ تھے ۱۲۷۵ھ سے قبل کربلا جاتے ہوئے راہی عالم بقا ہوئے یہ چند اشعار آنکے ہیں ؎

وہ لال لال ہیں عناب لب ترے اے گل
تبسّم آئینہ دیکھے تو مُنہ اسمیں نظر آئے
شب کو دریا میں جو عکس اُسکے کف پا کا پڑے

کہ جنکو دیکھ کے کٹتے ہوئے ہمارے دانت
صفار کھتا ہے وہ یہ غیرت مہتاب ناخن پر
ہوں حباب بحر جوں فانوس روشن آب میں

حسام۔ نواب حسام الدولہ حافظ الملک محمد تقی علیخان بہادر شمشیر جنگ مرحوم ملقب بہ نواب مہدی علیخان متخلص بہ حسّام شاگرد شیخ امان علی سحر۔ آپ حضرت محمد علیشاہ بادشاہ اودھ کے خویش اور حضرت واجد علیشاہ کے خاص مقرب و معتمد تھے۔ بعد انتزاع سلطنت جب واجد علیشاہ کلکتے جانے لگے تو محلات شاہی جواہر خانہ اور دیگر کارخانجات سلطانی کا آپ ہی کو منتظم کر گئے تھے۔ موزونی طبع سے کبھی کبھی شعر و سخن کی طرف بھی متوجہ ہو جاتے تھے۔ کلام یہ ہے۔

رات بھر تارے گئے چاند بھی عاشق ہو کر
عارضی حسن پر اتنا نہیں لازم ہے غرور
بیحجابی میں بھی پردہ ہی رہا عاشق سے
رنگ عذار یار کبھی ہے کبھی نہیں
دنیا دو رنگ ہے کبھی غم ہے کبھی خوشی
اتنا گھمنڈ ہو دولت حسن دو روزہ پہ
ہر دم نہ آزمایا کرو تیغ ناز کو

تم دکھاؤ جو تہ زلف پریشان عارض
ہوں اگر چاند سے اے ماہ دوچنداں عارض
رقص میں بھی نظر آئے تہ داماں عارض
دو دن کی ہے بہار کبھی ہے کبھی نہیں
اس باغ کی بہار کبھی ہے کبھی نہیں
کیا زر کا اعتبار کبھی ہے کبھی نہیں
محفل میں جان نثار کبھی ہے کبھی نہیں

شب کو ہمیشہ وصل ہے دن کو سدا فراق	پہلو میں اپنے یار کبھی ہے کبھی نہیں

حسام۔ خواجہ حسام الدین حسام لکھنوی کاتب اخبار دار السلطنت کلکتہ فضل احمد کیف اور سید محمد سجاد کے شاگرد ہیں۔ کلام اُن کا یہ ہے۔

اللہ رے اضطراب کہ کوسوں پتا نہیں	ہوش و حواس و صبر و شکیب و قرار کا
اے حسام اب آپکا وہ زہد و تقوی کیا ہوا	ایک کلکے میں وہ بُت بندہ بنا کر لے چلا
تم لاکھ چاہو دل سے بُھلا دو مجھے مگر	جاتا ہے میرے دل سے تمہارا خیال کب
تُو بھی کسی معشوق کی صحبت میں رہا ہے	اے چرخ جو یہ ظلم کی عادت نہیں جاتی
بعد مُردن بھی نہ کی ترکِ رفاقت میری	میری تربت سے لگی بیٹھی ہے حسرت میری

حسام۔ منشی حسام الدین باشندۂ کاکوری۔ صرف یہ معلوم ہوا ہے کہ جناب امیر مینائی سے تلمذ تھا۔ یہ چند شعر اُنکے ہیں ✤

کچھ کچھ تو کمی درد جگر میں ہے دم نزع	آتا ہے نظر دستِ شفا دستِ قضا میں

کسی شمع تجلّی کے اثر سے	لگی ہے آگ اِک دل تنگ جگر سے
مرے دلکو سیئے جاتا ہے کوئی	بچا لے درد ہی اُٹھ کر جگر سے
الٰہی خیر ہو یہ درد کم بخت	بڑھا اب دلکی جانب بھی جگر سے
دم آخر حسام اُن کا یہ کہنا	کہو پلٹو گے کبتک اِس سفر سے

حسامی۔ مرزا حسام الدین حیدر دہلوی خلفِ مرزا خانی۔ اُنکے بزرگ کسی زمانے میں صاحبِ اقتدار تھے مگر یہ خود گردش زمانہ کے باعث بے علم رہے۔ بچپن سے فکر معیشت نے سر اُٹھانے نہ دیا۔ داستان گوئی اور چلاکاری کو وسیلۂ معاش ٹھیرایا تھا۔ موزونی طبع کے باعث کبھی کبھی شعر گوئی کا اتفاق ہو جاتا تھا۔ خدا بخش خان تنویر سے اصلاح لیتے تھے۔ علمِ موسیقی میں بھی کچھ دخل تھا چونکہ اکثر اپنا ہی کلام گایا کرتے تھے اکثر غزلیں اُنکی زبان زدِ خاص و عام ہو گئیں۔ سنہ ۱۳۱۰ھ ہجری میں حیات تھے اور اُسوقت ۵۲ برس کی عمر تھی یہ اُنکا کلام ہے ✤

یارب ہمارے کام تو سارے سنوار دے / تیرے سوا ہے کون جو دلکو قرار دے
ظالم نے ایسے تخت کو برباد کر دیا / یاں موسم خزاں ہے تو جلدی بہار دے
لوٹی گئی ہے اس طرح مخلوق ہند کی / دھمکا کے تیغ سے کہا سب تار تار دے

دیگر

کیا تم سے کہوں لطف ہے جو عشق یار میں / پر اتنی برائی ہے کہ آرام نہیں ہے
مر جائینگے گھٹ گھٹ کے یونہیں ہجر میں تیرے / رسوائے جہاں کرنا مرا کام نہیں ہے

دیگر

کر ذبح مجھے شوق سے اے کافر بدکیش / تڑپوں تہِ خنجر یہ مرا کام نہیں ہے
اک لحظہ چین دل کو نہ اک دم قرار ہے / کیا جانے تیغ کسکی لگی کس کا وار ہے
نکل جائے کہیں یہ جان تن سے / چھٹوں فرقت کے میں رنج و محن سے

گئی یک بیک جو ہوا پلٹ نہیں دلکو اپنے قرار ہے / کروں غم ستم کا میں کیا بیاں مرا غم سے سینہ فگار ہے
وہ شہر دہلی یہ تھا چمن کہ تھا سب طرح کا یہاں امن / وہ خطاب اسکا تو مٹ گیا فقط اب تو اجڑا دیار ہے
یہ رعایا ہند تباہ ہوئی کہوں کیا کیا اُنپہ جفا ہوئی / جسے دیکھا حاکم وقت نے کہا یہ تو قابل دار ہے
شب و روز پھولوں میں جو تلیں وہ یوں خار غم سے فگار ہوں / ملے طوق قید میں جب انھیں کہیں بر گلے کے یہ ہار ہے
جو سلوک اوروں سے کرتے تھے وہی اب ہیں کتنے ذلیل و خوار / وہ ہیں تنگ چرخ کے جور سے رہا ان پہ اُٹھکے نہ تار ہے
یہ زمانہ ہے وہ برا افلاک چلو بیچ کے سب سے الگ الگ / نہ رفیق کوئی کسی کا یاں نہ کسی کا کوئی بھی یار ہے
کیا حسامی ڈر تجھے حشر کا جو خدا رکھے تجھے برملا / تجھے ہے وسیلہ رسول کا وہی تیرا حامی کار ہے

حسان **حسان** حکیم عبدالحق حسان۔ اسحٰق پٹن صوبۂ مدراس کے رہنے والے اور منشی احمد حسین شوکت کے معتقد ہیں۔ حالات باوجود کوشش دستیاب نہ ہو سکے اِنکے کلام بہم رسیدہ کا انتخاب حاضر ہے۔

ہمکو پلا دے وہ مے وحدت تو ساقیا / غم دو جہاں کا خاتم دل کا نگین نہو
پیشہ دغا کا کرتا ہے کیوں واعظ اختیار / خائن یہ باطن اور بظاہر امین نہو
خدائی کے نظر آتے ہیں جلوے دیکھ لے آکر / تماشا خانہ دل تیرے نظارے کے قابل ہے
اے دل تمام رات تڑپتا ہے درد میں / پہلی ہی شب ہے اور تجھے اضطراب ہے

ظلم آنِ حسن ہے اور درو شانِ عشق ہے	حسن کی یہ جان ہے اور وہ روانِ عشق ہے
جگر کے داغ ہرے ہوں جو موسمِ گل میں	میں ارمغاں انھیں لیجاؤں باغباں کے لئے

حسرت

حسرت میر محمد حیات حسرت ملقب بہ ہیبت قلیخان۔ انکے والد نواب شوکت جنگ خلف نواب صولت جنگ صوبہ دار پورنیہ بنگال کی رفاقت میں کچھ دن رہے۔ پھر نواب سراج الدولہ کی سرکار میں داروغگی کی خدمت پر مقرر ہوئے۔ خود حسرت سنہ ۱۱۹۰ھ میں نواب مبارک الدولہ میر مبارک علیخان صوبۂ بنگال کے ہاں افسروں میں تھے۔ عظیم آباد کے رہنے والے۔ اور میرزا جانجاناں مظہر کے شاگرد تھے۔ انکی بدیہہ گوئی۔ حاضر جوابی۔ ظرافت اور دقیقہ رسی کا افسانہ فقط تذکروں ہی کے ذریعے سے اب تک باقی ہے۔ شعر صاف اور پاکیزہ کہتے تھے لطف محاورہ کا بہت خیال رکھتے تھے۔ معاملہ بندی میں روزمرہ کا برتاؤ انکے مذاقِ سلیم کا شاہد ہے اُنکے بعض اشعار ایسے بھی ہیں کہ جو زبانوں پر چڑھے ہوئے ہیں مگر یہ کوئی نہیں جانتا کہ کس شاعر کے ہیں سنہ ۱۲۱۰ھ میں انتقال ہوا۔ فیلن صاحب لکھتے ہیں کہ دیوان اردو کے علاوہ ایک قصہ طوطی نامہ بھی انکی تصنیف سے تھا۔ ذیل کی چند غزلوں کے منتخب اشعار ان کے دیوان سے نقل کیے جاتے ہیں ؎

سیر رکھتا ہے ہمارا شیوۂ دیوانگی	عشق نے داغِ جنوں سے ہمکو گلدستہ کیا
کس ساعتِ بد قیدِ قفس میں وہ پڑی تھی	بلبل کو نہ پھر ہم نے گلستان میں دیکھا
حسرت اسے بے برگ میں کن آنکھوں سے دیکھوں	جس باغ کو جوشِ گل و ریحان میں دیکھا

نجانوں کرے کیا حنا کا لگانا	لہو پانی کرتا ہے یہ پان کھانا
چھپاؤں اشکِ گلگوں کس طرح ہائے	گریباں ہو رہا ہے جا بجا سرخ
ہم سے وحشت اسے کیا کہتے ہیں	سب سے اُلفت اسے کیا کہتے ہیں
رلی اٹھا چشمِ مروت ہم سے	بے مروت اسے کیا کہتے ہیں
اُسکے دل میں کبھی تاثیر نکی	اسے محبت اسے کیا کہتے ہیں

بے سبب صاف دلوں سے صاحب	اتنی کلفت اسے کیا کہتے ہیں
اتنا بھی عشق میں رسوا ہونا	کہہ تو حسرت اسے کیا کہتے ہیں
زلف و رخ یار دیکھتا ہوں	کیا لیل و نہار دیکھتا ہوں
ہم نہوں تو ہو تو سب چرچا کریں	شمع ہے محفل میں پروانہ نہیں
مر گئے انتظار کے ہاتھوں	کیا کہیں اپنے یار کے ہاتھوں

سدا بارش میں رہتی ہے ہماری چشم تر ساون	تو اک دو دن برس کر ہمسے آسکتا ہے برساون
شنا ہے آج میخانہ میں جام مے پرستوں نے	لٹایا دین و دنیا دونوں ہمت اسکو کہتے ہیں
ہم دوانوں کے نہیں عشق میں گھر جلتے ہیں	اس محبت میں پرندوں کے بھی پر جلتے ہیں
اڑا دے اے دوانے شورش سودا سے سب ڈھے کو	بہار آئی تو کیدھر دیکھتا ہے پھونک دے گھر کو

	ق
زاہد جو نہیں ہے مرے دل سے آگاہ	کہتا ہو کہ کافر ہے تو اے رُشے سیاہ
ہوں جسکی پرستش میں کہوں کیا یارو	آتا ہے وہ بت دیکھیو اللہ اللہ

	ق
میخانے میں کیا بھرے ہے مٹکی مٹکی	زاہد و واعظ سے دور بھٹکی بھٹکی
قاضی سے ڈرے نہ محتسب سے ہرگز	یہ دختر رز ہے جس سے اٹکی اٹکی

ترا غرور مرے عجز کے مقابل ہے	ادھر پہاڑ ادھر ایک شیشۂ دل ہے
یہ گل ہزار اپنے جامے میں پھول بیٹھے	ویسے کھلے نہ دیکھے بند قبا کسو کے

جدائی کی ہوا دہکا گئی ہے آگ سینے کی — لگے اڑنے بھبھوکے آہ کے کیا طرح جینے کی

عشق میں یار گر وفا نہ کرے	کیا کرے کوئی اور کیا نہ کرے
کسو دشمن کا آشنا بھی خدا	تجھسا بیگانہ آشنا نہ کرے
چاہے سو ہیں کر تو گنہگار ہیں تیرے	تقدیر یہی تھی اپنی کہ گرفتار ہیں تیرے
عشق میں خواب کا خیال کسے	نہ لگی آنکھ جب سے آنکھ لگی
جتنے خوش چشم ہیں زمانے میں	رہتی ہے سب سے میری آنکھ لگی

بے خبر آئیگی یاں کون سے دیوانے کی	کچھ ہوا آج جنوں خیز ہے ویرانے کی
تو ہی اسے ذوقِ ستم سلسلہ جنباں ہو کبھی	یوں تو ظالم کو مری یاد نہیں آنے کی

حسرت

حسرت۔ میرزا جعفر علی نام حسرت تخلص باشندہ دہلی۔ والد انکے میرزا ابو الخیر دہلی میں عطاری کا پیشہ کرتے تھے۔ اور میرزا حسرت کا بھی اوائل شباب میں یہی پیشہ تھا۔ دوکان انکی دلّی میں اکبری دروازے کے قریب تھی۔ تعلیم و تربیت بھی انکی یہی ہوئی۔ مگر پھر دلّی سے نکلکر لکھنؤ میں مستقل قیام اختیار کیا تھا۔ اور عطّاری کا پیشہ ترک کر کے مرزا جہاندار شاہ کی رفاقت میں رہنے لگے تھے۔ آخر عمر میں یہ سلسلہ بھی چھوڑ دیا اور گوشہ نشینی اختیار کرلی۔ چنانچہ اسی عزلت گزینی اور اطمینان کی حالت میں ۱۲۰۰؁ھ ہجری میں انتقال کیا ✣

انکا سلسلہ شاعری رائے سرب سنگھ دیوانہ سے شروع ہوتا ہے۔ یہ بزرگوار اگرچہ ہندی نژاد تھے لیکن اپنی فطری مناسبت اور خداداد قابلیت کی وجہ سے فارسی زبان پر بہت اچھی طرح قادر تھے اور مذاقِ سلیم رکھتے تھے۔ ان کے زمانے میں اکثر شعرائے لکھنو انھیں سے فنِ شاعری میں فیضیاب سخن ہوئے۔ چنانچہ حسرت بھی انھیں کے شاگرد تھے اور ایسے شاگرد تھے کہ خود بھی اُستاد مانے گئے اور انکے بھی بیسیوں شاگرد تھے جن میں شیخ قلندر بخش جرأت انکے شاگرد ایسے مشہور نامور اور صاحبِ دیوان شاعر گزرے ہیں کہ جن پر اُستاد کو بھی فخر تھا۔ حسرت کے تذکرے میں یہ بات نہایت دلچسپ اور عجیب ہے کہ انکے فیضانِ سخن کی ابتدا تو مغرب یعنی دلّی سے ہوئی اور انتہا مشرق یعنی بنگال و بہار میں۔ جسکو بالتفصیل یوں کہنا چاہیئے کہ انکے شاگرد رشید جرأت کے رنگ نے تو دلّی کی آب و ہوا میں پختہ ہو کر لکھنؤ پر اپنا اثر ڈالا اور شاگردانِ جرأت میں سے میاں ہجور صاحب نورتن نے اُسکو پوری آب و تاب کے ساتھ چمکایا۔ رافت کے کلام میں بھی دلّی اور لکھنؤ کے ساتھ ساتھ بہار و بنگال کا کچھ اثر پایا جاتا ہے۔ انکے بعد ضیغم وحشت۔ نسّاخ۔ اور شاگردانِ نسّاخ ان سب کی نشو و نما بھی مشرق ہی میں ہوئی۔ اور ان کی شاعری بھی وہیں کی شاعری قرار پائی ✣

حسرت کے شاگردوں میں شہرت اور قابلیت کے لحاظ سے سب سے اول نمبر تو حضرت جرأت کا ہے اُن کے بعد شاہ قدرت اللہ قدرت۔ نواب محبت خان محبت۔ شہباز جنگ اور خواجہ حسن حسن لکھنوی وغیرہ کا نمبر ہے۔ یہ لوگ صاحب دیوان اور مسلّم الثبوت اُستاد گزرے ہیں۔ حسرت کی تصنیفات میں اردو کلیات کے سوائے اور کوئی کتاب یا تذکرہ مشہور نہیں ہے۔ اِس کلیات میں۔ ساقی نامہ۔ مثنوی۔ واسوخت۔ ترجیع بند۔ ترکیب بند مستزاد۔ مخمسات۔ قصائد۔ اور رباعیات غرض اصنافِ سخن کے جملہ نمونے پائے جاتے ہیں۔ اِن کے علاوہ اُسی میں دو دیوان غزلوں کے بھی موجود ہیں۔ اُن کا قلمی دیوان راقم کے کتبخانے میں موجود ہے۔ اب کچھ عرصہ ہوا حسرت موہانی نے اُن کا انتخاب کلام بھی شائع کیا ہے۔ شمس العلماء مولوی محمد حسین صاحب آزاد صاحب آبحیات نے دیوان حسرت کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ "اس میں پھیکے شربت کا مزہ آتا ہے" مگر راقم الحروف کے نزدیک مولانا کا یہ قول قابل تسلیم نہیں ہے۔ غالباً اُنکی نظر سے صرف اُن کا دیوان دوم گزرا ہے۔ اور اُسی پر اُنھوں نے مذکور الصدر رائے قائم کی ہے جو ایک حد تک صحیح ہے۔ اگر پورا کلیات اُنکے سامنے ہوتا تو یقیناً وہ حسرت کے لیئے اس سے بہتر رائے قائم کرتے۔ کیونکہ فی الواقع اس میں اکثر جگہ بہت کچھ نمکینی اور چاشنی موجود ہے۔ یہ امر مسلّم ہے کہ کسی عمارہ سے عمارہ کہنے والیکا بھی تمام کلام یکرنگ ہونا بہت مشکل بلکہ ناممکن ہے۔

حسرت کا کلام اکثر شعرائے متقدمین کی مانند تصنع اور ناگوار رعایتِ لفظی سے پاک ہے درد اور سادگی خیال کی بنیاد پر فی الجملہ میر کے کلام سے مشابہ ہے۔ اگرچہ ترکیبوں کی موزونیت اور الفاظ کی برجستگی میں میر تقی کا رتبہ بہت بلند ہے۔

میرزا حسرت کا خاص انداز یہ ہے کہ غزل کو اکثر قطعہ پر ختم کرتے ہیں اور مضمون مسلسل کے اسقدر گرویدہ معلوم ہوتے ہیں کہ بعض غزلوں میں مطلع سے مقطع تک ایک ہی مضمون ہوتا ہے یہ خصوصیت اِن سے گزر کر جرأت اور شاگردانِ جرأت میں بھی پائی جاتی ہے۔ جو بلاشبہہ

قابلِ تقلید ہے۔ حسرت اردو شاعری کے علاوہ فارسی زبان میں بھی کامل دستگاہ رکھتے تھے اور مرزا فاخر مکین سے فارسی میں اصلاح لیا کرتے تھے۔ اب انکے کلام کا انتخاب ملاحظہ ہو

زیست میں بادہ کشی حسن پرستی ہے مزا
دل تو میرا ہو گیا آشفتہ اسکی زلف کا

اِس سوا جس نے کیا کام سو بیہودہ کیا
تیرے کیوں مو ہیں پریشاں تجکو سنبل کیا ہوا

لایا نہ کوئی چراغ و گل یاں
کی دل نے بھی آہ بے وفائی
کیا مے تھی وہ چشمِ مستِ ساقی
تو آنے کو یاں کے دن گنے ہے
تیرا تو تب اعتبار کیجے

بیکس ہی رہا مزار اپنا
کوئی نہیں غمگسار اپنا
ٹوٹا نہ کبھی خمار اپنا
ہم کرتے ہیں دم شمار اپنا
جب ہووے کچھ اعتبار اپنا

صبحدم نالے سحر کے جتنے تھے خالی گئے
ایک سے اک اس زمانہ میں ہو اس سے خوب تر

مجھے تک سانس بھی یہ درد و غم لینے نہیں دیتا
اجل سو بار آئی رنج میرا دور کرنے کو
تمنا خاک کو میری قدمبوسی کی ہے لیکن

پھر ادھر قاتل کو آنکھوں سے اشارہ نہ کیا
بوسۂ لب دلِ بیمار کی قسمت نہ ہوا
دیکھ لیتا کوئی دم میں بھی تجھے بھر کے نگاہ

اَے دل اگر تڑپنا تیرا یہی رہے گا
رہنے دے مے کو ساقی ہم تو چلے یہاں سے

اے دعائے نیم شب تیرے اثر کو کیا ہوا
کوئی خوش آتا نہیں میری نظر کو کیا ہوا

عجب کچھ درد ہے دل میں کہ دم لینے نہیں دیتا
وسلے احساں مجھے تیرا کرم لینے نہیں دیتا
چلے ہے بچکے وہ ظالم قدم لینے نہیں دیتا

نیم بسمل ہی رکھا کام ہمارا نہ کیا
درد کا میرے مسیحا نے بھی چارہ نہ کیا
سامنے ہونیکا پر دل ہی نے یارا نہ کیا

کاہے کو تو جیئے گا کاہے کو جی رہیگا
قسمت میں جسکی ہوگا سو جام پی رہیگا

ایک نے بھی نہ کی وفا ہم سے
یار رہے دکھ میں یار رہے غم میں

ہم نے کتنوں سے دل لگا دیکھا
ہمنے دنیا میں آکے کیا دیکھا

بھولتا ہی نہیں وہ دل سے اُسے	ہم نے سو سو طرح بھلا دیکھا
بہاریں ہمکو بھولیں یاد ہے اِتنا کہ گلشن میں	گریباں چاک کرنے کا بھی اِک ہنگام آیا تھا
نہیں معلوم کیا تھا جو سحر تک شمع رویا کی	کچھ اپنا حال پروانہ سنانے شام آیا تھا
اَجل منّت تری کیا ہے وہ ابرو جب سے دیکھے تھے	اُسی دم سے ہمیں تو مرگ کا پیغام آیا تھا
وفا سمجھا تھا میں پر دل کو لیتے ہی نہ وہ ٹھیرا	جو دیکھا تو غرض کو اپنی وہ خود کام آیا تھا
مطلب نہیں ہے شکوہ۔ اِن بے مروّتوں کا	حسرت مجھے ہے رونا اِس دل کی حسرتوں کا
ہر اشک ہے وہ قاصد ہے جسکے پاس دفتر	تیری شکایتوں کا میری حکایتوں کا
گیا دل سو گیا رونے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا	اگر رو رو کے جی کھوویں تو پیدا دل نہیں ہوتا
کسکی نگہ کا تیر لگا آہ کیا ہُوا	تڑپے ہے دل مرا اِسے اللہ کیا ہُوا
جگر کر چاک قاتل دیکھتا تھا	جو مَیں پوچھا کہا دل دیکھتا تھا
جُوں لالہ بہار کر رہا ہے	یہ سینۂ داغدار اپنا
کاشکے عشق جتاتا نہ مَیں اُسکو حسرت	میری صورت سے وہ بیزار ہوا کچھ نہ ہُوا
بجا تجکو مریضِ عشق سے مِلنا حذر آیا	کہ آئینے میں شکل اپنی جو دیکھی مجکو ڈر آیا
رقیبوں کے حوالے کرکے خط کو نامہ بر آیا	عزیزو کیا کہوں قاصد تو میرا کام کر آیا
نامہ بر دل سے نہیں بہتر کوئی پر تجھ سکنے	اُسکو بھی بھیجا نہ مَیں نے بدگمانی کے سبب
کیا مجال اسکی کہاں تُو اور کہاں میرا غبار	لگ چلا دامن سے تیری مہربانی کے سبب
آپنے لب تو وا نہ کر اے خندۂ زخمِ جگر	چرخ دیگا لاکھ غم اِس شادمانی کے سبب
پتنگے شمع کے صدقے ہوں بلبلیں گُل پر	کوئی کسی کے فدا ہو مَیں ہوں فدائے حبیب
بہشت کی مجھے ترغیب تُو نہ دے واعظ	کسیکی مجکو تمنا نہیں سوائے حبیب
کسی دشمن کو بھی نصیب نہ ہو	جیسی تجھ بن کٹی ہماری رات
بے خبر یار مری لینے خبر آیا ہے	دین و دُنیا کی نہیں مجکو خبر آجکی رات

قطعہ

گر بے وفا ہے قتل ہی کرنے کو آ یہاں — اور باوفا جو ہو تو برائے خدا پہنچ
گر مجھ سے کچھ غرض ہے تو مطلب کو اپنے آ — اور کچھ نہ کام ہووے تو بے مدعا پہنچ
گر بے خطا ہوں میں تو مجھے آ کے وصل دے — اور ہو گناہ میرا تو دینے سزا پہنچ
القصہ اب نہیں ہے ذرا تاب انتظار — جس طور جانے پاس تو حسرت کے آ پہنچ

دیکھی نہ ایسی جنگ نہ میں زینہار صلح — سو بار دن میں لڑتے ہوا اور سو ہی بار صلح
کہتا ہے تو ملوں گا نہ اس سے پر آج کل — حسرت کرے گا آپ سے بے اختیار صلح

فانوس میں شمع ہے کہاں ایسی خوشنما — جو پیرہن میں دیتا ہے اس کا بدن بہار
مجنوں ترے ہی پانو کے ٹوٹے ہیں آبلے — ہر نوک خار سرخ ہے دیتا ہے تن بہار

روزِ ازل سے حسن کی جلوہ گری ہے تا ہنوز — ہم بھی تبھی سے محو ہیں بیخبری ہے تا ہنوز
میکدے میں نگاہ نے تیری عجب فسوں کیا — شیشوں میں مے کے ہر طرف قہقہہ ہی بپا ہے تا ہنوز

بوئے یوسف مگر آئی نہیں کنعاں میں ہنوز — کہ صبا ڈھونڈے ہے اس بو کو گلستاں میں ہنوز
قتل کا تو نے جو حسرت کے کیا ہے ساماں — کچھ رہا ہی نہ گر اس بے سر و ساماں میں ہنوز

اپنی خاطر نہیں منظور رہائی مجھکو — میں ہوں آزاد تو ہو رنج سے آزاد قفس
بسکہ تھا انس بہم بعد رہائی صیاد — ہم قفس یاد کریں ہمکو کرے یاد قفس
روئے گل دور ہی سے دیکھ لیں ہم اے صیاد — ٹک تو لیجا کے تو لٹکا سر شمشاد قفس

مانند گل کروں میں گریباں کو چاک چاک — آتا ہے میرے دل میں یہی بار بار جوش
حسرت مجھے ہے ڈر کہیں آنسو ابل نہ جائیں — رکھتا ہوں جی کا جی ہی میں میں مار مار جوش

دیکھتے ہی شمع کو جاتا ہے پروانے کا ہوش — آہ پھر رہتا ہے کیونکر اسکو جل جانے کا ہوش
مست میں تو ہو گیا تیری نگہ سے ساقیا — اب نہیں مجھ میں رہا ہے اور پیمانے کا ہوش
ہو گئی بلبل قفس کو دیکھتے ہی بیحواس — کچھ نہیں اسکو رہا ہے آب اور دانے کا ہوش
جونہی ذکر عشق چھیڑا بس ہوا بیہوش میں — آ گئے حسرت کچھ رہا مجھکو نہ افسانے کا ہوش

کل کب تھے ہم سے خوش کہ نہیں ہو تم آج خوش / ہمنے تو ایک دن بھی نہ پایا مزاج خوش

کوڑیوں کے مول بیچا مصر میں تو نے فلک / ہائے اس یوسف کو جو تھا سارے کنعاں کی بساط

تو نے اے غم انکو بھی کھویا رُلا کر ہے غضب / تھے کئی ٹکڑے جگر کے چشم گریاں کی بساط

ایک بوسہ دیتے انکا حوصلہ ہوتا ہے تنگ / خوب حسرت دیکھ لی ہمنے بھی خوباں کی بساط

اتنی مجھے نہیں ہے دل وجاں کی احتیاط / منظور جتنی ہے ترے پیکاں کی احتیاط

کچھ اس سے بہرے پاؤں کے ہے آبلوں کو کام / اے برق کیجو خار بیاباں کی احتیاط

اے فلک باقی نہیں ہے میرے دلمیں جائے داغ / اور کیوں دیتا ہے مجکو داغ پر بالائے داغ

تجھسا مہرو داغ ہجراں دیکے یوں جاتا رہے / حیف غم افسوس حسرت ہائے حرماں ہائے داغ

سخت بیدردی ہے بیدردوں سے کہنا دردِ دل / منتِ مرہم نہ لیجے کھینچئے ایذائے داغ

قطعہ

حسرت ہزار رنگ سے بولا میں جھوٹ سچ / یعنی کہ نوبت آئے سخن کی قسم تلک

لیکن سمجھ کے بات کو اس نے اڑا دیا / پہنچاتے ورنہ ہاتھ ہم اسکے قدم تلک

تری فرقت میں ہے شام وسحر مجکو عجب مشکل / جو شب کاٹی تو دن مشکل جو دن کاٹا تو شب مشکل

کرم سے کھول جو عقدے پڑے ہیں کام میں میرے / ترے آگے ہیں سب آساں مگر نزدیک سب مشکل

ظلم کر اور نرکھ عاشقِ بدنام سے کام / اپنے تو کام میں رہ گیا ہے مرے کام سے کام

گردشِ چشم نے ساقی کی چھکایا ہے ہمیں / کچھ نہیں ہمکو رہا گردشِ ایام سے کام

شیخ کو اس کی بہشتیں ہوں مبارک ہمکو / شیشہ وساقی وگل یار و مے و جام سے کام

قطعہ

کل روتے ہوئے جو اتفاقاً / حسرت کے مزار پر گئے ہم

پڑھتا تھا یہ شعر وہ تہِ خاک / پھر سنتے ہی جسکے مر گئے ہم

واماندوں پہ دیکھئے یہ کیا ہو؟ / آپنا تو نباہ کر گئے ہم

نہ ہووے درد کیونکر آہ صبح وشام پہلو میں / کہ دل لیتا نہیں اک آن بھی آرام پہلو میں

ہوئے ہم بت کے بندے برہمن سے راہ رکھتے ہیں / حرم کے رہنے والو تم سے عشق اللہ کرتے ہیں

نہ دیکھ اے شیخ تو اُنکی طرف چشمِ حقارت سے
گدایانِ خرابات اِک نگہ میں شاہ کرتے ہیں

نکل جائے کسی دن جی بھی شاید ساتھ نالے کے
ہزاروں رات دن میں نالۂ جانکاہ کرتے ہیں

ہوائے بال زلفوں کے جو رُخساروں پہ پلتے ہیں
دلِ بیمار اُٹھ بیٹھو کہ دونوں وقت ملتے ہیں

ساقی مے دے کہ اہلِ مجلس
پانی پانی پکارتے ہیں

بسایا ہم نے تو اے ہمصفیرو کنجِ زنداں کو
اب آتش دو چمن کو آہ اور پھونکو گلستاں کو

آنکلے اگر ادھر کیا کیجے نثار اُن پر
اِک جان ہے سو وا اِک سر ہے سو شوریدہ

تجھ سے کیا کہیئے دردِ دل لیکن
نہیں رہتی زبان کیا کیجے

آشیاں ہی اُجڑ گیا اپنا
رہ کے اے باغباں کیا کیجے

مُفت مرتا ہے غم سے حسرت نام
ایک بیکس جوان کیا کیجے

بہار ہو چکی اور شور بلبلوں کا گیا
مرے دماغ سے اُس گل کی ہائے بو نگئی

مثالِ نقشِ قدم یاں سے اُٹھ نہیں سکتے
تری گلی میں بچا نا بھلا تھا جانے سے

اُڑ گئی پر سے طاقتِ پرواز
کہیں صیاد اب رہا نہ کرے

ق

تم جو کہتے ہو کہہ دو حسرت سے
آہ و فریاد یاں کیا نہ کرے

آپ کا اِس میں کیا بگڑتا ہے
دردِ دل کی کوئی دوا نہ کرے

تمھیں غیروں سے کب فرصت ہم اپنے غم سے کم خالی
چلو بس ہو چکا ملنا نہ تم خالی نہ ہم خالی

کہہ بیٹھے بُرا مُنہ سے بھلا اور بھی کچھ ہے
دشنام ہی سے جانے ہے یا اور بھی کچھ ہے

فسانہ وصل کا جس سے دلِ بیتاب کہتا ہے
وہ کہتا ہے کہ افسانہ نہیں یہ خواب کہتا ہے

تاراج کیا صبر و دل و جان پھر اب آگے
کیا خاک بچی ہے جسے برباد کرو گے

کس کا ہے جگر جس پہ یہ بیداد کرو گے
لو دل تمھیں ہم دیتے ہیں کیا یاد کرو گے

گر کہے تو رات تو دن کو کہوں میں رات ہے
کفر کچھ اس میں نہیں یہ دل ملے کی بات ہے

جگر سوزاں ہے۔ دل بیتاب ہے۔ اور چشم گریاں ہے
اِلٰہی دن ہے یہ میرے مرگ کا یا شامِ ہجراں ہے

یہ کسکی نعش جاتی ہے کہ جسکے ساتھ ای گردوں
غم و درد و الم فریاد و افغاں مرثیہ خواں ہے

یہ بھی اِک ستم تھا کہ خواب میں مجھے شکل آکے دکھا گئے
کبھی نیند برسوں میں آئی تھی سو اسطرح سے جگا گئے

ہمارے کام پہ ہر چند آسمان پھرے
تجھے قسم ہے جو تو اِس طرف کو آن پھرے

ق

دل دردِ نہاں آہ سے کیونکر نہ کرے
پر آہ تو تب کرے جو اُس سے نہ ڈرے

وہ شکل ہے جیسے دشمنوں میں گھائل
دم لیوے تو سر کٹے نہ دم لے تو مرے

اب تو یہ دل اِک بُتِ ناآشنا کے ہاتھ ہے
اُسکے ہاتھوں چھوٹنا اِسکا خدا کے ہاتھ ہے

بزم میں بیٹھے تھے کل جتنے پری و حور سے
دیکھکر اُسکو لگے لینے بلائیں دور سے

حسرت

حسرت ۔ منشی ذوقی رام حسرت۔ اگروال ویش۔ قدیم رئیس شاہ جہاں آباد۔ زیادہ تر فارسی شعر کہتے تھے اور صاحبِ دیوان تھے۔ فارسی زبان پر بہت اچھی قدرت حاصل تھی شعر میں متانت کے علاوہ محاورہ اِس خوبی سے نظم کرتے تھے کہ ایرانیوں کو اِن پر اہلِ زبان ہونیکا دھوکا ہوتا تھا۔ نہایت خلیق۔ متواضع۔ اور نیک نہاد بزرگ تھے۔ مدتوں ریاست رامپور اور فرخ آباد میں رہے۔ اُساتذہ کا کلام اِنھیں بہت یاد تھا۔ کبھی کبھی اُردو میں بھی فکرِ سخن کیا کرتے تھے۔ مندرجۂ ذیل اشعار اُنھی کی طبعِ نازک کا نتیجہ ہیں۔ ملاحظہ ہوں۔

یار کرتا ہے سفر گلشن میں آتی ہے بہار
دیکھیں اب کے سال کیا کیا گل کھلاتی ہے بہار

سر اُٹھا سکتی نہیں شاخِ گلوں کی مطلق
بس کہ ہے حسن سے اُس شوخ کے محجوبِ بہار

حسرت میں کس کس آفتِ جاں سے بچاؤں دل
عشوہ۔ ادا۔ نگاہ۔ تبسم۔ خرامِ ناز

قبا پہنے اگر وہ سیم بر سبز
نہو سروِ چمن زنہار سر سبز

عیب معشوق کا کب اہلِ وفا کہتے ہیں
خوب نہیں کرتے جو خوبوں کو بُرا کہتے ہیں

گر کوئی لیتا ہے میرا نام اُسکے رُو برو
دے ہے مجکو سینکڑوں دشنام اُسکے روبرو

روز و شب چلتا رہے ہے یاں تو حسرت دورِ جام
یاد کیا ہے گردشِ ایام اُس کے روبرو

ہائے کس سے کہوں کہ او بدعہد
کیا کہا اور کیا کیا تو نے

ہوشیاری میں جو آرام نہ پایا میں نے	جان کر آپ کو دیوانہ بنایا میں نے
آنکھ تو رو کے چھوٹ جاتی ہے	دل بچارے پہ آفت آتی ہے
شمع کے طور آتشِ الفت	سر سے پاؤں تلک جلاتی ہے
دردِ دل کس سے میں کروں اظہار	سن سکے کون کس کی چھاتی ہے
دن تو گزرا پہاڑ سا جوں توں	دیکھئے رات کیسی آتی ہے
غیر کے پاس روز جاتے ہو	اپنے حسرت سے عار آتی ہے
برنگِ آبلہ اے وائے کیا یہ زندگانی ہے	کہ جس کے پاؤں پڑتا ہوں اسی کو سرگرانی ہے

حسرت

حسرت منشی آتما رام صاحب باشندۂ دہلی خلف رائے دولت رام صاحب نبیرۂ راجہ کنول نین بہادر بیشتر بہت مرفہ الحال تھے مگر دلی کی تباہی کے بعد وہ صورت نہ رہی سنہ ۱۹۰۳ء میں ۶۶-۶۷ برس کی عمر میں قضا کی۔ آخر عمر میں شعر گوئی بالکل ترک کر دی تھی کامل ۳۰ برس راقمِ تذکرہ کے والدِ مرحوم کے پاس ملازم رہے کلام درج ذیل ہے ؛

وہ دن گئے جو راحت و عشرت نصیب تھی	حسرت تو مبتلائے غم و فکرِ زماں ہے اب
دیکھا جدھر اٹھا کے نگہ خاک کر دیا	دل کیا بچے کہ تیرے اشارے بلا کے ہیں
گردوں پہ سب شفق جو بتاتے ہیں ہے غلط	بادل رنگے ہوئے ترے رنگِ حنا کے ہیں
غمزے میں چھیڑ آنکھوں میں شوخی نگہ میں ناز	ہر ہر ادا میں تیری چھلاوے بلا کے ہیں
ترے رنجِ جدائی میں ہائے صنم مرا چین گیا مری نیند گئی	کہوں کس سے جو دل پہ ہے میرا الم مرا چین گیا مری نیند گئی
یہی کہتا ہے حسرتِ خستہ جگر ترے ہجر میں ہے کیے بدیدۂ تر	تپ ہجر سے آ گیا لب پہ دم مرا چین گیا مری نیند گئی
تری محفل میں آئے کیوں نہ حسرت شمع رو ہر دم	کہ جس جا شمع ہوتی ہے وہاں پروانہ آتا ہے
اک دلدہی کے جرم پہ جو ہو سزا قبول	یہ ہی سزا تھی مجھ سے گنہگار کے لیے
ہمارا دل ہی یہ جانے ہے کیا کہیں حسرت	خراب جیسے ہوئے شوخِ پُر جفا کے لیے

حسرت۔ حافظ عبد الرحمن حسرت ساکن پانی پت شاگرد معارف دستگاہ قاضی

محمد ثناء اللہ صاحب مرحوم پانی پتی۔ عرصہ ہوا انتقال کر گئے۔ یہ کلام ہے۔

کس لیئے چاک قفس بند کیئے اے صیاد	کیا ہوا میں نے اگر سوئے گلستاں دیکھا
تم بھی دیکھو گے دل کو ہمیں ہنستے کیا ہو!	اگر آئینہ کبھی تم نے نمیر سیجاں دیکھا
اُسنے حسرت کو کیا قتل کہیں ہائے کہ آج	میں نے اُس شوخ سے ظالم کو پشیماں دیکھا
ہمتو حسرت کو سمجھتے تھے کہ اک عارف ہے	یہ تو اے واسئے نہ کافر نہ مسلماں نکلا
گر نہیں دوست خدایا میری جاں کے دشمن	کیوں شب غم مرے جینے کی دُعا کرتے ہیں
ہائے کیا جور کشی کی ہمیں عادت ہے کہ آپ	اُس ستمگار کو تحریک جفا کرتے ہیں
کیا ہُوا دیکھ تو ناصح کہ ہمارے مُنہ سے	یا صنم نکلے ہے جب یاد خدا کرتے ہیں
کیونکر کہوں کہ ہجر میں مطلق نہیں خبر	اتنی خبر تو ہے کہ مجھے کچھ خبر نہیں

حسرت **حسرت**۔ جناب حکیم غلام رسول صاحب عظیم آبادی شاگرد جناب خان بہادر شاد صاحب حالات باوجود کوشش کچھ معلوم نہیں ہوسئے۔ کلام کا نمونہ ذیل کے دونوں شعر ہیں۔ ملاحظہ ہوں

جس جگہ شام ہوئی اپنا بسیرا ہے وہیں	ہم سے آواروں کا صیاد نشیمن کیسا؟
آفتاب اُسکو کہوں یا گل جنت حسرت	کیا بتاؤں کہ ہے اُس کا رخ روشن کیسا؟

حسرت **حسرت**۔ کنور اعتماد علیخاں بہادر حسرت رئیس اعظم سعد آباد ضلع مظفرا۔ آپ کنور ارشاد علیخاں کے بیٹے اور فن سخن میں حضرت فصیح الملک مرزا داغ کے قدیم شاگردوں میں ہیں۔ اُنکی زندگی ہی میں صاحب دیوان بھی ہو گئے تھے۔ چنانچہ آپ کا مطبوعہ دیوان موجود ہے۔ شعر خاصہ کہتے ہیں۔ زبان۔ بندش صفائی۔ اور روزمرہ کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ ۴۰۔۵۰ سال کے درمیان عمر ہے ناتجربہ کاری اور غفلت کیوجہ سے آپکی زمینداری کا کسیقدر حصہ تلف ہو گیا۔ اب صرف کچھ معاش باقی ہے۔ کلام کا انتخاب درج ذیل ہے۔ ملاحظہ ہو۔

سہل ہیں دل کے لگانے کو میری جاں سمجھا	ہائے جو کام تھا دشوار وہ آساں سمجھا
بیخودی کا ہو بُرا ہائے کیا کیا میں نے	دامن یار کو بھی اپنا گریباں سمجھا

پائے افگار کو لذت ہوئی حاصل کیا کیا
سرِ ہر خار کو میں تیر کا پیکاں سمجھا

شکر لیتے ہوئے قاتل کو جو دیکھا دمِ قتل
زخمِ دل شورِ تبسم کو نمکداں سمجھا

مژگاں سے چشمِ شعبدہ گر دل کو لے گئی
ہے کسقدر یہ ہاتھ کی چالاک دیکھنا

ہے وہ نقشہ تری یکتائی کا
اُڑ گیا رنگ تماشائی کا

ہو گیا دل کی تمناؤں سے
ایک شہرہ مری رسوائی کا

پاسباں سے ہمیں وحشت کیا تھی
پاس تھا آپ کی رسوائی کا

روزِ محشر بھی نہ نکلے وہ ہے
حوصلہ تیرے تمنائی کا

اِک نظر دیکھ لیں اُسکی صورت
جنکو دعویٰ ہے شکیبائی کا

خیالِ کینہ و بے رحمیٔ صیاد بے جا ہے
ہمارے نالۂ دل نے ہمارا آشیاں پھونکا

اثرِ جاذبِ محبت نے خلش ہی رکھی
تیر نکلا مرے پہلو سے نہ پیکاں نکلا

دوست دشمن کا آشنا نہ ہوا
مدعی کا بھی مدعا نہ ہوا

مجکو چاہت کی داد ملجاتی
تو کسی پر بھی مبتلا نہ ہوا

غیر پر بھی اگر ستم ہوتا
شکوہ ہوتا نہ مجکو غم ہوتا

افسوس وقفِ حسرت و اندوہ ہو گیا
دل قابلِ تصورِ جاناں نہیں رہا

جدا اِک دم خیالِ یار جی سے ہو نہیں سکتا
یہ غم سے ہو نہیں سکتا خوشی سے ہو نہیں سکتا

ہمیں کو چاہیئے کرنا ہمیں جو کام کرنا ہے
کسی کا کام یہ سچ ہے کسی سے ہو نہیں سکتا

یہی وہ جنس ہے اِنسان جو مشکل سے دیتا ہے
متاعِ دلکا سودا دل لگی سے ہو نہیں سکتا

مقدر جب بُرا ہو کچھ کسی سے ہو نہیں سکتا
مثل سچ ہے کہ کچھ بھی آدمی سے ہو نہیں سکتا

تمھارے ہاتھ مرنا ہے تمھارے ہاتھ جینا ہے
جو میرا کام ہے میری خوشی سے ہو نہیں سکتا

خاکساری کا دماغ اب آسماں پہ ہو گیا
کسکے دامن پر لگا دو دھبا ہماری خاک کا

جیسے جلتے ہیں پھر دلمیں مرے کچھ آج خنجر سے
میری آنکھوں میں نقشہ پھر رہا ہے اُسکی ابرو کا

یہی کمبخت مجکو رات دن بے چین رکھتا ہے
چیز اچھی ہو تو ہوتے ہیں خریدار بہت

کہ ولیں ہوگیا ہے درد اب تو میرے پہلو کا
تم سے ملجائیں گے لاکھوں جو مرا دل ہوگا

اس بہانے سے موت آنی تھی
ٹال دی بات گالیاں دے کر

نہ ہوا وصل تو وصال ہوا
عرضِ مطلب کا یہ جواب ہوا

ہوش آئے تو کرے خون کا دعویٰ کوئی
لذتِ وصل ملی وصل کی شب بھی نہ مجھے
اس کاوشِ پنہاں سے تو خوں ہو کے مرا دل
اٹھتے نہیں وہ بزمِ عدو سے فغاں فغاں
دشمنوں کا نہیں شکوہ کہ تری الفت میں
سیکڑوں یوں تو مسیحا نے جلا سے مُردے
کعبہ و دیر ہوئے شیخ و برہمن کے سپرد

کشتۂ تیغِ ادا حشر میں بے ہوش رہا
رات بھر جلوۂ دیدار سے بے ہوش رہا
ہمراہ جو اشکوں کے نکلجائے تو اچھا
آتی نہیں ہے ہائے قیامت کو کیا ہوا
دوستوں کو انھیں آنکھوں سے بدلتے دیکھا
کوئی بیمارِ محبت نہ سنبھلتے دیکھا
ہم بھی دیکھ آئیں ٹھکانا کہیں چلکر اپنا

شکر لازم ہے اس عنایت کا
کوئی امید اب نہیں باقی

وصل میں کام کیا شکایت کا
ولولہ مٹ گیا محبت کا

داد ملنے کی نہیں کوئی تمنا ہمکو
قیامت وصل کی شب میں مجھے یہ انکا کہنا تھا

داورِ حشر ڈھکا رہنے دے پردا انکا
کہ تم تو منہ لگتے ہی ہوئے بیباک کیا کہنا

تم کو جانا ہے گھر سے چلے جانا
آ تو جاؤ میری عیادت کو
جب گزرنا ہماری تربت پر
جاتے ہیں جان سے ذرا ٹھیرو

شب کی شب ٹھہر کر چلے جانا
اک ذرا دیکھ کر چلے جانا
انکو منہ پھیر کر چلے جانا
ہم ادھر تم ادھر چلے جانا

آرزوئے دلِ بیتاب کا بر آنا تھا
آنکھ نیچی نہیں ہوتی تھی تمھاری کل تک
نہ تم اپنے نہ دل اپنا نہ قسمت آشنا اپنی
عدو کے ساتھ گزاری ہے تم نے ساری رات

تیر کا سینۂ بسمل میں پرافشاں ہونا
آج کیا ہے جو چراتے ہو نظر آپ سے آپ
یہ میرا طالع واژوں یہ میری نارسا قسمت
خبر ہے کیا تمھیں کیسی کٹی ہماری رات

قاصد سے کہہ رہے ہیں مرا حال سُنکے وہ
اُسکی طرح سے مجکو بھی آتی ہے جھوٹ سچ

اب یہاں تک تو بڑھا اُنکے ستم کا انداز
میرے دشمن مجھے جینے کی دُعا دیتے ہیں

تو بہ کرتا ہوں مگر پھر بھی مرے ہم مشرب
منتیں کرکے مجھے روز پلا دیتے ہیں

وہ نا اُمید کہ ہو موت سے ہی کچھ تسکیں
جہاں میں جس کا نہ ہو آسرا وہ کون کہ ہیں

شبِ فراق بلاؤں بھی تو نہیں آتی
جسے کہ بھول گئی ہو قضا وہ کون کہ ہیں

نہ موت آتی ہو جسکو نہ رزق ملتا ہو
جسے کہ بھول گیا ہو خدا وہ کون کہ ہیں

شوخی نہیں شامل جو تری شرم وحیا میں
چُبھتی ہوئی کچھ بات نہیں ناز و ادا میں

کیا قہر ہے مجکو لبِ جاں بخش نے مارا
تو زہر کی تاثیر ہوئی آبِ بقا میں

اس ظلم و ستم پر بھی کروں مہر و محبت
دُنیا سے نیا چاہنے والا تو نہیں ہیں

وہ پاس بھی ہیں تو بھی سمجھتا ہوں دور ہیں
فرقت کا بندھ رہا ہے تصور نگاہ میں

ایسے گنہ کیے ہیں کہ اللہ کی پناہ
لکھنے سے جسکے کاتبِ اعمال تنگ ہیں

ہر چند اُسنے خاک میں مجکو ملا دیا
دل پھر بھی کہہ رہا ہے کہ وہ بیوفا نہیں

دم کچھ ارمان نہیں ہے کہ نکل ہی نہ سکے
موت کچھ تم تو نہیں ہو کہ بُلا بھی نہ سکوں

حضرتِ ناصح یہ مانا بیوفا وہ شوخ ہے
جب نہو بس میں طبیعت پھر کروں تو کیا کروں

عرصۂ حشر میں اسے واعظ کچھ ہو کہ نہ ہو
جیتے جی تم تو جہنم میں جلا دو مجکو

کسی صورت سے تو ارمان تمہارا نکلے
گالیاں اور بھی دو چار سُنا دو مجکو

اور کیا چاہیے گر اسکو قرار آجائے
موت سے دل جو بہلتا ہے بہلجانے دو

سوئے گورِ غریباں گر وہ جائیں تو یہ حالت ہو
نکل آئیں تڑپ کر قبر سے مُردے قیامت ہو

ہوئی ہائے نا منصفی کیسی کیسی
مجھے حشر پر تھے گماں کیسے کیسے

دل کو غم آشنا کرے کوئی
آپ سے جب وفا کرے کوئی

دل بھی کرنے لگا دغا ہم سے
کس کا اب آسرا کرے کوئی

خوشی گناہ میں اتنی ہے کردگار مجھے	کہ لوگ کہتے ہیں تیرا گناہگار مجھے
اثر یہ جذبۂ دل کا نہیں تو پھر کیا ہے	وہ اور بیٹھ کے روئیں سر مزار مجھے
خراب کر کے دلِ بیقرار چھوڑے گا	اُبھارتا ہے یہ کمبخت بار بار مجھے
دبی زباں سے کہوں حرفِ مدعا ان سے	سنبھلنے دے جو ذرا آج انتشار مجھے
وہ خوش نصیب ہوں آخر پلا ہی دیتے ہیں	چھپا چرا کے حریفانِ بادہ خوار مجھے
وعدہ ہے اُنکے آنیکا اور موت آگئی	مرنا ہوا ہے آج تو دشوار اور بھی
بوسہ لیا تو خوبیٔ تقدیر دیکھئے	کملا گئے وہ پھول سے رخسار اور بھی
جسے نادان کہتے ہیں قیامت	وہی تو تیرے ملنے کی گھڑی ہے

حسرت

حسرت - منشی احمد علی حسرت برادر صغیر حکیم محمد کبیر صاحب - زیادہ حالات معلوم نہیں ہوئے نمونۂ کلام میں ذیل کے دو شعر ملاحظہ ہوں -

تمھاری قدر لوگ کم جانتے ہیں	جو تم ہو پیارے سو ہم جانتے ہیں
شاید وہ شوخ آج پھر اغیار پاس ہے	جو دل پر اضطراب ہے اور جی اُداس ہے

حسرت

حسرت - مولٰنا حبیب الرحمن خان شروانی رئیس بھیکم پور ضلع علیگڈھ - آپ نواب عبدالشکور خان صاحب کے بھتیجے اور محمد تقی خاں کے فرزند رشید ہیں - اپنے ضلع کے عمائدین میں گنے جاتے ہیں - ۳۸ - ۴۰ کے درمیان آپ کی عمر ہے - عربی فارسی کی استعداد عالمانہ اور اخباری دُنیا میں آپکی شُہرت معقول ہے - علی گڑھ کالج اور دیگر اسلامی مجالس کے رکن ہیں - ندوۃ العلماء کا رسالہ کچھ عرصے سے آپ ہی کی زیر نگرانی شائع ہوتا ہے قصبۂ بھیکم پور کے متصل آپنے اپنے نام سے ایک موضع حبیب گنج آباد کیا ہے اور وہیں زیادہ تر قیام رہتا ہے - فارسی میں اکثر طبع آزمائی کرتے ہیں - اردو میں گاہے ماہے - لفظ شروانی جو آپکے نام یا تخلص کے ساتھ لکھا جاتا ہے یہ آپ کا خاندانی اور قومی نام ہے - آپکی نگارش سے معلوم ہوا کہ آپکے مورث اعلیٰ سلطنت لودیہ کے عہد میں قندھار کے نواح سے وارد

ہندوستان ہوئے تھے۔ غلزئی۔ لودی۔ اور شروانی۔ تینوں حقیقی بھائی تھے۔ عمر خان شروانی جن کا ذکر سکندر لودی کے حالات میں صاحب تاریخ فرشتہ نے کیا ہے آپکے مورث خاندان تھے۔ اکبری اور شاہجہانی عہد میں اِس خاندان کے لوگ دلی سے نکل کر علیگڈھ کے ضلع میں آباد ہوئے۔ یہاں اپنی قوتِ بازو سے ریاستیں پیدا کیں اور گورنمنٹ کے زیر سایہ اُنھیں اور وسیع کیا۔ حسرت شروانی کی ولادت ۱۲۸۵ھ میں ہوئی۔ آپکی فارسی تعلیم ابوالفضل مینا بازار اور سہ نثر ظہوری تک ہے۔ عربی میں تمام درس نظامی باستثنائے چند کتب ختم کیا ہے۔ اکثر درسی اور مذہبی کتب عربی مولنا مفتی لطف اللہ صاحب۔ قاری عبد الغنی صاحب اور شیخ حسین صاحب عرب محدثِ بھوپال وغیرہ علمائے عصر سے پڑھیں اور حضرت مولینا فضل الرحمن صاحب قدس سرہ سے آپ کو شرف بیعت حاصل ہے۔ انگریزی تعلیم پرائیوٹ اُستادوں سے اور آگرے کے سکول میں انٹرینس تک حاصل کی۔ لغات امیر کے سلسلے میں جناب منشی امیر احمد مینائی سے مراسلت کا آغاز ہوا اور یہی سلسلہ آخر میں تلمذ کا ذریعہ بنا۔ فارسی میں آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ ایک خاص اثر کا نتیجہ ہے۔ آپ نے عربی فارسی اور اُردو کا ایک کتبخانہ بھی وسیع پیمانہ پر جمع کیا ہے جس میں پرشین لٹریچر کا قلمی ذخیرہ بہت کچھ ہے۔ اور عمدہ ہے۔ اساتذہ میں خواجہ حالی۔ خواجہ عزیز لکھنوی۔ اور علامہ شبلی سے آپکے گہرے تعلقات ہیں۔ اپنے ضلع کے درباریوں میں ہیں۔ ایکٹ اسلحہ سے مستثنیٰ ہیں اور اسپیشل مجسٹریٹی کے اختیارات حاصل ہیں۔ کلام کا انتخاب ملاحظہ ہو۔ (ایک نامے کے چند متفرق اشعار)

صبح وصل

صُبح کے وقت کا نظارا سماں
حُسن کا سب لُٹا ہوا سامان

آنکھوں میں سُرمے کا یُونہی سا اثر
بال بکھرے ہوئے وہ ماتھے پر

خوابِ نوشین کی آنکھوں میں سُرخی
کچھ کھُلی کچھ بندھی ہوئی چوٹی

باسی پھُولوں پہ کچھ اُداسی سی
اور بُو اُن کی بگڑی بگڑی سی

صبحِ رخصت

کیسی دلگیر صبحِ رخصت تھی
گلے ملتی تھیں آرزوئیں بہم
غم کی آمد خوشی کی رخصت تھی
ہر طرف بے کسی برستی تھی
تیرا جانا بلا کا آنا تھا
دل پہ اِک بے خودی سی تھی طاری
ایک سکتے کا مجھ پہ تھا عالم
پھر محبت بے حجاب یاد آیا
دل سے رخصت ہوں سب تمنائیں
دل میں کچھ گدگدی سے ہوتی ہے
خود فراموش سے ہو کچھ حسرت

صبحِ رخصت کہ شامِ غربت تھی
دل کو تاراج کر رہا تھا غم
اِک تمنا ہزار حسرت تھی
بے کسی پر بھی بیکسی سی تھی
کیا قیامت کا تیرا جانا تھا
تھیں جنوں کی علامتیں ساری
آرزوؤں کا دل میں تھا ماتم
مایۂ اضطراب یاد آیا
وہ سراپا حجاب یاد آیا
ہائے کس کا شباب یاد آیا
کوئی آج اے جناب یاد آیا

غزل

ولہ

حسرت و یاس کا انبوہ فغاں کی کثرت
میں تری بزم سے کیا بے سر و ساماں نکلا

بدگمانی اُس کی کم ہوتی نہیں
کس پہ یارب مجھکو شیدا کر دیا

متاعِ نور سے لبریز اک عالم کی جھولی ہے
گرہ چینِ جبیں کی کس محبت جوش نے کھولی ہے
شرابِ ناز کے جلوے نگاہِ ناز پر صدقے
ابھی سوتے سے آنکھ اس فتنۂ دوراں نے کھولی ہے
اشارہ صاف کرتی ہے ترے سینہ کی موزونی
کہ جنسِ حسن قدرت نے اِسی کانٹے میں تولی ہے
حصولِ مدعا اب کوئی دن کی بات ہے حسرت
نگاہیں مل چکی ہیں گفتگو مطلب کی ہولی ہے

دل لگی کو ہنسی سمجھتے ہو!
ابھی بچپن کا ہے اثر باقی
چال مستانہ آنکھ متوالی
یہی ساقی یہی پیالہ ہے
حسن پر ناز ہے اگر تمکو
اپنے دل پر مجھے بھی دعویٰ ہے

حسرت

حسرت منشی دلیل الدین احمد آپکے والد مولوی محمد فیض بخش صاحب تعلیم کی ضرورت سے اپنے وطن جہانگیر نگر ڈھاکہ کو چھوڑ کر عنفوان شباب ہی میں کلکتے چلے آئے تھے چنانچہ کچھ دن ہگلی کالج میں پروفیسر رہنے کے بعد مدرسۂ کلکتہ میں مدرس رہے۔ آپ ۱۸۷۷ء میں کلکتے میں پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم پائی۔ بعدہٗ ۱۸۹۵ء میں مولٰنا ابوالقاسم محمد شمس صاحب مرحوم کو کچھ غزلیں بغرض اصلاح دکھائیں وہ چونکہ آپکے والد کے شاگرد بھی تھے اس لیے اُنکی آپ پر خاص توجہ رہی۔ اطراف دکن۔ مدراس۔ شمالی ہند کی سیر بھی کر چکے ہیں اب انگریزوں کو اُردو پڑھانے کا مشغلہ ہے۔ طبیعت کا اندازہ مندرجۂ ذیل اشعار سے ظاہر ہوگا

کہیں تھے بادیہ پیما۔ کہیں تھے سلسلہ جنباں	جہاں پہنچے ہمارے پاؤں میں چکر ہی چکر تھا
تری رنگیں ادائی کا وہ عالمگیر نقشہ ہے	کہ ہر ذرے سے کثرت کے عیاں ہے نور وحدت کا
نگاہِ ناز کی خاطر ہوئی ہے خانہ بربادی	سدا لٹتے ہوئے دیکھا ہے گھر اہل مروت کا
قتلِ عاشق پہ ازدحام ہوا	خاص اک راز تھا سو عام ہوا
بے نیازی کا ہے دعویٰ بیکار	ایک کا ایک ہے انسان محتاج
اُٹھائیں ناز دشمن آپ سے یہ کیا قیامت ہے	مری جاں آپ کو زیبا نہیں ہے نازنیں ہو کر
اب جفا سے بھی اُسے ہو گئی نفرت ہے ہے	کوئی بھی طرزِ وفا میرے ستمگر میں نہیں
مری تقدیر کی گردش کی شکلیں ہیں جداگانہ	بھنور رہوں بحرِ اُلفت میں بگولہ دشتِ غربت میں
چشمِ بلبل میں انتظار ہوں میں	آمدِ موسمِ بہار ہوں میں
کیوں میں نکلوں تمہاری محفل سے	دلِ دشمن کا کیا بخار ہوں میں
چلے آئے ہیں جنوں سنکے وہ مژدے فصلِ بہاری کے	گل و غنچہ سمجھکر چن رہا ہوں سنگِ طفلاں کو
خوشامد سے ہوئیں جنت میں بھی رسوائیاں کیا کیا	بڑا دھوکا ہوا ہم پاسباں سمجھے تھے رضواں کو
ہزار رنج اُٹھائے ہیں عیش کی خاطر	خیال نفع نہ ہو گر تو پھر زیاں کیوں ہو
خدا کرے در جاناں ہو اور جبینِ نیاز	بلند دستِ دعا سوے آسماں کیوں ہو

برسنا سیکھ لے ابرِ بہاری دیدۂ تر سے ۔۔۔ فلک مثلِ حبابِ بحر ٹوٹے گر کبھی برسے
نزاکت سے ہو تم مجبور ہم اپنے مقدر سے ۔۔۔ نہ خنجر میان سے نکلا نہ دم اس جسمِ لاغر سے
کہاں صحرا سے جاؤں اب کہ خارِ دشت پلٹے ہیں ۔۔۔ مدد اے جوشِ وحشت یہاں بھی اپنے آشنا نکلے
عبث گلشن میں گلکاری ہے رشکِ خوش خرامی سے ۔۔۔ گل و غنچہ کا منہ دیکھو حریفِ نقشِ پا نکلے

حسرت

حسرت۔ جناب سید آل حسین صاحب تلمیذ حضرت احسان رامپوری۔ انکے حالات و واقعات بھی باوجود تحقیقات بلیغ ہم سے پوشیدہ ہی رہے لہذا مجبوری ہے۔ نمونۂ کلام درج ذیل ہے۔

اِس بانکپن پہ کوئی نہ مرتا ہو تو مرے ۔۔۔ خنجر کا کام لیتے ہیں ترچھی نظر سے آپ
دل چرایا ہے بھری محفل میں میرا آپ ہی ۔۔۔ اور کہتے ہیں وہ مجھ سے ہم بتا سکتے نہیں
حالِ دل انکو سناؤں تو سناؤں کیونکر ۔۔۔ بات تک بھی نہیں کرنے کی اجازت مجکو
یہ ستم غیر شب و روز ترے پاس رہے ۔۔۔ یہ قیامت نہ ہو آنے کی اجازت مجکو
مجھپہ تا حشر میری جان یہ احسان رہے ۔۔۔ نزع کے وقت دکھا جاؤ جو صورت مجکو

یار کا وصل ہو کب ہمکو میسر دیکھو ۔۔۔ کیونکر اِس غم سے چھٹے یہ دلِ مضطر دیکھو
وصل کے ذکر پہ وہ ہمسے بگڑ کر بولے ۔۔۔ پھر نہ لانا یہ کبھی حرف زباں پر دیکھو
دل لیا تھا مرا جس ناز و ادا سے تمنے ۔۔۔ اُسی انداز سے پھر آنکھ ملا کر دیکھو
حالِ دل کہنے کو جاتے تو ہیں اپنا حسرت ۔۔۔ کیا غضب ڈھاتا ہی مجھپر وہ ستمگر دیکھو

حسرت۔ شمس العلماء حاجی مولانا محمد سعید صاحب عظیم آبادی۔ آپ ۲۷ ذیقعدہ ۱۲۳۱ھ میں بمقام عظیم آباد پیدا ہوئے۔ آپکے والد ماجد حاجی مولوی واعظ علی صاحب مرحوم عظیم آباد کے ایک باوقعت رئیس تھے۔ عربی فارسی کے عالم اور فنِ خوشنویسی کے اچھے استاد تھے۔ مولانا حسرت کی ابتدائی تعلیم تو گھر ہی میں ہوئی مگر پھر کانپور میں مولنا شاہ محمد سلامت اللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں ایک عرصے تک رہکر دستارِ فضیلت حاصل کی۔ اور تھوڑے ہی عرصے میں اپنی عالمانہ تصنیفات اور صوفیانہ برکات کی بدولت اسقدر مقبول و مشہور ہوئے کہ لوگ اطراف و جوانب سے

آکر شاگرد و مرید ہونے لگے۔ ۱۳۰۳ھ میں گورنمنٹ عالیہ نے شمس العلماء کا خطاب دیا۔ شاعری کی طرف آپ کا میلانِ خاطر اوائل عمری سے تھا۔ مگر عربی فارسی جانتے تھے اور عربی فارسی ہی کہتے تھے۔ اردو سے کچھ شوق نہ تھا۔ کبھی کبھی بتقاضائے احباب کچھ کہہ لیتے تھے۔ چنانچہ باوجود کوشش بلیغ ہمیں اردو کے صرف چار شعر دستیاب ہوئے وہی ہدیۂ ناظرین کیئے جاتے ہیں۔ آپ فارسی میں حسرت اور عربی میں سعید تخلص فرماتے تھے ؛

دل ترا جور پہ مائل نہ ہوا تھا سو ہوا	تجھ سے آزردہ مرا دل نہوا تھا سو ہوا
زخمِ دل پر مرے ہنس ہنسکے چھڑکتے ہو نمک	یہ مزا عشق کا حاصل نہوا تھا سو ہوا
کیا تڑپکر دلِ مجروح نے کی بے لطفی	خوں سے تر دامنِ قاتل نہوا تھا سو ہوا
پاگیا عشقِ مجازی سے حقیقت کو سعید	الحمد للہ کہ کامل نہوا تھا سو ہوا

حسرتی ۔ منشی عبداللہ حسرتی۔ وقائع نگار و اڈیٹر ریاض الاخبار و دیگر اخبارات شعر کا بھی شوق ہے اور اوسط درجے کے شاعروں میں بُرے نہیں۔ کچھ عرصے لاہور کے مشہور رئیس پنڈت جنار دھن صاحب کی سرکار میں وظیفہ خوار رہے۔ کیفر کردار اور دو تین ناول ان کی تصنیف سے شائع ہو چکے ہیں۔ کلام کا نمونہ درج ذیل ہے ؛

تم نہ چاہو ہمیں پھر ہم تمھیں چاہیں کیونکر	ایسے بے مہر سے بتلاؤ نباہیں کیونکر
حالِ دل کہنے سے اُلٹا جو خفا ہوتا ہو	ماجرائے غمِ دل اُسکو سُنائیں کیونکر
جو ہنسا کرتا ہو خود کر کے دلوں کو گھائل	زخمِ دل اُسکو بھلا اپنے دکھائیں کیونکر
کیا نئی چھیڑ نکالی ہے یہ اُس نے مجھ سے	کہتے ہیں روز بتا تجھکو ستائیں کیونکر
حسرتی تیری خطا تھی دیا بیدرد کو دل	اب کسی کو غلط الزام لگائیں کیونکر

حسنؔ ۔ نواب اقتدار الدولہ محتشم الملک نواب مہدی علیخان ضیغم جنگ خلف میرزا امام الدین حیدر بن شجاع الدولہ بہادر دام اقبالہ داماد حضرت فردوس منزل متخلص بہ حسن شاگرد سعادتخان ناصر صاحب دیوان تھے۔ اکثر چھوٹی بحروں میں فصاحت کی داد دیتے تھے۔ عاشقانہ مضامین

پُر اثر زبان میں باندھ جاتے تھے۔ کلام ذیل کی سطروں میں ملاحظہ کیجئے۔

جُدا تن سے پہلے یہ سر کیجئے	تو پھر آپ یاں سے سفر کیجئے
پریشاں کرو یا زلفیں دکھا کے	کیا عاشق کا خوں مہندی لگا کے
دیا سو منتوں سے ایک بوسہ	یہ غمزے ہیں نئے اُس دلربا کے
کیا مثلِ کتاں سینہ مِرا شق	وہ مکھڑا چاند سا مجکو دکھا کے
ہیں باتیں سخت تیری او بُتا بے پیر پتھر کی	کہاں تک رو کے چوٹیں یہ دلِ دلگیر پتھر کی
جو تو رات دن مجھ پہ کرتا جفا ہے	یہی کیا زمانے میں رسم وفا ہے
اگر زندہ ہو تو ارسطو سے پوچھوں	کہیں دردِ دل کی بھی پیدا دوا ہے
نہیں یاں کے رہنے کا اِکدم بھروسا	یہ دُنیا نہیں ہے عزیزو سَرا ہے
لپٹ جاؤ آکر گلے سے ہمارے	یہی ہے تمنا یہی مُدعا ہے
نہیں دیکھتا جس میں اُڑنے کی طاقت	اُسے آج صیاد کرتا رہا ہے
پریشاں ہو کیوں حالِ مرغِ چمن کا	کسی پھول کو کیا صبا نے چھوا ہے
ہم سے صحبت جو یار نے کم کی	ندی جاری ہے چشمِ پُر نم کی
تیری خاطر سے او ستم ایجاد	باتیں سُنتے ہیں ایک عالم کی
مِسّی مَلکر جو خندہ زن وہ ہوا	برق ابرِ سیاہ میں چمکی
آپنے بیمار کا نہ پوچھو حال	زندگی اُسکی ہے کوئی دم کی
کر دیا غم میں مبتلا تو نے	جس کا ڈر تھا وہی کیا تو نے
خوں سے آلودہ جوئے شیر ہوئی	ہائے فرہاد کیا کیا تو نے
بات کا ہو دھنی تو ایسا ہو	جو کہا مجھ سے وہ کیا تو نے
آیا کس روز اپنے وعدے پر	عہد کس دن وفا کیا تو نے
بے وفا تجھ کو باوفا سمجھے	ہم جو سمجھے تھے وہ بُرا سمجھے

حسن

حسن۔ خواجہ حسن خلفِ خواجہ ابراہیم از فرزندانِ میر بھکاری متوطنِ دہلی۔ جوانِ وجیہ عالی حوصلہ بڑے لطیفہ گو اور بذلہ سنج تھے۔ علوم موسیقی ہندی سے بخوبی ماہر اور استنا د اس فن کی انکی تصانیف سے ظاہر ہے۔ فنِ شعر میں جعفر علی حسرت کے شاگرد تھے۔ انکی نسبت شوق اپنے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ علم نجوم میں بھی بھلا چنگا دخل رکھتے ہیں۔ علم تصوف کے بادشاہ ہیں۔ حسن پرست بھی تھے اکثر مقطعوں میں اپنے معشوق کا نام لایا کرتے تھے۔ اموراتِ دنیا میں مرزا حسن رضا خان نواب سرفراز الدولہ سے تعلق تھا ریختہ میں صاحب دیوان تھے۔ [illegible] اوقات بسر کرتے تھے۔ قلندر بخش جرأت سے جو انکے بڑے دوست تھے۔ خواجہ حسن اور بخشی طوائف کی داستانِ عشق ایک مثنوی میں نظم کی ہے ؎

آ کا محال ہوش میں ہے مجھ سے مست کا
مدہوش ہو چکا ہوں میں روزِ الست کا

کیسی صحبت اٹھ گئے کیوں یار کیا تھا کیا ہوا
مٹ گیا نقشہ وہ سب یکبار کیا تھا کیا ہوا

جتنے جو ہر دوستی کے خوب آتے تھے نظر
چلگئی ان سے چھری تلوار کیا تھا کیا ہوا

بیت مثنوی از جان بخشی * از اشعار حسن و جان بخش دو یار وفا ؎

وہ جب تک کہ زلفیں سنوارا کیا
کھڑا اسپہ میں جان وارا کیا

دیکھنے سے مرے کاہے کو غضب ہوتے ہو
کیا غضب ہو گیا۔ گر میں نے بھی دیکھا دیکھا

رہی بیقراری اسیروں کی یوں ہی
تو صیاد ٹکڑے ترا دام ہوگا

جو بندہ خانہ میں آیئے گا فقیر تمکو دعا کرے گا
کسی کے دل کو جو خوش کرو گے خدا تمہارا بھلا کریگا

ہیں تو سب طرح سے تیرا ہوں میاں
پر جو تو بھی کہیں میرا ہوتا

مانوں میں وعدۂ فردا اے یار
جب ترے وعدے کا فردا ہوتا

امنڈ کے آنکھوں سے اکبار یہ چلے آنسو
ہنسی ہنسی میں جو ذکرِ وداعِ یار ہوا

وقتِ وداعِ یار دلِ بیقرار نے
یہ آہ کی کہ عرشِ معلی ہلا دیا

دل دلاسوں سے کرے ہو آہ و زاری بیشتر
خانۂ ماتم میں ہو پرسے سے زاری بیشتر

جان بخشی کو بھی آیا نہ دمِ نزع حسن
اُسنے اسوقت میں بھی جسے چھپائیں آنکھیں

بھلا میں دوانہ نہیں پر یہ ناصح !	میرے ساتھ بکتا ہے عاقل کو دیکھو
فقط نقشہ نہیں خوب اُس کا عالم سے نرالا ہے	خدا نے اُسکو سر سے پاؤں تک سانچے میں ڈھالا ہے
خیال آتا ہے جب تیرا تو ہم جانے نہیں دیتے	ترے ملنے کا ہمنے یار اور ہی ڈھب نکالا ہے
نہ نکلوگے بھلا تم گھر سے کبتک یہ بھی دیکھیں گے	بہانہ کرکے تم نے آج تو بندے کو ٹالا ہے
کس طرح سے زیست ہوویگی بھلا اے دوستو	اب تو قاصد بھی ادھر کو آنے جانیسے رہے
کب میں کہتا ہوں کہ میری جان جانیسے رہے	پر تنک ایسا ہو کہ یہ دل تلملانے سے رہے
ہمنے ایسی بھی تو کچھ چوری نکی تھی آپ کی	بے سبب اب آپ جو ادھر کے آنے سے رہے
اُسنے کس کس طرح ٹالا ہمکو اپنے در سے پر	دیکھ تو ہم بھی حسن کس کس بہانے سے رہے
آکر بلا سے قتل ہی کر جایئے مجھے	صورت اسی بہانے سے دکھلایئے مجھے
غم سے ایذا جو اے صنم بخشی	یہ بھی سرکار کی کرم بخشی

حسن

حسن ـ سخنور کامل فن میر غلام حسن نام ـ حسن تخلص خلفِ میر غلام حسین ضاحک ـ آبا و اجداد اُنکے ہرات کے رہنے والے تھے۔ امامی ہروی نے کہ میر حسن کے جد تھے انقلاب زمانہ کے ہاتھوں وطن اصلی کو چھوڑ کر پرانی دہلی میں سکونت اختیار کی۔ چنانچہ میر ضاحک دہلی میں پیدا ہوئے اور میر حسن کا بھی ابتدائی زمانہ وہیں بسر ہوا۔ اُنکی وضع اور عادات کے متعلق کارسنڈی تیسی کا قول ہے کہ میر حسن برخلاف اپنے باپ کی وضع کے ڈاڑھی صفاچٹ کرواتے۔ پگڑی اگلے وقت کے لوگوں کی سی باندھتے اور پوشاک اپنے باپ کی سی پہنتے تھے یعنی سبز عمامہ اور بڑا جبہ۔ قد لمبا تھا۔ رنگ بھونرا۔ ظریف۔ خوش خلق۔ بیہودہ اور کلام معیوب کبھی زبان سے نہ نکالتے تھے۔ شیریں گفتار اور پسندیدہ تعلیم یافتہ تھے۔ لیکن بعض کتابوں میں جو اُنکی تصویر دیکھنے میں آئی ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ بقول صاحب آبحیات اُنکے سر پر بانکی ٹوپی۔ تن میں تنزیب کا انگرکھا پھنسی ہوئی آستینیں۔ کمر سے دوپٹہ بندھا ہوتا تھا۔ گمان غالب یہ ہے کہ دہلی میں اُنکا طرز لباس وہی ہوگا جو اُنکے والد کا تھا۔ لیکن قیام لکھنؤ کے زمانے میں اُس میں کچھ تبدیلی ہوگئی

ہو گی میر حسن کو لڑکپن ہی سے شعر و شاعری کا بدرجۂ کمال شوق تھا۔ چنانچہ بزمانۂ نوعمری شاہجہاں آباد میں مصلح غزلوں کے خواجہ میر درد صاحب تھے۔ عالم شباب میں مع والد بزرگوار فیض آباد میں آکر آباد ہوئے۔ ضیاء الدین ضیا اصلاح دیتے رہے۔ کبھی کبھی مرزا رفیع السودا سے بھی کہ ضیاء اُن کے ہم مشق تھے مشورہ کا اتفاق ہوا۔

اِس سے معلوم ہوا کہ میر حسن کی اُستادی کا فخر ایک سے زیادہ لوگوں کو حاصل ہے لیکن دردؔ اور سوداؔ کی شاگردی کو عارضی سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ دردؔ نے ابتدا میں اور سودا نے آخر میں صرف چند روز اُنھیں اصلاح دی تھی۔ درحقیقت میر حسن مستقل شاگرد میر ضیاء الدین ضیا کے ہیں جن کی نسبت مصحفی اپنے تذکرۂ شعراء میں لکھتے ہیں کہ "میر ضیاء الدین ضیا اُستاد میر حسن شاگرد میر تقی میر۔ میر حسن بسیار ثنا خوان و معتقد او بودہ" آزاد نے اساتذۂ میر حسن کے زمرے میں اُنکے والد میر ضاحک کو بھی شامل کیا ہے جو بالکل قرینِ قیاس ہے۔ میر حسن کی علمی لیاقت فارسی دانی میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ علاوہ متفرق فارسی اشعار کے اُن کی اُردو شاعری میں بھی فارسی ترکیبوں یا اُنکے ترجموں اور عام فارسی اندازِ بیان کی ایسی لطیف مثالیں کثرت کے ساتھ موجود ہیں جن کا کسی فارسی نہ جاننے والے شاعر کے کلام میں موجود ہونا ناممکنات سے ہے۔

حسن نے باوجود کامل اُستاد ہونے کے کسیکو اپنا مستقل شاگرد بنانا پسند نہ کیا۔ حتّٰی کہ آپنے صاحبزادے میر مستحسن خلیق کو بھی خود اصلاح نہ دی بلکہ مصحفی کے سپرد کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ دُنیائے غزل گوئی میں اُن کا سلسلۂ شاعری بہت جلد ناپید ہو گیا۔ لیکن جو کچھ اُن سے نہ ہوا وہ بامرِ الٰہی اُنکی اولاد سے ظاہر ہوا۔ اور اِس شان سے ظاہر ہوا کہ اُن کے پوتے انیسؔ و مونسؔ و اُنسؔ اُردو زبان کی ایک صنف کے موجد قرار پائے اور فن مرثیہ گوئی کا ایک ایسا نمونہ چھوڑ گئے جسکے اِسوقت ہزاروں پیرو موجود ہیں۔

میر حسن کے چار بیٹوں میں سے تین شاعر تھے۔ میر مستحسن خلیق۔ میر احسن خُلق اور میر

محسن محسن۔ اِن سب کا قیام فیض آباد میں رہتا تھا۔ چنانچہ خلیق و محسن بہو بیگم صاحبہ والدۂ نواب آصف الدولہ کے داماد میرزا تقی کی سرکار سے متعلق تھے۔ اور میر خلق نواب ناظر داراب علیخان کی خدمت میں رہتے تھے۔ خلیق اور خلق سے ایک ایک دیوان بھی یادگار موجود ہے۔

اِنکی تصانیف سے دیوانِ حسن مشتمل بر جملہ اقسام سخن اور مثنوی بدرِ منیر و گلزارِ ارم اِس وقت تک موجود و مشہور ہیں۔ دیوان چونکہ چھپا نہیں اِس لئے کمیاب ہے۔ راقم تذکرہ کے کتبخانے میں اُس کا ایک صحیح نسخہ موجود ہے۔ یہی حال دو اور مثنویوں کا بھی ہے۔ جن میں سے ایک کا قصہ اِس طرح پر ہے کہ ایک موقعہ پر میر حسن مرحوم کا سفر شاہ مدار کی چھڑیوں کے ساتھ مطابق پڑا۔ چنانچہ سفرِ مذکور کا حال ایک مثنوی کے قالب میں ڈھالا ہے۔ اِس میں فیض آباد کی تعریف اور لکھنؤ کی ہجو کی ہے۔ اِس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت عورتوں کی پوشاک وہاں کیا تھی اور چھڑیوں میں جانے والوں کے جزئیات رسوم کیا کیا تھے۔ شعرائے ریختہ کا بھی تذکرہ مرتب کیا تھا۔ مگر اب نہیں مِلتا۔

دہلی چھوڑنے کے بعد میر حسن فیض آباد اور بعد ازاں لکھنؤ میں جاکر مقیم ہوئے جہاں اُنھوں نے بڑی شہرت پائی اور نوّاب سالار جنگ برادر بہو بیگم صاحبہ نیز اُنکے بیٹے نواب مرزا نوازش علی خان سرفراز جنگ کی مصاحبت میں عزت کے ساتھ زندگی بسر کی اور آخر کار وہیں عشرۂ اولیٰ ماہِ محرم ۱۲۰۱ھ میں بعہد نوّاب آصف الدولہ وفات پائی اور عقب باغ نواب قاسم علیخان واقعہ محلہ مفتی گنج میں مدفون ہوئے۔ انتقال کے وقت آپکی عمر ۵۰ سال سے زیادہ تھی شیخ مصحفی نے تاریخ کہکر حقِ آشنائی ادا کیا۔

چوں حسن آن بلبلِ خوش داستاں	رُو ازیں گلزارِ رنگ و بو بتافت
بسکہ شیریں بود نطقش مصحفی	شاعرِ شیریں زبان۔ تاریخ یافت

حسن کا طرزِ کلام زیادہ تر میر اور بکثرت سودا کے اندازِ شاعری سے ملتا جلتا نظر آتا ہے اور ایسا ہونا بھی چاہیئے تھا کیونکہ سودا سے بلا واسطہ اور میر سے ضیا کے واسطے سے اُنکی شاگردی مُسلّم

ہے۔ بیان سے گزر کر زبان کو دیکھیے تو وہ بھی اِن ہی بزرگوں کی سی ثابت ہوتی ہے۔ وہی "میں دیکھیا" "میں کیا" جو میرؔ اور سوداؔ کے کلام میں پایا جاتا ہے اِن کے ہاں بھی موجود ہے جسکی سادگی اور شیرینی حسنؔ کے دیوان میں بھی وہی کیفیت پیدا کرتی ہے جسکی بہار میرؔ کے کلام کی جان ہے اصنافِ سخن میں سے میر حسن قصیدے کے مرد میدان نہ تھے۔ البتہ غزل سرائی میں اُن کا صاحب امتیاز اور مثنوی میں یکتائے زمانہ ہونا قطعی طور پر ثابت ہے جس سے کسی شخص کو انکار نہیں ہوسکتا حقیقت میں بقول حضرتِ آزادؔ بے نظیر و بدر منیر کا قصّہ لاجواب لکھا۔ زمانے نے اُس کی سحر البیانی پر تمام شعرا اور تذکرہ نویسوں سے محضرِ شہادت لکھوایا۔ اسکی صفائی بیان اور لطفِ محاورہ اور شوخیِ مضمون اور طرزِ ادا کی نزاکت اور جواب وسوال کی نوک جھوک۔ حدِّ توصیف سے باہر ہے۔ باوجود اسکے کہ سحر البیان کی تصنیف کے زمانے کو ۱۲۵ برس سے زیادہ گزر گئے لیکن اسکی زبان قریب قریب وہی ہے جو آجکل مروّج ہے "یہی ایک۔ امر اسبات کا کافی ثبوت ہے کہ میر حسن مغفور صد درجے سلیم المذاق شاعر تھے۔ اُردو زبان میں صرف ایک ہی اَور مثنوی لکھی گئی جسکو اِس مثنوی کا ہم پلّہ کہا جاسکتا ہے اور جو فی الواقع منصف مزاج مبصروں کے نزدیک اُسی تعریف کی مستحق ہے۔ فی الواقع قبولِ عام کی جو سند سحر البیان اور یادگار نسیم کو ملی وہ آجتک کسی تیسری مثنوی کو نصیب نہیں ہوئی۔

میر حسن کی غزلوں کا رتبہ انکی مثنوی کی برابر بلند نہیں ہے، پھر بھی بقول صاحب آبحیات اُنکے اشعار غزل کے گملوں میں گلاب کے پھول ہیں اور محاورات کی خوش بیانی مضامین عاشقانہ کے رنگ میں ڈوبی ہوئی ہے۔ نواب مصطفیٰ خان شیفتہ میر حسن کی نسبت لکھتے ہیں "مثنوی سحر البیان شہرتِ تمام دارد قطع نظر از پا لغزہائے شاعری محاورہ عام بہ نہ گفتہ بلکہ داد بلاغت دادہ" اِنکے کلام کا اِنتخاب درج ذیل ہے ⁂

طرفہ تر یہ ہے کہ اپنا بھی نہ جانا اور یونہیں رو رو کے کیا ابتر سب کام مرے دل کا	اپنا اپنا کہہ کے مجکو سب سے بیگانہ کیا کھویا مری آنکھوں نے آرام مرے دل کا

آغازِ محبت میں دیکھا تو یہ کچھ دیکھا
کیا جانیئے کیا ہوگا انجام مرے دل کا

جب تک میں جیا مجکو قاصد نہ ملا آخر
اَب جی ہی چلا لے کر پیغام مرے دل کا

کوئی دن کے ہیں مہماں اِس چمن میں یکدگر
مثالِ نکہتِ گل شام جانا یا سحر جانا

کیا جانے اُسکے جی پر کیا کچھ خیال گزرا
کچھ آپ ہی آپ اپنے دل پہ ملال گزرا

ایسی ہی آہ باتیں اُس بیوفا نے چھیڑیں
روتے ہی روتے جس میں روزِ وصال گزرا

غیروں میں دیکھ تجکو بیٹھے ہوئے کہیں کیا
جو کچھ کہ اپنے دل پہ گزرا خیال گزرا

پر منصفی سے اتنا فرمائیے کہ بارے
خدمت میں آپ کی بھی کچھ انفعال گزرا

گر کیجیے رقم کچھ تری وحدت کے بیاں کا
تو چاہیئے خامہ بھی اُسے ایک زباں کا

سربستہ رہا یوں ہی یہ رازِ حرم و دَیر
معلوم ہوا بھید یہاں کا نہ وہاں کا

جس عالمِ ہستی کو سمجھتے تھے بہار آہ
آخر کو جو دیکھا تو وہ موسم ہے خزاں کا

سر دیوے گا جبدم تو حسن تیغ کو اُسکی
اسرار کھُلے گا تبھی اِس سِرِّ نہاں کا

جانا تو ہم نے چھوڑا پر کیا کریں حسن ہائے
چھُٹتا نہیں ہے دل سے ہرگز خیال ہاں کا

تیرے ہی غم کا گھر ہے یہ دل جلا نہ اِسکو
ظالم تو پھر کسیکا کاہے کو گھر رہے گا

بتخانہ ہی میں چل بیٹھ یا کعبہ میں حسن اب
یوں کب تلک دِوانے تو دربدر رہے گا

کروں شکوہ تو بے وسواس اُس سے میں آنیکا
نہو دھڑکا مرے دلمیں اگر اُسکے روٹھ جانیکا

مجھے آتا ہے رونا دیکھ کر زانو کو اب اپنے
کہ تھا اک وقت میں تکیہ کسی کے یہ سرہانے کا

عشق کبتک آگ سینے میں مرے بھڑکائیگا
راکھ تو میں ہو چکا کیا خاک اب سلگائے گا

کر چکے صحرا میں وحشت پھر چکے گلیوں میں ہم
دیکھئے اب کام ہمکو عشق کیا فرمائے گا

تو گرفتاری کے باعث مضطرب صیاد ہوں
لگتے لگتے جی قفس میں بھی مرا لگ جائیگا

جب سے جُدا ہوا ہے وہ شوخ تب سے مجکو
نت آہ آہ کرنا اور زار زار رونا

خدا جانے کہ آخر رفتہ رفتہ حال کیا ہووے
شیوا ہے بے طرح آنکھوں کو کچھ آزار رونیکا

مت سہم دل مبادا یہ خون سوکھ جاوے | آتا ہے تیر اُس کا پیاسا ترے لہو کا
غنچہ ہوں میں نہ گُل کا نے گُل ہوں میں چمن کا | حسرت کا زخم ہوں میں اور داغ آرزو کا
لایا غرور پر یہ عجز و نیاز تجھکو | تیرا گنہ نہیں کچھ اول سے میں ہی چُوکا
آہ! کیا جانیے محفل میں یہ کس کی خاطر | شمع روتی ہے جُدی جلتا ہے پروانہ جُدا

سیرِ گلشن کریں ہم اُس بن کیا | اب نہ وہ دل نہ وہ دماغ رہا
شاد ہوں ہیں کہ دیکھ میرا حال | غیر کرنے سے اِلتماس رہا
خار سے پھوٹے پھپھولے پاؤں کے | درد ہی آخر مرا درماں ہُوا

کیسی وَفا، کہاں کی مُحبت، کدھر کی مہر؟ | واقف ہی تُو نہیں ہے کہ ہوتا ہے پیار کیا

نہیں مجکو دشمن سے شکوہ حسن | مرا دوست مجکو ستانے لگا
پھر چھیڑا حسن نے اپنا قصّہ | بس آج کی شب بھی سو چُکے ہم

بہنے لگا لہو پھر آنکھوں سے کچھ حسن کی | زخمِ جگر کا شاید سر کا ہے اس کے پھاہا

ق

آکے وہ بیٹھتا ہے تب ہم پاس | آپ میں جب ہمیں نہیں پاتا
زندگی نے وَفا نہ کی ورنہ | مَیں تماشا وفا کا دکھلاتا
مر گئے کہتے کہتے اپنا حال | کچھ تو تُو بھی زباں سے فرماتا
مَیں تو جاتا ہی آپ سے لیکن | تیرے کہنے سے اب نہیں جاتا
ہے عجب ماجرا کہ اپنا تو | تجھکو مطلق کہا نہیں بھاتا
اور تیرا اختلاط ہر اِک سے | کیا کریں ہمکو خوش نہیں آتا

ظاہر ہیں گو لکھا نہ لکھا خط تو کیا ہُوا | ہوتے ہیں کوئی دل سے فراموش آشنا
مہر و وفا کا میری جور و جفا کا اپنی | میری طرف سے اپنے دل میں حساب رکھنا
بھر بھر کے آہ و نالے غش کر چلی ہے بلبل | پیالی میں گُل کی شبنم تھوڑا گلاب رکھنا
خط کا جواب دے گا تو دیگا ہی وہ شوخ | نامہ کو پرزے کرکے ہوا پر اُڑا دیگا

تیرا سا دل یہ میرا نہیں اسکو جان رکھ
کسکو کرے گا یاد جو تجھکو بھلائے گا

اظہار خموشی میں ہے سو طرح کی فریاد
ظاہر کا یہ پردہ ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

کیا پوچھے ہے مجھسے میری خاموشی کا باعث
کچھ تو سبب ایسا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

دور سے باغ جہاں دکھلا کے پروانہ کیا
متصل جانے نہ پایا میں کہ ویرانہ کیا

جی اگر اس سے لگا یار شک سے دل جل گیا
دل اگر اس کو دیا جی ہاتھ سے جاتا رہا

شاہ ہووے غلام کا بندہ
وعدہ آنے کا ہے حسن مت رو

کون پوچھے ہے عاشقی میں ذات
ہو نہ اسکو بہانہ برسات

اس گنجفے کا یہاں کے ہے کھیل اور ہی کچھ
دیتے ہیں جان ناحق نادان مورتوں پر

ماتھے پہ دلبروں کے افشاں نہیں چنی یہ
تحریر ہے طلائی قرآں کی سورتوں پر

جس طرح ہو کوئی حیراں روئے حیراں دیکھکر
دل پریشاں ہو گیا زلف پریشاں دیکھکر

وصل کی شب کے مزے کو ہمنشیں پوچھیگا وہ
جو کوئی جیتا بچے گا روز ہجراں دیکھکر

پا برہنہ ساتھ ناقے کے چلا آیا ہے قیس
اک طرف کر دے صبا خار مغیلاں دیکھکر

دامن صحرا سے اٹھنے کو حسن کا جی نہیں
پانو دیوانے نے پھیلائے بیاباں دیکھکر

اب جو چھوٹے بھی قفس سے تو کیا
ہو چکی واں بہار ہی آخر

میں حشر میں کیا روؤں کہ اٹھ جاتے ہی تیرے
برپا ہوئی اک مجھپہ قیامت تو یہیں اور

گرچہ دلکو ہے یقیں خط کو نہیں پڑھنے کا وہ
پر تقاضا شوق کا لکھنے سے کب رہتا ہے باز

جوں چراغ صبح گاہی اے نسیم
عازم ملک فنا بیٹھے ہیں ہم

پھر چھیڑا حسن نے اپنا قصہ
بس آج کی شب بھی سو چکے ہم

کعبے میں نہ کافر ہو نہ یوں دیر میں دیندار
جس طرح کہ میں در پہ ترے خوار ہوا ہوں

صیاد کی مرضی ہے کہ اب گل کی ہوس میں
نالے نہ کریں مرغ گرفتار قفس میں

پھر کل کے تو وعدے پہ لگا کھانے قسم آج
کیا بھول گئیں اپنی وہ کل کی تجھے قسمیں

وصل ہوتا ہے جن کو دُنیا میں
یارب ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں

ناز سے غمزے سے عشوے سے لگا لیتے ہیں
جسکو وہ چاہتے ہیں اپنا بنا لیتے ہیں

چل دل اُسکے گلی میں رو آویں
کچھ تو دل کا غبار دھو آویں

گو ابھی آئے ہیں پہ ہے جی میں
پھر بھی ٹک اُسکے پاس ہو ویں

دل کو کھویا ہے کل جہاں جا کر
جی میں ہے آج جی بھی کھو آویں

گو خفا سب ہوا کریں پہ ہم
اِک ذرا اُسکو دیکھ تو آویں

عدم عین ہستی اُنھیں کو ہوا ہے
جو ہستی کو اپنی عدم دیکھتے ہیں

اگر زندگی ہے تو چل کر حسن ہم
اِن آنکھوں سے اُنکے قدم دیکھتے ہیں

نہ لیٹ اِس طرح مُنہ پہ زلف کو بکھرا کر لیٹا ہم
ذرا اُٹھ بیٹھ تو اسدم کہ دونوں وقت ملتے ہیں

تھا ہجر ہی بھلا کہ ہمیں تھی اُمید وصل
پھر ہجر کا خیال بندھا وصل یار میں

دیوانے گاہ رُخ کے رہے گاہ زلف کے
یہ عمر کٹ گئی اِسی لیل و نہار میں

مُوئے سفید نے نمک اُس میں مِلا دیا
کیفیت اب رہی نہیں جام شراب میں

وہ اور زمانہ تھا کہ خوباں میں تھی اُلفت
ایسا نظر آتا نہیں اب ایک بھی وس میں

غیروں کی بات کیا کہوں اُسکی تو یاد میں
اپنا بھی مجکو دھیان کبھی ہے کبھی نہیں

اُسکی جب بزم سے ہم ہو کے بتنگ آتے ہیں
اپنے ساتھ آپ ہی کرتے ہوئے جنگ آتے ہیں

رُوٹھا کرے وہ کیوں نہ کسی اور سے حسن
یہ سب بگاڑ چاہ کا ہے اور کچھ نہیں

کل عہد کچھ کیا تھا دیا قول آج کچھ
پھر کہیو تو کہ میری بدلتی نہیں زبان

دروازہ گو کھُلا ہے اِجابت کا پر حسن
ہم کس کس آرزو کو خدا سے طلب کریں

کہتا ہے تو کہ میں ہی تجھ سے نباہتا ہوں
تو ہی کہیں ہو سچا میں یہ ہی چاہتا ہوں

مجھکو باور ہی نہ آتا تھا بہت دُور ہے تو
میں نے دیکھا تجھے اللہ بہت دور ہے تو

غیر کو تم نہ آنکھ بھر دیکھو!
کیا غضب کرتے ہو اِدھر دیکھو!

دیکھنا زلف و رخ تمہیں ہر وقت
گل ہوئے جاتے ہیں چراغ کی طرح

شام دیکھو نہ تم سحر دیکھو!
ہم کو ٹک جلد آن کر دیکھو!

کمی جس جا کرے بارش تو یہ کہدیجو دہقاں کو
کہ اپنی کشت پہ لیجائے میری چشم گریاں کو

رکھلے ہے وہ صبا سے اور یہ تیری تیغ کے دم سے
مقابل گل سے کیونکر کیجیے اپنے زخم خنداں کو

نہیں تقصیر کانٹوں کی مرا چھالا ہی پاؤں کا
برنگ کہربا کھینچے ہے خود خار مغیلاں کو

مری ہے زیست وابستہ اسی سے اسکو رہنے دو
نکل جاویگا میرا جی ہی گر کھینچو گے پیکاں کو

گل کہا اس سے کسی نے کہ حسن مرتا ہے
ہنس کے کہنے لگا میں کیا کروں مر جانے دو

عمارتِ جہاں کی پائداری پر تو اے منعم
نظر سے مت گرا دینا کسی کے دل کے کونے کو

حسن بھی آدمی ہے کچھ خفا ہوتے ہو تم جس سے
خرافاتی۔ جنونی۔ باؤلا۔ سودائی۔ آوارہ

جو ہوا ہم پہ ستم ایجاد تیرے ہاتھ سے
کیا کریں اب آہ ہم فریاد تیرے ہاتھ سے

دردِ دل بھی ہے تجھی سے اور تو ہی درماں بھی ہے
داد تیرے ہاتھ سے بیداد تیرے ہاتھ سے

غیر سے شکوہ شکایت کچھ نہیں دل کو ہے
شاد تیرے ہاتھ سے ناشاد تیرے ہاتھ سے

اِک جان کے درپے ہیں مری اتنے ستمگر
غمزہ ہے۔ کرشمہ ہے۔ اشارہ ہے ادا ہے

گر بخت اپنا جاگے تو اک کام کیجیے
سایہ میں اُسکی زلف کے آرام کیجیے

وہ دن گئے کہ دل میں رہتا تھا درد اپنے
اب دل نہیں سراپا اِک درد ہو گیا ہے

حسن دیتا ہے تو کیوں جی بتوں پر
رلا دینگے تجھے یہ کیا خدا سے

تیری یہ چھیڑ چھاڑ مرے جی کو بھا گئی
لی چٹکی اِس ادا سے کہ بس جان آگئی

لگاتے ہی لب لب سے بس جی دیا
حسن اور لینے کے دینے پڑے

تعجیل نہ کرلے دل آنے تو لگا ہے وہ
ملجائیگا بوسہ بھی کیا مُنہ کا نوالہ ہے

دی تھی یہ دُعا کس نے مرے دل کو الٰہی
اُجڑے ہے یہ گھر ایسا کہ پھر آباد نہ ہووے

کہنے کی ہیں یہ باتیں کس پہ نہیں گزرتی
پر ایک جان تو ہے جس پہ نہیں گزرتی

جو چاہیے آپکو تو اُسے کیا نچاہیئے
انصاف کر تو چاہیئے یہ یا نچاہیئے
عیش و وصال صحبت یاراں فراغ دل
اس ایک جان کے لیئے کیا کیا نچاہیئے

رات غیروں کا بیانِ آہ و زاری کر گئے
آپ اچھی آکے میری غم گساری کر گئے

کیا ہمنے اب کوئی اور کیا رو سکے
دل ٹھکانے ہو تو سب کچھ ہو سکے
اسکے بچھڑے ملو گے پھر کہ نہیں
کچھ تو وعدہ وعید کر بیجے

ہمیں تنہا نہیں اُس شوخ کے کوچے میں کتنے ہی
برنگِ نقشِ پا ہیجو و پڑے ہیں جا بجا ہمسے
پھر رو ئیو حسن تو نامہ تو لکھ لے ظالم!
تُو نے تو یہ کتابت رو رو کے ساری تر کی

یہ جو کھٹکے ہے دل میں کانٹا سا
مژہ ہی نوکِ خار ہے کیا ہے؟
چشم بد دُور تیری آنکھوں میں
نشہ ہے یا خمار ہے کیا ہے؟
کیوں گریبان تیرا آج حسنؔ
اس طرح تار تار ہے کیا ہے؟

جو دیکھ کے آئینے کو مُنہ اپنا چھپا لے
اُسکو تو نہ مجھسا ہو نہ باتوں میں لگا لے
جب تک جیئے مصیبت غم کی نہ سر سے سر کی
سر سے گزر کے آخر ہمنے مہم یہ سر کی
اِک داغ ہو گیا اور اک ٹکڑے ہو کے نکلا
یہ کچھ تو ہمنے دیکھی صورت دل و جگر کی
بے سبب رونا نہیں آتا کسیکو ہمنشیں
شمع کے دل میں بھی شاید کچھ غمِ پروانہ ہی
قمارِ عشق میں پانسہ پڑا برعکس ہی اپنا
کچھ اپنی قسمتِ بد نے عزیزو ہار ایسی کی
بلا سے اپنے گھر میں گالیاں دیتا تو بہتر تھا
خرابی تو نے کیوں میری سرِ بازار ایسی کی
قیس و فرہاد کے رونے کی جب آتی ہے لہر
کوہ و صحرا پہ گھٹا جا کے برس آتی ہے
زندگی ہے تو خزاں کے بھی گزر جائینگے دن
فصلِ گل جیتوں کو پھر اگلے برس آتی ہے
جب قفس میں تھے تو تھی یادِ چمن ہمکو حسنؔ
اَب چمن میں ہیں تو پھر یادِ قفس آتی ہے
اَبرو سے اور مژہ سے عالم کی جان لی ہے
پہلے پہل یہ اُس نے تیر و کمان لی ہے
جان و دل ہیں اُداس سے میرے
اُٹھ گیا کون پاس سے میرے

تم اُدھر دھوتے رہے منہ ہم اِدھر روتے رہے — روتے دھوتے وو گھڑی باہم فریبے کٹ گئی
جی اُدا نے زلف نے دل ہوش غمزے نے لیا — جنسِ ہستی اپنی سب غارت میں آکر لٹ گئی

حسن - حاجی سیّد احمد حسن صاحب لکھنوی - شاگرد نواب معظم الدولہ عرف خواجہ صاحب دہلوی زیادہ حالات و واقعات کا پتہ نہیں چلا - نمونۂ کلام درج ذیل ہے - ملاحظہ ہو -

کسی حجاب سے اِن اَبرؤں کو کام نہیں — یہ نیمچے وہ ہیں جن کا کوئی نیام نہیں
پھری نگہ نہ کبھی اُسکے طاقِ اَبرو سے — یہ وہ نماز ہے جس کے لیے سلام نہیں
ہوا ہوں بادۂ وحدت سے اے حسن سرمست — جو مئے خمار سے ہو پاک وہ حرام نہیں

حسنؔ - دہلوی - میرزا کاظم حسین حسن عرف میرزا حسنو ولدِ مرزا عطا بیگ دہلوی نواب محمد سعید خان والیٔ رامپور کی سرکار میں ملازم تھے - مدّتِ دراز تک وہیں رہے - ستّر برس کی عمر پاکر ۱۲۸۲ھ میں انتقال کیا - علمِ تاریخ میں اچھی مہارت رکھتے تھے - صاحب دیوان گزرے ہیں - یہ اُنکے کلام کا انتخاب ہے -

نہ مان کہنے کو واعظوں کے نہ ہو مسلماں حرم میں جاکر — نماز روزہ گلے پڑے گا خدا خدا کر خدا خدا کر
جب پہ دعوی خون کا تھا آئے تھے فریاد کو — حشر میں بھی حکمراں دیکھا اُسی جلّاد کو

وفورِ شوق میں کسکو خبر ہے — وفا کی اُسنے یا ہم پر جفا کی
یہی اک رند باقی تھا صد افسوس — خدا بخشے حسن نے بھی قضا کی

رہا ہے کون اگلوں میں حسن یا میرزا نوشہ — یہ دو باقی تھے رندوں میں سو بنکر پارسا بیٹھے
صبح ہوتی ہے شبِ غم نہ قضا آتی ہے — چارہ گر کچھ سمجھے مرنے کی دوا آتی ہے

حسن - منشی سیّد محمد حسن ولدِ میر حسن لکھنوی تلمیذ خواجہ وزیر لکھنوی - خود بھی نامور اور صاحب دیوان تھے - جس کا قلمی نسخہ راقم تذکرہ کے کتب خانے میں موجود ہے - امجد علی شاہ اور واجد علی شاہ کے زمانے میں نشو و نما پائی تھی - مگر اکثر شعر دیوان میں ایسے ہیں کہ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُنھیں شاعری کا مذاقِ سلیم نہ تھا - یا غالبًا اُنکے عہد کی سوسائٹی کا اثر ہی

بہرکیف ہم نے اس قسم کے اشعار انتخاب میں نظر انداز کر دیئے ہیں۔ عمدہ کلام درج ذیل ہے

ہم بھول گئے جس کے لئے یاد خدا کی
وہ بت بھی ہوا رام نہ اے برہمن اپنا

کہتی ہے یہ بت پس مُردن بھی ہماری
کام آئے کسی اور کے دو گز کفن اپنا

رہائی ہو مجھے کیونکر بلائے تیرہ بختی سے
تعشق ہے مجھے زلف و خط و خالِ زنخداں کا

اُس مستِ ناز کو گر شوقِ شراب ہوگا
خم آسماں بنے گا جام آفتاب ہوگا

جی کے بہلانے کو اُلفت کی تھی سوجھی ہی بھلا
نفع جس میں سمجھے تھے اب یہی ضرر ہونے لگا

تو خود ہی سمجھے وہ آئینہ رُو
حال کیا پوچھے کسی غمناک کا

ہم سے بھی یوں ہی چھوٹ گیا کوچۂ صنم
جنت کو جیسے ہاتھ سے آدم نے کھو دیا

نہ تو رنگِ زلف سیاہ تھا نہ وہ چہرہ غیرتِ ماہ تھا
کہیں آپ صورتِ لیلیٰ تھا کہیں آپ شکلِ ہما تھا

شبِ ہجر سوؤں تو زیرِ سر رہے ہاتھ کس کا جو چین آئے
جو سحر کو اٹھوں تو دیکھوں کیا مرا آئینہ رخِ یار تھا

پڑا مجھ پہ تیر جو یار کا تو بر آئی دونوں کی آرزو
مجھے صید ہونے کا شوق تھا اُسے اشتیاقِ شکار تھا

دن تو نالوں میں کٹا رات تڑپ کر گزری
عشقبازی کا مزا اے دلِ شیدا دیکھا

مر جاؤں میں تو خاک رہے کوئے یار میں
مٹی نہ کیجیو مری اے آسماں خراب

خونِ دل عاشقوں کا حاضر ہے
کیوں حنا ہاتھ میں لگائیں آپ

ترے لعلِ لب لیں یمن سے خراج
تری زلف چاہے ختن سے خراج

وہ سفاک ہے وہ کہ لے مرغِ روح
لیا تیغ نے جس کی تن سے خراج

نقلِ مکاں کے واسطے تیرے مریض کو
جز قبر اور کوئی نہیں ہے مکاں پسند

بلبل کو اب تو چھوڑ دے صیاد قید سے
کہتے ہیں ان دنوں میں ہے گلشن بہار پر

جل ہی گیا نہ شعلۂ عارض سے اے حسن
پروانہ سے ہوئی جو کبھی ہمکنار شمع

بے سبب کب ہے عرق آلودہ رخ پر یار زلف
چاٹتی ہے آ کے اس گلشن کی شبنم بار زلف

آنکھیں آہوئے ختن ہیں نافۂ مشکیں ہے خال
ہے حلب آئینۂ رخ لب یمن۔ تاتار زلف

سرگشتہ ہوں ایسا کہ پسِ مرگ بھی اکثر — بنتا ہے مری خاک سے اے چرخِ کہن چاک
ہنستے ہیں وہ جو رو کے کہوں ماجرائے دل — بیدرد پر کسیکا الٰہی نہ آئے دل
پہلو میں دل جو ہو تو وہ لیجائے دلستاں — رکھتا ہوں میں تو پارۂ آتش بجائے دل
عارض پہ حسن اُسکے نہیں زلفِ پریشاں — ہے صبحِ وطن شامِ غریباں کے مقابل
واہ رے خوبیٔ قسمت کہ بگڑنے کے سوا — کوئی بنتا نہیں اپنا کسی تدبیر سے کام
تجھ سے اِک بوسے کے طالب ہیں فقط اے شہِ حسین — نہ غرض مال سے رکھتے ہیں نہ جاگیر سے کام
وصل ممکن نہ ہوا ہو گیا اے جان وصال — رہی آخر یہ مرے دل کی تمنا دل میں
اِک دم ٹھہر کہ جان نکلتی ہے جسم سے — جاتا ہے اُٹھ کے او بتِ نامہرباں کہاں
تکتا ہوں ہر طرف نہیں ملتی وطن کی راہ — مجھ ناتواں کو چھوڑ گیا کارواں کہاں
جائے کیونکر تری محفل سے یہ دیوانہ کہیں — شمع کو چھوڑ کے جاتا نہیں پروانہ کہیں
دل ہے کاکل میں پھنسا کیجو نہ تو شانہ کہیں — قید سے چھُٹ کے نکلجائے نہ دیوانہ کہیں
ساغرِ وصل کا طالب جو ہوا میں تو کہا — ہو لبالب نہ تری عمر کا پیمانہ کہیں
دیکھا اُس بُت کو جو زاہد نے تو یہ حال ہوا — پھینکا عمامہ کہیں سبحۂ صد دانہ کہیں
جو پوچھتا ہوں کہ کیوں تاکتے ہو دلکو مرے — تو کہتے ہیں کہ ہم اپنا شکار دیکھتے ہیں
دکھا دی دُور سے مثلِ ہلال شکل تو کیا — جو آپ پاس بلا لیں تو ہاں کمال کریں
شعلۂ عارض پہ تیرے خط عیاں ہوتا نہیں — شمع روشن ہے وہی جس میں دھواں ہوتا نہیں
بدزبانی کے عوض خنجر لگانا خوب ہے — اندمالِ زخمِ شمشیرِ زباں ہوتا نہیں
جیتے جی اے جانِ جاں ہم تم جدا ہوں ہے عجب — بے موئے ہرگز فراقِ جسم و جاں ہوتا نہیں
بخدا تجھ سا حسیں او بتِ مغرور نہیں — ہمسری تجھ سے کرے حور یہ مقدور نہیں
تیری رسوائی کسی شکل سے منظور نہیں — ورنہ عاشق نہ کرے آہ یہ دستور نہیں
مثل سچ ہے کہ ہوتی ہے بلا نا جنس کی صحبت — الٰہی آدمی کوئی نہ ان پریوں پہ مائل ہو

کام کیا ہے در و درباں سے سُبکساروں کو	بوئے گُل پھاندتی ہے باغ کی دیواروں کو
فدائیوں میں ہمارا شمار ہونے دو	تم اپنے چاند سے رُخ پر نثار ہونے دو
اَب تجھ سے کیا کہوں میں کہ یہ کمبخت نامہ بر	آنکھوں سے تُو تو دیکھ چکا میرے حال کو
وہ باتیں کیں کہ اَور بھی آزردہ کر گئے	آئے جو میرے پاس وہ رفع ملال کو
بوسۂ دستِ صنم لے لیتا آرائش کے وقت	کاش مَیں ہوتا حسن تصویر پشتِ آئینہ
جس بزم میں وہ آئینہ رو یک بیک گیا	حیراں وہ بزم صورتِ تصویر ہو گئی
رہا ہوئے ہیں ہزاروں اسیر اے صیاد	اِدھر بھی اِک نظرِ بندہ پروری ہو جائے
مرے سوا نہ کسی اَور پر کرو بیداد	مجھی پہ ختم تمھاری ستمگری ہو جائے
زلف کو دیکھے تو ہو جائے مسلماں کافر	رُخ تِرا دیکھے جو کافر وہ مُسلماں ہو جائے

حسن - مفتی محمد حسن صاحب حسن باشندۂ گوپامئو وکیل عدالت جونپور شاگرد مرزا حاتم علی بیگ مہر مغفور۔ انتقال کیے عرصہ ہوا۔ چند شعر یادگار ہیں ؛

ہزار بار اُٹھائے گئے مگر نہ اُٹھے	مِثالِ نقشِ کفِ پا پڑے رہے در پر
مُسافرانِ عدم پاؤں کسطرح سے اُٹھائیں	دراز راہ ہے بارِ گناہ ہے سر پر
ہمارے کاٹے تو کٹتی نظر نہیں آتی	شبِ پہاڑ نہیں ہے پہاڑ ہے سر پر
صورت نظر پڑی ہے فلک پر سحاب کی	ساقی خدا کے واسطے بھیر سے شراب کی

حسن - شیخ حسن بخش ولد مخدوم شاہ محمود ساکن ملتان۔ زیادہ حال معلوم نہ ہُوا۔

زلف رُخ سے اِدھر نہیں ہوتی	کیسی شب ہے سحر نہیں ہوتی
تیرے دنداں کے رُوبرو ہرگز	قدر لعل و گہر نہیں ہوتی
بے کیے عشق زلف اور کاکل	عمر اپنی بسر نہیں ہوتی

حسن - مولوی سید امیر حسن صاحب مرحوم تخلص حسن ابن حاجی سید اکبر علی صاحب مرحوم ساکن سہارنپور سادات موسوی اثنا عشری تھے - اِنکے جدِ اعلیٰ سید عبدالہادی صاحب

عرف شاہ چراغ کاشان سے سلطان محمود غزنوی کے ہمراہ ہندوستان میں آئے تھے۔
مولٰنا حسن نے تقریباً ۵ سال تک سرکار انگریزی کی عدالتہائے ضلع میں وکالت کی جائداد
آبائی بھی بہت کچھ تھی۔ نہایت متقی و پرہیزگار۔ عربی و فارسی میں استعداد کامل رکھتے تھے۔
اس لیئے اوقات فرصت میں شغل درس بھی جاری رہتا تھا۔ اور علمی مباحثات اور اہل علم و فن سے
انکی صحبت ہمیشہ گرم رہتی تھی۔ لکھنؤ دہلی کے باکمال سہارنپور میں وارد ہوتے تو انہی کے
مہمان ہوتے۔ خوشنویس بھی اعلیٰ درجے کے تھے۔ عربی۔ فارسی۔ اردو۔ تینوں زبانوں میں
شعر کہتے تھے۔ ملک الشعراء مولوی مہدی علی خان صاحب مُرادآبادی اکثر انکے یہاں آکر مقیم
ہوتے تھے۔ چنانچہ انھیں سے تلمذ اختیار کیا تھا۔ سہارنپور کے متقدر شرفا اور عمائد میں گنے
جاتے تھے۔ دہلی و لکھنؤ بھی گئے اور وہاں کے اہل کمال سے ملکر داد سخن دینے اور لینے کا موقع
ملا۔ آخر میں بوجہ پیرانہ سالی اور داغ مرگ فرزند جوان کیوجہ سے حواس میں اختلال آگیا تھا۔
۱۸۸۹ء میں ۸۰ برس کی عمر میں انتقال کیا۔ اور سہارنپور میں دفن ہوئے۔ افسوس کہ کلام
مصنف کے امراض دماغ اور ورثا کی کم التفاتی سے تلف ہوگیا۔ اس لیئے جو کچھ دستیاب ہوا
حاضر کیا جاتا ہے ؂

جب آسیا کی طرح رات دن رہی گردش
غیر نے روک لیا مجکو جانا کیا تھا

زلف و رخ انتخاب ہیں دونوں
سوز فرقت سے جل رہا ہوں میں
وصل میں چین ہے نہ فرقت میں
شرم اِدھر ہے نہ کچھ لحاظ اُدھر
کام کے آدمی تھے قیس و حسنؔ
جہاں کی ہوتی ہے وہیں لیجا کے رہتی ہے

بزیر چرخ میسر تب ایک دانہ ہوا
عذر بدتر زگنہ بات بناتا کیا تھا

روز و شب کے جواب ہیں دونوں
جگر و دل کباب ہیں دونوں
جان کو اک عذاب ہیں دونوں
نشہ میں بے حجاب ہیں دونوں
عشق میں پرخراب ہیں دونوں
حسنؔ پاؤں میں ہے ہر شخص کے زنجیر مٹی کی

وا دریغا عجیب ہستی ہے	موت ہستی پہ اپنی ہنستی ہے
خیال آنکھوں کا اُنکی یاں تلک دل میں سمایا ہے	مجھے سب لوگ کہتے ہیں اِسے پریوں کا سایا ہے
حسن سوتا تھا کنج قبر میں آرام و راحت سے	اِسے اے شورِ محشر کس لیئے تُونے جگایا ہے

حسن

حسن - شاہ محمد حسن صابری خلف حکیم حافظ عبد اللہ حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی رحمۃ اللہ کی اولاد میں تھے عموماً کسب کمالات کا شوق رہا خصوصاً فن ڈاکٹری کا بہت ذوق تھا۔ کبھی کبھی شعر گوئی کی طرف بھی توجہ کرتے تھے۔ نواب خلد آشیاں کے عہد میں ریاست رامپور کے متوسّل تھے۔ پہلے حکیم محمد حنیف رضا اپنے ماموں سے پھر اپنے پیر و مرشد سے اصلاحِ سخن لیتے تھے۔ آخر میں حضرت امیر مینائی مرحوم کو بھی اپنا کلام دکھایا۔ تذکرۂ انتخاب یادگار کے وقت ستّر برس کی عمر تھی۔ یہ اُن کے اشعار ہیں۔

مِٹّی نظر میں اُسکی ہے اکسیر و کیمیا	ہاتھ آئی جسکو روضۂ احمد کی خاکِ پا
وادیٔ غربت میں جا نکلا جو تکیے کیطرف	دیکھ کر گورِ غریباں کو وطن یاد آگیا
بوستاں میں مہک رہے ہیں جو پھول	یہ حبیبِ خدا کی خوشبو ہے

نواب خلد آشیاں کی مدح میں یہ قصیدے کے چند اشعار ہیں۔

کس کے اوصاف کا کاغذ پہ کھلا ہے گلشن	کہ ہر اک مصرعِ برجستہ ہے شمشادِ چمن
نقطے حرفوں پہ دکھاتے ہیں لطافت کی بہار	گُلِ فردوس سے گلچیں کا بھرا ہے دامن
دیکھا یہ رنگ تو خوش ہو کے یہ دل نے پوچھا	کس گُلِ تر کی صفت میں یہ کھلا ہے گلشن
ہنس کے تب بلبلِ دل کو یہ دیا میں نے جواب	میرے ممدوح کا تو نام ہے سب پر روشن
نامورِ کلبِ علیخانِ بہادر ہے لقب	معدنِ جود و عطا فیض و سخا کا مخزن
فیض ایسا ہے کہ ادنی کو بناوے اعلیٰ	خُلق ایسا ہے کہ دشمن بھی جھکالے گردن

حسن - سیّد علی حسن شاہجہاں آبادی۔ آپ شجاع۔ تیر انداز۔ خوشنویس۔ دستکار۔ فن بانک و پٹہ میں مہارت کامل رکھتے تھے اور باہمہ صفت موصوف تھے۔ صاحبِ غیرت آپ سے

تھے کہ اگرچہ عدم مساعدتِ روزگار سے پریشان رہے مگر کسی سے اپنی حاجت کا اظہار نہ کیا۔ طبع موزوں تھی یہ چند اشعار اُنکی یادگار ہیں۔

ناز آئینے پہ اتنا یہ سکندر مت کر یہ تم جانو ہو مجلی کو سکھائیں کس نے اُچپلیاں	کیا تماشا ہو جو سینے سے دل آوے باہر ہمارے دل ستی تعلیم لے سیکھی ہیں بے کلیاں

حسن

حسن۔ مولوی حاجی سید مجتبیٰ حسن ولد سید محمد حسن ساکن مارہرہ ضلع ایٹہ ۱۲۶۷ھ ہجری میں پیدا ہوئے۔ عربی فارسی کی تعلیم کے بعد کچھ دنوں تک محکمۂ پرمٹ میں ملازمت کی۔ نہایت ذہین اور طبّاع شخص تھے۔ طبیعت اس فن سے مناسبت رکھتی تھی۔ اور اسی شوق کی وجہ سے ہر دوسرے مہینے اپنے ہاں مشاعرہ کیا کرتے تھے۔ سید علی احسن مارہروی انھیں کے بیٹے ہیں علاوہ شعر گوئی کے تاریخ گوئی میں بھی دخل تھا۔ چنانچہ اُنکی تاریخوں کا پورا دیوان موجود ہے۔ طبیعت نہایت دقیق اور سخن سنج پائی تھی۔ جب اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے تو شاعری سے تائب ہو گئے اور اپنے فرائض منصبی میں مصروف رہنے لگے حتیٰ کہ ۱۳۱۱ھ ہجری میں معہ اہل و عیال سفرِ حجاز اختیار کیا۔ وہاں سے واپسی کے وقت طبیعت زیادہ ناساز ہوئی۔ اِنکے بیٹے احسن ہمراہ تھے۔ جوں توں ہندوستان پہنچے اور بمبئی پہنچ کر ۱۹ ربیع الاول ۱۳۱۱ھ ہجری کو انتقال کیا۔ اُن کا اُردو کلام جمع نہ ہو سکا۔ کچھ اشعار اُنکے احسن مارہروی سے ملے وہ درج ذیل کیے جاتے ہیں ؎

مقتل میں جو تلوار لیے فتنہ گر آیا تقسیم ہوئی رزق کی تو حصّے میں میرے دیکھی نہ جگہ کوئی ترے جلوے سے خالی یہ عقدہ خالِ لب سے کھُل گیا خوب مدینے میں اگر مسکن ہوا اپنا	لے عاشقِ جانباز بھی ہاتھوں پہ سر آیا غم کھانے کو اور پینے کو خونِ جگر آیا جس سمت نظر اٹھ گئی بس تو نظر آیا دہانِ تنگ کا رہبر ملا خوب حسن اوقات گزرے اپنی کیا خوب

حسن

حسن۔ میر محمد حسن ابن میر قلندر علی متوطن سکندر آباد مقیم دہلی منشی ہرگوپال تفتہ

وحکیم آغا جان عیش کے شاگرد تھے۔ روزگار پیشہ تھے اور ۱۸۶۶ء میں دلّی میں رہتے تھے یہ اُن کا کلام ہے:-

ناحق اُس بُت کی دوستی میں حسنؔ	لگ گیا داغ پارسائی میں
حسنؔ۔ کل آبلہ پا وحشیانہ سر کو ٹکراتا	اُٹھائے مُنہ گریباں چاک جاتا تھا بیاباں میں
مجھ سے بُنیاد ہے محبت کی	عشق کا خاندان ہے مجھ سے
بُرا ہو یا الٰہی دل لگی کا	گھٹا کی عمر اور اُلفت بڑھا کی
رونے سے ایک پل نہیں مُہلت فراق میں	یہ آنکھ کیا لگی مرے پیچھے بَلا لگی

حسنؔ۔ سیّد محمد ابوالحسن خاں مرحوم خلف جناب رضی الدولہ میر نور الحسن خاں صاحب نظام جنگ نبیرۂ امیر الملک والاجاہ مولوی سید محمد صدیق حسن خاں صاحب مرحوم اِس ناکام تمنّا اور جوانامرگ کی ولادت ۱۳۰۰ھ ہجری میں بمقام بھوپال ظہور میں آئی۔ ابھی نہ پُورا ساہوش سنبھالا تھا۔ نہ درس و تدریس سے فرصت پائی تھی۔ درسیہ عربیہ قریب الاختتام تھیں اور آخری صحاح ستّہ کا سبق ہوتا تھا کہ ۱۳۱۸ھ ہجری میں عین آغاز شباب کیوقت ماں باپ اور دوستوں کو داغ مفارقت دیکر عالم ہستی سے کوچ کیا۔ کُل ۱۸ برس دُنیا کی ہوا کھائی۔ مرنے سے ڈھائی تین برس پہلے شعر و شاعری کا شوق ہوا جو بڑھتے بڑھتے اِتنا بڑھا کہ بالکل اُسی میں منہمک ہوگئے۔ فارسی میں زیادہ محویت تھی۔ حضرت میرزا غالب دہلوی کی روش کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ چنانچہ اُردو و فارسی دونوں زبانوں اُنھیں کا تتبع کیا۔ عرشی اور حسنؔ دو تخلص اختیار کیئے تھے۔ اِس میں شک نہیں کہ ہونہار طبیعت پائی تھی۔ مگر افسوس عمر نے وفا نہ کی۔ کُل دو ڈھائی سال کی مشق پر یہ عالم ہے کہ وہی فارسی ترکیبوں کے ساتھ میرزا کی طرح لفظوں کو جمع کرتے ہیں اور گویا پَر لگا کر اُڑنا چاہتے ہیں۔ مگر اکثر تو گر پڑتے ہیں اور کہیں کہیں سنبھل بھی جاتے ہیں پھر دونوں مصرعوں میں یکساں زور قائم نہیں رہتا تاہم ایک آدھ مصرعہ یا کوئی کوئی پُورا شعر بھی خاصہ بلکہ اچھا لکھ جاتے ہیں۔ حافظ خان محمد خاں صاحب شہیر سے تلمذ تھا۔ اگر کچھ دن مشق

جاری رہتی تو فی الحقیقت اچھا کہتے۔ انکے بھائی نے انکی بیاض راقم تذکرہ کے پاس بھیجی تھی بطور یادگار چند شعر درج کیئے جاتے ہیں *

نمایاں کاکل مشکیں سے ہو نا روئے جاناں کا
چمکنا ہے شب تاریک میں مہر درخشاں کا

پہلے کسی کے وعدے کا ہوتا نہ تھا یقین
از بسکہ دل شکستۂ پیمانِ یار تھا

چشم پروانہ سے خوبانِ جہاں کو دیکھا
شمع رویوں میں کوئی تجھسا طرحدار نہ تھا

تھا فقط پاس نزاکت ترا مجکو ورنہ
کھینچ لانا کششِ آہ سے دشوار نہ تھا

دیکیے دل تو یہ معلوم ہوا ہمکو حسن
جسکو دلدار سمجھتے تھے وہ دلدار نہ تھا

واصلِ بحقیقت ہوں جو ہیں عشق بتاں سے
دل زندۂ جاوید ہوا ہے حسن اپنا

ہیولائے متاعِ عیش تھی آشفتگیٔ دل
جسے سمجھے تھے ہم خنظل اسی کو انگبیں پایا

آہِ دل سے جو شرر نکلا وہ خالص زر ہوا
آنکھ سے ٹپکا جو قطرہ میری وہ گوہر ہوا

لب زاہد ہم آغوش شراب تند ہے عرشی
ہوا ہے نذرِ آتش آج خرقہ پارسائی کا

اندوہ کا وحشِ غم ہجراں عیاں ہے اب
دلِ محوِ ذوقِ پردہ ساز بیاں ہے اب

دل سرد مہریوں سے حسینانِ دہر کی
سرگرم جوشِ نالۂ آتش فشاں ہے اب

ہوا ہے شادیٔ دلکا سبب رنج والم مجھپر
وہ مجھپر رشک کرتے ہیں جو کرتے ہیں ستم مجھپر

بتوں سے رنجشِ بے اتفاقی کی کوئی حد ہے
ہوئی ہے بے تکلف فرض اب سیر حرم مجھپر

یوہی ہر بات پر کھنچتی رہی گر تیغ اے عرشی
تو پھر آسان ہے دشواریٔ راہِ عدم مجھپر

ہے زخم تیر سینہ میں سرمایۂ طرب
پیکانِ یار دل میں ہوا رہنمائے عیش

آلودۂ سرشکِ ندامت ہے چشمِ یار
یہ بھی ادا ستم کی ہے عذرِ ستم نہیں

جاں بازِ شوق وطالبِ دیدار یار ہیں
نے دیر سے غرض نہ تعلق حرم کے ساتھ

سبو ہے اور نہ مینا ہے نہ ساقی ہے نہ پیمانہ
کیسی نرگس میگوں سے اک عالم ہے مستانہ

مستی فشاں نگر نگہِ میفروش ہے
پا در رکاب جلوۂ نیرنگِ ہوش ہے

وفورِ کشتگانِ شوق سے گردوں بھی حیراں ہے	شفق آئینہ دارِ برقِ شمشیرِ درخشاں ہے
ہے آخر کس لیئے یہ التہابِ آتشِ دوزخ	نہیں غم گر مرا تر عرصۂ محشر میں داماں ہے
نہیں ذوقِ سخن مجکو مگر مجبور رہوں عرشی	کہ منظورِ دلِ غمگیں رضائے مرتضیٰ خاں ہے
سخن میں بھی مرے رنگِ دلِ خونابہ افشاں ہے	مرا ہر حرفِ دیواں دانۂ تسبیحِ مرجاں ہے
گدازِ دردِ الفت کیجئے کیونکر بیاں عرشی	مرا دل شمع ہے اور خامشی گویا مری جاں ہے
یہی بس آرزوئے دل تھی ہمنے بھر پایا	کسیکا ہائے یہ کہنا کہ آرزو کیا ہے؟
یہ رنگ لائی ہے نیرنگ سازیٔ الفت	وگرنہ اشک کی جا آنکھ میں لہو کیا ہے؟
سود و سودائے محبت میں کہاں ہوتا ہے	دین و ایمان و دل و جاں کا زیاں ہوتا ہے
دل میں پوشیدہ کہیں عشقِ بتاں ہوتا ہے	آگ جس گھر میں سلگتی ہے دھواں ہوتا ہے
باغباں باغ میں بلبل کو چہک لینے دے	دو ہی دن میں تو یہ تاراجِ خزاں ہوتا ہے
سن کے احوال مرا ہنس کے یہ ظالم نے کہا	اچھا بیمار محبت کا کہاں ہوتا ہے
ہم جستجوئے جلوۂ جاناں نہ کرینگے	طوفِ حرم و کعبہ و بتخانہ کرینگے
طاقِ ابرو کو جب سے دیکھا ہے	ہمنے ڈالی ہے خوٗ عبادت کی
نہ غرض دین سے ہے انکو نہ دنیا کی طلب	سب سے فارغ ہیں ترے عشق کی علت والے
سینہ حریفِ کاوشِ مژگاں نہیں رہا	کسکی دل و جگر کو ابھی نظر ہوئی
آئے تھے آج پرسشِ زخمِ جگر کو لیک	دل کو بھی ہائے بسملِ مژگاں بنا گئے

حسن۔ جناب سید حسن عسکری صاحب متخلص بہ حسنؔ۔ ولدیت اور تلمذ کا حال معلوم نہیں۔ لکھنؤ وطن ہے۔ نمونۂ کلام درج ذیل ہے۔ حسن

خطا دیوانگانِ عشق کی کوئی نہیں نکلی	غلط محشر میں تحریرِ کراماً کاتبیں نکلی
بلا آئی جو کچھ بھی جائے آسائش کہیں نکلی	فلک نے سر پہ وہ ڈالی کہ پاؤں سے زمیں نکلی
جلایا دل بتانِ حور وش کی سرد مہری نے	مری دوزخ سے بھی کیفیتِ خلدِ بریں نکلی

کیا قاتل نے جب کشتہ مجھے شیریں ادائی سے
بجائے موجِ خوں شہ رگ میں جوئے انگبیں نکلی

نہ دی جب اس بتِ نامہرباں نے دادِ دلسوزی
حسن نکلی تو کس مصرف کی آہِ آتشیں نکلی

حسن - حسن تخلص حسن جان خلف شیخ غلام مرتضیٰ مصور ساکن قدیم شہر لکھنؤ محلہ نادان محل شاگرد خواجہ محمد عبدالرؤف عشرت لکھنوی عمر ۲۵ سال سلسلۂ شاگردی خاندانِ میر سے ملتا ہے ابتدائے سن سے شاعری کا شوق ہے - دیوان ناتمام ہے -

جس جرم کا حقیر کو خود اعتراف ہو
رحمت تری پکار کے کہدے معاف ہو

ہرگز خیالِ گیسوئے جاناں نہ چھوڑیئے
صدمے ہوں لاکھ عشق کا داماں نہ چھوڑیئے

تھک جائیں پاؤں دشت کا داماں نہ چھوڑیئے
مرجایئے پہ ہاتھ سے میداں نہ چھوڑیئے

ہر شب یہ میری قبر پہ کہتی ہے بیکسی
یوں بے چراغ گورِ غریباں نہ چھوڑیئے

آزمانے کے لیے تیغ جو قاتل آئے
کون پھر میرے سوا ہے جو مقابل آئے

حسن - کرنل صاحبزادہ محمد حسن رضا خاں صاحب بہادر کمانڈنگ افواج ریاستِ رامپور آپکے والد احمد رضا خاں عرف پیارے صاحب مرحوم نواب خلد آشیاں کے بھانجے تھے - آپکی عمر اب ۳۵ - ۳۶ برس کے قریب ہے مضطر خیر آبادی سے فن سخن میں استفادہ کرتے ہیں اور ریاست میں ۵۰۰ روپیہ ماہوار کے منصبدار ہیں - اب کلام ملاحظہ ہو -

پھونکتا ہے دل چراغِ روئے جانانہ مرا
رات کیسی دن کو بھی جلتا ہے پروانہ مرا

تو نے پھیری آنکھ چشمِ تر سے آنسو گر پڑے
یاس نے چھلکا دیا لبریز پیمانہ مرا

میں لیے پھرتا ہوں دل میں اک بتِ بیدرد کو
اب تو میرے ساتھ ہی رہتا ہے بتخانہ مرا

دل کی بربادی کا بھی اک روز پھل مل جائے گا
رنگ کچھ لائیگا مل کر خاک میں دانہ مرا

جب تعلق ہے تو اظہارِ تعلق چاہیئے
جب پری تم ہو تو رکھو نام دیوانہ مرا

رکھتے ہیں لاگ ایک نہ اک خوبرو سے ہم
لاچار ہیں مزاج سے - مجبور خو سے ہم

اک حیلہ چاہیئے مجھے لڑنے کے واسطے
امید صلح رکھتے ہیں اس جنگجو سے ہم

بیتاب کرنہ اے دلِ ایذا طلب ہمیں	باز آئے تجھ سے اور تری آرزو سے ہم
ایسے ہی تو وہ ہیں کہ چھپا لینگے عشقِ غیر	سو بار تاڑ لینگے حسن گفتگو سے ہم
وہ خوب جانتے ہیں مرے دل کا مدعا	حالانکہ کچھ زباں سے کہتا نہیں ہوں میں

کوئی عدم کا بھلا کیا معاملا سمجھے	جو مبتدا کو نہ سمجھا خبر کو کیا سمجھے
کہا جو ہم سنے کہ تم میرا مدعا سمجھے	تو مسکرا کے وہ بولے مری بلا سمجھے
جو بیخبر تھے وہ گھر جانتے رہے غافل	جو ہوشیار تھے دنیا کو وہ سرا سمجھے
دیا جو رنج کسی نے تو خوش ہوا دلِ زار	اٹھا جو درد کلیجے میں ہم دوا سمجھے

حسن

حسن۔ سخنور خوش بیاں ناظمِ شیریں زباں مولانا حاجی محمد حسن رضا خان صاحب حسن بریلوی خلف مولانا مولوی نقی علیخاں صاحب مرحوم و برادر مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب عالم اہلِ سنت و شاگرد رشید حضرت نواب فصیح الملک بہادر داغ دہلوی آپکے صاحبزادے نے جو حالات ارسال کیے اُنکا خلاصہ یہ ہے۔

آپ ۴ ربیع الاوّل سنہ ۱۲۷۶ھ کو پیدا ہوئے۔ آپکے آبا و اجداد دلّی کے رہنے والے تھے آپکے جدِّ امجد محمد سعادت علیخاں صاحب کی وفات تک تو آپکے خاندان کا مسکن اسی شہر میں رہا مگر اسکے بعد مستقل سکونت بریلی میں قرار پائی۔ چنانچہ اب وہی وطن ہے۔ آپکے بزرگوں میں حضرت محمد اعظم علیشاہ صاحب بہت بڑی دولت و ثروت چھوڑکر تارک الدنیا ہوگئے تھے اور صاحبِ کشف و کرامات گزرے ہیں۔ علم و فضل آپ کا خاندانی ہے۔ نعت گوئی میں اپنے برادر بزرگ مولوی احمد رضا خانصاحب سے مستفیض ہیں اور عاشقانہ رنگ میں بلبلِ ہندوستان سے تلمذ تھا۔ جس زمانے میں حضرت داغ رامپور میں تھے آپ اُنکے شاگرد ہوئے اور ہر سال ایک دو مہینے اُنکی خدمت میں رہکر فیضِ صحبت سے مستفیض ہوتے رہے۔ داغ صاحب کو اِن سے خاص اُنس تھا اور اکثر پیارے شاگرد انھیں کہا کرتے تھے سنہ ۱۳۲۵ھ میں مع عیال حج کیا اور واپسی پر غزل گوئی ترک کردی۔ محض نعت اور منقبت کو

ہی اپنا مشغلہ ٹھیرایا۔ چنانچہ نعت میں ایک پورا دیوان مرتب کیا اور ہنگام طبع جبکہ صرف دو یا تین ورق آخر کے چھپنے باقی تھے ۲۲ ماہ رمضان ۱۳۲۶ھ کو ۵۰ سال چھ ماہ کی عمر میں بعارضۂ تپ اِس جہانِ فانی سے رحلت کی۔

آپ کا عاشقانہ کلام آپکے بعد طبع ہوا ہے۔ جو فی الحقیقت بہت اچھا ہے۔ صفائی۔ سادگی۔ بندش۔ اور شوکتِ الفاظ کے علاوہ پُر درد اور مؤثر بھی ہے۔ طرزِ بیان میں سادگی کے ساتھ تیکھا پن غضب کا ہے۔ تعقید اور آورد کا شروع سے اخیر تک نام و نشان بھی نہیں ہے۔ اکثر مصرعۂ ثانی کی نسبت مصرعۂ اولی تو آپ غضب ہی کا لکھ جاتے ہیں۔ بعض اشعار میں مصرعۂ اولی کے الفاظ کو اُلٹ پلٹ کر اس خوبی سے مصرعِ ثانی کا مضمون پیدا کر لیتے ہیں کہ تعریف نہیں ہوسکتی۔ بول چال اور محاورات میں بھی حرف گیری کی کم گنجایش ہے الغرض آپ کا مذاقِ شعر پاکیزہ اور اسلوب بیان قابلِ تعریف ہے۔ اِس میں شک نہیں کہ نواب فصیح الملک مرزا داغ دہلوی کے تلامذہ میں آپ ایک امتیازی درجہ رکھتے تھے اور کچھ عجب نہیں کہ اگر زندگی مستعار وفا کرتی اور یہ مشغلہ قائم رہتا تو اُنکے نام کو جِلا دیتے۔ دیوانِ مطبوعہ کا انتخاب ملاحظہ ہو۔

کیوں دلِ زار محبت کا نتیجہ دیکھا
بس رُخِ یار سے اُٹھتے ہوئے پردہ دیکھا

کان وہ کان ہے جسنے تری آواز سنی
آنکھ وہ آنکھ ہے جسنے ترا جلوہ دیکھا

آپ کہتے ہیں کہ جا دیکھ لیا دل تیرا
کیجئے تو اپنے سوا دل میں مرے کیا دیکھا

شربتِ دید میں کیا جانے مزے ہیں کیسے
جتنا سیراب کیا اتنا پیاسا دیکھا

درد فرقت کا کوئی پوچھنے والا دیکھا
پھر خبر ہی نہ رہی کیا کہیں پھر کیا دیکھا

حُسن جب مقتل کیجانب تیغ بُرّاں لیچلا
عشق اپنے مجرموں کو پا بجولاں لے چلا

آرزوئے دیدِ جاناں بزم میں لائی مجھے
بزم سے میں آرزوئے دیدِ جاناں لیچلا

میرے گھر تک پاؤں پڑ کر انکو لایا تھا نیاز
دامن کھینچتا سوئے رقیباں لیچلا

بیمروت ناوک افگن آفریں صد آفریں
اِس سے بڑھکر آرزو کیا تو ہو قاتل ہم شہید
دل کو جاناں سے حسن سمجھا بجھا کر لائے تھے
بسملوں کو زخم زخموں کو مبارک لذتیں

دل کا دل زخمی کیا پیکاں کا پیکاں لیچلا
پوچھتا کیا ہے ستمگر تیغ براں سے چلا
دل ہمیں سمجھا بجھا کر سوئے جاناں لیچلا
سوئے مقتل پھر کوئی تیغ و نمکداں لیچلا

میں کیا پوچھوں کہ ہے میری خطا کیا
عتاب بے سبب کا پوچھنا کیا؟

داغِ اُلفت جگر میں دیکھ لیجئے
بدگماں اتنا اعتبار ہوا

کیا قیامت ہیں پیار کی نظریں
میٹھی چھریوں سے دل فگار ہوا

دیکھو! نہ دیکھو اُسکی طرف چشمِ مست سے
لکھا ہوا ہے پیرِ مغاں کی دُکان پر
بیخبر ہو۔ بے خبر کو کیا خبر اِس درد کی
خاک میں ملجائیگی قدرِ شہادت تیرے ساتھ
خونِ حسرت! ہاں دکھا رنگیں مزاجی کی بہار
جس طرح مُنہ تکتے ہیں ظالم ترا ہم تو سہی
کیوں نہ ہو میرے سخن میں لذتِ سوز و گداز

چھلکے گر پڑے گا پیالہ شراب کا
کمظرف کو حرام ہے پینا شراب کا
سنگدل ہو سنگدل پر کیا اثر فریاد کا
خونِ ناحق! بچ رہا دامن اگر جلاد کا
دامنِ گلچیں سے بنے دامن مرے جلاد کا
مُنہ سے کہتے تو حشر میں ہر شاکی بیداد کا
اے حسن شاگرد ہوں میں داغ سے استاد کا

ذرا آہِ پُر درد سے بچتے رہنا
نہیں دل لگی دل دُکھانا کسیکا

اُس شوخ کے انکار سے دل ٹکڑے ہوا کیوں
جس میں ہے تمھارے رُخِ رنگیں کا تصور
اُس گل کی بو سمائی ہے میرے دماغ میں
سنگِ غمِ فراق سے دل پر لگا نہ چوٹ
جلوے کی روک تھام کرے گا حجاب کیا
کہتا ہے برق سے یہ مرا بیقرار دل

یارب کوئی خنجر تو نہ تھا لفظ "نہیں" کا
اُس دل کو لقب دیجئے فردوسِ بریں کا
پھولوں کی ہے چنگیر مرقع خیال کا
آئینہ ٹوٹ جائے گا تیرے جمال کا
دریا کے آگے آبِ رواں کی نقاب کیا؟
تڑپے ٹھہر ٹھہر کے تو پھر اضطراب کیا؟

آنکھوں کو روئیں دیکھنے والے جھلک کیساتھ
جلوہ حجابِ جلوہ ہے پھر یہ حجاب کیا ؟

خوش ہوئے تھے ہم کہ خنجر تو گلے سے مل گیا
کیا خبر تھی یہ بھی دم دیکر جدا ہو جائے گا

آج بیمارِ الم کے طور کچھ بیطور ہیں
تم نظر بھر دیکھ آؤ گے تو کیا ہو جائے گا

گھبرا کے آئے وہ جو سُنا جاں بلب مجھے
لو مرتے مرتے زیست کا ساماں ہو گیا

اس بات پر خفا ہیں قتیلِ جفا سے وہ
یہ کیوں کہا کہ میں ترے قربان ہو گیا

مرے دکھ دینے والے کیوں وہ قسمیں یاد ہیں تجھ کو
تری تکلیف تیرا دکھ گوارا ہو نہیں سکتا

ایسے سے دل کا حال کہیں بھی تو کیا کہیں
جو بے کہے کہے کہ چلو بس سُنا سُنا

آخر حسن وہ روٹھ گئے اُٹھ کے چل دیئے
کمبخت اور حالِ دلِ مبتلا سُنا

دردِ الفت میں زندگی کیسی ؟
موت کا کون چارہ گر ہوگا

خودی سے جدا ہو کہ وصلِ خدا ہو
نہ ہو کر جو ہوگا وہ ہو کر نہ ہوگا

قتل کرنے کی وہ جلدی تھی تمھیں
اب تڑپنا نہیں دیکھا جاتا

پائے قاتل دامنِ قاتل سے بچ بچکر تڑپ
قتلگہ میں آئے ہیں بے سر نہ اتنا سر اُٹھا

وقتِ جلوہ شرم و شوخی کی کشاکش کیا کہوں
پردۂ روئے صنم اُٹھ کر گرا گر کر اُٹھا

ایسی تری صورت مری آنکھوں میں بسی ہے
جب آئینہ دیکھا تو مجھے تو نظر آیا

سُن لیا ہمنے سوالِ وصلِ دلبر کا جواب
ناامیدی کہہ گئی دل سے مقدر کا جواب

خنجر گلے پہ سر تہِ زانوئے دِلربا
اے مجرمانِ عشق تمھارے خوشا نصیب

حیرت آنکھوں پہ برستی ہے زبانیں خاموش
خود تماشا بنے بیٹھے ہیں تماشائی دوست

بزمِ محشر - مجمعِ عشاق - جوشِ اشتیاق
تو بھی پردے سے نکل اے جلوۂ جانانہ آج

بیقراری کل بھی تھی کل سے زیادہ آج ہے
صبر کا یارا دلِ بیتاب کو کل تھا نہ آج

آپ پر جادو بھری آنکھوں کا افسوں چل گیا
اے حسن سب کی زباں پر ہے یہی افسانہ آج

چاہا اگر تمھیں تہمت اچھا - بُرا کیا
بخشو گے بھی خطائے محبت کسی طرح

کہتے ہیں رنجش بھی ہے تو خاص تیری ذات سے — وہ عداوت بھی جتاتے ہیں محبت کس طرح

ق

چپ چاپ دشتِ نجد سے ناقہ نکل چلے — شورِ جرس نہ ہو مرے محمل نشیں بلند

مجنوں کی رُوح خوابِ عدم سے نہ چونک اُٹھے — مرقد سے ہو نہ شورِ قیامت کہیں بلند

آئے میری قضا ادا ہو کر — دم نکلجائے مدّعا ہو کر

چھپ گیا یار خودنما ہو کر — رہ گئی چشمِ شوق وا ہو کر

ہجر کے انقلاب کس سے کہوں — کھائے جاتا ہے غم غذا ہو کر

شورِ محشر جگانے آئے ہمیں — تیری رفتار کی صدا ہو کر

ناتواں زندۂ جاوید ہوئے — ضعف میں جان سے جائیں کیونکر

سرِ دشمن ہے اور حسن کا زانو — وہ مرے خواب میں آئیں کیونکر

کوچۂ دوست میں کیوں آئے حسن — زندگی ہو جسے اسے یارِ عزیز

نہ پوچھ اب حال اے بیدرد مجھسے — بلا سے تیری ہیں غمگین یا خوش

مجھے کیوں خوش نہ کرے پھر مرا غم — مرے غم سے ہے میرا دلربا خوش

آتا ہے خالی ہاتھ حسن نامہ بر ترا — قسمت جواب دے تو کہو کون لائے خط

موت بھی کیا جانے کچھ بیمار ہے — کیوں نہیں آتی ترے بیمار تک

یار تجکو رحم کس دن آئے گا — اب ترس کھانے لگے اغیار تک

ہم ہیں وہ برگشتہ قسمت جانِ من — تم تو کیا منہ پھیر لے تلوار تک

واہ واہ اے نگۂ یاس ترا کیا کہنا ! — آج جلاد ہے بسمل تو ہے بسمل قاتل

آستیں اُلٹے ہوئے ہاتھ میں تلوار لیے — آج خونریزیٔ بسمل پہ ہے مائل قاتل

زہر ہی سے مَیں کروں چارۂ بیماریٔ دل — لاؤں اب اُنکو کہاں تھے جو پئے غمخواریٔ دل

آپ کے لطف نے تو قہر کیا — خوب تھے جورِ آسماں تک ہم

آئے تھے کیا جانے کیا حسرت لیے — پھر چلے محروم تیرے در سے ہم

ہوائے وصلِ لیلیٰ خاکِ مجنوں کی گرہ میں ہے
زبانیں رُک گئیں سر جھک گئے خیرہ ہوئیں آنکھیں
چمک ہے درد کی یا دل سے آہِ آتشیں نکلی
بتانِ حیلہ جو قابو سے جب باہر نکلتے ہیں
ترے آتے ہی تصویرِ قیامت بنتی ہے محفل
حسن اِس آہ کے اس آہ کی تاثیر کے صدقے

بگولے ڈھونڈتے پھرتے ہیں محمل کو بیاباں میں
نقاب اُلٹے ہوئے کون آ گیا محشر کے میداں میں
یہ کیسی روشنی ہے کوچۂ چاکِ گریباں میں
یہ دم دیگر نکلنے والے دم لیکر نکلتے ہیں
فدا ہونے کو عکس آئینوں سے باہر نکلتے ہیں
مجھے ڈر سے اُٹھانے گھر سے وہ باہر نکلتے ہیں

وہ اگر یاد کریں ہم کو تو بھولیں کسکو
ادبِ عشق اگر ہاتھ نہ رکھدے منہ پر
اے تری شان ستاکر بھی وہ اچھے کہلائیں
دیکھئے دل ہی تو پھر گالیوں کا شکوہ کیا

ہم اگر اُنکو بھلائیں تو کسے یاد کریں
چٹکیاں لے جو کلیجے میں وہ فریاد کریں
ہم بُرے ٹھیریں اگر نالہ و فریاد کریں
اُنکی بن آئی ہے اب چاہیں جو ارشاد کریں

حسرت اُس پہ ہے جو کم بخت اُنھیں یاد نہ آئے
اِک عندلیب کیا ہے میں کہدوں ہزار میں
وہ حُسن ہے کہ قبضہ کرے دو جہان پر
دل میں خیالِ عارضِ پُر نورِ یار ہے

میں تو مرتا ہوں اگر جور وہ کم کرتے ہیں
بس ایک ہی تو پھول ہے ساری بہار میں
وہ عشق ہے کہ کچھ نہ رہے اختیار میں
ہم شمع لیکر آئے ہیں اپنے مزار میں

ہے ستمگر کی بات بات میں چھیڑ
تیغِ جلاد مشکل آسان کر

مجھ سے کہتا ہے تم پہ مرتے ہیں
دم ترا دتوں سے بھرتے ہیں

تو خدا کے واسطے اپنا بتا لو اب مجھے
بتخانہ و کعبہ میں پتا اُس کا نہ پایا
بہر کوچۂ دلدار میں ہم خاک کریں جمع
مشہور ہے جو دوست کا ہو دوست وہ ہے دوست
سیکڑوں ارمان ہیں کچھ فکرِ تنہائی نہیں

دونوں عالم چھوڑ بیٹھا میں تمھاری یاد میں
اب جائیں کدھر آہ کہاں یار کو ڈھونڈیں
پھر آ کے حسن اپنے دلِ زار کو ڈھونڈیں
جی میں ہے کہ میں اب کسی دشمن ہی کو چاہوں
یادِ جاناں میں یہاں کب محفل آرائی نہیں

اے خدا تقدیر نے پھر اُن سے "سنوائی" نہیں
اب ترے در کے سوا عالم میں شنوائی نہیں

ہے تمہارے قول پر تُہمت جمالِ دلفریب
سچ کہا تم نے کہ مَیں مشتاق و شیدائی نہیں

دستِ وحشت چاک کرنا جیب و داماں سوچکر
کیا مری رسوائیوں میں اُنکی رسوائی نہیں

جان لینی ہے تو حاضر ہے مگر یہ جان لو
جانستانی لائقِ شانِ مسیحائی نہیں

بہاریں سے بہاریں ہیں گلِ چاکِ گریباں میں
گلستاں کے مزے ہمکو میسر ہیں بیاباں میں

ہمارے ہاتھ میں ہوگا گریباں دستِ وحشت کا
اگر اک تار بھی باقی رہے گا جیب و داماں میں

مرے مذہب میں یہ رسوائی اُلفت ہے ای مجنوں
کہ دل ٹکڑے ہوا اور چاک ہوں جیب و گریباں میں

جو دشمن کو کرے خوش وہ نظر جب اس طرف آئے
جگر میں تیرِ ناوک دل میں ہو نشتر رگِ جاں میں

ہمارا آشیاں کُنجِ قفس قسمت نے ٹھیرایا
بہار اب قیدِ تنہائی کے دن کاٹے گلستاں میں

یہاں ہر ذرّہ میں محمل ہے اور محمل میں لیلیٰ ہے
جنابِ قیس آئے ہی نہیں دیکھے بیاباں میں

مرگِ عاشق کی جو مانیں منّتیں
وہ مرے مرنے کا ماتم کیا کریں

دیدیا ہے سب اطبّا نے جواب
تم نہ کہدینا کہیں ہم کیا کریں

ہمیں بھی چاہ کے ارمان تھے کبھی کیا کیا
پر اب تو ذکرِ محبت سے ہوش جاتے ہیں

وہ مُسکراتے ہیں مُنہ پھیر کر حسن! کیا کیا
کبھی جو ہم اُنھیں زخمِ جگر دکھاتے ہیں

اِس نہیں پر تو یہ حالت ہے جو ہاں ہو گیا ہو
سیکڑوں طالبِ دیدار ہیں دوچار نہیں

دلِ بیدرد نہ سمجھے تو اسے کیا کہیے
قیس! جس چھالے کے اندر خلشِ خار نہیں

کیوں پریشاں ہیں مرے قتل کی تدبیر سے آپ
سُن کے حسرت مری کہدیتے ہیں اکبار "نہیں"

خود معالج کی ضرورت ہے معالج کو مرے
میرے نسخے میں کہیں شربتِ دیدار نہیں

دادِ شوریدہ سری کس سے ملیگی یارب!
جس جگہ مَیں ہوں وہاں در نہیں دیوار نہیں

ارمغاں بھیجتے مجنوں کے لیئے ہم بھی کچھ
پر حسن جیب و گریباں میں کہیں تار نہیں

یہ ہدایت ہے مجھے نقشِ کفِ پا کرتے ہیں
راہِ محبوب میں اِس طرح بٹھا کرتے ہیں

عاشقی گردشِ قسمت کو کہا کرتے ہیں
دن کہیں چاہنے والوں کے پھرا کرتے ہیں

سب حسیں ایک ہی عادت کے ہوا کرتے ہیں
پھول بھی نالۂ بلبل پہ ہنسا کرتے ہیں

آپ تو راضی ہو کہ ہم جینے سے بیٹھے ہیں خفا
اب تو خوش ہو کہ تمہارا ہی کہا کرتے ہیں

اپنے دشمن کو بُرا کون نہیں کہتا ہے؟
آپ ہر بات میں کیوں بول اُٹھا کرتے ہیں

جن پہ ہیں لطف وہی ظلم و ستم سہلیں گے
آپ اب کیوں میرے جینے کی دعا کرتے ہیں

جئے کس تمنا پہ بیمارِ غم
حسینوں میں رسمِ عیادت نہیں

ہم آئے تھے کہنے کچھ احوالِ دل
یہاں بولنے کی اجازت نہیں

تمکو شوخی ہمکو بیتابی کی خُو
سچ تو ہے تم کیا کرو ہم کیا کریں

بن سنور کر نعش پر آئے تو ہیں
اِس سے بڑھکر وہ مرا غم کیا کریں

مرے لاشے پہ وہ کس واسطے بیٹھے ہیں مُنہ ڈھانکے
کوئی پُوچھے تو اب بھی کیا مجھے زندہ سمجھتے ہیں

قیامت تک دِلِ مضطر کو اپنے کل نہ آئیگی
اِسے بھی ہم تمہارا وعدۂ فردا سمجھتے ہیں

لگا یا پار تیر اُس نے سیکڑوں کشتوں کا دم بھر یا
تمہاری تیغ کو ہم فیض کا دریا سمجھتے ہیں

مِرا سر اُنکے قدموں پر ہے وہ دامن چھڑاتے ہیں
الٰہی کس طرح دنیا میں رُوٹھوں کو مناتے ہیں

مثالِ نقشِ پا بسترِ جما بیٹھے ہیں اُس در پر
ہمیں بھی دیکھنا ہی آج کیونکر وہ اُٹھاتے ہیں

مُسافر سے دمِ رخصت کوئی رُوٹھا نہیں کرتا
خدارا اب تو من جاؤ کہ ہم دُنیا سے جاتے ہیں

مرے رونے پہ رحم آیا اُنھیں جب بھی ستم ڈھایا
گلے میں باہیں بھی ڈالی ہیں اور ہنستے بھی جاتے ہیں

نہ رحم آئے حسن مجکو اگر اُن کی نزاکت پر
ابھی وہ ایک نالہ میں کلیجہ تھامے آتے ہیں

نظارۂ رخِ جاناں کی ہمکو تاب نہیں
وہ بیحجاب ہوئے جب بھی بیحجاب نہیں

چھکا دیا نگہِ مست نے زمانے کو
تمہارے دور میں کچھ حاجتِ شراب نہیں

بہارِ حسن کو شانِ غضب نے چمکایا
رُخِ جمال کا غازہ ہے یہ عتاب نہیں

لوگ کہتے ہیں عدو سے دوستی اچھی نہیں
کیا یہ عادت آپکے نزدیک بھی اچھی نہیں

تم حسین ہو عشق زیبا نہیں چہرہ پہ نقاب بے وجہ خوبصورت کہیں پردہ میں رہا کرتے ہیں ٭

موت اچھی ہے جو دم نکلے تمھارے سامنے
زلف ٹیڑھی ہی مگر عاشق سے تم ٹیڑھے نہو
کیا مزے کی بات ہی دل چھین لو بوسہ نہ دو
آہ اُس عیّار کا انجان بنکر پوچھنا
بیکسی آکہ گلے ملکے تجھی سے روئیں
مانع دید نہ ہو چشمِ تصوّر کو حجاب
چشمِ بسمل کو خدا جانے تمنّا کیا تھی
ہمیں تو اپنی کہانی اُنھیں سُنانی تھی
ہنسی کی بات تھی وہ ایک دل بھی کچھ شئے ہے
ہمارے نالۂ و فریاد پہ یہ شکوے ہیں
یہ چاہتی ہیں عفو و شفاعت کی لذتیں
سچ کہو تسکین دوں میں اپنی جانِ زار کو
صبح ہونے آئی چین اسکو کسی پہلو نہیں
دیکھنا ہو گر نگاہِ مستِ ساقی کا کمال
وہ چلے ہم پس گئے کیسا جنازہ کسکی گور
دونوں ہاتھوں سے کلیجا تھامے بیٹھا ہے حسن
جو دم بھر دیکھ لوں میں عارضِ رنگین کے جوبن کو
دمِ گلگشت رنگِ تازہ بخشا تو نے گلشن کو
عشق میں بیتابیاں ہوتی ہیں لیکن اے حسن
نہ دیتا دل کبھی خوش ہوتے مجھسے یا خفا رہتے
نرالی خود نمائی ہے کہ اک عالم سے پردہ ہے

آنکھ سے اوجھل ہو تم تو زندگی اچھی نہیں
زلف میں اچھی طبیعت میں کجی اچھی نہیں
دل تو اچھا ہی مگر دل کی خوشی اچھی نہیں
اے حسن کب سے طبیعت آپ کی اچھی نہیں
عید کا روز ہے ہمسے کوئی ملتا ہی نہیں
دیکھنے والوں کو تم نے ابھی دیکھا ہی نہیں
آہ جلّاد نے منہ پھیر کے دیکھا ہی نہیں
وہ اعتبار کریں یا نہ اعتبار کریں
ہزار دل ہوں تو ہم آپ پر نثار کریں
وہ اپنے ظلم و ستم تو ذرا شمار کریں
سب کے گناہ کاش ہوں میرے حساب میں
سچ کہو سچا ہی سمجھوں وعدۂ دیدار کو
کروٹیں کبتک بدلواؤں دلِ بیمار کو
شیخ سے آئیں کسی ہشیار سے ہشیار کو
ان بکھیڑوں سے غرض کیا پائمالِ یار کو
یا خدا اب کون پکڑے دامنِ دلدار کو
تو دامانِ نظر پر رشک ہو گلچیں کے دامن کو
ترے جلوے نے پھولوں سے بھرا پھولوں کے دامن کو
جسقدر بے چین تم ہو اس قدر کوئی نہو
اگر معلوم ہو جاتا کہ ایسے بے وفا تم ہو
نئی پردہ نشینی ہے کہ عالم آشنا تم ہو

بیقراری ہجر میں بے اختیاری وصل میں ٭ ہائے ظالم دل کی عادت ایک بھی اچھی نہیں ٭

شکیبِ جاں ہو قرارِ دلِ حزیں تم ہو / ہمارے درد کی دارو تو بس تمھیں تم ہو
خدا خودی کو مٹائے دوئی اسی کی ہے / جو یہ نہو تو تمھیں ہم ہیں - ہم تمھیں تم ہو
نشانہ تیرِ نظر کا بناؤ دل کو مگر / اُٹھا کے پردہ ذرا دیکھ لو یہیں تم ہو

کہتے نہ تھے کہ کوئی بُرا مان جائیگا / لے آور بیقرار دلِ بیقرار ہو
جب اپنی جان آپ کو سارا جہاں کہے / کہیئے پھر آپ کا ہمیں کیا اعتبار ہو
اللہ اب تو داد کو پہنچیں یہ حسرتیں / وہ پوچھتے ہیں کسکے لیئے بیقرار ہو
پہلو میں ایک دم نہیں رہتے قرار سے / میرے لیئے تو تم بھی دلِ بیقرار ہو

ہیں شوخیاں وہاں تو یہاں اضطراب ہو / اب اُنکی بات بات کا اے دل جواب ہو
عاشق کے قلب و چشم میں رہتی ہیں حسرتیں / تم کسکے دیکھے چین کن آنکھوں کے خواب ہو
فرقت میں کچھ تو لطف دکھائیں مصیبتیں / دم کھینچیے سے ہو جلکے مرا دل کباب ہو
ہنگامہ گرم کُن ہوں جو محشر میں حسن و عشق / تیرا جواب ہو نہ ہمارا جواب ہو
اُنکی گلی سے دشتِ مصیبت میں لا اُدھر / اے وحشتِ جنوں ترا خانہ خراب ہو
کہتے ہیں ذرے خاک نشینوں کی خاک کے / پھیرے ہمارے دن بھی اگر آفتاب ہو
تم جسکے دل کے چین ہو وہ مضطرب رہے / تم جسکی جان ہو اُسے جینا عذاب ہو
کچھ بھی نہ ہو تو دل کو تسلی ہو کس طرح / خوئے کرم نہیں نہ سہی کچھ عتاب ہو
مَیں تمھیں یاد کروں تم کو مری یاد نہو / اور پھر کہتے ہو مضطر نہ ہو ناشاد نہو
ایک دم چین سے بیٹھا ہو جو دل ہجر کی شب / آپکے وصل سے کم بخت کبھی شاد نہ ہو

پوچھتے کیا ہو کہ دل میں کون ہے / لو یہ آئینہ اُٹھا کر دیکھ لو
اِس نزاکت پر یہ دعوے قتل کے / پہلے خنجر تو اُٹھا کر دیکھ لو

بیخودِ دیدار کی تربت پہ میلا کیوں نہو / اُسکے جلوے کا تماشائی تماشا کیوں نہو
دلبر انکھیں ہوں تو دل کیونکر ٹھکانے سے رہے / دلنشیں صورت ہو تو دل میں ٹھکانا کیوں نہ ہو

خواہشیں اپنی فدا کر دے رضائے دوست پر
جو وہ چاہیں گے وہ ہوگا اب وہ جو چاہیں کریں
جب کرم ہو حسن کا جب مہربانی عشق کی
جب ترے جلوے کو طرز خود نمائی ہے پسند

پھر میں دیکھوں چاہنے والا کا چاہا کیوں نہو
دل ہی جب چاہے انھیں پھر انکا چاہا کیوں نہو
پھر وہ میری کیوں سنیں پھر انکا کہنا کیوں نہو
سیکڑوں پردوں میں چھپکر عالم آرا کیوں نہو

عندلیبانِ چمن بندۂ بے دام بنے
ہو لیے چھوڑ کے گلشن مرے صیاد کیساتھ
کس سے ملتے ہو حسن خیر ہے کیا کرتے ہو
کچھ عداوت ہی تھیں کیا دلِ ناشاد کیساتھ

مے سے میں نے کب کی توبہ
توبہ توبہ کیسی توبہ
شیشہ اٹھا کر طاق سے ہم نے
طاق پہ رکھدی ساقی توبہ

حسن ہیچ چارۂ مجروح غم ہوا
زخموں میں بھر دیا وہ نمک زخم بھر گئے
ہر دلفگار لائق تیغ ادا نہیں
مژدہ انھیں جو عشق کے مجرم ٹھہر گئے
ان بیقراریوں میں وہ کیا چین پائینگے
ارمان کس امید پہ دل میں ٹھہر گئے
میں جانتا تھا میری ہی الفت کی خو نہیں
لیکن تمھارے ظلم بھی حد سے گزر گئے
اس بدگمان نے یہ کہا میری لاش پر
اللہ رے فریب کوئی جانے مر گئے
میں جانتا ہوں دل پہ جو گزری شب فراق
دل جانتا ہے مجھپہ جو صدمے گزر گئے

ناصحِ ناداں عبث تو کر رہا ہے دق مجھے
دل کیے قابو میں ہوں میں دلبر نہیں قابو مجھے
رات دن کی آہ و زاری ہر گھڑی کا اضطراب
کیا دلِ بیتاب اب جینے نہ دیگا تو مجھے
دل تمنے لیا۔ ہجر نے دم۔ عشق نے راحت
برباد نہ اس طرح ہو دولت بھی کسیکی
موت سے دردِ جدائی کی دوا ہوتی ہے
یوں ہی بیمارِ محبت کو شفا ہوتی ہے
دل کیے سو ٹکڑے کہ ٹکڑے سے ٹکڑا ہو جدا
پر کہیں تیغِ ادا دل سے جدا ہوتی ہے
رات کو آئینگے وہ صبح سے بے چین ہیں ہم
شام تک دیکھئے حالت مری کیا ہوتی ہے
دستِ نازک سے کشاکش میں ہے تلوار کا دم
نہ جدا کرتی ہے سر کو نہ جدا ہوتی ہے

ایک تم ہو کہ وفا پر بھی جفا کرتے ہو
ایک ہم ہیں کہ جفا پر بھی وفا ہوتی ہے

دل میں تم۔ آنکھوں میں تم۔ چھپتے ہو پھر کسواسطے
تمکو شرم آتی نہیں عاشق سے شرماتے ہوئے

جاں بلب ہوں اک نظر کیواسطے آنکھیں نہ پھیر
جانے والے اک نظر پھر دیکھ لے جاتے ہوئے

سوئے درِ حبیب جو ہم ناتواں چلے
بولی یہ نارسائی قسمت کہاں چلے

تیغ لیجے قتل کیجے۔ کام چلنے دیجئے
بیگناہی کو سفارش پر مچلنے دیجئے

حضرتِ زاہد نویں جنت دکھلاویں گے ذرا
پھول کھلنے دیجئے چشمے اُبلنے دیجئے

ذبح کرنے کے لئے منہ پھیر کر بیٹھیں نہ آپ
دم نکلتے وقت تو حسرت نکلنے دیجئے

قابلِ تعزیر میکش ہیں جنابِ محتسب!
دَور کی تقصیر کیا ہے دَور چلنے دیجئے

دعویٰ ہمارا کیا ہے۔ بگڑتا ہے کس لئے
لے دشمنِ وفا ترے محفل سے ہم چلے

چیر کر تم دلِ بسمل کو نہ دیکھو دیکھو!
جن سے نفرت تھی تمھیں اسمیں وہ ارماں ہونگے

تھوڑی تکلیف اُٹھائی ہے حسن فرقت میں
اب نہ دل دینگے بتوں کو جو مسلماں ہونگے

دیکھ آؤ مریضِ فرقت کو
رسمِ دنیا بھی ہے ثواب بھی ہے

شکایت کو گئے تھے شکر کر آئے
یہ کیا تھا کچھ کا کچھ نکلا زباں سے

جو خاص جلوے تھے عشاق کی نظر کے لئے
وہ عام کر دیئے تم نے جہان بھر کے لئے

ہمیں تو دیکھئے دل دینے سے نہ منہ پھیرا
نگاہ پھیر گئے آپ اک نظر کے لئے

ہماری وصل کی رات انکی ہجر کی شب ہے
وہ آج شام سے بیچین ہیں سحر کے لئے

دعائے وصل جو کی چرخ سے صدا آئی
یہ التجا تو بنی ہی نہیں اثر کے لئے

تمھارے جلوے میں ہر جائی ہے کیفیت
سرور دل کے لیئے نور ہے نظر کے لئے

کیا ہے طولِ شب ہجر نے عجب اندھیر
گرا ہے سجدے میں خورشید بھی سحر کے لئے

کہو تو ہم سے بھی خط کا جواب کیا آیا
حسن جو آج قدم تم نے نامہ بر کے لئے

کسیکے ہوش کھو دینا کسیکو خاک کر دینا
تجھے کچھ اور بھی اے جلوہ جانانہ آتا ہے

بہاروں میں ہوں یہ رنگینیاں پھولوں میں یہ جوبن
مگر پردے میں چھپ کر جلوۂ جانانہ آتا ہے

آئی کیا جی ہیں تیغ قاتل کے
کہ جُدا ہو گئی گلے مِل کے

اب کوئی دم میں نہ ہم ہونگے نہ حسرت ہوگی
آج پُوری تری مانی ہوئی منت ہوگی

حشر کو رویتِ دیدار مسلّم لیکن
ہم پہ تو ہجر کی راتوں میں قیامت ہوگی

دل گرفتارِ بلا - جان اسیرِ آفت
آپ کے عشق میں ہوگی جسے راحت ہوگی

نقشِ پا بن کے مٹینگے ترے پامالِ خرام
لاش اُٹھیگی نہ اُنکی کہیں تربت ہوگی

اللہ رے بیکسی کہ نہ دل ہے نہ یار ہے
اِک جانِ زار ہے بھی تو وہ جانہار ہے

کس درجہ گلفشانِ دہنِ تنگِ یار ہے
اِس غنچے میں ہزار چمن کی بہار ہے

دل بیچ کے لیں ہم تری آنکھوں کے لئے مول
دُنیا میں کہیں جنسِ مروّت نہیں ملتی

ہر ایک سے سائل نہیں ہوتا ہے زمانہ
ہر ایک کو یہ حُسن کی دولت نہیں ملتی

اے عاشقو نوید کہ سُنتے ہیں آج وہ
افسانۂ دل جلوں کا زبانِ چراغ سے

بل کھا رہے ہیں چہرے پہ گیسوئے پُرشکن
مارِ سیاہ کھیل رہے ہیں چراغ سے

یہ گلفشانیاں تو نہ ہوتیں کبھی حسن
تم نے چُنے ہیں پھول یہ گلزارِ داغ سے

بیوفا خواب میں بھی تُو نے تو آنا چھوڑا
یوں ہی ہوتی ہے دوا ہجر کے بیماروں کی

نہ رہا کیجیو پر کنجِ قفس تک آکر
کچھ تو سُن لے مرے صیاد گرفتاروں کی

جسے دیکھا پھر اُس کا دل نہیں رہتا ٹھکانے ہے
تری ترچھی نگاہوں میں شرارت ہی کچھ ایسی ہے

میں آؤں وعظ میں سو بار جب یہ دل بھی آنے دے
کروں کیا واعظو رندوں کی صحبت ہی کچھ ایسی ہے

میں کس گنتی میں ہوں ورنہ اک مرد کی حقیقت کیا
ہزاروں جان دیتے ہیں وہ صورت ہی کچھ ایسی ہے

کوئی آئے یہ آتی ہے - کوئی جائے یہ جاتا ہے
مرا دل ہی کچھ ایسا ہے طبیعت ہی کچھ ایسی ہے

ہمارا کیا بگڑ جاتا حسن تیری سفارش میں
ہماری اُنکی اب صاحب سلامت ہی کچھ ایسی ہے

اے حسن شکر کرو زندہ وہاں سے آئے
دل کو جانا تھا گیا جان سلامت آئی

مریضِ غم کی نہ پوچھو حالت جو تمکو ملنا ہی جلد مل لو
نہ ہٹ کرو آؤ مل بھی جاؤ۔ نہ مرنیوالوں سے منہ چھپاؤ
نہ باغِ جنت کی آرزو کر۔ نہ جامِ کوثر کی جستجو کر
یہ ناز و انداز ہیں قیامت اور اُسپہ یہ شوخیاں بلا ہیں
جو عالم آشنا ہی وہ تو پردے کی ادا کیوں ہے
جو آنکھوں میں بسا ہی آنکھیں اُسکی منتظر کیوں ہیں
نہ آئیں وہ شبِ وعدہ تو اُنکی یاد بھی جائے
اگر ہم دیکھ سکتے تھے تو اُسنے کیوں کیا پردہ
تعلق عکس و پرتو سے نہیں جب حسنِ یکتا کو
کسیکی آنکھ کی پتلی بنے یا دل کا ٹکڑا ہو
ہمارا عشق دلمیں ہے تمہارا حسن پردے میں
اُنھیں ہم جان سمجھیں اُنکو اپنی زندگی جانیں
مرے خونِ گشتہ ارماں کی سفارش گر نہیں کرتا
حسن جب دیکھئے دل ہی پھر اِن باتوں کی کیا ہو؟
ہم رنج و الم سہتے ہیں کیا اپنی خوشی سے
دل چھین کے لیجائے جو ظالم خفگی سے
فرقت میں مجھے رو کے کہو نالہ کشی سے
تم چپکے سے اِک بوسۂ عارض ہمیں دیدو
لاکھ سمجھایا تصور نے تجھے اے دل ہو وہی
رہے جس دل میں تجلّیِٔ جمالِ لیلیٰ
صبا! کرم! دلِ بلبل میں شوق باقی ہو

پھریں ہیں آنکھیں چھٹی ہیں نبضیں بتاؤ کیا تمکو حال کیا ہے
یہ نیچانوں سے رنج کیوں ہے۔ مسافروں سے ملال کیا ہے
شراب بے لذت حرام ٹھیری۔ پھر اور زاہد حلال کیا ہے
زمانہ پامال ہو رہا ہے غضب ہے آفت ہے چال کیا ہے
اگر منظور ہے پردہ تو عالم آشنا کیوں ہے
جو دل میں جلوہ فرما ہی دل اُسکو ڈھونڈتا کیوں ہے
مرے سوئے ہوئے طالع کے گھر یہ رتجگا کیوں ہے
اگر دیدار کی طاقت نہیں تو خود نما کیوں ہے
دلوں کو۔ آنسوں کو حکم و تاکید جلا کیوں ہے
ہماری طرح خاک افتادہ اُنکا نقشِ پا کیوں ہے
خدا جانے پھر اِن دونوں کا چرچا جا بجا کیوں ہے
خدا جانے پھر ایسیوں سے تمنائے وفا کیوں ہے
تو اُنکے پاؤں پر مچلا ہوا رنگِ حنا کیوں ہے
خیالِ غیر کیوں ہے۔ فکرِ طعنِ اقربا کیوں ہے
دنیا میں غرض اُسکے کسی کی نہ کسی سے
کیا قہر ہو ناصح وہ اگر خوش ہو کسی سے
ناصح! ابھی واقف نہیں تم دل کی لگی سے
کہتے ہیں قسم کھا کے کہیں گے نہ کسی سے
تو نے سمجھا ہے مسیحا جسے قاتل ہے وہی
حضرت قیس! اگر سمجھو تو محمل ہے وہی
ابھی تو پردۂ رخسارِ گل اٹھا ہی رہے

قیس کے حال کو سن سن کے جگر پھٹتا ہے
کون کہتا ہے کہ آپ آئیں مسیحا بن کر
آپ کی ضد سے مجھے اور پلائی حضرت
حشر بھی انجمن حسن خود آرائی ہے
کیا کریں ہم جو لبوں پر تری جان آئی ہے
دل وحشت زدہ مجنوں ہے کہ سودائی ہے
اک جھلک دیکھ سے کیا خاک بتاؤں ناصح
اچھے ہوتے ہیں نہ مرتے ہیں تمھارے بیمار
اپنے در پر بھی وہ آنے نہیں دیتا مجکو

ساتھ کھیلے کی محبت بھی بری ہوتی ہے
کیا مریضوں کی عیادت بھی بری ہوتی ہے
شیخ جی اتنی نصیحت بھی بری ہوتی ہے
عام دربار ہے مخلوق تماشائی ہے
دل بیتاب ہماری کہیں شنوائی ہے
خیر وہ کچھ بھی سہی آپ کا شیدائی ہے
کس پر آئی ہے طبیعت مری کیوں آئی ہے
یہ نئے رنگ نئے ڈھب کی مسیحائی ہے
جینے رہنے کو مرے دل میں جگہ پائی ہے

حسین

حسین - شاعر فصیح البیان نواب غلام حسین خان حسین مرحوم انکے والد نواب بشیر دار خان رئیس شاہجہانپور نواب دلیر خان منصبدار دربار شاہجہانی و بانی قصبۂ شاہجہانپور کی اولاد میں تھے تمام عمر بڑی عزت و توقیر سے بسر اوقات کرتے رہے زیادہ تر توجہ فارسی نظم کی طرف تھی - اردو بہت کم کہتے تھے ۱۲۹۶ھ تک حیات تھے - یہ انکا کلام ہے -

میں تو تدبیر میں تھا زخم جگر کی مصروف
آگے ملنے کی کوئی راہ نکل آئے گی
تشنۂ آب دم خنجر ہے بسمل اور بھی
مرے اعمال ہیں رونے کے قابل
ناصح مشفق نصیحت کچھ اگر آکر کرے
آگ سے موسیٰ کے ہاتھ آیا چراغ مدعا
رشک سے ایکدن کلیجے پر کٹاری مار دیئے

دل بھی پہلو میں طپاں تھا مجھے معلوم نہ تھا
بیقراری تو مجھے اسکے تو در تک پہنچا
دست نازک کو ذرا تکلیف قاتل اور بھی
خدائی سالہا مجھ پر ہنسا کی
اس میں کیا نقصاں ہے اپنا سن کے ہاں ہاں کیجیے
آشکارا فہ ہے الطاف پنہاں کیجیے
حوصلہ کہتا ہے یوں دشمن پہ احسان کیجیے

حسین - صاحبزادہ غلام حسین خان حسین متوطن رامپور شاگرد خواجہ آتش لکھنوی - کئی

کئی برس ہوئے ۸۰ برس کی عمر پا کر انتقال فرمایا۔

یہی تقدیر میں یا رب لکھا ہو
کہ سر اپنا ہو اُس کا نقشِ پا ہو
چھٹ سکنے پر تو ہوں اُسکا ثناخواں
خدا جانے تسلی دے تو کیا ہو
پھری تقدیر تو بھی یہ نہ دیکھا
کہ قاصد کوئے جاناں سے پھرا ہو

حسین
حسین۔ جناب منشی حسین الدین احمد صاحب سب انسپکٹر کوتوالی ہردوئی زیادہ حالات باوجود تلاش و کوشش معلوم نہیں ہوئے۔ کلام کا نمونہ اشعارِ ذیل ہیں۔

دستِ رنگیں جو دکھایا تم نے
رنگ مہندی کا اُڑایا تم نے
دیکھو ہم جی سے گزر جائیں گے
تیر پھر دل پہ لگایا تم نے
یہی اقرار یہی وعدہ تھا
چار ہی دن میں بُھلایا تم نے

حسینی
حسینی۔ محمد ماہ ساکن مارہرہ جوان خوبصورت درویش سیرت۔ جہاں دیدہ۔ قیدِ مذہب سے آزاد۔ اگرچہ شاہ برکت اللہ بلگرامی کے مرید تھے مگر اکثر اُنکے مُنہ سے کلام موحدانہ سُننے میں آتے تھے طبیعت موزوں پائی تھی اور دیوان ضخیم مرتب کیا تھا۔ یہ اُنکا کلام ہے۔

کبھی آنکھوں سے دور نم نہ ہوا
اشکِ خونیِ جگر سے کم نہ ہوا
تیرے پاؤں تلک بھی اے ظالم
سرِ حسینی کا ہائے خم نہ ہوا

جب سے دیکھی ہے تری بالی تر کان کے بیچ
تب سے ایجان مری جان نہیں جان کے بیچ

حشر
حشر۔ جناب محمد مجتبیٰ حسین صاحب از تحصیل سوار مفصل حالات معلوم نہیں۔ نمونۂ کلام میں تین شعر درج کیئے جاتے ہیں۔

خاکساروں کو سدا پھولتے پھلتے دیکھا
دانہ سرسبز ہوا خاک میں پنہاں ہو کر
قصۂ وصلِ عدو میں نہ لکھوں گا ہرگز
نیچی گردن نہ کریں آپ پشیماں ہو کر
کیا ہوا خیر تو ہے دیکھ لی صورت کس کی
آئینہ دیکھ کے کیوں رہ گئے حیراں ہو کر

حشر
حشر۔ جناب سلطان علیخان صاحب لکھنوی شاگرد جناب جلال۔ آپکے حالات بھی پوشیدہ

ہی ہے۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو۔

تھے بہت خار راہِ الفت میں ٭ چٹکیاں لیکے دستِ نازک سے	پاؤں ہمکو سنبھل کے دھرنا تھا دلِ غمگیں کو شاد کرنا تھا
روز اِک چال نئی آکے وہ چل جاتے ہیں شوخیٔ یار کے آتے ہیں تصور جو کبھی	وصل کے دن شبِ فرقت سے بدل جاتے ہیں چٹکیاں لیکے کلیجے ہیں نکل جاتے ہیں

حشرؔ۔ آغا محمد شاہ نام معروف بہ آغا حشر کاشمیری۔ آپکا آبائی وطن تو خطۂ کشمیر ہے۔ مگر اب ایک عرصہ سے اُنکے خاندان کا مسکن شہر بنارس ہے۔ جہاں شال کی تجارت کرتے ہیں آپکا مقامِ ولادت امرتسر ہے۔ فنِ شعر میں جہانتک ہمیں معلوم ہیں آپ کسی کے شاگرد نہیں ہیں۔ عمر تقریبًا ۳۴۔ ۳۵ سال کی ہے۔ اک وضعدار۔ خلیق اور بامروّت انسان ہیں طبیعت میں روانی اور آزادی انتہا کی ہے۔ عربی۔ فارسی۔ انگریزی۔ گجراتی۔ اور اُردو کم و بیش پانچ زبانیں جانتے ہیں۔ مذہبی بحث و مباحثے اور وعظ و نصائح کا بھی شوق ہے۔ شعر و سخن کی قابلیت خداداد ہے۔ نظم و نثر دونوں اصناف میں بہت اچھی دستگاہ رکھتے ہیں۔

فنِ ڈراما نویسی جس کا اصل ماخذ تو سنسکرت زبان ہے۔ مگر ایک عرصہ ہوا کہ زمانے کی دست بُرد نے اُسے ہمارے ہاتھوں سے قریب قریب بالکل چھین لیا اور ایسا چھینا کہ آج ہم سمجھتے ہیں کہ انگلستان کا شکسپیر ہی اس فن کا موجد ہے۔ اگر دیکھا جائے تو ایک حد تک یہ بات درست بھی ہے کیونکہ ہمیں دوبارہ یہ فن فی الحقیقت انگلش لٹریچر ہی کے مطالعہ کی بدولت نصیب ہوا ہے۔ اگرچہ اسکے کچھ پہلے مٹے مٹائے نشانات۔ سوانگ راس اور بھگت کی صورت میں ابتک باقی تھے۔ بلکہ ہیں مگر کچھ ایسے بیہودہ اور ذلیل اسلوب سے کہ جنھوں نے اِس فن کو اُلٹا اِسکے اعلیٰ رُتبہ سے گرا کر ہماری نظر میں بالکل واہیات اور خرافات بنا رکھا تھا گو واجد علی شاہ والیٔ لکھنؤ کے زمانے میں اندر سبھا امانت اور مداری لال اور چند اور مثنویاں خود شاہ اخترؔ کی تصنیف مرتب ہوئیں اور اچھی تصنیف ہوئیں۔ مگر صرف شاعری

کے لحاظ سے۔ فنِ ڈراما سے اُن کا کوئی تعلق نہ تھا۔ اِسکے بعد جب پارسیوں نے کمپنیاں قائم کر کے انگریزی اُصول پر سین سینری کے ساتھ اندر سبھا کے تماشے کرنے شروع کیے تو لوگوں کو اس کھیل سے ایک قسم کی دلچسپی پیدا ہوئی اور الف لیلیٰ۔ گل بکاؤلی۔ بدر منیر۔ فسانۂ عجائب وغیرہ دیگر قصص کے اُسی ڈھنگ پر تماشے تصنیف ہو گئے جنھیں کمپنیاں اسٹیج پر ایکٹ کرنے لگیں۔ مگر وہ تماشے محض تماشے ہی تھے۔ سوائے تک بندی کے اِن میں زبان اور لٹریچر سے کچھ لگاؤ نہ تھا۔ رفتہ رفتہ۔ رونق۔ ظریف۔ آغا شاعر۔ بیتاب۔ طالب بنارسی۔ احسن لکھنوی۔ مُراد اور بہت سے ڈرامائسٹ پیدا ہو گئے۔ جنھوں نے اِس فن میں انگریزی اُصول کی تقلید پر ناٹک لکھے۔ دلفروش۔ بزم فانی۔ ظلم اظلم۔ سفید خون۔ نگاہِ غفلت وغیرہ متعدد تماشے مُرتب ہوئے مگر لٹریری مذاق کے اعتبار سے چند ہی ڈرامائسٹ کامیاب ہوئے۔ آغا حشر کشمیری نے بھی اِس صنف میں درجۂ کمال حاصل کیا۔ چنانچہ شکسپیر کے چند ناٹک اُردو کے قالب میں اس خوش اسلوبی سے ڈھالے کہ اُنھیں دیکھکر کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستانی ڈرامانگاری میں گویا دوبارہ اُسکی روح کو تازہ کر دیا۔ طالب۔ احسن اور حشر کی تصنیفات نے اسٹیج پر آکر سچ مچ حشر برپا کر دیا۔ تماشائی گویا اُسکی مٹھی میں ہوتے ہیں۔ مصنّف جہاں چاہتا ہے رُلا دیتا ہے اور جہاں چاہتا ہے ہنسا دیتا ہے۔ رُلاتا ہے تو روتے روتے لوگوں کے رومال تر ہو جاتے ہیں ہنساتا ہے تو تمام اسٹیج میں تماشائیوں کے قہقہے کی آواز گونجنے لگتی ہے گویا سب کچھ اُسی کے قبضہ میں ہوتا ہے۔ اب نمونۂ کلام میں ہم آپکی مشہور تصنیف "اسیر حرص" کا ایک سین یہاں نقل کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو کس ترکیب کی نثر ہے اور کس شان کی نظم۔ اور دونوں کو کس لطف سے دست و گریبان کیا ہے کہ اُسکی تعریف نہیں ہو سکتی۔

دیکھئے ظالم چنگیز کے سامنے اُس کا چچازاد بھائی ناصر پابزنجیر کھڑا ہوا ہے چنگیز بے شرمی اور ترو(؟) سے اُسکو ذلیل کرنا چاہتا ہے مگر بہادر ناصر اپنی جان کا خوف نہ کر کے برابر انصاف کی طرفداری کیے جاتا ہے۔

چنگیز۔ کہیئے اے شہبازِ زمانہ! آپ نے اِس ناچیز کو پہچانا؟

ناصر۔ پہچانا! پہچانا!! شیطان کو کون نہیں جانتا ہے۔ بلکہ ہر شخص پہچانتا ہے۔

شکل وصورت دیکھ لی کبر و رعونت دیکھ لی	نام پہلے بھی سُنا تھا آج صورت دیکھ لی

چنگیز۔ مغرور تو زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ مگر ابھی تک یوں اکڑا ہوا ہے۔

سر سے غرورِ مسندِ مخمل نہیں گیا	رسّی تمام جل گئی پر بل نہیں گیا

ناصر۔ عزت والے مصیبت سے کب ڈرتے ہیں۔ تارے اکثر رات کے عوض دن کو نکلتے ہیں

بھری برسات میں جن ندی نالوں میں روانی ہے۔ انھیں گرمی میں دیکھو نہ موجیں ہیں نہ پانی ہے ؎

مگر دریا کو اس تابش کا ہرگز غم نہیں ہوتا	لگا دو آگ بھی اس میں تو پانی کم نہیں ہوتا
عطر کی ہٹی میں بھی ملکر مہک جاتی نہیں	توڑ بھی ڈالو تو ہیرے کی چمک جاتی نہیں
سختیاں ہوں لاکھ پر جوہر نجائیں گے کبھی	نیند میں کچھ شیر کی شیرانہ خو جاتی نہیں

چنگیز۔ تو تُو نے بادشاہی اس لیئے چاہی۔ کہ مجھ سے کرے بُرائی! مَیں تیرا کون تھا؟

ناصر۔ کون تھا؟

چنگیز۔ چچازاد بھائی۔

ناصر۔ بھائی؟؟ اُف بھائی کا نام لیکر تُو نے میرے مرحوم چچا کی روح کو تڑپا دیا۔ قبر میں سوتے ہوئے کو خواب راحت سے جگا دیا۔ مجکو تو کہتا ہے بھائی۔ اور بھائی کے ساتھ یہ کج ادائی۔ لعنت ہے او نا سزائی۔ ؎

جسکی گودوں میں پلا دشمن اُسیکا ہوگیا	تُو نہیں پیدا ہوا اک سانپ پیدا ہوگیا

چنگیز۔ خیر اگر تم جانتے ہو کہ عیش کا نتیجہ دلگیری ہے اور شاہی کا انجام فقیری ہے ؎

تو ناحق بنکر اُٹھایا بن کے تاج وتخت کا والی	مجھ سے ہی تمنے ایسی سلطنت پھر کیوں نہ لے ڈالی

چونکہ چنگیز خود غرض ہے ظالم ہے ناصر کے لفظوں سے دل میں تھیپتا ہے۔ مگر ناحق کی زبان درازی سے ناصر کو دبانا چاہتا ہے۔ اس لیئے مصنف دکھانا چاہتا ہے کہ اُسکی باتوں میں سلسلہ نہیں ہے۔ یہی کمال فن ہے۔

ناصر۔ او! تم کو؟

چنگیز۔ ہاں ہاں مجھکو۔

ناصر۔ تمکو سلطنت کا دیدینا ایسا ہے۔ جیسا انصاف کو ظلم کے ہاتھ میں دیدینا ہے یا شیر سے بکریوں کی حفاظت کا کام لینا ہے۔ ؎

کرسکو نگا جب میں اس ظلم وجفا کا سامنا	جب نکرنا ہو قیامت میں خدا کا سامنا

چنگیز۔ جب رعیت ہی کی تقدیر میں خراب ہونا ہے تو پھر تمکو کس بات کا رونا ہے۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں

رنج ہو سبکو جو ہمکو غم نہیں تو کچھ نہیں۔	اور روئیں اپنے گھر ماتم نہیں تو کچھ نہیں
آدمی دنیا میں خوش ہر دم نہیں تو کچھ نہیں	دم کے ہیں سب دم دمے جب دم نہیں تو کچھ نہیں

ساری دنیا ہیچ ہے جب ہم نہیں تو کچھ نہیں۔

ناصر۔ بیشک! اگر تمکو جس راحت و آرام کی امید ہے۔ اس کا اس دنیا میں پورا ہونا بعید ہے البتہ اگر خدا کے ہاں جاؤگے تو پورا آرام پاؤگے۔

چنگیز۔ تو تُو نے میری موت چاہی۔ اس لیئے کہ تیری قید ٹوٹ جائے اور تو اس عذاب سے چھوٹ جائے

ناصر۔ نہیں نہیں میں کیا تیرے عذاب سے چھوٹوں گا بلکہ دنیا تیرے عذابوں سے چھوٹ جائیگی۔ اور تو دنیا کے عذابوں سے چھوٹ جائیگا۔ او خونریز! چنگیز۔ ؎

کونسا سوچا ہے تُو نے دشمنی سے فائدہ	کیا اٹھانا چاہتا ہے رہزنی سے فائدہ!

چنگیز۔ فائدہ؟ سلطنت حاصل کرنے کا قاعدہ۔ جس طرح ایک میان میں دو خنجر آبدار نہیں رہسکتے اُسی طرح ایک ملک میں دو شہریار نہیں رہ سکتے۔ ؎

بھوک میں ہرگز طبیعت صبر کرسکتی نہیں	ایک روٹی دو بشر کا پیٹ بھرسکتی نہیں

ناصر۔ یہ تو انسانی خصلت کے خلاف ہے۔ ایک انسان ایک روٹی دس آدمیوں کو بانٹ کر کھا سکتا ہے۔ مگر ایک کتا ایک ہڈی کو اکیلا ہی چچوڑتا ہے۔ ؎

جہاں میں رشک کے جن لوگوں میں ایسی کج آدائی ہے	وہ آں کتے ہیں گرچہ شکل انسانوں کی پائی ہے

چنگیز۔ دیکھ! اب بھی تو اگر اپنی بیہودگی سے باز نہ آئیگا۔ تو صبح آفتاب نکلنے سے پہلے تیرا دم نکل جائیگا
ناصر۔ اُف! جہاں تجھ سا کور باطن ہے وہاں آفتاب کا نکلنا ناممکن ہے۔
چنگیز۔ کیوں۔؟ کس لیئے؟
ناصر۔ اس لیئے کہ تیرے گناہوں کی تاریکی نے تمام دُنیا میں اندھیرا پھیلا دیا ہے۔ اور آفتاب کی روشنی کو اپنی سیاہی میں چھپا لیا ہے۔ ؎

پردۂ گور میں جب جسم یہ تیرا ہوگا	اب اِسی روز زمانے میں سویرا ہوگا

چنگیز۔ خیر میں نے مانا کہ میں تیری نظروں میں خار ہوں۔ مکار ہوں۔ بدکار ہوں۔ عیار ہوں

مگر یہ دیکھ تو کیسا اسیرِ رنج و آفت ہے	خلاف اِسکے یہاں عشرت ہے راحت ہے مسرت ہے

ناصر۔ او مغرور! یہ کیا بڑی بات ہے۔ عزت اور ذلت دینا تو خدا کے ہاتھ ہے۔ ایک شاخ میں دو پھول ہوتے ہیں۔ ایک کو شادی کے وقت سہرے میں لگاتے ہیں۔ دوسرے کو قبر پر چڑھاتے ہیں۔ ایک صدف میں دو موتی ہوتے ہیں۔ ایک سے تاجِ شاہی کو زینت دیتے ہیں اور دوسرے کو کھرل میں پیکرِ خاکِ سیاہ بناتے ہیں۔
چنگیز۔ تو وہ شرافت کس کام کی جو وقت پر کام نہ آئے۔ ؎

جوہر اگر دکھاتے مشکل پڑی نہ ہوتی	ہاتھوں میں آپ کے دن یوں ہتکڑی نہ ہوتی

ناصر۔ ہتکڑی۔؟
چنگیز۔ ہاں ہتکڑی؟
ناصر۔ جن بہادروں کو اپنی عزت عزیز ہوتی ہے اُنکے ہاتھوں میں ہمیشہ دو چیز ہوتی ہیں۔
چنگیز۔ دو چیز؟
ناصر۔ ہاں دو چیز
چنگیز۔ کیا؟
ناصر۔ تیغ و شمشیر۔ یا ہتکڑی و زنجیر۔ البتہ جو طبیعت کا عورت ہو اُسکے ہاتھوں کے لیئے چوڑیاں

کی ضرورت ہے۔

چنگیز۔ بزباں کم نہیں ہوتی ہے حماقت تیری ✤ خیر معلوم ہوا۔ آگئی شامت تیری

ارے کوئی حاضر ہے؟

آکے لیجاؤ اِسے قید رکھو آج کی رات	خون پی لونگا صبح۔ ناشتہ صبح کے ساتھ

حشم

حشم۔ جناب نواب محمد مرزا خان صاحب شاگرد جناب جلال لکھنوی آپکا کلام بہت صاف و پاکیزہ ہے۔ دل ہیں درد معلوم ہوتا ہے۔ مضمون میں بھی شوخی پائی جاتی ہے لیکن افسوس کُل ۶ ہی شعر دستیاب ہو سکے۔

غیر ہی کو تم بناؤ قصہ خوانِ اہلِ درد	کچھ کہیں سے سُن تو لو گے داستانِ اہلِ درد
رحم اُس ظالم کے دلمیں ڈالدے تو یا کریم	یا مِٹا ہی دے زمانے سے نشانِ اہلِ درد
دل دیا ہے جس طرح وہ جان بھی دینگے یونہی	او ستمگر لے کبھی تو امتحانِ اہلِ درد
خوش جو ہوتے ہیں تو مجھپر وہ جفا کرتے ہیں	غیر سے ہو کے خفا دیکھئے کیا کرتے ہیں
آپ اچھے رکے خواہاں ہیں یہ کہتا ہو وہ بُت	کبھی بھُولے سے جو ہم یادِ خدا کرتے ہیں
نیاز آیا ہمیں تیری بدولت	بتا دے تجکو ناز آیا کہاں سے

حشم

حشم۔ ڈاکٹر کرپا شنکر صاحب حشم۔ مرزا قربان علی بیگ سالک مرحوم سے تلمذ رکھتے تھے۔ کلام بھی اچھا ہے۔

رہتی ہے تیری زلف پریشان آبدن	کیا صبر پڑ گیا مرے حالِ تباہ کا
پیر مغاں کے بیچ قدم چلکے میکدے	زاہد جو آج بند ہے درِ خانقاہ کا
مجکو حکمت میں بہت دخل ہے لیکن اپنے	دردِ دل کا نہیں پاتا کوئی درماں ابتک
تیرے قدموں کو نچھوڑا مرے ہاتھوں نے کبھی	نہ گیا ہاتھ سے کیسر مرا ایماں ابتک
ہاتھ سے تیغ سے دامن سے ترے او قاتل	ہائے چھوٹا ہی نہیں خونِ شہیداں ابتک
زندہ جاوید کُشتوں کو کیا	ہیں خجل عیسیٰ ترے اعجاز سے

حشم

حشم - جناب شیر محمد خاں صاحب خلف اکبر نواب سید محمد خان صاحب رئیس دولت پور ضلع بلند شہر صاحب دیوان تھے - آپکے دیوان کے دیباچے میں کچھ حالاتِ زندگی بھی درج ہیں اُس میں سے چند سطریں انتخاب کیجاتی ہیں - آپ کو ابتدائے عمر سے شعر گوئی کا شوق تھا - باوجود کثرتِ کاروبار مشقِ سخن مدت العمر جاری رہی - دیوان کے طبع کرانے کا ارادہ تھا کہ ۱۸۹۵ء میں بقضائے الٰہی اس دارِ فانی سے رحلت کی اور یہ حسرت پوری نہوئی آپکے بعد آپکے صاحبزادوں نے ۱۹۰۰ء میں آپ کا دیوان بلند شہر میں طبع کرایا - مگر تمام حالات میں آپکے استاد کا کہیں ذکر تک نہیں ہے - البتہ اس شعر سے کچھ پتہ چلتا ہے

فیض طپش سے اپنا وہ لہجہ درست ہے	اہل حسد کو بند ہیں تقریر سے کروں

کلام خاص ہے بندش صاف ہے - انتخاب ملاحظہ ہو -

بے نقاب اُن کا رُخِ روشن اگر ہو جائیگا	ماہ کا شکل کتاں ٹکڑے جگر ہو جائے گا
تمھاری زلف کے خم میں جو پیچ و تاب آیا	بلائیں لینے مرے دل کی اضطراب آیا
قصۂ فرہاد و مجنوں کو بتاتے ہیں وہ جھوٹ	اضطراب دل پہ میرے پھر یقین لائینگے کیا
آج پھر کھجلاتے ہیں تلوے مرے وحشت ہی ہے	آبلے پھر روئے خار دشت دکھلائینگے کیا
اُنکی باتوں ہی سے آزردہ دلی ہے آشکار	مجھسے ملنے کی حشم اب وہ قسم کھائینگے کیا
بال کب زلفوں کے ابروئے خطرناک پہ ہیں	پانی پیتے ہیں یہ آب دم شمشیر میں سانپ
ہمسری کرتے ہیں اکثر جو تری کاکل سے	سیکڑوں مارے گئے ہیں اسی تقصیر میں سانپ
چشم پُر خوں ہجر میں ہے غمگسارِ آستیں	دید کے قابل ہے اے گُل اب بہارِ آستیں

نہیں ابروئے یار زلف دوتا میں	مہِ نو چمکتا ہے کالی گھٹا میں
لحد میں برابر ہے اعلیٰ و ادنیٰ	پسِ مرگ کیا فرق شاہ و گدا میں

تمھارے عارض پہ نور پر نہیں زلفیں	متاعِ حسن پہ دو مار آکے بیٹھے ہیں
وفورِ رنج سے چہرہ اُتر گیا میرا	حضور آپ جو تیوری چڑھا کے بیٹھے ہیں

ناتوانی نے بچا رکھی ہے اب تک جانِ زار
لاغری سے ہم اجل کو بھی نظر آتے نہیں

گُل کی طرح خوشی سے دلِ تنگ کھل گیا
لائی صبا جو اُس بُتِ غنچہ دہن کی بُو

مصروف جو وصفِ دُرِ دندانِ زباں ہو
مچھلی بنے پھر آبِ گہر میں وہ رواں ہو

وصفِ غزالِ چشم تو لکھ جلد اے قلم
آنکھوں کے آگے سے کوئی مضموں ہرن نہ ہو

پوشاکِ فاخرہ جو پہنتے تھے رات دن
عبرت کی جا ہے اُن کو میسر کفن نہ ہو

منتظر ہیں نگاہِ مہر کے ہم
تم خدا کے لیے اِدھر دیکھو!

پاس عارض کے زلفِ مشکیں ہے
متصل شام اور سحر دیکھو!

حور و غلماں شیفتہ، جن و ملک مشتاقِ دید
حق نے وہ رُتبہ دیا ہے حسنِ آدم زاد کو

تیرہ دل کیا خاک سمجھے عزّتِ اہلِ صفا
قدرِ آئینہ ہو کیونکر کورِ مادر زاد کو

دل لگی خوش آئے کیا ہجرِ بتِ عیار میں
ہمدمو سارے تعلق ہیں سرورِ دل کے ساتھ

ہے جی میں چومیے بتِ شیریں ادا کے ہاتھ
کیا غم جو اس خطا پہ کٹیں مبتلا کے ہاتھ

مانگیں تمام رات دُعائیں اُٹھا کے ہاتھ
سرکے مگر نہ چہرے سے اُس مہ لقا کے ہاتھ

تیرے سوزِ عشق سے اے گل جو ہاتھ آیا ہے داغ
عندلیبِ دل یہ کہتا ہے کہ باغ آیا ہے ہاتھ

پہلو سے جدا وہ بتِ عیّار نہ ہو جائے
یارب کہیں جینا مجھے دشوار نہ ہو جائے

ابر کہتا ہے کوئی - دریا کوئی - کوثر مجھے
دیکھئے کیا کیا بنائے گی یہ چشمِ تر مجھے

اب نہ ترساؤ خدا کے واسطے
شکل دکھلاؤ خدا کے واسطے

رُخ میں ضَو آفتاب کی سی ہے
جسم میں بُو گلاب کی سی ہے

خیال تھا ہمیں تیرے جو آتشیں رُخ کا
فنا کے بعد ہمارے کفن میں آگ لگی

جو آ کر باغ میں دم بھر مرا گلگوں قبا ٹھیرے
تو روئے گُل پہ رنگ اصلا نہ اے بادِ صبا ٹھیرے

حشمت

حشمت - میر حشمت علی خلف میر حیدر علی - حیدرآباد دکن کے رہنے والے اور حیدر حسین خان حیدر کے شاگرد ہیں - اُردو و فارسی دونوں زبانوں میں فکرِ سخن کرتے ہیں - کلام خاصہ

ہے اِنکے اُستاد بھی نامی شعرائے دکن میں شمار ہوتے تھے۔ خود میر حشمت علی فی الحال محکمۂ نظامت پٹہ خانجات میں ملازم ہیں۔ یہ اُن کا کلام ہے۔

کر کے ابرو کا اشارہ غیر کو وہ رُک گئے	خنجرِ بُرّاں میری گردن پہ چلکر رُک گیا
مرگِ عاشق پر اجی اِس طرح غم کھاتے نہیں	صبر کی جا ہے مرے کے ساتھ مرجاتے نہیں
ہوگئے ہیں جا کے شاید کوئے جاناں میں مقیم	حضرتِ دل آج پہلو میں نظر آتے نہیں
یادِ مژۂ یار ہے ایسی کہ نہ پوچھو	دل میں خلش خار ہے ایسی کہ نہ پوچھو
ہے جان و دل پہ ہمارے تو آپ کا قبضہ	ہمارا آپ پہ کچھ اختیار ہو کہ نہ ہو
ہجر میں ہم اسی اُمید پہ جیتے ہیں فقط	یار باقی ہے تو دنیا میں ہے صحبت باقی

حشمت

حشمت۔ محمد علیخاں حشمت۔ شاہجہاں آباد کے خوشحال لوگوں میں تھے۔ اور میرزا مظہر جانجاناں میر تقی میر۔ اور سودا کے ہمعصر عبدالحی تاباں اِنکے شاگرد تھے۔ اِنکے دو بھائی عابد یار خاں اور مراد علیخان شاہ عالم ثانی کی سرکار میں داروغۂ جواہر خانۂ شاہی تھے۔ جناب حشمت بڑے جری اور بہادر اور قوی ہیکل شخص تھے۔ اور فنونِ سپہ گری میں طاق۔ پہلوانی پھینکیتی میں شہرۂ آفاق تھے ۱۱۸۸ھ میں رہیلوں کی لڑائی میں نواب قطب الدین خان نبیرۂ نواب نعمت اللہ خان رئیس مراد آباد کے ہمراہ شریک ہوئے اور دادِ شجاعت اور مردانگی دیکر اُسی معرکے میں کام آئے۔ میر تاباں اُس وقت حیات تھے اُنھیں بہت صدمہ ہوا اور اُنکے غمِ مہاجرت میں اُنھوں نے ایک دردانگیز مخمس بھی لکھا جو اُنکے دیوان میں موجود ہے جناب حشمت فضیلت علمی کے ساتھ شعر بھی خوب کہتے تھے مگر اِس فن میں اپنی شہرت نہیں چاہتے تھے۔ غنی بیگ کشمیری سے تلمذ تھا۔ کلام میں سے ذیل کے دو شعر ہمیں ملے۔ درج کیئے جاتے ہیں۔

خط نے ترا حُسن سب اُڑا یا	یہ سبز قدم کہاں سے آیا
غم نے لیا ہے گھیر مجھے یاں تلک کہ اب	دیتا ہے ساتھ دینے سے مجکو جواب دل

حشمت

حشمت۔ میرزا غلام فخرالدین حشمت مرحوم نبیرۂ حضرت شاہ عالم ثانی۔ حافظ عبدالرحمن خان

احسان مغفور کے شاگرد رشید تھے اور اپنے اُستاد سے ایسی محبت کرتے تھے کہ اکثر یہ دعا کیا کرتے تھے کہ میرا سینہ استاد کے داغ کا گنجینہ ہو۔ چونکہ یہ دعا صادق دل سے تھی مقبولِ بارگاہِ خدا ہوئی اور اتفاق سے حضرتِ احسان کے انتقال سے ایک ہی روز پیشتر ۴۰ سال کی عمر میں قضا کی۔ کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

زلفوں کے بنانے کا پردہ تھا بہانا تھا	مُنہ پردہ نشیں ہم سے پردے میں چھپانا تھا
گھر دو ہی قدم پر تو ہے اِن قدموں کے میں صدقے	بڑھیے کوئی دو چار قدم اور زیادہ
مجھے روتے جو دیکھا ہنس کے بولے	تری حشمت بتا کیوں چشم تر ہے
پلا آبِ دمِ شمشیر قاتل	ترا بسمل تڑپتا خاک پر ہے

حشمت۔ عالیجناب فضیلت مآب کمالات انتساب مسٹر حشمت اللہ صاحب ایم اے ممبر سول سروس صوبہ متحدہ آگرہ و اودھ۔ آپ علیگڈھ کالج کے تعلیم یافتہ ہیں۔ سن شریف اب ۴۴ و ۴۵ برس کے قریب ہے۔ جب دہلی میں اول مرتبہ ۱۸۹۲ء میں محمڈن کانفرنس کا اجلاس ہوا تو آپ ہی اسکی صدرنشینی کے لیے منتخب ہوئے تھے۔ تکمیل علوم مغربی کے ساتھ ساتھ شعر و سخن کا مذاق بھی اعلیٰ درجے کا موجود ہے اور خود بھی خوب کہتے ہیں۔ راقم تذکرہ کو انھیں ایام میں شرفِ نیاز حاصل ہوا تھا اور جناب نے چند غزلیں بھی سُنائی تھیں۔ بیان میں شوخی صفائی اور خیالات میں جدت اور بلندی سارے وصف بااحسن وجوہ موجود ہیں۔ عرصۂ دراز سے کلکٹری کے عہدے پر فائز ہیں۔ تازہ کلام باوجود کوشش دستیاب نہو سکا۔ لہذا وہی چند شعر جو عرصہ ہوا سُنے تھے درج کر دیئے گئے۔

تیرا دیوانہ جو انبوہِ اسیراں میں نہیں	آج ہی شور و فغاں گوشۂ زنداں میں نہیں
جلوہ دیکھا ہے جہاں آنکھ وہیں پڑتی ہے	گو یہ معلوم ہے نقش رہ اب امکاں میں نہیں
آپ سے وعدہ نہ ایفا ہو تو جانے دیجے	ہم کو شکوہ نہیں گر آپکے امکاں میں نہیں
شکوۂ رنج و غم عبث۔ حجتِ کشمکش دروغ	خانہ نشین عاقبت بزم جہاں میں آئے کیوں

حشمت خستۂ غیر سے۔ چشم کرم بجا نہیں
دل و دین و دولت لٹائے ہوئے ہیں
تمھیں کیا بتائیں کہ ارمان والے
نسیم چمن میں کہاں قابلیت
قدم رنجہ فرمائیے بے تکلف
فلک کی یہ نیرنگیاں کب ہیں حشمت

گریۂ غم کو کیا غرض آتش دل بجھائے کیوں
سزا جرم الفت کی پائے ہوئے ہیں
تصور میں کیا لطف پائے ہوئے ہیں
یہ سب گل تمھارے کھلائے ہوئے ہیں
سر رہ ہم آنکھیں بچھائے ہوئے ہیں
پس پردہ وہ آپ آئے ہوئے ہیں

حیات ابد کی تمنا نہیں ہے
مریض محبت کو پروا نہیں ہے
بنو لاکھ بیگانے صحبت میں لیکن
مریض محبت کو ہم نے بھی دیکھا
خیال خط و خال جانے دو حشمت

خرابیتے رہنے میں تنہا نہیں ہے
ترے ہوتے کیا غم جو عیسیٰ نہیں ہے
تعلق نگاہوں سے چھپتا نہیں ہے
نصیب عدو حال اچھا نہیں ہے
طبیعت میں وہ جوش سودا نہیں ہے

حوصلے بڑھ بڑھ کے آخر آفت جان ہو گئے
پردہ و درباں رہے رکھے کے رکھے طاق پر
جلوہ بینان حقیقت ہی رہے اک بت پرست
مہربانوں کو چھڑا یا ایک رشک وصل نے

کچھ دنوں ارماں رہے پھر دلمیں پیکان ہو گئے
آنکھیں ملنا تھیں کہ مشتاقوں کے پیمان ہو گئے
باقی امید قیامت پر مسلماں ہو گئے
کچھ مرے ناصح بنے کچھ اسکے درباں ہو گئے

حشمت — محتشم علیخاں حشمت۔ سید صحیح النسب متواضع و خلیق۔ ہر شخص کے دل میں انکی جگہ تھی۔ مغلپورہ کے رہنے والے۔ فارسی وریختہ کے زبردست شاعر ہیں۔ یہ دو شعر انکے حسن فکر کا نتیجہ ہیں۔

نکہت گل سے جگایا کسی زندان کے بیچ
بہار آئی دیوانے کی خبر لو

سر زنجیر کی جھنکار پڑی کان کے بیچ
اگر زنجیر کرنا ہے تو کر لو

حصین — احسن الدولہ محسن الملک محمد حسین علیخاں بہادر خواجہ سرا۔ تخلص حصین و واجد علیشاہ

والیٔ لکھنؤ کے زمانے میں حضور رس اور مقرب بارگاہ تھے۔ عرصہ ہوا کہ اس عالمِ فانی سے بعالم جاودانی رحلت فرما گئے۔ یہ چار شعر اُنکی یادگار باقی ہیں جو تذکرۂ سراپا سخن سے نقل کیے جاتے ہیں

تُو ہی کر انصاف ظالم غیر جب سلجھائے زلف	کیوں نہ پیچ و تاب میں الجھا رہے شیدائے زلف
یک بیک پھر اُٹھ گیا دل سے مرے صبر و قرار	ہو گیا بیٹھے بٹھائے پھر مجھے سودائے زلف
حشر تک مجموعۂ خاطر رہے گا منتشر	اے صنم یونہی رہا گر مُنہ تو بکھرائے زلف
نورِ رُخ چمکا جو اُسنے بال باندھے اے حسیں	بڑھ گیا دن گھٹ گئی جب سے شبِ یلدائے زلف

حضور۔ لالہ بالمکند۔ قوم کے کھتری دلّی کے رہنے والے۔ حضور تخلص اور خواجہ میر درد کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ عربی اچھی جانتے تھے۔ آخر عمر میں گجرات چلے گئے تھے۔ غدر سے پیشتر ہی انتقال فرمایا۔ یہ اُنکے کلام کا نمونہ ہے۔

نہ پاؤں میں جنبش نہ ہاتھوں میں طاقت	جو اُٹھ کھینچوں میں دامن اُس دل رُبا کا
سرِ راہ بیٹھے صدا ہے یہ اپنی	کہ اللہ یاور ہے بیدست و پا کا
واں رشتۂ محبت معشوق توڑتے ہیں	یاں ٹکڑے ٹکڑے دل کے ہم بیٹھے جوڑتے ہیں
چلے ہیں آپ جو اُس بُت سے ساز کرنے کو	حضور! پاس بھی ہے کچھ نیاز کرنے کو؟
یاں مجھ میں نہیں ہے جان باقی	واں اب بھی ہے امتحان باقی
جفا کو ہم وفا سمجھے۔ ستم کو ہم کرم سمجھے	ادھر کچھ ولمیں تم سمجھے ادھر کچھ دلمیں ہم سمجھے

حضور۔ محسن مرزا معروف بہ اچھے مرزا مولد و مسکن لکھنؤ منشی مظفر علیخاں اسیر مغفور کے شاگرد اور اچھا کہنے والوں میں سے تھے ۱۲۷۶ھ کے گلدستۂ شعراء وغیرہ سے ذیل کے اشعار انتخاب کیے گئے ہیں۔ جس سے پایا جاتا ہے کہ اس وقت زندہ تھے اور مشاعروں میں شرکت کرتے تھے۔

میں ہوں وہ عندلیب گلستانِ دہر میں	صیّاد لیکے دام گیا میں جہاں گیا
تارِ نظر کی طرح نہ آیا کہیں نظر	سو بار بزمِ یار میں میں ناتواں گیا
کیونکر رہے نہ تازہ گلِ زخمِ دل مرا	ٹپکے ہیں اشک صورتِ شبنم تمام شب

کوچۂ زلف میں ہم دن کو جو گھبرائے بہت	رات بھر خوابِ پریشان نظر آئے بہت
نقل کرتے تھے مرے رونے کی خوش ہوکر	آئینہ میں نے دکھایا تو وہ شرمائے بہت
پسند زیست میں ایجاد ہیں تو مرگ کے بعد	بشکلِ نقشِ کفِ پا ہو قبر پر تعویذ
حضور! ہجرِ صنم میں نہ کوئی کام آیا	سپئے وصال لکھے ہم نے عمر بھر تعویذ
حضور! زیست میں مصروفِ سیرِ باغ رہے	ہماری قبر کے بھی گرد ہو چمن کی بہار
باتیں سنتا ہوں تو جلتا ہے مرا خرمنِ صبر	برق بن جاتی ہے اُس رشکِ قمر کی آواز
دیکھوں گا فال بوسہ ملے گا کبھی مجھے	اِس واسطے ہے مصحفِ رخسار کی تلاش
کیوں سنتے ہیں پھر وامق و مجنوں کا فسانہ	عشّاق کی باتوں سے جو گھبراتے ہیں معشوق
بل کی لینے لگے عاشق سے سراسر گیسو	ٹھنڈی آہوں سے ہوئے اور ہوا پر گیسو
درجِ اخبار ہوا حال پریشانوں کا	چڑھ گئے مشقِ جفا میں سرِ دفتر گیسو

حضور حضور- مولوی منشی سیّد محمد عبد البصیر خلفِ مولوی عبد الغنی صاحب ۱۲۴۹ سنہ ہجری میں
بمقام بلگرام پیدا ہوئے- آپکا بیان ہے کہ آپ کا شجرۂ نسب نواب امیر الحسّام مجاہد بغدادی
سے ملتا ہے جو اُفواجِ محمود غزنوی کے سپہ سالار تھے- اُسی زمانے میں آپکے بزرگ اشاعت
اسلام کی غرض سے ہندوستان میں آکر فروکش ہوئے تھے- منشی صاحب موصوف عالمِ کمسنی
میں شفقتِ پدری سے محروم ہو گئے تھے اور یہ وہ زمانہ تھا جبکہ بلگرام میں علم کا آفتاب غروب ہو چکا
تھا- درس و تدریس کی راہیں تقریبًا مسدود تھیں منشی صاحب نے اُس پُرآشوب زمانے میں
ابتدائی تعلیم اس طرح حاصل کی کہ صبح ہوئی اور یہ اپنی کتاب لیکر گھر سے نکل آئے- آیندہ و روند
میں سے جس شخص کو اپنے قیافے سے ذی علم سمجھا اُسی سے اپنا سبق پوچھنا شروع کردیا اور اُس
وقت تک برابر پوچھتے چلے گئے جب تک کہ اُسکی تیوری پر بل نہ آیا- اسیطرح شوق کی تائید اور
ذوق کی رہبری سے برسوں کی کدّوکاوش میں عربی فارسی کی اچھی خاصی لیاقت حاصل کر لی-
جب سنِ بلوغ کو پہنچے تو تحصیلِ علم کے لیئے بلگرام چھوڑکر لکھنو چلے آئے- طبّاعی اور ذہانت تو

فطرتی تھی طبیعت شعر گوئی کیطرف راغب ہوئی۔ اُس وقت خواجہ حیدر علی آتش کی سحر بیانی کے گیت لکھنؤ کے ہر گلی کوچے میں گائے جاتے تھے۔ چنانچہ منشی صاحب بھی اُنھیں کے حلقہ بگوش ہوگئے۔ مگر وہ حضرتِ آتش کی عمر کا آخری زمانہ تھا۔ اِس لیئے منشی صاحب اُن سے بہت ہی کم استفادہ کرسکے۔ اُنکی وفات کے بعد میر وزیر علی صبا سے مشورۂ سخن کرنے لگے چونکہ اُردو کی نسبت فارسی کی طرف زیادہ توجہ رہی اِس لیئے فارسی شعر خوب کہتے ہیں بولتے بھی بیساختہ ہیں۔ اخباری دُنیا میں بھی آپکے مضامین کی خاصی شہرت ہے۔ غزل کے سوا اور بھی جملہ اصنافِ شاعری میں آپ کو یکساں ملکہ حاصل ہے۔ تاریخ گوئی میں بھی بڑے مشّاق ہیں عرصۂ دراز تک نامہ نگاری کرتے رہے۔ اخبار روزنامچہ کے اڈیٹر بھی رہے۔ انجمن رفاہِ عام کے جوائنٹ سکرٹری رہے۔ آجکل گوالیار کالج میں عربی فارسی کے پروفیسر ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ آپکا کلام بہت ہی کم نظر سے گزرا۔ اِنکے بیٹے محمد سعید ناطق بھی مشہور نامہ نگار اور ناولسٹ ہیں۔ نمونۂ کلام درجِ ذیل ہے۔

زندہ چمن میں ایک بھی بلبل نہ چھوڑنا
گلچیں تجھے قسم ہے کوئی گل نہ چھوڑنا

رُخ سے نقاب آج وہ اُسنے گا زاہدو
گر مرد ہو تو صبر و تحمّل نہ چھوڑنا

سات پردوں میں کیا حبِّ ابن یوسف کو چاک
کیا زلیخا کی سرِ بازار رسوائی ہوئی

حُسن کو بدنام دُنیا بھر میں اُلفت نے کیا
قیس کو سودا ہوا لیلیٰ کی رُسوائی ہوئی

حضور ۔ حافظ شیخ حضور احمد صدیقی مُرادآبادی۔ حضور تخلص کرتے ہیں۔ زمانۂ حال کے شاعروں میں خاصے ہیں۔ چند غزلیں جو نظر سے گزریں اُن کا انتخاب درجِ ذیل ہے۔

گرمیٔ سوزِ محبت قلب میں ایسی بڑھی
پڑ گئے چھالے مرے خوں سے لبِ شمشیر پر

اُس نے کہا تھا شام کو آئیں گے گھر ترے
بیٹھا سحر سے ہوں میں اِسی انتظار میں

نہ وہ پہلی سی محبت نہ وہ پہلا سا کرم
غیر نے پھونکدیا آپکے کیا کانوں میں

حشر تک گزرے گی مرقد میں تڑپتے ہی مجھے
ہو گی کوچے میں اُس بُت کے جو تربت میری

حضیر

حضیر - حافظ عبدالرحیم صاحب عظیم آبادی - باوجود تلاش صرف یہ بات معلوم ہے کہ زمانہ حال کے شعرا میں ہیں۔ کلام کا رنگ مندرجۂ ذیل اشعار سے معلوم ہو سکتا ہے۔ طبیعت میں تلاش اور بات پیدا کرنے کا شوق صاف جھلکتا ہے۔ ملاحظہ ہو

بتا دیں ہم تمھارے کاکل و عارض کو کیا سمجھے	اِسے ہم سانپ سمجھے اور اُسے من سانپ کا سمجھے
یہ کیا تشبیہ بیہودہ ہے کیوں موذی سے نسبت دیں	ہما عارض کو اور کاکل کو ہم ظلِ ہما سمجھے
غلط یہ ہو گئی تشبیہ بھی کیا ایک طائر سے	اِسے برق اور اُسے ساون کی ہم کالی گھٹا سمجھے
گھٹا اور برق کیسی کیوں گھٹا کر ان کو نسبت دوں	اِسے برگِ سمن اور اسکو سنبل کی جٹا سمجھے
نباتاتِ زمیں سے انکو کیا نسبت معاذ اللہ	اِسے ظلمات ہم اسکو چشمۂ آبِ بقا سمجھے
اگر کہیے یہی مقصود تھے خضر و سکندر کے	یدِ بیضا اُسے اور اسکو موسیٰ کا عصا سمجھے
گر اس تشبیہ سے بھی حرف ان دونوں پہ آتا ہو	اِسے قندیلِ کعبہ ہم اسکو کعبے کی ردا سمجھے
اگر یہ بھی پسندِ خاطرِ والا نہ ہو تو پھر	اِسے وقتِ نمازِ صبح اور اسکو عشا سمجھے
حضیر - اب ساری تشبیہوں کو یوں رد کرکے کہتے ہیں	سویدا اسکو سمجھے اور اُسے نورِ خدا سمجھے

حفیظ

حفیظ - محمد حفیظ حفیظ دہلوی مرثیہ گو - اِنکے بزرگ تو کشمیر کے رہنے والے تھے - مگر یہ خود دلّی میں پیدا ہوئے اور یہیں پرورش پائی - مرثیہ گو اچھے تھے - جب مجلسِ عزا میں شریک ہوتے تھے اپنی خوش بیانی اور مضمون آفرینی کیوجہ سے خاطر خواہ داد پاتے تھے - اِنکے مرثیوں میں روایات دیگر مرثیہ گویوں کی طرح جھوٹی اور بناوٹی نہیں ہوتی تھیں اور واقعات کو صفائی کے ساتھ بیان کرتے تھے - دلّی میں درگاہ شاہ مردان کے راستے میں انکا مزار ہے اور اس پر یہ شعر کندہ تھا۔ ؎

شاہِ مرداں جو کوئی اس راہ سے جایا کرے	فاتحہ اس قبر پر لِلّٰہ پڑھ جایا کرے

فنِ شعر میں حکیم قدرت اللہ خاں قاسم اور ثناء اللہ خاں فراق سے تلمذ تھا - خود بھی صاحبِ دیوان تھے ۱۲۵۰ھ میں راہیِ عدم ہوئے - روشِ کلام یہ ہے -

مَیں تو بدنام ہوا عشق میں اللہ کرے	وہ بھی بدنام ہو جس نے مجھے بدنام کیا
محبت آہ کیا کیا رنگ عاشق کو دکھاتی ہے	اگر اک دم ہنساتی ہے تو پھر پہروں رُلاتی ہے
جو بیوفا ہیں اُن سے وفا ڈھونڈتا ہے تُو	حیراں ہوں میں حفیظ تری عقل کیا ہوئی
حضرت دل میرے حق میں دیکھئے کرتی ہے کیا	بیقراری آپ کی بے اختیاری آپکی
عُدو بُت و غیروں کے کیا شکوہ کریں ہم آپکا	ہو رہینگی پھر کبھی باتیں ہماری آپکی

حفیظ- حافظ محمد علی جونپوری- آپنے اپنے مطبوعہ دیوان میں کچھ اپنے حالات درج کیئے ہیں اُن کا خلاصہ یہ ہے- مَیں ۱۸۶۵ء میں پیدا ہوا- ۱۴ برس کی عمر تک معمولی تعلیم پائی اور فارسی شیخ محمد تقی صاحب سے پڑھی- وہ شاعر بھی تھے- اِس طرح بچپن سے مجھے شعر و سخن کا مذاق ہو گیا اور صدہا شعر اُساتذہ کے میرے حافظہ میں محفوظ ہو گئے - ۱۸۸۳ء میں بسلسلۂ تجارت پٹنہ کا سفر کیا اُن ایام میں وہاں شعر و سخن کا بڑا چرچا تھا میرے دل میں جو اس مذاق کی آگ دبی ہوئی تھی اُسکے نشو و نما کا وہاں خوب موقعہ ہاتھ آگیا- چنانچہ وہاں مَیں نے غزل کہنی شروع کی- ۱۸۸۹ء میں جناب وسیم کا شاگرد ہوا- وہ مجھ پر خاص نظرِ عنایت رکھتے تھے- کامل ۶ برس میرا اُنکا ساتھ رہا- پھر اُنھیں کے ارشاد کے بموجب مَیں امیر مینائی مرحوم کے زمرۂ شاگردان میں داخل ہوا" جناب حفیظ دورِ موجودہ کے شعرا میں متوسط درجے میں امتیازی پایہ رکھتے ہیں- آپکا کلام بحیثیت زبان بندش- درد اور صفائی روزمرہ قابلِ تحسین ہوتا ہے- اگرچہ علمی استعداد زیادہ نہیں مگر کثرتِ مشق اور خداداد ذہانت سے اِس فن میں اچھی قابلیت حاصل کرلی ہے- اور آپکے کلام کا اُن نواح میں اچھا شہرہ ہے- کلام میں مزا اور بندش کا اسلوب قابلِ داد ہے آپکی طبیعت روز افزوں ترقی پر ہے اور اُمید ہے کہ اسی طرح مشق جاری رہی تو اپنے اُستاد کا نام روشن کریں گے- پہلے سید ظفر حسن خاں صاحب ظفر رئیس رسولپور کے یہاں کچھ مدت مصاحب رہے اب کئی برس سے راجہ سعادت علیخاں رئیس ہنسپور کی سرکار میں

ملازم ہیں۔ دیوانِ مطبوعہ کا انتخاب ملاحظہ ہو۔

کلیم غش میں گھڑی دو گھڑی رہے ہونگے
یہاں تو جا کے نہ پھر ہوش عمر بھر آیا

مصوّری مرے صورتگرِ خیال کی ہے
جدھر نگاہ کی نقشہ ترا نظر آیا

کیا ہے دستِ تسلّی نے کام مرہم کا
دھرا جو ہاتھ ہٹا درد زخم بھر آیا

کام چھوٹوں سے نکلتا ہے بڑا
یہ سبق بھی آنکھ کے تِل سے ملا

چھوڑ کر سب کچھ ادھر ہو جا رجوع
بابِ عرفاں ہے درِ دل سے ملا

عصیاں کے داغ مٹ گئے دل پاک ہو گیا
ٹپکے جو اشک نامۂ اعمال دھو گیا

دل بن گیا تڑپ کے ترے آگے آئینہ
جس پر نگاہ پڑ گئی بیتاب ہو گیا

دشمن نہ تھا شباب تو نادان دوست تھا
بدنام کر گیا مجھے بدنام ہو گیا

مصروف کب ہوئے ہیں وہ حکمِ علاج میں
جب داغِ دل کلیجہ کا ناسور ہو گیا

دل بجھ گیا جو رات جوانی کی ڈھل گئی
جاگا تمام شب کا سحر ہوتے سو گیا

دمِ رخصت تو دل لیتے گئے آپ
تڑپتا چھوڑ کر مجکو چلے آپ

فروغِ حسن کیا ایسا بھی اے شمع
کہ اپنی آگ میں کوئی جلے آپ

ایسا ادا شناس تو ہو آشنائے دوست
دل ہے کہ ہو رہا ہے سراپا ادائے دوست

کہتے ہیں یہ بت ستا ستا کر
جا اپنے خدا سے التجا کر

دل ہی میں وہ ہوگا دیکھ زاہد
کعبے میں خدا۔خدا۔خدا کر

رہتے ہیں جو یہاں انھیں دنیا کا غم نہیں
اے شیخ میکدہ بھی تو جنت سے کم نہیں

وہ ہے عدوئے عیش تو تو ہے عدوئے جاں
تیرا ستم فلک سے زیادہ ہے کم نہیں

ستم کی آنکھ یہ ہے لطف کی نگاہ یہ ہے
نظر شناس تری ہر ادا سمجھتے ہیں

یہ سچ کہا ہے زمانے کو اعتدال نہیں
کہ ایک حال پہ رہتا کسی کا حال نہیں

قضا کے ہاتھ میں کنجی متاعِ عمر کی ہے
جو ساتھ لائے ہیں قبضے میں وہ بھی مال نہیں

یہ کہہ رہا ہے امیدوں کا گھر کے رہجانا — کوئی طلسم تو یہ عالم خیال نہیں
چھپائے سے کبھی چھپتا نہیں ہے رنج دلی — ہزار منہ سے کہے جائیں وہ ملال نہیں

ابھی سچ سچ تو یہ ہے سُنکے گو ہم سے خفا تم ہو — بڑے ہی بے مروت خود غرض نا آشنا تم ہو

گلے پہ اُنکے چھری جلد پھیر دے صیاد — ترس رہے ہیں اسیر قفس رہائی کو

آدمی کے لیئے امید ہے اک باغِ طلسم — دم میں کر دیتی ہے سامان بہم کیا کیا کچھ

اللہ رے شانِ کبریائی — مٹھی میں بتوں کی ہو خدائی
باطن میں ہیں ایک جان دو قالب — ظاہر کی فقط ہے یہ جدائی
برساتی ہے آگ حشر کی دھوپ — اے ابرِ کرم تری دوہائی
دیکھا ہمیں دیکھ کر عدو کو — آنکھوں کو بھی کچھ حیا نہ آئی
دل صاف نہ ہو تو کیا صفائی — اِس میل سے خوب تھی لڑائی
انصاف کی اب کہاں توقع — برہم تم منحرف خدائی
ساقی ہی کے ہاتھ سے پئیں گے — نبھ جائیگی ضد میں پارسائی
بگڑا نہیں اب بھی کچھ ہے ملجاؤ — ہے بات ابھی بنی بنائی

ابھی سے صاف تم کہدو وہ کہنا ہم نمانینگے — کیا جو وقت پہ کچھ عذرِ بیجا ہم نمانیں گے
محبت ہے یہ فعلِ اختیاری تو نہیں ناصح — کوئی خود روگ پالے اپنے جی کا ہم نمانینگے
ابھی جس طرح چاہو تم دکھا لو دیکھ لو دلکو — نکالوگے جو پھر کوئی بکھیڑا ہم نمانینگے
زمانے بھر کی باتیں مان لینگے وہ یہ کہتے ہیں — مگر کہنا فقط اک آپ ہی کا ہم نمانینگے

قابلِ دید ہے یہ رسوائی — ہم تماشا ہیں وہ تماشائی
ابکے یہ جوشِ گل کا عالم ہے — ہو رہی ہے بہار سودائی
تم کو مژدہ ہو میکدے والو — اودی اودی ہے پھر گھٹا چھائی
ہے یہ فیضِ بہارِ جوشِ جنوں — جم گئی سطحِ آب پر کائی

ہیں کسی کے خیال سے باتیں
یوں پسند آگئی ہے تنہائی

قابلِ داد شعر اپنے حفیظ
لوگ کرتے ہیں عزت افزائی

کل مکر جائیں گے تیور یہ کہے دیتے ہیں
آج کھا کھا کے قسم عہدِ وفا ہوتا ہے

یوں ہی غفلت میں جو گزرنی تھی
عمر میخانے میں بسر ہوتی

دردِ دل کی دوا نہ تھی ممکن
ایک دنیا جو چارہ گر ہوتی

یہاں تو بیچکر گھر جشنِ جمشیدی مناتے ہیں
بہار آتے ہی دستاویز اک مرقوم ہوتی ہے

وفا کا ذکر جب آتا ہے پہروں ہاتھ ملتے ہیں
وہاں اب یاد تیری اے دلِ مرحوم ہوتی ہے

مآلِ زندگی کو سوچکر دھنتا ہوں سر پہروں
وہ کیسے لوگ ہیں یارب جنھیں جینے کا ارماں ہے

دے جگہ خلد میں یا بھیجدے وہ دوزخ میں
اپنا مشرب تو ہے راضی برضا کیا کہئے

لامکاں تک ہو رسائی جو بشر کی تو کیا
پھر اُسے خاک میں ملنا ہے کہ وہ خاکی ہے

بعد توبہ بھی وہی یاد ہے میخانے کی
گردش آنکھوں میں پھرا کرتی ہے پیمانے کی

اسلئے وعدہ پہ وعدہ ہے کہ بیچین رہوں
ایک ترکیب ہے یہ بھی مرے تڑپانے کی

ہائے رے موت جوانی کی کوئی میت پر
رو کے کہتا ہے کہ یہ عمر تھی مرجانے کی

آدمی سے جو محبت میں نہ ہو تھوڑا ہے
اتنی سی جان پہ ہمت ہے یہ پروانے کی

شام ہوتے ہی تری یاد نے بیچین کیا
رات بھر آج ہمیں نیند نہیں آنے کی

شمع سر دھنتی ہے روتی ہے کھڑی بالیں پر
زندگی سے کہیں موت اچھی ہے پروانے کی

آبرو ہاتھ سے جائے نہ محبت میں حفیظ
آدمی کے لیئے یہ بات ہے مرجانے کی

کسی کا ہائے کہنا تنگ آکر میرے نالوں سے
غضب میں جان ہے اللہ سمجھے مرنیوالوں سے

میری حیرت سے اُسکے حُسن کا اندازہ کرتے ہیں
کہاں پہنچے کہاں سے میری حالت دیکھنے والے

جو آبرو رہی تردامنوں کی حشر میں شیخ
تو پائی پائی تری پاک دامنی ہوگی

جدائی میں بھی ہر دم مجکو وصلِ یار حاصل ہے
تصور میں وہ صورت میری آنکھوں کے مقابل ہے

نہ از دل جا حسینوں کی تو میٹھی میٹھی باتوں پر
کہ یہ شیریں زبانی تیرے حق میں سم قاتل ہے

محتسب چُن لینے دے اِک اک سب مجھے
وسلکے ٹکڑے ہیں یہ ٹکڑے جام کے

حشر ہے وعدۂ دیدار وفا ہوتا ہے
بے نقاب آج وہ ہیں دیکھئے کیا ہوتا ہے

کچھ بنائے نہیں بنتی جو بگڑتا ہے نصیب
چارہ گر ہو جو مسیحا بھی تو کیا ہوتا ہے

ادا پریوں کی جوبن حور کا شوخی غزالوں کی
غرض مانگے کی ہر اک چیز ہے ان حسن والوں کی

ترے ہوتے یہ کیسی بات غیرت کی ہوا و ظالم
اُڑائے آسماں یوں خاک تیرے پائمالوں کی

حاجت نہیں ہے چاند سے مُنہ کو نقاب کی
چھوڑی ہے رُخ پہ نور نے چادر حجاب کی

اِن لوگوں کے مشرب ہیں زمانے سے نرالے
دُنیا میں ہیں دنیا سے الگ میکدے والے

وہ یاد وطن کی ہے یہ غربت کی نشانی
کچھ داغ کلیجے میں ہیں کچھ پاؤں میں چھالے

چارہ فرما جو مرے دردِ نہاں کے آئے
دل پکارا کہ یہ دشمن مری جاں کے آئے

تیس۳۰ دن خوب رہا فاقہ کشی کا پردہ
ہو گئی عید جو روزے رمضاں کے آئے

اور مجھ بے کس کی بالیں پر اب آتا کون ہے
جب ہوا غش سے افاقہ یاد آئی آپ کی

غیروں سے بھی رسم و راہ دیکھی
دیکھی دو دن کی چاہ دیکھی

دونوں جہاں میں حُسن و محبت کی دھوم ہے
جلوہ جہاں جہاں ہے ترا اک ہجوم ہے

تمھیں سے دیدہ و دل ہیں منور
تمھیں سے شان ہے دیر و حرم کی

مزہ ہے جوشِ جوانی میں پارسائی کا
وہ ناخدا ہے جو کشتی بچائے طوفان سے

حفیظ

حفیظ مولوی حاجی حافظ شاہ سیّد نذر الرحمٰن رئیس عظیم آباد پٹنہ۔ نبیرہ و سجادہ نشین حضرت مولانا محمد سعید متخلص بہ حسرت المخاطب بہ شمس العلما مغفور۔ فضیات و شہرت خاندانی کے سوا دولتِ علم سے مالا مال ہیں۔ فنِ سخن میں دستگاہِ کامل رکھتے ہیں۔ حکیم آغا حسن ازل لکھنوی شاگرد میر وزیر علی صبا مرحوم سے تلمذ حاصل ہے ۴۰۔ ۵۰ سال کے درمیان آپکی عمر ہے۔ فنِ شعر کا شوق ابتدا ہی سے ہے عظیم آباد کے سر برآوردہ شعرا میں آپ کا

شمار ہے ۱۹۰۴ء میں آپ نے عظیم آباد میں انجمن اُردوئے معلی کی بنا ڈالی اور ایک ماہوار رسالہ موسوم بہ "بہار" اپنی زیر نگرانی شائع کرنا شروع کیا ہے ۱۳۱۵ھ ہجری میں آپ کا ایک مبسوط دیوان بھی طبع ہو کر شائع ہوا ہے جو اپنے رنگ میں ہر طرح قابلِ تعریف ہے۔ جدّت پسندی۔ مضمون آفرینی۔ پروازِ صوفیانہ۔ کُہنہ مشقی۔ سلاستِ زبان۔ غرض اُسکے دیکھنے سے ہر ایک بات کا پتا چلتا ہے۔ راقم تذکرہ کے عنایت فرما ہیں۔ وہ دیوان آپ ہی کا عطیہ ہمارے کتبخانے میں بھی موجود ہے۔ اب کچھ کلام کا انتخاب لکھا جاتا ہے۔

خوشا وہ سر کہ جس میں ازل سے ہی ترا سودا ۔۔۔ خوشا وہ دل جو مخزن ہے ترے اسرار ہی کا

یاں تو قابو نہ ہوا اپنے بھی دل پر اپنا ۔۔۔ یہ حسیں غیر کو کر لیتے ہیں کیونکر اپنا

رات بھر غیر کے ہمراہ بسر کی اُس نے ۔۔۔ تجھ سے بھی ہائے فلکِ شعبدہ گر کچھ نہ ہوا

ایک بیمارِ محبت کی دوا ہو نہ سکی ۔۔۔ آپکے لب میں ہے اعجازِ مسیحا کیسا

ہائے یہ کیا حشر بپا ہو گیا ۔۔۔ آج وہ پھر مجھ سے خفا ہو گیا

ایک دم کے لیے آ جائیے گا ۔۔۔ نزع کے وقت نہ ترسائیے گا

دیکھ کر لاش مری کہتے ہیں ۔۔۔ یہ نہ سمجھے تھے کہ مر جائیے گا

موت کب آئی کہ جب وصل کے دن آئے قریب ۔۔۔ شبِ فرقت میں تو کمبخت سے آیا نگیا

ہم بھی ہیں مستحق تری رحمت کے ہو گئے ۔۔۔ اچھا ہوا لقب جو گنہگار ہو گیا

مجھپر جو مہرباں نہیں ہے نہو مگر ۔۔۔ یہ تو نہیں کہ غیر کا وہ یار ہو گیا

وہ کون دن تھا کہ گردش میں آسماں نہ رہا ۔۔۔ مجھے ستا کے یہ ظالم بھی شادماں نہ رہا

لحد میں بعدِ فنا بھی یہ شادماں نہ رہا ۔۔۔ زمین پیس ہی ہے جو آسماں نہ رہا

آجتک لایا نہ نامے کا جواب ۔۔۔ نامہ بر ہمکو ملا کیا لاجواب

ہم مصحفِ رُخ آپکا کس طرح نہ چومیں ۔۔۔ کافر ہے وہ جسکو نہیں قرآن کی محبت

کیوں زلف رہا کرتی ہے رُخ پر ترے ہر دم ۔۔۔ کیا ہو گئی کافر کو بھی قرآن کی محبت

یہ اشارے ابروؤں کے غیر سے
وہ سُن کے دعا وصل کی فرماتے ہیں ہنسکر

دیکھیئے چلجائے گی تلوار آج
کیا ہوا گر آجائے اگر اسمیں اثر آج

دونوں یکساں ہیں تلوّن ہو کہ بیتابیِ دل
لُٹ رہا ہے شب فرقت میں مجھے کیوں بیڑا
مِنّتوں سے جو ہو بیزار خوشامد سے خفا
جذبۂ دل فزوں ہوا کو حسرت یار دیکھ کر
بادہ پرست ہیں وے دل پہ بھی اختیار ہے
ہجر کی شب کی آفتیں درد کی سب اذیتیں
لینگے ہم بوسۂ ابرو وہ لگا سے تلوار
جُھک کے مِلتے ہیں گلا کاٹنے والے سب سے
المدد جوشِ جنوں پھر آگئی فصلِ بہار

میری وحشت کی طرح اُنکی طبیعت کیطرح
شام سے چاند بھی خورشید قیامت کیطرح
ہائے اُس رُوٹھنے والے کو منائیں کیونکر
بک گئے ہم جنوں کے ہاتھ جوشِ بہار دیکھکر
توبہ کریں سے گے ہم مگر اب کی بہار دیکھکر
بھُول گئیں وہ حالتیں روئے نگار دیکھکر
مردِ میداں ہے وہی مُنہ پہ جو کھائے تلوار
کیوں نہ ہر وقت رہے سر کو جھکائے تلوار
دستِ وحشت پھر بڑھا جیب و گریباں کیطرف

بیوفائی کی جب شکایت کی
اسلیئے ابتو گنہ روز کیا کرتا ہوں

ہنسکے بولے کہ آزماتے ہیں
دیکھنا ہے تیری قدرت کا تماشا ہمکو

نہ دل میں آکے رہتے ہو نہ آنکھوں میں ٹھہرتے ہو
وہ بے پروا ہو رکھتے ہو خبر گھر کی نہ باہر کی

دیکھکر خلوت میں اُن کو بیحجاب
رہا کرے بھی جو صیاد تو کہاں جائیں

شرم پاس آتے ہوئے شرمائیگی
اسیر وہ ہیں کہ ہم بال و پر نہیں رکھتے

وہ سوزاں ہیں تپِ فرقت سے ہم گر فصد لیجیئے
جب میں کہتا ہوں لقب کیوں آپکا لیلیٰ ہوا

بجائے خوں ہماری ہر رگ سے دھواں نکلے
ہنسکے کہتے ہیں تمہیں مجنوں بنا نیکے لیئے

بوسۂ رخسار پر تکرار رہنے دیجیے
جھوٹی شیخی تو مجھے باور نہیں بندہ نواز
یہ چھیڑ دیکھیئے کر کے عدو سے عہدِ وصل

لیجیے یا دیجیے انکار رہنے دیجیے
آپ او رہونگے مرے غمخوار رہنے دیجیے
ہمیں سے پوچھ رہے ہیں کہ کیا کہا سمجھے

تم وہ ہو پس مرگ بھی بیداد کرو گے	تم وہ ہو کہ مٹی مری برباد کرو گے

حفیظ

حفیظ-منشی عبدالحفیظ حفیظ باپ کا نام محمد سمیع ہے قصبۂ نارہ پرگنۂ کڑا ضلع الہ آباد کے رہنے والے ہیں انکی عمر تخمیناً ۳۵ برس کی ہو گی-طبیعت خاصی پائی ہے ابھی شاعری کی ابتدا ہے منشی محمد نوح ناروی سے اصلاح لیتے ہیں پہلے پولیس میں بمقام آگرہ ملازم تھے اب آجکل خانہ نشین ہیں-معمولی استعداد معلوم ہوتی ہے یہ انکا کلام ہے-

شکایت کچھ نہیں انکی جفا کی	اگر ہے بھی تو بخت نارسا کی
محبت ہے مجھے اُس دلربا کی	قیامت جسکے قامت نے بپا کی
بہت کچھ سیر کی باغ جہاں میں	کسی گُل میں نہ پائی بو وفا کی
نقاب اُس شوخ نے رخ سے اُٹھا کر	کہا لو دیکھ لو قدرت خدا کی
یا خدا ملجائیں کچھ دن کے لیئے	چھانتے ہیں خاک ہم جنکے لیئے
کیا اُجاڑا آشیاں صیاد نے	بلبلیں پھرتی ہیں کیوں تنکے لیئے
میرے پہلو سے جناب دل گئے	ہائے یہ بھی اُن سے جا کر مل گئے
فاتحہ کو وہ نہ آئے قبر پر	خاک میں ملتا تھا ہمکو مل گئے

حفیظ

حفیظ-حفیظ الدین نام ملیح آباد کے رہنے والے شیخ منتظم الدین تحصیلدار کے فرزند ابھی طالب علمی کی حالت میں ہیں-طب پڑھتے ہیں-اردو میں اکثر اور فارسی میں کبھی کبھی شعر کہتے ہیں-ذیل کے چاروں شعر انھیں کے نتیجہ فکر سے ہیں-

میں مدتوں تری اُلفت میں یوں خراب رہا	کہ گاہ شورش دل گاہ اضطراب رہا
وہ مجکو صفحۂ ہستی پہ مثل حرف غلط	بنا کے ہاتھ سے اپنے مٹائے جاتے ہیں
خاک تن اپنا کر دیا لیکن	ہائے کوئی وفا شعار نہیں
میری تربت کا مت پتہ پوچھو	عاشقوں کا کہیں مزار نہیں-

حقانی

حقانی-سید عبدالعلی حقانی باشندہ حیدرآباد و منصب دار سرکار نظام-دورِ

موجودہ کے شاعر ہیں رسالہ محبوب الکلام میں چند غزلیں نظر سے گزریں اُن کا انتخاب ضبط تحریر میں آیا۔ ملاحظہ ہو۔۔

روتا کبھی نہ نعش پہ دشمن کی ہیں مگر	رونا یہ ہے کہ آپکو کیوں اتنا غم ہوا
جبتک ہو شاہ گل کو تختِ چمن مبارک یوم سعید ہے یہ مولود بادشہ کا جو لوگ اس خوشی سے ہوتے ہیں چیں ابرو	آصف تمھیں تمھارا ملکِ دکن مبارک کہتے ہیں ملکے باہم اہل دکن مبارک اُنکی جبیں کو دائم غم کی شکن مبارک

حقیر

حقیر - میر امام الدین معروف بہ کلو۔ مرد متین حلیم الطبع سرد و گرم سے واقف صاف دل پاک باطن خلیق اور بہت مسکین بزرگ تھے۔ ملک الشعرا خاقانی ہند ذوق کے عالم مشقی میں ہمیشہ ممد و معاون رہتے تھے اور اُنکے کمال کے باوجود مشاقی و پیرانہ سالی معتقد تھے۔ مکتب پڑھا کر اوقات بسر کرتے تھے۔ اور درگاہ قدم شریف دہلی کے خادموں میں منسلک تھے۔ غدر سے بیس بائیس سال پیشتر انتقال فرمایا۔ ایک دیوان اُنکی یادگار ہے۔ یہ اُنکے کلام کا انتخاب ہے۔۔

چڑھی جو شیخ کو افیوں تو دانہ تسبیح	سمجھے الائچی دانہ تمام ٹھونگ گیا
ہوں ہست و نیست عالم تصویر کیطرح	گویا ہوں اور خموش ہوں زنجیر کیطرح
دل میں ہے بیٹھ رہیں درِ صنم کے ہی حقیر یاد میں اُس بُتِ کافر کی ہوں ایسا مصروف دل شورشِ اشکوں نے تو ہر چند بجھایا پہنچا نہ کوئی منزل مقصود کو کوئی پامال ہوئے تم تو حقیر آہ جہاں میں دل کو لپیٹ گیسوئے خمدار پیچلے سب سے گلے لگی تیری شمشیر کس لیے	راہ کعبہ کی تو آتی ہے نظر دور ہمیں کہ خودی بھول گئی اور خدائی مجھکو پر شعلۂ دل آہ مرے اور بھی بھڑکے ہیہات یونہیں مرگئے سب پاؤں رگڑ کے جوں نقشِ قدم یار کے قدموں سے بچھڑ کے قرآن چھین گبرِ سیہ کار پیچلے پر ہم سے وہ کھنچی رہی بے پیر کس لیے

حقیر

حقیر - اکبر آبادی - منشی نبی بخش ولد منشی حسین بخش سرشتہ دار عدالت فوجداری علیگڈھ - فن سخن میں خلیفہ گلزار علی سے استفادہ کرتے تھے - فارسی میں معقول دستگاہ رکھتے تھے - کبھی کبھی اُردو میں بھی کہہ لیتے تھے انکے نتائج افکار سے چند اشعار نقل کیے جاتے ہیں -

سایۂ قصر ترا یاد آیا	پھر ہمیں ظل ہما یاد آیا
زخم کے مُنہ میں بھر آیا پانی	جبکہ پیکان کا مزا یاد آیا
بسکہ مصنوع ہے صانع کی صفت	بُت کو دیکھا تو خدا یاد آیا
پھر گریباں کے اُڑ گئے ٹکڑے	پھر وہی چاکِ قبا یاد آیا
سُنتے ہیں سگئے مانی و بہزاد عدم کو	اب کھینچیں تو کھینچیں کمیں یار کی تصویر
ہاتھ دوڑائے جنوں نے پھر گریباں دیکھ کر	پاؤں پھر وحشت نے پھیلائے بیاباں دیکھکر
وہ نگاہیں جن سے تھی مجکو تسلی کی اُمید	تشنہ خوں آفتِ دل دشمن جان ہو گئیں
قتل تم مجنس کے کروگے تو مرینگے لاکھوں	کُشتہ ہر کشتہ کے ہمراہ صد ارماں ہونگے

حقیر

حقیر منشی سید ولایت حسین صاحب باشندۂ رودلی - طبیعت کا مذاق خاصہ معلوم ہوتا ہے زبان اور بندش بھی صاف ہے - یہ کلام کا نمونہ ہے -

لب رنگیں سے دل خوں ہو گیا ہے	کرے دیکھیں وہ چشم سرمہ سا کیا
شرارت یہ تو دیکھو حُسن کے سب کچھ	وہ بولے سے ہے تمھارا مدعا کیا
اب کچھ اُمیدِ وصل ہوئی ہے فراق میں	گھسکر جبین نوشتہ قسمت مٹا دیا
چھیڑنا اُس پری شمائل کا	اور دیوانہ پن بڑھا دل کا
ہم بھی انساں ہیں نہیں اب ضبط کا یارا ہمیں	ظلم پھر آپ کے بے انتہا ہونے لگے

حقیقت

حقیقت سید حسین شاہ مرحوم حقیقت تخلص خلف سید عرب شاہ متوطن خوست نواحِ غورسید امیر بُرہان حسب الطلب فرخ سیر بادشاہ مع تبرکات خوست سے لاہور آئے

اور سید میر کشاہ حقیقت کے دا د اشاہ عالم کے عہد میں دلّی میں وارد ہوئے یہ یہیں پیدا ہوئے اور تربیت بھی یہیں پائی۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد اپنے نانا کے ہمراہ لکھنؤ چلے گئے اور وہاں جا کر شیخ قلندر بخش جرأت کے تلامذہ میں داخل ہوئے پھر کارکٹ صاحب کے ہمراہ میر منشی ہوکر چناپٹن احاطۂ مدراس کو چلے گئے اور وہیں وفات پائی۔ دیوان ریختہ و تحفۃ العجم۔ خزینۃ الامثال۔ صنم کدۂ چین۔ مثنوی ہشت گلزار۔ جذبۂ عشق وغیرہ آٹھ کتابیں اپنی یادگار چھوڑیں ۱۲۴۰ھ میں حیات تھے۔ کلام کا انتخاب درج ذیل ہے۔

کیا ترے عشق میں اے عربدہ جُو ہاتھ لگا
زیست سے ہاتھ بھی دھویا پہ نہ تو ہاتھ لگا

جنس دل بیچنے میں نفع جو کچھ ہو ہمکو
ہاتھ اپنے کوئی ایسا نہ خریدار لگا

سب حقیقت مجھے کہتے ہیں بقولِ جرأت
ہائے کیا اسکو جوانی میں یہ آزار لگا

کیونکر نہ قفس میں وہ پڑا تڑپے گرفتار
جس صید کو دل سے کرے صیّاد فراموش

ہر لحظہ حقیقت تو تری یاد میں ہے آہ
کیوں تُو نے کیا اے ستم ایجاد فراموش

باہر ہے گفتگو سے جو اپنا بیانِ عشق
کس طرح پھر بیاں کریں داستانِ عشق

ٹک آکے دیکھ سینے کے ہر داغ کو مرے
پھولا ہزار رنگ سے ہے گلستانِ عشق

پہنچے نہ واں ہزار اُڑے طائرِ خیال
عرشِ بریں سے بھی ہے بلند آشیانِ عشق

دلا اب دونوں مل کاٹیں اوقات آہ و زاری میں
ہوئے بیمار سے ہم بھی تری بیمار داری میں

ہو گئی ایک نگہ میں مجھے صحت حاصل
گرچہ بیمار ہیں لیکن ہیں مسیحا آنکھیں

سب یہاں جبہہ سائی کرتے ہیں
یہ بُتاں بھی خدائی کرتے ہیں

بدگمانی کیا کہوں وہ مجکو وقتِ نزع بھی
آکے یوں کہنے لگے یہ سخت مکّار و نہیں ہے

بات کرنی جو ترک کی ہم سے
کہیے تقصیر کیا ہماری ہے

اور کچھ ذکر خوش نہیں آتا
نام تیرا زباں پہ جاری ہے

جو عدو ہیں مرے تم اُنکے ہو دوست
واہ کیا اچھی دوستداری ہے

جان گر تن سے نکل جائے تو ہو مجکو قبول | آہ پر دل سے نہ اُس تیر کا پیکان نکلے
روز و شب رہتی ہے سوزش سی جگر میں میرے | دل ہے یا پارۂ آتش ہے یہ تن میں میرے
شمع ساں آگ لگائی ہے یہ غم نے کہ مدام | شعلے اُٹھتے ہیں پڑے دیدۂ تر سے میرے

حکم

حکم - نواب عباد اللہ خاں خلف الرشید نواب عظیم جاہ بہادر مغفور پرنس آف ارکاٹ شیخ فاروقی و رئیس مدراس ہیں فن سخن میں شریف مدراسی سے مستفید ہوئے ہیں سنہ ۱۳۰۲ھ میں ۴۰ برس کا سن تھا۔ یہ دو شعر آپکے نتائج افکار سے ہیں۔

اُنکی زبان چلتی ہے تلوار کی طرح | اور ہم ادب سے چپ ہیں گنہگار کی طرح
تنہائی میں غم اُسکا ہے غمخوار کی طرح | پہلو میں درد و رنج ہے دلدار کی طرح

حکیم

حکیم - مسیح الزمان حکیم محمد اشرف خان حکیم دہلوی ابن حاذق الزمان حکیم محمد شریفخان مغفور شاہجہان آبادی اپنے عہد کے اطبا میں بے نظیر تھے اور اکبر شاہ ثانی کے دربار میں شاہی طبیب تھے اُنھیں کے حسب الحکم مرزا جہانگیر کے ہمراہ الہ آباد گئے اور جبتک شاہزادۂ موصوف زندہ رہے اُنکے پاس رہے بعد اُنکی وفات کے وطن کو معاودت کی۔ اکبر شاہ ثانی کے عہد میں قضا کی۔ آپ حکیم محمود خاں صاحب مرحوم کے حقیقی چچا تھے حکیم اسد علیخاں صاحب مضطر اُنکے پوتے بڑے نازک خیال اور مشاق شاعر ہیں۔

مرے رونے اسکو مجھ سے کھویا | مجھے اس دیدۂ تر نے ڈبویا
کہوں میں کیا بہ رنگ زخم ناسور | ہنسا یکبار گر سو بار رویا

کہے ہے لخت جگر اشک سے کہ اے ہمدم | ذرا تو ٹھیر کہیں لیویں بیٹھ کر ہم دم
نہ تاگے سے سیا جاوے نہ ریشم کا لگے ٹانکا | کہاں سے لائیں سینے کو دل صد چاک کے ٹکڑے

حکیم - حکیم محمد پناہ خاں حکیم دہلوی فرزند سید محمد شریف خاں المشہور بہ نذر بخش - خواجہ میر درد علیہ الرحمۃ کے شاگرد تھے۔ پہلے نثار تخلص کرتے تھے پھر فن طب کی رعایت سے حکیم تخلص اختیار کیا حکمت - تاریخ موسیقی اور دیگر علوم شریفہ میں رتبۂ کمال حاصل

تھا۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو ؎

پوچھتے کیا ہو حکیم جگر افگار کا گھر
ایک تکیہ سا ہے اُس شوخ کی دیوار کے پاس

کہتے ہیں حکیم آیا میخانے سے مسجد میں
ہمکو تو تعجب ہے وہ گبر مسلماں ہو

تیرے سبب خلق در بدر ہے
اے خانہ خراب تو کدھر ہے

ہم ہی صنم کے غم میں نہ ایمان سے گئے
کتنے ہی بندگانِ خدا جان سے گئے

ہمتو تو کیونکر کہیں کہ بوسہ دو
گر عنایت کرو عنایت ہے

جی کے جانے کی یہ علامت ہے
دل کا آنا نہیں قیامت ہے

حکیم — حکیم میر محمد علی ابن میر احمد علی۔ باشندۂ لکھنؤ فتح الدولہ محمد رضا خان برق کے شاگرد تھے۔ یہ چند شعر ان سے یادگار ہیں۔

زندگانی کا بھروسا نہیں نیکی کر لے
ہے بُری بات جو لیجائے بُرائی سر پر

آئی پیری گئی ہنگام جوانی ہیہات
اب تو ہشیار ہو غافل اجل آئی سر پر

روتے جب دیکھتے ہیں کہتے ہیں ہنسکر وہ حکیم
تو نے نالوں سے اُٹھائی ہے خدائی سر پر

حکیم — حکیم مرحمت الدولہ بہادر الملک منشی سید غضنفر علی خان صولت جنگ بہادر مرحوم۔ اونریری مجسٹریٹ و رئیس لکھنؤ خلف اکبر و شاگرد رشید تدبیر الدولہ حضرت اسیر مغفور ان کا عرف بڑے بھیا تھا۔ اصولِ شاعری سے بخوبی واقف اور بڑے مشہور عروضی میونسپل کمشنری اور اونریری مجسٹریٹی کے عہدے پر ممتاز تھے۔ چھوٹی سی عمر میں فنِ سخن میں اچھی دستگاہ اور معلومات و شہرت حاصل کی تھی۔ اپنے باپ کے نام نامی کو خوب چمکایا۔ انتزاعِ سلطنتِ اودھ سے پیشتر واجد علیشاہ کی سرکار سے مخاطب بخطاب مذکور الصدر ہوئے تھے۔ انکے شاگردوں میں پنڈت بشن نراین صاحب ابر بیرسٹر اور ڈپٹی تجمل حسین خان صاحب تجمل مشہور شاعر ہوئے۔ آپنے سنہ ۱۹۰۳ء میں انتقال کیا۔ دیوان مرتب ہوگیا تھا مگر شائع نہیں ہوا ✣ مذاقِ طبیعت

درست۔ الفاظ پاکیزہ۔ زبان نہایت شستہ۔ صاف اور ٹکسالی۔ مضامین عمدہ۔ خیالات بلند۔ اور مشّاقی اعلیٰ درجے کی پائی جاتی ہے۔ متروکاتِ زبان قدیمہ کا بہت خیال کرتے تھے کلام سنجیدگی اور متانت سے مملو اور عیوبِ شاعری سے پاک و مبرّا ہے افسوس کہ باوجود بہم کوششوں کے چند ہی غزلیں ملسکیں

مے پی بپاسِ خاطرِ ساقی تو کیا ہوا
دل توڑنا کسی کا مروّت سے دور تھا

گیسو کو پیچ چشم کو جادو کمر کو بل
بخشا وہی خدا نے جسے جو ضرور تھا

کوچہ میں اُسکے دفن ہوئی لاش غیر کی
شدّاد مر کے داخلِ باغِ ارم ہُوا

حسرت حکیم زخمِ مکرّر کی رہ گئی
قاتل ہُوا ستم سے پشیماں ستم ہُوا

صاف اس درجے دل کا آئینہ
اور بے عکسِ روئے یار افسوس

آپ کو دھیان مرے وعدہ کا رہتا تو یہ
یہ بھی کیا غیر کا وعدہ تھا کہ ٹلتا ہی نہیں

ہے آخر فصلِ گل کر دے رہا صیاد بلبل کو
ہوئی ہے سُوکھ کر کانٹا یہ پھولونکی جدائی میں

تیرا کیا کام ہے مینوشوں میں میخواروں میں
دیکھ اے توبہ نہ شامل ہو گنہگاروں میں

دل ہے مرا سیاہیِ جرمِ گناہ میں
یا کعبۂ خلیل لباسِ سیاہ میں

بانگِ درا کی طرح ہو نمیں قافلے کیساتھ
جاتا ہوں آگے پیچھے ہوں اتنا ہی راہ میں

چھڑکا نمک اُسی جا موئے سفید نے بھی
زخمِ غمِ جوانی جس جس جگہ تھے تن میں

دیکھئے کیا رہِ اقلیمِ عدم میں گزرے
دُور منزل ہے بہت زادِ سفر کچھ بھی نہیں

ہو کے بیتاب چلے آتے ہو کیوں میرے پاس
تم تو کہتے تھے کہ نالوں میں اثر کچھ بھی نہیں

صورتِ آئینہ اِس بزم گہِ حیرت میں
محوِ نظارہ ہوں پر تابِ نظر کچھ بھی نہیں

موت نے آکے زمانے کے چکائے قصے
اقربا روتے ہیں مُردے کو خبر کچھ بھی نہیں

باغ میں دیکھ کے لالے کو یہ آیا ہمیں دھیان
حاصلِ عمر بجز داغِ جگر کچھ بھی نہیں

وصل میں ہجر کا کیونکر نہ ہو کھٹکا ہر دم
موت کب آئیگی انساں کو خبر کچھ بھی نہیں

شکلِ ہستی و عدم آئینہ دکھلاتا ہے
کہ اِدھر سب نظر آتا ہے اُدھر کچھ بھی نہیں

چشم ظاہر کو مبارک رہے دید رخ و زلف
ہیں وہاں ہوں کہ جہاں شام و سحر کچھ بھی نہیں

شکوہ بیداد ہر دم کیا کریں
دس میں شرمندہ اُسے ہم کیا کریں

صبر پر مجبور ہم۔ تم جبر پر
حق یہ ہے تم کیا کرو ہم کیا کریں

روئیں کیا اوروں کو جب فانی ہیں خود
اپنے ہوتے غیر کا غم کیا کریں

ہم بتائیں وصل میں تم کیا کرو
تم بتاؤ ہجر میں ہم کیا کریں

سمجھے ہم برہمن و شیخ کی سنکر تقریر
حشر تک ختم یہ جھگڑے نہیں ہونیوالے

زاہد عبث نماز ریائی پہ ناز ہے
سجدے کے داغ میں ہے سیاہی گناہ کی

زاہد کا بخل صاف ہے تسبیح سے عیاں
رکھا ہے کیا بخیل نے دانوں کو جوڑ کے

پھر حیران کہ مجرم کو کدھر لے جائے
سارے دوزخ کو ہے گھیرے ہوئے رحمت تیری

غیر کو بہر طلب کیوں آپنے تکلیف دی
بھیج دیتے موت کو میرے بلانے کے لیئے

ہے دوراہہ نیستی و ہستی عالم ضرور
ایک آنے کے لیئے ایک جانے کے لیئے

نکرے بھول کے دولت کی تمنا کوئی
ہو بشر ہو کے نہ یا رب سگ دنیا کوئی

دل سے وہ ناوک بیداد نہ نکلے یا رب
کہ نہیں درد کے اُٹھنے کا سہارا کوئی

وہاں لطف و غضب دونوں یہاں ہے قہر تنہا
خدا سے عشق آساں ہے بتوں سے سخت مشکل ہے

روز محشر بہر عفو جرم کافی ہے یہ شرم
پھرتی ہے آنکھوں میں صورت اُسکی شرمائی ہوئی

ہر بلا کے گھر میں آنے کا یہ ہے مجکو یقین
جو نہیں آئی ہے سمجھا ہوں اُسے آئی ہوئی

وعدہ وصلت کو جھوٹا کس طرح سمجھیں نہ ہم
وہ قسم کھائی ہے اسکے بھی جو ہے کھائی ہوئی

آئینہ رو ہیں وہ مشاطہ نہ آئینہ دکھا
فائدہ آئینے کو آئینہ دکھلانے سے

یہی فرہاد یہی نل یہی مجنوں کا ہے حال
لاکھ افسانے ہیں پیدا مرے افسانے سے

ڈھونڈے سے نہیں ملتا ملک الموت کو رستہ
کیا بھیڑ عدم تک در قاتل سے لگی ہے

حکیم۔ سید جعفر حسین نام حکیم تخلص لکھنو کے رہنے والے اور حضرت ہوش کے شاگرد

حکیم

ہیں سنہ ۱۸۷۰ء میں زندہ تھے - اسکے سوا کچھ حال باوجود تلاش معلوم نہیں ہوا - کلام خاصہ ہے چند شعر اُنکے یہاں نقل کیے جاتے ہیں -

بنا قاتل جو اپنا دھیان اُس ترکِ ستمگر کا	خیالِ ابروئے قاتل میں تھا کیا کاٹ خنجر کا
دلِ عاشق جو نہ جلتا تو نہ ہوتا مشہور	شمع کا نام ہوا بزم میں روشن ہو کر
دے چکے پہلے ہی صبر و خرد و ہوش جواب	اب فقط جان ہے لینے نہیں انکار صنم
سلسلہ اُنکو رہائی کا نہ ہاتھ آئیگا	دام گیسو میں ہیں جو لوگ گرفتار صنم
تُو وہ یوسف ہے کہ تجھ سے نکریں عذر ذرا	بیچ لے ہمکو اگر تو سرِ بازار صنم
صبا پنہاتی ہے زنجیر موجِ نکہتِ گل	عجب بہار کی وحشت مجھے بہار میں ہے
جو دیکھ لے تو ابھی سحر سامری بھولے	بھرا یہ کُوٹ کے جادو نگاہِ یار میں ہے
خدا ہی خیر کرے کس بلا میں اُلجھا ہوں	کہ پیچ و تاب عجب یادِ زلفِ یار میں ہے

حکیم — حکیم سید تہور علی صاحب خلفِ سید محرم علی صاحب - ضلع بجنور میں دھام پور کے قریب ایک قریہ رسولپور کے نام سے مشہور ہے - سادات رضویہ کی کچھ باقیات اِس میں آباد ہے حکیم صاحب بھی اسی قریہ کے رہنے والے ہیں ۱۸۵۸ء میں پیدا ہوئے بارہ سال کی عمر میں بغرضِ تعلیم نگینے گئے اور قاضی احسن الدین صاحب کی خدمت میں کچھ عرصے رہکر عربی فارسی میں کافی دسترس بہم پہنچائی - پھر دلی - لکھنؤ اور مُرادآباد وغیرہ کا سفر کیا اور دیگر علماء و کملاء کی صحبت میں رہکر اپنے علم و کمال کو ترقی دی - اب منحصر ہیں طبابت کے ذریعے سے بسر اوقات کرتے ہیں - کبھی کبھی شعر بھی کہہ لیتے ہیں - مگر نہ مذہب میں کسی امام کے معتقد ہیں نہ فنِ شعر میں کسی شاعر کے شاگرد ہیں ذیل کے اشعار انھیں کے نتیجہ فکر سے ہیں - ملاحظہ ہوں ٭

شمع مدفن ہے نہ ہے پھولوں کی چادر دیکھنا	قبرِ دارا دیکھنا - گورِ سکندر دیکھنا
تیرے دیوانوں سے صحرائے قیامت تنگ ہے	سو جگہ سے چل دیا دامانِ محشر دیکھنا

مرے دلکی دورنگی بھی کسیکا رازِ پنہاں تھا	اِسی میں کفر تھا واعظ اسی میں نورِ ایماں تھا
پی لے اسے شیخ اسے نام خدا کا لے کر	مے پلاتے ہیں بجھے رند کہ سم دیتے ہیں
معلوم ہے ہمکو جو بنائیں گے مسیحا	وہ اور علاجِ دلِ دیوانہ کرینگے
حکیم اُس لبِ ناز کے سامنے پھر	جِلانے کا دعویٰ مسیحا کریں گے
جوشِ گریہ سے زمیں باغ ارم بنکر رہے	کُو بکُو مارے پھریں تسنیم و کوثر تو سہی

حکیم

حکیم ۔ سید محمد عبد الحکیم ۔ اردلی حضور نواب صاحب والیٔ رامپور ۔ شعر گوئی کا بھی شوق ہے زیادہ حالات معلوم نہیں ہوئے ۔ یہ تین شعر اُنکے کلام کا نمونہ ہیں ۔

جب کہا میں نے تڑپ دیکھ لی دلکی دمِ قتل	بولے جھنجھلا کے کہ ہاں تیرا کلیجا دیکھا
جلوہ فرما ہے بصد ناز وہ گلرو دل میں	بند کی آنکھ تو میں نے یہ تماشا دیکھا
جاں فروشوں میں دمِ قتل عجب شورش تھی	تم نے مقتل میں نہ آکر یہ تماشا دیکھا

حلم

حلم ۔ شاہزادہ مرزا سعید الدین عرف مرزا فیاض الدین حلم خلف الرشید مرزا محمد ریاض الدین بن مرزا خرم بخت بہادر بن مرزا جہاندار شاہ ولیعہد مقیم بنارس صاحب دیوان تھے ۔ میر نواب نواب سے تلمذ تھا ۔ ڈپٹی عبد الغفور خان نے اپنے تذکرہ میں ان کا ذکر کیا ہے اور حلم تخلص لکھا ہے ۔ مرزا قادر بخش صاحب صابر گورگانی کے سمدھی تھے ۔ اور غزل گوئی میں اُن سے مشورہ بھی کر لیتے تھے مگر کوئی خاص بات کلام میں نہیں ہے عرصہ ہوا انتقال کر گئے ۔

گرچہ ہے سیرِ چمن میں گل کا مدفن زیرِ پا	گاہ بھولے سے ہی لا عاشق کا مدفن زیرِ پا
نازکی کہتے ہیں اسکو وہ چبھے مانندِ خار	آئے اُس گل کے جو فرشِ کارِ سوزن زیرِ پا
دیکھ مستی کی اداہٹ لعلِ لب پر یار کے	بلبلیں ملنے لگیں گلہائے سوسن زیرِ پا
کب حنا کے رنگ سے اُسکی کفِ پا سرخ ہے	لعل کی رکھتا ہے اپنے یار معدن زیرِ پا
جائیں کیوں ہم گلستاں کو ناز گلچیں کیوں سہیں	زخم سے تلووں کے خود رکھتے ہیں گلشن زیرِ پا

کس طرح کوئے صنم کو حلم جائے وحشت سے	آبلہ پڑ کر کرے گا کار رہزن زیر پا

حلم

حلم منشی دوارکا پرشاد حلم خلف اکبر منشی منگلی لال صاحب۔ آپ قوم کے کایستھ اور اک شریف معزز خاندان معروف بہ خاندان اخبار نویسان سے ہیں ۱۸۷۳ء میں آپ پیدا ہوئے۔ مولد و مسکن شہر بریلی ہے۔ سات سال کی عمر میں اردو فارسی کی تعلیم شروع ہوئی۔ دس سال کی عمر میں معمولی اردو لکھنا پڑھنا آگیا۔ پندرہ سال کی عمر میں انگریزی کی تعلیم کا آغاز ہوا جس کا انٹرنس تک پہنچ کر خاتمہ ہوگیا۔ اسی اثنا میں ناول خوانی کا شوق پیدا ہوا اور پھر پڑھتے پڑھتے تصنیف کو جی چاہا تو ایک ناول مسمّیٰ بہ "حسن و عشق" لکھا مگر چھپا نہیں بعدہ ہی شوق و ذوق شعر گوئی کا محرک ہوا اور حضرت داغ کے مشہور شاگرد مولنا حسن رضا خاں صاحب بریلوی کے شاگرد ہوئے۔ استاد کی مہربانی سے چند ہی روز میں اچھا خاصہ کہنے لگے۔ نمونہ کلام درج ذیل ہے:-

بسمل کی یہ حالت ہے کہ تڑپا نہیں جاتا	قاتل کا ابھی شوقِ تماشا نہیں جاتا
وہ خاک سنبھالینگے دلِ زار کو میرے	جب اپنا دوپٹہ بھی سنبھالا نہیں جاتا
کس عجز سے وہ وصل کی شب کہتے ہیں مجھسے	اِس طرح تو دشمن بھی ستایا نہیں جاتا
وہ وعدہ خلافی کریں دشمن پہ فدا ہوں	ہمسے تو کسی اَور کو چاہا نہیں جاتا
وہ لطف ملا ہمکو نہ خنجر قاتل	ہم دفن ہوئے پھر بھی تڑپنا نہیں جاتا
ناکامیٔ قسمت پہ ہنسی آئے نہ کیونکر	رونا تو اسی کا ہے کہ رونا نہیں جاتا
بالیں سے مری اُٹھ گئے وہ کہکے دمِ نزع	اب حال کچھ ایسا ہے کہ دیکھا نہیں جاتا
عشق نے معشوق و عاشق میں لگا دی ایک آگ	شمع بجھ کر مٹ گئی پروانہ جل کر رہگیا
سُنائیں عرضِ تمنا پہ لاکھوں صلواتیں	مرا سوال تھا کیا اس جواب کے قابل
نبھے گا ساتھ نہ زاہد سے دخترِ رز کا	یہ نوجوان وہ بوڑھا خضاب کے قابل

ٹھیکیلا ہو گیا ہے ہوش کیا اُس نے سنبھالے ہیں
اَدائیں برچھیاں شوخی چھری انداز بھالے ہیں

ڈراتے کیا ہو کہہ کر یہ خنجر ہیں یہ بھالے ہیں
یہ خنجر اور یہ بھالے سب ہمارے دیکھے بھالے ہیں

کسی کے پاس رسوائی ہیں کیا جی کھولکر روئیں
جو چار آنسو بہائے بھی تو فوراً پونچھ ڈالے ہیں

کجی ہو میری قسمت کی کہ پیچ ان تیری زلفوں کے
نہ یہ کچھ جانیوالے ہیں نہ وہ کچھ جانیوالے ہیں

خدا سمجھے تجھے صیّاد چھوڑا بھی تو کب چھوڑا
اسیران قفس نے بال و پر جب نوچ ڈالے ہیں

تمہارے اُٹھتے جوبن کو دوپٹہ کیا چھپائیگا
یہ دو سرکش بلا کے ایک سے کیا تھمنے والے ہیں

اُلٹ اپنا نمکداں کیوں ہنسی کرتا ہی ای قاتل
دہان زخم دل کیا چٹکیوں سے بھرنیوالے ہیں

خیالِ پائے جاناں ہوشیاری سے قدم رکھنا
کہیں ٹھوکر نہ لگجائے ہمارے دل میں چھالے ہیں

جنابِ حلم جیسے فطرتی ہیں کوئی کیا جانے
تخلص جو سنے گا کہہ اُٹھیگا بھولے بھالے ہیں

وہ کہتے ہیں غضب ہیں جان کر بھی ہی نالوں سے
خدا ہی سمجھے اِن ظالم محبت کرنیوالوں سے

بھرے بیٹھے ہیں جب پہونچے غضب کا سامنا ہوگا
خدنگِ ناز چھیڑا اچھی نہیں سینے کے چھالوں سے

طریق حق پرستی عشق والوں کا نرالا ہے
نہ پروا مسجدوں کی ہے نہ مطلب ہے شوالوں سے

شبِ وعدہ خوشامد پر وہ آمادہ ہوئے آخر
جو دیکھا کام اب چلتا نہیں حیلے حوالوں سے

بھلا تم اور بوسے دوگے دل لیکر معاذ اللہ
یہ فقرہ اُسکو دینا جو نہو آگاہ چالوں سے

یہی ہے آنکھ کی خواہش کہ رہئیے نازنینوں میں
یہی دل کا تقاضا ہی کہ ملیئے خوش جمالوں سے

حلیم حلیم حضرت عبدالحلیم شاہ صاحب متخلص بہ حلیم امروہے کے شیوخ عبّاسی سے ہیں۔ مظہر الہادی صاحب سہیل نے جو اُنکے حالات بھیجے اُنکا خلاصہ یہ ہے کہ بچپن ہی سے طبیعت میں سلامتی اور اطوار میں سنجیدگی تھی۔ آغاز جوانی میں وطن سے نکلکر جیپور پہنچے اور بعہدۂ منصبداری محکمۂ فوج ملازمت اختیار کی۔ چونکہ اَوراد و وظائف کی طرف شروع سے میلانِ خاطر تھا وقتاً فوقتاً تلاشِ مرشد کامل میں سفرہائے دور دراز کیئے۔ آخر کار گھر بیٹھے جیپور ہی میں خاندانِ نقشبندیہ میں مُرید ہوئے مگر سماع کے بہت ہی

شائق ہیں۔ مُرید ہونے کے بعد طبیعت کا رنگ بالکل ہی بدل گیا۔ شہرت اور ناموری سے گریز، اہلِ دنیا سے بے تعلقی اور ملازمت کی پابندیوں سے نفرت ہونے لگی۔ ترکؔ و تجرید نے غلبہ کیا لیکن ایک عرصہ تک ضبط سے کام لیتے رہے۔ جب وفورِ شوق و غلبۂ ذوق اتنا بڑھا کہ بیخود ہو گئے تو قیودِ ملازمت سے قطعًا دست بردار ہونا پڑا۔ چونکہ شادی کی نہیں تھی اہل و عیال کا کچھ غم نہ تھا۔ اب آپ سراپا توکّل ہیں۔ محض صبر و قناعت ہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا ہے۔ ابتدائے عمر سے نظم اور فنِ شعر سے دلچسپی ہے ضخیم دیوان تیار ہے۔ پیسہ اخبار پریس لاہور میں چھپنے کے لیئے گیا ہوا ہے۔ اکثر جے پور و کوٹے میں قیام رہتا ہے۔ کلام صاف ہے۔ بندش و اسلوب بیان بھی خوب ہے اکثر شعر توحید اور تصوّف میں کہتے ہیں کُھلا ہوا رنگ ہے۔ انتخاب ملاحظہ ہو:

کیا پوچھنا ہے چشمِ حقیقت طراز کا
جمتا نہیں نگاہ میں نقشہ مجاز کا

نہ جفاؤں کی شکایت نہ وفا سے مطلب
اُسکے طالب کو ہے تسلیم و رضا سے مطلب

صد شکر کہ فرماتے ہیں وہ ناز و ادا سے
ہم پاتے ہیں اس شخص میں آثارِ محبت

پاں ہو چکا ہے خونِ جگر آرزو کے ساتھ
ابتک سمجھ رہے ہیں مرے غمگسار جھوٹ

بیکسی تربتِ عاشق کا پتہ دیتی ہے
نہ ضرورت اسے کتبے کی نہ زیبا تعویذ

بوالہوس کے لیئے درکار ہے نقشِ تسخیر
جذبِ صادق کے لیئے چاہیئے کسکا تعویذ

مرے دل میں مری آنکھوں میں آکر
مدّعی کیوں ہو مدّعا ہوکر

رہو تم بے تکلّف گھر بنا کر
غیر بنتے ہو آشنا ہوکر

الله رے خود رفتگی اتنا بھی نہیں ہوش
خُم مُنہ سے لگا لیتے ہیں پیمانہ سمجھکر

انجمن ہو یا نہ ہو اُسکی بلا سے کچھ بھی ہو
زندگی کا کرچکی لبریز جب پیمانہ شمع

یہ ہوا ہے اور نہ ہوگا تم سے روشن صبح تک
یہ نہیں ہے بزمِ جاناں ہے مرا غمخانہ شمع

مصیبت جمیل صبر و شکر کے ساتھ
مرے مجنوں مرے درد آشنا دل

وہ اپنی جفاؤں پہ شرما رہے ہیں	تسلی مجھے دیکے تڑپا رہے ہیں
الٰہی وہ دل مضطر عطا ہو اگر دل محو تسلیم و رضا ہو	کہ جس میں درد سرتا پا بھرا ہو تو ہر درد و الم راحت فزا ہو
ہاں تو نہیں تو لذتِ زخمِ جگر نہیں دل نے چشمِ حقیقت تو کہیں دیکھے اُسے	لے درد دلنواز عجب دل رُبا ہے تو آنکھ کیا دیکھے تجلّی جمالِ یار کو
خاک کو تُو نے منوّر کر دیا	اے محبت کیمیا دیکھا تجھے
وفا پرست شکایت کیا نہیں کرتے عجب مزا انھیں ملتا ہے درد کلفت میں اشک دامن تک نہ پہنچا تھا کہ دامن پاک تھا لذتِ ناز و نیازِ عشق تو مجھ سے نہ پوچھ کیا کھینچے میکدہ تو مسجد بنا ہوا ہے	جفا اُٹھاتے ہیں لیکن گلہ نہیں کرتے مریضِ دردِ محبت دوا نہیں کرتے زنگِ عصیاں کے لیئے آنکھوں کا دریا چاہیئے دامن یوسف گریبانِ زلیخا چاہیئے ہر مست بیخودی میں گردن جھکا رہا ہے
رنگ لائی یہ عاشقی دل کی دل کے ہمراہ آرزو بھی گئی اُنکے کوچے میں جا کے خاک ہوئی میری آنکھیں تو ہیں اُنھیں کیطرف موت تو ہے علاج دردِ فراق	مٹ گئی سب ہما ہمی دل کی آج حسرت نکل گئی دل کی آبرو سب رہی سہی دل کی اُنکی مجھ پر نظر نہیں نہ سہی اُنکے در تک گزر نہیں نہ سہی

محمد۔ حضرت محمد لکھنوی کا نام نامی محمد محمود ہے اور رفیق الدولہ دبیر الانشا منشی محمد ظہیر الدین خان بہادر میر منشی واجد علیشاہ کے خلف الصدق ہیں۔ قوم کے شیخ اور حنفی المذہب ہیں نسب کا سلسلہ حضرت عثمان غنی سے ملتا ہے آپکے آبا و اجداد کا قدیمی وطن شہرِ قنوج تھا وہاں سے عہد نواب سعادت علیخان بہادر میں لکھنو آئے اور دربار نواب میں باریاب ہوکر عہدہ ہائے جلیلہ پر ممتاز ہو گئے۔ آپکی پیدائش ۲۴ ماہ جمادی الاولی

سنہ ۱۲۷۴ھ میں بمقام لکھنؤ ہوئی اور وہیں زیر سایہ اپنے والد بزرگوار کے تعلیم و تربیت پائی۔ آپ کی طبیعت بچپن ہی سے اسقدر موزوں واقع ہوئی تھی کہ کبھی دھوکے سے بھی کوئی شعر ناموزوں نہیں پڑھا۔ دس برس کی عمر میں اچھّی خاصی غزل کہنے لگے تھے آپکے والد صاحب کو اُردو شاعری اور خصوصًا طرز عاشقانہ سے بالکل رغبت نہ تھی لیکن جب اِنکی طبیعت کا میلانِ خاطر ادھر دیکھا تو ممانعت بھی نہ کی۔ آخر اُنھیں کے ایما سے جناب شیخ امداد علی صاحب بحر لکھنوی کے شاگرد ہوئے اُنکے انتقال کے بعد حضرت قدر بلگرامی کی خدمت میں آ کر اُن سے استفادہ کرنے لگے۔ رفتہ رفتہ آپ کا کلام عیوب شاعری سے پاک ہونے لگا۔ اور جب آپکی مشقِ سخن اِس حد کو پونہچ گئی تو قدر مرحوم نے اپنے بعض تلامذہ کی اصلاح آپ ہی کے متعلق کردی۔ چنانچہ قدر مرحوم کے بعض شاگرد اب تک شعر و سخن میں آپ ہی سے مشورہ کرتے ہیں۔ آپ ایک مستغنی المزاج کم سخن اور آزادمنش آدمی ہیں۔ عزلت گزینی پسند ہے۔ سلسلۂ تصنیف و تالیف برابر جاری ہے اور شعر و سخن کی طرف طبیعت کچھ ایسی محو ہے کہ اُسکے سوا دوسری فکر ہی نہیں ہے۔ علاوہ دیگر تصانیف کے دیوان موسوم باسم تاریخی "ارمغان جاوید" و رسالۂ متروکات موسوم بہ "مخزن التحقیق" بھی لکھا ہے۔ جس میں تمام اپنے اور دیگر فصحا کے متروکات و غیر فصیح الفاظ مع عیوب شعر و غلطی املا و قواعد نہایت تحقیق کے ساتھ درج کیئے ہیں۔ آپکے کلام سے شوخی اور فصاحت ٹپکتی ہے۔ زبان کی صفائی اور روزمرّہ بھی قابلِ داد ہے۔ آجکل لکھنؤ کے نامور کہنے والوں میں شمار ہوتے ہیں۔ آپکے کلام کا رنگ اپنے اُستاد حضرت بحر مرحوم لکھنوی سے بہت ملتا ہے۔ ملاحظۂ شائقین کے لیئے اُنکے کلام کا انتخاب درج ذیل کیا جاتا ہے ؂

عکس ساقی شراب میں دیکھا	ماہتاب آفتاب میں دیکھا
تم نے ڈھا دیا کعبۂ دل کا	اے بتو کس کتاب میں دیکھا

رہ گیا طائرِ جاں بلبلِ شیدا بن کر
جوہرِ تیغ میں قاتل کے گلستان نکلا

کچھ اعتبار نہیں ہمپہ مرنے والوں کا
سنبھلنے میں بھی ہے شک موت کے سنبھالوں کا

بڑا گھمنڈ تھا بس دیکھ لی مسیحائی
کبھی پکڑا نہ لیا ہاتھ مرنے والوں کا

تمھارے کوچے میں چپکے قضا کے چھٹتے ہیں
ہجوم دیکھ کے بے موت مرنے والوں کا

کھڑے ہیں سہرا چڑھانیکو شہر کے گلرو
مرے مزار پہ میلا ہے پھول والوں کا

کھلا اگر کہیں جوڑا تمھارے بالوں کا
چلیگا ایک بھی منتر نہ سانپ والوں کا

ہجوم یاس ہے وہ فاتحہ کہاں پہ پڑھیں
کہیں نظر بھی تو آئے مزار کی صورت

غیروں سے بگڑے ہم تو ہمارے عادی تھے وہ
اس پر حضور بزم سے اٹھکر چلے عبث

چلا نہ زور وہ دندان شکن جواب ملا
الجھے کے زلف سے شانے نے منہ کی کھائی آج

ہنس دیتے ہیں وہ سوزِ جگر کے بیان پر
بجلی چمک کے گرتی ہے دیپک کی تان پر

دختِ رز پر لوٹے ہیں پرہیزگار ابکے برس
زہد میں بٹا لگائے گی بہار ابکے برس

ایسے یہاں ہیں غنچۂ دل میں ہزار داغ
لالہ مقابلے کو چلا لیکے چار داغ

فرحت دلوں کو دیتے ہیں اشعار بجے پھول
کیا کیا مہک رہے ہیں ریاضِ سخن کے پھول

یہ جو سنا کہ ہار تھے گوندھے ہوئے مرے
سب پھینکے نوچ نوچ کے مارے جلن کے پھول

اللہ آپ سیر کو نکلیں پہن کے پھول
تقدیر اس چمن کی یہ ہیں جس چمن کے پھول

ہے روزِ حشر اور شبِ غم کا طول ایک
اسکی نہیں ہے شام تو اسکی سحر نہیں

اللہ رے بیخودی کہ وہ پہلو میں بیٹھکر
دل لیگئے نکال کے ہمکو خبر نہیں

آگئی فصلِ جنوں میلے ہیں ویرانوں میں
تماشا پھرتی ہے وہ بھیڑیں ہیں بیابانوں میں

یہ بیموقع تمھاری ہر گھڑی کی دل لگی کیسی
طبیعت آدمی کی ہے کبھی کیسی کبھی کیسی

دکھادوں ایک دن انکو تو پھر ہو دل لگی کیسی
جو کہتے ہیں کہ دیکھیں ہوتی ہے دل کی لگی کیسی

نہیں اک رنگ پر رہتی طبیعت ہے تری کیسی
کبھی ایسی کبھی ویسی کبھی کیسی کبھی کیسی

بیانِ سوزِ دل رو رو کے کرتا ہوں تو کہتے ہیں
لگی ہے آگ جب دل میں تو پھر آنکھوں میں تری کیسی

یہ قدرت قاف والوں کی کریں جو حُسن کا دعویٰ
مقابل اُنکے پہلے حور تو ہو سے پری کیسی

بیوجہ کب یہ دلگی مرے دیکھ بحال ہے
کھیتے نہ کھیتے آپ کی صورت سوال ہے

رونے لگے سُن سن کے تمام اپنے پرائے
اِس درد سے نالے کیئے دل سب کے بھر آئے

اِس بات پہ تاثیر دکھاوینگے فغاں کی
کہتے ہو نہیں آئیں گے؟ اچھا اگر آئے

ناصح اثر ان کو نہیں کرنے کی نصیحت
یہ حضرتِ دل ہیں جدھر آئے اُدھر آئے

شیخ جی لائے تھے تشریف نصیحت کرنے
کیا بُری طرح نکالے گئے میخانے سے

مست کر دیتی ہے میخواروں کو اِسکی جھنکار
شیشہ جب بزم میں لڑ جاتا ہے پیمانے سے

آنے جانے کی یہاں آڑ تو اچھی ہوتی
کاش مسجد ملی ہوتی کوئی میخانے سے

عشق بازی میں لڑائی بھی تو ہے عین ملاپ
صاف ملجاتا ہے دل آنکھ کے لڑ جانے سے

کہا جو آپ پہ مرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں
سُنا کیئے یونہیں دیکھا کبھی نہ مرجاتے

کیا ناوکِ مژگاں نے اُڑائے ہیں نشانے
دل اور جگر دونوں لگائے ہیں ٹھکانے

ساقی سفید ریش پہ ہلکا سا ہو خضاب
زاہد کے منہ پہ پھینکدے ساغر کھنگال کے

حمد — حمد منشی احمد حسین حمد سوداگر ساکن لال کرتی بازار چھاؤنی میرٹھ مولانا شوکت سے ارادت رکھتے ہیں اور زمانۂ حال کے خوشگو شعرا میں ہیں۔ چند شعر حاضر ہیں +

سوزِ پنہانی میں ہے کیا چشمِ حیواں کا اثر
آگ میں جلکے بھی عاشق ترا ٹھنڈا ہوا

یہ حسرت تھی کہ رہتا کاش احسان تیغ قاتل کا
رہا کیوں سخت جانی تیرا احسان میری گردن پر

نہ سنبھلا دامنِ عصمت ہی اپنا تجھسے جب ناداں
زلیخا خاک بس چلتا ترا یوسف کے داماں پر

حلقۂ گیسو کا ہے اب گھیرے ہوئے ہر سو ہمیں
جسطرف دیکھیں نظر آتا ہے تو ہی تو ہمیں

وسعتِ دل تیرا بُرا ہو دیکھ بزمِ یار سے
کیوں اُٹھاتا ہے بھلا بیٹھے بٹھائے تو ہمیں

حمید — حمیدؔ خواجہ حمید جان عرف پیارے نواب صاحب رئیس گیا حکیم سید عابد علی کوثر

خیرآبادی کے تلامذہ میں ایک خوش گو شاعر ہیں۔ مذاق ستھرا اور زبان صاف ہے شعر اچھا کہتے ہیں نمونۂ کلام ملاحظہ ہو۔

بلائیں جس قدر تھیں آسمان پر — وہ سب نازل ہوئیں مجھ خستہ جاں پر
میرے نالوں نے برپا کی قیامت — زمیں سے بھی زیادہ آسماں پر
وہ روٹھ کر چلے بھی گئے ہیں تو کیا ہوا — حاصل ہمیشہ وصل ہے ہمکو خیال میں
لاکھوں شکار تھے مگر اے قدر نصیب — میرا ہی دل پھنسا تری زلفوں کے جال میں
جھگڑا مٹا رقیب موا جانے دیجئے — بیکار آپ بیٹھے ہیں رنج و ملال میں
لیجئے دل بھول گئے ہمکو یہ حال انکا ہے — ہمکو یہ خبط کہ ہر وقت خیال انکا ہے
آخر اس بیخودیٔ غم سے کہیں کے نہ رہے — اب نہ ہوش اپنا ہے ہمکو نہ خیال انکا ہے

حمید تخلص محمد اللہ نام قوم پٹھان متوطن قصبہ اورنگ آباد ضلع گیا پیشہ زمینداری و داروغۂ پولیس فارسی کی لیاقت اچھی اور جناب حکیم عابد علی کوثر کے شاگرد تھے۔ کئی برس ہوئے کہ آپنے انتقال کیا۔ زیادہ حال باوجود تلاش نہ مل سکا۔ چند شعر گلدستہ فصاحت سے منتخب ہوکر درج ہوئے۔

عبث عاشقوں کو امید وفا ہے — ہوا ہے نہ ہوگا ستمگر کسیکا
لیئے تیغ ہاتھوں میں نکلا ہے قاتل — لڑا چاہتا ہے مقدر کسیکا
خلش نوک مژگاں کی جاتی نہیں ہے — رگ جان میں چبھتا ہے نشتر کسیکا
کسیکا نہو فاش پردہ خدایا — نہو سامنا روز محشر کسیکا
بلا دیکھئے کسکے سر پہ ہو نازل — حمید آج بدلا ہے تیور کسیکا

صفائی آئینہ کی سی ہے آب تیغ قاتل میں — نئے جوہر نکالے ہیں نہا کر خون بسمل میں
شب ہجراں سکون و صبر و طاقت ہوگئے رخصت — رفیق و مونس و ہمدم خیال یار ہے دل میں
کھچی رہتی ہے گو پھر بھی گلے سے آلپٹتی ہے — ادا و ناز معشوقانہ ہے شمشیر قاتل میں

سر مقتل کسی کی تیغ عریاں آج کہتی ہے — کہ جوڑا اسنے پہنونگی نہا کر خون بسمل میں
پسیجے دل بتوں کا رحم کھا کر موم ہو جائیں — اثر ہو لحن داؤدی کا یا رب نالۂ دل میں
ادھر آباد گھر میرا ادھر آباد گھر تیرا — تو میرے دل میں ہے اور غیر بستا ہے ترے دل میں
خزاں کے دن گئے گلشن میں گل پھولے بہار آئی — نوید جانفزا پہنچا صبا گوش عنادل میں

وہ آئے بھی تو غیر کے ساتھ آئے — بھلا ایسی حالت میں کیا بات ہوتی
شب وصل دل کی تمنا ہی تھی — ترے گیسوؤں سے بڑی رات ہوتی
غم ہجر میں جان پر بن گئی ہے — نہ اے کاش اس سے ملاقات ہوتی

حمید

حمید - سید باقر مرزا حمید برادر زادہ و شاگرد حضرت تعشق مرحوم لکھنوی - انکی زبان کی تعریف فضول ہے کیونکہ ان کا خاندان لکھنؤ میں باعتبار زبان مستند مانا جاتا ہے اور شاعری انکے خاندان میں موروثی ہے - یہ خود بھی اس فن میں اچھا دخل رکھتے ہیں - حالات اور کلام کے لیئے بارہا لکھا گیا - مگر کسر نفسی نے جواب کی اجازت ہی نہیں دی - جو کلام گلدستوں میں نظر سے گزرا اسکا انتخاب درج ذیل ہے +

شوق دیدار اسکو کہتے ہیں تصور نے مرے — ہر در و دیوار پر کھینچا ہے نقشہ یار کا
حشر کا روز ہے لے یار دکھا دے صورت — چاہیئے آج تو وعدہ کا وفا ہو جانا
نہیں ہے خوف ہمیں تیرگی مدفن کا — کہ دل کے داغ میں عالم ہے شمع روشن کا
عجب مزاج ہے کچھ میرے یار پرفن کا — کہ اپنے دوست کا دشمن ہے دوست دشمن کا
کرو نہ جھاڑ کے برباد عاشقوں کی خاک — خیال چاہیئے وابستگان دامن کا
سوا ہو عمر خدا انکے نام کو رکھے — نشاں مٹا تو گئے آکے میرے مدفن کا
کریں تدبیر کچھ آیا ہے دل گیسوئے جاناں پر — عبث احباب روتے ہیں مرے حال پریشاں پر
طالب نہ ہوتے تم تو انھیں کون پوچھتا — کچھ اصل بھی جگر کی نہ تھا کچھ وقار دل
کیوں پھر رہے ہو بال پریشاں کیئے ہوئے — کیا چاہتے ہو اور بڑھے انتشار دل

تمہاری چال سے ہوتا ہے حشر عالم میں
کہ محو خواب اجل ہوشیار ہوتے ہیں

لحد ہے کون سے محبوب کے مکان کی راہ
پیادہ ہوتے ہیں وہ جو سوار ہوتے ہیں

ہوئے عشق سے تفریح کیوں نہو دلکو
کہ جھونکے اِسکے عجب خوشگوار ہوتے ہیں

جینے کی کچھ خوشی نہیں مرنے کا غم نہیں
مدّت ہوئی کہ آپ میں اے یار ہم نہیں

اے خفتگانِ خاک یہ کس وقت غم نہیں
تم سب کے سب ہو ایک جگہ اور ہم نہیں

بند وہ آنکھیں ہوئیں پردہ تھا جنکی وجہ سے
شرم کیوں کرتے ہو میری لاش پر آتے ہوئے

مرکے خواہش ہے اسے سفاک زخم تر کی
کہہ رہی ہے صاف حسرت دیدۂ نخچیر کی

مجکو اے سفّاک ایسا زخم کھانیکا ہے شوق
دل مرا ٹوٹے جو ٹوٹے نوک تیرے تیر کی

ہمارا صبر ذرا دیکھ جاں نثاری دیکھ
گلا ہے تیغ کے نیچے گلا نہیں کرتے

حمید۔ حاجی حافظ مولوی عبدالحمید صاحب متخلص بہ حمید خلف سیّد محمد عثمان ڈرفٹسمین دفتر چیف انجینیر ایسٹ انڈین ریلوے باشندۂ کلکتہ نساخ مرحوم کے تلامذہ میں آپ یگانہ ہیں کچھ دنوں انسخ سے بھی مشورہ سخن کیا ہے۔ زود گوئی میں اچھی مہارت حاصل ہے شعر اسقدر جلد لکھتے ہیں جیسے کوئی نثر لکھتا ہے۔ کلام میں متانت اور پختگی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

درد سے چارۂ دردِ دلِ شیدا ہوگا
جوشِ حرماں سببِ ترک تمنا ہوگا

پاس میرے بھی کبھی آئیے گا؟
تابکے دُور سے ترسایئے گا؟

ہوگیا ہے عشق دلکو اُس بتِ طنّاز کا
یا الٰہی ہو بخیر انجام اِس آغاز کا

ہجر میں آساں ہے مرنا گر کوئی اُمید ہو
تم سے رکھا بھی نجائیگا سر مدفن چراغ

ممکن ہے ہوں وہ رونقِ کاشانہ خواب میں
لوں وام بختِ خفتہ سے اک رات خواب کو

اُمید تیری دید کی پیر و جواں کو ہے
ارمان تیرے وصل کا ہے شیخ و شاب کو

واقف ہوں اسقدر کہ تری ذات ہے کریم
کچھ جانتا نہیں میں عذاب و ثواب کو

جسکی اُمید میں مے و معشوق ہے حرام
دوزخ میں لیکے ڈال دو ایسے ثواب کو

ترکِ خیالِ یار کا دل کو خیال ہے
ایسا خیال ہے مگر امرِ محال ہے

گزرے برسوں لیکن اُس کا سوگ ہی تازہ ابھی
دیکھئے کب تک وفاتِ غیر کا ماتم رہے

ہم وہ قطرے ہیں کہ پہلے قلزم ذخار تھے
ہم وہ ذرے ہیں کہ پہلے نیّرِ اعظم رہے

حمید

حمید۔ منشی عبدالحمید۔ حمید وعطار، ولد منشی عبدالرشید آپ منشی محمد نوح متخلص بہ نوح کے چچازاد بھائی اور شاگرد ہیں۔ قصبہ نارہ پرگنہ کڑا ضلع الہ آباد وغیرہ میں مکان ہے طبیعت بہت موزوں واقع ہوئی ہے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

اُڑا لائی ہے تو زلف دوتا کی
بلائیں کیوں نہ لوں بادِ صبا کی

چھپایا منہ جو عاشق سے مریجان
ادا کی۔ یا حیا کی۔ یا جفا کی

ہوئی وہ سُرخرو پامال ہو کر
عجب تقدیر ہے اُلٹی حنا کی

نہ تسکیں دی کسی نے ہجر کی شب
مگر کچھ شمع دل سوزی کیا کی

بتوں کی کیا نظر ہم سے پھری ہے
خدائی پھر گئی قدرت خدا کی

جو گزرے گی گزر جائیگی ہم پر
تمھیں حسرت نہ رہ جائے جفا کی

خدا کے روبرو انصاف ہوگا
وفا کی کس نے اور کس نے جفا کی

کسی دن تجکو لے ڈوبے گی اے دل
محبت اُس بتِ نا آشنا کی

حسیں پھیلائیں اُسکے سامنے ہاتھ
زہے طالع زہے قسمت حنا کی

حمید

حمید۔ منشی رمضان علی خاں لکھنوی اوائل مشق سخن میں چند غزلیں جناب تدبیر الدولہ اسیر مرحوم کو دکھائی تھیں۔ پھر جناب آتش مرحوم سے تلمذ اختیار کیا۔ یہ اُنکے اشعار ہیں

روز ہم آن کے تقت پر کو روجاتے ہیں
وہ کہانی میری سنتے ہیں تو سو جاتے ہیں

عمل نیک ہے وہ تخم کہ پھلتا ہے سدا
اِسی دانے کو جو دانا ہیں وہ بو جاتے ہیں

ہو کے ناراض بُرا مجکو کہو گالیاں دو
سب کہو پر نہ یہ تم منہ سے کہو جاتے ہیں

بے رُخی کی بھی کوئی حد ہے تمھیں ہو منصف
منتیں ہم تو کریں تم یہ کہو جاتے ہیں

رہا بستہ سدا کوئے بتاں میں	لگے گا خاک دل باغِ جناں میں
ہم اور ظلم کا اُنکے شکوہ کرینگے	وہ جو کچھ کرینگے سو اچھا کرینگے

حمید

حمید - قاضی حمید الدین پروفیسر باشندۂ علی پور نواحِ کلکتہ۔ نہ زیادہ حالات کا پتہ ملا نہ کچھ کلام ہی دستیاب ہوا صرف تین شعر ہاتھ لگے جو زیب تذکرہ کیے جاتے ہیں۔

غمزہ یہ کہہ رہا ہے کسیکی نگاہ سے	بچکر نجانے پائے کوئی جلوہ گاہ سے
آنکھوں میں ہے خمار پریشاں ہیں موئے سر	نکلا ہے کس ادا سے کوئی خوابگاہ سے
پیرِ مغاں کے وصف سُنائینگے بادہ خوار	کیا پوچھتے ہو زاہدِ گم کردہ راہ سے

حمید

حمید - عبد الحمید خان نام ملیح آباد کے رہنے والے۔ غزل نہیں کہتے مگر فارسی مثنویات کے اکثر تراجم اُردو اور پشتو زبان میں آپنے کیے ہیں۔ فارسی اور پشتو کی مہارت خوب ہے مثنوی معنوی کا ترجمہ بھی مرتب کیا ہے مگر چھپا نہیں ہے۔ مثنوی بو علی قلندر کا ترجمہ چھپ گیا ہے اسی کے چند شعر نمونۃً لکھے جاتے ہیں۔

آفریں اسے بلبل باغ کہن	مجکو باور ہے سبھی تیرا سخن
اے مرے بلبل کرم کی کر نظر	اُس گلِ رعنا کی دے مجکو خبر
آفریں اسے میرے قاصد آفریں	تجھسے پہنچا مجکو حالِ نازنیں
ہُدہُدِ فرخ نشاں صد آفریں	طوطیٔ شیریں بیاں صد آفریں
دم میں تو ہفت آسماں کو طے کرے	مرکبِ حرص و ہوا کو پے کرے
دم بدم روشن کرے دل میں چراغ	عشق کا تو ہی لگائے دلمیں باغ

حنا

حنا - منشی عبد الکریم خان خلفِ سرور خان لکھنوی شاگرد میر وزیر صبا واجد علیشاہ کے زمانے میں تھے سُنا ہے کہ دیوان بھی مرتب ہوگیا تھا۔ بہرحال یہ کلام بہم رسیدہ کا انتخاب حاضر ہے *

یہاں تلک تو عدۂ فرداہیں فردا ٹھیرا	حشر پر وصل بُت حور لقا کا ٹھیرا

لیگئی کھینچ کے وحشت مجھے اُس وادی میں — آدمی کیا نہ جہاں خوف سے سایہ ٹھیرا

اللہ رے صعوبتِ طولِ شبِ فراق — کھچتا رہا رگوں سے مری دم تمام شب

سیر کیجے تو ذرا خانۂ دل کی میرے — کیا عجب ہے تمھیں آجائے یہ تعمیر پسند

جب سے اُس یوسف لقا کو دل دیا ہے آشنا — سورۂ یوسف زباں پر ہے زلیخا ہاتھ میں

ہو کبھی دشمن کو بھی یارب نہ دشمن سے نصیب — رنج جو پہنچے ہیں مجکو دلربا کے ہاتھ سے

حنیف — **حنیف** - صاحبزادہ محمد حنیف خان خلف ارشد صاحبزادہ محمد محمود خاں صاحب تہور جنگ عزیز والئی ٹونک تلمیذ حضرت مضطر - ان کے والد ناظم سائرات ریاست ہیں اور یہ خود بھی حاکمِ عدالتِ دیوانی ہیں ۳۵ - ۳۶ برس کی عمر ہے - خوش وضع زندہ دل شخص ہیں - نمونۂ کلام یہ ہے -

بلبل کے جذبِ عشق نے کچھ تو اثر کیا — صیاد نے قفس پہ چڑھائے چمن کے پھول

بیٹھے ہیں بزمِ یار میں اغیار اے حنیف — قدرت خدا کی خار بنے ہیں چمن کے پھول

عجب کیا ہے وفا کا نام ہی اُٹھ جائے دنیا سے — اگر دو چار بھی ایسے ہوں جیسے بیوفا تم ہو

حقیقت میں تمھیں سے لذتیں ہیں عشق کی ورنہ — محبت میں دھرا کیا ہے محبت کا مزا تم ہو

وفائے وعدۂ دیدار کا وہ کون موقع ہے — قیامت میں تو لاکھوں ہونگے صورت دیکھنے والے

حیا — **حیا** - طوطیِ شکرستان خوش مقالی - بلبلِ بستانِ نازکخیالی - فروغِ دودۂ شاہیِ جہانبانی ضیائے خانوادۂ گورگانی - صاحبِ عالم و عالمیان میرزا رحیم الدین حیا دہلوی مرحوم و مغفور - دلی کا قلعۂ معلی جہاں اُردو نے جنم لیا تھا وہیں آپ ۱۲۱۲ھ ہجری میں پیدا ہوئے میرزا کریم الدین رسا نبیرۂ شاہ عالم ثانی آپکے والد ماجد تھے - جو خود بھی ایک نہایت کہنہ مشق اور خوش گو شاعر گزرے ہیں - چنانچہ آپ کو بھی اوائل عمری سے شعر و سخن کا ذوق پیدا ہوا اور حضرت شاہ نصیر رحمت اللہ علیہ کے سلسلۂ تلامذہ میں داخل ہوگئے -

خاندانِ تیموریہ میں آپ بہت اچھا کہنے والے شاعر نہیں تھے - طبیعت کی شوخی اور مضمون

آفرینی کے ساتھ زود گوئی اور فکر رسا بھی رکھتے تھے۔ اِسکے علاوہ نہایت نیک طینت خلیق اور با مروّت انسان تھے۔ کلام میں عالم ضعیفی تک جوانی کا ساز ور طبع دکھاتے رہے اِنکے جوش میں دریا کی سی روانی تھی۔ اور کسی وقت فکرِ سخن سے خالی نرہتے تھے۔ بلند پروازی کے علاوہ کلام میں ایک خاص بات قابلِ ذکر یہ تھی کہ شعر میں قافیے اور ردیف کی چسپیدگی کے ساتھ اکثر ردیف کا کوئی نہ کوئی ایسا نیا پہلو چمکاتے تھے جس سے سامعین داد دینے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ طبیعت کچھ ایسی جدت خیز اور معانی آفرین پائی تھی کہ جس میں شوخی اور سادگی دونو متضاد صفتیں جمع ہو گئی تھیں۔ شطرنج بیمثل کھیلتے تھے ولایت سے جسقدر مشکل نقشے آئے آپنے انکو حل کیا۔ اس فن میں حکیم شرافت علیخاں سے آپ مستفیض ہوئے تھے۔ ستار نوازی میں بھی کمال حاصل تھا۔ غدر سے کچھ پیشتر بنارس کا سفر کیا۔ راستے میں کچھ روز نواب یوسف علیخان والیٔ رامپور کے ہاں بھی مہمان رہے اور نواب نے بڑے تکلف سے میزبانی کی۔ پہلا دیوان جسپر میرزا غالب اور صہبائی مغفور نے تقریظیں لکھی ہیں غدر سے پہلے دلّی میں چھپا تھا۔ جو راقم السطور کے کتبخانے میں موجود ہے۔ غدر کے بعد جب قلعہ کا نقشہ ہی بگڑ گیا تو صاحب عالم مستقل طور سے رامپور چلے گئے۔ نواب کلب علیخاں نے بھی بڑی تواضع کا برتاؤ کیا اور اپنا مصاحب خاص بنالیا آپ مدۃ العمر وہیں رہے۔ چنانچہ دوسرا دیوان نواب محمود علیخاں نے مرتب کرایا۔ اب دو دیوان اور ایک واسوخت آپکی یادگار سے موجود ہیں۔ نواب کلب علیخاں کی وفات کے آٹھ یوم بعد ۱۳۰۴ھ میں ۹۴ سال کی عمر پاکر اس جہانِ فانی سے رحلت کی۔ میرزا سے مرحوم کثیر العیال تھے۔ میرزا نصیر الدین ضیاء اور میرزا ولی الدین فدا وغیرہ ۵ و ۶ صاحبزادے ابتک حیات ہیں جن میں سے اکثر کو اب بھی سرکارِ رامپور سے وظیفہ ملتا ہے۔ آپکے خاندان میں شعر گوئی اور شطرنج بازی کا شوق ابتک جاری ہے اور خوب ہے۔ سُنا ہے کہ میرزا حیا کا ایک تیسرا دیوان راجپوتانے کے سفر میں تلف ہو گیا تھا۔ اور آخر عمر میں انھوں نے

جو کچھ لکھا ہے وہ بھی ایک دیوان سے کم نہیں ہے۔ مگر اُسکے چھپنے کی اب کوئی ظاہرا امید نہیں ہے۔ راقم تذکرہ نے بے انتہا کوشش اور تلاش کے بعد دیوان دوم کی کچھ غزلیں دستیاب کیں۔ چنانچہ دونوں دیوانوں کا انتخاب ضیافتِ طبع شائقین نکتہ سنج کے لیے درج ذیل کیا جاتا ہے ٭ (از دیوان اوّل مطبوعہ سنہ ۱۲۷۰ھ)

خالق نے اپنا جلوۂ قدرت دکھا دیا
سینہ سے داغِ عشق مجازی مٹا دیا

اللہ رے دستگیریٔ پیدا کیے کی شرم
بخشا اُسی کو جسنے سر اپنا جھکا دیا

نہ پوچھو ہمدمو کتنا شبِ تاریک ہجراں کا
دمِ شمشیر تھا گردن پہ ہر دم خم گریباں کا

جنوں یہ کشمکش ہمسے عبث ہے تجکو زنداں میں
چھڑا دے قید سے ہمکو تو رستہ لیں بیاباں کا

عدو کیا جانے کیا ہے کہتے ہیں اسکو اور وہ کیا ہے
ہمارے دل سے پوچھو لطف کاوشہائے پنہاں کا

دیکھنے پائے نہ دل بھر کے قیامت میں اُسے
روزِ محشر وصل کی شب کے برابر ہوگیا

التجائے غیر بھی کی ظلم بھی اُنکے سہے
اُس پہ کہتے ہیں کہ تو کہنے سے باہر ہوگیا

کون کہتا ہے کہ لیلیٰ سے محبت تھی اُسے
قیس دیوانہ مرا افسانہ سُن کر ہوگیا

اب نہیں کہیے الفت جانے دے انساں ہیں
اے فلک یہ جرم ہمسے ہوگیا گر ہوگیا

اک نہ اک دن جان جانی آخرش یونہی جیا
مر گئے اُس پر تو اُسکے دل ہی میں گھر ہوگیا

بن ترے کل قتل کا گلشن میں سامان ہوگیا
شاخِ گل ناوک بنی ہر غنچہ پیکان ہوگیا

دل میں سو سو مرتبہ ہوتا ہے ٹکڑے چارہ گر
کیا بلا چاک جگر چاک گریباں ہوگیا

جی کو تسکیں دیں جگر پر ہاتھ رکھیں کیا کریں
دل کے ہاتھوں غم پہ غم ارماں پہ ارماں ہوگیا

مِل گیا تو غیر سے یاں دل کی حسرت مٹ گئی
اب ترا ملنا نہ ملنا ہمکو یکساں ہوگیا

سایہ در و دیوار کا دشمن ہے ہمارا
اُس پر بھی گلی میں تری مسکن ہے ہمارا

ملا کے خاک میں کہتے ہیں مجکو۔ تھا یہ کون؟
جو رہگذر میں مرے آکے پائمال ہوا

عدو کے ہاتھ سے پینے لگے وہ مے ابتو
حرام موت بھی مرنا ہمیں ملال ہوا

دمِ موت ہجر میں آ ئی نہ مجھکو خواب آیا
پسِ از فنا مرے لاشہ کو پائمال کیا
تصور رات بھر تری دل پر دھری رہی
یاں پیکِ قضا کا ہے تقاضا مرے سر پر
نہیں میں قابلِ لُطف و کرم تو لے ظالم
مریضِ دردِ محبت کا دل نہ توڑ اپنے
سچ ہے پہ جلانا مرا نہیں منظور
بوسۂ لب بھی لیا جان بھر اُس پہ بچی
حاصلِ دلِ بیتاب تڑپنے سے نہیں کچھ
کیوں مجھ تماشا ہے مری لاش پہ عالم
لاشِ عدو کے کل اُنھیں ہمراہ دیکھکر
کھُلی نہ آنکھ ترے کشتۂ تغافل کی
بھری ہیں اُن کے سینہ میں حسرتیں ایسی
قرار آ ہی گیا غم میں دل سنبھل ہی گیا
خدا ہی ہے کہ رہے توبہ کعبے جانے تک
سزا یہی تھی کہ چھڑکا بتوں نے اور نمک
وہ بات ہی نہ رہی فکر عنبر آتے ہی
یہانتک میں دل کے ہاتھ سے مجبور ہوگیا
ہاتھوں سے تیرے کاوشِ مژگانِ رخنہ گر
آہ جاتی ہے مگر عقدۂ وابستہ دل
حکم گویائی نہیں اسکو نسیم سحری

یہ کس عذاب میں ہوں میں یہ کیا عذاب آیا
یہ دل میں کیا ترے اے خانماں خراب آیا
سینہ پہ بھی لٹانے کا ارمان نکل گیا
قاصد ابھی واں سے نظر آتا نہیں آتا
ستم بھی مجھپہ نکر رحم گر نہیں آتا
نہیں تو مُنہ سے نہ کر تو اگر نہیں آتا
مرے جنازے پہ وہ جان کر نہیں آتا
آ جیواں کے بھی پینے سے میں زندا نہ رہا
معشوق کے آنے پہ اجارا نہیں ہوتا
کہدو کوئی مرتا ہے تماشا نہیں ہوتا
کیا کیا نہ ہمکو مرنے کا ارمان آگیا
ہزار شورِ قیامت اُس سے پکار آیا
کہ اب ٹھکانا نہیں دم کے بھی سمانے کا
گئے وہ دن کہ جو تھا فکر جان جانے کا
قدم قدم ہے تصوّر شراب خانے کا
مزا یہی تھا مرے زخمِ دل دکھانے کا
وہ وقت ہی نہ رہا اُلفت آزمانے کا
جو جس نے کہدیا سب مجھے منظور ہوگیا
جس جس جگہ پہ داغ تھا ناسور ہوگیا
جز صبا کس پہ کھُلے رنج و محن غنچہ کا
ورنہ لبریزِ شکایت ہے دہن غنچہ کا

جوابِ نامہ فرشتوں سے گور میں مانگا
پس از فنا بھی مرا دھیان نامہ بر میں رہا

بدلہ عدو سے لوں ستم بے شمار کا
گر آسماں بنے مرے مشتِ غبار کا

بُت پرستی میں میسّر ہے خدا کا دیدار
کچھ نہیں ہے مرے نزدیک مسلماں ہونا

ناصحا عشق نہوتا مجھے سودا ہوتا
ہر طرح گھر سے نکلنا مری تقدیر میں تھا

لاغری سے اب تو یہ عالم ہے جسمِ زار کا
اپنے سایہ میں چھپا لے مجکو سایہ خار کا

جرمِ بیجا اور بھی ہیں اک گنہ یہ بھی سہی
میری ہی گردن پہ ہو اے کاش خونِ اغیار کا

چین کا ہیکو پڑیگا بعد مردن گور میں
یاد آئیگا تڑپنا دن میں سو سو بار کا

ہوئی لبوں کو یہ جنبش کہ بس عتاب ہوا
تمھارا نام نہ لینا ہوا عذاب ہوا

وہ پوچھتے ہیں کہ ہوتی ہے آشنائی کیا؟
بتا! وفا کسے کہتے ہیں یہ بیوفائی کیا؟

چراغ تربتِ مجنوں پہ آج روشن ہے
جنوں! بتا تو کسی کی مراد آئی کیا؟

کیسے سُننے سے مِلا لے حیاؔ وہ آئینہ رو
ہوئی صفائی نہ دل سے تو پھر صفائی کیا؟

الاماں کی در و دیوار سے آتی ہے صدا
کس نے زخمِ جگرِ عاشقِ بیدل کھولا

ہوسِ عشق نہ تھی دلمیں تو کیوں لیلی نے
قیس کے دیکھنے کو پردۂ محمل کھولا

عجب نہیں ہے جو وقتِ مردن ہماری موت آئے حور بنکر
کہ ہم بھی رکھتے ہیں عشق در پردہ دلمیں اِک شوخ نازنیں کا

خدا کی اسوقت ہو محبت نہیں ہے یہ مقتضائے اُلفت
کہ اپنی آنکھوں میں وقتِ رحلت جمال پھرتا ہی اک حسیں کا

جب تک مریضِ غم کی تری زندگی رہی
خونِ جگر کا چشم سے ٹپکا لگا رہا

سفرِ ملکِ عدم راس تو اے دل آیا
کہ وہ پہنچانے مجھے اوّلِ منزل آیا

ابتدائے صدمۂ فرقت میں لینی تھی خبر
بنگئی جب جان پر اب پوچھتے ہو کیا ہوا

پھانس سا دل میں کھٹکتا ہے ہر اک تارِ نفس
سانس بھی سینے میں تجھ بن نوکِ سوزن ہوگیا

سوزِ دل ہی کام آیا کنجِ تنہائی میں رات
نالۂ سوزاں ہمارا شمعِ روشن بنگیا

کیا خدا لگتی کہے کوئی کہ ہے انصاف شرط
یک نگاہِ ناز و صد عالَم برہمن بنگیا

کر کے توبہ تو ابھی اسلام لایا تھا دِلا
اور ابھی کیا اسمیں دیکھا جو برہمن بنگیا

طائرِ فکرِ سخن کی نغمہ سنجی کو حیا
مصرعۂ موزوں مرا شاخِ نشیمن بنگیا

رہ چکی اب شبِ غم جان کہ اس ظالم نے
وعدۂ وصل قیامت کی سحر پر رکھا

دلِ بیتاب سنے تجھ بن نہ دیا چین مجھے
رات بھر شورِ قیامت مرے سر پر رکھا

اور بھی ڈھنگ نکالا کوئی ملنے کا حیا
یا فقط جذبۂ اُلفت کے اثر پر رکھا

ہم بھی دیکھیں گے کہ آنا ترا کیونکر نہ ہوا
یہ بھی اک کھیل ہوا فتنۂ محشر نہ ہوا

خدا کے نام پہ کیا کیا اُسے گماں ہوتا
قیامت آتی دمِ نزع گر وہ یہاں ہوتا

زاہدا! تجکو مبارک ہو طوافِ کعبہ
پھرنا کافی ہے ہمیں پیش و پسِ جامِ شراب

مَر مَر کے ہمنے رشکِ مسیحا کیا تمھیں
ہم سے رکھیں دماغ سرِ آسمان آپ

کبھی مجکو بھی یارب چین ہوگا
یہ جائینگی مری بے تابیاں کب

پسِ وصال میسّر مجھے وصال ہوا
مرے جنازے پہ بیٹھے رہے وہ ساری رات

جگر کو تھام کے دلکو دیا جو صبر تو کیا
تڑپ تڑپ کے گزاری تو کیا گزاری رات

وہ ناتواں ہوں کہ آیا نظر نہ موت کو میں
قضا پھری مرے بستر کے گرد ساری رات

سچ بتا کیا تجھے آیا غمِ دلدار پسند
جانِ ناشاد خوش آئی کہ دلِ زار پسند

کھُلیگی حشر کو بلبل کی جب زبان صیاد
تو اپنی جان چھپائیگا تو کہاں صیاد

اسیرِ دامِ محبت ہے سو بلا میں اسیر
قفس سے کم نہیں بلبل کو آشیاں صیاد

کیا اعتبار دین کا عاشق کے زاہدا
یاد آئے ہے خدا بھی تو کافر کو دیکھکر

نظارہ ہمیں کرنے دے دم بھر تہِ خنجر
آنکھوں پہ نہ رکھ ہاتھ ستمگر تہِ خنجر

رُسوا نہ کیا خون میں بھر کر تجھے قاتل
تڑپا نہ مرا لاشۂ بے سر تہِ خنجر

انتقامِ ظلم کا محشر کو دعویٰ ہے مگر
چپکے ہی رہ جائینگے صورت تمہاری دیکھکر

وائے حال اُسکا کہ جسکو مدتیں یونہی ہوئیں
تم ابھی گھبرا گئے دل کی بیقراری دیکھکر

پاسِ ناموسِ محبت ہو تو غیرت کی ہے جا
اور کو چاہے ترا چاہنے والا ہو کر

ترے نزدیک اے زاہد بتانِ ہند کافر ہیں
مرے آگے خدا کا سجدہ ہو تو کیجے دامن

الفت کا امتحاں ہے اگر انتظار پر
سو جاں نثار وعدۂ دیدارِ یار پر

آئی تھی دل میں آئے تو جانے نہ دیجیے
یہ بھی پہنچ گئی خبر اُس بیخبر کے پاس

اب بجز یاس نہیں کوئی دلِ زار کے پاس
آنا باقی ہے قضا کا ترے بیمار کے پاس

کس گھڑی سے تجھے چاہا تھا ستمگر میں نے
کہ کبھی چین نہ آیا دلِ غمخوار کے پاس

کوئی اتنا نہیں کہنے کو اُلفت کسکو کہتے ہیں
یہ چرچا ہے محبت کا ترے بیمارِ ہجراں تک

کہو کہ الفت نبھے یہ کیونکر کہ ضد ہے دونوں طرف برابر
وہاں قرارِ وصال آخر یہاں قرارِ وصال اوّل

ملے جو ٹھوکر سے خاک میں ہم تو اُس کا باعث ہوا یہ عالم
وگرنہ کب دیکھتے تھے ہر دم تم اپنی مڑ مڑ کے چال اوّل

اِک گفتۂ رقیب اور اک آپ کی سمجھ
دشمن سے جا کے شکوہ تمہارا کیجیے ہم

قتل کر جلد کہ پُرحسرت و ارماں ہوں میں
اے مری جان کے خواہاں ترا خواہاں ہوں میں

ہائے کیا محوِ جمالِ رخِ جاناں ہوں میں
آپ ہی آئینہ ہوں آپ ہی حیراں ہوں میں

ناز اُٹھائے نہ ترے کیا جو یہ تو کہتا ہے
چاہنے والوں کے مُنہ اور ہوا کرتے ہیں

خوش اپنی آہِ سرد سے کیا کیا نہیں ہیں ہم
دوزخ ملا تو اُس میں بھی جلتا نہیں ہیں ہم

نفس کی آمد و شد سے کشاکش تھی دلِ جاں میں
قیامت تھی مرے سر پر شبِ تاریکِ ہجراں میں

میں وہاں جاؤں وہ یاں آئیں میں یاں ہوں تو وہ واں
شوق دونوں کو ملاقات مقدر میں نہیں

تم جو کہتے ہو کہ غیر آپکو کیا کہتے ہیں؟
اپنی عادت سے ہیں لاچار بجا کہتے ہیں

قتل ہونے کو سمجھتے ہیں حیاتِ جاوید
آب شمشیر کو ہم آب بقا کہتے ہیں

ہم پئیں خون جگر غیر پئے ساغر مے
اِسے کیا کہتے ہیں ظالم اسے کیا کہتے ہیں

کن کے پالے مجھے ڈالا ہے خدایا تو نے
گھول کر زہر پلاتے ہیں دوا کہتے ہیں

پھر کہو گے کہ مرا دھیان نہیں اور طرف
آپ کیا سنتے ہیں ہم آپسے کیا کہتے ہیں

اے جذب عشق جان ہیں تجھپر فدا کروں
گر اُنکے دلمیں آئے کہ وعدہ وفا کروں

جستجو ہے مجھے اُسکی جسے پا بھی نسکوں
وہ تمنا ہے کہ جو دل سے مٹا بھی نسکوں

آدمی ہوں نہیں پتھر کا کلیجہ میرا
اسقدر تو نہ ستم کر کہ اُٹھا بھی نسکوں

زندہ ہوں مُردہ سے بدتر کہ بجز دوش صبا
میں در یار تلک آپ سے جا بھی نسکوں

دی ہے کس بت کی محبت یہ خدایا تو نے
وہ مجھے دل سے بھلا دے میں بھلا بھی نسکوں

حلقہ ہائے خم زنجیر محبت تیرے
پاؤں پڑ کر ہمیں لائے ہیں تو ہم آئے ہیں

ہمکو تو صبر جبھی آئیگا اے جذبۂ دل
وہ کہیں آئیں ہم اور ہم کہیں منظور نہیں

بجز شب عیش نہیں چارۂ دردِ ہجران
جز وصال اور علاجِ دلِ رنجور نہیں

وعدۂ وصل کرے کیوں وہ ستمگر کہ اُسے
دل کسی طرح سے رکھنا مرا منظور نہیں

دل مرا اُلفت میں سرتا پا تمنا بن گیا
رنجشیں غم کی بھریں جتنی سب ارماں ہوگئیں

جو جفائیں غیر پر کرنی اُنھیں منظور تھیں
وہ بھی قسمت سے ہمیں پر روزِ ہجراں ہوگئیں

چارہ گر نے جو مرے سینہ سے کھینچا پیکان
لختِ دل ساتھ نکل آئے لپٹ کر لاکھوں

ہنگامہ نہ کیوں ہو تری رفتار سے برپا
محشر جو خدا کو یونہی منظورِ نظر ہو

مرنے کی جو ٹھانونگا تو میں اُسپہ مرونگا
اے موت تجھے کیا نہ تُو آتا مرے سر ہو

بادہ نوشوں کو نہ رُلوا میکدے کو توڑ کر
کوئی دن رہنے دے زاہد کعبہ کی بنیاد کو

ہزار توبہ کروں اس کا کیا علاج کروں
جھکاؤں سجدے میں سر دلِ خم شراب ہیچ

روزِ محشر کی درازی اسقدر تھی مختصر
دیکھنے پائے نظر بھر کر نہ ہم دلدار کو

ہمسے بیتاب تمنا حشر میں گر جائینگے
ایک کی سُننے نہ دینگے داورِ داد ار کو

تو بلائے اُس سے مجھے خدا ہی آپکا تو کلام تھا
وہی اب ہیں آپ ہی حیا متقین یاد ہو کہ نہ یاد ہو

یاں نالے میں اثر ہے تو ہونیکا کچھ نہیں
واں اُنکے دلمیں غیر کی اُلفت ہوئی تو ہو

رہنے بھی دو یونہی مرے حالِ خراب کو
جینے دو کوئی دن کسی حسرت مآب کو

جیتا نہ پائے گر تو مجھے آ کے نامہ بر
پڑھیو بجائے فاتحہ خط کے جواب کو

لبوں تک آئے ہیں نالے وہ آ نہیں سکتے
اُنھیں کو راز کا پردہ نہو تو کیوں کر ہو

کہاں وہ شوخِ ستمگر کہاں مرا پہلو
سمجھ سے بات ہے باہر یہ ہو تو کیونکر ہو

تمھارے وعدے سے تسکین ہے گو وہ جھوٹے سہی
اگر نہ اتنا بھی تم دل رکھو تو کیونکر ہو

محبت اِسکو کہتے ہیں تری خاطر سے اے ظالم
اُٹھا لیتے ہیں ہم احسان سمجھکر ظلمِ دشمن کو

بتوں سے اب رہ و رسم پیام کیونکر ہو
خدا جو کام بگاڑے وہ کام کیونکر ہو

زمیں سے اُگتا وہاں لالہ زار کیوں نہ رہے
جہاں گڑیں ترے کشتے بہار کیوں نہ رہے

رہے جو پاس تو چشم اشکبار کیوں نہ رہے
بنے جو دلپہ تو جاں بقرار کیوں نہ رہے

جفا سہی تھی تو دشمن کے کیوں بنے دشمن
وہ چاہتے تھے تو تم دوستدار کیوں نہ رہے

مل گئے گر خاک میں تو کیا ہوا
بے نشانوں کی نشانی اَور ہے

ستم یہ ہے کہ وہ ہمپر تمام ہوتے ہیں
ستم جو چاہئیں دشمن کے امتحان کیلیے

آئینہ دیکھتے ہو تم مجھے ڈر رہتا ہے
اسکے پرتو سے کہیں رنگ نہ میلا ہو جائے

دامن اُس شوخ ستمگر کا نہ چھوڑونگا میں
آج جو ہو مری تقدیر کا ہونا ہو جائے

اے صبا خاک ہماری بھی وہانتک پہنچا
بے ٹھکانے ہیں ہمارا بھی ٹھکانا ہو جائے

دل ترا غیر پہ اے کاش کہ شیدا ہو جائے
میرا سا حال ہو میری سی تمنا ہو جائے

عشق وہ شے ہے کہ تاثیر اُسے ہو وے پہ ہو وے
ہوں میں ناپید تو اُلفت مری پیدا ہو جائے

جا چکے جان شبِ غم میں کہیں جائے عذاب
کام تیرا دلِ ناکامِ تمنا ہو جائے

دل جگر سینے میں بے آگ جلے جاتے ہیں
شوقِ نظارہ دمِ نزع بھی ہے یار مجھے
خاک ہو کر ترے کوچہ میں اُڑا پھرتا ہوں
گر یہی دل کی طپش ہے تو خدا خیر کرے
ناز بردارِ محبت کا نہ دل توڑنا تھا
کھوٹے داموں کوئی لیوے تو ہیں دیدیں تجھکو
پوچھے گر حال مرا داورِ محشر سو بار
دشمنِ جان تو اپنے تھے نہ بیگانے تھے
دستِ گل خوردہ خدا کو ہمیں دکھلانے تھے
ہائے اُسکی در و دیوار سے باتیں کرنی
شعلۂ آتش فشاں ہے برق ہی سیماب ہے
آئینہ دشمن کو دکھلاؤ کہ ہو غیرت سے غرق
آبدیدہ تر سر سے گزرنے کو ہی پانی
پہنچانے چلے وہ تو ہوا ساتھ زمانہ
گو آپ یہ کہویں کہ نہیں کچھ مجھے منظور
قرارِ وصل پہ منہ سے نہیں تو کی تونے
دم تو لیا جو ملک عدم کو پہنچ گئے
ہنستے ہوئے ہستی کے چمن سے نکل گئے
وحشت اسے کہتے ہیں پس از مرگ بھی ہیں
لختِ جگر اشک کی سنکر مرے تعریف
دیکھا نہ گیا چشم عدو پر تیرا دامن

پھونکے دیتی ہے مری آہ شرربار مجھے
مرنے دیتی ہی نہیں حسرتِ دیدار مجھے
اب بھی پھرتی ہے لیئے حسرتِ دیدار مجھے
رات کٹتی نظر آتی نہیں زنہار مجھے
ترک کرنا تھا جفا کو نہ کہ اے یار مجھے
کہ بہت تو نے ستایا ہے دلِ زار مجھے
تو بھی شکوہ نہ ترا مجھ سے ستمگر ہووے
دلِ بیتاب کو ٹکڑے مرے اُڑوانے تھے
ہاتھ خالی ہی تو دنیا سے نہ لیجانے تھے
ہمتو اپنے دلِ بیتاب کے دیوانے تھے
دیکھو تم لیلو کہ یہ بھی چیز اک نایاب ہے
تم نہ دیکھو اسکو اس میں قحط آدم آب ہے
میرا ہی ڈبونا تجھے منظورِ نظر ہے
ہنگامۂ محشر مرے ہنگام سفر ہے
وہ میری نظر میں ہے جو منظورِ نظر ہے
ہزار شکر کہ لائق تری نہیں کے ہوئے
چکر سے تیرے گردشِ دوراں نکل گئے
اچھا ہوا ہم رنج و محن سے نکل آئے
تار اپنے گریبانِ کفن سے نکل آئے
معدن سے گہر لعل یمن سے نکل آئے
منہ ڈھانک کے ہم اپنا کفن سے نکل آئے

آتے ہی آتے موت کے یہاں عمر ہو چکی | جو ہے سو میری جان کو غفلت شعار ہے
دل میرا دیکھنا کہ ترے رنج کے لیئے | مرنا رقیب کا بھی مجھے ناگوار ہے
پہنچا دیا مراد کو حسرت نے دید کی | آنکھوں کی راہ جانِ پُر ارمان نکل گئی
انساں کو لاکھ طرح کا ہو عیش ای حیا | پر دیکھئے تو شاکی تقدیر دیکھیئے
یہاں رنجِ ہجر تھا تو لحد میں ہے خوفِ حشر | ہم تو کسی طرح سے نہ چھوٹے عذاب سے
دیا فراق سدا وصلِ یار کے بدلے | لیئے فلک نے یہ کس روزگار کے بدلے
مرجائینگے پر عشق ہم اصلا نہ کرینگے | جیتے ہیں تو دلکا کبھی کہنا نہ کرینگے
لب تر کیا نہ آبلۂ پا نے خار کا | شرمندگی ہوئی مجھے صحرا کے سامنے
کافر ہوں گرچہ دل میں ہو جینے کی آرزو | ہم کیا کرینگے جا کے مسیحا کے سامنے
نگہ غور سے گر سینے میں دیکھے دل کو | کبھی لیلیٰ کے نہ مجنوں پسِ محمل آئے
ناتوانی کے سبب بیٹھتے اُٹھتے ہر بار | ہم ترے کوچہ میں ای یار بمشکل آئے
مژدہ اے ولولۂ جوشِ جنوں آئی مراد | کہ وہ میرے لیئے خود لیکے سلاسل آئے
شعلہ رُو گھر سے نکلتے نہیں از خود انکو | ہوسِ گرمیِ بازار لیئے پھرتی ہے

پڑے اس میں جو مشتِ خاکِ عاشق | تو دریا بوند بھر پانی کو ترسے
دیا آگے رقیبوں کے خط اُسکو | خدا سمجھے ہمارے نامہ بر سے
موت ہی چارہ سازِ فرقت ہے | رنج مرنے کا مجکو راحت ہے
ہدفِ تیر لوحِ تربت ہے | بعد مُردن بھی یہ عداوت ہے
ہو چکا وصل وقتِ رخصت ہے | آئے اجل جلد آ کہ فرصت ہے
روز کی داد کون دیوے گا | ظلم کرنا تمھاری عادت ہے
کارواں عمر کا ہے رخت بدوش | ہر نفس بانگِ کوسِ رحلت ہے
ہنا لیں اک پھانس سی کھٹکتی ہے | دم نکلتا نہیں مصیبت ہے

تم بھی اپنے حیا کو دیکھ آؤ	آج اسکی کچھ اور حالت ہے
ہزار جان سے صدقے ہزار دل سے فدا	ہم اپنے شوخ بت شرمگیں کے اوپر سے
یارب وہ دن دکھا کہ بمنت بلائیں وہ	اور ہم کہیں کہ شوخ ستمگر پھر آئیں گے
عیسیٰ نے پہلے کشتے ترے کون ہے جلائے	ناحق اب آسماں سے اتر کر پھر آئینگے
جاتے ہیں جو گھر اپنے وہ جاذب دل	تاثیر تجھ میں ہے تو پلٹ کر پھر آئینگے
یونہیں مٹانا ہی خوب شر کا و گرنہ دیکھے گا وہ زمانہ	چلیگی جو کچھ کہ روز محشر ہماری ہے تمسے تمھاری ہمسے
حیا کہو اب تابن چلن سے تم اپنے گھر خوش ہم اپنے گھر خوش	کہ دوستی ابتلک بھی بے شر ہماری ہے تمسے تمھاری ہمسے
بتجھے غرض پند کرنیسے کیا مگر یہ مطلب اس بہانے	اڑانے آیا ہے ناصحا تو بھی رسم الفت کے ڈھنگ ہمسے
مصیبتیں بھی سہی ہیں سب نے ہوئی ہے الفت میں سبکو راحت	الٰہی ہیں کس غضب اب ہیں کہ فرصت اکدم نہیں ہے غم سے
حیا کی جان جگر پہ کسنے نہ ظلم توڑا تری گلی میں	کسی سے بولا نہ مرتے مرتے وہ تنہا ہی کچھ خوب اپنے دم سے
چشم حسرت سے عدو کیا سر بسر دیکھا کیے	دیر تک زخم جگر کو چارہ گر دیکھا کیے
اک سہارا وعدۂ امروز و فردا کا رہا	ہم تو یوں ہی جذبۂ دل کا اثر دیکھا کیے
غیر و نیہ لطف کر کے نہ ہر دم دکھا مجھے	کھوتا ہے اپنے ہاتھ سے کیوں دلربا مجھے
دیتا ہے امتحان محبت مزا مجھے	جی چاہے جب تلک ترا تو آزما مجھے
شوق وصال یار نہ ہر دم دلا مجھے	جینے دے کوئی دن فلک فتنہ زا مجھے
میں جانتا تھا یہ کہ مرے ساتھ ہی یہ وضع	حال رقیب دیکھ کے صبر آگیا مجھے
لوٹا کروں میں بستر ہجراں پہ تابکے	اے چرخ اس سے خاک ہی میں دے ملا مجھے
دل حیرت زدہ چھپکا ہے ہمارا کیا آنکھ	چشم آئینہ میں خواب آئے یہ کیا ممکن ہے
آتے اسے دیکھا تو اک آفت نظر آئی	مرنے بھی نہ پائے کہ قیامت نظر آئی
وہ بت نمک افشان جو ہوا سینہ پہ میرے	زخموں کی جراحت مجھے راحت نظر آئی
اس بت کی تہ تیغ جو ہیں سر کو جھکایا	جنت مجھے ہنگام شہادت نظر آئی

کون یہ ساتھ تمہارے ہے کہاں جاتے ہو * پھر یہ کہنا کہ نہیں تمنے کہیں دیکھا ہے

[illegible]

تم بھی اپنے حیا کو دیکھ آؤ	آج اسکی کچھ اور حالت ہے
ہزار جان سے صدقے ہزار دل سے فدا	ہم اپنے شوخ بتِ شرمگیں کے اوپر سے
یارب وہ دن دکھا کہ منت بلائیں وہ	اور ہم کہیں کہ شوخ ستمگر پھر آئیں گے
عیسیٰ نے پہلے کشتے ترے کون سے جلائے	ناحق اب آسماں سے اتر کر پھر آئینگے
جاں دیدے جاتے ہیں جو گھر اپنے وہ جذبِ دل	تاثیر تجھ میں ہے تو پلٹ کر پھر آئینگے
یونہیں مٹانا ہی خوب شر کا وگرنہ دیکھے گا واں زمانہ	چلیگی جو کچھ کہ روزِ محشر ہماری تمسے تمہاری ہمسے
حیا کہو اب تلک بن جیسے تم اپنے گھر خوش ہم اپنے گھر خوش	کہ دوستی اب تلک بھی بے شر ہماری تمسے تمہاری ہمسے
تجھے غرض پند کرنیسے کیا مگر یہ مطلب اس بہانے	اٹھانے آیا ہے ناصحا تو بھی رسمِ الفت کے ڈھنگ ہمسے
مصیبتیں بھی سہی ہیں سب نے ہوئی ہے الفت میں سبکو آخر	الٰہی میں کس غضب میں ہیں کہ فرصت اک دم نہیں ہے غم سے
حیا کی جان جگر پہ کسنے نہ ظلم توڑا تری گلی میں	کسی سے بولا نہ مرتے مرتے وہ تھا بھی کچھ خوب اپنے دم کا
چشمِ حسرت سے عدو کیا سر بسر دیکھا کیے	دیر تک زخمِ جگر کو چارہ گر دیکھا کیے
اک سہارا وعدۂ امروز و فردا کا رہا	ہم تو یوں ہی جذبۂ دل کا اثر دیکھا کیے
غیروں پہ لطف کر کے نہ ہر دم دکھا مجھے	کھوتا ہے اپنے ہاتھ سے کیوں دلربا مجھے
دیتا ہے امتحانِ محبت مزا مجھے	جی چاہے جب تلک ترا تو آزما مجھے
شوقِ وصالِ یار نہ ہر دم دلا مجھے	جینے دے کوئی دن فلکِ فتنہ زا مجھے
میں جانتا تھا یہ کہ مرے ساتھ ہی یہ وضع	حالِ رقیب دیکھ کے صبر آگیا مجھے
لوٹا کروں میں بسترِ ہجراں پہ تا بکے	اے چرخ اس سے خاک ہی میں دے ملا مجھے
دلِ حیرت زدہ جھپکائے ہمارا کیا آنکھ	چشمِ آئینہ میں خواب آئے یہ کیا ممکن ہے
آتے اسے دیکھا تو اک آفت نظر آئی	مرنے بھی نہ پائے کہ قیامت نظر آئی
وہ بت نمک افشاں جو ہوا سینہ پہ میرے	زخموں کی جراحت مجھے راحت نظر آئی
اس بت کی تہِ تیغ جو میں سر کو جھکایا	جنت مجھے ہنگامِ شہادت نظر آئی

رہتے ہو کہاں ہمکو تو بتلاؤ حیا تم
سنوائی ہمدموں نے تو لیکن بوقت نزع
اے چرخ اور بھی تو ہیں عاشق جہان ہیں
دکھلاتے پھرتے ہیں وہ زمانہ کو میری لاش
اب جان پر ملال کے لالے ہیں اے حیا
قسم کھاتا ہوں ہیں تمکو محبت ہی رقیبوں سے
ہنگام نزع دیتے ہیں تسکیں عبث رفیق
مڑ مڑکے دیکھتے ہیں وہ حسرت سے اپنی چال
اُلٹی چھری سے ایک تو کاٹا گلا مرا
توبہ دھری رہے جو وہ آبیٹھے اسے حیا
حالت نہ کیوں ہو غیر دل بے قرار کی
اب کیا دھرا ہے سینے کو تیغ نگاہ یار
اللہ رے سوزشیں نفس شعلہ بار کی
اے چرخ ابھی ملا نہ مری خاک خاک میں
رہ رہ کے دشت گردی کی آتی ہے جی میں لہر
کس کس سے روز حشر کو دامن چھڑائے گے
ناکام تمنا ہوں مری آس نہ توڑو
اُلفت اسے کہتے ہیں کہ آپے میں نہیں تم
وعدہ کیا ہے ایکدن آنیکا یار نے
کیا جانے روز حشر کو کھلتی نہ کھلتی آنکھ
رہا نہ داغ سے خالی کبھی ہمارا جگر

مدت میں ہے آج آپکی صورت نظر آئی
اور ہم یہ دل میں سمجھے کہ خط کا جواب ہے
یا کچھ ہمارے جی کا جلانا ثواب ہے
کیسا گلی گلی مرا مُردہ خراب ہے
کہتے نہ تھے کہ دل کا لگانا عذاب ہے
نگاہ شرمگیں رمز بہا کہے دیتی ہی چاہت کی
اب وہ کب آئے کب مرے عقدہ کشا ہوئے
اپنے خرام ناز پہ آپھی فدا ہوئے
تڑپا جو میں تو اور وہ اُلٹے خفا ہوئے
ہے کسکو اعتبار کہ تم پارسا ہوئے
آنکھوں کے آگے پھرتی ہے تصویر یار کی
اک جان تھی سو پہلے ہی تجھ پر نثار کی
پھونکیں ہیں ہڈیاں مرے جسم نزار کی
کھا لینے دے ہوا کوئی دن کوئے یار کی
بے چین کرتی ہیں مجھے موجیں بہار کی
بی بی ہیں تمھارے نازنے جانیں ہزار کی
ٹھیرو کہ کوئی دم کے دم اور آہ و فغاں ہے
بیٹھے مرے پہلو میں ہو دشمن کا بیاں ہے
دو بھر نہیں ہیں اب ہمیں برسوں گزارنے
اچھا ہوا اڑادی جو نیند انتظار نے
چراغ عشق کا جلتا رہا سدا ہم سے

بوں پہ جان ہے اسپر یہ کہہ نہیں سکتے | کہ اب سہا نہیں جاتا ستم ترا ہمسے
جیئے تو ہم شبِ فرقت میں پر بُرے احوال | بنی یہ شکل کہ ڈرنے لگی قضا ہم سے
محبت اب نہیں کرنیکے چرخ جانے دے | کہ آدمی ہی تو تھے ہوگئی خطا ہم سے
حیا بتوں کو ہم ایمان تک تو دے بیٹھے | رہا وہ کیا کہ جو راضی رہے خدا ہمسے

دُنیا نہیں کہ جامے سے باہر نکل پڑے | مشکل پڑے گی حشر میں گر ہم مچل پڑے
یوں سینے کو ستم ترے سہتے ہیں غیر پر | میری طرح سہیں تو کلیجہ نکل پڑے
وہ آنکھ کیا جو روئے ہر اک بت کیواسطے | کس کام کا وہ دل کہ ہر اک جا پھسل پڑے

انتخاب از دیوانِ دوم مرزا حیا دہلوی غیر مطبوعہ

یہ جمال گر نہ ہوتا تو یہ بات بھی نہ ہوتی | کہ پرائے دل پہ ظالم تجھے اختیار ہوتا

حشر کچھ دنیا نہیں جو ظلم وہاں ہو جائیگا | ہم بھی ہونگے تم بھی ہوگے سب عیاں ہوجائیگا
سنتے ہیں موقوف ہونے کو ہے کعبہ کا سفر | سنگِ اسود اُس کا سنگِ آستاں ہوجائیگا
یہاں تو یہ بھی تھا جفا کی چلدیا گھر چھپ رہا | عرصۂ محشر میں ظالم گم کہاں ہوجائیگا
ہم بتادیں غیر کے ملنے کی تدبیر آپ کو | گر پڑو پاؤں پہ جاکر مہرباں ہوجائیگا
وکھے ارمان جان کے ہمراہ لیجائے اجل | یہ اگر رہ جائینگے مُردہ گراں ہوجائیگا
جسنے کاٹا ہے گلا محشر میں کہہ یگا وہی | یہ جو خنجر ہے ترا تیری زباں ہوجائیگا
آنکھوں آنکھوں میں اشارے حشر میں ہوجائینگے | دل ہی دلمیں سب حسابِ دوستاں ہوجائیگا
دل تو اندھا ہوگیا ہے اُسکی اُلفت میں حیا | اِسکی باتوں میں نہ آجی کا زیاں ہوجائیگا

مجھے بھی قیس جانا ہے جنونِ عشق نے شاید | زباں پر نام تو لائے مرے چاکِ گریباں کا
ہماری سخت جانی نے یہ صورت کی دمِ کشتن | کہ دانتے پڑ گئے منہ پھر گیا شمشیرِ براں کا
اسیرانِ محبت کی الٰہی خیر تو کیجو | کہ بیوقت آج اُس ظالم نے کھولا قفل زنداں کا
وہ اپنی جنبشِ ابرو پہ اب افسوس کرتے ہیں | سمجھنے والا ٹکڑے ہوگیا اس رمزِ پنہاں کا

مرا رازِ دل نجاتا کبھی گوشِ آسماں تک جو نہ میں دل سے باتیں کرتا نہ یہ آشکار ہوتا

محبت میں عدو کی کچھ نہیں ہوش اے حیا انکو
بیان کرتے ہیں وہ ہم سے شب عشرت کے ساماں کا

دل ہی سے ہے کا ٹکڑا میں زباں اپنی بھیجدوں
پیغامبر سے حال سُنایا نہ جائے گا

کیا مانگتے ہو سینے میں کیا ہے دھرا ہوا
اک داغ ہے سو وہ بھی تمھارا دیا ہوا

اُلٹی کہتے ہیں اسے ساتھ اِسے کہتے ہیں
دم ہمارا ترے پیکاں کے برابر نکلا

جب نالہ کھینچا آگ سی سینہ میں لگ گئی
جب آہ کی دھواں سا دہن سے نکل گیا

اپنے شکستِ عہد کا کچھ بھی نہیں خیال
ہم پر ستم جو شکوہ دہن سے نکل گیا

سینہ میں آج از سرِ نو پھر خراش ہے
شاید کہ تیر زخم کُہن سے نکل گیا

اقرارِ وصل کیسا وہ انکار کر چکے
جو دل میں تھا وہ اُنکے دہن سے نکل گیا

برچھیاں دل میں لگاتی ہیں نگاہیں نیچی
دیکھئے اُٹھے جو اندازِ نظر کیا ہوگا

لاگ وہ آگ نہیں ہے کہ بجھائے سے بجھے
عشق وہ شعلہ نہیں ہے کہ جو پنہاں ہوگا

وہ جفا کیش خبر بھی نہ ہوا اور ہم نے
جان دی تھی یہ سمجھکر کہ پشیماں ہوگا

شیطان کو پیر جان کے بیعت کی شیخ نے
مرشد وہ تھے کہ لیگئے ایمان مرید کا

اب کوئی دم کی ہے مہمان مری ناکامی
مژدہ اے شوقِ شہادت کہ وہ جلاد آیا

اے حیا ہم تو نہ محشر میں بھی منھ سے بولے
پاسِ رسوائی قاتل دمِ فریاد آیا

کیا ہوا اگر وصالِ یار ہوا
زیست کی طرح مستعار ہوا
وصل سے اور بڑھ گئی حسرت
صبر آیا تو بے قرار ہوا

ملتے ہیں وہ کیا کیا کفِ افسوس مرے بعد
ناپید بھی ایسا ہوں کہ پیدا نہیں ہوتا

دل وصل کا جویا ہے تو نظارہ کی آنکھیں
کس کس کا حیا مجھ پہ تقاضا نہیں ہوتا

جب وصل کا خیال کیا ہوگیا وصال
جب آنکھ ہمنے بند کی دیدار ہوگیا

تھے اک نگاہ میں مرے عقدے تمام حل
اتنا سا کام آپ کو دشوار ہوگیا

اللہ رے درازیٔ افسانہائے غم
محشر بھی ہو چکا مرا قصہ نہ ہو چکا

ہاتھ سینے پہ رہا بعدِ فنا بھی تا حشر
گور میں بھی دلِ بیتاب سے ہشیار رہا

کر لیا وعدۂ وصل اور ملائی نہ نگاہ
دل سے اقرار رہا آنکھ سے انکار رہا

یہ بات کیا ہے اجو ہر بات پر بگڑتے ہو
یہ شیوہ کیا ہے کہ جو تم نے اختیار کیا

نہ ہو قتل کا حشر میں کوئی شاہد
مگر ہم نہ چھوڑینگے دامن کسیکا

کہاں تھی سرِ طور برقِ تجلّی
وہ تھا سایۂ روئے روشن کسیکا

آج تو خاتمہ ہے کیوں مجھے دم دیتے ہو
ہو چکا حشر تو پھر وعدۂ فردا کیسا

ہم بھی ہنگامۂ محشر میں دہائی دینگے
تم بھی دیکھوگے کہ ہوتا ہے تماشا کیسا

نہ موت ہجر میں آئی نہ مجکو خواب آیا
یہ کس عذاب میں ہوں میں یہ کیا عذاب آیا

آنسو نہ پوچھنے کوئی غمخوار آئے گا
پھر کام آئے گا تو دلِ زار آئیگا

کس کس کے منہ پہ حشر میں رکھتے پھروگے ہاتھ
ہر شخص وا کئے لبِ اظہار آئیگا

دیکھینگے کیا تو حشر میں اور کیا کہینگے ہم
اُس دن کی کیا خوشی کہ جو اک بار آئیگا

جاگے ہوئے فراق کے چونکینگے حشر کو
جو آئیگا وہ نیند میں سرشار آئیگا

اتنے پڑینگے ہاتھ گریباں میں حشر کو
ہر غمزدہ کے حصہ میں اک تار آئیگا

بتخانہ وہ مقامِ عبادت ہے زاہدا
تو بھی گلے میں ڈالکے زنّار آئیگا

روزِ جزا ہے آج تو ظالم نہ چوکیو
ہاتھ آئے حیا نہ وقت یہ زنہار آئیگا

شامِ شبِ فراق مجھے موت آگئی
اچھا ہوا کہ ہونے نہ پائی تمام رات

خاک آسمان کی آنکھوں میں ڈالی غضب کیا
پہنچا گلی میں اسکی ہمارا غبار آج

ساتھ ہی دل کے جگر بھی کر ہدف
اور اک ترکش سے ظالم تیر کھینچ

ہے یہ خلالِ سبز جو واعظ کے ہاتھ میں
اک یہ بھی ہے حیا شجرِ مکر و فن کی شاخ

خواب میں رات وہ گیسو نظر آئے تھے حیا
صبح اٹھتے ہی مرے سامنے آئی زنجیر

کہاں بندۂ حسن اے حیا خدا لگی بھی کبھی کہا کرو
کہاں خدا اور کہاں وہ کافر خدا خدا کرو خدا خدا کرو

ملے ہم جو دوزخ میں جا کر بتوں سے
تو زاہد ہوا خاک جنت میں جل کر

کون کہتا ہے کہ تم گھر سے نہ نکلو باہر
ہم تو کہتے ہیں کہیں جاؤ مگر یاں ہو کر

یہ میدانِ محشر ہے دنیا نہیں ہے
کہ جھگڑے اٹھا دوگے گھر سے نکل کر

ادا سے جان لیتے ہیں اجل کا کام کرتے ہیں
وہ اپنے سر کی یہ تہمت پرائے سر پہ دھرتے ہیں

وحشت کے ہاتھ ٹوٹیں جب دلکو چین آئے
سو چاک ہیں جگر میں سو چاک پیرہن میں

دریائے غم کی لہریں ای دل بُری بلا ہیں
رکھنا قدم سنبھل کر اس بحرِ موجزن میں

ہم سے زنداں میں عدو کو نہیں دیکھا جاتا
اُسکو گر قید کیا ہے ہمیں آزاد کریں

جان و دل کر چکے پہلے ہی فدا اُس پہ حیا
اب دھرا کیا ہے جو ہم خاطرِ صیاد کریں

یارب مرے لیئے تو قیامت ہو چند بار
یعنی مرا بیانِ ستم مختصر نہیں

شبِ غم کچھ تو یہ حالت ہے کہ سب گریاں ہیں
منہ مرا دمبدم اربابِ وطن دیکھتے ہیں

بولتے منہ سے نہ کچھ یار کے منہ کو تکتے
آئینہ بھی تو خدا نے نہ بنایا ہمکو

اک بات پوچھتا ہوں اگر تم خفا نہ ہو
انسان کیا جو وعدہ کرے اور وفا نہ ہو

سو بار حشر ہو مرا جھگڑا ادا نہ ہو
سو بار فیصلہ ہو مگر فیصلہ نہ ہو

تم آؤ تو سہی مجھے صبر آ ہی جائیگا
ممکن نہیں مرض کی دوا ہو شفا نہ ہو

ضرب المثل ہے ہوتے ہیں معشوق بیوفا
یہ کچھ تمھارا ذکر نہیں ہے خفا نہ ہو

حور بنکر مرے لینے کو قضا آتی ہے
نفسِ سرد سے جنت کی ہوا آتی ہے

آج ہی دل کی نکالو حسرت
کل تو سنتے ہیں قیامت ہوگی

بالیں سے ساری رات نہ جانے دیا اُسے
صد آفریں ہے ای نفسِ واپسیں تجھے

کہیے کہ بازپرس قیامت میں کس سے ہے
اب کون آنکھ نیچے کیئے شرمسار ہے

ٹھنڈے سانسوں نے بھی نہ کی تاثیر
کم مری سوزشِ جگر نہ ہوئی

کون رویا نہ میری میت پر
لیکن اُس بت کی چشم تر نہ ہوئی

علاج اس کا نہ ہوگا چارہ گر سے
نہ سینہ چاک ہے میرا نہ پہلو

رلا ہے چاک دل چاک جگر سے
نگاہیں لگ گئیں دلکو کدھر سے

جاتے ہی جائیگی تنہائی ہجر اس سے * صبر آئیگا تو آئیگا مگر مشکل سے

اُسکے کوچے میں سما نا مری تقدیر میں تھا
صدمۂ ہجر سے گو جانِ حزیں بیٹھ گئی
آج کل موت کو جانا کہیں پڑتا ہی نہیں
جان پر کھیل کے ارمان نکالا دل کا
ابھی وہ کئے ہیں دلکو قلق ابھی سے ہے

ورنہ کیا بوجھ تھا مجھ میں کہ زمین بیٹھ گئی
دل سلامت رہے ہمت تو نہیں بیٹھ گئی
آئی اور کوچۂ قاتل کے قریں بیٹھ گئی
آج ہم خنجرِ قاتل کے گلے سے مل آئے
ابھی گئے بھی نہیں رنگ فق ابھی سے ہے

ہمارے نامۂ اعمال کی یہ صورت ہے * سیاہ دونوں طرف سے ورق ابھی سے ہے

داغ سینے کے آبلے دل کے
ایسے ہوتے ہیں ولولے دل کے
داغ سینے کے دل کے سو کھ گئے
رفتہ رفتہ عدم کو پہنچیں گے
دوست کیسے قضا وہ آکے پھری
ہو لیا ساتھ اس ستمگر کے
جگر پر کبھی ہاتھ دل پر کبھی
نگاہِ وفا کا کسے اعتبار
دمِ قتل دیکھی جو حسرت مری
محبت میں وعدے سے پھرتے نہیں
محبت بلا جی کی ہو جائے گی

آنکھ سے آنکھ رہ گئی مل کے * دل میں ارمان رہ گئے دل کے *

پکے پھوڑے ہوئے ہیں چھل چھل کے
کیسے ٹکڑے کئے سلاسل کے
پھول پژمردہ ہوگئے کھل کے
سب مسافر ہیں ایک منزل کے
کوئی آیا نہ وقت مشکل کے
دل نے مارا مجھے حیا مل کے
یونہی پیٹتے عمر بھر ہو گئی
جدھر تم نے دیکھا ادھر ہو گئی
تو قاتل کی بھی چشم تر ہو گئی
ہوئی بات جو فتنہ گر ہو گئی
حیا گر فلک کو خبر ہو گئی

حیات

حیات۔ مولوی محمد حیات خان ولد سید احمد خان رامپور کے رہنے والے پڑھے لکھے آدمی تھے۔ فن سخن میں ملک الشعراء خاقانی ہند ذوق دہلوی کے شاگرد تھے۔ اکثر نعتیہ کہتے تھے۔ فارسی میں بھی شعر کہنے کا شوق تھا سنہ ۱۲۸۷ھ میں انتقال

کیا۔ تین شعر درج ذیل ہیں۔

دیا ہے خلعتِ نور اُس کو حق نے	نچھوڑا جس نے دامانِ محمدؐ
مجھکو اُس چاند کے تصور نے	شب دیجور میں دکھایا چاند
جو نکہت اُس گلِ رعنا کے پیرہن میں ہے	نہ نسترن میں نہ گل میں نہ یاسمن میں ہے

حیدر

حیدر۔ نواب علی حیدر خان صاحب حیدر بریلوی شاگرد حضرت عبدالقادر خان صاحب وحشی رامپوری۔ زیادہ حالات معلوم نہیں۔ دو شعر بطور نمونۂ کلام درج ذیل ہیں ؎

کثرتِ عشاق کا احوال کیا کیجے بیان	کوئے جاناں پر گماں ہے مصر کے بازار کا
محتسب بھی مست ہو کر توڑتا ہے جام مے	شیخ جی! دیکھا اثر یہ خانۂ خمار کا

حیدر

حیدر۔ میر حیدر علی خان لاہوری حضرت محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی اولاد میں تھے۔ عیش و آرام سے زندگی بسر کرتے تھے۔ بسا اوقات دہلی میں بھی رہا کرتے تھے۔ ایک مدت شاہزادۂ شگفتہ بخت کے ساتھ بنارس میں مقیم رہے۔ زیادہ حال معلوم نہیں طبقہ دوم کے آخر شعرا میں تھے۔ یہ اُن کے اشعار ہیں۔

یہ رتبہ رفتہ رفتہ عشق نے پہنچا دیا اپنا	کہ رونے پر مرے اب چاک ہنستا ہے گریباں کا
ارادہ ہے بیڈھب کچھ اس چشمِ تر کا	خدا حافظ آج اپنے دیوار و در کا
لے سنگِ وحشت مجھ پر ہر خاص و عام نکلا	بارے جنوں کی دولت اپنا تو کام نکلا
دل سلامت رہے پھر ہمکو ہیں دلدار بہت	جب ہوئی جنس بکاؤ تو خریدار بہت

حیدر

حیدر۔ دلیر الدولہ محمد علیخاں فیروز جنگ بہادر نیشاپوری۔ معروف بہ مرزا حیدر خلف نواب رستم الملک مرزا محمد تقی خان ترقی۔ باشندۂ فیض آباد مقیم لکھنؤ۔ محمد رضا برق کے شاگرد تھے۔ بڑے ذی علم۔ ذکی۔ فہیم۔ اور نکتہ نواز فیاض رئیس تھے۔ شعرا اور دیگر باکمالوں کے بڑے قدردان تھے۔ لطف النسا بیگم جنہیں نواب دلہن بیگم

صاحبہ اور آصف الدولہ نے بیٹی بنا لیا تھا ان سے منسوب تھیں۔ آنکی اولاد لکھنؤ میں اب تک موجود ہے اور بیش قرار وثیقہ پاتی ہے ۱۲۶۷ھ میں انتقال کیا۔ شعر و شاعری کا بہت شوق تھا۔ مرزا اعلیٰ جاہ اور مرزا والا جاہ انکے صاحبزادے تھے نواب مہدی حسین خاں آغا ابو صاحب مرزا اعلیٰ جاہ کے لڑکے ہیں۔ چند اشعار انکے انتخاباً درج ذیل کیے ہیں +

اُسے بچپن ہی میں ہی کہتے تھے یوں ہم شادماں ہوکر	کہ یہ اک آفت جانِ جہاں ہوگا جوان ہوکر
جگہ دی چشم و دل میں آپ کو ہمنے نہ یہ سمجھے	کہ مالک آپ بن بیٹھیں گے گھر میں میہماں ہوکر
سخاوت دشت گردی میں قدم کے ساتھ ہے اپنے	ہوا خاروں کو خلعت اپنا دامن دھجیاں ہوکر
نہ ہوتا تو کبھی گر برق کا شاگرد اے حیدر	جلاتا دشمنوں کو کس طرح آتش زباں ہوکر
کبھی میخانے میں جاتے ہیں کبھی کعبے میں	مل ہی جائیگا ترے گھر کا پتہ ایک نہ ایک
وہ یہ کہتا ہے کہ ہے پاس تمہارے دل دو	دو تم ان دو میں سے ہمکو بھی بھلا ایک نہ ایک
ایک سے اشک گرے دوسری میں بھر آئے	چشم کا جام رہا اپنے بھرا ایک نہ ایک
لاکھوں بسمل ترے کوچے میں تڑپتے ہیں مگر	سر بکف اسپہ بھی آتا ہے نیا ایک نہ ایک
قیس و فرہاد پہ کیا عشق ہوا اور دنیا ہو	اب بھی کر جاتا ہے یاں نام وفا ایک نہ ایک

حیدر۔ میرزا حیدر شکوہ حیدر گورگانی۔ نبیرۂ مرزا سلیمان شکوہ۔ خلف شاہ عالم ثانی غدر سے آٹھ دس سال پیشتر اپنے بھائی مرزا نور الدین شاہی کے ہمراہ لکھنؤ سے دہلی آئے تھے۔ حضرت بہادر شاہ کے مزاج میں بہت دخل کر لیا تھا۔ انھیں کی تحریک و صحبت سے بادشاہ کے خیالات شیعہ مذہب کی طرف رجوع ہو گئے تھے کچھ عرصہ قیام کے بعد لکھنؤ چلے گئے۔ فن سخن سے رغبت تھی۔ چند شعر نظر سے گزرے ان میں سے ایک شعر انتخاب کرکے درج کیا جاتا ہے +

ناز سے جب وہ چلتے ہیں پازیب سے آتی ہے یہ صدا	کافر ہیں جو انکو جو انکارِ قیامت رکھتے ہیں

حیدر۔ آغا سید برہان الدین حیدر خان حیدر نبیرۂ صمصام الدولہ سید علی نقی خان

حیدر

حیدر

نیشاپوری۔ بعد انتزاع سلطنت اودھ نواب کلب علیخان والئی رامپور کی مصاحبت میں داخل ہو گئے تھے۔ منیر شکوہ آبادی سے تلمذ تھا۔ ۱۲۹۰ھ میں ۲۵ برس کی عمر تھی انکے بیٹے نتھے آغا جمیل تخلص کرتے تھے۔ یہ انکا کلام ہے:

اب سمجھے ہم کہ ہجر ہی کا نام تھا اجل	چھٹتے چھٹتے تو تفرقۂ جان و تن ہوا
شکر ہے ظاہر و باطن میں نہ کچھ فرق رہا	ہو گیا چاک گریباں بھی جگر کی صورت
ہم بھی تو ہیں سر ہاتھ پہ رکھے ہوئے حیدر	کیا ڈر ہے جو سیدھی نہیں قاتل کی نظر آج
گریاں رہے کل تک دل گم گشتہ کی خاطر	کیا چاک کو روئیں گے مرے دیدۂ تر آج
کس طرح رہا یاد ہمنیں خانۂ عاشق	لے جان جہاں بھول کے آئے ہو کدھر آج
دوستی داغ سے جگر کو ہے	درد سے دل نے آشنائی کی

حیدر۔ عالیجناب نواب حیدر علیخاں بہادر خلف اصغر نواب یوسف علیخاں بہادر والئی رامپور۔ آپ سنہ ۱۲۶۳ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ نواب فردوس مکان نے نہایت توجہ سے جملہ علوم و فنون انھیں تعلیم کرائے بیس برس کی عمر تھی کہ سایۂ پدری سر سے اُٹھ گیا اور انکے بڑے بھائی نواب کلب علیخاں مسند نشین ہوئے۔ تھوڑے ہی دنوں میں اُن سے ناچاقی ہو گئی اور مخاصمت اس حد کو پہنچی کہ انھیں ریاست چھوڑنی پڑی۔ مدتوں کلکتے مرشد آباد دکن مختلف مقامات میں پھرتے رہے۔ بالآخر بعض اعلیٰ حکام کی وساطت سے نواب کلب علیخاں سے مصالحت ہو گئی اور ریاست میں چلے آئے۔ پھر چند سال بعد ضلع بدایوں میں ایک وسیع قطعۂ اراضی خرید کر (جسکا بلسی نام ہے) اُسے اپنا قیامگاہ بنایا اور تادم آخر وہیں رہے۔ علمی استعداد نہایت معقول تھی۔ نظم و نثر دونوں میں اچھا ملکہ حاصل تھا۔ جادۂ تسخیر نام افسانہ آپ ہی کی تصنیف سے ہے۔ فن سخن میں آپ زکی کے شاگرد تھے اور فی الجملہ نہایت طبیعت دار و ہیں رئیس تھے۔ انکی تصانیف میں خیالی بندش کی نفاست۔ اور زبان کی صفائی کے علاوہ بیان کا طریقہ نہایت دلکش اور موثر

ہے۔ آپنے سنہ ۱۹۰۲ء میں بعمر ۸۰ سال انتقال فرمایا۔ ۴ وہ صاحبزادے یادگار چھوڑے
خلف اکبر چھمن صاحب راقم کے ملاقاتی ہیں۔ افسوس کہ صرف چند شعر ملے حاضر کیے جاتے ہیں

بامزہ زیست کا قسمت میں جو ساماں ہوتا	درد ہی ہر رگ و پے میں عوضِ جاں ہوتا
سادے انداز پہ قاتل کے ہیں کتنے مرتے	کیسی ٹھیرینگی اگر ہاتھ میں خنجر آیا
ہو نزاکت آنکھ سے دیکھی نہ کانوں سے سنی	دل میں آسکتے نہیں آنکھوں میں پھر سکتے نہیں
ذرا انصاف کر یہ شرم ہے او بیوفا کیسی	پھرا آنکھوں میں جب تو بے تکلف پھر حیا کیسی
ظلم سہنا اسقدر اچھا نہ تھا	ہمنے خود عادت بگاڑی آپکی
تھی مقدر میں اگر گردشِ افلاک ہی تھی	اُسکے کوچے میں بھی اک روز رسائی ہوتی

قصیدہ در تعلی خود

اللہ نے بخشی ہے زباں کو مری تاثیر	الہام کے مضمون ہیں اعجاز کی تقریر
میں طوطی شکر شکن ہند ہوں گویا	ہے بلبلِ شیراز کو واجب مری توقیر
سلطانِ فصاحت ہوں شہنشاہِ بلاغت	باتیں مری جوہر ہیں زباں ہے مری شمشیر
ہمنام ہوں اُس کا جو ہے اژدر کا درندہ	گردوں کو ہلاتی ہے مرے نام کی تاثیر

حیدر

حیدر۔ منشی حیدر علی مرحوم خلفِ منشی غلام نبی مرحوم بن اسد خان مرحوم جو ولندیزوں کے عہد میں دہلی سے ہوگلی آئے تھے اور پھر وہیں سکونت اختیار کر لی تھی۔ بڑے ظریف آدمی تھے۔ فنِ سخن سے طبیعت کو لگاؤ تھا۔ سنہ ۱۲۷۵ھ سے پیشتر انتقال کر چکے تھے۔ یہ اُنکے اشعار ہیں +

کھڑا ہو کر مری بالیں پہ وہ رخصت جو ہوتا ہے	نظر آتا ہے حیدر نزع میں جلوہ قیامت کا
حالِ دل گر کہوں تو کہتا ہے	شوق مجکو نہیں کہانی کا
سست پیری میں کیوں ہوا حیدر	کیا ہوا ولولہ جوانی کا
سنگ ہاتھوں میں لیے ہیں ساتھ طفلانِ حسیں	میں وہ دیوانہ ہوں پریوں کا اکھاڑا ساتھ ہے

ایک بوسے کے لیئے اتنا بگڑتا ہے کوئی	تو ہی منصف ہو بھلا انصاف تیرے ہاتھ ہے

حیدر - جناب نواب حیدر علیخان صاحب بہادر رئیس قلعہ شاہجہانپور - آپکو حضرت جلال لکھنوی سے تلمذ رہا ہے - زیادہ حالات معلوم نہیں نمونہ کلام درج ذیل ہے -

یہ درپردہ ہے چست محرم کی خواہش	کہ سانچے میں ڈھلجائے جوبن کسیکا
ارادہ ہے یہ خونِ ناحق کا اپنے	نہ چھوڑوں گا تا حشر دامن کسیکا
کوئی چٹکی ہی سے کلیجے میں	یونہی پھوٹیں کچھ آبلے دل کے
اُسے کیونکر میں دیکھوں بے تکلف	نظر کا ڈر ہے اپنی بھی نظر سے
راہ کب دیکھتے ہیں جان سے جانیوالے	یار تو چلدیئے آتے رہیں آنے والے
امتحاں اور کا لو ہم نہیں ڈرنے والے	تم نے شاید ابھی دیکھے نہیں مرنیوالے
ہوش گم کرکے نہ گھبرائے ذرا جلوۂ یار	آہی جاوینگے کبھی آپ میں آنیوالے
دل کو ہم تھام لیں مضبوط جگر کو کرلیں	ہاتھ روکے ہوئے او پردہ اُٹھانیوالے
ایک الزام مجسم ہیں تمھارے بیمار	لیئے مرتے ہیں مسیحا کو بھی مرنے والے

حیدر - جناب شیخ حیدر فقیر صاحب ساکن پارولہ - آپکے حالات کچھ معلوم نہیں نمونہ کلام ملاحظہ کیجیے

عطا و فیض کا یارب ترے حساب نہیں	وہ کون ہے جو زمانے میں فیضیاب نہیں
یہاں تو وصل کا یہ شوق ہے کہ تاب نہیں	سوا "نہیں" کے وہاں اور کچھ جواب نہیں
نہ توڑ سخت کلامی سے محتسب اِس کو	یہ میکشوں کا ہے دل شیشۂ شراب نہیں
ہزاروں پھرتے ہیں دیر و حرم میں آوارہ	ہمیں کچھ ایک رہِ عشق میں خراب نہیں
عرق آگیا ہے جو بلبل کو رحم کر صیاد	چھڑک دے پانی میسر اگر گلاب نہیں
عبث نہ خوفِ عقوبت دلا مجھے ناصح	فراقِ یار سے بڑھکر کوئی عذاب نہیں
یہ دل میں فکر ہے تشبیہ دیں تو کس سے دیں	کمر کا مثل دہن کا ترے جواب نہیں
بہار میں سرِ توبہ کو میکشو! توڑو!!	کہ اس سے بڑھکے کسی کام میں ثواب نہیں

خدا کے واسطے منہ سے کبھی تو کہتے ہاں
ہر اک سوال کا میرے ہی کیوں جواب نہیں

نہیں شمار ہے جس طرح تیری رحمت کا
یونہیں ہمارے گناہوں کا بھی حساب نہیں

حیدر — حیدر نواب نام — نواب مرزا ثریا قدر خلف شاہزادہ سلیمان قدر برادر واجد علیشاہ کے ہاں ملازم تھے ۱۳۱۴ھ میں شاید حیات تھے — یہ تین شعر اُنکے کلام کا نمونہ ہیں

تھی کچھ قدر جیتے جی سنا جب مرگیا مجنوں
گریباں چاک کرکے لیلیٰ پردہ نشیں نکلی

پسِ مُردن خدا سے کس طرح چھپتے گنہ میرے
سند لکھی ہوئی پیشِ کراماً کاتبیں نکلی

پسِ مردن مری تربت پہ پڑھنے فاتحہ آئے
یہ دل کی آرزو بعدِ فنا زیرِ زمیں نکلی

حیدر — منشی مصطفیٰ حیدر حیدر خلف مولوی غلام حیدر مدرس مدرسۂ عالیہ کلکتہ وسررشتہ دار کالج فورٹ ولیم وطن اُنکا چاٹگام تھا اور مولوی عبد الغفور نساخ کے شاگرد تھے ۱۲۷۵ھ میں کلکتہ میں ملازم تھے نمونہ کلام یہ ہے

دل لیکے مرا صاف مکر جاتے ہیں کیسا
جب مانگوں تو جھنجلا کے یہ فرماتے ہیں کیسا

ذرا سینے پہ میرے ہاتھ دھر کر دیکھتے جاؤ
دھڑکتا ہے کلیجہ دل ہے مضطر دیکھتے جاؤ

غنچوں نے کان بھی نہ رکھا آہ و نالہ پر
بلبل کو چٹکیوں میں اُڑائے چلے گئے

ادھر تو دیکھو نہ بولو ذرا سنو تو سہی
شب وصال ہے کیسی حیا سنو تو سہی

بس قتلِ عاشقاں پہ نہ بیڑا اُٹھائیے
لاکھوں کا خون ہوگا نہ لاکھا جمائیے

حیران — میر حیدر علی حیران شاہجہاں آبادی — آپ راجہ نکہت رائے رئیس لکھنؤ کی سرکار میں ملازم اور منشی سروپ سنگھ دیوانہ کے شاگرد تھے — صوبہ بہار میں آصف الدولہ کے زمانے میں قتل ہوئے اور اپنے قاتل کو بھی اپنے ہمراہ لیگئے — شوق ۱۲۱۰ھ میں لکھتے ہیں کہ آصف الدولہ کی سرکار کے واصلباقی نویس رائے میگولال سے توسل رکھتے تھے — رائے مذکور کی وفات کے بعد برس چھ مہینے روزگار کی طرف سے پریشان رہے لیکن حسن اتفاق سے نواب آصف الدولہ ان پر اسقدر مہربان ہوئے کہ بجائے ۳۰ کے ۱۰۰ روپیہ مشاہرہ کر دیا اور سو سوار انکے تحت میں کر دیئے جس سے انکی بسر اوقات بخوبی ہونے لگی — کلام انکا یہ ہے

ہم لبِ گور ہوئے خوں بہ جگر اس غم سے
کرنی اُس غنچہ دہن سے نہ ہوئی بات نصیب

صبح ہر روز اسی غم میں ہمیں ہوتی ہے شام
آہ جاگیں گے مرے کون سے اب رات نصیب

دُکھ اس سے کون کہے تاب التماس کہاں
کہاں ہیں ہوش بجا۔ دل کدھر حواس کہاں

ہوا ہے اب تو نئے دوستوں سے ربط دلی
تمھیں اب آنے کو فرصت ہمارے پاس کہاں

یہ کب کہتا ہوں میں تم کو نہ اے آرام جاں جاؤ
مزاجی تک نکل سے پھر جہاں چاہے تہاں جاؤ

ترے کوچے کی ہیرا پھیری میں دن اپنا کٹتا ہے
وہاں جاؤ یہاں آؤ۔ یہاں آؤ وہاں جاؤ

لگا جو حال کہنے اُس سے میں منھ سے وہ یوں بولا
مجھے آتی ہے نیند اب کہہ چکے تم داستاں جاؤ

کل کہا میں نے میرے گھر چلیے
اِس میں کچھ کم نہ ہوگی محبوبی

سُن کے تیوری بدل لگا کہنے
رسم و راہ و ادب تو سب ڈوبی

مجھ سے کہتا ہے میرے گھر چلیے
دیکھنا اختلاط کی خوبی

حیران ۔ حافظ بقاء اللہ خلف حافظ ابراہیم۔ یہ دونوں باپ بیٹے خط نسخ و نستعلیق خوب لکھتے تھے شعر و سخن کا بھی مذاق تھا ۱۲۴۲ھ میں زندہ تھے۔ یہ اُنکے کلام کا انتخاب ہے

جان بلب ہُوں جی جلا جاتا ہے غش طاری ہے آہ
جلد آ ظالم نہیں ہے وقت یہ تاخیر کا

تا فلک پہنچی وے کچھ دل میں اُسکے جا کی
آہ یہ دیکھا اثر اس آہِ بے تاثیر کا

ق

بعد مرنے کے یہ خواہش ہے مری اے دوستو
کچھ نہ خواہش مند ہوں عزت کا نے توقیر کا

گردِ تربت کے ہو اک آئینہ اور طوطی ہو ایک
تا کہ جانے ڈھیر ہے حیرانِ خوش تقریر کا

کہدو مرے مزار پہ کوئی نہ لائے گل
چھاتی پہ میری داغ ہیں کافی بجائے گل

حیراں کو بعد مرگ تکلف نہیں ضرور
اک مشت استخواں ہے کہیں پھینکے داب دو

حیران ۔ قاضی محمد خلیل خلف خان بہادر مولوی قاضی عبد الجلیل صاحب مرحوم متخلص بہ جنوں رئیس اعظم بریلی ۲۷ صفر ۱۲۸۷ھ کو پیدا ہوئے ۲۱ سال کی عمر تک علوم درسیہ کی تحصیل کی اُسکے بعد ریاست کے انتظام میں مصروف ہو گئے۔ گورنمنٹ اور پبلک کے

بھی اکثر انتظام آپکے سپرد ہیں۔ شہر میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ فارسی اور عربی میں کافی دستگاہ ہے۔ معقول و منقول پر اچھی طرح عبور ہے۔ شاعری کا ابتدائی عمر سے شوق ہے۔ قاضی خلیل الدین حسن صاحب حافظ۔ حافظ آبادی کے تلمید رشید ہیں۔ نثر لکھنے میں خاص کمال حاصل ہے۔ نامہ نگاری کا بھی شوق رہا ہے۔ نثر میں شوخ بیچین بریلوی کے شاگرد ہیں۔ صنعت و حرفت میں خاص مذاق ہے۔ اکثر فنون میں دخل ہے۔ ۱۸۹۸ء میں حاذق الملک حکیم عبدالمجید خاں صاحب کے طلب و تقاضے پر بغرض علاج و سیر دہلی تشریف لائے تھے اور اُنکے علمی جلسوں اور بے تکلف صحبتوں میں ہر وقت شریک رہتے تھے ایک روز چند شاعر جمع تھے جن میں سید مہدی حسین صاحب مجروح قابلِ ذکر ہیں۔ شاعری کا تذکرہ ہوا۔ سب صاحبوں نے کچھ نہ کچھ نظم کیا قاضی صاحب نے بھی چند رباعیات فی البدیہہ لکھیں جن میں سے ایک ہدیہ ناظرین ہے:

اے بوسعید حاذق ملک و وحیدِ خلق	یکتا توئی۔ وحید زمان و فرید خلق
محمودِ دہر و صادقِ عہد و شریف وقت	عبدالمجید۔ عبد مجید مجید خلق

اِسی طرح پھر ایک مرتبہ چند شعرا کا مجمع تھا۔ منشی اسمٰعیل حسین منیر کے قصیدہ فریاد زندانی کا تذکرہ تھا۔ احباب نے قاضی صاحب سے بھی فکر فرمانے کا اصرار کیا۔ چنانچہ آپنے ایک بہت طویل قصیدہ اُسی زمین میں رقم فرمایا۔ راقم تذکرہ سے دوبارہ ہنگام قیام دہلی ملاقات ہوئی۔ بڑے خلیق۔ ملنسار۔ نیک طینت شخص ہیں۔ قاضی صاحب نے اپنے کلام کا جو انتخاب عنایت کیا تھا درج ذیل کیا جاتا ہے۔

جہاں دیکھا نئے انداز سے وہ شوخ پنہاں تھا	نگہ میں نور تھا۔ پہلو میں دل تھا دل میں ارماں تھا
نہ تھا پردہ دستِ شوق نے ٹکڑے اُڑا ڈالے	حجاب روئے روشن دم میں عاشق کا گریباں تھا
ہوا ترکِ تعلق اب کہاں وہ لطف بے لطفی	مزہ عالم کا اے ظالم تری کاوش میں پنہاں تھا

نہ دیکھا آنکھ اٹھا کر بھی کسی نے وائے ناکامی
کوئی بے چین تھا۔ بیتاب تھا مضطر تھا۔ حیراں تھا

ہمارا دستِ وحشت بھی کہیں بیکار رہتا ہے
نہ جب باقی رہا اپنا۔ تو ناصح کا گریباں تھا

ہماری کشتیٔ عمرِ رواں بچتی تو کیا بچتی
شبِ فرقت کا رونا تھا کہ اک سچ مچ کا طوفاں تھا

ہمارے سامنے ای قیس کیوں لیتا ہے وحشت کی
گریباں ہم بھی رکھتے تھے کبھی اپنا بھی داماں تھا

اُڑائیں دھجیاں ایسی جنوں نے دستِ وحشت سے
گماں تک بھی نہیں ہوتا گریباں تھا کہ داماں تھا

بجز خارِ تمنا کچھ نہ پایا باغِ عالم میں
گلوں کا ذکر کیا کانٹوں سے بھی محروم داماں تھا

کیا رازِ حقیقت نے مجھے حیران اے حیراں
جو ہر ذرہ میں ظاہر تھا وہی آنکھوں سے پنہاں تھا

پڑ کے وہ عارضِ محبوب تو اٹھتا دیکھا
اب کیسے ہوش رہے جو یہ کھلے کیا دیکھا

کیا خطا مجھ سے ہوئی کس لیے اتنا بگڑے
کیا کہا کس نے کہا کس نے سنا کیا دیکھا

یہ عیادت بھی زمانے سے نرالی پائی
بگڑے بیٹھے ہیں کہ ہمنے تجھے اچھا دیکھا

بند کی آنکھ تصور میں تو پردے اُٹھے
چشمِ مشتاق سے چھپکر ترا جلوہ دیکھا

برقِ دیدار کی شوخی کو کہوں کیا حیراں
بن گئے آپ تماشا وہ تماشا دیکھا

بادِ صرصر نے چلی میرا جنازہ دوش پر
خاک ہو کر جب میں بیٹھا خاک ہی ہو کر اُٹھا

مودہ جھکا دی میں نے گردن جب کھچی تیغِ ادا
خود گلے لپٹا لیا جب ناز سے خنجر اُٹھا

رو دیئے ناسور جب سینے سے نکلا تیرِ یار
ہنس دیئے زخمِ جگر جب چھیڑکر نشتر اُٹھا

ہیں قیامت ہجر کی اُفتاد کی بے تابیاں
اشکِ غم بنکر گرا میں دردِ دل بنکر اُٹھا

جلوۂ دیدار سے اپنی تو آنکھیں کھل گئیں
کیا یہی تھی حضرت موسیٰ کے غش آنیکی بات

دامنِ صحرائے وحشت کی اُڑا دیں دھجیاں
رہگئی خوش قسمتی سے تیرے دیوانے کی بات

اور الجھائیں کسی زلفِ گرہ گیر کے پیچ
کام آجائیں الٰہی مری تقدیر کے پیچ

انھیں چھیڑنے نہیں دیتیں شوخیاں اُنکی
جو کئے دل کی طرح پھر گئے نظر کی طرح

بنا دیا ہے زمانے کو وا دیئے ایسی
نہ برقِ طور بھی چمکی تری نظر کی طرح

نصیب سے وہ دلِ درد آشنا پایا
تم وہ تمھارے ہاتھ میں عالم کی جان ہے
گریہ ہمارا مانعِ دیدار ہوگیا
نالہ و آہ سے چھائی وہ دھواں دھار گھٹا
دیکھ پردہ نہ اُٹھا۔ جلوۂ تاباں نہ دکھا
اُنکی باتیں سخت اپنا قلبِ مضطر آئینہ
سامنے سے جو بلا آئی وہ گویا اس میں تھی
لاکھ اُلفت کو چھپاؤ پھر بھی صورت شکل سے
جس طرف دیکھا اُسی کا عکس ہے جلوہ فگن
ہوگیا آخر وہ خود ہی حسن کے نشہ میں مست
طور ٹکڑے ہوگیا موسیٰ کو غش آ آگیا
یہ اگر سچ ہے کہ دلکی دلکو ہوتی ہے خبر
ہم صفائے دل پہ نازاں تم صفائے رخ پہ غش
اور کیا آئینہ بندی ہو درو دیوار کی
رازِ الفت کیا چھپے جب اشکِ حسرت ہو رواں
موت کی صورت نظر آنے لگی تلوار میں
تمھارے مرنیوالوں کی تمنا بھی کہیں نکلی
مسخر کرلیا تیری محبت نے ارادوں کو
گئے تم غیر کے گھر یہ نہ آئی دل سے تک بھی
نہ ہو مجھسا بھی بدقسمت کہ مرتے دم تک اے حیراں
دیوانے ہیں جو سیتے نہیں جیبِ محبت

جو بات بات میں بھر آئے چشمِ تر کی طرح
ہم وہ کہ اپنا دل بھی نہیں اختیار میں
تارِ نگاہ اُلجھے ہیں اشکوں کے تار میں
سحرِ غم پہ یہ دھوکا ہے کہیں شام نہ ہو
پرتوِ رخ سے کہیں طور ترا بام نہ ہو
ٹکڑے ٹکڑے کیوں نہ ہوتا چوٹ کھا کر آئینہ
کس بلا میں ہوں صفائے دل سے بنکر آئینہ
دلکی باتیں ہو ہی جاتی ہیں عیاں ہر آئینہ
دو جہاں جلوؤں سے اُسکے ہیں سراسر آئینہ
کر گیا ہاتھوں میں اُسکے کارِ ساغر آئینہ
تاب لایا اُنکے نظارہ کی کیونکر آئینہ
کیوں نہیں ہے تمپہ حالِ قلبِ مضطر آئینہ
ہاے تمھیں پر منصفی کس کا ہے بہتر آئینہ
اُنکی محفل آئینہ۔ وہ آئینہ۔ گھر آئینہ
دیدۂ تر آئینہ ہے۔ دامنِ تر آئینہ
بنگیا لوہا کفِ قاتل میں آکر آئینہ
اگر نکلا تو دم نکلا مگر حسرت نہیں نکلی
ہوئے جب شکوہ کرنیکو زباں سے آفریں نکلی
تمھاری آرزو بنکے زیادہ شرمگیں نکلی
نہیں نکلی نہیں نکلی مری حسرت نہیں نکلی
سودا ہے جو اس سودے کا سودا نہیں کرتے

بوسے کا سوال اُن سے میں کرتا تو ہوں حیراںؔ	اب دیکھیے ہاں کرتے ہیں وہ یا نہیں کرتے
سچ ہے مثل کہ سو کو ہراتی ہے ایک چُپ	کیا بات ہے ترے دہنِ لاجواب کی
پردہ اُٹھا تو اور بڑھا رعب حسن کا	ہے بیحجابیوں میں بھی صورت حجاب کی
اس پر گمانِ جور ہو یا رحم کا یقین	انداز مہر کے ہیں۔ نگاہیں عتاب کی
میرے خمیر میں جو ملایا خمیرِ عشق	مٹی پکار اُٹھی مری مٹی خراب کی
شوخ کچھ ایسی نگاہِ یار رہے	پیار میں بھی لڑنے کو تیار رہے
التجا۔ منت۔ سماجت۔ عاجزی	سامنے اُس بت کے سب بیکار ہے
دادخواہی کے لیئے آیا ہے کون	حشر میں بھی خواہشِ دیدار ہے
سجدہ گیا ہو وہ قدم سے ملتے نہیں	نقشِ پا میں شوخیٔ رفتار ہے
حشر میں بے پردہ آنا ہی پڑا	انتقامِ حسرتِ دیدار ہے
اُسکے چہرہ کی تجلی ہے غضب	پردہ دارِ جلوۂ دیدار ہے

حیران

حیراںؔ۔ شاعر فصیح البیان منشی رام نراین صاحب حیرانؔ دہلوی۔ آپ قوم کے کھتری اور منشی میگو سنگھ کے فرزند ہیں۔ شعر خوب کہتے ہیں اور اس فن میں نواب فصیح الملک بہادر سے ارادت رکھتے ہیں۔ علمی استعداد بہت معقول ہے۔ فنِ طب میں بھی اعلیٰ درجے کی دستگاہ حاصل ہے۔ حکیم بہار الدین خان سے اِس فن میں استفادہ کیا ہے اجمیر میں مطب کرتے ہیں۔ راقم السطور سے دہلی اور اجمیر میں بارہا ملاقات ہوئی۔ مذاق سلیم اور فکر رسا کے ساتھ خلیق بھی انتہا کے ہیں۔ ۴۵-۴۶ برس کی عمر ہوگی۔ طبابت کے علاوہ ریلوے کے دفتر میں ملازمت کا سلسلہ بھی ہے۔ کلام سے معاملہ بندی کے دلدادہ معلوم ہوتے ہیں۔ زبان پاکیزہ اور ٹکسالی ہے۔ اسلوب بیان بھی اچھا ہے۔ کہیں کہیں مضمون کی طرف بھی میلانِ طبع پایا جاتا ہے غرض ایک حد تک تمام خوبیاں آپکے کلام میں موجود ہیں اشعار موصولہ کا انتخاب ملاحظہ ہو:۔

یوں تو ہونے کو کیا نہیں ہوتا
ایک میرا کہا نہیں ہوتا

اپنی عادت نہیں شکایت کی
اپنے مُنہ سے گِلہ نہیں ہوتا

یار سے خوب ہے تصوّرِ یار
مجھسے دم بھر جُدا نہیں ہوتا

غیر تو غیر ہیں مصیبت ہیں
آشنا آشنا نہیں ہوتا

شکلِ تصویر چُپ ہو کیوں حیراں
کوئی فقرہ نیا نہیں ہوتا

ہرگز نہ بات طنز کی لانا زبان پر
نقاد کان دیکے اسے آپ سُن تو لیں

حیراںؔ ہے فکر کیا تجھے کچھ مُنہ سے چھوٹ تو
کبھی لائے نہ خاطر میں نہ اب خاطر میں لاتے ہیں

شبِ وعدہ بھی دیکھیں وہ نہیں آتے کہ آتے ہیں
مضامیں صاف ہوں سُتھری زباں حضرتِ حیراںؔ

مجھ سے اقرار نہیں غیر سے وعدہ بھی نہیں
دیکھ کر آئینہ کہتے ہیں مرے دیکھنے پر

مال و دولت کا تو ہوتا ہے بھروسا سب کو
سمجھنے والے دل ہی دلمیں اپنے خود سمجھ لینگے

کلامِ حضرتِ حیراںؔ کی جب تعریف کی اُسنے
گلرخوں کے ہیں عجب ڈھنگ نرالے انداز

وہ دل ہی کیا جو عشق کی چپٹک لگی نہ ہو
پہلو میں بیٹھکر مرے لیتے ہیں چُٹکیاں

کوئی کسی سے اُوپری دل سے مِلا تو کیا
کہنا کسیکا ہائے وہ عرضِ وصال پر

جانباز کھیل جاتے ہیں باتوں میں جان پر
اک حرفِ آرزو ہے کسیکی زبان پر

کیوں آج مُہر لگ گئی تیری زبان پر
مجھے تو چٹکیوں میں آپ ہنس ہنس کر اُڑاتے ہیں

تجھے اے جذبِ اُلفت آج ہم اور آزماتے ہیں
غزل بزمِ سخن میں آئینہ رُو سُننے آتے ہیں

پھر سرِ شام یہ کیوں سُتنے لگا راجوبن
ڈھل گیا دیکھتے ہی دیکھتے سارا جوبن

اِن حسینوں کا ہے لے دیکے سہارا جوبن
زباں سے کچھ نہیں کہتے تو کہتے ہیں اشاروں میں

تو فرمایا وہی حیراں! ہمارے جاں نثاروں میں
جس سے ملتے ہیں اُسے رنج سوا دیتے ہیں

وہ زندگی ہی کیا ہے جو دلبستگی نہ ہو
وہ بات کر رہے ہیں کسی نے جو کی نہ ہو

ملنے کا لطف جب ہے کہ دلمیں دوئی نہ ہو
ہمسے تو آج تک کبھی ایسی ہوئی نہ ہو

بیداد ایسی کیجئے وہ کیجئے جفا
دیکھی نہ ہو جو آنکھ سے کانوں سُنی نہ ہو

حیراں یہی شعار ہوا اپنا تو خوب ہو
نیکی نہ ہو سکے تو کسی سے بدی نہ ہو

مرگئے تو مٹیں تمنائیں
نکلے ارمان خاک میں مل کے

اک بتِ کافر کو دل دیکر پشیمانی ہوئی
ہم نشیں انکو جو ہونی تھی وہ نادانی ہوئی

ہوگئی عشقِ بتاں میں اسقدر حالت زبوں
دیکھکر حیراں کی صورت سخت حیرانی ہوئی

وہ مرے پہلو میں ہنستے آئے ہیں
رات دن روتا تھا میں جنکے لیئے

آگئے نا-چال میں اغیار کی
ہمتو روتے تھے اسی دن کے لیئے

کیوں نہ دلکو رنج ہو کیونکر نہ دل پرغم رہے
آپ صاحب مہرباں تھے بے سبب برہم رہے

ایسی کیا خوبی ہے دنیا ایسی تجھ میں کیا ہے بات
چھوڑ کر جنت کو آخر حضرتِ آدم رہے

جس طرح بتیس دانتوں میں یہ رہتی ہے زبان
آپکی خاطر سے بزمِ غیر میں یوں ہم رہے

منتوں پر بھی نمانے تم دلِ ناشاد کی
پھر وہی تم نے جفا کی پھر وہی بیداد کی

مر گئے تو جان سے اپنی گئے پروا نہیں
ہوگئی تعمیل لیکن آپ کے ارشاد کی

مری آہ کیوں بے اثر ہوگئی
اسے بھی کسیکی نظر ہوگئی

بہت دلکو حیراں بچایا مگر
وہ ترچھی نظر کارگر ہوگئی

برچھیاں جب نگہ کی چلتی ہیں
دل پہ رہتا ہے اختیار کسے

دل ہی جب اپنا جا ملا اُن سے
غیر کا پاس و اعتبار کسے

وہ چمن ہی نہیں رہا حیراں
دے صبا مژدہ بہار کسے

ایک سر سینکڑوں ستم کے لیئے
ایک جاں ہے ہزار غم کے لیئے

رنجِ فرقت بھی رشکِ دشمن بھی
کیا مصیبت ہے ایک دم کے لیئے

منہ اُٹھائے دلِ بیتاب کدھر جاتا ہے
کوئے قاتل ہے یہاں بات پہ سر جاتا ہے

سر کھپانے سے تجھے ناصحِ ناداں حاصل
اِس سے سودائے محبت کا اثر جاتا ہے!

درد اُٹھتا ہے مرے پہلو میں کیوں تھم تھم کر — آج مہمان کوئی غیر کے گھر جاتا ہے
تم نہ آئے شب وعدہ تو کوئی مر نہ گیا — بات رہجاتی ہے اور وقت گزر جاتا ہے
غیر اور آپکے حیراں کو دکھائیں آنکھیں — آپکا منہ ہے جو کچھ پاس وہ کر جاتا ہے
قرینہ کا مذاق اچھا سلیقہ کی ہنسی اچھی — پسندِ خاطرِ احباب ہو وہ دل لگی اچھی
نگہ شرمیلی اچھی ہے طبیعت چلبلی اچھی — گلہ در پردہ اچھا اور زیر لب ہنسی اچھی
کھٹک ہو درد الفت کی وہ غم اے ہمنشیں اچھا — خوشی جسمیں کسیکی مہرباں وہ ہی خوشی اچھی
وہ آئیں یا نہ آئیں مشغلہ اچھا ہے رہنے دو — تصوّر ہی سے آنکھے ہو رہی ہے دل لگی اچھی
جُدا شہر خموشاں ہو گیا آباد قدرت سے — خدا کی شان ویرانے میں یہ بستی بسی اچھی
یہ ہیں دونوں کے دونوں عاشقِ ناشاد کے دشمن — نہ صبح وصل اچھی ہے نہ شام بیکسی اچھی
ہمیشہ خوف کھانا چاہیئے ابرو و مژگاں سے — کماں کی راستی اچھی نہ تیروں کی کجی اچھی
کہے معمور اک عالم ہوا اپنی کسر شان جسمیں — نہ اتنی سرکشی اچھی نہ اتنی عاجزی اچھی
جہاں اک جام مے بھر کر پیا جلوے نظر آئے — یہ شغل اچھا مرا زاہد کہ تیری بندگی اچھی
یہ جو کچھ ہے جناب داغ کا ہی فیض سب حیران — سخنور سنکے کہتے ہیں غزل تو نے لکھی اچھی
کچھ اچھی میری پھر برگشتہ قسمت ہونیوالی ہے — کسی اچھے سے پھر صاحب سلامت ہونیوالی ہے
کبھی تو دو قدم تم ناز سے چلکر دکھا دیتے — بہت مدت سے سنتا ہوں قیامت ہونیوالی ہے
عدو کی ذلتیں سنکر تہ حیراں دلمیں خوش ہوتا — تمھارے حال پر بھی کچھ عنایت ہونیوالی ہے

حیران

حیران۔ منشی محمد حسین خانصاحب شکوہ آبادی ملازم ریلوے گورنمنٹ پولیس اندور خلف منشی محمد اعظم خانصاحب داروغۂ آبکاری شاگرد نواب فصیح الملک بہادر داغ دہلوی۔ آپ ناولسٹ بھی ہیں "شاہد رعنا" اور "کرشمۂ شباب" وغیرہ کئی ناول شائع کر چکے ہیں۔ رسالہ "جلوۂ حیران" کے اڈیٹر ہیں۔ عنفوانِ شباب سے آپ کو شعر و شاعری کا شوق ہے۔ صاحبِ دیوان ہیں مگر دیوان ہنوز غیر مطبوعہ ہے کلام سادہ ہے اور خاصہ کہہ لیتے ہیں۔ نمونۂ کلام ہنگام

ترتیب وصول ہوا اُس کا انتخاب ملاحظہ ہو۔

آئینہ پر غبار جو دیکھا ہے خواب میں
دشمن کا سر نہو کہیں زانوئے یار پر

نہ وہ اگلی سی ہے صحبت نہ وہ اگلا سا مزاج
کچھ سے کچھ ہو گیا اب تو ترے دربار کا رنگ

خونِ ناحق بھی چھپائے سے کہیں چھپتا ہے
حشر کو دیگا شہادت تری تلوار کا رنگ

تصوّر سے ہماری بن پڑی ہے
زیارت اُنکی دلکو ہر گھڑی ہے

ہزاروں رہتے ہیں ارماں دلمیں
جگہ تھوڑی سی گنجایش بڑی ہے

چین دن کو نہ شب کو راحت ہے
عاشقی کیا ہے اک مصیبت ہے

ہم اُسکے جلوے کو ڈھونڈتے ہیں وہ اپنے رخ کو چھپا رہا ہے
صدا ہماری ہے رب ارنی وہ لن ترانی سُنا رہا ہے
ہوا ہے جو جلوہ طور سر گرے ہیں بیہوش ہو کے موسیٰ
یہ کس کے رُخ سے نقاب سرکی۔ یہ کون جلوہ دکھا رہا ہے

شرگیں آنکھوں سے ہوتا ہے کسیکی ظاہر
ہو نہ ہو آج تو دشمن کا کہا مان گئے

تمھاری دید کی خواہش وہاں بھی ظاہر کی
فرشتے لیگئے جب سامنے خدا کے مجھے

کیا کرونگا جو رکا میں اے خدا
دل تو اُس کا طالب دیدار ہے

مسجد و مندر سے کیا حیراں کو کام
نشۂ الفت میں وہ سرشار ہے

حیرت۔ پنڈت اجودھیا پرشاد کاشمیری حضرت جرأت کے شاگرد تھے۔ شیفتہ انکی بابت لکھتے ہیں کہ پنڈت صاحب نے چند مثنویاں بھی کہی تھیں اور ایک مختصر سا دیوان بھی مُرتب کر لیا تھا۔ فنِ موسیقی میں اپنے زمانے میں لاجواب تھے۔ اکثر لکھنؤ اور گاہ گاہ دلّی میں رہا کرتے تھے سنہ ۱۲۳۴ھ میں ۳۵ سال کی عمر پا کر انتقال ایک شعر اُنکا بطور یادگار اور نمونۂ کلام درج کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو حیرت

برنگِ نقشِ پا اُسکی گلی سے اُٹھ نہیں سکتا
ہوا ممنونِ احسان خوب اپنی ناتوانی کا

حیرت

حیرت - میر مراد علی تاجر مرادآبادی - شاہ عالم بادشاہ کے عہد میں تھے - اور تذکرہ مصحفی سے بیشتر انتقال کر چکے تھے - کوہستان کی طرف بغرضِ تجارت گئے تھے اُسی سفر میں قضا کی - فنِ سخن سے طبیعت کو لگاؤ تھا اور اچھا کہتے تھے یہ چند اشعار اُنکے لکھے جاتے ہیں ؛

سمجھ کے دیکھا تو بیجا تھا سب گلہ دل کا — یہ چشم تر نے ڈبویا معاملہ دل کا

شریک آہ ہے شورِ جنوں ہے - وحشت ہے — عجب جلوس سے جاتا ہے قافلہ دل کا

کہاں ہے شیشۂ مے محتسب خدا سے تو ڈر — مری بغل میں چھلکتا ہے آبلہ دل کا

کیا لکھئے ترے حسنِ خداداد کی خوبی — حیرت ہے نہ مقدور قلم کا نہ زباں کا

نظر آیا یہ جہاں نقشِ بر آب آخر کار — تاج سر پر سے گرا مثلِ حباب آخر کار

سادہ رویوں کی دلا مہر و محبت پہ نہ بھول — مُنہ پہ دینگے تجھے صاف جواب آخر کار

رخسار کیا جھلکتے ہیں حلقہ میں زلف کے — آپس میں ہو رہے ہیں بہم کفر و دیں گرہ

حیرت کے دل میں ہائے کوئی آرزو رہی — لکنت سی ہے زباں پہ دمِ واپسیں گرہ

اب چھوڑ کر کنشت جو کعبہ کو جائیے — وہاں بھی ہی صنم ہو تو کیا مُنہ دکھائیے

کیا پوچھتے ہو زلفِ سیہ من میں ڈسے ہے — یاں جان چلی جاتی ہے واں اُنکی ہنسی ہے

ہم تو اک شیشۂ ساعت کی طرح سے حیرت — خاک چھانا کئے دُنیا میں اور آزاد رہے

حیرت

حیرت دہلوی - میرزا رمضانی - پسر مرزا صمصام الدین اولاد امجاد حضرت شاہجہاں بادشاہ نیک مزاج اور خوش خلق شخص تھے - مرزا رحیم الدین حیا کے شاگرد تھے - یہ ہم انکے اشعار ہیں

کیوں خفا غیر کے کہنے سے ہوئے — کیا سُنا تم نے اور کیا دیکھا

وہ خار ہوں کسی سے اُلجھتا نہیں ہوں میں — دشمن کی آنکھ میں بھی کھٹکتا نہیں ہوں میں

دل لگتے ہی یاں جان کے لالے پڑے حیرت — آویگا ابھی دیکھئے کیا کیا مرے آگے

حیرت اب یار سے کیوں ترکِ وفا کرتے ہو — پہلے ہی تم نے محبت نہ بڑھائی ہوتی

ابکے گر جی بچے تو اسے ناصح — ہاتھ ہم اٹھائیں گے دل لگانے سے

حیرت

حیرت۔میر غلام فخر الدین صاحب حیرت دہلوی۔ اعتماد الدولہ قمر الدین خان شہید کے بیٹے اور میر منّو کے پوتے تھے فارسی شعر بیشتر کہتے تھے بسا اوقات کالپی میں رہایش رکھتے تھے شاہ عالم ثانی کے زمانے میں انتقال کیا۔ چند شعر ملے ہدیۂ ناظرین ہیں۔

اوّلِ عشق ہے اور تازہ بہار آئی ہے	اب مرا ہاتھ ہے اور دامنِ رسوائی ہے
یہ ستم دیکھوں میں کن آنکھوں سے ای غیرتِ عشق	ایک عالم اسی کوچے کا تماشائی ہے
ہم اُس بزم سے یوں پُر ارمان نکلے	جوانی میں جس طرح سے جان نکلے
مَیں ڈھونڈا جو سینے میں دل اُسکے بدلے	کئی اُسکے تیروں کے پیکان نکلے

حیرت

حیرت۔حافظ عبد الرحمن حیرت ساکن جھنجھانہ ضلع مظفر نگر آپنے مولوی امام بخش صہبائی سے فنِ شعر میں استفادہ کیا اور فن طب کی تکمیل حکیم احسن اللہ خان دہلوی کے مطب میں رہکر کی۔ محکمۂ دیوانی میں ملازم ہوئے اور عرصے تک دہلی میرٹھ اور مراد آباد میں متعین رہے۔ سرسیّد احمد خان مغفور آپ کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ چنانچہ ملازمت سے استعفا دلوا کر اپنے پاس رکھکر علیگڈھ سوسائٹی کے مطبع کا کام انکے سپرد کر دیا۔ مشہور رسالہ تہذیب الاخلاق کی بنیاد بھی آپ ہی کے ہاتھوں قائم ہوئی تھی۔ آپ کا سرسیّد سے نہایت ارتباط بڑھا ہوا تھا۔ اور سید محمود کے بچپن کے بھی استاد تھے الغرض ۴۵ برس تک سرسیّد مرحوم کے پاس رہے اور تا دمِ مرگ ان سے جُدا نہ ہوئے۔ اُردو میں چند مثنویاں اور ایک ساقی نامہ موسوم بہ ساقی نامۂ حیرتؔ آپکی یادگار ہے ❊ آپکی استعدادِ علمی بہت معقول تھی اور فنِ شعر کے اُصولوں سے خوب واقف تھے۔ صفائی اور سادگی کے ساتھ انکے کلام میں مزہ بھی ہے۔ اعلیٰ درجے کے مشاق تھے اور کیوں نہو بڑے بڑے اُستادوں کی آنکھیں دیکھیں تھیں۔ چند شعر جو دستیاب ہوئے ہدیۂ ناظرین کیئے جاتے ہیں ❊

کچھ دلمیں بجلی ہے کچھ ہے جگر میں سوزش	ہیں عشق کی بدولت مجھ پر عذاب کیا کیا
پہلو میں اک کسک سے چلی جاتی ہے مدام	یہ دل ہے یا چھپا ہے کوئی خار دیکھنا

گر شربت وصال نہیں موت ہی سہی
دین کو زلف و خط و خال و مژہ سے چھینا
نہ کھلا ہائے مرا غنچۂ امید کبھی
اس زرد ہوئے چہرہ کا کہو حال تو حیرت

کوئی تو نکلے اس دل بیمار کی ہوس
دل بھی غالب ہے کہ ہو گا رہی دو چار کے پاس
حسرتیں دل کی رہیں دل ہی میں کیا کیا باقی
کیا دل کو لگا بیٹھے کسی رشک قمر سے

حیرت منشی محمد جان خان خلف بایزید خان۔ آپ آلہ آباد کے رہنے والے اور خواجہ آتش کے مشہور شاگرد مرزا اعظم علی اعظم سے ارادت رکھتے تھے۔ آپکا مطبوعہ دیوان موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصناف سخن میں اچھی دستگاہ حاصل تھی اور ضروریات شاعری کے موافق استعداد علمی بھی معقول تھی۔ زبان کی طرف البتہ توجہ کم تھی۔ چنانچہ اکثر متروک الفاظ اور محاورات نظم کر جاتے تھے مگر انکے مشاق سخن سنج ہونے میں شبہ نہیں بعض بعض شعر تو بے مثل کہہ جاتے تھے ۱۲۸۵ھ کے قریب انتقال فرمایا۔ اب دیوان مطبوعہ کا انتخاب ملاحظہ ہو۔

کیوں قالب خاکی میں ہوا روح کا مسکن
بیوجہ میرا دل نہیں مجھ سے بدل گیا
اللہ رے شعلہ رخ روشن ترا فروغ
دل کیحالت ہے جو کچھ تم کو دکھاؤں کیونکر
نہ تو بلبل کا ٹھکانا نہ کہیں گل کا پتا
شریک روح ہے قالب میں آپکی الفت
خود بخود آج رگ جان کا لہو جوش میں ہے
دکھلائے خدا اس بت گلفام کی صورت
پڑی کشتی عمر رواں بحر تلاطم میں
مجال کیا جو کریں عذر حکم یار میں ہم

عقدہ نہیں کھلتا ترے اسرار نہاں کا
افسوں تمھاری چشم فسونگر کا چل گیا
نظارہ جاکے صورت پروانہ جل گیا
داغ دیکھا ہے کبھی لالۂ صحرائی کا
اے خزاں تونے اجاڑے ہیں گلستاں کیا کیا
یہ جب تلک ہے مرا دم نکل نہیں سکتا
یاد آیا ہے اسے نشتر مژگاں کسکا
دنیا میں یہی ہے مری آرام کی صورت
یہ عشق آیا ہے جسدن سے بلائے ناگہانی ہوکر
دل اسکی قید میں ہے دے کے اختیار میں ہم

اُن کو تم اپنا فتنۂ قامت دکھا نہ دو
جن جن کو گفتگو ہے قیامت کے باب میں

بلا کی حسن میں آرائش و ایجاد کرتے ہیں
پری زادوں کو دیوانہ یہ آدم زاد کرتے ہیں

وہ خود کیسا ہے جس نے اِن حسینوں کو بنایا ہے
انھیں جب دیکھتے ہیں ہم تو اُسکو یاد کرتے ہیں

تم بھی رہو جو پاس تو ہو لطف ورنہ یار
ہم رہ کے کیا کرینگے اکیلے بہشت میں

حسینانِ جہاں جسکو نگاہِ ناز کہتے ہیں
جو عاشق ہیں اُسی کو تیرِ بے آواز کہتے ہیں

نگاہِ قہر نے مارا جلایا مسکراہٹ نے
کرامت اِسکو کہتے ہیں اُسے اِعجاز کہتے ہیں

کچھ سوئے مردمِ بیمار نظر ہے کہ نہیں
پھر بھی روتا مجھے اے دیدۂ تر ہے کہ نہیں

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں
سامان سو برس کے ہیں کل کی خبر نہیں

نہ چین پائے کسی طرح سے دلِ عاشق
یہی تو ایک وہ کارِ ثواب سمجھے ہیں

چلتے ہیں عبث چال قیامت کی یہ گلرو
پامال کیئے دیتے ہیں ہستی کے چمن کو

اُٹھاؤ خونِ ناحق سے مرے ہاتھ
یہ ہو جائیگا دامنگیر دیکھو

دیکھتے دیکھتے مر جائینگے ہم یار کی راہ
دم بھی نکلیگا تو اس دیدۂ بیدار کی راہ

بیدرد ہیں وہ پھینک ندیں پاؤں سے مل کر
پچھتائیگا اے دل مرے پہلو سے نکل کر

جاتی تو ہے یہ عمرِ رواں راہِ طلب میں
دیکھیں اسے کب عشق کی منزل نظر آئے

او دیدۂ بیدار جو کچھ دیکھنا ہے دیکھ لے
حشر تک جس سے نہ چونکے گا وہ خواب آئیگا

سُنا ہے زخمیِ تیغِ ادا کا دم نکلتا ہے
ترا احسان ہے اے قاتلِ عالم نکلتا ہے

مرقد سے میرے اُٹھ کے بگولا جو رہ گیا
کہنے لگے یہ خاک کسی ناتواں کی ہے

وہی دل اپنے قابو میں نہیں ہے
جسے پالا کیئے خونِ جگر سے

نہالِ دل ابھی سرسبز ہو جائے
جو تیرا ابرِ رحمت آ کے برسے

پڑا ہے بسترِ غم پر نہ دانہ ہے نہ پانی ہے
تمھارے عاشقِ شیدا کی طرفہ زندگانی ہے

تری آنکھوں کی سُرخی دیکھکر میخوار کہتے ہیں
بلوریں جام میں شاید شرابِ ارغوانی ہے

[illegible]

اُس جگہ دل کو لیگئی تقدیر	کہ تصور جہاں گزر نہ کرے
دن کو خیالِ رخ ہے تو شب کو ہے یادِ زلف	بس ہم تو ہو گئے اسی لیل و نہار کے
باز آؤ ظلم سے کہ یہ ظلم دو روزہ ہے	اُڑ جائینگے ہوا کی طرح دن بہار کے
نرگس کے پھول قبر پہ دیکھے تو بول اُٹھے	مرنے پہ گل کھلے نگہِ انتظار کے
اُس کا تو نور جلوہ نما ہر بشر میں ہے	اے غافلو! فتور تمھاری نظر میں ہے
تلخی اگرچہ صبر کی شاخ و شجر میں ہے	شیریں ہی انتہا کی پر اُسکے ثمر میں ہے
تب حال کھُلے گا مری بیتابیٔ دل کا	پڑ جاؤگے جبدن کسی بیرحم کے پالے
اے گل صدائے نالہ مرے ہر نفس میں ہے	سینہ میں دل ہے یا کوئی بلبل قفس میں ہے
درپیش ہیں جو رنج و الم کہہ نہیں سکتے	ہم پہ جو گزرتی ہے وہ ہم کہہ نہیں سکتے
دسترس یار پہ کیونکر مجھے حاصل ہو جائے	اُس سے کیا زور چلے جسکی طرف دل ہو جائے
دعویٔ حسن بہت چودھویں کے چاند کو ہے	زلف اُلٹو تو جواب مہِ کامل ہو جائے
مرغِ دل ہی نہیں کچھ تیرِ نگہ سے بسمل	طائرِ جاں بھی تو صیاد ترے دام میں ہے
چشم میگوں کے اشارے سے یہ فرماتے ہیں	بیخودی نام ہے جس کا وہ اسی جام میں ہے
مذہبِ عشق میں عاشق کو عجب لطف ملا	کہ نہ وہ کفر میں حاصل ہے نہ اسلام میں ہے
جیتے جی عشق سے راحت نہ پس مرگ نجات	اسکے آغاز میں جو ہے وہی انجام میں ہے

حیرت

حیرت۔ جناب بابو عبدالقدیر خان صاحب پانی پتی۔ آپکو کوثر خیرآبادی سے تلمذ حاصل ہے بھنڈارے میں زیادہ تر سکونت رہتی ہے حالات باوجود تلاش نہیں ملے کچھ کلام نظر سے گزرا۔ اس میں سے یہ چند شعر منتخب ہوئے۔

رک گئی چلکے ذرا تیغ جو گردن پہ مری	زخم کو خوبیٔ تقدیر پہ خنداں دیکھا
وہ دل ہے کیا جو شیفتۂ مہ وشاں نہیں	وہ جان کیا جو وقفِ نثارِ بتاں نہیں
فتنے قدم قدم پہ اُٹھاتا ہے لاکھ لاکھ	انداز اُسکی چال کے محشر سے پوچھ لو

حیرت کو آج قسمت جمشید مل گئی	جام شراب ہاتھ میں دلبر بغل میں ہے
دل کے داغوں سے ہے یاں سرو چراغاں روشن	شمع تربت پہ ہماری نہ جلائے کوئی
ضد تو جب ہے کہ ابھی میری بغل میں آ جاؤ	کہہ رہا ہوں کہ میرے پاس نہ آئے کوئی

حیرت

حیرت - محمد اسحٰق نام مراد آباد کے رہنے والے اور حضرت قمر مراد آبادی کے شاگرد صرف یہ معلوم ہے کہ ۱۸۸۰ء میں زندہ تھے نمونہ کلام میں صرف دو شعر درج ذیل کیے جاتے ہیں

یاد آتی ہے تری جنبش مژگان جو مجھے	تیر سا اک مرے پہلو میں کھٹک جاتا ہے
غل یہ ہوتا ہے کہ خورشید قیامت نکلا	داغ دل سے مرے پھاہا جو سرک جاتا ہے

حیرت

حیرت - مولوی احمد کبیر وکیل عدالت پٹنہ - صرف اتنا معلوم ہوا ہے کہ آپ ۱۸۷۰ء کے قریب زندہ سلامت موجود تھے اور پٹنہ کے مشاعروں میں شریک ہوتے تھے یہ چند شعر انکے نتائج افکار سے ہیں -

منصب ملا نہ فقر کا منعم نہ جاہ کا	یا رب برا ہو اختر بخت سیاہ کا
خرقہ وہی ہے خوب جو بھٹی میں رہن ہو	مشرب بدل دو زاہد و اب خانقاہ کا
تارے ہوئے غروب حسینان دہر کے	کوکب ہوا طلوع جو اس رشک ماہ کا
کیا راہ پر خطر سے گیا بے خطر وہ شخص	جو شخص معترف ہوا اپنے گناہ کا
کیوں تلخی گناہ کو شیریں کرے نہ عفو	ہے عفو حق خاص دل عذر خواہ کا

حیرت

حیرت - مولوی سید عنایت احمد صاحب ابن مولوی سید مطیع احمد صاحب مرحوم بدایوں کے رہنے والے ہیں - آپکی تحریر سے معلوم ہوا کہ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت سید شرف الدین محمد علی نقوی قبائی سے ملتا ہے جو ساتویں صدی ہجری کے اوائل میں مسجد قبا سے قبۃ الاسلام بغداد سے بدایوں میں آکر آباد ہوئے اور ۶۵۱ ہجری میں انتقال کر کے خاک چندوسی میں مدفون ہوئے انکے بعد سید علاؤ الدین علی رضوی حضرت سلطان المشائخ سید نظام الدین بدایونی کے پیر تھے انکے جانشین ہوئے - اسیطرح یکے بعد دیگرے

سید حمزہ دانشمند بدایونی مصنف میزان الصرف وغیرہ بہت سے بزرگ اس سلسلہ میں جانشین ہوتے رہے جو دانشمند کے خطاب سے ممتاز کیئے جاتے تھے (لفظ دانشمند شاہی زمانے میں آجکل کے ایم اے کا ہم معنی سمجھا جاتا تھا) چنانچہ آخر میں آپکے والد ماجد اسی سلسلہ میں اپنے اسلاف کے جانشین ہوئے۔

آپکا مقام ولادت لشکر گوالیار ہے ۲۷ رجب ۱۲۹۶؁ ہجری کو آپ پیدا ہوئے۔ چودہ سال کی عمر تک پرانے اصولوں پر فارسی پڑھتے رہے اسکے بعد عربی شروع کی اور میزان سے لیکر تمام علوم عقلی و نقلی درس نظامی کے مطابق اُن سے حاصل کیئے۔ اسکے بعد آپکے والد ماجد صاحب نے آپکو انگریزی پڑھانی چاہی مگر اُسوقت آپکے نزدیک انگریزی پڑھنا گویا کفر تھا۔ لہذا ایک سال ضائع بھی کیا مگر بجز پرائمری کے اور کچھ نہ پڑھا۔ لیکن اب اُس ضائع شدہ وقت اور اپنے خام خیال کا آپ کو نہایت افسوس ہے۔

اسکے بعد آپ کو شعر گوئی کا شوق پیدا ہوا اور اپنے عم بزرگ مولانا مولوی دلدار علیصاحب مذاق کو کلام دکھانا شروع کیا جو خاقانی ہند اُستاد ذوق کے ارشد تلامذہ میں سے تھے مگر آخر عمر میں اُن کا دل و دماغ چونکہ ضعیف ہوگیا اُنکو اصلاح کی تکلیف دینا مناسب نہ سمجھکر آپ حضرت داغ دہلوی کے حلقہ بگوش ہوگئے۔ مگر آپکے کلام کا بدقسمتی سے بہت سا حصہ ضائع ہوگیا۔ اب چند غزلیں اور دو ایک قصیدے باقی ہیں جو آپنے بطور سندِ تفاخر اپنے پاس رکھ چھوڑے ہیں اور جن پر اُستاد نے کہیں کہیں اصلاح فرمانے کے بعد آپکے کلام کی تحریری داد بھی دی ہے۔ آپنے اُن قصائد اور غزلوں کی نقلیں درج تذکرہ ہونے کی غرض سے قاضی مقصود حسن صاحب حیرت کی معرفت بھیجی بھی تھیں مگر افسوس قاضی صاحب کے دفعتہً انتقال ہوجانے کی وجہ سے ہم تک نہ پہنچیں سُنا ہے کہ آپنے چند ایسی کتابوں پر حواشی اور شرحیں بھی لکھی ہیں جو اُردو کے لیئے نہایت مفید ہیں مگر افسوس وہ ابھی تک شائع نہیں ہوئی ہیں۔ آپ سابق میں پانچوڑہ کے مجسٹریٹ بھی رہ چکے ہیں اب پولیس کمشنری کے

معزز عہدے پر ممتاز ہیں۔ شعر خوب کہتے ہیں۔ شوخیٔ مضمون اور معاملہ بندی میں اپنے اُستاد کی تقلید خوب کرتے ہیں۔ اب کوئی ۲۵ سال کی عمر ہوگی خلیق اور بامروت انسان ہیں جو کلام ہنگامِ ترتیب ہیں موصول ہوا ہے اُس کا انتخاب ملاحظہ فرمایئے۔

تاک میں ہے آنکھ چوکی ال یاروں کا ہوا
ورنہ کیوں اکثر اٹھایا دل کو اکثر رکھ دیا

یوں تسلی دیجئے تڑپا یا ہے اُف رے شوخیاں
اور مضطر کردیا جب ہاتھ دل پر رکھ دیا

یہ کوئی میٹھی چھُری تھی یا نگاہِ ناز تھی
ہیں ترے قربان یہ کیا دل کے اندر رکھ دیا

ایسے افسانے ہیں اغلاط سینکڑوں حیرت کو یاد
ساغرِ مے تیرے کہنے سے مقرر رکھ دیا

عبث دستِ جنوں ہے مبتلا سودائے ساماں میں
کفن کو بھی نہیں ہے تار باقی اب گریباں میں

چھپائے سے چھپیں گے ہیں جو رخنے جیب داماں میں
ذرا منہ ڈالکر دیکھو تو تم اپنے گریباں میں

ٹھہرنے کیوں لگے وہ پردہ ہائے چشم گریاں میں
رہے پاپوش آنکی ایسے پر آشوب زنداں میں

طرارے بھر رہی ہیں حسرتیں آوارہ گردی کی
بیاباں ہے مرے دلمیں مرا دل ہے بیاباں میں

کشش کا لطف کاوش کا مزہ پایا کہ رہتا ہے
ترا پیکاں مرے دلمیں مرا دل تیر پیکاں میں

بڑا ہی تیر مارا آنکھ اُٹھاکر مجکو کیا دیکھا
یہ کچھ منت ہے منت میں یہ کچھ احساں ہے احساں میں

عبث ہرزہ سرائی کی سفر میں تمنے اے حیرت
نہایت خوب تھا خاموش رہتے بزمِ یاراں میں

کھلیں آنکھیں تو آنکھیں بند ہو جانیکا وقت آیا
مجھے زندہ سبھی تک جانیو جبتک کہ غافل ہوں

ہوا کرتے ہیں ناز انداز یوں تو سب حسینوں میں
کہاں سے لائے کوئی آپکے بیساختہ پن کو

اُمنگیں حُسن کی اُسپر تقاضا خود نمائی کا
چھپا رکھیں چھپا سکتے ہیں گر وہ اپنے جوبن کو

خلش نوکِ مژہ کی زخمِ دل کو یاد آئی ہے
ذرا قابو میں رکھنا بخیہ گر تو نوکِ سوزن کو

مری شادی ہو اے جوشِ جنوں جی کچھ تو ٹھنڈا ہو
مرے دامن کا آنچل ہو مرے اشکوں کا سہرا ہو

خیال اسکا عبث ہی مجکو کیوں غیروں سے شکوا ہو
اُسے دشمن کی کیا حاجت ہے جس کا دوست ایسا ہو

بجا نا آپ کی آنکھیں بہت اچھی
کوئی بیمار اچھا ہو تو ہم سمجھیں مسیحا ہو

سنا جائیے باتیں دکھائیے جائیے آنکھیں — قسم ہے میں سنے گر کچھ بھی سنا ہو کچھ بھی دیکھا ہو
نہ ٹھکراؤ مرا سر بختِ خفتہ جاگ اُٹھے گا — جگانا منع ہے اُسکا جو میٹھی نیند سوتا ہو
ہوئے جاتے ہیں باہر آپ تو جامے سے غصے میں — اگر اس طرح کوئی دیکھ لے فرمائیے کیا ہو
مریجاں اسقدر پرہیز کیوں کرتے ہو حیرت سے — مرے دلمیں رہو تم تو مرے دلکی تمنا ہو

دیکھکر شایستۂ طوقِ گراں جانی مجھے — کردیا پابند قیدِ ہستیٔ فانی مجھے
کیوں دکھاتے ہو عرق آلودہ پیشانی مجھے — اِس پشیمانی سے ہوتی ہے پشیمانی مجھے
غیر کو آنے ندوں تمکو کہیں جانے ندوں — کاش ملجائے تمھارے گھر کی دربانی مجھے
میری تنہائی ہوئی یا اُنکی یکتائی ہوئی — ایک دونوں کا نظر آتا نہیں ثانی مجھے
دوستی نادان سے کی ہو گیا جی کا زیاں — اب مزا دیتی ہے کیا کیا میری نادانی مجھے
ہو اگر گھر در تو کچھ اندیشۂ وحشت نہیں — میں بیاباں گرد ہوں کیا فکرِ ویرانی مجھے
عقل سے کیا واسطہ سرشارِ جامِ عشق کو — کوئی دیوانہ سمجھتی ہے یہ دیوانی مجھے
ملگیا جو کچھ کہ ملنا تھا ہمیں روزِ ازل — پاک دامانی تجھے اور چاک دامانی مجھے
دیکھئے حیرت کی صورت کیا خدا کی شان ہے — جی رہا ہے کیونکر ابتک ہے یہ حیرانی مجھے

دوست ہو میرے مگر کس کام کے — غیر کے دشمن ہو لیکن نام کے
یہ قدم سر پر ہوں یا قدموں پہ سر — ہیں یہی دو ڈھب مرے آرام کے
ساقیٔ سرمست میخانے کی خیر — دیر سے سائل ہیں ہم بھی جام کے
دوست دشمن کا نہیں کچھ امتیاز — خاصے ہیں اُنکے لطفِ عام کے
کر گئی آخر کو رسوا تاک جھانک — ہیں نتیجے یہ برے بد کام کے
رات دن ہے کام تمکو غیر سے — دن پھریں کیونکر کسی ناکام کے
کنجِ گمنامی میں حیرت چھپ رہو — مرحلے طے کر کے ننگ و نام کے

کیا اب نہ ہوگی میری طرف کو نگاہ بھی — آخر کوئی خطا بھی ہے کوئی گناہ بھی

مُنہ تاکتی ہی رہ گئی عاشق کی آہ بھی — نکلا نہ منہ سے آپکے جھوٹوں کو واہ بھی
حیرت بُری بلا ہے حقیقت میں چاہ بھی — انکو نباہتے ہی بنیگی نباہ بھی
یہ بھیڑ بھاڑ اور یہ قیامت کی آپ تاب — محشر سے کم نہیں ہے تری جلوہ گاہ بھی
چاہا تھیں خطا ہوئی فرمایئے معاف — ہوتا ہے آدمی ہی سے آخر گناہ بھی
اُنکی طرف ہے آنکھ انھیں کیطرف ہے دل — ساقی نہیں ہمارے ہمارے گواہ بھی
ہے بلا خنجر کوچۂ قاتل — جسکو پروائے سر نہو جائے
بیطرح گھات میں ہے دزدِ نگہ — کچھ ادھر کا اُدھر نہو جائے
ہے قیامت کی دھوپ محشر میں — خشک دامانِ تر نہو جائے

حیرت

حیرت - سخنور خوش فکر و ماہرفن قاضی مقصود حسن خلف حاجی ارشاد علی صاحب آپکی مرسلہ تحریر سے معلوم ہوا کہ آپکے آبا و اجداد کا اصلی وطن یمن تھا پھر دلی ہوا - اب شاہجہانپور روہیلکھنڈ ہے - جس وقت ہندوستان میں اسلامی حکومت زوروں پر تھی اور دلی دارالخلافہ ہونیکی وجہ سے ہنرمندوں کا مرجع و ستم رسیدوں کا ملجا و ماوی تھا آپکے بزرگ قاضی سید مہدی صاحب دلی میں تشریف لائے اور بتائید اقبال بحکمِ شاہی سے خدمتِ قضا پر مامور ہوگئے - زمانہ جبتک موافق رہا آپکے بزرگ دہلوی ہونے پر فخر کرتے رہے مگر انقلابِ زمانہ اور اتفاقاتِ وقت نے ہمیشہ دلی میں رہنے نہ دیا چنانچہ بحکمِ شاہی سے شاہجہانپور گئے اور عہدۂ قضا کا فرمان بھی ساتھ لیتے گئے - اُسوقت سے وہیں ہیں اور یہ عہدہ بھی ابتک آپکے خاندان میں چلا آتا ہے -

آپ ۱۸۶۹ء میں پیدا ہوئے چودہ برس کی عمر تک اپنے چچازاد بھائی سید محمد حسن میاں سے فارسی اور عربی کی صرف و نحو پڑھتے رہے - موزونی طبع اور شاعرانہ مذاق ازل سے اپنے ساتھ لائے تھے اِس لیئے تعلیم و مطالعہ میں اکثر نظم اور فنِ نظم ہی کی کتابیں رہیں - مولٰنا جامی حضرت نظامی - امیر خسرو - اور علامۂ فیضی کے علاوہ دیگر باکمال

اساتذہ اور مشاہیر شعرائے اُردو کی تصنیفات سے بھی استفادہ کرتے رہے۔ اِس اثناء میں جب کبھی آپکا فطری جوش اُبھارتا تھا تو فارسی یا اُردو کچھ کہہ بھی لیتے تھے۔ مگر بزرگوں کے خوف اور لوگوں کی ہنسی کی شرم سے جو کچھ کہتے تھے اُسکو مخفی رکھتے تھے۔ رفتہ رفتہ بزرگوں کی چشم پوشی اور ہمنشینوں کی تحریک سے وطن کے مشاعروں میں جانے لگے۔ مگر کیفیت یہ رہی کہ اپنی غزل جو بڑے ذوق وشوق سے لکھتے تھے وہ یونہی بعض پڑھے واپس لے آتے تھے تاہم اِن جلسوں کے اثر سے روز بروز اِس شوق کو ترقی ہوتی گئی۔ طبیعت قدرتی طور سے تشبیہ و استعارہ سے بے لگاؤ تھی اور زبان کی سادگی۔ بندش کی چستی اور محاورات کی چسپیدگی پر مٹی ہوئی تھی۔ لہٰذا جو کچھ کہتے تھے اپنے رنگ میں کہتے تھے اور خود ہی کہکر اپنا دل خوش کر لیتے تھے یہ طریقہ بہت دن تک جاری رہا۔ پھر بعض شفیق دوستوں کے اُبھارنے سے مشاعروں میں غزل پڑھنی شروع کر دی۔ کچھ عرصہ بعد آپ بہ تلاشِ روزگار عازم گوالیار ہوئے اور منشی سوہن لال صاحب چیف جسٹس کی عنایت سے صدر عدالت گوالیار میں ملازم ہو گئے انھیں ایّام میں آپکے دوست مولوی غلام غوث صاحب وجد اور منشی کفایت علیخاں صاحب رُسوا نے انھیں ایک باقاعدہ اور بالالتزام شاعر بننے کی صلاح دی اور نواب فصیح الملک بہادر حضرت داغ دہلوی کا کلام بھی اکثر سُنایا۔ آپ اِس طرزِ ادا کے دلدادہ تھے ہی بلا تامل حضرت ممدوح کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ ۱۸۹۳ء میں اصلاح کے لیئے غزل بھیجی اور تلامذہ کی فہرست میں نام درج ہونے کا فخر حاصل کیا۔ دربار تاجپوشی ۱۹۰۳ء کے موقع پر آپ دلّی بھی تشریف لائے تھے۔ اور منشی رام پرشاد صاحب ظاہر دہلوی کے ہمراہ راقم سے ملاقی بھی ہوئے تھے۔ اُن ایّام میں حضرت داغ بھی دلّی میں تشریف فرما تھے۔ چنانچہ آپ روزانہ حضرت داغ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور بڑی عقیدت وارادت مندی سے پیش آتے تھے۔ آپنے ۲۰ سال کامل مشق سخن کی اور فطری ذہانت

کیونکہ جوش سے بہت اچھا ملکہ پیدا کر لیا تھا مشہور زمینوں میں ایسے ایسے شعر نکال لیجاتے تھے کہ مستند استادوں کے کلام میں ملا دیتے تھے۔ تقریباً ۱۰۵ غزلیں اور متفرق قطعات رباعیات، مسدسات اور مخمسات حضرت استاد کی نظر سے گزرے ہوئے اور اصلاح شدہ آپکے پاس موجود تھے۔ روزمرہ کی صفائی۔ مذاق اور خیال دونوں پاکیزہ مضمون کیطرف بھی میلانِ خاطر تھا اور بندش کی ندرت اور چستی آپکے کلام کا خاص جوہر تھی۔ مگر افسوس صد افسوس بعالمِ شباب ۳۷ یا ۳۸ سال کی عمر پاکر ۱۹۱۶ء میں انتقال کیا۔ دس بارہ برس ہوئے آپنے اپنے دیوان کا انتخاب راقم تذکرہ کو بھیجا تھا اس میں سے مفصلۂ ذیل شعر انتخاب کرکے پیش کشِ ناظرین کیئے جاتے ہیں *

ہم سے تو شکر بھی ہے ہونا محال تیرا
تو جان کا بھی مالک ایمان کا بھی مالک
آنکھوں کو نور بخشے دل کو سرور بخشے
کیفیتیں طلب کی اس دل سے کوئی پوچھے
ہر شے میں دیکھتے ہیں تیری تجلیاں ہم
حیرت کی یہ دعا ہے جبتک جیوں الٰہی
خانۂ دل میں نہ ڈھونڈا یونہیں بھٹکے گھر گھر

وہ لطف وہ کرم ہے اے ذوالجلال تیرا
یہ بھی ہے مال تیرا وہ بھی ہے مال تیرا
کیا جلوہ جانفزا ہے اے ذوالجلال تیرا
جس دل میں بس رہا ہے شوقِ وصال تیرا
آنکھوں کے سامنے ہے ہر دم خیال تیرا
ہر وقت وِردِ ہو تیری ہر دم خیال تیرا
لگ چکا تم کو پتہ شیخ و برہمن آنکا

کیا قیامت تھا وعدۂ دیدار
غمِ عشق راحت فزا ہو گیا
ستم کرکے اب دلمیں نادم ہو
ہوا غیر جب سے شریک ستم
وہ جادو بھری ہے کسیکی نگاہ
حسین آشنا اپنے مطلب کے ہیں

مدت العمر میں وفا نہ ہوا
مرا درد میری دوا ہو گیا
مری جان جو کچھ ہوا۔ ہو گیا
تمھارا ستم بے مزا ہو گیا
جدھر پھر گئی فیصلہ ہو گیا
ہمیں خوب یہ تجربا ہو گیا

کیوں کیا تم نے نہ آکر پائمال
ذبح تو کر ڈالا تیغِ ناز سے
آہ بیکار ہی گئی آخر
آپ نے پی کے حضرتِ واعظ
بیخودی کیوں ہے اے دلِ ناداں

میرا لاشہ خاک پر لوٹا کیا
اور پھر کہتے ہوئیں نے کیا کیا
دلِ ناکامیاب دیکھ لیا
لُطفِ جامِ شراب دیکھ لیا
کسکو خانہ خراب دیکھ لیا

آرزوؤں سے جو ٹھیرے وہی جہاں اچھا
دشمنِ جان بھی غارت گر ایماں بھی ہیں
وہ اگر تیز کئے بیٹھے ہیں خنجر اپنا
مژدۂ قتل مبارک ہو مرے دشمن کو
قتل نامہ مرا یوں تو نہ مکمل ہو گا
ابھی ٹھیرو کہ مٹی جاتی ہے بیتابیٔ دل
تم سمجھتے ہو کہ محشر میں رعایت ہو گی
ہو گئی حشر میں سب خلقِ خدا انکی طرف
اور دم بھر رہے مصروفِ تماشا قاتل
اُسنے پہچان لیا بزم میں ہمکو حیرت
ستم کر گیا اور بھی وقتِ رخصت
میرے مرنیکا یقیں جب انکو پورا ہو گیا
سرگذشتِ ہجر میں بھی تو مزا آنے لگا
شوق کے پہلو بچا کر اُسنے کی تھی گفتگو
کیا کہیں کس سے کہیں غمخوار اپنا کون ہے
کیسے بگڑتے ہو نہیں تھے غیر کے ہمراہ تم!

چھوٹ بنکر نہیں رہنا شبِ ہجراں اچھا
ان بتوں سے جو رہے دور وہ انسان اچھا
ہم بھی پھرتے ہیں ہتیلی پہ لیئے سر اپنا
آپ احسان نہ کھینچے مرے سر پر اپنا
پہلے تم نام تو لکھو سرِ محضر اپنا
ابھی رہنے دو ذرا ہاتھ جگر پر اپنا
گر طرفدار ہوا داورِ محشر اپنا
ہائے کوئی بھی نہیں ہے سرِ محشر اپنا
دو گھڑی اور بھی تڑپے دلِ مضطر اپنا
کیا پشیمان ہوئے بھیس بدلکر اپنا
وہ مڑ مڑ کے انکا ادھر دیکھ لینا
ہاتھ مل مل کر کہا افسوس یہ کیا ہو گیا
ہم مصیبت کہنے بیٹھے انکو قصہ ہو گیا
چھپ سکا لیکن نہ اظہارِ تمنا ہو گیا
ایک دل اپنوں میں تھا وہ بھی پرایا ہو گیا
میری ہی تقصیر ہے مجکو ہی دھوکا ہو گیا

مال ہی کیا تھا جو تم دلکو اُڑا کر لیگئے
اپنو جاتا تم سے نے حیرت کو وفادو نہیں فرد

امتحاں ہمکو اسی میں بس تھا ہو گیا
امتحاں کا تھا ارادہ وہ بھی پورا ہو گیا

حالِ دلِ ہجر کا نقشا نہ دیکھا
کیا لاکھوں حسیں اپنی نظر سے نہیں گزرے
دشمن کی مدح اور ہماری مذمتیں
ظالم کی جو ادا ہے غرض دلفریب ہے
چھوٹے غضب کے تھے مجھے بیچین کر گئے
مجھ میں بہت ہی دم ترے خنجر کیواسطے
یہ کہکے وہ تو داورِ محشر سے چلدیئے
مایوس ہو کے پوچھتے ہیں مجھ سے اہلِ نعش
تقصیر وار کون ہے انصاف سے کہو

دیکھو تو ادھر پھر تو کہو کیا نہیں دیکھا
اس وضع کا اِس طرز کا ایسا نہیں دیکھا
اسکے سوا ہے اور تمھارے دہن میں کیا
شوخی میں کیا ہی ناز میں کیا سادہ پن میں کیا
یارب بھرا ہوا تھا ہوائے وطن میں کیا
اتنی بھی جان اب نہیں مجھ خستہ تن میں کیا
کیا جانے بک رہا ہے یہ دیوانہ پن میں کیا
حیرت جناب داغ ہے اب دکن میں کیا
مجھ پر غضب ہے کہ دلِ بیقرار ہے

نہ قبضہ دل پہ ہے اپنا نہ قابو جانِ مضطر پر
ترے بیمارِ غم کے واسطے اب بقا سم ہے
یہ جھگڑا تو یہیں کا تھا یہیں اسکو مٹا دیتے
خیالِ چشمِ میگوں میں یہ کیفیت ہے حیرت کی
جلوۂ یار عجب شان سے ہم دیکھتے ہیں
ترکِ الفت تو کرے صبر سے ممکن ہی نہیں
سینہ و دل کبھی آباد تھے ارمانوں سے
غیر مقتل سے کوئی دم میں ہوا ہوتا ہے
اے اجل اب تو یہیں ڈھیر ہمارا ہو گا
دیکھنے دو ہمیں چہرے کو چھپاتے کیوں ہو

الٰہی کیا کروں دل ٹوٹ کر آیا ہے دلبر پر
کہ اِسکی زندگی تو منحصر ہے آبِ خنجر پر
ہمارا فیصلہ کیوں منحصر رکھا ہے محشر پر
کبھی گرتا ہے شیشہ پر کبھی گرتا ہے ساغر پر
صورتِ آئینہ حیران سے ہم دیکھتے ہیں
یہ تو باہر ترے اِمکان سے ہم دیکھتے ہیں
اب وہی گھر ہیں کہ ویراں سے ہم دیکھتے ہیں
پاؤں اُکھڑے ہوئے میداں سے ہم دیکھتے ہیں
پاؤں اُٹھتا نہیں میدان سے ہم دیکھتے ہیں
کیا خبر تمکو کس ارمان سے ہم دیکھتے ہیں

وہ ترے شعر سنا کرتے ہیں اکثر حیرت
ذوق ہے کچھ ترے دیوان سے ہم دیکھتے ہیں

وصل کے وعدے پہ وہ اچھی طرح جچتے نہیں
عہد کچھ یونہی سے ہیں پیمان کچھ یونہی سے ہیں
ذاتِ والا میں تو ہیں سارے فرشتوں کے صفات
شیخ صاحب آپ تو انسان کچھ یونہی سے ہیں

اپنا یہ حال جان چلی اضطراب میں
اُنکا یہ قول ٹالئے برسوں جواب میں
بے التفاتیوں کا گلہ اُن سے کیا کروں
کیا کم عنایتیں ہوئیں مجھ پر عتاب میں
عاشق بھی کہتے مجکو کہا ہے جو نامُراد
اتنا اضافہ اور ہو میرے خطاب میں
ہر روز ایک کشمکشِ تازہ پیش ہے
حیرت کی جان عشق نے ڈالی عذاب میں

نکلنا دل سے تیرو کا ترے مشکل سمجھتے ہیں
بتِ ناوک فگن ہم انکو جزوِ دل سمجھتے ہیں
دمِ تقریر سو پہلو بچاؤں میں تو مطلب کے
غضب یہ ہے وہ میرا مدعائے دل سمجھتے ہیں
بڑے نیلوٹ ہیں ہنستے چڑھا جو اُنکے اُنکا ہے
پرایا دل سمجھتے ہیں نہ اپنا دل سمجھتے ہیں
تمھاری طرح یہ بھی خون ارمانوں کے کرتا ہے
تمھیں قاتل نہیں ہم دلکو بھی قاتل سمجھتے ہیں
تجھی کو مانگتے ہیں تجھسے تیرے مانگنے والے
حقیقت دو جہاں کی کیا ترے سائل سمجھتے ہیں
بڑی بیڈھب جگہ اٹکے ہوا کی بار لے حیرت
تمھارے داؤں میں وہ آئے ہم مشکل سمجھتے ہیں

سینہ و دل میں چلا کرتی ہیں چھریاں کیا کیا
جسدم آتا ہے خیالِ خمِ ابرو دل میں
ناوک انداز میں قربان تری آنکھوں کے
تیر تیرے ہوئے سب آکے ترازو دل میں

نہ وعدوں ہی سے ملتے ہیں نہ اقراروں سے ملتے ہیں
خدا جانے یہ بت کیونکر طلبگاروں سے ملتے ہیں
جنابِ شیخ اب چھپ چھپکے میخواروں سے ملتے ہیں
یہ اپنی وضع کے پابند ہیں یاروں سے ملتے ہیں
ملاقاتوں سے نیت کوئی مشتاق کی بھرتی ہے
تمنا اور بڑھتی ہے جو دلداروں سے ملتے ہیں
مزا ملتا ہی اسمیں شے کسیکو بے طلب کوئی
یہ کیا ملنا ہے دو بوسے جو تکراروں سے ملتے ہیں
یہ حسن و عشق کی دولت ہے جتنے داغ ہیں دلپر
یہی انعام ان فیاض سرکاروں سے ملتے ہیں
نہ جلوہ دلربا تجھسا نہ بوئے جانفزا تجھ سی
یہ گل رنگت میں کچھ کچھ تیرے رخساروں سے ملتے ہیں

مزے کی چھیڑ ہوتی جاتی ہے صحرا نوردی میں
قدم کے آبلے سب پھوٹکر خاروں سے ملتے ہیں

مری حالت پہ وقت واپسیں کیا اُنکو رحم آیا
الٰہی خیر وہ کیوں میرے غمخواروں سے ملتے ہیں

اے چارہ گر نہ پوچھ کہاں ہے کہاں نہیں
قابل علاج ہی کے یہ دردِ نہاں نہیں

تھا اُن شرارتوں کا مزہ کم سنی کے ساتھ
پہلے جو شوخیاں تھیں وہ اب شوخیاں نہیں

بدلی ہوئی نگاہ کو پہچانتے ہیں ہم
یوں آپ لاکھ کہیے کہ ہم بدگماں نہیں

اُمیدِ لطف تم سے نہو تو کسی سے کیا
کون اپنا مہرباں جو تمھیں مہرباں نہیں

حیرت کسی نے یاد کیا ہے تمھیں ضرور
ہو وجہ ہجر یار میں یہ ہچکیاں نہیں

مری تصویر کا سر کاٹنے بیٹھے ہیں خنجر سے
انھیں ہر دم یہی دھن ہے ستم ہو اور نرالا ہو

جفائے غیر کا شکوہ کیا میں نے تو وہ بولے
ہمارے چاہنے والے کا پتھر کا کلیجا ہو

مرے نالے وہ سنکر حشر میں کہنے لگے چپ چپ
یہ کیا کہتا ہے ظالم داورِ محشر نہ سنتا ہو

نگہِ یاس بھی قیامت تھی
کچھ نہ پوچھو جو اُنکی حالت تھی

آج دیکھا تھا بے حجاب انھیں
ہائے کیا دلفریب صورت تھی

دردِ الفت کی سختیاں اُف اُف
رات بھر نزع کی سی حالت تھی

ہوش جاتے رہے خدا کی قسم
اُنکا جلوہ تھا یا قیامت تھی

کون کرتا ہے گلہ تم سے شکایت کیسی
مہرباں خوب کرو ظلم رعایت کیسی

بات میں بات نئی فقرہ پہ فقرہ تازہ
چلبلی پائی ہے ظالم نے طبیعت کیسی

اُن سے پوچھا کہ تمھیں رسمِ وفا آتی ہے
ہنسکے فرمایا نہیں ہمکو جفا آتی ہے

جلوۂ روئے بتاں ہے وہ حجاب زاہد
جسکے نظارہ سے آنکھوں میں ضیا آتی ہے

شبِ غم نالہ ہو۔ فریاد ہو۔ یا آہ و فغاں
شغل ہو کوئی غرض دل کے بہلنے کے لیے

شکوۂ رشکِ عدو پر یہ ملا ہمکو جواب
تجھے اللہ نے پیدا کیا جلنے کے لیے

ہمارے حق میں جہاں تنگ ہو آپ سے ہرگز
اُٹھا نہ رکھنا کوئی بات مہرباں باقی

جلوۂ ہوش رُبا دیکھ کے اوسان گئے
کلمہ پڑھتے ہوئے اُس بُت کا مسلمان گئے

ہائے کیا بزم تھی کیا لوگ تھے کیا جلسے تھے
یا الٰہی وہ کدھر عیش کے سامان گئے

منصف ہو تو دشمن کے طرفدار نہ ہونا
انصاف وہ کیا جس میں رعایت ہو کسیکی

ظالم تری تصویر میں جادو کا اثر ہے
بچتی ہی نہیں آنکھ میں صورت ہو کسیکی

گھبرا کے وہ کہنے لگے فریاد ستم پر
اچھا جو ستانے ہی کی عادت ہو کسیکی

تغافل کی ادا ظالم کی دنیا سے نرالی ہے
قیامت توڑ دی ہے جب نظر چل پھر کے ڈالی ہے

الٰہی خیر یہ ہلچل مچی ہے کسکے آنے کی
سر گورِ غریباں کیا قیامت اُٹھنے والی ہے

کیا اپنے فن میں دزدِ حنا کو کمال ہے
چُوکی ذرا نگاہ کہ یاروں کا مال ہے

افسانۂ عدو میں یہ دلچسپیاں کہاں؟
آپ اسکو سُنیئے۔ سننے کے قابل یہ حال ہے

کسکی اُڑائی طرزِ روش تو نے فتنہ گر
یہ تو نہ چرخ کی نہ قیامت کی چال ہے

کچھ بھی پلے نہ پڑا ادائے تمنا کے سوا
ایسی کمبخت تھی پھوٹی ہوئی قسمت دلکی

مہرباں بوسۂ لب کوئی بڑی بات نہیں
آپ گھبرا گئے کیوں سُنتے ہی قیمت دلکی

مختصر جملے ہیں وہ شوق کی تحریروں کے
شکر یہ آپ کا ہے اور شکایت دلکی

کیا کہیں آپ سے حیرت کا بُرا حال ہے کیوں
کچھ کرم آپکا ہے کچھ ہے عنایت دلکی

ہزاروں میں نکلتا ہے کوئی شخص
نہو خواہاں وفا کے ہر بشر سے

مزے دیتا ہے کیا کیا خارِ اُلفت
کھٹک اسکی کوئی پوچھے جگر سے

میرے جھگڑوں کے لیئے کافی نہیں روزِ جزا
یا الٰہی دوسرا اک اور محشر چاہیئے

غیر ہے تجھ سے زیادہ باوفا یہ کیا کہا
دل میں کچھ انصاف بھی اے بندہ پرور چاہیئے

حیرت اُسکے چاہنے والے ہزاروں ہوں تو ہوں
اپنی قسمت چاہیئے اپنا مقدر چاہیئے

یہ شباب حُسن یہ حسن شباب
حشر تک تجھ پر یہی عالم رہے

ایک دن دو دن نہایت تین دن
عمر بھر کیوں غیر کا ماتم رہے

حیرت

حیرت منشی نور احمد خان دہلوی محرر سارجنٹ پولیس زیادہ حال معلوم نہ ہوسکا۔ چند شعر ملے درج کیئے جاتے ہیں ؎

منظور اگر ترکِ ملاقات ہے بہتر	حاصل تمھیں کیا روز کے بیفائدہ شر میں
چھائی ہے گھٹا سر پہ غم و رنج و اَلم کی	ہر روز برستی ہیں بلائیں مرے گھر میں
عاشق ہو کہ معشوق اسے مان لو حیرت	ہے جلوۂ ذات ایک جو آتا ہے نظر میں

حیرتی

حیرتی منشی محمد علیخان باشندۂ عظیم آباد پٹنہ۔ راجہ پیارے لال اُلفتی دہلوی مقیم پٹنہ اور میر وزیر علی حیرتی سے فن سخن میں فیض پایا تھا۔ عرصہ ہوا انتقال کیا۔ یہ اُنکا کلام ہے

نہ پوچھو ہمدمو نام و نشاں میرا بتاؤں کیا	میں اک لیلی کا مجنوں ہوں بیاباں ہے وطن میرا
ہمارے لختِ دل ہیں اسطرح اشکِ مسلسل میں	پڑے ہوں دانۂ یاقوت جیسے سلکِ گوہر میں
اے ماہ جب آنکھوں میں تو ہی جلوہ نما ہو	پھر مردمِ دیدہ کی کہاں آنکھوں میں جا ہو
اِس طرح مری پیاس بجھا اے مرے قاتل	آب دمِ شمشیر ہو اور میرا گلا ہو
کس طرح دکھائے وہ کسی غیر کو صورت	آئینہ نہ دیکھا کبھی جسنے یہ حیا ہو
اِدھر تو کشورِ دل کو لٹتا ہے ترکِ نگاہ	اِدھر ہے لشکرِ مژگاں پرا جمائے ہوئے

حیف

حیف۔ میر چراغ علی حیف لکھنوی شاگرد میر شیر علی افسوس۔ آخر اٹھارھویں صدی کے شعرا میں تھے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو ؎

جبکی ہر اک اُمید مبدل بہ یاس ہو	کیا اُس مریضِ عشق کے جینے کی آس ہو

	ق	
ملنے بھی نہ پائی اُس جواں سے		حسرت زدہ ہم چلے جہاں سے
کافی ہے ترا ہی دید مجکو		کیا کام بہار و بوستاں سے
کیا پوچھے ہے حیف کی حقیقت		ناشاد گیا وہ اس جہاں سے
وہ مہر جہانتاب اگر بام پر آوے		تا بندگی نیّر اعظم نظر آوے
جی چاہے تو نزدیک ہے فاخوب لیکن		ہو لطف جو تیری بھی طبیعت ادھر آوے

کہتا ہے کوئی بال اُسے کوئی رگِ گُل　|　کچھ میں بھی کہوں تیری کمر جو نظر آوے
کانوں میں نہیں ہیں اُسکے بالے　|　اِک چاند کے دو ہوئے ہیں ہالے

حیف — حیف شیخ محمد حاجی متوطن شاہجہان آباد متخلص بہ حیف۔ آخر اٹھارہ صدی میں حیات تھے شوق نے اپنے تذکرہ میں انکا ذکر کیا ہے۔ یہ کلام کا خلاصہ ہے ۔

نظر آیا جو سکھ رات کو اُس مہر تاباں کا　|　خجل ہو ماہ نے منہ چادرِ مہتاب میں ڈھانکا
اکیلا بیٹھکر روتا ہوں سر زانو پہ رکھ ہمدم　|　اٹھانا یاد جب آتا ہے مجھکو اُسکے داماں کا
اُسنے چھپکر مجھے لکھی تھی حقیقت جس میں　|　وائے قسمت وہ کتابت لگی اغیار کے ہاتھ
حیف کا قتل ترے ہاتھ سے ہوگا ظالم　|　یہ کہا دیکھ برہمن نے مرے یار کے ہاتھ
آتا نظر نہیں کوئی ہمدرد یاں ۔ مجھے　|　اے گردشِ سپہر لے آئی کہاں مجھے

حیف — حیف منشی عبدالمجید حیف باشندۂ خان پورہ شاگرد شوکت۔ کلام صاف ستھرا ہے استعداد بھی خاصی معلوم ہوتی ہے۔ طبیعت میں جدت ہے اور مضمون پیدا کرنیکی کوشش کرتے ہیں۔ چند شعر حاضر ہیں ۔

کیوں بارِ عشق تونے رقیبوں کے سر دھرا　|　اِتنا تو ناتواں یہ ترا ناتواں نہ تھا
شُبک کر بارِ احساں سے بہت بھاری ہے سر تیغ　|　وگرنہ بوجھ محشر تک رہیگا تیری گردن پر
ہو تسلی دلکو اے وعدہ شکن اقرار میں　|　فرق جب معلوم ہو اقرار اور انکار میں
اللہ اللہ کیا ہے لذت آب پیکانہیں ترے　|　تیر کی جا اُڑ کے دل خود جالگا سوفار میں
نوکِ مژگاں گھات میں ہے تیغ ابرو تاک میں　|　دلکی کچھ بحث آپڑی ہے تیر اور تلوار میں
آسمیواں موسہ تو وہیں ہے خدا جلوہ گر ہے　|　تُو نے اس کعبہ کا باندھا کبھی احرام نہیں
کیا کہیں گر نہ کہیں گردشِ قسمت اسکو　|　جوش پر ابر ہے گردش میں مگر جام نہیں
مری آنکھوں میں اسی انداز سے آکر سما جاؤ　|　مجھے تم ہو جدھر دیکھوں حرم ہو یا کلیسا ہو
وہ کہتے ہیں قیامت پہلے آلے تو ہم آئینگے　|　وفائے وعدہ کے حق میں جو فقرہ ہو تو ایسا ہو

ہماری تشنہ کامی کو ہے کافی تیغ لب قاتل
دکھا خنجر اُسے جو آب خنجر کا پیاسا ہو

تماشائے جمال یار پر غش ہیں تماشائی
تماشا اُسکا خود وہ جو تماشا ہو تو پھر کیا ہو

کہاں سے بھر گئیں نوک سناں میں لینے تیزی سی
کہ اب تک ہر لب زخم جگر کو کاٹتا دل ہے

ہیں کیوں مجنوں صفت وحشت میں صحرا کو نکل جاؤں
کہ میرے خلوت دل لیلئ عرفاں کا محمل ہے

حیف ۔ وجیہ الدین احمد خان ولد سعید الدین احمد خان ۔ ریاست رامپور کے رہنے والے ایک خوشخو اور خوش رو نوجوان ہیں۔ آبائی پیشہ مالگذاری تھا۔ مگر آپنے اُسے ترک کرکے چندوسی ضلع مُراد آباد میں شکر کا کارخانہ جاری کیا۔ گردش زمانہ سے وہ بھی نہ چلا پھر ۱۸۹۸ء سے ۱۹۰۱ء تک جھالاواڑ کی ریاست میں اُمیدوار ملازمت رہے۔ محض غزل گوئی اور مدح سرائی سے شغل رہا پھر ریاست کوٹہ میں ملازمت اختیار کی اب وہاں سب انسپکٹر ہیں شروع مشق میں مولوی عبد الغنی خانصاحب جاوید تلمیذ منیر سے اصلاح لیتے رہے اُنکے انتقال کے بعد امیر مینائی کے سلسلۂ تلامذہ میں داخل ہوگئے۔ کلام اچھا ہے صفائی سادگی بندش ہر ایک صفت ایک حد تک موجود ہے۔ انتخاب ملاحظہ ہو:۔

ہر ادا یار کی ہے دل کی اُڑانے والی
چور ہیں گھات میں مشکل ہے بچانا دل کا

کیا بُرا حال ہوا عشق بتاں میں اے حیف
ہم نہ کہتے تھے کہ اچھا نہیں آنا دل کا

اور کس سے ہو اُمید دوستی
دل جو اپنا تھا پرایا ہو گیا

واں شام شب وعدہ لگی پاؤں میں مہندی
یاں رنگ اُڑا روئے دعائے سحری کا

لاتے ہیں مجھے ہوش میں یہ کہکے "وہ آئے"
ممنوں ہوں احباب کی اس چارہ گری کا

وہ آکے گئے بھی تجھے کچھ ہوش نہ آیا
اے حیف ٹھکانا ہے تری بے خبری کا

ہماری چال ہم سے چل گئے وہ
ہمیں کو دے گئے فقرہ ہمارا

کچھ اشارہ میں بتایا کچھ نگاہوں میں کہا
کہہ دیا سب کچھ مگر مُنہ سے کہا کچھ بھی نہیں

غیر کی جان ہے؟ یوں ہجر کے صدمے جھیلے
میری ہمت۔ مرا دل۔ میرا کلیجا دیکھو

آپنے اپنے ہی خنجر کی روانی دیکھی	ٹھیرو ٹھیرو تنِ بے سر کا تماشا دیکھو
پرتو فگن جو سبزۂ رخسارِ یار ہو	لوحِ زمرّدیں مری لوحِ مزار ہو
پسند آیا لباسِ خاکساری	مجھے ریگِ رواں آبِ رواں ہے
نگوں بختِ ازل سے کیا ملے گا	بہت اونچا مزاجِ آسمان ہے
ہر سعادت کا مری چہرہ سیہ ہو جائیگا	تیرہ بختی یہ ترا کاجل سلامت چاہیئے
لڑکھڑاتے ہیں رہِ شوق میں جب پائے طلب	تھامنے مجکو مری لغزشِ پا آتی ہے
شوخی کی چھیڑ چھاڑ ہے شرم و حجاب سے	اُلجھا ہوا ہے اُنکا لڑکپن شباب سے

حیفی

حیفی منشی محب الدین احمد دہلوی خلف منشی چندن لال کالستھ تحصیلدار تخلص حیفی تلمیذ منشی ہرگوپال تفتہ۔ سابق میں نواب کلب علیخان والی رامپور کے ملازم تھے۔ اور وہیں مذہب آبائی کو چھوڑ کر مسلمان ہوئے اب خانہ نشین ہیں۔ فارسی میں بھی سخن طرازی کرتے ہیں اور اردو میں بھی۔ دونوں میں صاحب دیوان ہیں۔ قصیدہ و تاریخ گوئی میں بھی مہارتِ تامّہ حاصل ہے اب ۷۰ برس کی عمر ہے یہ چند شعر اُنکے ہیں ؛

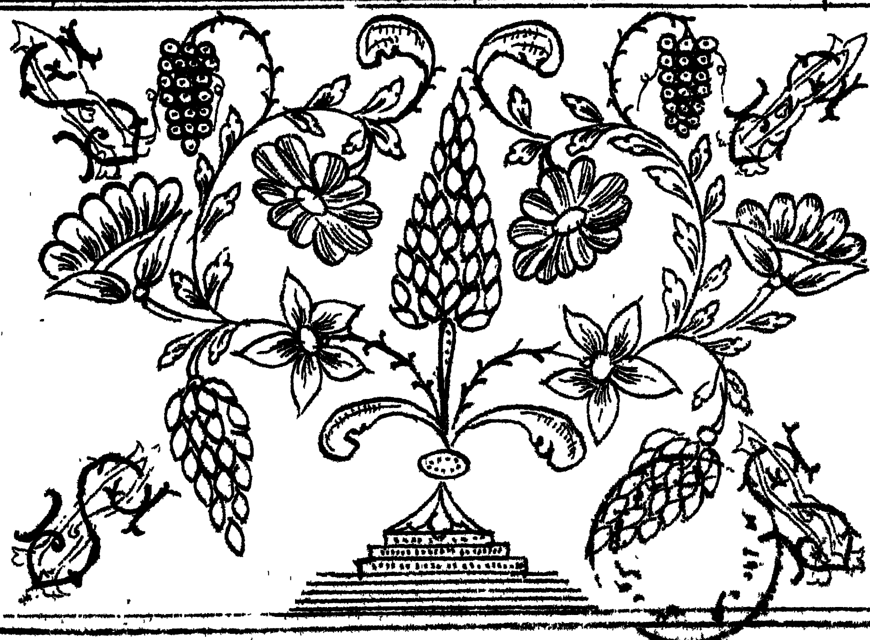
مثلِ نکہت جب وہ گلرو زیبِ گلشن ہوگیا		خندۂ شادی ہر اک بلبل کا شیون ہوگیا
غیر اُس بزم سے ہو کر جو پشیمان نکلا		حسرتِ دل یہ پکاری مرا ارماں نکلا
گشتہ سمجھ کے گردشِ چشمِ نگار کا		آہو طواف کرتے ہیں میرے مزار کا
افسردہ دل کو وہ ہی جلن بعد مرگ ہے		گل بھی ہوا نصیب تو شمعِ مزار کا
دجلہ بار آج ہے پھر دیدۂ حیفی افسوس		ساتھ غیروں کے وہ شاید لبِ دریا پہنچے
مانگیئے گر شوقِ جفا مانگیئے	ق	چاہیئے گر دردِ جگر چاہیئے
پوچھتا قسّامِ ازل ہم سے گر		کیا تجھے اے خاک بسر چاہیئے
ہم بھی یہ کہتے بدمِ سردِ آہ		داغِ دل و داغِ جگر چاہیئے
میں اک عیسیٰ نفس پر مر گیا ہوں		مرے حصے میں عمرِ جاوداں ہے

دیکھئے خاک میں کس کسکو ملائے تقدیر	آج اِک آئینہ رو محو خود آرائی سے ہے

مندرجہ ذیل شاعر کا کلام بعد ترتیب بہم پہنچا اسلئے آخر میں درج کیا گیا

حیا - منشی عبد الغفور باشندہ علیگڑھ حال مقیم اجمیر - آپکی عمر ۳۰ برس کے قریب ہے اور کئی برس سے منشی امیر مرزا زاہد اکبر آبادی کے شاگرد ہیں - عین ہنگام کتابت میں چند غزلیں ملیں اُن میں سے اشعار ذیل منتخب ہوئے -

اب کیا وعدہ و فا تم نے تو کیا	جب نہ کچھ باقی رہا بیمار میں
میں رہ جاتا ہوں اُسدم کو سکر اپنے مقدر کو	اداسے جب وہ کہتے ہیں پرے ہو دور ہو گھر کو
کبھی منا کبھی بنکر بگڑ جانا تماشا ہے	پھر اسپر کہتے جاتے ہیں بڑھاتے ہو تمھیں شر کو
حالِ دل اُسکو سنانے کی بنے کیا صورت	جب وہ صورت ہی دکھانیکا روادار نہو
دلِ بیتاب کو کیونکر ہو تسلی ظالم	خواب میں بھی جو میسر ترا دیدار نہو
آج بیڈھب وہ بگڑے بیٹھے ہیں	دل میں کیا جانے کیا سمائی ہے
چھپکے پیتا شراب کا زاہد	واہ کیا خوب پارسائی ہے



تقاریظ

خمخانۂ جاوید جلد دوم

تقریظ از نتائج افکار گہربار فخر شعرائے زمان سعدی ہندوستان سلطان قلم و فصاحت موجد طرز نوی شمس العلماء مولنا الطاف حسین حالی مدظلہ از ارشد تلامذہ حضرت غالب مرحوم

خمخانۂ جاوید یعنی تذکرہ شعرائے اُردو زبان مرتبہ جناب لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے۔ رئیس دہلی خلف الصدق جناب آنریبل رائے بہادر لالہ مدن گوپال صاحب مرگباشی اس تذکرے کی جو اہمیت میرے دل میں ہے اور جو خصوصیت مجکو صاحب تذکرہ اور اُنکے معزز خاندان سے حاصل ہے اُسکے لحاظ سے مجکو اُسکی پہلی جلد پر سب سے پہلے اپنے خیالات ظاہر کرنے چاہئیں تھے۔ مگر بدقسمتی سے ایسے مکروہات پیش آتے رہے کہ میں اطمینان کے ساتھ اُسکی نسبت کچھ نہ لکھ سکا۔ اگرچہ کافی اطمینان اب بھی میسر نہیں ہے لیکن چونکہ تذکرے کی دوسری جلد بھی عنقریب چھپکر شائع ہونے والی ہے اسلیئے میں نے خیال کیا کہ مبادا اس اہم تالیف کی نسبت پھر مجکو اپنے دلی خیالات ظاہر کرنے کا موقع نہ ملے لہذا میں نے نہایت ضروری سمجھا کہ اپنی ناچیز رائے اُسکے متعلق ظاہر کرنے میں اب دیر نکروں ÷

اس تذکرے کی پہلی جلد کو چھپے ہوئے تین برس گزر چکے ہیں۔ دہلی و لکھنؤ و اطراف

ہندوستان کے بڑے بڑے نامور شعرا اور اہلِ کمال نے اُس پر نہایت عمدہ رائیں ظاہر کی ہیں جس صفائی اور سلاست سے اس میں شعرا کے تراجم لکھے گئے ہیں اور جس سلیقہ سے اُن کا کلام انتخاب کیا گیا ہے اور جس کوشش و جانفشانی سے اُنکے حالات اور اُن کا کلام بہم پہنچایا گیا ہے اور جس ادب و احترام کے ساتھ قدما سے لیکر معاصرین تک سب کا نام لیا گیا ہے اِن سب باتوں کو تقریبًا تمام تقریظ نگاروں نے تسلیم کیا ہے اور سب سے بڑھکر میں نہایت صدق دل سے تسلیم کرتا ہوں۔ پس تذکرہ یا تذکرہ نویس کو پبلک سے روشناس کرانے کی اب زیادہ ضرورت نہیں ہے میں اس موقع پر صرف تذکرے کی جامعیت کی نسبت چند الفاظ لکھنے چاہتا ہوں ؂

اب تک اِس تذکرے کی صرف پہلی جلد راقم کی نظر سے گزری ہے جو ۶۸۹ صفحوں پر ختم ہوئی ہے۔ اُسکے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اس جلد میں صرف اُن شاعروں کا کلام اور اُنکے حالات درج ہوئے ہیں جن کا تخلص الف یا بے سے شروع ہوتا ہے۔ اِس سے ظاہر ہے کہ منجملہ ۳۰ کے صرف دو ردیفیں اِس جلد میں قلم بند ہوئی ہیں اور کم سے کم ۲۸ ردیفیں باقی ہیں۔ اِس سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ اگر سب ردیفیں اسی شرح و بسط کے ساتھ لکھی گئیں جیسی کہ الف اور بے کی ردیفیں لکھی گئی ہیں تو یہ تذکرہ جامعیت کے لحاظ سے بلا مبالغہ شعرائے اُردو زبان کی ایک ایسی سائیکلوپیڈیا ہوگی جسکی نظیر اُردو تذکروں میں نایاب سمجھی جائیگی۔ اور اُردو زبان میں یہ ایک ایسا اضافہ ہے جس کا تمام اہلِ ملک کو ممنون ہونا چاہیئے۔ آجکل اہلِ ملک کی بدقسمتی سے جو اختلاف ہندو مسلمانوں میں اُردو زبان کی مخالفت یا اُسکی حمایت کی وجہ سے برپا ہے اُسکی رفع دا اگر ہو سکتی ہے تو اِسی طریقے سے ہو سکتی ہے کہ ہندو تعلیم یافتہ اصحاب کشادہ دلی اور فیاضی کے ساتھ اُردو زبان میں جو درحقیقت برج بھاشا کی ایک ترقی یافتہ صورت اور اُسکی ایک پروان چڑھی ہوئی اولاد ہے اِسی طرح تصنیف و تالیف کریں جس طرح ہمارے ہر دل عزیز ہیرو نے ایں

طولانی تذکرے کو ختم کرنے کا ارادہ کیا ہے اور مسلمان مصنفین بے ضرورت اُردو میں عربی فارسی کے غیر مانوس الفاظ استعمال کرنے سے جہانتک ہوسکے پرہیز کریں اور اُنکی جگہ برج بھاشا کے مانوس اور عام فہم الفاظ سے اُردو کو مالا مال کرنے میں کوشش کریں۔ اور اس طرح دونوں قوموں میں آشتی اور صلح کی بنیاد ڈالیں اور ایک متنازع فیہ زبان کو مقبولۂ فریقین بنائیں۔ جیسی کہ لکھنؤ جانے سے پہلے تقریبًا اہل دہلی کی زبان تھی۔ مذکورۂ بالا اختلاف کے متعلق جو تعصب اور ناگواری کا الزام ہندوؤں پر لگایا جاتا ہے اسی قسم کا بلکہ اس سے زیادہ سخت الزام مسلمانوں پر لگایا جاسکتا ہے کون نہیں جانتا کہ مسلمان باوجودیکہ تقریبًا ایک ہزار برس سے ہندوستان میں آباد ہیں مگر اس طول طویل مدت میں اُنھوں نے چند مستثنیات کو چھوڑ کر کبھی سنسکرت یا برج بھاشا کی طرف باوجود سخت ضرورت کے آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھا۔ جس سنسکرت کو یورپ کے محقق لاطینی و یونانی سے زیادہ فصیح زیادہ وسیع اور زیادہ باقاعدہ بتاتے ہیں اور جسکی تحقیقات میں عمریں بسر کردیتے ہیں مسلمانوں نے عام طور پر کبھی اسکو قابلِ التفات نہیں سمجھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ سنسکرت کا سیکھنا کوئی آسان کام نہیں ہے تو برج بھاشا جو بمقابلۂ سنسکرت کے نہایت سہل الوصول ہے اور جسکی شاعری نہایت لطیف شگفتہ اور فصاحت و بلاغت سے لبریز ہے اُسکو بھی عمومًا ہمیشہ بیگانہ وار نظروں سے دیکھتے رہے حالانکہ جو اُردو اُن کو اسقدر عزیز ہے اُسکی گریمر کا دارو مدار بالکل برج بھاشا یا سنسکرت کی گریمر ہی ہے عربی۔ فارسی سے اُس کو صرف اسقدر تعلق ہے کہ دونوں زبانوں کے اسماء اُس میں کثرت سے شامل ہوگئے ہیں۔ باقی تمام اجزائے کلام جنکے بغیر کسی زبان کی نظم یا نثر مفید معنی نہیں ہوسکتی۔ برج بھاشا یا سنسکرت کی گریمر سے ماخوذ ہیں۔ سچ یہ ہے کہ مسلمانوں کا ہندوستان میں رہنا اور سنسکرت یا کم سے کم برج بھاشا سے بے بہرہ یا متنفر ہونا بالکل اپنے تئیں اس مثل کا مصداق بنانا ہے کہ "دریا میں رہنا اور مگرمچھ سے بیر"

قصہ مختصر جس ذوق و شوق سے معزز مؤلف نے اس تذکرے کے لکھنے پر کمر باندھی ہے اور جس استقلال کے ساتھ وہ طالب علمی کے زمانے سے لیکر آجتک اُن تمام مشکلات پر غالب آتے رہے ہیں جو اس مفید کام کے انجام دینے میں اُن کو پیش آئیں اُس سے اِس عام خیال کی بوجہ احسن تردید ہوتی ہے کہ انگریزی تعلیم بجائے اِسکے کہ قومی تعصبات سے دلوں کو پاک کرے اور اُلٹی تعصب و ناگواری کی آگ ملک میں مشتعل کرنے والی ہے۔

بہرحال ہم دل سے دُعا کرتے ہیں کہ جو مفید کام ہمارے دلی دوست مسٹر سری رام صاحب نے شروع کیا ہے اللہ تعالی اُسے بخیر و خوبی انجام کو پہنچائے اور اس تصنیف کو قبولِ عام کے زیور سے آراستہ فرمائے۔

آخر میں ہم معزز مصنّف کی خدمت میں اِس بات کے عرض کرنے کی معافی چاہتے ہیں کہ صفحہ ۳۰۸ پر جہاں حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمۃ اللہ کا حال لکھا گیا ہے اُس میں چند فرو گذاشتیں ہوگئیں ہیں۔ اول تو شاہ صاحب ممدوح کا اُردو زبان میں شعر کہنا اور اشتیاق تخلص کرنا ثابت نہیں ہوا۔ دوسرے اُن کا وطن سرہند اور مجدد الف ثانی کی نسل سے ہونا اور فیروز شاہ کے کوٹلہ میں سکونت پذیر ہونا غلط معلوم ہوتا ہے۔ کسی طریقہ سے اِس غلطی کی اصلاح فرما دیجائے ؛

راقم۔ خاکسار **الطاف حسین** حالی۔ از پانی پت

تقریظ دلپذیر از فکرِ ارجمند آسمان پیوند نخلبند گلستان معانی واقف رموز شیرین بیانی سخن طراز جادو نگار افسر الشعرا حضرت آغا شاعر دہلوی از ارشد تلامذہ حضرت فصیح الملک مرزا داغ مغفور

یا مالکِ کل جس چیز پر میں اسوقت قلم اُٹھا ہوں وہ خمخانہ جاوید کی ایک تقریظ

ہے گو اسکی بابت ایک عرصے سے مجھ پر تشدد ہو رہا تھا مگر افسوس ہیں ایسا بد نصیب تھا کہ کسی طرح بھی اپنی بیقاعدہ زندگی میں سے کوئی وقت اس لاثانی کتاب کے لیئے نہ نکال سکا۔ آج اتفاق سے مَیں نے برسوں کے بعد پھر اس جلد کو اٹھا لیا اور اب جو کچھ مَیں دیکھتا جاتا ہوں حوالۂ قلم کرتا ہوں۔

"خمخانہ جاوید یا تذکرہ ہزار داستان کی یہ پہلی اشاعت ہے جو تقریباً ۷۰۰ صفحوں پر ختم ہوتی ہے۔ لکھائی چھپائی سب قابل تعریف۔ مگر سرورق کے بعد جو صفحہ ہے اُسے دیکھ کر تو بے اختیار کاغذ پر باغ و بہار کا دھوکا ہوتا ہے۔ واقعی یا تو میری نگاہوں نے آجتک اس سے بہتر نقاشی لیتھو پریس پر نہیں دیکھی۔ یا خمخانۂ جاوید کا حجاب ہی ایک نرالا سین ہے جو اُردو کی کسی کتاب پر اس شان سے نہیں کھینچا گیا۔ آگے چلکر اس تذکرہ کا ڈیڈیکیشن بھی خاص نوعیت رکھتا ہے۔ کیونکہ اس بیش بہا تالیف کو ہز ہائنس بندگانِ عالی حضرت آصفجاہ خلد اللہ ملکہٗ فرماں روائے دکن کے نام نامی سے معنوَن کیا گیا ہے۔ یہ صفحے جہاں اُلٹے پھر ایک دریائے ذخار موجزن تھا اور اُس میں غوطہ لگانا مجھ جیسے ناآشنائے شناوری کا کام نہیں مگر پھر بھی اتنا ضرور کہونگا کہ اُردو داں پبلک کے لیئے یہ کتاب یقیناً غیر معمولی نعمت ہے۔ جسے دلّی کے ایک لبا قابل۔ بیدار مغز سخن فہم بلکہ فنا فی الشعر شخص نے اپنی ۷ سال کی محنت۔ کاوشِ دل و دماغ اور صرف زرِ کثیر سے ترتیب دیکر ملک میں مفت تقسیم کر دیا ہے رہا انتخابِ کلام اور شعرا کی تعداد۔ اسکے لیئے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ میں محاسب نہیں اور بقول لارڈ ٹینسن ایک شاعر کو حساب سے کچھ تعلق بھی نہیں ہو سکتا بدیں وجہ یہ لکھدینا کافی ہوگا کہ میری رائے میں خمخانۂ جاوید ایک ایسی جامع فرہنگ ہے جو فرہنگ آصفیہ سے پہلو مارتی ہے۔ مولوی سید احمد صاحب دہلوی نے اگر ۵ دماغوں کے برابر ایک دماغ سے کام لیا ہے تو میرے معزز دوست لالہ سری رام صاحب ایم اے

نے بھی اس تذکرے کی تالیف سے اپنے آپ کو غیر معمولی انسان ثابت کر دینے میں
ذرہ برابر کمی نہیں کی ؛

آخر میں اقسامِ شعر اور ہر شاعر کی قدرتِ دستگاہ پر بحث کرنا یا مؤلف کے ذاتی
ریمارکس پر روشنی ڈالنا یہ ملکی نظر بازوں پر موقوف ہے کیونکہ ؎

پرکھنا شعر کا ہیرا پرکھنے سے زیادہ ہے	نظر کا کھیل ہے ہم تو نظر بازوں پہ مرتے ہیں

با ایں ہمہ "خمخانۂ جاوید" زمانۂ حال کی ایک بہترین ایجاد ہے۔ اردو علمِ ادب کا
ایک گنگا جمنی زیور ہے۔ اور شعراء جیسے معدوم فرقے کے لیئے اس سے بہتر
بقائے دوام کا اور کوئی ذریعہ بھی نہیں ہو سکتا۔

سچ یہ ہے آنکھ ہو تو ہیں جوہر کمال کے	کاغذ پہ رکھ دیا ہے کلیجا نکال کے

آثم۔ افسر الشعراء آغا شاعر۔ قزلباش دہلوی

از نشحۂ قلمِ جادو رقم ماہر کامل فن محقق والا نظر سخن گستر منشی سید احمد صاحب دہلوی مؤلف فرہنگ آصفیہ و دیگر کتب متعدد وظیفہ خوار سرکار نظام

اس تذکرہ کی اول جلد کو بھی ہم نے پڑھا اور ریویو لکھا تھا۔ اب دوسری جلد پر بھی سرسری
نظر ڈال کر دونوں کے فرق و امتیاز کو ظاہر کرتے ہیں

یہ ایک مشہور کہاوت چلی آتی ہے کہ "نقاش نقش ثانی بہتر کشد ز اول" یہ
مثل سنا کرتے تھے مگر پوری پوری تصدیق جلد ثانی کو دیکھکر ہوئی۔ لالہ سری رام
صاحب جیسے معدوم الفرصت کا ہر ایک شاعر کے کلام پر اسقدر نظر غائر ڈالنا۔ کلام
کا ایسا لاجواب انتخاب کرنا کہ جس سے شاعر کی عظمت۔ وقعت اور طبیعت بڑھے معترضوں
کے اعتراض کا مان گھٹے۔ اس پر پروف نیز کاپیوں کی صحت کا خود ہی ذمہ دار ہونا
کچھ آسان کام نہیں ہے بلکہ "کارے دارد" کہنا چاہیئے ؛

اکثر ڈوبے ہوئے ناموں کو اچھال دیا۔ اور دبے ہوئے کلاموں کو اُبھار دیا۔ شوخی گفتار کہیں نگر مشاطہ حسن افزائے دلبر سخن کر۔ نکتہ چینیاں فرمائیں مگر نکتہ داں۔ نکتہ رس نکتہ شناس۔ نکتہ پر ور سخن کر۔ اگر کسی کوردہ کا ماہ تاباں یعنی گوڈر کا لال ہے تو کیا مجال کہ اُسکے کلام پر صاد نہو۔ اور جو کسی نامی شہر کا آفتاب جہانتاب پر از جاہ وجلال ہے تو کیا ممکن کہ تذکرہ میں اُسکی داد نہ ہو۔ نہ اہل دہلی کی طرفداری ہے۔ نہ اہلِ لکھنؤ کی غمگساری۔ اُنکے نزدیک ایک باپ کے دو بیٹے ہیں۔ جن میں سے ایک تو باپ کے ساتھ سیاحت وسفر میں شریک و دلیر ہے دوسرا ماں کیخدمت میں اپنے ہی گھر پر شیر ہے ؛

جس ذکر کو لیا تنقید یا محاکمانہ نظر سے لیا۔ جس تذکرہ کو چھیڑا منصفانہ دلائل سے فیصلہ کیا۔ آخر تھے بھی تو منصف ؟ وہ فیصلہ کیا جو آگے جا کر نہ ٹوٹ جائے اور وہ انصاف فرمایا جس کا کوئی پہلو نہ چھوٹ جائے۔ یہ صرف تذکرہ شعرائے ہند ہی نہیں بلکہ ایک قسم کی شاہانہ تاریخ بھی ہے۔ **نصیر الدین** حیدر بادشاہ اودھ متخلص بہ بادشاہ کے ذکر کو پڑھو۔ **جہاندار شاہ**۔ جہاندار۔ مرزا جہانگیر متخلص بہ جہانگیر وغیرہ کے حالات ملاحظہ فرماؤ۔ کیسا تاریخی لطف دکھا رہے ہیں ؛

دیگر نامی شعرا میں سے کس کس کا حوالہ دوں۔ اِن پانسو صفحوں میں کئی سو شعرائے ذوی القدر موجود ہیں اوروں کی تو گنتی ہی نہیں۔ بائے فارسی سے لیکر جائے حطی تک مجلس ہزار داستاں جمع ہے۔ مشاعرہ ہو رہا ہے۔ شہر خموشاں کے سخن سنج اِس میں گونج رہے ہیں۔ اور شہر گویا کے خوشنوا اِس میں چہک رہے ہیں۔ شمع ہزار داستان شمعدان ہزار فتیلہ بن کر انھیں روشنی دکھا رہی ہے۔ واہ واہ کی صدا پر صدا آرہی ہے سخن فہم اُچھل اُچھل کر داد دے رہے ہیں نیچرل شاعری کے دل دادہ اُس میں جلوس فرما ہیں اور خیالی ذہن رسا کے روشن دماغ۔ روشن خیال

بلند پرواز۔ زمزمہ پرداز اِس میں کرسی نشیں ہیں۔ حضرت حالی مدظلہ العالی کی نیچری وایشیائی شاعری کا لطف اِس میں ہے۔ عبدالحی تاباں کا دلربا جمال اس میں ہے۔ جرأتؔ کی عاشقانہ جرأت و دردانگیز اظہارِ کمال اس میں ہے۔ مرزا اسمٰعیل تپش۔ غلام محمد خاں تپش بادلِ تپیدہ اپنا اپنا ذاتی جوہر لیئے ہوئے اِس میں حاضر ہیں۔ الغرض شاہ تراب کی منکسرانہ خاکساری۔ میر حسین تسکین کی تسلی بخش شیریں بیانی۔ امیر اللہ تسلیم کی سلامت روی۔ محمد علی تشنہ کے کلام پر العطش کی پکار نواب شہاب الدین احمد خان ثاقب کے حسنِ بیان پر نورانی بہار حسبِ موقع عجیب عجیب لطف دکھا رہی ہے۔ ہمارا شاہد ہمارا گواہ اگر درکار ہے تو یہی تذکرہ ہزار داستان ہمارا سچا اور بلا تصنع اظہار ہے۔ فقط ✣

سید احمد دہلوی۔ مؤلف فرہنگ آصفیہ ۔۲۱ مارچ ۱۹۱۱ء

قطعات تاریخ اشاعت خمخانہ جاوید از نتائج افکار ماہر باکمال مشتاق عدیم المثال مولوی حامد حسین صاحب قادری بچھرایونی مقیم رامپور

کیا خوب یہ تذکرہ ہے سبحان اللہ
تاریخ کی فکر ہے تو حامد لکھو

روشن ہوا سب ہیں اس سے نام شعرا
بے مثل خزانہ کلام شعرا ۱۹۱۰ء

دیگر

تذکرہ لکھا ہے بے مثل و نظیر
اِک نظر جس نے اِسے دیکھ لیا
تذکرے طبع ہوئے بہتیرے
تذکرہ کیا ہوا یہ اسے حامد

سب میں مشہور یہ افسانہ ہوا
عاشق و والہ دیوانہ ہوا
سچ تو یہ ہے کوئی ایسا نہ ہوا
بادۂ شعر کا خمخانہ ہوا ۱۹۱۱ء

دیگر

خوش سلیقہ ہیں بڑے لالہ سری رام ایم اے
یوں تو لکھے ہیں بہت تذکرے لوگوں نے مگر

یہ کتاب آپ نے لکھی ہے بہت ہی اچھی
ہے جنے تالیف نہ دیکھی کوئی ایسی اچھی

اِس میں حالات کیے جمع سب عمدہ عمدہ — اور غزلیں بھی لکھیں چھانٹ کے اچھی اچھی
ایسی ہی طبع ہوئی جیسی کتاب اچھی ہے — کاغذ اچھا ہے قلم اچھا چھپائی اچھی
چاہتے ہو تم اگر سالِ اشاعت حامد — کہہ۔ وہ تاریخ لکھی ہے شعرا کی اچھی
۱۹۱۱ء

دیگر

تاریخ شاعروں کی ہے یہ یا مشاعرہ — یہ تذکرہ ہے یا شعرا کی ہے انجمن
ہر نقطہ اس کتاب کا ہے رشکِ آفتاب — ہر لفظ اس کتاب کا ہے غیرتِ چمن
پھیلی ہوئی کہیں ہے بلاغت کی چاندنی — دریا کہیں ہے جس میں بلاغت کا موجزن
کیوں آفتاب بن کے نہ چمکے جہان میں — ہیں قدرداں تذکرہ شاہنشہ دکن
ترتیب جلد دوم کا حامد یہ سال لکھ — چھاپا گیا ہے خوب یہ گلدستہ سخن
۱۹۱۱ء

دیگر

ہیں جلوہ گر قرینہ سے سب شاعرانِ دہر — ہے یہ نمونہ انجمن اہلِ ہند کا
حامد نے جلد دوم کی تاریخ یہ لکھی — یہ انتخاب ہے سخنِ اہلِ ہند کا
۱۹۱۱ء

دیگر

سچ تو یہ ہے حق میں اردو شاعری کے یہ کتاب — رحمتِ پروردگارِ خالقِ مطلق ہوئی
سالِ ہجری کی اگر ہے فکر لے حامد حسن — کہہ دو اردو شاعری کو اس سے اب رونق ہوئی

قطعہ تاریخ نوشتہ مولانا مولوی حاجی محمد فیاض الدین صاحب رامپوری

سخن پروراں فیض حاصل کنند — کہ ایں تذکرہ ہست محبوب طبع
بگوشم ندا از سروش آمدہ — بگو سال فیاض - مرغوب طبع
۱۳۲۹ھ

تقریظ و تاریخ ریختہ کلک جواہر سلک سخنور یکتا شاعر بے ہمتا رشکِ عرفی و خاقانی جناب مولوی عبد الحی صاحب تجو بدایونی مجسٹریٹ ریاست جودھپور فخر تلامذہ حضرت فصیح الملک داغ مرحوم

ناظرین! ابتدائے آفرینش سے اس وقت تک سیکڑوں علوم ہزاروں فنون ایجاد

ہو کر اس طرح معدوم ہو گئے کہ اُن میں سے اکثر کا اب کوئی نام بھی نہ جانتا ہوگا۔ اور جانتا بھی ہو تو اُن کا تحصیل کرنا سعی بے حاصل سمجھا جاتا ہوگا ❖

اِس پیہم اختراع اور بالآخر اُسکی فنا کا باعث بجز اسکے کیا سمجھا جائے۔ کہ انسانوں کی طبیعت ۔ اُنکے مذاق ۔ اُنکے خیالات ۔ اُنکے مشاغل ایک دوسرے سے جُدا رنگ رکھتے چلے آئے ہیں ۔ اور اِس دہرِ فانی میں خواہ کوئی کمال ہو یا اہلِ کمال کسیکو ثبات ہے نہ قیام ۔ معہذا انسانی خصلت و ضرورت کو بھی آج نہیں تو کل تغیر و تبدل لازمی و لابدی ہے ❖

انسان کی حالت بھی بدل جاتی ہے	اور اُسکی طبیعت بھی بدلجاتی ہے
صورت ۔ سیرت ۔ مزاج ۔ کسکا بجوۃ	بس حد ہے کہ قسمت بھی بدلجاتی ہے

دیکھئے سنسکرت کی عملداری میں اہل عرب ایران کے قدم آئے تو اُسی ضرورت و مذاقِ طبیعت کی بدولت اہلِ ہند عربی و فارسی میں تکمیل کر کے عالم بنے منشی کہلائے عرب ایران کے باشندے سنسکرت کی وسعت و حلاوت دیکھکر اسکے ایسے ماہر ہوئے کہ بجائے خود پنڈت بن بیٹھے ۔ لیکن یہ حالت خواص سے متجاوز ہو کر عوام تک نہ پہنچی نہ پہونچ سکتی تھی ۔ اور ضروریاتِ دینی و دنیاوی کے ہاتھوں ایک کو دوسرے سے سابقہ پڑتا ضروری تھا ۔ لہٰذا تازگی و جدت پسند ۔ ایجاد و اختراع دوست طبائع کے میل جول سے ایک نئی زبان پیدا ہوئی جو لفظ اردو سے منسوب اور مسمّی تھی اور ہے یہ زبان اوّل اوّل تو صرف ضروریات و معاملات میں مستعمل رہی ۔ مگر اسکی دلکشی ۔ اسکی وسعت اِسکی حلاوت ۔ اسکی آسانی سے یوماً فیوماً اسکی ترقی اور قدر بڑھتی گئی ۔ یہاں تک کہ انشا پردازوں سخن طرازوں نے اوائل عمر ہی میں اسکو اپنے آغوش میں اُٹھا لیا ۔ اور دلی جذبات و خیالات کا اسی کے ذریعے سے اظہار شروع کر دیا ۔ آخر الامر نظم و نثر کے ارباب کمال و نازک خیال حضرات کی

بدولت نوبتِ کار یہانتک پہنچی کہ قصّوں کہانیوں میں اسی کا جلوہ - مکاتب و مدارس میں اسی کا جلوس - سرکاری و پرائوٹ مطابع - اہلِ شرافت و تہذیب کے مجامع میں بلا امتیازِ مذہب - اسیکا نور و ظہور - دفاتر و مجالس میں اسی کا دور دورہ نظر آنے لگا - دینی و دنیاوی - تاریخی و مذہبی - علمی و عملی کتابیں اسی میں لکھی اور ترجمہ کی جانے لگیں - علم کی مسندِ حکومت کی کُرسی - تجارت کی دوکان پر بھی یہی متمکّن ہوئی ❊

جب انگریزی حکومت و زبان کا عہد آیا تو بھی زمانۂ دراز و مدّتِ مدید تک ہر ایک علم و فن - اور یورپ کے اعلیٰ سے اعلیٰ انشاپردازوں - مستند سے مستند مورخوں کی عمدہ ترین تصانیف کے ہزارہا ترجمے - ذی استعداد اہلِ قلم نے اسی زبان میں کیے - جو مقبولِ خاص و عام ہوئے اور ابتک ہیں ❊

الحاصل سالہا سال نہیں بلکہ قرناً بعد قرنٍ اطرافِ عالم میں اسی کا آوازہ رہا - کوسِ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ اسی نے بجایا - قوانین و اخبار - گزٹ و اشتہار اسی زبان میں شائع ہوئے - حضور معدلت ظہور - ملکۂ معظمہ امپرس وکٹوریا مرحومہ جیسی بیدار مغز رعایا پرور - ذی فراست شہنشاہ نے ایشیائی زبانوں میں اِسی کو قابلِ ترجیح تصوّر فرماکر تحصیل فرمایا ❊

یہ واقعہ ترقّیِ اُردو کے لیے معراج تھا اور ہر ترقّی کی ایک غایت ہر عروج کی ایک نہایت مقرر ہے چنانچہ اب اِدھر تو اکثر معترضین میں اسی اُردوئے معلّٰی کے خلاف ایک جوش پیدا ہوا اور خلافِ اصلیت اِسکو صرف مسلمانوں کی زبان ٹھیراکر ترک و اجتناب کے قابل قرار دینا شروع کردیا - اُدھر نئے مذاق نئے فیشن نے جہاں اور قدیمی رسم و رواج وضع و لباس سے اہلِ زمانہ کو نفور و بیزار کردیا - وہاں موزوں طبع حضرات نے شاعری کی روِشِ قدیم کو بھی چھوڑکر ایک اَور ہی آہنگ اختیار کی جو نیچرل یا مہذّب یا سچّی شاعری کے معزّز نام سے مسمّٰی ہوئی ہے اور زبانِ اُردو

کی طرح اساتذۂ متقدمین کی طرز روش کو بھی بغیر استثنا کے واجب الاحتراز قرار دینے میں ساعی و کوشاں ہوئے *

واہ رے جوش تیرا فصلِ خزانِ اُردو	اہلِ اُردو ہی مٹاتے ہیں نشانِ اُردو
وہ بتاتے ہیں زباں اپنی غضب ہے ہندی	جنکے اجداد تھے سب مرتبہ دانِ اُردو
گو ہر اک گھر میں ہے اخبار و کتب کا انبار	جس سے ہر طرح نمودار ہے شانِ اُردو
اُنکو رہتی ہے مگر اب یہی کوشش شب و روز	کہ فنا وقت سے پہلے ہو زبانِ اُردو

اس پُر آشوب اور سراپا شورش زمانے میں مکرم سراپا اکرام گرامی منش عالی مقام زیبا خیال رنگین کلام لالہ سری رام صاحب ایم اے کی ذات والا صفات مغتنمات سے ہے۔ جنھوں نے اپنا بیش بہا وقت اور بہت سا روپیہ خرچ فرما کر اُردو علم ادب کی ایک بسیط کتاب یعنی تذکرہ شعراء کی تالیف کا ارادہ اور پھر اُس ارادے کو پورا کیا *

بیخودِ ہیچمدان کو مؤلفِ ممدوح سے حصولِ نیاز یا ہمکلامی کا موقع آجتک نہیں ملا ہے مگر بمفحوائے اِذَا عَدَمَ الْمَاءُ فَالتَّیَمُّمُ جَائِزٌ مراسلت کی نوبت بارہا آئی اور آتی رہتی ہے۔ سکے سوا خمخانۂ جاوید یعنی تذکرہ موصوف کی جلد اول من اولہ الی آخرہ کر تگا بعد اُخری دیکھ چکا ہے۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ عَلَیْہِ عَیْنُ اللّٰہِ۔ کیا زبان ہے اور کس درجہ صفائی اور روانی بیان۔ ہر ایک شاعر و ناظم کے بیانِ حال میں جو عبارت تحریر فرمائی ہے وہ بیساختہ اور ایسی مطبوع و مرغوب کہ آنکھ پڑتے ہی دل میں گھر کیئے بغیر نہ رہے سب کا کلام اس طرح منصفانہ و بے تعصب منتخب و درج فرمایا ہے جس سے صاحب کلام کو شکایت یا ناظرین کو بے دماغی و سرگرانی کا موقع نہ ملے شعراء کے مذاق طبیعت و رنگ سخن۔ یا اُنکے کلام کی دل کشی و دل نشینی کی نسبت جو رائے ظاہر یا قائم کی ہے وہ راستی و صداقت سے اسقدر دوشادوش ہے کہ ہر ایک کا کلام

زبانِ حال سے مؤلف زید مجدہٗ کی ہمکلامی اور ہم خیالی کر رہا ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ شعرائے اُردو زبان کے تذکرے قبل ازیں بہت سے تالیف ہوکر شائع ہوچکے ہیں۔ اور اُن میں سے اکثر کے سر پر اولیت کا تاج یا اولویت کا سہرا بھی نظر آتا ہے۔ لیکن جامعیت و تعمیم شرح و بسط کا زیبا اور موزوں خلعت جو خمخانۂ جاوید کو میسّر ہوا ہے یہ اسی کا حصّہ تھا اور ہے۔

اور تذکروں کے مصنّفین نے زبانِ اُردو کی طفلی یا شباب و کمال کے زمانے میں شعرا کی مدح سرائی کی تھی۔ اسکے ناز کھیال بے تعصب سنجیدہ مذاق۔ کامل الاستعداد مؤلف نے بیمار اُردوئے معلّیٰ کے آخر وقت میں چارہ فرمائی و مسیحائی کی ہے و بعدہٗ میرے اُستاد الاستاد نجم الدولہ حضرت غالبؔ دہلوی مرحوم نے ایک قصیدے کی تشبیب میں جہاں شاعرانہ تعلّی اختیار کی ہے وہاں فرماتے ہیں کہ۔

گوہر نہ بکان۔ کاں بگہر روی شناس ست	بر فرّخی ذات دلیل اب وعم را

اِس دور اور اِس عہد میں اِس مضمون کے مصداق تام وہی مخدوم الانام جناب لالہ سری رام صاحب ہیں کہ آجکے دن یگانۂ عصر و مشہور ہیں اُنکے جدّ امجد عالیجناب راجہ ٹوڈرمل بہادر زندہ ہوتے تو یکتائے روزگار بہرۂ لیاقت شعار کی ذات ستودہ صفات پر فخر و مباہات کرتے ✤

مرجع علم و ہنر لالہ سری رام ایم اے	دہلوی مسکن و رنگیں رقم و سحر بیان
صاحب جاہ و حشم منبع احسان و کرم	فلک مہر و عنایات کے مہر تابان
جن کا ہر ایک یہ ظاہر ہے حسب اور نسب	جنکے اوصافِ گرامی ہیں زمانے میں عیان
نیک خو نیک سیر نیک منش نیک نہاد	اہلِ دل اہلِ وفا اہلِ ولا اہلِ زبان
برتتے برتائے ہوئے شیوۂ ارباب کمال	دیکھے بھالے ہوئے اصحاب سخن کے دیوان
اُنکی تصنیف نہ ہر شخص کو ہو کیوں مطبوع	اُنکی تالیف ہو کس طرح نہ مقبولِ جہان

دہر فانی سے فنا ہو گئے جتنے شعرا
انکی ناموں کی بقا کا ہے یہ اچھا سامان

جنکو مہلت ہے ابھی فلک میں زندہ ہیں وہ لوگ
انکو یہ جنس گراں مایہ مبارک ارزاں

اندراج اسقدر اشخاص کا کچھ سہل نتھا
انتخاب اسقدر اشعار کا کب تھا آسان

نظم سے رائے زنی اہلِ سخن کی نسبت
وہ بھی اس طرح کہ جو راست ہو بے ریب وگمان

کسنے کی جس سے ہوا ہو نہ کسیکو شکوہ
کسنے کی جس میں تصنع کا نہ ہو نام ونشان

نثر دلچسپ وہ جسپر دلِ نثار نثار
منتخب شعر وہ جس پر شعرا خود قربان

خوبیاں سب یہ مؤلف ہی کا حصہ تھیں غرض
ہیں یہی معرکۂ نظم کے مردِ میدان

کسکو فرصت ہے زمانے میں جو اسطرح رہے
سالہا درپئے تالیف عیاں اور نہاں

کسکو ہمت ہے زمانے میں جو یہ صرف اٹھائے
اور ہمت بھی اگر ہو تو یہ مقدور کہاں

کیا لکھے بیخودِ مغموم صفت در خورِ شوق
کہ نہ قابو میں طبیعت ہے نہ کہنے میں زبان

وہ طبیعت ہے نہ وہ دل نہ وہ دن ہیں نہ وہ سن
جن میں دشوار ہی و مشکل بھی نظر میں آسان

اب تو بس ترکِ سخن عین سخن فہمی ہے
ابتو لسان وہی ہے جو کرے کف لسان

یہ دعا ہے کہ رہے شاد مؤلف اس کا
اور یہ غمخانہ رہے دہر میں با مہر ونشان

فکرِ تاریخ اگر ہے تو یہ لکھدے بیخود
کہ ہے غمخانہ یہی فرحِ دہ پیر وجوان

۱۹ ۱۱

دیگر

سراپا لطف مخدومی سرِ برام
ہر اک جانب ہے جن کا آج شہرا

خیال آیا انھیں تالیف کا جب
تو لکھا تذکرہ یہ شاعروں کا

بظاہر سہل تھا یہ کام لیکن
سمجھ ہو تو یہی دشوار بھی تھا

ہزاروں شاعروں سے خط کتابت
ہزاروں پر جوابوں کا تقاضا

جوابوں کی رسیدیں سب کو دینی
کلاموں کا پرکھنا جمع کرنا

ہر اک شاعر کے کچھ حالات لکھنے
بہ آئینِ خوش و الفاظِ زیبا

مرے مخدوم والا منزلت نے
یہ سب کچھ کر دکھایا اور سب اچھا

لکھوں سالِ اشاعت اس کا میں بھی تو نکلے تین سنہ اک مادے ہیں	یہ میرے دل میں بھی رہ رہ کے آیا یہ خمخانہ ہے اب۔ بےمثل لکھا

یہ خمخانہ ہے اب۔ یہ خمخانہ ہے اب بےمثل۔ یہ خمخانہ ہے اب بےمثل لکھا۔

سنہ ۱۳۲۹ ہجری		سنہ ۱۹۱۱ء		سمت ۱۹۶۷ بکرمی

اقتباس از تحریر و قطعہ تاریخ از سخنور شیریں زبان فصیح اللسان منشی محمد نوح صاحب رئیس قصبہ نارہ ضلع الہ آباد و از تلامذہ حضرت فصیح الملک مرزا داغ دہلوی مرحوم

میں نے تذکرہ ہزار داستان کو دیکھا۔ جسقدر آپکی محنت کی داد دیجائے وہ کم ہے آپنے تمام شعرا کا حال لکھکر اردو زبان پر بڑا احسان کیا اور سب کے کلام کو از سرِ نو زندہ کردیا میں سچے دل سے آپکی اس گرانمایہ تالیف کی قدر کرتا ہوں۔ خدا اس کا اجر آپ کو عطا کرے۔ تاریخ حاضر ہے۔

کیا کروں وصف سربرام کا میں نوح خمخانۂ جاوید کا سال	تذکرہ ہے کہ کوئی افسوں ہے ساغرِ بادۂ نو موزوں ہے ۱۳۲۹ھ

اقتباس از عنایت نامہ محررہ شاعر نازک خیال رنگین مقال منشی افضل حسین ثابت لکھنوی ریڈر ڈویژنل کورٹ ریاست کوٹہ راجپوتانہ

مخدومی! از محسن شاعرانِ ہندوستان) زاد عنایتکم۔ تسلیمات۔ تذکرہ ہزار داستان مرسلہ جناب میں نے وقتاً فوقتاً جابجا سے اور پھر شروع سے اخیر تک دیکھا۔ حقیقت میں آپنے بڑا کام کیا ہے اور بڑی بے تعصبی سے لکھا ہے۔ اتقریظوں میں جو کچھ تعریفیں بعض معاصرین نے فرمائی ہیں۔ وہ بالکل سچ ہیں ؏

اقتباس از تحریر عالم سعید فاضل نبیل مولٰنا غلام نبی صاحب امرتسری

لالہ سری رام صاحب ایم اے رئیس دہلی۔ میں نے تذکرۂ خمخانۂ جاوید کو سرسری نظر سے مطالعہ کیا۔ نہایت ہی دلچسپ عجیب و غریب اور اپنے نرالے ڈھنگ میں یکتا ہے میں اس پر ریویو نویسی کا مدعی نہیں۔ یہ بڑا کام میری لیاقت۔ طاقت اور حیثیت سے باہر ہے اور یہ کام آسان امر نہیں۔ نہ ہی بازیچۂ طفلاں ہے۔ اس پر جو کچھ لکھنا چاہیئے تھا وہ بڑے بڑے چیدہ سخن سنج اصحاب لکھ چکے ہیں۔ جو نادر رائیں منظوم اور منثور اس جلد اول کے آخر میں چھپاں ہیں۔ واقعی جو کچھ ان صاحب قلموں نے اس بے نظیر کتاب پر ارقام فرمایا ہے وہ نہایت ہی موزوں اور مستحسن ہے ؎

اس عجیب اور معقول کتاب کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکے واسطے مصالحہ فراہم کرنے کے لیئے بہت محنت شاقہ برداشت کی ہے۔ ہر ایک شاعر کے کلام سے اُس کا چیدہ کلام نقل کرکے انگریزی قاعدے کے مطابق اُسکی بایوگرافی یعنی مختصر تذکرہ بھی ساتھ ساتھ دیا ہے۔ اور اُسے اس طور سے لکھا ہے کہ اُسکے کلام کی وقعت اور توقیر بھی مشرقی مذاق کے ساتھ قائم رہے۔ اور ایسی حیرت انگیز عبارت لکھتے ہیں کہ پڑھنے والے پر دوچند اثر کرتی ہے۔ اگر میری رائے غلط نہیں ہے تو ہندوستان کی ہر ایک بڑی لائبریری میں یہ کتاب ہونی چاہیئے۔ اور باقی سکولوں میں اِسکی ایک ایک جلد گورنمنٹ انڈیا کی سفارش سے رکھی جانی چاہیئے۔ کیونکہ اُردو میں اس مضمون کی بڑی کتاب ابتک نظر سے نہیں گزری ؎

راقم۔ غلام نبی امرتسری

قطعاتِ تاریخ از نتیجۂ قلم مشکین رقم جناب خواجہ میرزا قمر الدین خاں صاحب راقمؔ دہلوی

خلف الصدق ناظم بے نظیر و ناثر بے عدیل جناب خواجہ بدر الدین خان المعروف
بہ خواجہ امان دہلوی مترجم بوستان خیال ہر ہشت جلد و نبیرۂ نجم الدولہ دبیر الملک
میرزا اسد اللہ خان غالب دہلوی مرحوم و مغفور

تذکرہ کے لیئے تاریخ نئی کیا لکھوں
فکرِ سالم نہیں مشکل مجھے پوری یہ ہے

خاطرِ دوست کا ایما کہ ادا ہو پیغام
کرنی فرمایشِ مخدوم ضروری یہ ہے

چار و ناچار قلم سے یہی نکلا راقمؔ
نثرِ زیبائی میں سہ نثرِ ظہوری یہ ہے
۹ ۱۵

دیگر

کیا تذکرہ لکھا ہے سر برام آپ نے
قاصر ہے جسکے وصف میں کلکِ گہر فشاں

کیا دہلوی زبان ہے کیا ریختہ کلام
پیدا ہیں فقرہ فقرہ سے ہر رنگ شوخیاں

ہر نثر دلفریب ہے۔ ہر نظم دلربا
دلکش سخن سخن ہے دل آرا زباں زباں

مضموں کو دیکھئے تو مذاق آفریں خیال
ہر لفظ رنگِ حسن میں ہے حسنِ شاہداں

بے مثل و لاجواب ہے راقمؔ یہ تذکرہ
خمخانہ میں رہے گا یہی جامِ جاویداں

کم کردو قافیہ سے الف تا رہے مدام
صورت کدہ میں دہر کے تصویرِ شاعراں
۱۴ ۲۷

دیگر

تذکرہ کیا تذکرہ ہے یادگارِ شاعراں
کارنامہ ہے سخن کا۔ یا زبانِ ریختہ

جتنی تاریخیں ہیں تقریظیں ہیں معنی آفریں
پیدا اک اک لفظ سے ہے داستانِ ریختہ

نظم رنگیں۔ نثر رنگیں۔ وہ دل آرا دلفریب
ہر نقطہ کا سرمہ ہے فیضِ زبانِ ریختہ

فقرہ فقرہ میں ہے اعجازِ مسیحائی اثر
جان میں اُردو کے آئی تازہ جانِ ریختہ

ہے کمالِ شاعری رنگِ عبارت دیکھئے
صفحہ صفحہ میں بہارِ بوستانِ ریختہ

سلکِ معنی میں مصنف نے پروئے ہیں گہر
کانِ گوہر ہے یہی دیبا زبانِ ریختہ

لاؤ گلچیں کو کہاں ہے؟ چمن سے دامن میں گل
بکھرے صفحوں پر ہیں گلہاے بیانِ ریختہ

قفل ہے کنجی نہیں۔ کیونکر کھلے باب سخن	بند ہے گنجینۂ راز نہان ریختہ
کہہ دو راقم راز تاریخ از سر باب سخن	بحر معنی ہے زبان۔ قلزم زبان ریختہ ۱۹۰۹ء

تقریظ دلپذیر از علامۂ عصر فضیلت مآب جناب سید کرار حسین صاحب روحانی میرٹھی سپرنٹنڈنٹ دفتر صاحب کمشنر الہ آباد

گزارش بصد تسلیم و تعظیم۔ بخدمت جناب رائے سری رام صاحب ایم۔ اے۔ رئیس دہلی ومنصف لاہور۔ خلف الصدق آنریبل جناب رائے بہادر مسٹر مدن گوپال صاحب ایم۔ اے۔ ممبر کونسل و بیرسٹرایٹ لا دہلوی مرحوم۔

کل کیا اچھی صبح تھی کہ آپکے تذکرۂ ہزار داستاں یعنی "خمخانۂ جاوید" کی جلد اول جسمیں ردیف الف و بے کے تمام شاعران اُردو مندرج ہیں۔ اِس خاکسار کے پاس پہنچی۔ علی الفور میں اُسکے مطالعہ میں مصروف ہو گیا۔ جستہ جستہ دیکھا۔ اُسکی مسرت اور شوق مطالعہ میں ایسا محو ہوا کہ جملہ ضروریات سہو ہو گئیں۔ آپکے خاندان کے مورث اعلیٰ راجہ ٹوڈرمل نے جو کارنامے سلطنت اکبری میں کیئے۔ اور آپکے والد مرحوم نے علوم قوانین میں جو مرتبۂ بلند حاصل کیا۔ اُس سے آپکی یہ تذکرہ نگاری کسی طرح کم عظمت نہیں رکھتی۔ سترہ سال تک جو محنت شاقہ آپنے کی ہے۔ سفر کیئے ہیں۔ صحت کھوئی ہے۔ روپیہ خرچ کیا ہے۔ نہایت ادب اور تہذیب سے ہر شاعر کا تذکرہ لکھا ہے۔ اور بڑے اہتمام صفائی اور عمدگی سے اُس کو چھپوایا ہے۔ اور اس شغل سے دیگر مشاغل کو جو زیادتی جاہ و دنیوی کا باعث ہوتے ترک کیا ہے۔ اور شعرائے اُردو کے تمام ناموں اور حالات کو جو ہنوز کسی نے پورے یکجا نہ کیئے تھے۔ اِس کتاب میں آیندہ نسلوں کے لیئے محفوظ کیا ہے۔ وہ واللہ آپ کو درجۂ بلند میں قائم کرتا ہے۔ خلعت جاوید پہناتا ہے۔ خدا آپ کو جزائے کثیر دے۔ بغیر ایسی ہمت مستقل اور محنت جانگسل اور ذوق فطرتی اور شوق قدرتی اور تائید ایزدی کے یہ کام

کسی سے ہونے والا نہ تھا۔ ایبن کی تاریخِ انقلابِ یورپ اور سپہر کی ناسخ التواریخ کو۔ جو جامعیت کا سہرا حاصل تھا وہی آپکے تذکرے کو تاج ملنا چاہیئے۔ مجکو اس امر کی تصدیق کا کامل موقعہ ہے کہ جو حالات شعرا کے لکھے گئے ہیں وہ صحیح اور تاریخی ہیں۔ مثلاً اُن لوگوں کے حالات سے میں اس امر کا بخوبی اندازہ کرسکتا ہوں جنسے میں بذاتہٖ واقف ہوں *

(۱) مرزا ارشد گورگانی صفحہ ۲۶۲ میرے والدِ مرحوم کے بڑے دوست تھے مہینوں میرٹھ میں والدِ مرحوم کے پاس رہے۔

(۲) میر اکبر حسین صاحب جج الہ آبادی۔ کہ میرے بڑے مکرّم ہیں صفحہ ۳۸۱

(۳) برادر عم زاد مرحوم سیّد محمد مرتضیٰ بیان ویزدانی کہ والدِ مرحوم کے شاگرد ہی تھے۔

(۴) مرزا محمد جعفر اَوج خلفِ میرزا دبیر کہ اُن سے نیاز موروثی حاصل ہے۔

میں چونکہ میرٹھ کا رہنے والا ہوں اور دادا صاحب مرحوم سیّد کفایت علی صاحب قبلہ ۱۸۶۳ء سے ۱۸۶۹ء تک دہلی میں سرکاری عہدوں پر ممتاز رہے۔ میں وہیں پیدا ہوا وہیں تربیت پائی اور جناب والدِ مرحوم کی صحبت میں ہمیشہ دہلی کے عمائد واکابر رہتے تھے اس کتاب میں اُن سب کو دیکھتا ہوں کہ مر گئے تھے۔ پھر زندہ ہوکر آبیٹھے۔

حسن سیرت کے علاوہ کتاب میں حسن صورت بھی ہے۔ عمدہ جلد ہے۔ جلد پر طلائی نام لکھا ہے۔ ٹائٹل پیج نہایت لاجواب مطلّا۔ رنگین۔ اور خوشنما۔ تصویریں آپ کی نہایت دلاویز۔ خط آپ کا نہایت پاکیزہ۔ چھاپہ نہایت روشن صاف۔ کاغذ اعلیٰ ولایتی۔ شفاف تقریظیں بڑے بڑے باکمالوں کی۔ غرض کوئی دقیقہ اُسکی خوش اسلوبی اور محبوبی میں باقی نہیں۔ میں نے چونکہ والدِ مرحوم کے کلیات کی تدوین میں ۲۳ سال محنت کی۔ فراہمی کلام اور عمدہ چھپوانے کا انتظام ایک بلائے عظیم تھا۔ لہٰذا میں آپکی مستقل محنت گرد آوری تذکرہ کا پورا پورا اندازہ کرسکتا ہوں۔ آخر میں آپ کو دعائے خیر دیکر رخصت ہوتا ہوں۔

سیّد کبیر حسین۔ ۱۲ جولائی ۱۹۰۹ء

تقریظ ریختہ کلک جواہر سلک شاعر شیریں مقال ناظم باکمال جناب شاد نبی صاحب آرشاد۔ وکیل بہاولپور متعینہ ریاست پٹیالہ

ع "مردے از غیب بروں آید و کارے بکند"

یہ مصرع اگرچہ مدت سے سُنتے چلے آتے ہیں۔ اور شاید پہلے سیکڑوں کی حالت پر منطبق بھی ہوا ہوگا۔ مگر فی زمانہ جیسا کہ لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے۔ دہلوی کی شان میں صادق آیا ہے۔ شاید ہی کسی کے لیئے آیندہ موزوں ہو۔ "خمخانہ جاوید" کی تالیف کا وہ کار اہم انھوں نے انجام دیا ہے کہ جسکی نظیر زمانۂ موجودہ میں تو کجا شاید زمانۂ آیندہ میں بھی نہ ملے۔

اِن دنوں میں جبکہ زبان اُردو کی کشتی گرداب میں پڑی ہوئی تھی اور بادِ مخالف کے جھونکوں سے ڈگمگا رہی تھی۔ لالہ صاحب موصوف نے ناخدائی کی اور خمخانۂ جاوید کی تالیف سے اُردو کو تباہی سے بچا لیا۔ اور اِس ناؤ کو ڈوبنے نہ دیا۔

مغربی تعلیم کا اُردو پر خراب اثر پڑا۔ اور نئے تعلیم یافتہ صاحبوں نے اُردو کی اصلیت کو چھپا دیا۔ خواہ مخواہ بلا ضرورت انگریزی کے الفاظ اُردو میں داخل کر کے ایک نرالی زبان بنالی۔ جسکو عوام الناس تو کیا سمجھیں۔ تھوڑی بہت انگریزی پڑھے ہوئے بھی اچھی طرح نہیں سمجھتے۔ بیچارے متکلم کا مُنہ تکتے ہوئے رہ جاتے ہیں۔

لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے نے باوجود گریجویٹ ہونے اور زبان انگریزی کی معراج پر پہنچ جانے کے ایسی پاکیزہ اور سلیس اُردو لکھی ہے کہ دوسرے گریجویٹ سے دشوار ہے جو تمہید لالہ صاحب نے لکھی ہے اُسکو پڑھکر پچیس تیس برس پیشتر کا زمانہ یاد آجاتا ہے۔ اُس وقت کی مجالس و محافل کا سماں آنکھوں میں پھر جاتا ہے۔ مؤلف نے کتاب لکھنے میں اِس امر کا التزام رکھا ہے کہ حتی الوسع کوئی لفظ انگریزی زبان کا نہیں آنے دیا ہے جو ٹھیٹھ اُردو لکھی ہے جسکو اُردوئے معلی کہنا بہت موزوں ہوگا۔

آجکل جبکہ اُردو کی فصاحت اور دیگر خوبیوں پر خاک ڈالی جارہی ہے۔ اور صرصرِ مخالفت اُسکو بدنما صورت میں دکھارہی ہے۔ مؤلف نے اپنی وضع قدیم کو قائم رکھا۔ اپنی مادری زبان میں سرِ مُو فرق نہ آنے دیا اور اُردو کی اصل خوبی و خوبصورتی و وسعت کو دکھا دیا ۔

"خمخانۂ جاوید" کی تالیف سے مؤلف نے ایک قسم کی کرامت دکھائی ہے جو بِلا تائیدِ ایزدی اِنسان سے ظاہر ہونی دشوار ہے۔ مُردوں کو جوہرِ مسیحائی دکھا دیا اور زندوں کو خضر صفت آب حیات پلا دیا۔ متقدمین کے نام کو زندہ کردیا۔ اور شعرائے حال کے نام زندہ رہنے کا سلسلہ کردیا۔ وہ کام کیا کہ مدّعیانِ مسیحیت سے بھی اِس کا پاسنگ نہ ہوسکا "خمخانہ" کو اگر "حیاتِ جاوید" کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا ۔

اہلِ ہند کو مؤلف کا دل وجان سے مشکور ہونا چاہیئے۔ شائقینِ اُردو کو "خمخانہ" زیرِ مطالعہ رکھنا چاہیئے۔ تصانیفِ جدیدہ میں وہ خمخانہ سے بہتر کوئی کتاب نہیں پاسکتے۔ اگرچہ اُردو زبان میں اخبار رسالے۔ اور ناول بکثرت شائع ہوتے ہیں۔ مگر اُن میں یہ خوبیٔ زبان کہاں؟ بعض کی زبان تو پایۂ فصاحت سے ایسی گری ہوئی ہوتی ہے۔ گویا کہ انگریزی کا لفظ بلفظ ترجمہ کیا گیا ہے۔ چند ہی سطور پڑھ کر دل اُکتا جاتا ہے۔ برعکس اِسکے "خمخانہ کی" ایک ہی سطر میں وہ لُطف و سُرور حاصل ہوتا ہے کہ کتاب چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا ۔

اُمید ہے کہ ایسے گوہرِ بے بہا کو صاحب ڈائرکٹر سررشتۂ تعلیم پنجاب بھی ہاتھ سے نجانے دینگے اور اُردو کورس میں اِس کا بھی کوئی حصہ داخل کرکے بچّوں کو بھی اِس سے فائدہ اُٹھانے دینگے ۔

"خمخانۂ جاوید" ایسا بسیط تذکرۂ شعراء ہے کہ اِسکی موجودگی اور تذکروں کی تلاش سے مستغنی کردیتی ہے "خمخانۂ جاوید" بہمہ صفت موصوف۔ سلاستِ عبارت۔ پاکیزگیٔ خط وعمدگیٔ کاغذ کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہے۔ لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے کی تلاش

جانفشانی۔ لیاقت ثابت قدمی کی جو تالیفِ خمخانہ میں اُن سے ظاہر ہوئی ہے دل سے داد دیتا ہوں اور دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح اپنی تائید تالیفِ تذکرہ میں مؤلف کے شاملِ حال فرمائی تھی اُسی طرح اشاعت میں بھی امداد فرمائے تاکہ کوئی گھر خمخانہ سے خالی نہ رہنے پائے۔ بادہ کشوں کے ہاتھ میں بجائے ساغرِ شرابِ انگوری کے خمخانہ سرامی ہو

کہاں نسبت ہے خمخانہ سے میخانے کو اے ساقی!	چلائے فہم ہو اس سے نہ رکھے ہوش وہ باقی

قطعات تاریخ تذکرہ ہزارداستان معروف بہ خمخانہ جاوید جلد دوم از نتیجہ قلم جواہر رقم منشی فیاض احمد فاروقی کورٹ انسپکٹر جودھپور مارواڑ تلمیذ حضرت داغ دہلوی مرحوم

دولت ہے حقیقت میں بڑی فنِ سخن بھی	تقدیر سے دے جسکو خداوندِ تعالیٰ
محفوظ ہے ہر حال میں واللہ یہ پونجی	صندوق کی حاجت ہی نہ درکار ہے تالا
اِس فن کی زمانے میں کبھی قدر تھی ایسی	ہر شخص سمجھتا تھا اسے گھر کا اُجالا
ہر ایک کو تھی اسکی طلب اسکی تمنّا	گو مشغلۂ شعر نہیں مُنہ کا نوالا
لوگ آتے تھے خوش محفلِ اشعار سے ایسے	پی آئے ہیں گویا مئے خالص کا پیالا
جی کھول کے کی قدر شریفوں نے سخن کی	اِس فن کو بڑے شوق بڑے پیار سے پالا
آنکھوں پہ جگہ دیتی تھی دنیا شعرا کو	تھا مرتبۂ اہلِ سخن برتر و بالا
وہ کونسا میدان ہے جو ان سے بچا ہو	کس معرکہ میں اِنکے رہا ہاتھ نہ پالا
ہر انجمن و بزم میں ممتاز ہی تھے	بول اِن کا رہا دہر میں ہر طرح سے بالا
اچھے ہی لیئے کام طبیعت سے اِنھوں نے	سکہ نہ نکمّا کوئی اِس سانچے میں ڈھالا
یہ لوگ اگر اِسکے مددگار نہ ہوتے	اُردو کا نکل جاتا حقیقت میں دوالا
ہوتی نہ کبھی صحبتِ الفاظ پہ تشکیں	ملتا نہ اگر قولِ سخنور کا حوالا
اب کوئی نہیں پوچھتا اربابِ سخن کو	اب انجمنِ شعر و سخن ہے تہ و بالا

اِس درجہ نحوست نے اِنھیں گھیر لیا ہے
تاریک اگر رات ہے تو دن بھی ہے کالا

بے شبہہ وہ بیقدریٔ ابنائے زماں ہے
اِن لوگوں کو جس چیز نے پستی میں ہے ڈالا

کچھ ایسی گئی گزری تھی حالت شعرا کی
ہر شخص سے آسان نہ تھا اِس کا ازالا

ہوتا نہ کسی طرح فروغ اہلِ سخن کو
لیتا یہ گروہِ متبرک نہ سنبھالا

مٹجاتا زمانے سے نشانِ شعرا ہی
رہتی یہی حالت اگر اے حضرت والا

صد شکر کہ کی لالہ سری رام نے ہمت
ترتیب دیا تذکرۂ خوب۔ نرالا

اِس شخص نے بروقت خبر لی شعرا کی
بیطرح مصیبت سے پڑا تھا اُنھیں پالا

حالاتِ سخن گویاں پہ وہ روشنی ڈالی
آنکھوں سے نظر آیا اندھیرے میں اُجالا

چھوڑا کسی شاعر کو نہ۔ زندہ ہو کہ مُردہ
ہر اِک پہ ہوا ہے کرم حضرتِ والا

اِس بزم میں ہیں ہندو مسلمان برابر
ہے ایک یہاں۔ خواہ ہو تسبیح۔ کہ مالا

اب آتی ہیں آنکھوں سے نظر اُنکی شبیہیں
جن لوگوں کو ہمنے کبھی دیکھا ہے نہ بھالا

پا ئینگے عروج اہلِ سخن دیکھنا کیا کیا
گمنامی و پستی کو ملا دیس نکالا

بے فکر رہیں اب شعرا خوب سمجھ لیں
یہ تذکرہ عُمرِ ابدی کا ہے قبالا

یہ چیز بڑے کام کی ہے غور سے دیکھو
سمجھو نہ اِسے تم کوئی بے کار رسالا

ہے دلکش و دلچسپ و دل آویز یہ دفتر
پائیگا عجب لُطف ہر اِک دیکھنے والا

کیوں روح تر و تازہ نہ ہو دیکھکے اِسکو
یہ تذکرہ گلہائے شگفتہ کا ہے تھالا

ہے اِسکی بہار ایسی کہ غیرت سے چمن میں
بیمار جو نرگس ہے تو پُرداغ ہے لالا

کیا خاک نظر آئیں اُنھیں خوبیاں اِسکی
ہر حاسد و بدخواہ کی ہے آنکھ میں جالا

نیت ہو اگر نیک تو ہر کام ہے اچھا
مسجد کوئی بنوائے کہ بنوائے شوالا

لیکن ہے حقیقت میں بڑی سب سے یہ نیکی
اِک ڈوبے ہوئے فرقے کو پستی سے نکالا

گو کام تھا یہ سخت مگر کرکے ہی چھوڑا
اُکتائی طبیعت نہ۔ زہے ہمت والا

کس طرح نہ ہم اسکے مصنف کو سراہیں
تھا شوق لڑکپن سے اسی کام کا اسکو
اسکے لیئے کوسوں کا سفر اسنے کیا ہے
دن رات کی جاں کاہی و محنت کا ثمر ہے
یہ لالہ سری رام کا احسان ہے بھاری
یہ تذکرہ مطبوع خلائق ہوا آہی
فیاض نے تاریخ کہی تذکرہ پاکر
احسان مند لالہ سری رام کیوں نہ ہوں
فیاض کہدو مصرعۂ تاریخ طبع تم
کام آنہیں سکتا ہے کوئی حیلہ حوالا
تھی تذکرہ کی دھن یہی جب ہوش سنبھالا
حارج ہوا اور یا نہ کوئی راہ میں نالا
کچھ سہل نہیں جمع ہوا ہے یہ مسالا (مصالحہ)
جو شخص نہ مانے وہ ہے لاریب رزالا
ہر سمت سے آواز یہی آئے کہ لالا
پایا ہے مرقع شعرا کا یہ نرالا
دلچسپ و دلپذیر ہے اچھا پایا یہ تذکرہ
لاریب بے بدل ہے سراپا یہ تذکرہ

دیگر

۲۸ ۱۳
۶۱۹ ۱۰

تقریظ دلپذیر از نتائج اعجاز رقم منشی دیا نراین نگم بی اے اڈیٹر رسالہ "زمانہ"

تذکرۂ "ہزار داستان" کی جلد اول بھی کل مل گئی- اس ہدیہ کے لیئے میرا دلی شکریہ قبول فرمایئے- میں تہ دل سے اسکی اشاعت پر مبارکباد دیتا ہوں- شکر ہے کہ آپکی سترہ سال کی محنت ٹھکانے لگی- اور تذکرہ جسکے لیئے آنکھیں ترس رہی تھیں بالآخر شائع ہو گیا- بیشک آپنے زبان اردو پر جو احسان کیا ہے اس کا شکریہ ممکن نہیں ہے- آج اور کل کے درمیان میں اسے اکثر دیکھ گیا ہوں "زمانہ" میں بہت جلد ایک بسیط تنقید شائع ہوگی جسے پڑھ کر یقیناً آپ خوش ہونگے- اس جلد کے آنے سے قبل ہی میں نے ایک لائق دوست سے تنقید لکھوانا شروع کردی ہے- بیشک آپنے اسکی ترتیب و تالیف میں ہزارہا روپیہ اور اپنے بیش بہا وقت کا خاصہ سرمایہ صرف کیا ہے- ملک اور اسکے علمی قائم مقاموں کو دل کھولکر اس محبت اور محنت کی داد دینا چاہیئے ؛

اتنے بڑے تذکرے میں چند فروعی اغلاط کا رہجانا غیر ممکن نہیں ہے- مگر پھر بھی

آپکی جستجو۔ آپکی تحقیقات اور محنت ہر طرح سے قابل داد ہے۔ فروعی غلطیوں سے میری مُراد حالات شعرار سے مثلاً غلام یٰسین آہ کے متعلق رسالۂ الصدق وغیرہ کے اجرار کا ذکر۔ انکے بھائی آزاد سے تعلق رکھتا ہے۔ مگر یہ باتیں اتنی ضخیم کتاب میں ناگزیر ہیں۔ بہ حیثیت مجموعی تذکرہ نہایت خوش اسلوبی اور بڑی لیاقت کیساتھ لکھا گیا ہے۔ اور اِس پر ہم سب کو ناز کرنا چاہیئے خدا کرے بقیہ جلدوں کی اشاعت میں بھی زیادہ تعویق نہ ہو۔ کیونکہ اِس جلد نے شوق مطالعہ کو اب دوبالا کردیا ہے۔ مرقوم ۳۱ جولائی ۱۹۰۸ء

تقریظ از قلم مرصع نگار ناظم باکمال و ناثر بیمثال جناب منشی رام رچھپال صاحب شیدا دہلوی اڈیٹر آرمی نیوز لدھیانہ

مطبوعہ ۸ اگست ۱۹۰۸ء

تذکرہ ہزار داستان یعنی اُردو شعرار کا تذکرہ جس کا تاریخی نام "خمخانۂ جاوید" ہے۔ لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے منصف دہلوی۔ خلف الصدق او نریبل رائے بہادر مدن گوپال صاحب بیرسٹرایٹ لا مرحوم کی تصنیف سے ہے۔ اِسکی پہلی جلد جسکی ضخامت ۸۰۰ صفحہ کے قریب ہے چھپکر تیار ہوئی ہے اور وہ اس وقت ہماری میز کو زینت دے رہی ہے۔ یہ تذکرہ پانچ جلدوں میں ختم ہو گا۔ فاضل مصنف کی ۱۶ سولہ سال کی محنت اور صدہا مرتبہ کی نظر ثانی اور ہزار ہا روپیہ کے صرف کے بعد یہ نادر کتاب ظہور میں آئی ہے۔ تذکرے یوں تو صدہا لکھے گئے ہیں اور ان سب میں باتفاقِ اہل نظر "آب حیات" کو سب پر فوقیت حاصل ہے۔ مگر آب حیات میں صرف چند نامی گرامی اُستادوں کا ذکر ہے۔ اگرچہ جو کچھ ہے اُردو زبان کے لیئے مایۂ ناز ہے تاہم شایقین سخن کی پیاس بجھانے کو کافی نہیں۔ "خمخانۂ جاوید" گویا آب حیات کی تفسیر ہے جو نہایت مکمل اور واضح ہے۔ اعلیٰ حضرت آصفجاہ نظامِ دکن نے جو اُردو زبان کے سب سے بڑے سرپرست اور اقلیم سخن کے بھی تاجدار ہیں "خمخانۂ جاوید" کو اپنے نام نامی سے معنون کرنے کی اجازت دیکر مصنف کی عزت

افزائی کی ہے ہمیں ذاتی علم ہے کہ مصنف نے اس بے نظیر کتاب کی تصنیف میں کسقدر خونِ جگر کھایا ہے کسقدر سفر کئے ہیں اور کس طرح روپیہ پانی کی طرح بہایا ہے۔ ایک ایک شاعر کے حالات دریافت کرنے میں کسقدر تحقیقات اور تجسس اور چھان بین کی ہے ہم دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ ہندوستان میں کوئی کتاب آجتک ایسے عاشقانہ شوق اور محنت سے نہیں لکھی گئی ۔

شمس العلماء مولٰنا آزاد کا یہ قول سچ نکلا کہ زبانِ اُردو کو وہی لوگ ترقی دے سکتے ہیں جو مغربی اور مشرقی علوم میں یکساں کامل دستگاہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کوئی محض فارسی خواں کبھی اسقدر سردردی نہ اُٹھاتا جو لالہ سریرام نے (جو زبانِ انگریزی کے بھی ماہر کامل ہیں) ایک محقق کی حیثیت سے شعراء کی یہ جامع تاریخ لکھی ہے۔ اس کتاب کی معنوی خوبیوں پر تو ہم کبھی آیندہ مفصل بحث کرینگے۔ سردست اسکے حسنِ صوری کا ذکر کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ کیا کاغذ۔ کیا لکھائی۔ کیا چھپائی۔ اور کیا جلد ایسی اعلٰی درجے کی ہے کہ اس ملک میں اس خوبی کے ساتھ شاید گنتی کی ہی دو چار کتابیں آجتک چھپی ہونگی ۔

تقریظ از فکر لطیف شاعر خوش بیان و سخنور نکتہ دان جناب سید مظفر علی صاحب کوثر۔ رئیس جانسٹھ ضلع مظفر نگر

حقیقت یہ ہے کہ آپنے زبانِ اُردو پر ایسا احسان کیا ہے کہ ہر شخص پر جو اُردو بولتا ہے آپکا شکریہ ادا کرنا واجب ہے۔ ملک میں سیکڑوں تذکرے موجود ہیں۔ مگر آپکا تذکرہ اپنا آپ ہی نظیر ہے خصوصاً ایسے زمانے میں جبکہ زبانِ اُردو کے مٹانے کی کوشش ہو رہی ہے۔ آپ کا زبانِ مذکور کی حمایت پر کمربستہ ہونا۔ اور دامے۔ درمے۔ قلمے اس غریب زبان کی مدد فرمانا ایک ایسا مستحسن فعل ہے کہ جس کا شکریہ تمام ملک سے ادا ہونا محال ہے۔ گو جناب کی خدمت میں کمترین کو ظاہری نیاز حاصل نہیں ہے۔ مگر مکرمی

جناب حکیم رضی الدین خان صاحب رئیس دہلی کی زبانی آپکے اوصافِ حمیدہ و خصائل پسندیدہ سنکر غائبانہ سلسلہ نیازمندی میں داخل ہوں۔ خداوند عالم سے دعا ہے کہ آپکی صحت و سلامتی میں یہ تذکرہ مکمل ہو کر شائع ہو اور ایسا درجۂ قبولیت حاصل کرے کہ آپ کے سامنے ہی متعدد مرتبہ طبع ہو ؛

تقریظ از فکرِ گہربارِ خامۂ جادو نگار منشی حسن مرزا صاحب اثر لکھنوی خویش سید مہدی حسن احسن

نقش فریادی ہے کسکی شوخئ تحریر کا	کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا

آج میرے سامنے وہ ضخیم کتاب موجود ہے جسکی آبی رنگ کی جلد پر سنہری حرفوں میں جلی قلم سے لکھا ہوا ہے "تذکرۂ ہزار داستاں المعروف خمخانہ جاوید" سرورق پر انگریزی وضع کی سنہری بیل اور روپہلی حرفوں میں "تذکرۂ ہزار داستان" خطِ گلزار میں "خمخانہ جاوید" تحریر ہے۔ ٹائٹل پر سرخ حرفوں میں پھر اس تذکرے کا نام اور طلائی کام کی ایک رنگین خوشنما بیل دی گئی ہے۔ اِسکے بعد ایک ورق اور ہے جس میں بحضور نظام دکن اس کتاب کے معنون ہونیکا تذکرہ سبز اور سنہری حرفوں میں معہ ایک خوبصورت حاشیہ کے ہے بعد اسکے دو تصویریں ہیں۔ جو اپنی وضع میں مختلف ہیں۔ ایک انگریزی پوشاک میں ہے جسکے نیچے لکھا ہوا ہے "سری رام ۱۸۹۲ء" دوسری ہندوستانی پوشاک میں ہے جو اس سے بھی زیادہ بھلی معلوم ہوتی ہے۔ پہلی تصویر کمسنی اور طالبعلمی کی خبر دیتی ہے۔ دوسری لیاقت اور جوانی کی۔ اب گیارہ صفحوں کا ایک دیباچہ ہے جسکی ابتدا اس شعر سے کی گئی ہے۔

کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ	شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

اِس دیباچہ میں مؤلفِ تذکرہ نے اپنی زندگی کے مختلف واقعات۔ اپنے تعلیمی زمانے کے مختصر حالات اور اُسی کے ساتھ ساتھ اس کتاب کا مواد جمع کرنے کی کاہشیں اور بعض وقتی عذر حوالۂ قلم کیے ہیں۔ بارھویں صفحہ کے تمام ہونیکے بعد تذکرۂ ہزار داستاں۔ آباد مرزا

مہدی حسن خان خلف مرزا جعفر خان لکھنوی کے نام سے شروع ہوتا ہے صفحہ ۶۸۹ میں ہوش لالہ گردیال صاحب وکیل عدالت لکھنؤ کے نام پر تمام ہوتا ہے۔ اِسکے بعد چھ صفحوں کا ایک صحت نامہ دیا گیا ہے۔ ایک جزو میں فہرست اسمائے شعرائے مندرجہ تذکرہ ہے۔ پھر صفحہ ایک سے ۷۸ تک میں تقاریظ و قطعات تاریخ لکھے گئے ہیں ✣

اِس بڑے تذکرے کے چند جزو میری نظر سے اُس وقت بھی گذرے تھے جبوقت یہ تذکرہ زیر طبع تھا۔ اِسکے اعلیٰ پیمانہ پر چھپنے کی خبر نے اور اسکے پروف کے چند اوراق نے جب ہی سے مجکو اس کتاب کا مشتاق بنا رکھا تھا۔ آج وہ مبارک دن ہے کہ میری مشتاق نگاہیں اسکے اہتمام و انتظام کی بہار لوٹنے کے بعد نثر و نظم کی دلچسپیوں سے ہم آغوش ہیں۔ میری پُرشوق آنکھیں ہر ہر سطر کو بہت غور سے دیکھ دیکھ کر بجائے خود مؤلف تذکرہ کو اُسکی کامیابی پر مبارکباد دیتی جاتی ہیں اور میں شعرائے ماضی کی جیتی جاگتی تصویروں سے اُنکے واقعات سُن رہا ہوں۔ کہیں اُنکی زندگی کے نشیب و فراز سے آگاہی حاصل کرکے چُپ ہو جاتا ہوں۔ کبھی شعرائے حال کی دل آویز نظمیں۔ اور مؤلف صاحب کی وقایع نگاری میرے دل پر ایسا گہرا اثر ڈالتی ہیں کہ تھوڑی دیر کے لیئے میں بالکل محو ہو جاتا ہوں علی الخصوص وہ بعض خیال جنکو میں اب لکھنے والا ہوں مجپر حیرت کا عالم طاری کر دیتے ہیں اور وہ تخیلات مصنفِ دہلوی لالہ سری رام صاحب ایم اے کے حالاتِ زندگی سے وابستہ ہیں۔ ایک ایسے شخص کا جو آبائی تموّل کے سبب آرام کا عادی ہو بستر راحت سے اُٹھ بیٹھنا۔ خوابِ شیریں کو ٹھوکر مار کر زندگی کی پیاری راتیں تعلیم انگریزی کی جی توڑ محنت میں گزارنا۔ ایم۔ اے۔ کی ڈگری حاصل کر لینے کے بعد اپنے منصبی فرائض کی انجام دہی میں سرگرم ہونا۔ اپنے ذاتی کاروبار اور صحت قائم رکھنے کے فکروں سے جان چھڑا کر ایک ایسے بڑے کام کے لیئے مستعد ہو جانا کسی طرح تعجب سے خالی نہیں ✣

یہ تذکرہ جو پانچ جلدوں پر منقسم ہے اور جسکی پہلی جلد میرے سامنے موجود ہے جسطرح

شعرائے ماضی و حال کی دل آویز نظموں سے بھرا ہوا ہے۔ اسی طرح مؤلف تذکرہ کی خوبیوں سے مملو نظر آتا ہے۔

ایک مورخ کے فرائض کی اہمیت کو کچھ وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں اور وہی قدر کر سکتے ہیں جنھوں نے کبھی ایسے مشکل کام کے لیئے قلم اُٹھایا ہو۔ اِس میں شک نہیں کہ لالہ سری رام صاحب نے اپنی خداداد قابلیت سے پہلے ہی وہ فرائض چُن چُن کر اپنے دماغ میں محفوظ کر لیئے ہیں اسکے بعد شاید ایسی دشوار گزار راہ میں قدم رکھا ہے۔ اِنکے لکھے ہوئے ہر ذکر سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ لکھنے کے وقت اُنھوں نے کسی کی جانب داری نہیں کی کسیکی رعایت سے کام نہیں رکھا۔ مروّت کو بالائے طاق رکھا۔ اپنے ارادوں سے سر مُو تجاوز کرنے کو عیب جانا۔ اپنی مجوزہ حدود پر نظر برابر جمائے رہے ہیں بلکہ جو خیال دل کی تہ سے نکلا ہے اُس کو بے کم و کاست حوالۂ قلم کر دیا ہے۔ اُنکے قلم کی آزادانہ روش بتا رہی ہے کہ جو کچھ کیا ہے نیک نیتی سے کیا ہے اور جو کچھ لکھا ہے سچائی سے لکھا ہے۔ مگر اسے وہ کیا کریں کہ ایک شاعر شہرت سے ہی بے نیاز ہو کر محض اپنے نہ رُکنے والے جذبات سے مجبور ہو کر کبھی کبھی شعر کہہ لیتا ہے اور اسی وجہ سے تذکرہ نویسوں کی درخواست کو بھی نامنظور کر دیتا ہے۔ تذکرہ نویس چاہتا ہے کہ جہانتک ممکن ہو سچّے واقعات قلمبند کروں۔ مگر جب اُسکو وہ واقعات جو صحت پر مبنی ہیں دستیاب ہی نہوں تو وہ کیا کرے۔ لیکن یہ عجب دلشکن مشکل ہے کہ قلم سے نکلنے کے بعد اُن مشتہرہ حالات کی صحت و غیر صحت پر ضرور نظر ڈالی جاتی ہے اور یہی باتیں مابہ الامتیاز فرق پیدا کرنے والے اہل قلم کے لیئے مدح و ذم کی باعث ہوتی ہیں۔ ماورا اِسکے بعض ایسی پیچیدہ رہجانے والی باتیں ہوتی ہیں جو اپنی طرف توجہ دلانے پر مجبور کر دیتی ہیں۔ چنانچہ موجودہ تذکرے کو دیکھتے دیکھتے میں صفحہ ۲۸ تک پہنچا تھا کہ یکایک چونک پڑا اور حکیم مرزا آغا حسن صاحب آزل مرحوم خلف میرزا عباس صاحب کے ذکر میں جو میرے قرابت داروں میں سے ایک بزرگ تھے، بعض ایسے غیر واقعی حالات دیکھنے میں آئے کہ

مجکو ایک اچمبہ سا ہو گیا۔ اِسی صفحہ کی سترھویں سطر میں مسطور ہے کہ جناب ازل اصلی امامیہ مذہب تھے مگر کسی وجہ سے قیام بہار کے زمانے میں تبدیلِ مذہب کر کے سُنی ہو گئے تھے۔ مگر مرض الموت میں مذہبِ امامیہ کا اعلان کر کے انتقال کیا۔" یہ امر ایسا خلافِ واقع معلوم ہوتا ہے کہ کسی طرح دل نہیں چاہتا کہ ایک یادگار تذکرے میں ہمیشہ کے لیئے ایسی فاش غلطی نظر انداز کی جائے بلکہ اس کا کسی طور سے اعلان کر دینا مرحوم شاعر اور مہتم بالشان تذکرے کے حق میں بہرصورت بہتر و انسب معلوم ہوتا ہے۔ صحت نامے میں "آغا حسن" کی جگہ "آغا حسین" لکھا گیا ہے۔ حالانکہ صحیح آغا حسن ہی ہے۔

اب میری نظر صفحہ ۴۶۵ کی آخری سطر سے چلکر صفحہ ۴۶۶ کی دوسری سطر پر رُک گئی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جناب اُنس میر مہر علیصاحب مرحوم کے حالات میں ایک سخت غلطی نظر آئی ہے جس کا اعلان ضروری معلوم ہوتا ہے۔ مرحوم کے واقعات کی عبارت یہ ہے۔ "اُنس۔ میر مہر علی لکھنوی۔ خلفِ میر مستحسن خلیق فرزند میر حسن صاحب بدرمنیر۔ اپنے والد مرحوم کے شاگرد اور اکثر مرثیہ کہتے تھے۔ آپ میر انیس مغفور کے حقیقی بھائی تھے اِنکے بیٹے میر حید اور میر تعشق بڑے خوش فکر اور شیریں زبان شاعر گزرے ہیں۔" (اُنکے بیٹے میر وحید) یہاں تک تو میری نظر برابر جمی رہی لیکن (میر تعشق) کا نام آتے ہی کچھ میری نگاہیں منتشر سی ہو گئیں اور مَیں ہکّا بکّا ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا کیونکہ تعشق جناب سید صاحب مرحوم کا تخلص ہے جو محمد مرزا صاحب اُنس کے بیٹے اور میاں دلشق کے بھائی اور پیارے صاحب رشید مدظلہ کے حقیقی چچا تھے اور مرثیہ گوئی میں ان کا بھی ایک رنگ خاص تھا۔ اسکے بعد بہت تعجب کے ساتھ اس بات کا افسوس ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ باوجود تلاش صرف چند شعر غزل ہی کے صاحب تذکرہ کو دستیاب ہوئے۔ حالانکہ جناب اُنس مرحوم کے کلام کا ایک معتدبہ حصہ مثل مرثیوں۔ سلاموں۔ رباعیوں کے

* مؤلف تذکرہ نے آزل صاحب کے شاگرد رشید مولوی اشفاق حفیظ رئیس پٹنہ سے آزل مرحوم کے حالات دریافت کیئے تھے چنانچہ اُنھیں کے مرسلہ حالات سے جناب ازل کے حالات اقتباس کر کے درجِ تذکرہ کیئے گئے ہیں۔

ہندوستان کے متعدد شہروں میں پھیلا ہوا ہے۔ علی الخصوص پٹنہ عظیم آباد میں ۔

اب میں صفحہ ۴۶۶ کے بعد جستہ جستہ کلام دیکھتا ہوا چلا جاتا تھا۔ اور ورق گردانی میں مصروف تھا کہ صفحہ ۵۲۸ پر آکر الف تمام ہو گیا اور آمین حکیم حافظ مولوی محمد احمد سکندر پوری کے اِس آخری شعر نے اِس حصّے کو علیحدہ کر دیا۔ ؎

تو ہی اے دیدۂ تر آب کوئی تدبیر بتا	لگ گئی آتشِ غم دل میں بجھائیں کیونکر

اِسی صفحہ کا باقی حصہ ایک گلدستے اور چار گوشوں سے مزین کیا گیا ہے۔ جو مورخ اور مہتمم تذکرہ کی خوش سلیقگی کی خبر دینے سے خالی نہیں۔ اور جس سے یہ بات ثابت ہے کہ تذکرہ کو ہمہ وجوہ خوشنما بنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا ہے۔

صفحہ ۵۲۹ کی ابتدا حرف (ب) سے ہوتی ہے اور میر بادشاہ علی کے اِس شعر سے تذکرہ پھر شروع ہوتا ہے۔ ؎

بلبلِ شیدا نے پوچھا گل سے یوں روزِ بہار	اے گلِ رعنا ترے دامن سے کیوں لپٹے ہیں خار

تذکرے کی خوبیاں ہمکو اسکے معائب کیطرف نظر اُٹھانیکو مانع ہیں بلکہ گناہ ثابت کر رہی ہیں لیکن افسوس تو یہی ہے کہ گناہ سے وہی لوگ بچ سکتے ہیں جنکو دنیا کی دلچسپیوں سے کوئی کام نہو اور یہ ہو نہیں سکتا کہ ہم "خمخانۂ جاوید" کے متوالے نہ بنیں اور اسکی جرعہ کشی سے دست بردار ہو جائیں۔ جب ہم تمام ہندوستانی شاعروں کا کلام ایک جگہ مدوّن ہونا خیال کرتے ہیں اور مورخ کی وہ محنت اور وہ جانفشانیاں جو کسی طرح خیال میں آنے والی نہیں۔ ہمارے سامنے آتی ہیں تو خود ہمکو ہمارے ارادے اور ہمت پست نظر آتی ہے۔ نگاہوں میں حیرت اور دلمیں رشک کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔ اِس وزنی احسان سے سبکدوش ہونیکا جب کوئی پہلو نظر نہیں آتا تو مجبور ہوکر یہ کہنا پڑتا ہے کہ کاش زبانِ اُردو سے ہمکو کوئی تعلق نہوتا اور یہ زبان ہماری زبان نہوتی واقعی اُردو لٹریچر میں یہ پہلا معتد بہ اضافہ ہے۔ جسنے ہمکو گھر بیٹھے ہندوستان کے تمام شاعروں سے ملنے کا موقع دیا۔ ہم بہت خوشی اور نہایت شکرگذاری کے ساتھ اس احسان کا

بار اپنے سر پر لیتے ہیں۔ کیونکہ بہت سے ایسے خوش فکر شاعروں کا کلام دیکھنے میں آرہا ہے جنکے کلام سے اِسکے قبل فیضیاب ہونے کا کبھی موقع نہ ملا تھا۔

مجھے اُمید ہے کہ مؤلف صاحب مجھے اپنا ایک سچا بہی خواہ تصور کرکے اِن اغلاط سے متنبہ کر دینے سے کوئی بُرا اثر نہ لینگے ؂

تقریظ خمخانہ جاوید نتیجۂ قلم جادو رقم جناب محمد قطب الدین خاں طالبؔ وکیل ریاست گوالیار و حاضر باش محکمہ رزیڈنسی میواڑ

ہست نہالِ ریاضِ قدیم	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِس وقت میرے ہاتھ میں ایک ایسی کتاب ہے کہ باعتبارِ صورتِ ظاہری فقط ایک خوشنما جلد میں مجلد ہے اور اعلیٰ قسم کے کاغذ پر خوشخط لکھی ہوئی ہے لیکن بلحاظ خوبی ہائے باطنی و دلفریبی ہائے معنوی ع "اپنی نظیر آپ ہے اپنی مثال آپ" کیوں نہو کیسے لائق و فائق بہترینِ افاضل فخر اماثل لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے کی مصروفیت و عرقریزی سالہاسال کا بہترین نتیجہ ہے۔ کون نہیں جانتا کہ جس فن کو لالہ صاحب ممدوح نے لباس جاوید پہنایا ہے مدت ہوئی کہ روشِ زمانہ سے نہ صرف عریاں ہی ہوا تھا بلکہ بعض خیالات میں تو اس کا وجود بھی قریبًا درجۂ عدم تک پہنچ چکا تھا۔ ایسی سرد بازاری و گمنامی کے وقت میں لالہ سری رام صاحب کی مثل قابل و فاضل عالی دماغ کا متوجہ ہونا اور انتہائے بالغ نظری سے اِس ضرورت کا احساس کرکے بصرفِ اوقات و اموال اس گرانقدر سرمایہ کا جمع فرمانا واقعی آسان کام نہ تھا ع

"صد آفریں مؤلف عالی دماغ پر"

آنے والی نسلیں جہاں تک مؤلفِ گرامی کی شان اِس جلیل القدر احسان کی شکرگزار ہوں اور خوش دماغانِ سخن جس حد تک اِس سرمایہ پر فخر کریں حق بجانب ہیں۔ کیونکہ ہر انسان باقتضائے

فطرت نظم پر بالطبع مائل ہے کوئی ملک عرب ہو یا عجم۔ ہند ہو یا فارس۔ کوئی قوم جرمنی ہو۔ یا روسی۔ ترکی ہو یا تاتاری لطفِ کلام و مذاق سخن سے بے بہرہ نہیں۔ بلکہ حقیقتاً ہر فرد بشر مانوس ہے۔ اِس اِستدلال پر حضرت متقدمین کا کلام شاہد ہے۔ خسرو۔ ؎

ما ہمہ در اصل شاعر زادہ ایم	دل بہ ایں محنت نہ از خود دادہ ایم

پس جب یہ مسلّم ہے کہ سخنگوئی لوازم انسانیت سے ہے تو ایک ایسی زبان کے لیئے جس کا کوئی ممد و معاون نہیں لالہ صاحب کا ایسا منفعت بخش حامی و سرپرست ہونا اُنکے و نیز ملک و قوم کے لیئے کیسا کچھ موقع مسرت و مبارکباد ہے اِس لیئے مَیں اپنی مختصر تقریظ کو اِس دعا پر ختم کرتا ہوں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ لالہ سری رام صاحب کو تندرست و ذی اقبال رکھّے اور توفیق عطا فرمائے جس تمہید و ہدایت کے ساتھ خمخانۂ جاوید کا آغاز کیا ہے۔ اُسی تکمیل و نہایت کے ساتھ وہ انجام کو پہنچائیں۔ آمین ثم آمین

قطعہ تاریخ طبع جلد دوم خمخانۂ جاوید

اے سری رام۔ ایم۔ اے منصف	عدل و نصفت میں تم بھی یکتا ہو
خلق و تہذیب و قابلیت میں	آپ ہی تم جواب اپنا ہو
تم ہو اہلِ مذاق کے محسن!	کیوں نہ ممنوں ہر اک تمہارا ہو
نام زندہ کیئے ہزاروں کے	عہد کے اپنے تم مسیحا ہو
کیا مرتّب کیا ہے خمخانہ	وصف کیا کیا زباں سے اسکا ہو
بس دُعا ہے کہ یہ رہے آباد	اِس کا ہر چار سمت چرچا ہو
میکشوں کا ہجوم ہو اس میں	جام ہر رنگ کا چھلکتا ہو
ہے تمہاری جو ہمّت و کوشش	اس کا حاصل تمھیں نتیجہ ہو
قطعہ اب ختم کیجئے طالب!	لطفِ صنعت و لیکن ایسا ہو
سالِ ہجری بھی عیسوی سن میں	سن و تاریخ سے نکلتا ہو

۱۳۲۷ ۹ ۱۹۰۹

تقریظ

نتیجہ طبع وقاد جناب سید آغا حید ر صاحب بی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی۔ سہارنپور

اگرچہ مجھے خدمت سامی میں حصول نیاز کا شرف نہیں لیکن غائبانہ معرفت ضرور ہے۔ آج حسن اتفاق سے ایک صاحب کے پاس جناب کے تذکرۂ شعرار کی جلد اول دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ فی الحقیقت جناب نے بڑی محنت شاقہ اور درد سری کو اپنے سر لیا جس میں بہت کچھ دماغ سوزی کرنی پڑی ہوگی اور بہت سا وقت عزیز صرف ہوا ہوگا۔ ملک اور زبان دونوں پر آپ کا احسان ہے جسکی اہل ملک کو تہ دل سے شکرگزاری کے بعد قدر کرنی چاہیئے زیادہ قابل قدر اور مسرت انگیز یہ امر ہے کہ آپ جیسے ایجوکیٹیڈ جنٹلمین نے اس طرف توجہ کی اور اپنے ملک کے مُردہ و ازیاد رفتہ باکمالوں کو جنکے رنگ کو رنگ زمانہ تقریباً مٹا چکا تھا۔ نئے سرے سے حیات جاویدبخشی۔ سچ یہ ہے کہ ایسا جامع تذکرہ جسکو شعرائے ہند کا انسائیکلوپیڈیا کہنا چاہیئے ابتک نہیں لکھا گیا تھا۔ علاوہ بریں حسن تحریر و خوبی کاغذ اتقاد دلکش و دلفریب ہے کہ بیساختہ دلکو اپنی طرف کھینچے لیتی ہے۔ اس لیئے اُمید کی جاتی ہے کہ حسن قبول و پسند عام سے بھی یہ تذکرہ ممتاز ہوگا۔ ساتھ ہی مجکو افسوس ہے کہ ایسا جامع وحاوی تذکرہ ہمارے سہارنپور کے بعض برگزیدہ اور مقتدر شعرائے ماضی و حال کے اسمار گرامی سے معرا و خالی ہے۔ لیکن اُس شکایت و معذرت سے جو ابتدائے کتاب میں جناب نے بعض حضرات کی بے پرواہی و غفلت شعاری سے جواب خطوط تک نہ دینے کی تحریر کی ہے ضرور تلافی ہوتی ہے + مرقومہ ۱۲ ستمبر ۱۹۰۸ء

قطعہ تاریخ ترتیب تذکرۂ ہزار داستان المعروف بہ خمخانہ جاوید از طبع وقاد پنڈت سکھدیو پرشاد صاحب ڈپٹی انسپکٹر مدارس ریاست بھرتپور

عجب ہے مہر یہ خمخانۂ نسخۂ نایاب	کہ جسکی تاب سے آبحیات ہو بے تاب

نظیر آپ یہ اپنی ہے آج دنیا میں
نہ اس کا دلی میں ہے اور نہ لکھنؤ میں جواب

نئی صدی کی ہے واللہ یہ نئی سوغات
یہ انتخاب حقیقت میں ہے بڑا خوش آب

نگاہِ لطف سے اب دیکھیں دیدۂ مشتاق
نقاب رخ سے اٹھاتا ہے مہرِ عالمتاب

مہک جہان میں پھیلی گلِ مضامین کی
رہے یہ باغِ سخن ہند کا سدا شاداب

کہو یہ بہرِ طبع سنِ عیسوی اے مہر
لکھی ہے رائے سریرام نے یہ خوب کتاب

دیگر

یہی ہے صلۂ محنتِ شاقہ کا
کہ بھرمار ہر سمت سے داد کی ہے ۱۹

ہوا غیب سے بادہ و مہرِ تصدیق
یہ تالیف خود مہر استاد کی ہے ۱۹

تقریظ نظم از کلکِ گہر سلک شاعر شیریں بیان ناظمِ نکتہ دان پنڈت جواہر ناتھ صاحب کول غمخوار دتاتریہ بسوہ دار متخلص بہ ساقی دہلوی

ہو رہا ہے بلبلانِ نغمہ زن میں تذکرہ
یہ گلِ رعنا ہے معنی کے چمن میں "تذکرہ"

کیوں نہ ہو معروف یہ ہر انجمن میں "تذکرہ"
ہو گیا مشہور یہ اہلِ سخن میں "تذکرہ"

حال کا یہ حال ہے ماضی کا استقبال ہے
یادگار کو ہے یہ دہرِ کہن میں "تذکرہ"

شہرت اسکی ہو گئی پنجاب میں بنگال میں
شرق میں چرچا ہی اسکا ہے دکن میں تذکرہ

اتحاد وحدت و کثرت سری میں رام میں
شوق و رم کا رنگ ہے سر و علن میں تذکرہ

دیکھ کر حسنِ ادا سب اسکے شیدا ہو گئے
ہو گیا محبوبِ عالم حسنِ ظن میں "تذکرہ"

بلبلِ شیدا بنا ہے باغ میں ہر ایک گل
ہو رہا ہے اسکا سبزانِ چمن میں "تذکرہ"

اس کا آوازہ ہوا فردوس میں فردوس گوش
قدسیوں میں بھی ہوا باغِ عدن میں تذکرہ

ساقی خلوت نشیں ہم بھی ہوئے ہیں شادماں
جلوہ آرا یہ ہوا اپنے وطن میں "تذکرہ"

اقتباس از تحریر جناب پنڈت اندر پرشاد صاحب دہلوی وکیل علاقہ ضلع مظفرنگر

اتفاقیہ ایک دوست کی عنایت سے آپ کا مؤلفہ "خمخانۂ جاوید" دیکھا۔ اور خوب اچھی طرح دیکھا

اُسکے دیکھنے سے جسقدر مجکو مسرت ہوئی ہے اُسکو میں ظاہر نہیں کرسکتا۔ جزاک اللہ آپنے نہ صرف اُردو شعراء پر بلکہ اُردو زبان پر جو احسان کیا ہے اُس احسان کے بارگران سے کبھی اُردو زبان سبکدوش نہیں ہوسکتی۔ یہ کام آپ ہی ایسے عالی ہمت مذاق زبان رکھنے والے عالم باعمل شخص کا کام تھا جو آپنے پورا کیا خدا کرے پبلک آپ کی ایسی ہی قدردانی کرے جیکے آپ ہرگونہ مستحق ہیں ٭

تقریظ دلپذیر از تحریر شاعر سخن ساز معنی طراز منشی چندی پرشاد شیدا دہلوی تلمیذ حضرت مولٰنا عبدالرحمن صاحب راسخ دہلوی

اودھ پنچ جلد سی و سوم نمبر ۷ مطبوعۂ ۱۱ فروری ۱۹۰۹ء میں ا ع م۔ کے پردہ نشین نام سے خمخانۂ جاوید کے متعلق ایک طول طویل مضمون نظر سے گزرا جس کا ذکر ریاض الاخبار گورکھپور کے لائق ایڈیٹر نے بھی اپنے اخبار میں کیا ہے۔ واقعی اُنکی رائے صلح کل کا پہلو لیئے ہوئے ہے اودھ پنچ کے قابل نامہ نگار نے جو کچھ لکھا ہے وہی خود ذرا انصاف کی عینک لگا کر دیکھیں کہ تمام کمال راست راست اور بے کم و کاست شاعروں کے کلام کا موازنہ کیا ہے اگر ایسا نہیں ہے تو اُنھیں کہاں سے یہ حق حاصل ہوگیا کہ دوسروں پر یک طرفہ رائے زنی کریں۔ لالہ سری رام صاحب نے سترہ برس محنت شاقہ اُٹھا کر اور زر کثیر خرچ کرنے کے بعد یہ شعرائے ماضی و حال کا تذکرہ لکھا ہے۔ اگر احیاناً بعض شاعروں کا حال اُس میں صحیح درج ہونے سے رہ گیا ہے تو اُس کا بار لالہ صاحب موصوف پر ہرگز نہیں آسکتا۔ جن ذریعے سے اُنکو حالات معلوم ہوئے ہیں یہ اُس خبر رسان کی غلطی پر محمول ہوسکتا ہے۔ اِسکی نسبت مجھے زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ یہ کمی ایسی ہے کہ دوسرے ایڈیشن میں پوری ہوسکتی ہے کیونکہ اُن کا یہ دعوی بھی نہیں ہے کہ جو کچھ اِس تذکرے میں لکھا گیا ہے اُس میں ترمیم و تنسیخ ہو ہی نہیں سکتی۔ اِتنے بڑے تذکرے کا لکھنا آسان کام نہیں ہے۔ تحقیق کے واسطے ناگزیر

ایسے وسائل اختیار کرنے پڑتے ہیں جن میں فروگزاشت ہو جانا ممکنات سے ہے۔ پس آپ کی لعن وطعن آپ کے لیئے ہی موجب شرمساری ہو سکتی ہے ورنہ اتنی محنت اور زرکثیر خرچ کر کے تمام ماضی وحال کے شاعروں کا صحیح صحیح تذکرہ خود ہی لکھکر دکھائیے۔ بات کہدینا آسان ہے اور کچھ کر دکھانا مشکل ہے۔

حضرت داغ اور جناب امیر لکھنوی کی نسبت جو آپنے ارشاد فرمایا ہے کہ امیر مرحوم کے شاگرد داغ مغفور کو اُن کا ہمپلہ نہیں سمجھتے تھے تو یہ اُنکی لیاقت اور ادب شناسی کی بات تھی حضرت ریاض اور جلیل کی بابت جو حضرت داغ کا مقابلہ کرنے کا بے سروپا قصہ گھڑ لیا گیا ہے اُس سے حضرت داغ کی شان میں کچھ فرق نہیں آتا۔ گستاخی معاف یہاں کے بعض نوشق شعراء کی بعض بعض غزلیں حضرت امیر کی غزلوں سے بڑھ گئی ہیں تو کیا ہم یہ سمجھ لیں کہ حضرت امیر کی اُستادی میں فرق آگیا۔ یا وہ کچھ نہ ہے۔ اگر حضرت ریاض وحضرت جلیل نے جناب داغ کے مقابلے میں بیٹھکر لکھنے کا چیلنج دیا تو یہ اُنکی اخلاقی کمزوری تھی کہ ایک مسلم الثبوت استاد کا اِس شوخ چشمی سے ترکِ ادب کرتے تھے۔ شاعری کا فن کسیکی میراث نہیں۔ اگر حضرت داغ کے شاگرد اسی طرح جناب امیر لکھنوی سے کہہ بیٹھتے تو کیا امیر مرحوم اُسی وقت اُنکے مقابل لکھنے بیٹھ جاتے؟ اور اپنے پیرِ نابالغ ہونے کا ثبوت دیتے؟ درحقیقت جو صفائی زبان شوخی بیساختہ پن اور آمد میرزا داغ کے کلام میں پائی جاتی ہے۔ وہ جناب امیر کے ہاں موجود نہیں ہے۔ گو وہ اشعار بلحاظ دیگر اُمور بہت اچھے سہی لیکن دعوی تو یہی ہے کہ صفائی زبان۔ الفاظ کی برجستگی۔ بندش کی چستی اور سادگی ایسی ہے کہ اُن کا کلام مقبولِ عام ہو گیا صبا۔ سحر۔ وفا۔ فدا۔ آہ۔ سجود۔ اور گوہر۔ انتخاب۔ کے اشعار جو نقل کیئے گئے ہیں۔ یہ زبان کی صفائی دکھائی گئی ہے۔ لیکن نظر انصاف سے دیکھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ حضرت داغ کے شاگردوں کے کلام میں اس سے بہتر صفائی پائی جاتی ہے۔ اِن مرحوم شاعروں کے دیوان میں فیصدی بہت ہی کم شعر نکل سکیں گے۔ جبکہ جناب میرزا داغ مرحوم کے ۴ دیوان

موجود ہیں۔ آپنے داغؔ صاحب کے اس شعر پر تمسخر اڑایا ہے۔ ؎

دیکھنا پیرِ مغاں حضرتِ واعظ تو نہیں	کوئی بیٹھا نظر آتا ہے پسِ خم مجکو

واقعی آپکی رنگین عینک دار نگاہ میں اِس شعر سے کوئی بات نہیں نکلتی لیکن ریاضؔ گورکھپوری جو آپکے ممدوح ہیں اُنکے اِس شعر میں تمام علوم کا خزانہ بھرا ہوا ہے۔ ؎

کوچے میں اُنکے پھرتے تھے کل اس طرح ریاضؔ	اک پُشت خار ہاتھ میں اور سر مُنڈا ہوا

اگر داغؔ مرحوم نے متقدمین کی تقلید کی تھی تو ہم حیران ہیں کہ امیرؔ مرحوم کا ایجاد بھی ہمیں کہیں نہیں ملتا سوائے امیر اللغات کے جسکی بابت زمانہ جانتا ہے جیسی کہ وہ ہے سبحان اللہ آپنے صاف وشستہ اشعار کو تو بازاری زبان فرما دیا لیکن اُلجھے ہوئے ریشم کو کس مقام کی بولی کہوگے۔ یہ شاید خانگی زبان میں داخل کیجائے گی +

معلوم ہوتا ہے حضرت کو خبر نہیں کہ زمانے کے ساتھ مذاق بھی بدلتا جاتا ہے۔ پہلے دور اور اِس زمانے کی شاعری میں زمین وآسمان کا فرق ہو گیا ہے۔ کوہ کندن وکاہ برآوردن جسکی بہت سی مثالیں موجود ہیں اب موزوں نہیں سمجھا جاتا۔ ؎

فہم کے دیکھنے والے تو بہت ہیں دلگیرؔ	اور یہاں قدر شناسانِ سخن تھوڑے ہیں

کسی شخص کی محنت پر خیال کرکے حوصلہ افزائی تو درکنار بلکہ بے حصول نکتہ چینی کا شعار لوگوں نے لیاقت کا تمغہ سمجھ رکھا ہے۔ لیکن انصاف پسند حضرات اچھی طرح جانتے ہیں کہ جسقدر آپکی لیاقت ہے کسی سے پوشیدہ نہیں اخبارات کے قیمتی اوراق ایسے بے نتیجہ مضامین سے سیاہ کرنا عقلمندوں کا شیوہ نہیں۔ اتنا وقت کسی اور کام میں صرف کیا جاتا تو بہتر ہوتا۔ ہمیں یقین ہے کہ آیندہ نامہ نگار صاحب اِس مضمون کو طول نہ دیکر کسی مفید مشغلہ میں اپنا وقت صرف کرینگے۔ ورنہ ؎

مصلحت پردہ دری میں نہیں ہرگز ورنہ	آپکے گھر کے ہیں نظروں میں مری سو سوراخ

ریاض الاخبار کے فاضل اڈیٹر حکیم برہم نے بھی اپنی پوربی زبان میں خمخانۂ جاوید

کی نسبت اپنے تخلص کی رعایت سے کچھ برہمی کا ثبوت دیا ہے۔ لیکن ہم سمجھتے ہیں ؎

نیش عقرب نہ از پئے کین ست	مقتضائے طبیعتش این ست

اور خاموش ہو رہتے ہیں۔ اُنکی رائے کے موافق او وہ پنچ کے نامہ نگار نے "خمخانہ کی مٹی تو کیا پلید کی ہے بلکہ اپنی بھدّی لیاقت" اور بھونڈی سمجھ کا نمونہ پیش کیا ہے۔ ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم	چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

اِتنا مختصر مگر صفائی اور سچائی کے ساتھ کیونکر گستاخی کرنا اور اُسکی ناشایستگی اُسے واضح کرکے بتا دینا انسانیت کا فرض ہے اِس پر بھی اگر کوئی ناراض یا رنجیدہ ہو تو اُسکی محرومئ قسمت۔ تقدیر بنانا خدا کا کام ہے۔ ہمارا کام نہیں کسیکی تذکرہ نظر سے نہ گزرنے کی شکایت اُسکے افلاس کا ثبوت یا بخل کی دلیل ہے اور محض سنی سُنائی باتوں پر مؤلف کی لیاقت کا اندازہ کرلینا بیوقوفی اور حماقت کا نشان +

تذکرے کی خوبیاں خود تذکرے سے ظاہر ہیں اور دنیا بھی ابھی جوہر شناس نگاہوں سے خالی نہیں ہوئی ہے۔ جیسا کہ دیگر ارباب کمال اور اہلِ فن حضرات کی تقاریظ اور ریویو نگارشوں سے ظاہر ہو رہا ہے +

فی الحقیقت مؤلف کی محنت اور جانکاہیوں کی جسقدر داد دیجائے تھوڑی ہے۔ یہ ورد سر اور صرف زر لالہ سری رام صاحب کے سوا دوسرے کے بس کا نہ تھا۔ سچ تو یہ ہے لالہ صاحب نے ملک اور ملک کی زبان پر جو احسان کیا ہے اُس کا کوئی نعم البدل ہو ہی نہیں سکتا۔ حیف ہے اگر اہلِ بینش لفظی ستایش اور زبانی داد سے بھی دریغ کریں میں دلی شکریہ کے ساتھ لالہ صاحب کو اس عظیم الشان تالیف پر مبارکباد دیتا ہوں اور بقیہ جلدوں کی تکمیل و اشاعت میں کامیابی کے لیئے دست بدعا ہوں اور جانتا ہوں کہ بافضالِ ایزدی لالہ سری رام صاحب کو اسکے علاوہ کسی دوسرے صلے یا معاوضے کی پروا بھی نہیں ہے۔ ؎

طمع گوشۂ چشم است زارباب خرد	ورنہ مستغنیم از مال ومنال زروسیم

اقتباس از نگارشِ گرامی دریائے شاعری کے بے بہا گوہر جناب حکیم معشوق علی صاحب جوہرؔ شاہجہانپوری وکیل بھوپال رئیس بلند شاہجہانپور روہیلکھنڈ

پیارے سیرام! میں تم پر نثار میں تم پر صدقے۔ اللہ تم کو چشمِ زخم۔ نظرِ بد۔ نگاہِ حاسد۔ دیدۂ زمانہ۔ غمّاز و نمّام کی تاک جھانک سے محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین۔ میرے اس خط میں جو فقرے روشِ قدیم کے خلاف بطرزِ جدید پاتے ہو اس کی وجہ محض اس وقت کی میری ازخود رفتگی ہے۔ مجھ پر جو عالم طاری ہے میں اسکی تفصیل نہیں کرسکتا بلکہ اجمالاً بھی بیان نہیں کرسکتا۔ بلکہ ایک شمّہ بھی ادا نہیں کرسکتا ہوں۔ آج یکایک اس شاہدِ رعنا نے جلوہ دکھلایا جس کا اشتیاق مدّتوں سے تھا۔ الحمدللہ کہ ع اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم، کیا کہوں کہ کیا عالم اسنے طاری کردیا کہ نہ اپنے ہوش میں ہوں نہ حواس میں۔ ٹھیک ایک بجے ڈاکیہ نے جلد تذکرۂ ہزار داستان دی نماز ظہر کے ارادے سے بیٹھا تھا کہ وضو کرکے نماز ظہر پڑھوں اور اسکے بعد یہ وقت تا بمغرب تلاوتِ قرآن کا ہے۔ مگر اس وقت کہ چار بجا چاہتے ہیں نہ وضو کیا ہے نہ نماز پڑھی ہے سوائے اسکے کہ تمھاری ترقی عمر و اقبال کی دعائیں مانگ رہا ہوں اور تمھارا نادیدہ مشتاق ہوگیا ہوں۔ جو کچھ میرے قلب کی حالت ہے میں اسکو ظاہر نہیں کرسکتا ہوں۔ میں اپنے آپ کو فنائے سخن سمجھتا تھا اور یہ دعوی تھا اس وجہ سے کہ نہایت غریب کا بیٹا۔ نہایت غریبی میں زندگی کٹی۔ افکار و مہمات کا ہمیشہ سامنا رہا مگر کبھی دامنِ مذاقِ سخن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ مگر بھائی تمھاری حالت اور تمھارے تذکرے کا دیباچہ پڑھکر جس میں ایک حرف بھی تصنع کا نہیں ہے دل بے قابو ہوگیا۔ اور خفقان کی سی حالت ہوگئی۔ افسوس کہ تم نے لکھنؤ سے واپسی کے وقت مطلع نہ کیا ورنہ میں اسٹیشن پر ضرور ملتا۔ اور تمھارے دیدار سے آنکھیں منور کرتا۔ تمھارے پہلے خط کے آنے پر اور میرے کلام کی طلبی پر میں نے اغماز کیا تھا۔ کیونکہ میری عادت ہے میں کسی گلدستے میں غزل نہیں بھیجتا

کسی کتاب کی تقریظ نہیں لکھتا۔ تاریخ نہیں لکھتا کیونکہ میں دیکھتا ہوں ان میں ایسے لوگوں کی تاریخیں تقریظیں بھی شامل ہوتی ہیں جن کو موزوں اور ناموزوں میں بھی امتیاز نہیں ہوتا ہے۔ گلدستوں کا خاص ڈھنگ یہ ہے کہ ایک موزوں طبع چند غزلیں لکھکر اُن اطفال کے نام سے گلدستوں میں بھیجدیں جن کو نظم و نثر کا فرق بھی معلوم نہیں۔ کچھ اپنی استادی کی شہرت اور کچھ اُن کی شاعری کی شہرت کی غرض سے۔ مجھے اُنکی مجلس میں اپنا وجود ایسا معلوم ہوتا ہے جیسا کہ آموں میں گولر۔ چنانچہ اسی بنا پر کہ ایسا ہی یہ تذکرہ ہوگا۔ میں نے اپنا کلام بھیجنا مناسب نہ سمجھا۔ لیکن بھائی آج جو تذکرہ دیکھا تو میں نہیں کہہ سکتا کہ میرے دل کی کیا حالت ہوگئی ہے +

تقریظ جو میں نے بھیجی تھی تو مجھے نہایت تردد تھا کہ کتاب کے صرف چند جزو دیکھے ہیں اور تقریظ لکھدی۔ تقریظ اُس خاص مضمون کا نام ہے جو بلا افراط و تفریط کتاب اور مصنّف کی حالت کو عیاں کردے۔ بارے الحمدللہ کہ تقریظ کے مضمون سے کتاب و صاحبِ کتاب بدرجہا بہتر ہے۔ کوئی لفظ میری تقریظ کا اغلاق و غلو یا تعلّی شاعرانہ میں داخل نہیں ہے۔ اب میں اس تذکرہ کے متعلق ایک خاص کام کرنے کی ہمت باندھتا ہوں۔ اور جہاں تک مجھ سے اِسکی خدمت کیجائیگی کرونگا۔ میری نظر و خیال میں جو حالات و خیالات اس تذکرے کے لائق ہیں وقتاً فوقتاً آپکی خدمت میں بھیجونگا۔ میرے اس خط میں جو کچھ بے اعتدالی اس وقت ہو اُس کو معاف کردینا۔ کبھی "تم" اور "تمکو" اور کبھی "آپ" اور "آپ کو" مختلف الفاظ سے مخاطب کیا ہے۔ یہ محض میری محویت اور بیخودی ہے اِسی کو آپ ادائے شکریہ اور مبارکباد سمجھیں جو آج اِس تذکرہ کو دیکھ کر میرا فرض ہے۔ اب بتاؤ کہ تذکرہ تو دیکھنے کو مِل گیا مگر تم کیونکر دیکھنے کو ملوگے! اور یہ آرزو کب اور کس طرح پوری ہوگی۔

تمہارا نادیدہ مشتاق

معشوق علی۔ جوہر۔ مرقومۂ ۸ ستمبر سنہ ۱۹۰۸ء از شاہجہانپور

اقتباس از عنایت نامہ مکرمی محمد رئیس الزمان صاحب سکرٹری آنریبل راجہ صاحب بہادر والئی محمود آباد

جناب معظم مخدوم مکرم دام مجدکم۔ تسلیم و نیاز۔ "خمخانہ جاوید" کی جلد اول خوبصورت موصول سرکار ہوئی۔ عنایت کا شکریہ قبول فرمائیے۔ اور مجھے اس اعتراف کی اجازت دیجئے کہ اس صدی میں بے یار و مددگار اُردو زبان پر آپنے جو احسان کیا وہ یادگار احسان ہے انصاف یہ ہے کہ آپنے اس زبان کے حق میں مسیحائی کی۔ آپ کی ہمت اور دلی توجہ کا یہ نتیجہ ضرور ہوا کہ اُن لوگوں کی دماغ سوزی اور بلند خیالی۔ بلند پروازی اور سخن سنجی کے منتخب نمونے اس زمانے میں قدرشناس اور سخن سنج حضرات کے رُوبرو ایک مجموعے کی صورت میں نہایت حسن و خوبی سے پیش ہو گئے۔ جنکی یاد دلوں سے محو ہو رہی تھی۔

ہندوستان میں آپکی تالیف قدر کے ساتھ مدت ہائے دراز تک محفوظ رہیگی۔ میں نے اس قسم کی تالیفات میں صرف تذکرہ "آبِ حیات" کو اس دورِ آخر میں وقعت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ مگر سچ یہ ہے کہ اُس تالیف میں جو بہت بڑی کمی تھی وہ آپنے پوری کر دی۔ جو گو حق تلفی کے ساتھ اس کتاب میں باریاب نہیں ہوئے تھے۔ یا جنکی باریابی کامل نہ تھی اُسکی آپنے بہت اصلاح کر دی۔ اور اس سے اُنکی اچھی اشک شوئی ہو گئی۔

یہ خداداد ہمت تھی جو مدتِ مدید سے آپکے قلبِ سلیم میں ودیعت ہوئی تھی۔ آپنے نہایت استقلال سے اُس سے کام لیا اور موجودہ تالیف اُس کا خوشگوار ثمر ہے۔ آپکی محنت اور دلسوزی کا شکریہ اُردو داں پبلک کی زبانی ادا نہیں ہو سکتا۔ میں نے ہنوز اس کتاب کو بالاستیعاب نہیں دیکھا ہے۔ مگر کچھ زمانے کے بعد میں اپنی ناچیز رائے نہایت تفصیل کے ساتھ بے تکلف عرض کرونگا۔ مجھے نہایت مسرت ہو گی اگر آیندہ حصص کی تالیف میں کوئی خدمت آپکی کر سکوں گا۔ آپ نے اُردو زبان کے ساتھ بڑا احسان کیا۔ خداوند عالم آپکو اسکی

جزائے خیر دے۔ سرکار والاتبار حضرت آصفجاہ خلد اللہ ملکہٗ کی بڑی عنایت ہوئی کہ انھوں نے بکمال ہنرپروری و قدرشناسی کتاب کو آپ کے نام سے معنون کرنے کی اجازت دی۔ یہ آپکی ایسی کامیابی ہے جسکی مبارکباد دیتا ہوں۔

بکمال اخلاص نیاز آپکا ولی خیر طلب محمد رئیس الزمان سکرٹری راجہ صاحب محمود آباد قیصر باغ



ریویو

از جناب منشی محبوب عالم صاحب اڈیٹر پیسہ اخبار لاہور

"تذکرہ ہزار داستان" یہ وہ کتاب ہے جس کا پبلک کو کئی سال سے انتظار تھا یعنی لالہ سری رام صاحب ایم۔اے دہلوی کا تذکرہ شعرائے اردو۔ اس تذکرہ میں مؤلف نے یہ التزام کیا ہے کہ قدیم و جدید جتنے شاعر اردو زبان کے ہیں اُن سب کا تھوڑا بہت حال معہ نمونہ کلام آجائے۔ اور اس غرض کو حاصل کرنے کے لیئے مؤلف صاحب نے نہایت تلاش و کاوش سے قابل قدر مواد فراہم کیا ہے۔ کتاب کا تاریخی نام "خمخانۂ جاوید" ہے جس سے ۱۳۲۵ھ ہجری نکلتے ہیں۔ ناموں کی ترتیب تخلص اور حروف تہجی کے لحاظ سے رکھی گئی ہے پہلی جلد جو حال میں چھپ کر تیار ہوئی ہے۔ اس کے اصل مضمون کے ۶۹۰ صفحوں میں صرف ردیف الف اور بے کے تخلص ہیں۔ حضور نظام نے اس تالیف کو اپنے نام نامی سے معنون کیا جانا منظور فرمایا ہے۔ ٹائیٹل پیج دو ہیں۔ اندر کا ٹائیٹل پیج رنگین اور نہایت خوشنما چھپا ہوا ہے شروع میں مؤلف نے اپنی دو تصویریں بھی دی ہیں۔ ایک عنفوان شباب ۱۸۹۲ء کی ہے اور ایک تازہ۔ لکھائی چھپائی میں خاص اہتمام کیا گیا ہے۔ اگرچہ کتاب میں بعض بعض فروگزاشتیں ہیں۔ بعض بعض شعراء کا نام درج ہونے سے رہ گیا ہے۔ بعض کے حالات میں کسیقدر غلطی ہے۔ مگر ایسی باتیں ناگزیر ہوتی ہیں۔ چھپائی میں جو غلطیاں رہ گئی

اُس کے لئے غلط نامہ لگا دیا گیا ہے۔ جن شعراء کا پہلی جلد میں تذکرہ ہے اُنکی فہرست بھی آخر میں بدی ہے۔ آخر میں متعدّد اصحاب کی تقریظیں درج کی گئی ہیں۔ اِس میں شک نہیں کہ کتاب فی نفسہ نہایت مفید اور بڑی عرق ریزی اور مشقت کا کام ہے اور اس سے اُردو لٹریچر میں قیمتی اضافہ ہوا۔ مطبوعہ پیسہ اخبار مورخہ ۱۴ ستمبر ۱۹۰۸ء

تقریظ منظوم و قطعہ تاریخ از منشی للتا پرشاد صاحب شادؔ میرٹھی سابق اڈیٹر اخبار دلشاد و نظم الہند وغیرہ و مصنّف کتب متعدّدہ

پلا مجھکو اے ساقئ خوش جمال
رلا برق میں بادۂ کہنہ سال

چمن ہے۔ شب ماہ ہے۔ ابر ہے
خدا کے لئے اب نہ کر قیل و قال

مری آج حالت جو دیکھے کوئی
تو حیرت میں آکر کرے یوں سوال

کہ کیوں سفندر خوش ہے اے شادؔ تو
کہیں سے لگا کچھ ترے ہاتھ مال

کوئی تُو نے جیتا ہے پالا کہیں؟
نکالی ہے شطرنج کی کوئی چال؟

کہیں مل گیا کوئی محبوب۔ یا
کسی نے پلا دی شرابِ وصال؟

بتا تو سہی ماجرا کیا ہے یہ
کدھر جا پڑا دھیان کیا ہے خیال؟

ابھی کل ہی کی بات ہے یاد ہے!
کہ تُو پھر رہا تھا یونہی خستہ حال

زمانے نے دیکھی ہے حالت تری
کبھی خشک لب تھے کبھی زرد گال

جو ارزاں تھی وحشت ترے واسطے
تو عشرت کا تھا کُل زمانے میں کال

ٹپکتا تھا چہرے سے رنج و قلق
طبیعت میں تھے جا گزیں صد ملال

مگر آج کچھ اَور ہی شان ہے!
مسرت سے چہرہ بھی ہے لال لال

کبھی لیمنیڈ۔ برف کی مانگ ہے
کبھی خواہشِ بادۂ پرتگال

یہ کیا بات ہے یار کیا راز ہے؟
سمجھ میں نہ آیا مری کچھ یہ حال

یہ سُنکر کلام اُس سے مَیں نے کہا
کہ او بے ادب ابن زباں کو سنبھال

تجھے کیا خبر ہے کہ غافل ہے تو
یہ باتیں ہیں تیری حماقت پہ دال

مجھے رنج تھا اس لئے پیشتر
کہ آیا ہے فنِ سخن کو زوال

کہیں شاعری کو کہ منحوس ہے
بہت ایسے ہیں ان دنوں بدخصال

نہیں پُوچھتا کوئی شاعر کو اب
ذرا بھی نہیں علم کی دیکھ بھال

جو فنِ سخن موجبِ ناز تھا
ہُوا آج اُلٹی چُھری سے حلال

جہاں سے گئے ذوق و داغ و دبیر
امیر و ظفر کا ہُوا انتقال

بیاں ہے نہ راسخ نہ ناسخ نہ رند
ہُوا ہائے فنِ سخن پائمال

نہ سودا نہ آتش نہ غالب نہ میر
نہیں کوئی بھی شاعرِ باکمال

بہت یاوہ گو اور تُک بند ہیں
نہیں ہیں مگر ہائے اہلِ کمال

غنیمت ہیں اس وقت مضطر رسا
ریاض اور بیخود ظہیر و جلال

مبارک ہیں حالی و کیفی۔ اُفق
حسن شوکت احسن وجاہت کمال

مگر کوئی ان کا نہیں قدرداں
ہُوا اس زمانے میں جینا وبال

غرض ہیں سخنور نہ اب قدرداں
لیاقت رہی اور نہ قدرِ کمال

کہاں ہیں وہ پہلے سے اہلِ نظر
صلہ میں جو دیتے تھے شاعر کو مال

مصیبت میں ہیں وائے سارے شریف
ترقی پہ ہیں اب کمین و سفال

اگر قدرداں کوئی آئے نظر
تو سمجھوں میں کیونکر مبارک نہ فال

سُنا جب سے میں نے کہ اک دہلوی
تہِ دل سے کرتا ہے قدرِ کمال

اُسی وقت سے ہے مسرت مجھے
اُسی وقت سے ہوں میں فرخندہ حال

مجھے تھا الم پیشتر۔ بیشتر
بچھا تھا غم و رنج کا گرد جال

پُرانی خوشی عود کر آئی پھر
مجھے چاہیئے بادۂ کہنہ سال

اسی واسطے مے کا طالب ہوں میں / اسی واسطے یاد آیا کلال
مجھے اب یہ کہنا ضروری ہوا / کہ ہے کون وہ قدردانِ کمال
وہ مشہور لالہ سری رام ہیں / نجیب و شریف و عدیم المثال
فہیم و سخن سنج اور نکتہ داں / نثارِ کمال اور اہلِ کمال
لیاقت میں عالم زمانے کے دنگ / امارت میں قاروں بھی آشفتہ حال
الٰہی وہ دائم رہیں بامراد / الٰہی وہ زندہ رہیں لاکھ سال
انھیں نے بنایا ہے یہ تذکرہ / ہر اردو کے شاعر کا لکھا ہے حال
یہ مژدہ ہے کیا کم مرے واسطے / کہ زندہ ہوا نام اہلِ کمال
بڑی عرق ریزی کا ثمرہ ہے یہ / اسے دیکھ کر میں ہوا ہوں بحال
وہ پہلی تھی یہ دوسری جلد ہے / لکھیں گے ابھی اور بھی چند سال
سخن کو اگر آسماں مان لیں / تو اسکو ابھی اس کا سمجھو ہلال
کہا ہاتفِ غیب نے شاد سے / کہ چھاپا ہے کیا تذکرہ بے مثال
۱۹۶۶ ہجری

دیگر

منشی والا ہمم شیریں مقال / نمکسارِ نکتہ سنج و خوش خصال
عالمِ بے مثل و یکتا و لئیق / فاضل و اہلِ امارت نیک فال
کرد تالیف و رقم ایں تذکرہ / خرم و مسرور شد اہلِ کمال
سالِ طبعش گفت ہاتف شاد را / بیمثال و بے عدیل ست ایں کمال
۱۳۲۷ھ

دیگر

تذکرہ کس نے یہ لکھا اچھا / منتخب جسے کہتے ہیں اچھا اچھا
اہلِ دہلی کا بھلا ذکر ہی کیا / غیر تک کہتے ہیں اچھا اچھا
آن و انداز کے کیا کہتے ہیں / صورت اچھی ہے سراپا اچھا
کاغذ اعلیٰ ہے عبارت عمدہ / جادو تحریر ہے چھاپا اچھا
ٹائٹل پیج کی جدت واللہ / مرحبا ہے رخِ زیبا اچھا

دیکھیں موسیٰ تو گریں غش کھا کر	طور سے ہے جلوہ اچھا
اہلِ فن آج بتاتے ہیں اسے	ساری دنیا سے نرالا اچھا
سچ تو یہ ہے کہ بہ نسبت اس کی	کوئی بھی کام نہ ہوگا اچھا
تھوڑے داموں میں یہ شے لی ہم نے	مال قسمت ہی سے پایا اچھا
مصرعۂ سال لکھو تم اے شاد	ہے گلستانِ سخن کیا اچھا
	۱۳۴۷ھ

تقریظ مع تاریخ از فکر لطیف شاعر شیریں سخن جناب میر شرافت علی صاحب کشتہ اکبرآبادی

جہاں میں شور ہے منشی سری رام	بڑا جوہر شناس اہلِ فن ہے
لیاقت میں ہیں ایم۔ اے مصنفی پاس	سعادت جو شریفوں کا چلن ہے
فطانت اس جواں کی ہے قیامت	متانت صورتِ پیرِ کہن ہے
طلاقت اسکی ہے جادو کی پتلی	جوابِ سامری یہ سحر فن ہے
عبارت دیکھئے گا تذکرے کی	کہ جو میدان ہے صحنِ چمن ہے
ملاحت ہے حلاوت بھی ہے اس میں	کہ شورِ بلبلِ شیریں سخن ہے
مسجع و مرصع و مقفیٰ	یہ نثرِ دلپذیر اہلِ فن ہے
سنوارا ہے ہر اک فقرے کو ایسا	کہ پہلی رات کی گویا دلہن ہے
کہیں گلہائے مضموں ہیں شگفتہ	کہیں گل چینئ باغِ سخن ہے
کہیں چوٹی کے مضموں ہیں مسلسل	کہیں پیچیدہ زلف پرشکن ہے
کہیں وصفِ گل و لالہ کے مضموں	کہیں ذکرِ محبت غنچہ دہن ہے
کہیں شمشیر ابرو سے برہنہ	کہیں وصفِ لب و سیبِ ذقن ہے
کہیں اٹھتی جوانی کے ہیں چرچے	کہیں معنی میں کوئی بانکپن ہے
کہیں مضموں ادا و ناز کے ہیں	کہیں تیرِ نظر ناوک فگن ہے

کہیں ہجر و شبِ فرقت کے مضموں
کہیں مرغِ سحر سے کچھ جلن ہے
کہیں ہے جدّتِ حسنِ معانی
کہیں ٹکسالی سکّہ کا چلن ہے
کہیں ہے چستی بندش کی خوبی
کہیں لفظی نشستِ اہلِ فن ہے
بھری رکھی ہے خوشبوئے معانی
جوابِ نافۂ مشکِ ختن ہے
یہ الفاظ و معانی کہہ رہے ہیں
پریزادوں کی زلفِ پرشکن ہے
جدا ہے الغرض ہر پھول کی بو
عجب گلدستۂ باغِ سخن ہے
ہوا ہے یہ بڑا کارِ نمایاں
یہ کچھ تائیدِ ربِّ ذوالمنن ہے
جلائے سینکڑوں مردے پرانے
مسیحائی کا اس کو یاد فن ہے
بہت ایسے کہ ان کی قبر تو کیا
نہ ہڈّی ہے نہ اک تارِ کفن ہے
انھیں زندہ بنا کر لا دکھایا
جسے دیکھو وہ شمعِ انجمن ہے
امیر و آتش و آباد و انور
اسیرِ آرزو کی انجمن ہے
اسیرِ اکبر آبادی و آغا
جو ہے وہ انتخابِ اہلِ فن ہے
ہر اک اپنے زمانے کا وہ لائق
کہ گویا طوطئِ شکّر شکن ہے
ہر اک یکتا و حیدِ عصر گزرا
ہر اک سلطانِ اقلیمِ سخن ہے
یہ سب جلوے نظر آتے ہیں یکجا
بڑی دلچسپ گویا انجمن ہے
لکھوں تاریخ کیا اس تذکرے کی
ورق ہر اک ہزارہ کا چمن ہے
سنِ ہجری کہا ہاتف نے کشتہ
نشانِ قائمِ بزمِ سخن ہے

قطعات تاریخ بطریق تقریظ از قلم گوہر رقم جناب حاجی محمد اسمٰعیل خان صاحب المتخلص بہ صبر رامپوری ملقب بہ بلبل تسلیم تلمیذ رشید منشی امیر اللہ تسلیم لکھنوی

ساقیٔ گل پیرہن جامِ مئے گلرنگ دے
دیکھ تو باغِ جہاں میں ہے عجب رنگِ بہار

بنگئی مشاطہ ہے بادِ صبا گلزار میں — نوجوانانِ چمن کا ہے عروسانہ سنگھار
نرگس و سوسن کہیں پر ہیں کہیں پر نسترن — سنبل و ریحاں کہیں پر ہیں کہیں پر لالہ زار
بلبلوں کے چہچہے سن چٹکے گل ہیں باغ باغ — خندۂ گل میں ادائیں دلبری کی ہیں ہزار
سبزہ بھی انگڑائیاں لیتا ہے مستوں کی طرح — دیدۂ نرگس کی حیرت سے عیاں ہے انتظار
ساغرِ مے کی جو صورت گل میں آتی ہے نظر — دیکھنے سے تازہ ہو جاتی ہے روحِ بادہ خوار
اس ہوائے سرد اس کالی گھٹا کو دیکھکر — کیا عجب آتی ہو دل میں شیخ کے بھی بار بار
پاکدامانی و زہد و وعظ و تقوے لے چھوڑ کر — بادہ خواروں میں چلیں مے پیجے ہوں پی کے یار
پے بہ پے چھ سات ساغر بھر کے دے ساقی مجھے — تا دلِ بیتاب و مضطر ٹھیرے دم بھر ہو قرار
مجھکو لکھنا وصف ہے خمخانۂ جاوید کا — آچکے ہیں خط کئی دلّی سے اب ایکتا تار
خوبیٔ قسمت سے اک پیدا ہوئے ہیں قدرداں — تذکرہ لکھا جنھوں نے شاعروں کا باوقار
بے تکلف نام نامی کو بتاؤں کس طرح — صاف آسکتا نہیں اس بحر میں ہے رہگذار
پہلے لالہ پھر سری پھر رام پھر منصف لکھو — جمع پھر الفاظ سب ہوں نام ہو جب آشکار
ذی لیاقت اہلِ دولت با مروت خوشخصال — کم نظر آتے ہیں ایسے زیبِ بزمِ روزگار
تذکرہ لکھا ہے جس خوبی سے کیا تعریف ہو — منہ ہے چھوٹا یہ بڑی ہے بات مشکل ہے دو چار
رونقِ بزمِ جہاں اک جلد چھپکر ہو چکی — اک نظر میں نے بھی دیکھی تھی کہیں پر ایکبار
کاغذ اچھا تھا چھپی تھی صاف خط پاکیزہ تھا — حال ہر شاعر کا لکھا تھا قرینِ اعتبار
نقطے نقطے سے عیاں تھی صورتِ نجمِ فلک — ہر کشش پر شیفتہ قوسِ قزح کی تھی بہار
دائروں کی گر ہلالِ عید سے تشبیہ دوں — کیا عجب ہمشکل ہونے پر ہو پیدا افتخار
رشکِ حسنِ کہکشاں تھا جلوۂ بین السطور — زلفِ حورِ خلد الفاظِ مسلسل پر نثار
شاہدِ معنی کی وہ بانکی ادائیں دلفریب — دیکھتے ہی خود بخود بے اختیار آتا تھا پیار
روشنی ہر صفحہ میں ایسی کہ جسکو دیکھکر — آفتابِ صبحِ روزِ وصل بھی ہو شرمسار

فقرہ ہر اک شکل موج حوض کوثر بیگماں
دوسری بھی جلد چھپکر اب قریب الختم ہے
کشتیٔ مے کی طرح پیش نظر جب آئیگی
دائرہ ہر ایک ہوگا ساغر مے سے سوا
دیکھکر اسکے بیاض صفحہ کو شرمائیگی
اسکے ہر فقرے سے پیدا ہوگا جوش موج مے
پڑھنے میں ہوگی صدائے قلقل مینا کی دھن
شاعروں کو چاہیے اب شکر کے سجدے کریں
اک قصیدہ پیش کرتا مدح میں اسکی مگر
خوبیٔ تقدیر برگشتہ کو دیکھو تو سہی
کیا کہوں کیونکر کہوں دل ہی نہیں قابو میں ہے
حضرت نوح کی تاکیدوں سے عاجز ہوگیا
فکر میں تاریخ کی بیٹھا تو یہ دل سے کہا

ہر ورق میں تختۂ گلزار جنت کی بہار
اسکے جلوے پر نگاہ شائقاں ہوگی نثار
کیا عجب مشتاق ہو دنیا بزرگ بادہ خوار
دیکھتے ہی اسکو چھلک جائیگا ہر اک میگسار
پانی پانی ہوگی حسن دختر رز کی بہار
ذُرد مے کے ذرّے بنکر ہونگے نقطے آشکار
کوئی دم مسرور ہوگا جو سنے گا دلفگار
تا قیامت نام دنیا میں رہے گا برقرار
آجکل میری طبیعت میں ہے بیحد انتشار
صبر کہتا ہے زمانہ صبر کر ہوں بیقرار
رنج مرگ دوستاں سے چشم تر ہے اشکبار
اس لیے اشعار موزوں کر دیئے سی چہار
صمبر لکھدو شاعروں کی پوری پوری یادگار
۱۳ ۲۹

ریویو قمر زدہ اڈیٹر اخبار ہندوستان لاہور

جو لوگ اردو زبان کو اپنی قومی میراث کہا کرتے ہیں وہ چشم بصیرت سے دیکھیں کہ لالہ سری رام ایم اے مصنف دہلوی نے اردو زبان پر وہ احسان کیا ہے جو بڑے سے بڑے حامی اردو مسلمان سے نہیں ہوسکا۔ تذکرۂ ہزار داستان جس کا تاریخی نام خمخانۂ جاوید ہے اسکی پہلی جلد ۲۲+۲۹ کے ۶۸۹ صفحہ پر شائع ہوگئی ہے۔ جس میں اردو زبان کے ۶۶۹ شعرائے قدیم وجدید کا کلام اور مختصر حالات درج ہیں تذکرے کی ترتیب ردیف وار ہے اور اس جلد میں صرف الف اور بے کی ردیف

اسکی ہے جس سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ کل کتاب ضخامت کے لحاظ سے اردو علم ادب کے تذکروں میں سب سے اول نمبر پر ہوگی جسے اردو لٹریچر کا انسائیکلوپیڈیا کہنا بیجا نہوگا۔ ہر دور کے شعراء کا منتخب کلام یکجا اور باترتیب دیکھنے کے مشتاق کو اسکی خریداری میں ذرا تامل نکرنا چاہیئے۔ (از پرچہ مطبوعہ ۳۰ جولائی سنہ ۱۹۰۹ء)

قطعۂ تاریخ از سید محمد علیخان صاحب نبیرہ نواب مختار الدولہ و نجم الدولہ سید ابو القاسم خان و نواسہ نواب امیر الدولہ حیدر بیگ خان وزیر سلطنت اودھ

ہیں سری رام اک رئیس ذی وقار و باکرم
لکھتے ہیں خمخانۂ جاوید اس تصنیف کو
گو سرور افزائے اہل ذوق ہوگی میکشی
جب سنے اسکے لطائف میرے گوش شوق نے
عیسوی سال اسکا واصف قلم برداشتہ

تذکرہ کیا خوب تالیف اس سخنور نے کیا
نام تاریخی یہ اس کا سال ہجری ہیچ ہے
شرع کے پابند کو کام ایسے میخانے سے کیا
دل میں آیا و ہیاں اسکی طبع کی تاریخ کا
الفت خمخانۂ جاوید بس ہے۔ لکھدیا
۱۹۰۸

قطعۂ تاریخ بطرز تقریظ از تصنیف لطیف ناظم بے مثال شاعر نازک خیال منشی پیارے لال صاحب رونق دہلوی اڈیٹر کمال دہلی تلمیذ رشید منیر مرحوم

شکر ایزد کہ پھر بہار آئی
رشک افزائے خواب مخمل ہے
ہے ہر اک گل نمونۂ قدرت
برگ برگ گل شگفتہ سے
فرق گل پر ہے تاج شاہانہ
ہے عروسان گل کی مشاطہ

گوہر افشاں ہے ابر نیسانی
نزہت سبزۂ گلستانی
ہر ورق میں ہے شان یزدانی
حرف حرف کتاب عرفانی
زیب تن ہے قبائے سلطانی
موج باد نسیم نیسانی

فرقِ گل پر نسیم کرتی ہے　پنجۂ موج سے مگس رانی
سلکِ گوہر ہیں قطرۂ باران　سائباں ہے سحابِ نیسانی
دیکھ کر خندۂ لبِ گلبرگ　صدقے ہوتے ہیں لالِ رمّانی
اللہ اللہ فیضِ بادِ بہار　اوس کرنے لگی دُرافشانی
پھر نوید نشاط لائی نسیم　پھر ہوئی عیش کی فراوانی
مژدۂ انبساط پھر پہونچا　پھر دلوں سے ہٹی پریشانی
روزِ عید الفطر ہے پھر ہر روز　پھر مہِ نو کی ہے درخشانی
چھا گئی پھر چمن پہ گل رنگی　اُڑ گیا رُخ سے رنگِ حیرانی
بن گیا ہے ترانۂ عشرت　نغمۂ بلبلِ گلستانی
گا رہا ہے ہر اک خوشی کے راگ　دے رہی ہے مزا غزلخوانی
کچھ تو ہے اِس نشاط کا باعث　کس لیئے ہے طرب کی ارزانی
جس کا شوقِ لقا تھا مدت سے　جسکی تھی آرزوئے مہمانی
عالم افروز ہو گیا وہ مہر　ہر طرف اُسکی ہے درخشانی
اُسکے پرتو نے کر دیا یکسر　دلِ اہلِ سخن کو نورانی
وصف میں اُسکے ہم بھی دیکھینگے　توسنِ طبع تیری جولانی
زینتِ دہر ہے وہ میخانہ　دَور جس کا شرابِ نورانی
چھپ گیا ہے وہ تذکرہ جس کا　صفحہ صفحہ ہے فیضِ روحانی
نقطہ نقطہ ہے گوہرِ یکتا　لفظ لفظ اُس کا لالِ رمّانی
جدولیں رشکِ کہکشانِ فلک　غیرتِ آفتاب پیشانی
حُسن بین السطور سے اظہر　جلوۂ موجِ بحرِ نورانی
لمعۂ حسن سے خجل الماس　آب سے آبِ آئینہ پانی

کھینچی چاہے اُسکی گر تصویر
دنگ رہ جائے خامۂ مانی

لاجواب انتخاب میں ہر شعر
مصرع مصرعہ ہر ایک لاثانی

انتخابِ سخن ہے وادِ طلب
ہے عیاں جوہرِ زباندانی

مردمِ چشم کو سوادِ خط
بن گیا سرمۂ سلیمانی

ہیں وہ اشعار صاف و پاکیزہ
جن سے حاصل ہو لطفِ روحانی

ہوں مؤلف کے کیا بیاں اوصاف
حُسن و خوبی میں فرد و لاثانی

ہیں سراپا ماہرِ ہر فن
ختم ہے آپ پر سخندانی

ذاتِ عالی ہے مجمعِ اوصاف
اور ہر فن میں آپ لاثانی

پاسباں اُنکے گھر کے فضل و ہنر
ذی ہنر پر ہے فرض دربانی

اُن کا کوچہ ہے خاص دار العلم
اُنکی صحبت ہے فیض ربانی

دل نوازی شعار ہے اُن کا
اور مہماں کی فرض مہمانی

اُنکی محفل میں روز رقص و سرود
اور ہر شب ہے جشنِ سلطانی

رونقِ جلسۂ علوم و فنون
زینتِ محفلِ سخندانی

کام مشکل سے تھا جو مشکل تر
کر دکھایا ہے وہ بآسانی

وہ لکھا تذکرہ عجیب و غریب
انتخابِ جہان و لاثانی

کھل رہا ہے کہیں سخن کا چمن
ہے کہیں نثر کی گُل افشانی

بھولے بھٹکوں کو راہ پر لائے
شاعروں کے ہیں خضرِ دورانی

حال سے جنکے بیخبر تھا جہاں
کھل گیا اُن کا رازِ پنہانی

آگئی دامنِ محبت میں
تھی جو اُردو کو پرورش پانی

سچ تو یہ ہے بڑا ہی کام کیا
بات پوچھو تو ہے یہ ایمانی

منحرف ہوں جو اسکی خوبی سے
ہے سراسر یہ اُن کی نادانی

تا قیامت رہے مؤلف کے
ختم کر بس یہیں سخن رونق
یہی تقریظ ہے یہی تاریخ
ہے سر رام کا جہاں ممتاز

دیگر

خوبیاں اسکی ہوگئیں روشن
واقعی تھی یہ آپ کی ہمت
بن گئے شاعروں کے خضر و مسیح
روح پھونکی زبان اردو میں
شکر اس کا ادا ہو کس منہ سے
کیوں نہ مقبول عام ہو یہ کتاب
سن لو تاریخ طبع رونق سے
وہ لکھا سر رام نے تذکرہ

دیگر

نہ ہو فیض یاب اس سے کیوں اک جہاں
کیا ذکر ہر نغز گفتار کا
کیئے منتخب وہ مضامیں بلند
دکھایا وہ اعجاز حسن رقم
نہوں مست کیوں جرعہ نوشان علم
سر آنکھوں پہ رکھیں گے وہ شوق سے
سنادو یہ تاریخ رونق انہیں
گل معنیٔ تازہ سے سر بسر

شامل حال فضل یزدانی
تاکہ مضمون ہو نہ طولانی
تذکرہ لاجواب و لاثانی
کیا ہی نایاب تذکرہ لکھا
اک زمانے پہ مثل آئینا
سچ تو یہ ہے بڑا ہی کام کیا
کردیا اُن کے نام کو زندا
ہر سخن بن گیا زبان گویا
شاعروں پر کرم جو فرمایا
درحقیقت ہے تذکرہ یکتا
دفتر شاعراں چھپا اچھا
عیاں ہوگئی جس سے شان سخن
یہ ہے معدن علم و کان سخن
نہ چھوڑا کوئی خوش بیان سخن
زمیں بن گئی آسمان سخن
سبھی نوحہ گو مدح خوان سخن
یہ خمخانہ ہے میکشان سخن
جو دیکھیں کے دل دادگان سخن
جو ہیں حامی و قدردان سخن
ہے آراستہ بوستان سخن
۱۱ ۶۱۹

تقریظ دلپذیر از طبع وقاد و ذہن نقاد بابو چندی پرشاد صاحب شیدا دہلوی تلمیذ رشید مولانا راسخ دہلوی

نوید جانفزا ہو کر خبر لائی کس گل کی — نسیم صبح کے جلوے میں ہے رنگ گلستانی
الٰہی کون ہے وہ روح پرور شاہد رعنا — بنا خورشید محشر جس کا نور صبح پیشانی
ذرا دیکھو تو ہے کس اوج پر حسن فلک رفعت — کہ کرتا ہے ہلال عید جامہ کی گریبانی
بندھا چلنے کا گویا سلسلہ دامان محشر سے — ہوئے عمر خضر طول امل گیسوئے طولانی
ہزاروں راز اسکی اک خموشی سے نکلتے ہیں — معمہ ہیں دہن کے بھر دیئے اسرار پنہانی
بہار بیخزاں قربان ہوتی ہے کف پا پر — رخ رنگیں پہ گلزار ارم کی ہے گل افشانی
زمانے میں ہے یہ کس شان پر حسن صفا پرور — ہمائے بخت یاور جسکی کرتا ہے مگس رانی
ہزاروں رنگ کے پھولے چمن اس میں نظر آئے — بنی ہے تختۂ فردوس منظر - لوح پیشانی
مضامین زبان رشک بتان شوخ و پرفن ہیں — سحاب حسن سے ناز و ادا کا کھیت ہے دھانی
دکھائے سوز پنہاں کے کرشمے کس صفائی سے — کہ جیسے اشکی و آہی ہوئے عرفی و خاقانی
بیاں ہے سر بسر اسمیں گنہگاران الفت کا — وہ جنکے دامن تر میں نہاں ہے پاک دامانی
نظر آتے ہیں کیا کیا عاشق معشوق کے جلوے — کہیں رنگ نزاکت ہے کہیں طرز گرانجانی
کہیں تعریف حسن روح افزا کی قیامت ہے — کہیں عشاق سرگشتہ کا ہے ذکر پریشانی
کہیں فرقت کہیں عشرت کہیں خلوت کہیں جلوت — غرض ہر رنگ کی اسمیں دکھائی ہے فراوانی
کہیں رشک رقابت ہے کہیں سامان عشرت ہے — کہیں محشر کا دن ٹھہرا شب فرقت کی طولانی
حجاب چشم بدبیں سے بری ہے نظم بیان اسکی — کسی پردے سے چھپ سکتی نہیں شعلہ کی عریانی
نکالے کیوں نہ پر پرزے غضب کے طائر مضمون — کھلایا ہے پلایا ہے نیا دانہ نیا پانی
بنے ہیں خضر رہ لالہ سری رام آج عالم میں — پلایا شاعران ہند کو آب بقا - پانی

فنا کا دخل کیا خمخانہ جاوید کے آگے
مکمل ایک اُردو شاعروں کا تذکرہ لکھا
ذرا دیکھو تو اسکو ہمت مردانہ کہتے ہیں
اسی میں صرف کی ہے اپنی اوقات گرانمایہ
فراہم حال سارے شاعران ہند کا کرنا
بڑی تحقیق سے لکھا ہے ہر اک کا کلام ایسا
پھٹے ہیں شل افشاں واہ کیا اشعار برجستہ
سخن فہمی سخن دانی سے مشکل ہے زمانے میں
غضب کا حافظہ ہے شعر ہیں نوک زباں لاکھوں
نظر میں ہے خیال مختصر فکر سخن گستر
کہاں تو ہے کہاں یہ تذکرہ خاموش اسے بدرا

حیات جاودانی کر رہی ہے گھر کی دربانی
دکھادی خلق کو لفظ و معانی کی فراوانی
اُٹھایا بار اتنا دوش پر اپنے بآسانی
بنے پھر کیوں نہ مہر نیکنامی نور پیشانی
کچھ آساں تھا یہ ہمت ہو گئی تائید یزدانی
دکھائی اشہب طبع رواں کی خوب جولانی
وہ حسن منتخب ہے آب گوہر بھی بھرے پانی
زر خالص پرکھ سکتا نہیں کوئی بہ آسانی
بجا ہے اس معانی میں جو کہدوں فیضی ثانی
مشرح گو کہوں تو عرض ہو جائیگی طولانی
کہ چھوٹا منہ بڑی باتیں کہی جاتی ہے نادانی

قطعہ تاریخ بطرز تقریظ از نتیجہ افکار شاعر بے نظیر خوش تقریر جناب منشی گور شنکر صاحب قصیر تلمیذ حضرت سید ظہیر الدین صاحب ظہیر دہلوی

گیا ذہن اس جا سر بام کا
لکھا تذکرہ اک عجیب و غریب
کھلے ہیں چمن اس میں وہ تازہ تر
ہر اک شعر ہے انتخاب سخن
کشش ہے بہار معانی کی یہ
فراہم ہے سب شاعروں کا کلام
شگفتہ ہے کیا ہر غزل بر محل

جہاں جا نہ سکتا تھا وہم و گمان
کہ ہے وصف میں جسکے قاصر زبان
بنا تذکرہ رو کش بوستان
ہر اک مصرع تر ہوا دلستان
دل و جاں سے ہیں اہل دل قدرداں
ہر اک کا نرالا ہے رنگ بیان
کہ ہے موج گلزار باغ جنان

خجل کیوں نہ ہو اس سے باغِ ارم
مضامین شستہ زباں صاف صاف
دکھایا وہ اندازِ نوکِ قلم
مُہیّا ہوا جامِ آبِ حیات
جُھکی جس سے پیرِ فلک کی کمر
ہر اک مصرعہ تر ہے رشکِ چمن
وہیں کھچ گیا ایک دلسوز سین
دکھائی ہے وہ سادگی میں بہار
سخنداں جہاں کے کہیں تو بجا
کہیں ذکرِ معشوقِ طناز ہے
کہیں ہیں مضامینِ سوز و گداز
یہ ہے خوان تازہ مضامین کا
دکھایا اثر وہ مئے نظم نے
نہوں اس سے سیراب کیوں تشنہ لب
ہر اک شخص کیفِ سخن سے ہے مست
کھلایا ہے سرسبز ایسا چمن
بڑے لائق و فائق و علم دوست
زمانے کو ہے جنکی شوکت پہ ناز
چھپا ہے عجب شان کا تذکرہ
کیا نام لالہ سری رام نے
ہیں لکھنے لگا اسکی توصیف جب

بھری ہیں قیامت کی رنگینیاں
یہ اُردو ہے مقبولِ ہندوستاں
دلِ اہلِ عالم میں لیں چٹکیاں
یہ ہے دوستوں کے لیے ارمغاں
اُٹھایا ہے وہ سر پہ بارِ گراں
ہر اک نظم ہے نظمِ گیتی ستاں
دکھایا جہاں رنگِ آہ و فغاں
نہ دیں داد کیوں اسکی پیر و جواں
سری رام کو فخرِ ہندوستان
کسی جا ہے سوز و الم کا بیاں
کہیں وصل و فرقت کی ہے داستاں
جو تھے میہماں ہو گئے میزباں
ہوا دیکھکر مست سارا جہاں
یہ "خمخانہ" ہے ساغرِ میکشاں
بنا آج خمخانہ پیرِ مغاں
نہیں جسکو تا حشر خوفِ خزاں
یہ لالہ سری رام ہیں بیگماں
یہ ہے قابلِ فخر وہ خانداں
ہوا دیکھکر ہر بشر شادماں
کہ ہے مدح خواں ان کا سارا جہاں
قلم یکقلم ہو گیا ہمزباں

مجھے فکرِ تاریخ جس دم ہوئی		ندا آئی یہ غیب سے ناگہاں
ہو گر عیسوی سال لینا قصیر		تو لکھ چھپ گیا تذکرہ دستاں
		۱۹۱۱
	دیگر	
جناب لالہ سری رام محسنِ اردو		کتاب نادر و نایاب و بے نظیر نوشت
چو سالِ خاتمۂ طبع آں ہمی جستند		جا بیہ تذکرۂ شاعراں قصیر نوشت
		۱۹۱۶ء

تقریظ از قلم جادو نگار منشی سید اصغر علی بلگرامی بی اے نائب تعلقہ دار ریاست حیدرآباد دکن

جلد اول خمخانہ جاوید مع سرورق مکمل ہو گئی خدا خدا کر کے برسوں کی محنت ٹھکانے لگی۔ خدا آپ کو جزائے خیر دے اور کامران و فائز المرام کرے۔ فی الحقیقت یہ تذکرہ کیا ہے ایک باغ ہے سرسبز و شاداب جس میں گلبن ہزار در ہزار میوہ دار درخت۔ بیشمار زمین سراسر سبزہ زار۔ بہت حوض بہت نہریں۔ مٹی نظر نہیں آتی۔ سبزہ یا نہریں بلا شائبۂ جنبہ داری میری رائے یہ ہے کہ آپ نے تذکرہ لکھکر ایک نہایت مستبعد اور اہم کام کو آسان کر دکھایا ہے اور قوم پر ایسا لاجواب احسان کیا ہے جس سے وہ ہرگز عہدہ برآ نہیں ہو سکتی۔ اور جس بے نفسی کے ساتھ آپ نے اس کنٹر و دربیل راہ میں گام فرسائی کی ہے وہ صرف آپ ہی کا حصہ تھا۔ حساد تو اپنے تقاضائے طبیعت سے مجبور ہیں انھیں یونہی آتش حسد میں جلنے دیجئے ع ہر کسے را بہر کارے ساختند حقیر آپ کا خیر سگال اور آپکی قدر دان کا دعا گو ہے۔

اقتباس از تحریر عالیجناب چودھری خوشی محمد صاحب گورنر صوبہ کشمیر

آجکل نیاز مند خمخانۂ جاوید کی جرعہ نوشی میں مصروف ہے۔ آپ نے اس نادر تصنیف

سے اہلِ ملک پر ایسا احسان کیا ہے جس کا شکریہ ادا نہیں ہو سکتا ع آفریں باد بریں ہمتِ مردانہ تو ۔ آپکی اِس محنت کی بدولت بہت سے گمنام اہلِ کمال کی خدمت میں نیاز حاصل ہو گیا - آپنے مختصر الفاظ میں نقادی اور سخن فہمی کی داد دی ہے سیّد شجاع الدین انور دہلوی کے دیدار سے دیدۂ ناظر منور ہوئے ہیں - افسوس کہ یہ باکمال عنفوانِ شباب میں دنیا سے اُٹھ گیا - اس میں کوئی شک نہیں کہ بقول آپکے اگر آج حضرت انور زندہ ہوتے تو کسی کا چراغ اُنکے سامنے روشن نہوتا آپنے جو اِنکا ایک دیوان طبع کرایا ہے براہِ عنایت اُسکی ایک جلد بذریعہ وی پی میرے نام ارسال فرمائیں - حضرت انور کا کلام - رنگینی - تصوف بلند پروازی شوکت و شیرینی کا ایک عجیب مجموعہ ہے ۔

فرمایئے اب اوقات کس طرح گزرتی ہے اور خمخانہ کے کسقدر خم اور تیار ہو گئے ہیں - اور آنے والی جلدوں کی کبتک توقع ہو سکتی ہے - مجھے اندیشہ ہے - کہ ناظر کا نمبر آنے تک کہیں ساقی کا نشہ ہرن نہ ہو جائے - آپکے استقلال پر ایسی بدگمانی کرنا درست نہیں - سہ مگر گردش فلک کی چین دیتی ہے کسے انشا ۔ کیا معلوم کہ کل کیا ہونے والا ہے ۔

رپویو رقمزدۂ کلک حکیم محمد ہدایت الحسن سند یافتہ مدرسہ تکمیل الطب لکھنؤ حال وارد کلکتہ

سرمایۂ نازش و افتخار جناب لالہ سری رام صاحب ایم اے دام بالاحترام - تسلیم مزاج مبارک - کل ایک دوست کے یہاں تذکرہ ہزار داستان دیکھنے میں آیا - کتاب کی توصیف زبان و قلم کے احاطۂ قدرت سے باہر ہے اسکی خوبیوں کا کچھ اندازہ دیکھنے ہی سے ہو سکتا ہے - یہ کتاب نہ صرف اُردو لٹریچر میں ایک بہترین اضافہ ہے بلکہ اُن اصحاب کے لیئے جو اُردو کی حمایت میں خالی تقریریں کرتے

انجمنیں قائم کرتے اور لاطائل رزولیوشن پاس کیا کرتے ہیں شرم و غیرت کا تازیانہ ہے - کسی زبان کی بہترین خدمتوں سے ایک یہ بھی ہے کہ اُس زبان کے نظم و نثر کے ماہرین کے سوانح لکھے جائیں - خدا آپ کی اس کتاب کو آپکے ہی ہاتھ سے تمام کرائے - اور آپکی عمر میں برکت دے - ہماری آیندہ آنیوالی نسلیں جب ہماری پولیٹیکل کشمکش کی دلچسپ تاریخ ملاحظہ کرینگی تو اُردو ناگری کی پالٹیکس پر نظر ڈالتے ہوئے خمخانۂ جاوید کے مصنف کو مسلمان نہ پاکر وہ متحیرانہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہونگی کہ ایسے زمانے میں جبکہ ہندو اقوام اُردو زبان کے مٹنے کے واسطے سر توڑ کوشش کر رہی تھیں تو اُس میدان مبارزہ میں اُردو زبان کا احیا کرنیوالا اُردو کی مدد کرنے والا اور اُردو لٹریچر اور علم اُس کے علم ادب کے ذخیرہ میں بہترین اضافہ کرنے والا بھی ایک ہندو ہی تھا - میں بحالت بیخودی اِس قابل قدر محنت کی آپ کو غائبانہ داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا ✢ ناچیز خادم حکیم ہدایت الحسن ۵ جنوری ۱۹۰۹ء

اقتباس از نگارش گرامی اکمل زمان افصح دوراں عالیجناب فضیلت مآب کمالات انتساب مخدومی و مکرمی خان بہادر اکبر حسین خان صاحب اکبر الہ آبادی - سابق ڈویزنل جج و رئیس الہ آباد

خمخانۂ جاوید کی تالیف سے بابو سری رام صاحب ایم - اے - رئیس دہلی نے ملک اور قوم اور زبانِ اُردو پر بڑا احسان کیا ہے - ایسا کوئی مجموعۂ کلام شعرا ابتک مُرتب نہ ہوا تھا جس میں ہر جگہ اور ہر درجہ کے شعرا کے کلام اور اُنکی سوانح عمری مندرج ہو - یہ کتاب زبانِ اُردو اور لٹریری مذاقِ ملک کا آئینہ ہے - بابو صاحب ہی کا کام تھا کہ اس زمانے میں اس کام کے لیئے اتنی محنت اور اتنا صرف کثیر گوارا فرمایا تمام ہندو مسلمانوں اور جملہ اہلِ ملک کو بابو صاحب کا شکر گزار ہونا چاہیئے - بابو صاحب

ایک نہایت ذہین ذیعلم - خوش اخلاق - فیاض طبع - کریم النفس بزرگوار ہیں - خدا اُنکو صد وسی سال تک زندہ و تندرست اور خوش و خرم رکھے ۞ اکبر حسین ۱۱ ۲/۱۱

قطعات تاریخ از نتیجہ فکر وسادہ نشین بزم وزارت و نونہال گلشن امارت مشفقی و مکرمی جناب نواب مرزا النقی علی خانصاحب بہادر مہر رئیس اعظم خلف الرشید نواب صاحب شیش محل لکھنؤ

ہیں سریرام اک کرمفرما مرے نازکخیال	جن کا ہے زورِ قلم بھی اک زبانی تذکرہ
آئی ہاتف کی صدا مجکو کہ کہدو مہر تم	کس مزہ کا لکھدیا ہندوستانی تذکرہ

۱۹۱۱ء

دیگر

ہیں سریرام ایک دوست مرے	صاحبِ علم و واقفِ ہر فن
جو کہ برسوں سے تھا خزاں آلود	وہی تازہ کیا ہے اب گلشن
اُنکی محنت ہی کا یہ ثمرہ ہے	جو ہوا نخلِ شعر پر جوبن
بارک اللہ بڑے بڑے مضموں	اللہ اللہ نئے نئے جوبن
ماہِ کامل کی کیوں نہ آنکھ پڑے	نئی شے ہے یہ زیرِ چرخ کہن
یوں ہیں الفاظ میں چھپے معنی	جیسے پتوں میں شاہدانِ چمن
فکرِ تاریخ طبع جب سے ہوئی	مہر کی ہے دعا یہ ربِ زمن
خوف حاسد ہے تخرجہ کا سبب	اور سخن سے غرض ہے باغِ سخن
اس سے خارج رہے حسد یارب	کیا تروتازہ ہے بہارِ سخن

۱۹۱۱ء

تقریظ بزبان فارسی از نتائج افکار جواہر نثار جناب منشی کرپارام صاحب جوہر رئیس دہلی و یادگار جناب صہبائی مرحوم

ثنا ہا ہمہ ایزد پاک را	فریادۂ طارم تاک را

کہ خورشید را صورتِ جام از دست		شرابِ شفق در خمِ شام از دست	

آمابعد سیہ مستانِ صہبائے خمخانہ سخنوری - و بادہ کشانِ میخانۂ معنی پروری را نوید کہ دریں ایام کہ علم و ہنر را آفتاب بر سرِ دیوار بود - و تحصیل و تکمیلش را در مسدود خضر رہ گم کردگانِ سخندانی - و مسیحائے بیمارانِ الفاظ و معانی - اعنی جلد اول تذکرۂ خمخانہ جاوید زیورِ انطباع پوشیدہ بچشمِ منتظرانِ دیدار جلوہ آرا گردید - و آں جانِ جہاں را بہ داود رسیدہ مشتاقانِ سخن را نورِ و سرورِ دیدہ و دل بخشید - اگر ایں را با جامِ جم نسبت دہم نسبت اعلیٰ ست باسفل - و ادائے تمثیل بے محل - زیرا کہ آن محض افسانہ ایست کہ پیشنیاں را برزبان و ایں سرمایۂ ذوق و شوق بل راحتِ روحِ روانِ سخنورانِ زماں - آن شنیدہ است و ایں دیدہ "شنیدہ کے بود مانند دیدہ" شعرے اُردو بہ تغیر لفظی مصداقِ حالِ این مجموعۂ دانش مالامال است کسے کہ گفتہ و خوش گفتہ ؎

نہ تھی جامِ جم کی گئی جامِ جم کے ساتھ		وابستہ ہے طلسم جہاں اسکے دم کیساتھ	

خردمندان و دانشوران و دانشورانِ خرد پرور را اگر سر بزانوئے تفکر در آرند دانند کہ لالہ سری رام صاحب ایم - اے بسفت خلف الصدق آنریبل رائے بہادر مدن گوپال صاحب بیرسٹرایٹ لا کوششے کہ در تلاشِ حالات و اشعارِ زباندانانِ اُردو فرمودہ اند و سعی مشکور کہ در تدوین ایں مجموعۂ دانش خرد بجا آوردہ اند از احاطۂ نگارش بیرونست و از اندازۂ قیاس افزوں ناچار از اں درگزشتہ بدعائے کہ گوش سامعین بصدائے غلغلۂ آمین آمین کان بہروری یمن و سعادت گردد می گرائیم - تا نوا سنج سپہر سوئی بزم آرایان فلک را جرعہ بخش بادۂ نشاط و انبساط است ایزدِ توانا ایں ساقی میکدۂ سخن را تا یوم التناد بحصولِ آرزو مقاصد دلی رسانا دو از آنچہ است بہ اعلیٰ مراتب علمی فائز گردانادؔ ؎

نیاز کیش مستہام کرپارام

تقریظ ریختہ کلکِ گہر سلک جناب کنور بدری کرشن صاحب فروغ شاگرد رشید منشی ہرگوپال صاحب تفتہ رئیس اعظم و جاگیردار سکندر آباد و وکیل دہلی

خامہ ام آن گریہ وزاری کجاست — آں دو زبانے کہ تو داری کجاست
گشت زباں بند و صریرت چہ شد — جوشِ دل و چشمِ بصیرت چہ شد
ایں ہمہ خاموش نشستن چرا — بال و پرِ خویش شکستن چرا
چوں نکنی قصد بسوئے آسمان — وقت ہم آمد کہ کشائی زباں
باز نمائیم درِ باغِ سخن — رُخ سوئے "خمخانہ جاوید" کن

آوازۂ شیریں گفتاری سخن کہ بگوشِ ہوش جہانیاں رسیدہ باشد چناں نباشد کہ پردۂ چشمِ نیم بازِ محبوبانِ خفتگانِ ناز را برانداز د۔ و حلاوت چاشنئ قند مکرر معانی کہ زبان خامہ چشیدہ باشد آں نباشد کہ ہر دو زبانش را کہ از عذوبت شیریں زبانی باہم چسپان گشتہ از ہم جدا سازد۔ آنست کہ از و سلسلۂ گوش و چشم را باہم پیوستند۔ و این ست کہ شیرینیش را در کاغذ بستند۔ کمالِ علم و علمِ کمال۔ و جمالِ حسن و حسنِ جمال یکجا فراہم گردید تا وجو و علم و علم و جود تابشِ آتش رخان با متزاج باہم گردید۔ شیریں سخنی کہ بصدائے کامرانی موصوف ست و حلاوتِ چاشنی کہ باظہارِ معانی موقوف اگر توصیف حسنِ جہاں فریب کج کلہانِ دہر کامیاب گردد۔ مجلسے فراہم آید کہ بگرد و ہر شمعش ضیار آفتاب گردد۔ ہمان ست کہ این بزم دل افروز پیش نظر داشتہ ام۔ و از دنیا و ہر چیز یکہ درو باشد چشم و دل برداشتہ ام۔ آفتاب در پیش تابش شمعش ذرہ تمثال ست و ماہتاب بزیر ضیاء چراغش ناقابل خیال۔ مشتری انداز دلبری از حسینانش اندوختہ و زہرۂ فلک چشم شوق بر حسن ماہ رخسارانش دوختہ۔ تیرِ فلک در توصیف حسن حاشیہ نشینانش قلم در کف و مریخ و زحل بارکانِ ثوابت و سیار پیش گوشہ گزینانش

صف بصف چشم حقیقت بیں جہانیاں بنظارۂ جمال خوبرویانش مشتاق۔ و تذکرۂ
مسیحا دمی شیریں لبانش شہرۂ آفاق۔ ہمانا برمے که مہر و ماه سرگردانۂ خیال گوشه
نشینیش در سر دارند۔ و کواکب چرخ به آرزوئے نظارۂ جمال جہاں آرایش در قفااند
ہمیں گلزار است که از باغ ارم گوئے سبقت ربوده۔ و غنچه ہائیش چوں دہان معشوقان
از خندیدگی و شگفتگی عقدۂ مالاینحل وا نموده۔ سبحان الله گلستانیست ہمیشه بہار
و بہاریست ہمیشه گلزار۔ نے نے بہار بے سلسله چاکرانش حرفت و روئے خاکش خلامیت
درم ناخریده و خزاں از محرومی طالع خویش بخیابانش باریافته در مغاک عدم رسیده
در حیرتم که من بچه خیال و خامه ام در چه فکر مبتلا گشته که این مجموعه سخن گاہے به بزم
طرب و وقتی به گلزار بہار و ساعتی به بزم دل افروز آشنا گشته۔ اے **فروغ**
ژولیده بیان نمیدانی که ایں گلستان معانی و بزم خیال چه نام دارد که سخن سرایان
شیریں کلام و رندان مے آشام را نور در چشم و سرور در مشام دارد۔ ہمانا نامش
خمخانۂ جاوید و مشہور به تذکرۂ ہزار داستانست و ہر فرد بشر که بہره از سخن سنجی
دارد خریدارش بجان ست۔ مضامینش بآں پایه رسیده که افلاکیاں را دل و
جاں بجانب خود کشیده۔ در حقیقت شاہدیست که از ہر ادائے معشوقانه و انداز محبوبانه
صفحۂ اوراق زمانه را از ہم دریده۔ الفاظ مسلسلش چوں زلف مشکیں مویاں دلہارا
بخود آویخته و بین السطورش مانند رخسار خوبرویاں گرد حسرت بر چہرۂ آفتاب بیخته کیست
که بتحریر و ترتیبش پرداخته۔ و دل و جان را به نظم و انتظامش وقف ساخته۔ خامه اش را
اگر به کلک عطارد متقابل ساخته باشم سر از اوج فلک بحضیض زمین انداخته باشم و یک
نقطۂ تحریرش را اگر به سیارگان چرخ به تقابل آورده باشم نظر فلک رسا را از آسمان
به ستارۂ آب چاه عمیق برده باشم۔ ہمیں است که نگارخانه چین ست و از نتائج طبع وقاد
لاله سری رام صاحب ایم اے از کتم عدم بمنصۂ شہود پدید آمده و کلک قضا و قدر از پئے

تحریر مضامین معانی خیزش بنامش سکہ زدہ۔ ہر لفظے کہ از خامہ اش چکیدہ کار مسیحائی
رسانیدہ و رفتگان را کہ از دیرینہ زمان بخواب عدم چشم بستہ اند زندہ جاوید گردانیدہ
منم کہ خامہ ام در تجسس الفاظ توصیفش از عدم مقدرت بر خود لرزانست۔ و خیالم از
ناکامیابی تحریر مدحش بسان دود آہ عاشقان بر خود پیچانست۔ انصاف پرسخن
سنجان زمان وامی گزارم و اوصافش را بہ نگاہِ انصاف دیدہ وران می سپارم
و خود بر تحریر قطعہ تاریخ طبعش اکتفا می نمایم۔ و معذوری خامہ را بر عذر لاچاری واگزاشتہ
بدعا می آیم الٰہی مصنفش را زندہ جاوید دار و تصنیفش را خلعتِ قبولیت سپار۔ آمین

قطعہ تاریخ طبع خمخانہ جاوید

۶ ۱۹ ۱۱ — ۶ ۱۹ ۱۱

وہ چہ آمد چیز از با بوس برام سے فروغ — نسخۂ حیرت فزا آب حیات آمد زوے
گفتم از ہر مصرع سالِ طبع اش صافی چنان — طبع شد خمخانہ جاوید و من جامے دمے

۶ ۱۹ ۱۱ — ۶ ۱۹ ۱۱

بدری کرشن فروغ

قطعات تاریخ خمخانہ جاوید از مولوی محمد عبد الحق خان صاحب حقی و ثنا قادری رامپوری تلمیذ حضرت جلال لکھنوی

شگفتہ ہیں سب شعر اس تذکرے کے — مضامین رنگین سے رشک چمن ہے
بہار یہ تاریخ لکھدی صفا نے — کہ گلدستہ بزم اہل سخن ہے

دیگر

سخنور تذکرہ خوش جمع فرمود — بہار بیخزانش پر صفا باد
صفا پرسید سالش گفت ہاتف — کہ این گلشن شگفتہ دائما باد

دیگر

شاعر دہلی کنوں تالیف بنمودہ چہ خوب — تذکرہ اہل سخن را از پئے نام و نشان
مصرعِ تاریخ او کلک صفا بنوشت صاف — خانۂ کاشانہ زیبا یادگار شاعران

۶ ۱۹ ۱۱

تقریظ خمخانہ جاوید از نتیجہ طبع آغا مرزا ہادی حسن چغتائی رسوا تخلص ابن حاجی مرزا سلیمان بیگ صاحب ساکن پانی پت شاگرد حضرت اسیر لکھنوی

بیا در محفل جاناں کہ یابی صد قرار اینجا ۔ زر اینجا۔ گوہر اینجا حشمت اینجا۔ افتخار اینجا

اس وقت صبح کے کوئی چھ بجے ہونگے کہ پورب سمت سے ایک روشنی پیدا ہوئی اور تیز شعاعی کرنیں جلد جلد ترقی کرنے لگیں۔ یکایک پردہ شب ہٹا کر شاہِ خاور نے دریچہ مشرق سے سر نکالتے ہی سپاہِ انجم کو کمر کھولنے اور بارہ گھنٹے آرام کرنیکا حکم دیدیا۔ پہاڑوں کی بلند چوٹیاں سنہری بوتلیں بنکر مکینوں کا دل لبھانے لگیں شبنم دوشِ صبا پر گلاب پاش لیئے ہوئے منہ ہاتھ دُھلانے دوڑی۔ مرغانِ خوش الحان جھوم جھوم کر خوشی کے ترانے گانے لگے۔ سب اہلِ جہاں اپنی اپنی آرامگاہ چھوڑ کر استقبال کو اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اس وقت ہم بھی اپنے دوست حافظ ارشاد کے ہمراہ توسنِ خیال پر فراٹے بھرتے ہوئے قطب صاحب کی لاٹ واقع دہلی کے سب سے اونچے درجے پر بہار قدرت کا تماشا دیکھنے میں مصروف ہیں۔

ارشاد۔ تر و سرسبز رنگیں اند نوں ہر اک گلستاں ہے ۔ رُسوا نظر جائے جہانتک تختۂ گلشن بیاباں ہے

" کہیں گلنار رشکِ لعل بہلے حیتاں ہے " کسی جا جعدِ سنبل غیرت زلف پریشاں ہے

" کسی تختہ میں ہر گل غیرت لعلِ بدخشاں ہے " کہیں ناصر علی کا شعر ورد مرغ بستاں ہے

" بہار آمد بصحرا باز کن چشم تماشا را " کہ چون آئینہ گل در بر گرفت اطراف دریا را

اس قسم کی باہم شعر خوانی ہو رہی تھی کہ دفعۃً ملک دکن کیجانب سے ایک عجیب شے سطح ہوا کی صاف سڑک پر ہماری طرف آتی ہوئی دکھائی دی۔

ارشاد۔ (شانہ ہلا کر) مرزا صاحب ادھر دیکھیئے۔ یہ عنقا ہے یا کوئی بادل کا ٹکڑا۔

مرزا رسوا۔ آپکو معلوم نہیں یہ ایک نئی صنعت اور اہل فرنگ کی معجز نما ایجاد ہے۔

اسکو ہوائی جہاز کہتے ہیں ۔

ارشاد۔ بھئی یہ تو ہماری طرف آرہا ہے ؟ ۔

مرزا رسوا۔ یقیناً۔ طرفۃ العین میں وہ ہوائی جہاز زمین سے دو میل اونچا اسی سبزہ زار پر بہار پر ٹھہر گیا۔ آہا اسپر تو حضرت آصفجاہ دکن خلداللہ ملکہٗ جلوہ گر ہیں حضرت مہاراجہ کے یمین و یسار اُسکے چار سکرٹری یعنی اُستادِ جہاں میرزا غالب۔ موجدِ فن میر مصحفی۔ امیرالشعرا امیر مینائی۔ فصیح الملک میرزا داغ رونق افروز ہیں۔ اِن حضرات نے بحکم شاہ جمجاہ اطراف شرق و غرب جنوب و شمال کیجانب سے بآوازِ بلند پکارنا شروع کیا۔ خدا جانے اِن آوازوں میں کس بلا کا اثر اور کیسی کشش مقناطیسی تھی کہ چشم زدن میں تمام شعرائے ہند ماضی و حال اُسی صحرائے پُر بہار میں جمع ہوگئے پھر زور کی ہوا چلی اور سمت لاہور سے تند و پُر شور ایک ابر آٹھا اور چادر ظلمات پھاڑتا ہوا چشمۂ آبحیات پر جھکا اُسکا سب پانی پیکر بحر عدن میں غوطے لگانے لگا اور ہزاروں من گوہر آبدار اپنے وسیع دامنوں میں بھر کر بسرعت برق و باد اُسی سبزہ زار پُر بہار پر محیط ہوگیا۔ پھر ہوا کی فوری جنبش سے آبحیات اور موتی برسانے لگا۔ تمام شعرا نے دوڑ دوڑ کر موتی لوٹے اور آبحیات پیا۔ پھر اُس ابر میں دو آفتاب درخشاں متصل نظر آئے پھر وہ ابر سمٹا اور روبرو حضرت آصفجاہ خلداللہ ملکہ کے بصورت گلدستہ بن گیا اور اُس گلدستہ کے چپ و راست وہ دونوں سورج بشکل انسان متمثل ہوگئے۔ تمام شعرا نے چاروں طرف سے اشعار مبارکباد پڑھنا شروع کیے۔ اسکے بعد وہ تمام جلسہ اور ہوائی جہاز نظروں سے غائب۔ ہم یہ نمونۂ طلسم دیکھ کر محو حیرت ہوگئے ۔

ارشاد۔ بھئی ایسی ہوش ربا کیفیت کبھی دیکھی نہ سُنی ۔

رسوا۔ حافظ صاحب وہ ہوائی جہاز اعلیٰ حضرت شاہ دکن خلداللہ ملکہٗ کی توجہ خاص ہے اور وہ ابر جو گلدستہ بن گیا "خمخانۂ جاوید" ہے۔ آبحیات جو آپنے برسایا گویا

شاعروں کو زندۂ جاوید بنایا اور وہ گوہر آبدار شعراء کے اشعار۔

ارشاد۔ اور وہ دو سورج متصلہ باہم۔؟

رسوا۔ پہلا سورج گوہر درجِ اقبال لالہ **مدن گوپال** بیرسٹرایٹ لا۔ اور دوسرا سورج مخدومِ انام مرجعِ خاص و عام جامع کلام ایم اے۔ منشی **سری رام** منصف صاحب چیف کورٹ لاہور۔ جنکی تصاویر ”خمخانۂ جاوید“ کے ٹائیٹل پر موجود ہیں۔ ہمنے جو اشعار مبارکباد اس جلسۂ شعراء میں پڑھے تھے وہ مؤلف ممدوح کی نذر کرتے ہیں اور قطعۂ تاریخ اسکے علاوہ۔ ؎

چمک دکھلا رہا ہے دُرِ تاجِ آصفی کیا کیا
نمایاں ہے رُخِ انور سے شانِ قیصری کیا کیا

حضور حضرتِ ملکِ دکن مسرور ہو ہو کر
ترانے گا رہی ہے آج مضموں کی پری کیا کیا

سوادِ حرف سے عالی گہر منصف مؤلف نے
جمائی ہے لبِ مضموں پہ مسّی کی دھڑی کیا کیا

جھلک نورِ معانی کی عیاں ہے صاف لفظوں سے
پری شیشہ میں دکھلاتی ہے شانِ دلبری کیا کیا

مسرت سے مبارکباد دیتی ہے مؤلف کو
مناتی ہے خوشی بزمِ سخن میں شاعری کیا کیا

زمیں سے تا فلک اسکے خریداروں کی کثرت ہے
بنے ہیں چاند سورج اور زہرہ مشتری کیا کیا

مضامیں نذر کرکے عالمِ جاوید تک پہنچے
ہوئی ہے شاد پڑھکر روحِ میر و مصحفی کیا کیا

وہ نظمِ منتخب ”خمخانۂ جاوید“ میں پائی
کہ جسکی داد دیتی ہے نگاہِ منصفی کیا کیا

کنول روشن کئے ہیں تذکرے میں نورِ مضموں کے
مؤلف نے سجایا ہے یہ ایوانِ پری کیا کیا

سری رام ایم اے والا گہر منصف مؤلف نے
دُرِ مضموں کے یکجا کردیئے ہیں جوہری کیا کیا

سوادِ حرف ہے کحل الجواہر میرزا رسوا
ہوئی ہے چشمِ نابینا کو حاصل روشنی کیا کیا

قطعۂ تاریخ طبع خمخانۂ جاوید

چھپا ہے یہ رسوا عجب تذکرہ
بنا جو خدائی کا محبوب طبع

پئے سال ہاتف نے دی یہ ندا
کہ ہے تذکرہ کیا ہی مرغوب طبع

۱۳۲۹

قطعہ تاریخ محررۂ منشی حیدر علیخاں نوشاد مصاحب جناب صاحب دنپرتی حیدرآباد دکن شاگرد مہاراجہ مدار المہام پیشکار بہادر

پھولا ہے نیا گلشن خمخانہ جاوید
ہر بلبل دل جس کا خریدار ہوا آج
ارشاد کو لازم ہوا تاریخ کا لکھنا
گلدستہ سری رام کا گلزار ہوا آج
۱۳۲۵

قطعات تاریخ طبع از نتیجۂ فکر گرامی مرزا واجد حسین صاحب واقف لکھنوی ملازم خاص سرکار نواب مرزا محمد باقر علیخاں صاحب رئیس اعظم شیش محل لکھنو

کیوں نہوں مشہور عام خاص سری رام بھی
صاحب علم و ادب شاعر شیریں سخن
انکے صفات اسطرح پھیل گئے ہند میں
دیتا ہے بو جس طرح آپ ہی مشک ختن
آپکی توصیف میں اسکے سوا کیا لکھوں
اسے یہ ثنا یت مگر لعل زبان و دہن
ایسی چھپی یہ کتاب جس کا نہیں ہی جواب
قول مضامین یہ ہی اپنا یہی ہے وطن
کر دے یہ واقف رقم مصرعۂ تاریخ سال
گلشن صاحب سخن ہے شعرا کا چمن

دیگر

ماشاء اللہ کیا سری رام
ہیں فن سخن میں فیض بنیاد
مطبوع ہوا کلام جن کا
مشہور نہ کس طرح ہوں استاد
اس فن کو دی ہے کیا ترقی
اجڑا ہوا گھر کیا ہے آباد
دل میں جو کرے کوئی تصور
آنکھوں سے کرے بصدق دِ صاد
کہتا ہے قلم جھکائے سر کو
ممنوں ہوں میں بھی انکا آزاد
خالق نے دیا کمال جنکو
سب کرتے ہیں آجتک انھیں یاد
یہ بھی ہوئے ہیں انھیں کی مانند
اللہ رکھے انھیں بھی آباد
کیا خوب یہ تذکرہ لکھا ہے
سبحان اللہ طرز ایجاد
۱۹ ۱۱

واقف نے کہا یہ مصرعِ سال ۔۔۔ شعرا کا چمن یہ ہے خداداد

تقریظ از نتیجۂ افکار گوہر بار نقشبند گلزارِ معانی بلبلِ بوستانِ شیوا بیانی مولانا سید وحید الدین احمد صاحب بیخود دہلوی جانشین حضرت داغ مرحوم

حریفانِ خمخانۂ سخن افزوده باد کہ دوئمی جلد خمخانۂ جاوید تذکرۂ اردو گویاں بہ آئیں بہیں باتمام رسیده بہ طبع درآمد۔ درہائے شاوی برروئے مشتاقان باز شد بسے زاویہ گزینانِ خاک را بلند آوازه ساخت۔ وبسیارے زندگاں را زندگی دوباره بخشید الواحش از رنگینی رشکِ بالِ طاؤسِ چمن ست۔ و اوراقش از خوبی و زیبائی غیرتِ خیابانِ گلشن۔ گوش از شنیدنش دامانِ گلچیں و دیده از دیدنش نگارخانۂ چیں ؎

بحروفش صداہائے روئے رباب ۔۔۔ بسطورش شکنجِ زلفِ ایاز
باشد از نقشہائے نگار رنگ ۔۔۔ صفحۂ او نمونۂ ارژنگ

مؤلف ایں ہمایوں نامہ فرزانہ مکرمی معظمی لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے سابق منصف لاہور کارے کرده است کہ بجاست آفریں از لب میرید و منتِ بسیار بر اردو زبان نہاد و ایں ہیچمداں را تازه جانے داد۔ و بہ ترتیبش کمر است و ہمت گماشت بسیار سعی بکار برد و فراواں کوشش بعمل آورد سعی مشکور شد و کوشش بجائے رسید۔ از لبِ فرو بستگاں جوشے و خروشے سرزد و از افسرده طبعان ذوقے و شوقے روئے نمود۔ پنداشتنی کہ در دلہائے سوختہ آتشے اثر میریزد و در جگرہائے برشتہ سوزے از نو نہاد۔ روزگار طرحِ دیگر انداخت و زمانہ رنگ دگر ریخت۔ دریں بوستانِ خزاں دیده نو بہار رسید و ابرہائے لؤلؤ بار بارید۔ گلہائے گوناگوں شگفت و سبزه ہائے مطرا دمید۔ و در ہر چمن بلبل پرغولہ نوائے کہ دم درکشیده بود صفیرے برکشید و شورے برانگیخت۔ و در ہر گلشن عندلیبے خوش صفیرے کہ زبان بستہ بود خروشے در انداخت

وغلغلۂ در افگند۔ در ہر شہرے سرائے غزلہائے تازہ بتازہ نو بنو سرودن گرفت
و در ہر دیارے تازہ خیالے خیالہائے تازہ بروئے کار آورد۔ آرے کہ بلبل
بہ نوا آید واز نوا کردن ÷ بندہ بیخود از افسردہ دلی و پریشان خاطری سالہائے
دراز لب بہ حرف نکشودہ بود بگفتار در آمد۔ و بتقریب تقریظ زمزمۂ چند سرود۔ امید کہ
این صحیفہ قبول خاطرے اہل کمال شود۔ واز ہر چہ باید و نشاید در امان باشد ÷
خاکسار سیّد وحید الدین احمد بیخود دہلوی عفی عنہ

اقتباس از تحریر حکیم محمد مظہر الہادی سہیل صاحب امروہوی ملازم ریاست کوٹہ درجہ تانیہ

محسن شعراو مسیحائے اُردو۔ تسلیم۔
میر محمود حسن صاحب وکیل کی عنایت سے آپکی بے نظیر کتاب تذکرہ نظر سے
گزرا۔ اِس موقعہ پر میں صرف اتنا ہی کہنا چاہتا ہوں کہ آپنے ایک ایسا کارنامہ
مرتب کردیا ہے کہ آیندہ نسلیں گزشتہ خیالات کے معلوم کرنے میں ہمیشہ
آپکی احسان مند رہیں گی۔ اور تمام مرحوم شاعروں کی روحیں ابدالآباد تک
آپکے لیئے دعا کرنا اپنی ادبی مشکوری سمجھیں گی ÷

اقتباس از تحریر جناب شفاءالملک حکیم رضی الدین احمد خانصاحب بہادر رئیس دہلی

تذکرہ کی خوبیوں کے متعلق پہلے ہی اپنی ناچیز رائے میں ریویو میں ظاہر کرچکا
ہوں۔ مگر جب اُسکا کوئی جزو نظر سے گزرتا ہے تو بے اختیار احسنت زبان
سے نکلتا ہے ÷

فی الحقیقت جسقدر بلیغ کوشش و ہمت آپنے اس تالیف میں کی ہے
وہ ایک غیر معمولی اہتمام ہے۔ علاوہ تالیفی محاسن کے اسکے انطباع کی خوش اسلوبی

ندرت۔ انوکھاپن۔ یہ ایسی دلکش ہیں کہ جدّت ونفاست پسند طبیعت کی خاص تفسیر ہیں۔ آپنے کوئی دقیقہ اسکے مرغوب بنانے میں اٹھا نہیں رکھّا۔

تقریظ نگاشتۂ قلم مشکین رقم شفیق کرم گستر محقق والانظر خواجہ محمد عبد المجید خاں صاحب بی اے پروفیسر مشن کالج ورئیس دہلی

درین خرابۂ آباد نمائے گیتی دیارے است کہ ہندوستان نام نہادہ اند و مینو نظیر و جنت نشان خوانند خالِ رخِ دلبران است و غنچۂ شگفتہ دہان۔ آرے آن راکہ دولتِ حسن بیشتر باشد آسیب چشم زخم کمتر نرسد۔ بارہا پامالِ حوادثِ دوران شدہ و سالہا لذّت شربتِ امن و امان نچشیدہ۔ تا آن زمان فتنہ خیز کہ راحت از میانِ مردمان برخاستہ شد و غم و اندوہ برجانِ ایشان تسلط گرفت۔ باغیان بغاوت آغاز کردند و ہوائے روزگار را بسے ناساز۔ خونِ ناحق ریختند و مردمانِ لائق و فائق را بخاک و خون آمیختند۔ پریشانی فزودند و دولتِ امن ربودند۔ بے کسان را بے خانمان ساختند و خوان یغمائے خود آراستند۔ حتی کہ اقبال مملکت انگلشیہ یاوری کرد و بخت ایشان بمددگاری برخاست و چمن خزان دیدہ را بارِ دگر بپیراست۔ لذتِ امن و امان کام و دہن مردمان چشید و لعل گم کردۂ راحت در جیب آفت رسیدگان رسید۔ **بیت** فلک گہ خزان آورد گہ بہار۔ کہ بریک نمطے نگیرد قرار۔ خجستہ بلادِ دہلی و لکھنؤ کہ ازین بادِ مخالف گزندِ زہر افعی بہ آنہا رسیدہ بود در سایہ دولت عظمت مدار انگلشیہ رونقِ دگر یافتند۔ و چمن خضرائے سخن کہ عبارت ازین بلدین مینو سواد باشد برگ و بار آورد۔ باغبانانِ گلشن سخنوری نو بہِ سخن را آراستہ کردند و سروِ آزادِ معنی را پیراستہ۔ نونہالان برخاستند کہ صیتِ گوہر فشانی شان اقصائے عالم را فرا گرفت و چشمان عالمیان را روشن ساختند۔ ہر صنف کلام بر مسندِ عزت متمکن نشستند و افاضۂ خود در بسیطِ عالم جاری داشتند۔ ہمہ بلاد و امصار ہند غاشیۂ شاگردی ایشان را بر دوش بہ رضا و رغبت کشیدند و از جامِ جمشیدی ہوش ربائے ایشان مے مرام چشیدند۔ افضل تر بلدہ دہلی کہ دایۂ مہربانِ اردو زبان است و گہوارۂ بلبلان شیرین بیان

بعد این دورِ فتنه و فساد آن گوهرهائے نایاب را در کنارِ خویش پرورید که دیدهٔ روزگار خوبتر از ایشان ندیده، مثلِ ستارهٔ صبح بر افقِ شهرت درخشیدند و زود غروب شدند ع پس از چنین خرابی باز این خرابه جائیست ۞ درین دورِ آخری نیز از خاکِ پاکِ دهلی حالی و داغ برخاستند و زبانِ ریخته را زیب و زینتِ نو دادند و رونقِ رفتگان را در چشمِ ما افزودند و دل از دست ربودند۔ داغ بازارِ پررونقِ این خرابهٔ دهلی را گذاشت و رختِ اقامت سوئے ملکِ دکن کشید و بخاک خفت۔ آرے

بیت هر کجا چشمه بود شیرین ۞ مردم و مرغ و مور گرد آیند ۞ چون نام ملکِ دکن بر زبانِ قلم رفت در سرِ او سودائے پدید آمد و در بنیانِ قصیده‌ئی آغاز نهاد۔ مرحبا بلدهٔ حیدرآباد فرخنده بنیاد و خجسته آن والیِ نیک نهاد که در کنفِ عاطفتِ گوهرشناسی او مایه‌وران سخن جا گیرند و از خوانِ نوالِ او بهره چینند۔ تا دیده طمع سیر گردد و دل بر حق دلیر شود۔ خود صاحبِ سخن است و تاجِ سخن‌دان است و کاوشِ گوهرآفرینیِ شاعرانِ نازک بیان بر خاطرِ عاطرِ او پنهان نیست و از این دلیل دلدهیِ ایشان را لازم دانسته و هنروران دور و نزدیک را پیشِ خود خواند۔ دلجوئی نماید و دل را از دست رباید۔ تا آنکه خاکِ دکن دامنگیر گرداند و خاطرِ شان از خاکِ اوطان برگرداند **بیت** ثنائے آن شهِ والا چسان کنم آغاز ۞ که کوته دست مجالِ کلام و قصه دراز ۞ نیرنگیِ زمانهٔ بوقلمون به حدے رسیده است که دهلیِ مرحوم اگرچه از شعرائے عالی مقام خالی شده است و در آشیانه زرتارِ بلبل زاغِ سیاه بال بیضه نهاده است۔ تاهم یک مردِ میدان پدید آمده که در سخن‌فهمی و سخن‌سنجی یدِ طولیٰ داشته است و همت خود برین گماشته که نام پیشینیان را روشن کند و آوازهٔ روشِ نیکوئے شان را در آفاق رساند۔ سعی مے برد و بیکار نشیند تا کارے کرده است که از یک گروهِ والا منشان سرانجامِ آن دشوار می‌نمود۔ از گلبنهائے سخن گلها چیده است که همه گل سرسبد بوده‌اند و این را یکجا آورده۔ **خمخانهٔ جاوید** نام نهاده۔ لاریب این نسخهٔ زیبا را این نامِ نامی سزاوار است چرا که این خمخانه ایست که در آن جنسِ مے پرجوشِ سخن لبریز از آن است و جاوید بودن یکے از لوازمِ آن۔ این نوجوان ره نوردِ جادهٔ سخنمندی از خانوادهٔ برخاسته که زبان‌فهمی و سخن‌گستری در این شهرِ دهلی از قدیم سرآمدِ روزگار بوده و بهر کارے که توجه نمودند گوئے سبقت از

دیگران ربودند پدر بزرگوار این نوجوان پاکیزه بنیان در کشور پنجاب بر مسند عزت نشسته بود و از دولت انگلشیه اعزاز خطاب **او تریبل** یافته و در آئین دانی و آئین فہمی نظیرے نداشت ۔ آرے چنان پدرے را چنین پسر لازم است که از ہمہ کمالات آراستہ باشد و بہره از علوم مغربی کماحقہ برداشتہ و علوم مشرقی را که در معرض زوال اند ہم فراموش نکرده ۔ بلکه روح دیگر در قالب آن از سعی خود دمیده ٭

خلق عمیمش شاعران و سخندانان را گرویدهٔ خود گردانیده و احسانی بزبان اردو کرده که تا این بساط زنده ماند احسان او از یاد نرود ٭

اکنون آن بے بصران کجا اند که میخواہند در حجلهٔ آراستهٔ اردو عجوزهٔ سال خورده برج بھاشا را نشانند ۔ اگر در قوائے دماغی ایشان خلل نه پذیرفته است خمخانهٔ جاوید را ببینند و انصاف کنند آیا ہندی آن قدر و منزلت دارد که پیش نوعروس اردو شکل مکروه خود را از چادر بیرون آرد ۔ و دلان نوجوانان ہند را از غمزهٔ پیرانهٔ خود بر باد بیت ۔ دماغے را که بوئے سیر مختل ساخت کے وا اندیشد بہائے عنبر سارا و از نیز نافهٔ مشکین ٭

دلخواه این بندهٔ درگاه بود که سطرے چند بر این کتاب نایاب نویسد ۔ اما از بے بضاعتی خود شرم داشت که در صف مایه داران نشیند که ناگاه قبله گاہی ادام الله برکاته امر کردند و گفتند که لاله سری رام صاحب ایم اے دوست دیرینهٔ من است و ترا لازم است که از پاس خاطر آنجناب قلم تحریر را تا دیبا بگردان چون امر شاد چاره ندیدم و سطرے چند از نظم و نثر فراہم آوردم که ہرگز در نظر نگارنده این ارز ندارد که شامل نسخهٔ لاجواب خمخانهٔ جاوید شود ۔ چرا که بر آن کتاب سایهٔ شہرت قسلیم اول انداست خود زنده است و از سعی کسے کم و بیش نمی شود بمصداق این شعر

شکّ ختن نهفته نماند ز بیخ کس	از بوئے خوش نسیم بہ گیتی خبر برد

محمد عبد المجید

فہرست اسماء شعراء مندرجہ تذکرہ خمخانۂ جاوید

جلد دوم

